

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ كُنُوزٌ كُنَتْ فِي بَيْتِ اللَّهِ  
عَلَى  
الذُّرِّ الْمَنْضُوقِ

سَيِّدِنَا أَبِي كِلَابٍ

الجزء السادس

أخبار من وحي

مولانا محمد ماقول صاحب مسالمة و صلح و سلام و طهارت و طوم

تأليف و شرح

شيخ الحديث حضرت مولانا محمد زكريا صاحب قدس سره

ناشر  
مكتبة الشيخ  
٢/٣٢٥ - بهادر آباد - كراچی ٥



مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح افلاطون  
اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

# الذکر المنضوی

علی

# سینک اہل بیت اہل

انوارت درسیہ مع اضافات و نظر ثانی

مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم

تکبیر شید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

الجزء السادس

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۲/۲۲۵- بہادر آباد- کراچی ۵

مؤلف وامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح اغلاط اور اضافات کے ساتھ پہلی بار

نام کتاب: ..... اللہ والمنصوبہ ملی سنن ابی داؤد و غیرہ

افادات و تفسیر: ..... حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ العالی مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم

ناشر: ..... مکتبہ الشیخہ ۳/۳۴۵، بازار آباد کراچی ۵

اشاعت طبع جدید: ..... 2008/11/29

## مکتبہ ظیلیہ

دکان اسلام کتب و ادبیات بخوبی دکان کراچی

### دیگر ملنے کے پتے:

اردو بازار کراچی	کتبہ العامیہ	اردو بازار کراچی	کتب خانہ شرفیہ
مکان	مکتبہ حقانیہ	اردو بازار کراچی	زمزم پبلشرز
مکان	کتب خانہ مجیدیہ	گلشن اقبال کراچی	کتب خانہ مظہری
لاہور	ادارہ اسلامیات	صدر کراچی	اقبال بک سینٹر
لاہور	مکتبہ سید احمد شہید	اردو بازار کراچی	دارالاشاعت
لاہور	مکتبہ رحمانیہ	بخوبی دکان کراچی	اسلامی کتب خانہ

## فہرست مضامین الدر المنضود جلد سادس

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸	باب فی اکل الضب	۲۵	باب فی غسل تہیئین عند الطعام	۱۷	کتاب الاطعمۃ
۲۹	باب فی اکل لحم العبارى	"	ترجمہ البابین کرار اور اسکی توجیہ	"	باب ماجاء فی اجابۃ الدعویۃ
"	باب فی اکل حشرات الارض	۲۶	باب فی طعام الفجاءۃ	۱۸	ولیمہ سے متعلق تین فائدے
"	سئل عن اکل القنفذ الخ	"	باب فی کراہیۃ ذم الطعام	"	انواع الضیافات اور ان کے اسرار
۳۰	قنفذ کا مصداق اور اس کا حکم شرعی	۲۷	باب فی الاجتماع علی الطعام	۱۹	اجابۃ دعوت کا حکم شرعی
۳۱	باب فی اکل الضبع	"	باب التسمیۃ علی الطعام	"	باب فی استحباب الولیمۃ
۳۲	باب ماجاء فی اکل السباع	۲۸	باب فی الاکل متکثرا	۲۰	باب الطعام عند القدوم
۳۳	باب فی اکل لحوم العمیر الاہلیۃ	۲۹	اکل مستنن کا مصداق اور تفسیر	"	من السفر
"	بقال کے حکم میں اختلاف	"	کھانے کے وقت پسندیدہ صفت جلاز	"	باب فی الضیافۃ
۳۵	والیٰ ذلک البحر الحدیث	۳۰	باب فی الاکل من اعلیٰ المصحفۃ	"	فلیکرم ضیفہ جائزۃ یومہ لیلۃ
"	حمر اہلیہ میں مذہب ابن عباس	۳۱	لا تقطعوا اللحم بالکین الحدیث	۲	اور حدیث کی شرح
"	باب فی اکل الخراد	"	باب الاکل بالیسوین	"	باب فی کم تستحب الولیمۃ
۳۶	باب فی اکل الطافی من السمک	۳۲	باب فی اکل اللحم	"	باب من الضیافۃ ایضا
۳۷	باب فیمن اضطر الی المیتۃ	"	وتم فی الذراع وکان یری	"	لیلۃ الضیف حق علی کل سلم الحدیث
"	مسئلہ مضطر میں مباحث سبچہ	۳۳	ان لیہود ہم سمود	"	باب نسیخ الضیف فی الاکل
۳۸	قال ذلک والیٰ الجوع	"	باب فی اکل الدباء	"	من مال غیرہ
"	القسم بغير اسم التمر	۳۴	باب فی اکل الشرید	"	ترجمہ الباب کی غرض اور اس میں
۳۹	باب فی الجمع بین لونین	"	باب فی کراہیۃ التقذر للطعام	"	اختلاف نسخ
"	باب فی اکل الجبن	"	لا تجلبون فی تمسک شیء فادعت	"	باب فی طعام المتباریین
"	باب فی الخجل	۳۵	فیہ النصاریۃ حدیث کی شرح	"	باب الجناہ یدی فی یدی مکروہا
"	باب فی الثوم	۳۶	باب فی النهی عن اکل الجلالۃ	"	باب اولیٰ حقہم اذ اعدیان فیہما حق
۵۰	باب فی التمر	"	باب فی اکل لحوم الخیل	"	باب فی احصرت النضۃ والاعشاء
۵۱	باب فی التمر	"	تفقیق مذہب خلیفہ	"	
		۳۷	باب فی اکل الارنب	"	



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۷۲	باب ماجاء فی العین	۲۱	بذل الجہور شریف کی جلد رابع کا اختتام	۵۳	ہذا ادرام هذه الحديث
۷۳	باب فی الفیل	"	کتاب الطب	"	باب فی تفتیش التمر عند الاکل
"	باب کی دو حدیثوں میں تعارض ہے	۲۲	باب الرجل یتداوی	۵۴	رو متعارض حدیثوں کا جواب
"	اور اس کی توجیہ	"	علاج اور تدوی کا حکم	"	باب الاقراں فی التمر عند الاکل
۷۵	باب لی تعلیق التماسح	۲۳	توکل کے مراتب ثلاثہ	"	باب فی الجمع بین اللونین
۷۷	باب ماجاء فی الرقی	"	باب فی الحمیة	"	یاکل البیطیح بالرطب فیقول یکسر
۷۸	عورت کے لئے کتابت سیکھنا	۲۴	باب ماجاء فی الحجامة	"	حرفہ الذہ حدیث کی شرح
"	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے	"	باب فی موضع الحجامة	۵۵	باب فی استعمال انیۃ اهل الکتاب
۷۹	حق میں لفظ سیدنا کا ثبوت	۲۵	باب مہی یتستحب الحجامة	۵۶	باب فی دو اب البحر
"	باب کیف الرقی	"	باب فی قطع العرق وموضع الحجیم	"	غزوة سیف البحر کا تذکرہ
"	اصول تحت اور ازالہ مرض	۲۷	باب فی الکی	"	حدیث العنبرہ
"	کے لئے چند مخصوص دعائیں	"	باب فی السعوط	۵۷	باب فی الفارة تقع فی السمۃ
۸۱	تعویذ پر جواز اجرت	"	فلما اشکل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ	"	باب فی الذباب یقع فی الطعام
۸۲	باب فی السمۃ	۲۸	علیہ وآلہ وسلم لہ اصحابہ الحدیث	۵۸	باب فی اللقمة تسقط
"	باب فی الکھان	"	صغیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۵۹	باب فی الخادم یا کل مع المولی
۸۳	باب فی النجوم	"	کے ساتھ لدرر کا واقعہ	"	باب فی المنذیل
"	مطرنا بجزر کنا و کنا	"	باب فی النشرة	"	باب ما یقول اذا طعم
"	باب فی الطیرة	۲۹	باب فی التریاق	۶۰	باب فی غسل الید من الطعام
"	وہ حدیث جس کو ابو ہریرہ بیان	"	باب فی الادویۃ المکروہة	"	باب ماجاء فی الدعاء لرب الطعام
۸۵	کرتے کے بعد بھول گئے	۳۱	باب فی تمرة العجوة	"	باب تمر العجوة
"	دو متعارض حدیثوں میں تطبیق	"	انت الکارت بن کلدۃ فلیاخذ	"	باب ما لم یدکر تحریمہ
۸۶	لاعدوی ولا صفر ولا ہامة	"	سبع تمرات الا حدیث کی شرح	"	وما سکت عنہ فہو عفو
۸۷	ہامة کی تفسیر	۳۲	باب فی العلق	"	دو حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے
۸۸	اشوم فی ثلاثہ فی الفرس الخ	"	باب فی الکحل	"	اور اس کا جواب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۸	لبس حریر کے مختلف اسباب اور ان کا حکم	۹۰	باب فی عتق ولد الزنا	۹۰	کتاب العتق
۱۲۹	باب من کرهہ	۱۰۵	باب فی ثواب العتق	۹۱	المکاتب عبد الباقی علیہم
۱۳۰	بھی عن لبس القسی و المعصران	۱۰۶	حدود زانیات میں نہ کہ کفلات	۹۱	عورت کا غلام اس کا محرم ہے یا نہیں
۱۳۰	بھی عن رکوب النمرود لبس الخاتم	۱۰۷	باب فی ای الرقاب افضل	۹۲	مکاتبت بریرہ کی روایات کی تطبیق و تشریح
۱۳۱	اللاذی سلطان	۱۰۸	باب فی ذہل العتق فی الصحة	۹۲	حضرت جویریہ اور ان کی مکاتبت کا قصہ
۱۳۱	بھی عن میاثر الاربعون	۱۰۹	کتاب الحروف والقراءات	۹۳	باب فی العتق علی شرط
۱۳۲	باب الرخصة فی العلم و خیط الحریر	۱۱۰	قرارات جمع کے ائمہ اور ان کے مشہور راویوں کا مختصر تعارف	۹۳	حضرت سفینہ صحابی کا تذکرہ
۱۳۲	بھی عن الثوب المصمت من الحریر	۱۱۱	کتاب الحمام	۹۴	باب فی من اعنت نسیبہ
۱۳۳	باب فی لبس الحریر لعدو	۱۱۲	باب فی التعمیر	۹۴	باب فی من اعنت نسیبہ من مملوک
۱۳۳	باب فی الحریر للنساء	۱۱۳	باب فی التعمیر	۹۵	بینہ و بیینہ اخر
۱۳۴	باب فی لبس الحریر	۱۱۴	کتاب اللباس	۹۵	عتق اور عتق کی تجزی کی بحث
۱۳۴	باب فی البیاض	۱۱۵	باب فیما یدعی لمن لبس ثوباً جدیداً	۹۶	اور مذاہب ائمہ
۱۳۵	باب فی الخلقان و غسل الثوب	۱۱۶	باب ما جاء فی القیص	۹۷	باب من ذکروا السعیة فی هذا الحدیث
۱۳۵	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک حکایت زہد اور سادگی کی	۱۱۷	باب ما جاء فی الاقبیة	۹۸	باب فی من روی ان لم یکن له العتق
۱۳۶	لباس کے بارے میں ہمارے اکابر کا ذوق	۱۱۸	باب فی لبس الشهرة	۹۸	اختلاف نسخ اور نسخہ صحیح کی تعیین
۱۳۶	باب فی المصبوغ	۱۱۹	باب فی لبس الصوف و الشعر	۹۹	باب فی من ملک دار حرم محرم
۱۳۷	باب فی الخضرة	۱۲۰	آنچک کے ارادہ سہا بلہ پر ایک پارے کا تاثر	۱۰۰	باب فی حق امہات الاولاد
۱۳۷	باب فی الحمرة	۱۲۱	ان ملک ذی یزن احدی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم	۱۰۱	مسئلہ الباب میں اختلاف علماء
۱۳۸	لبس حریر میں مذاہب ائمہ	۱۲۲	آپ کا غیر مسلموں کا حدیث قبول کرنا	۱۰۲	باب فی بیع المدبر
۱۳۹	و عن نسیب ثیاب البہا بمغرة الخ	۱۲۳	باب ما جاء فی الخز	۱۰۳	باب فی من اعنت عبیدالہ
۱۳۹	حدیث پر اشکال اور اس کی توجیہ	۱۲۴	باب ما جاء فی الثوب	۱۰۴	لم یبلغہم الثلث
۱۴۰	باب فی الرخصة	۱۲۵	باب ما جاء فی لبس الحریر	۱۰۵	باب فی من اعنت عبداً و لیس مال
۱۴۰	باب فی السواد	۱۲۶			



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۶۸	بَاب فِي الْهَدَابِ	۱۳۰	آپ کے زمانہ میں عورتوں کا کشف وجوہ	۱۳۰	باب فی الہدایہ
۱۶۹	بَاب فِي الْعَمَائِرِ	۱۳۱	عند الاجاب سے احتراز	۱۳۱	باب فی العمائر
۱۷۰	بَاب فِي اتِّخَاذِ السُّتُورِ	۱۳۲	ایقاظ	۱۳۲	آپ کے ساتھ مصارعہ رکازہ کا واقعہ
۱۷۱	بَاب فِي الصَّلَابِ فِي الشَّرْبِ	۱۳۳	باب فی ما تبدی المرأة من زینتها	۱۳۳	آپ سے ٹوپی اور عمامہ دونوں کا ثبوت ہے
۱۷۲	بَاب فِي الصُّورِ	۱۳۴	باب فی العبد ینظر الی شعر مولاته	۱۳۴	عمامہ کے ثبوت والوان وغیرہ میں
۱۷۳	بَاب فِي الْمَلَائِكَةِ فِي بَيْتِ فِرْعَوْنَ	۱۳۵	باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ غیور الی الاربعة	۱۳۵	علماء کی مستقل تالیفات
۱۷۴	کتاب الترجل	۱۳۶	کان یدخل علی ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فحمت الی	۱۳۶	عمامہ میں شملہ کی بحث
۱۷۵	باب ماجاء فی استحباب الطیب	۱۳۷	باب فی قولہ تعالیٰ وقل للزینات ینقضن من ابصارھن	۱۳۷	باب فی لبسة الصماء
۱۷۶	باب ماجاء فی اصلاح الشعر	۱۳۸	انعمیا وان انما الحدیث	۱۳۸	باب فی حل الازرار
۱۷۷	باب فی الخضاب للنساء	۱۳۹	نظر الرجل الی المرأة وکسر من مذاہب ائمہ	۱۳۹	باب فی التفتیح
۱۷۸	باب فی صلۃ الشعر	۱۴۰	باب کیف الاختیار	۱۴۰	تفسیر ہجرت کا ابتدائی حصہ
۱۷۹	باب ماجاء فی رد الطیب	۱۴۱	باب فی لبس القباہل للنساء	۱۴۱	تفتیح کا مفہوم اور اس کی تحقیق
۱۸۰	باب فی طیب المرأة للخروج	۱۴۲	باب ماجاء فی اللذیل	۱۴۲	باب ماجاء فی اسباب الازرار
۱۸۱	باب فی الخلق للرجال	۱۴۳	عورت کے قد میں حد عورت میں داخل ہیں یا نہیں؟	۱۴۳	اخر فی الی وکان جلیسا الالی الدرود الی
۱۸۲	باب ماجاء فی الشعر	۱۴۴	باب فی اہب المیتة	۱۴۴	ایک طویل مضمون حدیث
۱۸۳	کان شعرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوق الوفرة ورون البجۃ	۱۴۵	دیانت کی حقیقت اور اسکے حکم میں مذاہب ائمہ	۱۴۵	کلمہ تنفعا ولا تنفرک
۱۸۴	باب ماجاء فی الفرق	۱۴۶	باب من روی ان لا یتنفع	۱۴۶	باب ماجاء فی الکبیر
۱۸۵	باب فی تطویل الجمۃ	۱۴۷	باب ماہاب المیتة	۱۴۷	باب فی قدر موضع الازرار
۱۸۶	باب فی الرجل یضفر شعرہ	۱۴۸	باب فی جلود النمر	۱۴۸	باب فی لباس النساء
۱۸۷	قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کما ولد اربع غنائر	۱۴۹	وکان معاویۃ لا یتیم لحدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۱۴۹	باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ ینذین علیمن من جلابیہن
۱۸۸	باب فی حلق الرأس	۱۵۰	باب فی الانتعال	۱۵۰	باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضوینا
۱۸۹	باب فی الصبی لہ ذوا بۃ	۱۵۱		۱۵۱	بخمرھن علی حیوینھن
		۱۵۲		۱۵۲	نزل حجابہن ورجاھن علی سطل
		۱۵۳		۱۵۳	آیات وروایات کی توجیہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۸	ترجمہ الباب کی شرح اور اس میں اختلاف مسلک	۲۰۰	باب ماجاء فی التخمق فی الیمن اور الیسار	۱۸۵	باب فی اخذ الشارب
۲۱۹	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۰۱	باب ماجاء فی الہیلاجیل	"	وقت لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والآلہ وسلم خلق العائذہ وتعلیم الاطفال الخ
۲۲۰	قلما قبل عثمان ظلم قلبی مطارہ	"	باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذهب	۱۸۶	کن نفعی السبال الا فی حج او عمرہ
"	کیف انت اذا اصاب الناس موت	"	باب ماجاء فی الازہب للنساء	۱۸۷	باب فی نتف الشیب
۲۲۱	یکون البیت فیہ بالوصیف الخ	"	کتاب الفتن والملاحم	"	باب فی الخضاب
۲۲۲	وقدۃ الحجۃ	۲۰۳	الاشاعۃ لاشراط الساعۃ کا ذکر	"	خضاب اسود کا حکم
۲۲۳	باب فی کف اللسان	۲۰۴	ثم فتنة السراة وفتنہا من تحت قدمی جل من اصل بیتی الخ	۱۸۹	انی رجل طیب قال اللہ الطیب الحدیث
"	اللسان فیہا اشد من وقوع السیف	۲۰۵	قدی جل من اصل بیتی الخ	"	مضوی علی اللہ تعالیٰ علیہ السلام سے خضاب کا ثبوت اور اس میں اختلاف روایا
۲۲۴	سکون فتنہ تستنطف العرب قلما حانی السار	۲۰۶	حدیث کی شرح	۱۹۰	باب فی خضاب الصفرة
۲۲۵	حدیث کی شرح	۲۰۷	حقہ مبارک پورگی کی اسکے بارے میں رائے	"	باب ماجاء فی خضاب السواد
"	باب المرفوعة فی التبدی فی الفتنہ	۲۰۸	فتنة الدھیماہ اور اس کے مسداق	۱۹۱	باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج
"	عزلت اور اختلاف کے درمیان	"	چنگیز خان کا فتنة	۱۹۲	طاج کی تفسیر اور اسکے بارے میں اختلاف علماء
"	تفصیل ایہا افضل	۲۱۱	وکان قتادة یضرب علی الرودۃ التي فی زمن ابی بکر	۱۹۲	کتاب الخاتم
"	باب فی النہر عن القتال فی الفتنہ	۲۱۲	ویل للعرب من شر قد اتتہم الحدیث	"	باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم
"	باب فی تعظیم قتل المؤمن	"	واعصیت الکفرین الاحمر والابيض	۱۹۳	طرح الخاتم کے بارے میں اختلاف روایا
۲۲۶	ومن یقتل مؤمنا استعدا فجزاؤہ ظہم اللہ	۲۱۵	ولا تقوم الساعة حتی تکون قبائل من امتی بالشراکین الخ	۱۹۶	باب ماجاء فی ترک الخاتم
"	اور اس میں حقیر ابن عباس کا مسلک	"	انہ یكون فی امتی کذالک ثلاثون الخ	"	باب ماجاء فی خاتم الذهب
۲۲۸	باب ما یورجی فی القتل	۲۱۷	ترور رحی الاسلام خمس وثلاثین اوست وثلاثین الخ	۱۹۷	باب ماجاء فی خاتم الحديد
"	اسی حدہ استمزومہ لیس علیہا عذاب	"	حدیث کی شرح	"	انخذہ من ورق ولا تمہ مثقالا الحدیث
"	فی الآخرة الحدیث	۲۱۸	یتقارب الزمان ویفقد العلم الحدیث	۱۹۸	قل اللهم اهدنی وسددنی واذکر بالہدایتہم هدایۃ الطریق الحدیث
۲۲۹	باب اللاتم اور اس میں اختلاف نسخ	"	باب النهی عن السعی فی الفتنہ	"	تصویر شیخ کا مسئلہ
"	لا ینزال هذا الدین قائما حتی یكون علیکم اشع عشر طلیقۃ الخ	"			
۲۳۰	الکلام علی شرح الحدیث و بیان معانیہ	"			



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۷	باب فی الامر والتہی	۲۳۱	مسجد العشار کا ذکر اور عبادت بدنیہ کے	۲۳۲	باب فی ذکر المہدی
۲۱۸	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے		وصول ثواب کی دلیل	"	علامات قیامت کی تقسیم
	ساتھ خیر خواہی و کمال ہمدردی	۲۵۰	باب ذکر العیثۃ	۲۳۳	علامہ سیوطی کا رسالہ الفرائد فی اخبار الملائکہ
	تبلیغ کی اہمیت اور اس کا وجوب	"	باب امارات الساعۃ	۲۳۴	امام مہدی کے بارے میں ہمدردی جتنا کا نظریہ
۲۱۹	کیف تقول فی حذو الآیۃ علیکم انفسکم	۲۵۱	حدیث کی شرح اور علامت قیامت کے	۲۳۵	خروج مہدی یقینی نام ہے
"	دہ کو سادقت جہیں ترک تبلیغ مفر نہیں	۲۵۲	در میان ترتیب	"	خروج مہدی کیسے اور کب ہوگا؟
۲۲۰	قولہ اجر خمین منہم؟ قال جر خمین منکم	۲۵۳	وایۃ الارض اور دھان کی تفسیر	۲۳۶	مدت خلافت مہدی
"	کیا غیر محالی محالی سے افضل ہو سکتا ہے؟	۲۵۴	باب حصر الفترات عن کفر	۲۳۷	باب ما یدکر فی قرن المئۃ
۲۲۱	باب قیام الساعۃ	۲۵۵	باب خروج الدجال	۲۳۸	حدیث تجدید دین پر کلام اور اسکی شرح
	قولہ: ارا یتم لیس لکم حذو فان علی	"	دجال کے بارے میں کیا کیا تحقیقات	"	مجددین کا شمار و تعیین (در حاشیہ)
	رأس لآئۃ سنۃ الحدیث اور اسکی شرح	۲۵۶	ما بعث نبی الا قد اندامتہ الدجال	۲۳۹	اس حدیث کا مرتبہ میں حیث الثبوت والصحۃ
۲۲۲	کتاب الحدود	۲۵۷	شرح حدیث میں شرح اور حضرت	"	باب ما یدکر من ملاحم الروم
۲۲۳	باب الحکم فیمن ارتد		گفتگو ہی کی رائے	۲۴۰	مضمون حدیث
۲۲۴	قول معاذ دار جونی فومی ما رجونی فومی	۲۵۸	ان سبع الدجال رجل تعمیر لہم	۲۴۱	باب فی امارات الملاحم
۲۲۵	کان عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح یکتب		دجال کے خلق اور صف	"	باب فی تواتر الملاحم
۲۲۶	... فآزر الشیطان	۲۵۹	طائفہ اور طائفہ کی تحقیق	۲۴۲	باب فی تداعی الامم علی الاسلام
۲۲۷	باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶۰	حضر عیسیٰ کے محل نزول میں اختلاف روایا	"	باب فی المعقل من الملاحم
۲۲۸	باب ما جاء فی المحاربات	۲۶۱	باب فی خبر الجسامۃ	۲۴۳	باب ارتفاع الفتنۃ فی الملاحم
۲۲۹	حدیث العزیمین کی شرح	۲۶۲	حدیث الباب المضمون اور سبع دجال	۲۴۴	باب فی النہم عن تہیج التریک والمبشۃ
۲۳۰	انما جزاء الذین یحاربون اللہ وکولہ الآیۃ	۲۶۳	کا وجود ایک جزیرہ میں	۲۴۵	باب فی قتال التریک
۲۳۱	تفادع الطریق کی عقوبت اور اس میں	۲۶۴	جال کا محل خروج اور وقت خروج	"	قولہ تسوقہم ثلاث مراتب تمقوم
۲۳۲	اختلاف علماء بالتفصیل	۲۶۵	ذکر شہد جاہرانہ ہوا میں صائد کیا	۲۴۶	بحرۃ العزیمین حدیث الباب الدسند احمد
۲۳۳	عزیمین کے ساتھ جو مشلہ وغیرہ کیا گیا	"	جال اور میں صائد ایک ہی ہیں		کی روایت میں مخالف
۲۳۴	اس کی توجیہ و جوابات	۲۶۶	باب فی خیر ابن الصائد		باب فی ذکر المصوۃ
۲۳۵	قول ابن عباس نزلت هذه الآیۃ		لا تقوم الساعۃ حتی ینخرج ثلاثون		طویل حدیث کی شرح
	فی المشرکین آیۃ الحاربتہ کی تفسیر		وقبائل الحدیث		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۳	رجم کے لئے احسان یہود کے یہاں { شرط تھا یا نہیں (عاشیہ)	۲۰۲	باب فی الغلام یصیب الحد	۲۸۷	حفت ابن عباس کی رائے کی تشریح
"	الحکم بن اہل الذمۃ اور اس میں { اختلاف عمل	"	باب السارق یسرق فی الفزوا یقطع؟	۲۸۸	باب فی الحد یشفع فیہ
۲۲۵	باب فی الرجل یزنی بحریجہ	۲۰۳	باب السارق یسرق مراراً	۲۸۹	اقبلوا ذوی العیبات عشر اہتم { الحدود الحدیث
۲۲۷	باب فی الرجل یزنی بجاریۃ امرأۃ	"	حدیث الباب کما رابعہ کے خلاف ہے { اس کے جوابات	"	باب الستر علی اهل الحدود
۲۲۸	باب فیمن غمیل عمل قوم لوط	۲۰۴	باب فی السارق تعلق یدہ فی عنقہ	۲۹۰	باب فی صاحب الحد یجئ نیکر
"	قال ابو داؤد: حدیث ما صم یضعف	"	باب بیع المملوک اذا سرق	۲۹۱	قولہ: وقال للرجل الذی وقع علیہا: ارجوہ تحقیق نفسی واجب التنبیہ
"	حدیث عمرو بن ابن عمرو اور اس مقام کی تشریح	"	باب فی الرجس	"	باب فی التلقین فی الحد
۲۲۹	باب من اتی بهینۃ	۲۰۵	احسان کن صفات کے مجموعہ کا نام ہے؟	۲۹۲	حدود صرف زواجر میں یا کفارات بھی؟
۲۳۰	باب اذا اقر الرجل بالزنا ولم یقر	۲۰۶	رجم کے ثبوت میں بعض فرق کا اختلاف	۲۹۳	باب فی الامتحان بالضرب
"	تقرر المرأة	۲۰۷	ثبوت زنا کے اسباب	۲۹۴	باب ما یقطع فیہ السارق
"	اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تحقیق	۲۰۸	صلوات علی ما عزی میں اختلاف روایات	۲۹۵	باب ما لا یقطع فیہ
۲۳۱	باب فی الرجل یصیب من المرأة	۲۰۹	ازرار بالزنا کیلئے صریح الفاظ ضروری ہیں	"	قولہ لا یقطع فی ثمر ولا کثرہ
"	مادون الجماع الخ	۲۱۰	قولہ تجلد الحد ثم اخبر انہ محصن فامر بہ	"	انہ سئل عن الثمر المعلق، فقال من اصاب بقیۃ الحدیث
۲۳۲	باب فی الامۃ تزنی ولم تحصن	۲۱۱	فرجم حدیث پر اشکال اور اس کا جواب	۲۹۷	باب القطع فی الخلسۃ والخیانة
"	شرح الحدیث من حیث الفقہ	۲۱۲	باب فی المرأة التي امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجمہا من جہینۃ	"	قال ابو داؤد کی تشریح
۲۳۳	باب فی اقامۃ الحد علی المریض	۲۱۳	قولہ فقال احد صحابہ یا رسول اللہ: انقض	۲۹۸	باب من سرق من حجرز
۲۳۵	باب فی حد التلذذ	"	بینا بکتاب اللہ، وقال الآخر: دکان	"	عن صفوان بن امیۃ قال: کنت ناکثاً { فی المسجد الحدیث
"	حدیث الالفک	"	انقبہا الخ حدیث کی تشریح	۲۹۹	باب فی القطع فی العاریۃ اذا اخذت
۲۳۶	باب فی الحد فی الخمر	۲۱۴	باب فی رجیم الیہودیین	۳۰۰	باب فی الجنون یسرق او یصیب حداً
۲۳۹	ول قالہا من تولی تارحہ	۲۱۵	رجم کلدیل یہود نے جو اپنی طرف سے تجویز کیا	"	معتوہ اور جنون کا حکم طلاق وغیرہ میں { والاختلاف فیہ
۲۴۰	باب فی متابع فی شرب الخمر	۲۱۶			



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸۹	حدیث الباب کی توجیہ عن الحدیث اللہکوی	۳۹۰	باب القسامۃ	۳۹۰	قتل شارب فی الرابعة کے نسخ کی بحث
"	باب فی دية الذمی	"	قسامت کے متعلق مباحث اربعہ	۳۹۳	باب فی اقامة الحد فی المجد
۳۹۰	باب فی الرجل یقاتل الرجل	۳۹۱	قسامت کے بارے میں الم بخاری	"	باب فی ضرب الوجه فی الحد
"	فیدفع عن نفسه	"	کامسک	"	کن کن جرائم میں شریعت میں حد ثابت
۳۹۱	باب فیمن تطیب ولا یعلم منه طبا	۳۹۲	باب فی ترک القود بالقسامۃ	۳۹۳	باب فی التعزیر
۳۹۲	باب القصاص من السن	۳۹۳	باب یقادم من القاتل	"	تعزیر کے بارے میں ائمہ کے مذاہب
۳۹۳	باب فی الدابة تنفخ برجلها	۳۹۴	حدیث الباب میں تین تین مختلف مسائل	"	کی تحقیق
۳۹۳	باب فی النار تعدی	۳۹۵	باب ایقاد المسلم من الکافر	۳۹۵	کتاب الدیات
"	باب جنایۃ العبد یكون للفقراء	"	ذمی کا قصاص مسلم سے اور اس میں خفیہ کی دلیل	۳۹۶	باب النفس بالنفس
۳۹۵	مسئلہ مترجم بہا اور حدیث	"	باب فیمن وجد مع اهل رجل یقتله	۳۹۷	باب لا یؤخذ الرجل بجريرة ابیه
"	ہر ایک کی تشریح	۳۹۶	باب العاقل یصاب علی یدیه خطأ	"	ابنک هذا قال ای ورب الکعبۃ الحمد
۳۹۶	باب فیمن قتل فی عیابین قوم	۳۹۷	باب القود بغير جدید	۳۹۸	باب الامام یا مر بالعفو فی الدم
"	باب شرح السنة	"	باب القود من الضربة وتصل	۳۹۹	قتل عمد میں بجائے قصاص کے
"	غرض المصنف من هذا الباب	"	الامیر من نفسه	"	دیت لینے کا حق
۳۹۷	تعریف البدعة	۳۹۸	باب یغفر النساء عن الدم	۴۰۰	محکم بن جثامۃ اللیشی کا واقعہ
۳۹۸	بدعت کے اقسام خمسہ	۳۹۹	باب فی الدية کم هی؟	۴۰۱	باب ولی العمد یاخذ الدية
"	تفرق اسمی علی ثلاث و سبعین فرقہ	"	قتل کے اقسام اور ان کی تعریفات	۴۰۲	باب من قتل بعد اخذ الدية
۴۰۱	باب النهی عن الجدال و اتباع	۴۰۰	دیه الخطأ میں خفیہ و جنابہ کی دلیل	۴۰۳	باب فیمن سقی رجلا سماؤ
"	المتشابه من القرآن	۴۰۱	اعضار کی دیت کا قاعدہ و ضابطہ	"	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو
۴۰۲	باب معانبة اهل الاضواء و بغضهم	۴۰۲	قتل عمد کی دیت کا مسئلہ اور اس کی تحقیق	"	کچھ مسموم کھلانے کا قصہ
۴۰۳	باب ترک السلام علی اهل الاضواء	۴۰۳	باب دية الجنین	۴۰۴	باب من قتل عبده او مثل
"	باب النهی عن الجدال فی القرآن	۴۰۴	ثم ان المرأة التي قضی علیها بالفرقة	"	به ایقاد منه
۴۰۴	باب فی لزوم السنة	"	توفیت اور حدیث کی شرح اور اس پر	"	شرح کی مشہور توجیہ کہ یہ حدیث تفسیر
"	حضرت معاذ بن جبل کے نصح کی تشریح	۴۰۵	اشکال و جواب	"	و تشریح پر محمول ہے اس کا صحیح مطلب
"		۴۰۵	باب فی دية المکاتب		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۳۰	قول ضیفہ انی لاعرف رجلا لاتقوہ الفتن	۳۳۱	باب فی الخلفاء	۳۰۵	حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مکتوب کی تشریح
۳۳۱	تمرق مارقہ عند فرقة من المسلمین الحدیث	۳۳۲	خلفاء راشدین کی مدت خلافت	۳۰۶	حضرت حسن بصری سے مختلف روایات اور ان کے جوابات
۳۳۲	باب فی التخییر بین الانبیاء علیہم السلام	۳۳۳	ما دم قلان ال کوفہ اقام قلانا خلیفنا	۳۱۲	لا الفین احد کم متکنا علی لریکیتہ انو
۳۳۳	قال رجل من السہود والزی مسطقی یومئ	۳۳۴	اس روایت کی تشریح اور تفسیق	۳۱۳	باب من دعالی السنۃ
۳۳۴	وفیہ قلا ادری اکان محم صق فافان	۳۳۵	عشرہ مبشرہ والی روایات	۳۱۴	الاصل فی الاشیاء الاباہۃ
۳۳۵	قبیل الحدیث	۳۳۶	لشہد رجل منہم مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۳۱۵	باب فی التفضیل
۳۳۶	حدیث میں صحت سے کونسا صحت مراد ہے	۳۳۷	علیہ وآلہ وسلم... ولو عمر عمر نوح	۳۱۶	عرض المصنف بالترجمۃ
۳۳۷	انا سید ولد آدم الحدیث	۳۳۸	ثبت محمد نبی وصدیق وشہیدان	۳۱۷	مسلسلات نامی کتاب کا تعارف
۳۳۸	ما ینبی لعبدان یقول انی خیر من یونس بن مینی	۳۳۹	قال لعمر بن عبدالمطلب لعل تجدنی فی الکتاب	۳۱۸	حضرت شاہ ذوالشہ صاحب کابینہ کا شفا
۳۳۹	انبیاء اولوا العزم کا مصداق	۳۴۰	قال اهدک قرنا	۳۱۹	باب فی الخلفاء
۳۴۰	انا اولی الناس بابن مریم الحدیث	۳۴۱	حضرت عبداللہ بن سلام کا مہر شام کے پاس حاضر ہونے کے وقت جانا	۳۲۰	انی اری اللیلۃ ظلمۃ ینطف منہا
۳۴۱	باب فی رد الارجاء	۳۴۲	باب فضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	۳۲۱	اسمن والعسل الحدیث
۳۴۲	بین العہد و بین الکفر ترک الصلاة	۳۴۳	خیر امتی القرن الذی بعثت فیہم ثم الذین یونہم الحدیث اور اس کی تشریح و تفسیح	۳۲۲	اصبت بعضا و اطبات بعضا اور اس کی تشریح
۳۴۳	ما رأیت من ناقصات فعل ولا ین الحدیث	۳۴۴	ثم ینظہر قوم... ویفسو فیہم السمن	۳۲۳	قال رجل انا رأیت کان مینرانا نزل من السماء الحدیث
۳۴۴	باب الدلیل علی الزیادۃ والنقصان	۳۴۵	باب فی النہر عن سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی فضیلت وان کہم عدول	۳۲۴	ابی اللیلۃ من سماع ان ابابکر نبط رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
۳۴۵	ایمان کی حقیقت میں اہل السنۃ اور فرق باطلہ کا اختلاف	۳۴۶	حضرت سلمان فارسی کی حضرت ضیفہ کو ایک خاص نوح کی تشبیہ	۳۲۵	یا رسول اللہ رأیت کان دلوادی من السماء الحدیث
۳۴۶	کیا اللہ اعظم کا اس سلسلہ میں جمہور علماء سے اختلاف ہے	۳۴۷	باب فیما استخلاف ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۲۶	شرح الحدیث و اختلاف روایات
۳۴۷	لا ترجعوا بعدی کفار ایضاً بعضکم رقابہ بعض	۳۴۸	باب فیما یدل علی ترک الکلام والفتنۃ	۳۲۷	سیاتی ملک من ملوک العجم ینظہر علی المدائن کہنا الحدیث
۳۴۸	اربع من کن فیہ فہو منافق خالص	۳۴۹	انی هذا سید والی ارجوان صلح اللہ بہ انو	۳۲۸	سمعت الحجاج یخطب و یقول ان مثل عثمان عند اللہ انو
۳۴۹	باب فی القدر				
۳۵۰	الفرق بین القضاہ والقدر				

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۹۰	باب ذکر المعث والصور	۳۵۳	اصل فترت کا حکم اور اسکے بارے میں	۳۵۳	القدریۃ بحسب هذه الامۃ
"	کل ابن آدم تاکل الارض الا حجب الذنب	۳۵۶	اتلاف بین الاشعریۃ والماثریدیۃ	۳۵۶	کان اول من قال فی القدر
"	انبیاء کی طرح وہ حضرات جن کے	۳۵۷	ان الشیطان یحری بن ابن آدم بحری الدم	"	بالبصۃ معبد الجہنی
"	جسم کو مٹی نہیں کھائے گی	"	باب فی الجہمیۃ	"	فتنۃ انکار تقدیر کا آغاز
"	باب فی الشفاعۃ	۳۵۷	حدیث الا و مال کی شرح اور اس کی	۳۵۷	حدیث جبریل کی تشریح
۳۹۱	شفاعتی لاصل الکبار من امتی	۳۶۰	سند پر کلام	۳۶۰	اسلام کا اطلاق صرف دین محمدی پر
"	شفاعت کے اقسام	۳۶۱	حدیث الاطیط کا مضمون اور اس کا	۳۶۱	فینسینالہ وکانا
"	ان اصل الرحمۃ یا کون فیہا ویشرون	۳۶۲	درجہ من حیث الثبوت	۳۶۲	ان اول ما خلق اللہ القلم اور اس
۳۹۲	کیا جنت میں جنم ادا اولاد ہوگی	"	باب فی الرویۃ	"	بارے میں مختلف روایات
"	باب فی خلق الجنۃ والنار	۳۸۰	رویۃ باری تعالیٰ فی الذیاء فی المعراج	۳۶۳	احج آدم وکوسی الحدیث
۳۹۳	مذاب جنم کن ابدیت اور فناء نار کا قول	۳۸۲	انکم سترون برکم ما ترون انتم لیلۃ العبد	۳۶۵	واذا خذ ربکم من بنی آدم اللہ اور کی تفسیر
۳۹۴	باب فی الحوض	۳۸۳	ینزل ربنا غرودا علی کل لیلۃ الی	۳۶۶	آیت کریمہ سے متعلق دس سو الہ و جوابات
"	نہار دنیا کی حقیقت صرف نام ہے	۳۸۵	سما الدنیا الحدیث	"	الغلام الذی قتلہ الخضر طبع کافر
۳۹۵	ان کی اصل حقیقت جنت میں ہے	"	باب فی القرآن	۳۶۷	ان خلق احدکم یحییٰ فی بطن امہ
"	حوض کے بارے میں ابو بزرہ کی حدیث	"	باری تعالیٰ کیلئے صفۃ کلام کے ثبوت	"	اربعین یوما الحدیث
۳۹۶	کیا یہ حدیث سنداً ضعیف ہے	"	مسئلہ خلق قرآن	۳۶۸	باب فی ذراری المشرکین
۳۹۷	باب فی المسئلۃ فی القبر و عذاب القبر	۳۸۶	کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	"	قال اللہ اعلم بما کانوا عالمین
"	برادرم حکیم محمد اسرہل مرحوم کی وفات و درجہ	۳۸۷	یعرض نفس علی الناس بالموقف الخ	۳۶۹	اطفال مشرکین کے بارے میں علماء کے اقوال
"	ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل	"	حدیث الافک کا ایک ٹکڑا	"	او غیر ذلک یا عائشہ
۳۹۹	تخللاً فسمع صوتاً یفرح الحدیث	"	اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے غیر مخلوق	۳۷۰	کل مولود یولد علی الفطرۃ الحدیث
"	ما کنت تقول فی هذا الرجل الحدیث	۳۸۸	ہونے پر امام بیہقی کا استدلال	"	اور اس کی شرح
"	قبر میں سوال جواب کے متعلق طویل	"	اذا تکلم اللہ تعالیٰ بالوحی سمع اهل السماء	۳۷۲	الوامدۃ و المودودۃ فی النار
"	حدیث کی مفصل شرح	"	للسما صلی علیہ الحدیث	"	حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
۵۰۳	قبر میں سوال جواب سے متعلق بعض علی قواعد	"	اس حدیث کی شرح	"	والدین ناجی ہیں اور اس میں اختلاف علماء



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۳۵	باب فی جلوس الرجل	۵۳۱	سلم طوی میں نسبت کی تحقیق	۵۰۳	باب فی ذکر المیزان
۵۳۶	باب فی السمر بعد العشاء	"	المؤمن بزرگ کریم الحدیث	۵۰۴	حدیث عائشہ امانی ثلاثہ مواطن فلا یذکر احداً منہا اور حدیث انس کہ در میان تعارض اور اس کا دفعیہ
"	باب فی الرجل یجلس متریباً	۵۳۲	قاسق معطن کی قیمت کا حکم	"	باب فی الدجال
"	باب فی التناجی	"	باب فی الحیاء	۵۰۵	باب فی قتل الخوارج
"	باب اذا قام من مجلسه ثم رجع	"	حیار کی تعریف	۵۰۶	عن خبیرة ان علیاً ذکر اصل النہر ان اللہ رجل غائر العینین
۵۳۷	باب کفارة المجلس	۵۳۳	باب فی عسین الخلق	۵۰۸	سیاہم التعلیق
"	باب فی رفع الحدیث من المجلس	"	کیا آدمی کے اخلاق و عادات م	۵۰۹	جنگ نہروان کا قصہ
۵۳۸	ترمذی شریف کے ایک ترجمہ الباب کی تشریح	"	کی تبدیلی ممکن ہے (درخت)	۵۱۰	باب فی قتال اللصوص
"	باب فی الحذر من الناس	۵۳۶	باب فی کواحیة الوفعة فی الامور	۵۱۱	آخر کتاب سنہ
"	اخوک البکری فلما آمنه (فرب المثل)	۵۳۷	باب فی کواحیة التلاح	۵۱۳	ایک طویل قال ابو داؤد کی شرح
۵۳۹	لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین	۵۳۸	باب فی الجالوس بالطرقات	۵۱۴	کتاب الادب
"	باب فی ہدی الرجل	"	باب فی الجور بین الشمس والظل	"	موضوع کتاب اور اس کی غرض
۵۴۰	باب فی الرجل یضع احدی رجلیہ علی الاخری	۵۳۹	باب فی التعلق	"	باب فی العلم و اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم
"	باب فی نقل الحدیث	۵۴۰	باب فی الرجل یقوم للرجل من مجلس	"	حسن خلق کی تعریف
۵۴۱	باب فی القنات	"	باب من یومران یجالس	"	امارت الباب کا مضمون
"	باب فی ذمی الوجهین	۵۴۱	الارواح جنود مجنونة فما تعولف منها الحدیث اس حدیث کی تشریح	۵۱۷	باب فی الوقار
۵۴۲	باب فی الغیبة	"	روایات کی روشنی میں	"	باب من کظم غیظاً
۵۴۳	من اکل برہل مسلم اکتہ الحدیث اور اس کی شرح	۵۴۲	باب فی کواحیة المراء	۵۱۸	باب فی التجاوز
"	من قام برہل معہ دربار الحدیث اور اسکی شرح	۵۴۳	باب الہدی فی الکلام	۵۱۹	باب فی حسن العشرة
"	باب الرجل یدب عن عرض الحیہ	"	کل کلام لا یبدأ بحمد اللہ فهو ابدام	۵۲۰	قال ابو داؤد: سلم لیس ہو علویا کان یبصر فی النجوم
۵۴۴		۵۴۴	باب فی الخطبة	"	
		۵۴۵	باب فی تنزیل الناس منازلہم	۵۲۱	

م	مضامين	م	مضامين	م	مضامين
٥٤٦	باب فيما روي من الرخصة في ذلك	٥٣١	حديث السلسل بالاولية	٥٣٥	باب في التجسس
٥٤٧	باب في التشديد في الكذب	٥٣٢	قرا: اذا قرأته على فقهه شكته تحديث اور اخبار من عدم فرق	٥٣٦	باب في عدمكم ان يكون مثل في محضهم الي حديث
٥٤٨	باب في حسن الظن	٥٣٣	باب في النصيحة	٥٣٧	باب في الستر على المسلم
٥٤٩	باب في العدة	٥٣٤	وه خصلت جو تمام دين كافتا صه به	٥٣٨	باب العواخاة
٥٤٩	باب فيمن يتشبع بهالم يعط	٥٣٥	باب في المعونة للمسلم	٥٣٩	باب المستبان
٥٥٠	باب ما جاء في المزاج	٥٣٦	باب في تغيير الانساء	٥٤٠	باب في التواضع
٥٥١	باب من ياخذ الشيء من مزاج	٥٣٧	باب في تغيير الاسم القبي	٥٤١	تواضع كل تعريف
٥٥٢	باب ما جاء في التشديق في الكلام	٥٣٨	باب فيمن يتكفي بالي عيني	٥٤٢	باب في الانتصار
٥٥٣	باب ما جاء في الشعر	٥٣٩	باب في الرجل يقول لابن غيره: يا بني	٥٤٣	باب في النهي عن سب الموق
٥٥٥	باب ما جاء في الرؤيا	٥٤٠	باب في الرجل يتكفي بابي القاسم	٥٤٤	باب في النهي عن البغي
٥٥٨	الرؤيا على رجل طائرالم تعبير الحديث	٥٤١	باب في الرجل يتكفي وليس له ولد	٥٤٥	باب في الحسد
٥٥٩	من رأى في المنام فيمير ان في اليقظة	٥٤٢	باب في المرأة تكفي	٥٤٦	باب في اللعن
٥٥٩	باب في التثاوب	٥٤٣	باب في المعارض	٥٤٧	باب فيمن دعا على ظالمه
٥٥١	باب في العطاس	٥٤٤	باب في مزعموا	٥٤٨	باب هجرة الرجل اخاه
٥٥٢	باب كيف تشميت العاطس؟	٥٤٥	باب في الرجل يقول في خطبة: اما بعد	٥٤٩	باب في الظن
٥٥٣	باب كم يشمت العاطس؟	٥٤٦	باب في الكرم وحفظ المنطق	٥٥٠	باب في النصيحة
٥٥٣	باب فيمن يعطس ولا يحمد الله	٥٤٧	باب لا يقال: خبثت نفسي	٥٥١	باب في الفناء
٥٥٣	ابواب النوم	٥٤٨	باب في الخطيب انت	٥٥٢	باب كراهية الفناء والضر
٥٥٤	باب في الرجل ينبطح على بطنه	٥٤٩	باب في صلاة العتمة	٥٥٣	باب الحكم في المخنثين
٥٥٤	باب في النوم على السطح	٥٥٠		٥٥٤	باب في اللعب بالبنات
٥٥٤	باب في النوم على السطح ليس عليه حجار	٥٥١		٥٥٥	باب في الارجوحة
		٥٥٢		٥٥٦	باب في النهي عن اللعب بالنرد
		٥٥٣		٥٥٧	باب في اللعب بالهام
		٥٥٤		٥٥٨	باب في الرخصة

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۸	ثوب من عفر و موزس کا استعمال { اور اس میں مذاہب ائمہ	۲۱۱	باب فی الرجل ینسئ الی غیر موالیه	۵۹۵	باب فی النوم علی طہارۃ
۲۱۹	باب فی الرجل یدعی ان یکون ذلك اذنه؟	۲۱۳	باب فی التفاخر بالانساب	"	من تعار من اللیل نقال... الحدیث
۲۲۰	باب فی الاستئذان فی العورات الثلاث	"	باب فی العصبیۃ	"	باب کیف یتوجبه؟
۲۲۱	ابواب السلام	۲۱۴	باب الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ	"	شرح الحدیث اور آداب نوم { کل تحقیق
"	باب افتاد السلام	۲۱۵	باب فی المشرقة	۵۹۷	باب ما یقول عند النوم؟
۲۲۲	باب کیف السلام؟	"	باب فی الدال علی الخیر	۵۹۹	باب ما یقول الرجل اذا تعار من اللیل؟
"	قوله کذا تكون الفضائل. سلام من ومغفرة ک زیادتی	۲۱۶	باب فی الشفاعة	"	سنن ابوداؤد شریف کا آخری یعنی بتیسواں پارہ
۲۲۳	باب فی السلام علی النساء	"	باب فی الرجل یبدأ بنفسه فی الکتاب	۶۰۰	باب فی التسبیح عند النوم
۲۲۴	باب فی السلام علی اهل الذمة	"	باب کیف یکتب الی الذمی؟	"	باب ما یقول اذا اصبح
۲۲۵	باب کواھبتان یقول علیک السلام	۲۱۹	باب فی بر الوالدین	۶۰۱	باب ما یقول الرجل اذا رآی الهلال؟
"	باب فی المصافحة	"	باب فی فضل من عال یتامی	"	باب ما جاء فیمن دخل بینه ما یقول؟
۲۲۷	باب فی المعانقة	۲۲۰	باب فی حق الجوار	"	باب ما یقول اذا ما جت الریح؟
۲۲۸	کیا صحیح بخاری میں معانقہ کی حدیث ہے؟	۲۲۳	باب فی حق المملوک	۶۰۷	باب فی المطر
۲۲۹	باب فی القیام	"	باب فی المملوک اذا نصح ثلاثۃ لاجران... الحدیث	"	باب فی الیدیک والبهاثم
۲۳۰	باب فی قبلة الرجل ولده	"	باب فیمن خبب مملوکا علی مولاه	۶۰۸	باب فی المولود یؤذن فی اذنه
۲۳۱	باب فی قبلة الخد	"	باب فی الاستئذان؟	"	باب فی الرجل یتعید من الرجل
"	باب فی قبلة الید	۲۲۴	باب کیف الاستئذان	۶۰۹	باب فی رد الوسوسة
		۲۲۶	باب کم مرۃ ینسلم الرجل؟	"	



مفرد	مضامين	مفرد	مضامين	مفرد	مضامين
٢٥٩	باب في قتل الضفدع	٢٣٦	قوله: اشحك اشربك	٢٣٢	وفد عبد القيس في أمهذو قوله ان
"	باب في الخذف	"	باب ما جاء في الهنأ	{	فيك فليتيم بمهما الشراخ
٢٦٠	باب في الختان	٢٣٧	قوله: فزأى قبة مشرفة فقال:	{	باب في الرجل يقول:
٢٦١	في ختانه صلى الله عليه وسلم	{	ما هذه؟ الخ	{	جعلني الله فداك
"	ثلاثة أقوال	"	باب في اتخاذ الغرف	{	باب في الرجل يقول:
"	باب في مشي النساء في الطريق	٢٣٨	باب في قطع السدر	{	انعم الله بك عينا
٢٦٢	باب في الرجل يسب الدهر	٢٣٩	باب في اماطة الاذى	{	باب الرجل يقول للرجل
٢٦٣	حديث تدكي كى تعريف والفرق	٢٤٠	باب في اطفاء النار بالليل	"	حفظك الله
"	بينه وبين القرآن	٢٤١	باب في قتل الحيات	"	باب الرجل يقوم للرجل
٢٦٥	براعة الاقتسام	٢٥٥	باب في قتل الاوزاع	{	يعظمه بذلك
		٢٥٦	باب قتل الذر	{	باب في الرجل يقول
		{	خبي عن قتل اربع من الدواب:	{	فلان يقولك السلام
		٢٥٧	النملة والنحلة والهدهد والعرد	{	باب الرجل ينادى الرجل
				"	فيقول ابيك





## اَوَّلُ كِتَابِ الْاِطْعَمَةِ

### بَابُ مَا جَاءَ فِي اجَابَةِ الدَّعْوَةِ

اذا دعى احدكم الى الوليمة فليأتها، اور اسکا حدیث کے دوسرے طریق میں ہے فان كان مفطرا فليطعم  
وان كان صائما فليدع. کہ جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ میں بلایا جائے تو وہاں جائے، پس اگر روزہ سے نہ ہو تو  
کھانا کھائے، اور اگر روزہ دار ہے تو دعوت کرنے والے کے لئے دعا کرے اور چلا آئے، اس صورت میں فليدع  
امر کا صیغہ ہوگا دعایہ عوسے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لفظ "فليدع" ہو ودع يدع سے، یعنی کھانا چھوڑ دے۔  
ہمارے یہاں کتاب الصلاة کے شروع میں گزر چکا کہ ایک روایت میں اس طرح ہے: وان كان صائما فليصل  
نیز ایک روایت میں ہے "فليجب" اور دوسری روایت میں "ان كان صائما فليقل الى صائمه" ان دونوں روایتوں

میں بظاہر تعارض ہے اس پر کلام کتاب الصوم میں گذر چکا، اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

**ولیمہ سے متعلق تین فائدے** | اس حدیث میں دو مسئلے ہیں ایک حکم ولیمہ دوسرے قبول دعوت ولیمہ، تیسری چیز

ولیمہ کی تعریف اور دوسری انواع الضیافات اور ان کے اسما، کتاب النکاح میں باب قلة المهر میں، اولم ولویشاہ الحدیث کے ذیل میں حکم ولیمہ گذر چکا کہ ظاہر یہ اسکے وجوب کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت ائمہ ثلاثہ سے ہے لیکن مشہور قول میں ولیمہ عند الائمة الاربعہ سنت ہے آگے ایک مستقل باب آرہا ہے باب استحباب الولیمہ اور اجابت ولیمہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، قیل مستحبہ وقیل واجبہ وقیل فرض کفایۃ بلہ اجابت دعوت کے بارے میں مزید اختلاف آئمہ حدیث میں بھی آرہا ہے لیکن وجوب، اجابت دعوت کے اعتبار سے ہے کھانا کھانے کے اعتبار سے نہیں وہ مستحب ہی ہے واجب نہیں، چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے، من دعی فلیجب فان شاء طعم وان شاء ترک، تیسری چیز یعنی ولیمہ کی تعریف، ولیمہ اس کھانے کا نام ہے جو عرس یعنی شادی کے موقع پر تیار کیا جائے، یہ ولیمہ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کے ہیں، یہ کھانا چونکہ زوجین کے اجتماع یعنی رخصتی کے بعد ہوتا ہے اسی لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ ضیافت کی انواع آٹھ ہیں، الولیمۃ للعرس، والنحرۃ بضم النحر المعجمۃ، ويقال بالصاد المہملۃ ایضاً للولادۃ یعنی بچہ کی پیدائش کے موقع پر جو دعوت کی جائے، والاهزار بکسر الهمزة والعین المہملۃ والذال المعجمۃ للختان، بچہ کے خستہ کے موقع پر جو دعوت کی جائے، والوکیرۃ للبنار، یعنی نئے مکان کی تعمیر کے موقع پر جو دعوت کی جائے، والنقیۃ لقدوم المسافر، ماخوذة من النقع وهو القبار یعنی وہ دعوت جو آدمی سفر سے بخیر واپسی پر کرتا ہے اپنی طرف سے، یا دوسرے کی طرف سے اس کے لئے کی جائے، آگے اس کا مستقل باب آرہا ہے، والعقیقۃ یوم سابع الولادۃ۔ والوضیۃ۔ بفتح الواو وکسر الصاد المعجمۃ۔ الطعام عند المصیبة، لیکن یہ نوع ضیافت اسلام میں جائز نہیں، والمأدبۃ بضم الراء وفتحها، مطلق وہ ضیافت جو بغیر کسی خاص سبب کے کی جائے، اس کے بعد ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ان مشہور اقسام میں ایک اور قسم باقی رہ گئی یعنی خذاق۔ بکسر الهملة وتخفيف الذال المعجمۃ۔ الطعام الذی یخذ عند خذق الصبی۔ یعنی وہ کھانا اور دعوت جو بچہ کی خذقت پر یعنی اس کے سمجھے اور ہونے پر کی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ دعوت ہے جو بچہ کے ختم قرآن پر کی جائے یا اس کی کسی بھی صناعت کی تکمیل

لہ وترجم البخاری، باب حق اجابۃ الولیمۃ۔ قال الحافظ شیرازی وجوب الاجابۃ، وقد نقل ابن عبد البر ثم غیاض ثم النووی الاتفاق علی القول بوجوب الاجابۃ لولیمۃ العرس، وفيه نظر، نعم المشہور من اقوال العلماء الوجوب، وصرح جہور الشافعیۃ والحنابلۃ بانہا فرض عین، ولفظ علیہ مالک، وعن بعض الشافعیۃ والحنابلۃ انہا مستحبۃ، وذكر النخعی من المالکیۃ انہ التذیب، وكلام صاحب الہدایۃ یقتضی الوجوب مع تصریحہ بانہا سنۃ، فكانہ اراد انہا وجبت بالسنتہ ولیست فرضاً كما عرف من قاعدہم، وعن بعض الشافعیۃ والحنابلۃ صی فرض کفایۃ من الابواب والترجم ص ۲۲۔  
لہ وفي البذل، ويجوز ان یولم بعد النکاح اربعۃ الرخصۃ او بعد ان ینبی بہا والثالث هو الاولی۔



اور کامیابی پر کی جائے اہ من تحفۃ الاحوزی ص ۱۶۔

اذا دعا احدکم اخاه فلیجب عرسا کان او نحوہ۔

**اجابت دعوت کا حکم شرعی** | اس حدیث سے بظاہر مطلق دعوت کی اجابت کا وجوب سمجھ میں آتا ہے، اسی طرح اس کے بعد والی روایت، من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ ورسولہ، لیکن خطاب فرماتے ہیں کہ ان احادیث کو ولیمہ پر ہی محمول کیا جائے، دوسری دعوت کا حال یہ نہیں ہے، ولیمہ کی خصوصیت کی وجہ سے لائبرینی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہا و لمانی اتیان الولیۃ من اعلان النکاح اہ امام نووی نے قاضی عیاض سے ولیمہ کے علاوہ دوسری دعوت کے بارے میں جمہور کا مسلک عدم وجوب نقل کیا ہے، بخلاف اہل ظاہر اور بعض سلف کے کہ ان کے نزدیک ہر دعوت کی اجابت واجب ہے (عون)

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، و حدیث الثانی اخرجہ مسلم وابن ماجہ و حدیث الثالث اخرجہ مسلم۔ و حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں یہ بھی ہے، "ومن دخل علی غیر دعوتہ دخل سارقاً وخرج مغیراً سرقہ میں چونکہ اخفار کے معنی ہیں اور بغیر بلائے جانے والا چونکہ چپکے سے داخل ہوتا ہے اسلئے اس کو سارق کہا گیا، اور داخل ہونے کے بعد جب سب کے ساتھ بیٹھ کر اس نے کھایا تو اب چونکہ اس کا پردہ فاش ہو گیا ہے اس کو دیکھ لیا، اسلئے اس کو مغیر کہا گیا یعنی غاصب، فارتکب اور لوٹنے والا۔"

اسکے بعد حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موقوفاً آرہا ہے جو کہ مسلم کی روایت میں مرفوعاً ہے کہ آپ نے فرمایا بدترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں صرف اعیانہ کو دعوت دی جاتے اور فقرا کو ترک کر دیا جاتے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ موقفاً ایضاً، و اخرجہ مسلم من حدیث ثابت بن عیاض عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسنداً، قال المنذری۔

## باب فی استحباب الولیۃ

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اولم علی احد من نسائہ ما اولم علیہا (علیٰ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اولم بشاک۔

یعنی جس قدر اہتمام سے آپ نے زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ کیا ایسا کسی اور کے نکاح پر نہیں کیا، آگے اس کا بیان ہے کہ ان کے ولیمہ میں آپ نے بکری ذبح کرائی تھی، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے "اولم علی صفیۃ بسوبق ویتیم کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ میں آپ نے لوگوں کی سوت اور تم سے دعوت کی، اس تقابل سے حضرت زینب کے ولیمہ کی فوقیت سمجھ میں آجاتی ہے۔ حدیث الباب الاول اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بحوہ، و الحدیث الثانی

اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی: غریب، قال المنذری۔

## باب الطعام عند القدوم من السفر

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المدينة نحر جزورا  
او بقرۃ، جب آپ سفر سے واپسی میں مدینہ منورہ پہنچے (لعلہ من سفر غزوة تبوک کذانی البذل) تو آپ نے ایک اونٹ یا گائے  
ذبح کرائی، اس دعوت کا نام نقیعہ ہے، کما تقدم قریبانی الاذاع الضیافۃ۔  
سکت علیہ المنذری، وعزاه المزی الی البخاری وهو قیہ (۳۰۸۹) من روایت وکیع، قال عوامۃ۔

## باب فی الضیافۃ

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ، جائزۃ یومہ ولیلۃ۔

**شرح الحدیث** جو شخص ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر تو اس کو چاہیے کہ عطا کرے اپنے مہمان  
کو اس کا جائزہ ایک دن اور ایک رات کا، جائزہ کی تفسیر میں تین قول مشہور ہیں جن میں ایک قول  
وہ ہے جو آگے دوسری روایت میں آرہا ہے، وسئل مالک عن قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: جائزۃ یوم ولیلۃ الخ؟  
حضرت امام مالک نے جائزہ کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ ایک دن ایک رات مہمان کا خوبا بھی طرح خیال رکھا جائے، اس  
کے لئے کھانے میں حسب استطاعت تکلف کیا جائے، اور باقی تین دن میں مطلق ضیافت یعنی ما حضر پیش کیا جائے،  
اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ مہمان کے لئے اس کی واپسی کے وقت ایک دن ایک رات کا کھانا اسکے ساتھ کیا جائے اور تیسری  
تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مہمان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قصد کسی کی ملاقات کے لئے جائے، دوسرا وہ جو ضمناً راستہ میں کسی سے  
ملاقات کے لئے چلا جائے جبکہ جانا کسی اور جگہ مقصود ہو، مہمان کی اول قسم کے لئے حق ضیافت تین دن ہے اور اس دوسری  
قسم کا حق ضیافت صرف ایک دن ایک رات ہے (کذانی ہاش البذل)

اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ مہمان کا حق ضیافت صرف تین دن ہے اس کے بعد اگر وہ ٹھہرے تو میزبان کی طرف  
صدقہ یعنی تبرع ہے، اور یہ کہ نہیں جائز ہے مہمان کے لئے کہ کسی کے پاس اتنا ٹھہرے جس سے میزبان حرج میں مبتلا  
ہو جائے، حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ مہمان کی ضیافت کرنا ایمان باللہ وبالیوم الآخر کے مقتضیات میں سے ہے جس سے  
اس کی بڑی اہمیت سمجھ میں آتی ہے اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ ضیافت محاسن شریعت اور مکارم اخلاق سے ہے، اور بعض  
علماء جیسے لیث بن سعد نے کم از کم ایک رات کی ضیافت کو تو واجب قرار دیا ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی کہر تستحب الولیمة

یعنی دعوت ولیمہ کتنے دن مستحب ہے؟ حدیث الباب میں ہے کہ آپ نے فرمایا: الولیمة اول یوم حق والثانی معروف والیوم الثالث سمعة وریاء۔ کہ ولیمہ پہلے دن حق ہے یعنی ثابت اور سنت ہو کہ ہے، اور دوسرے دن ایک اچھا کام ہے یعنی صرف مستحب ہے غیر ہو کہ۔ اور تیسرے دن ثابت نہیں بلکہ شہرت طلبی اور ریا کاری ہے آگے روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلے دن دعوت ولیمہ کی گئی تو آپ نے اس کو منظور فرمایا اور دوسرے دن بھی منظور کر لیا، اور تیسرے روز جب وہ دعوت کرنے کے لئے آیا تو اس کو منظور نہیں کیا بلکہ قاصد کو کٹگری پھینک کر ماری، اور فرمایا: ریا کار ہے۔

دعوت ولیمہ کتنے روز تک کرنا مستحب ہے | عند الجمہور جیسا کہ حدیث الباب میں ہے ولیمہ صرف دو دن ہے، اور امام مالک کے نزدیک سات روز تک ہے والیہ میل البخاری چنانچہ

انہوں نے اپنی صحیح میں ترجمہ قائم کیا "باب حق اجابۃ الولیمة من اولم سبعة ایام ونحوہ، ولم یوقت ابنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوما ولا یومین، اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ابوداؤد کی اوپر والی حدیث، والیوم الثالث سمعة وریاء، کے بارے میں فرمایا ہے: لا یصح اسنادہ، ولا یصح لہ صحبۃ، یعنی لزہیر الی آخر مانی الابواب والترجم منہ فارجع الیہ لوشنت، نیز اس میں ہے کہ تیسرے دن ولیمہ کی اجابت مکروہ ہے اور دوسرے دن بھی معمولی درجہ کا استحباب ہے واجب قطعاً نہیں، اور بعض علماء روایاتی وغیرہ کہتے ہیں کہ تیسرے روز ولیمہ کی کراہت جب ہے جب وہی شخص مدعو ہو جس کی دعوت پہلے ہو چکی ہے، اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: استحباب اصحابنا لاهل النسب کو ہنسا سبوعا، قال وقال بعضهم: محلہ اذا دعی فی کل یوم من لم یدر ع قبلہ ولم یکر علیہم، یعنی مالکیہ کے نزدیک اصحاب وصفت اور مالداروں کے لئے ولیمہ سات روز تک کرنا مستحب ہے اور بعض مالکیہ کے نزدیک سات روز تک استحباب اس صورت میں ہے جبکہ ہر دن الگ اور نئے لوگوں کی دعوت کی جائے، تکرار دعوت مستحب نہیں۔ والحدیث اخرجہ النسائی مسنداً ومسلماً، قال المنذری۔

## باب من الضیافة ایضاً

عن ابی کریمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لیلۃ الضیف حق علی کل مسلم، فمن اصبح بفضائہ فهو علیہ دین، ان شاء اقتضی وان شاء ترک۔

ابو کریم یعنی مقدم بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان کی ایک روز کی ضیافت ہر مسلمان پر واجب ہے، لہذا جو شخص جس شخص کے مکان پر رات گزارے تو اس رات کی ضیافت



اس کے ذمہ میں ہوگئی، اگر چاہے تو اپنا حق لے لے، نہ لینا چاہے چھوڑ دے، اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے بلکہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہمان کی نصرت (اس کا حق دلانے میں) ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ میزبان کی کھیتی سے ہو یا اسکے نقد مال سے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ابتداء اسلام کی ہیں جس وقت ضیافت واجب تھی، جو بعد میں منسوخ ہوگئی جس کی طرف امام ابو داؤد نے آنے والے باب سے اشارہ کیا ہے، اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حالت اضطرار و احتیاج پر محمول ہے، کذا فی البذل، لیکن اس صورت ثانیہ میں بعد میں ضمان دینا واجب ہوگا، حاشیہ بذل میں اس کی متعدد توجیہات مذکور ہیں چنانچہ ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس حدیث کا تعلق اہل ذمہ سے ہے یعنی اہل ذمہ سے معاہدہ کے وقت اگر حق ضیافت کا بھی عہد لیا گیا، ہو تو ان سے حق ضیافت لیا جائے گا، بعد والی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ یہ حدیث عمال کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب وہ صدقات لینے کے لئے کسی جگہ رات گذاریں تو ان کے لئے حق ضیافت واجب ہے۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال اقلنا یا رسول اللہ انک تبعثنا فننزل بقوم فلا یقروننا فما تری الخ۔ اس حدیث کو اہل ذمہ پر محمول کیا جائے یا عمال پر جیسا کہ گذشتہ توجیہات میں گذرا ہے، لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر میں یہ ہے کہ حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ نہ تو ہماری ضیافت ہی کرتے ہیں اور نہ ہمارے ہاتھ کھانے پینے کی چیز فروخت کرتے ہیں، بعض اہل ذمہ عناداً ایسا کرتے ہوں گے۔ تو اس پر آپ نے فرمایا کہ تم اپنا حق ان سے لے لیا کرو یعنی بالقیمۃ زبردستی لے لیا کرو، اسی طرح کی توجیہ امام ترمذی نے بھی فرمائی ہے۔ والحدیث اخرہ البخاری و مسلم وابن ماجہ، و اخرہ الترمذی من حدیث ابن ہبیب و قال تسن، قال المنذری۔

## باب نسخ الضیف فی الاکل من مال غیرہ

پہلے باب میں جس حق الضیف کا ذکر تھا اس باب سے مصنف اس کا منسوخ ہونا بیان فرما رہے ہیں، ابتدا میں جیسا کہ ابھی گذرا حق الضیف واجب تھا، حتیٰ کہ ضیف کو یہ بھی حق تھا کہ بغیر مالک کی رضا کے اپنا حق ضیافت وصول کرے، بعد میں یہ حکم سورہ نساء کی آیت کریمہ، لا تأکلوا أموالکم بباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم، کے ذریعہ سے منسوخ کر دیا گیا، کہ دوسرے کا مال بغیر اجازت کھانا جائز نہیں، حرام ہے، اس آیت کے نزول کے بعد بعض حضرات اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ مطلقاً مال غیر کا کھانا ممنوع ہے گو اس کی اجازت سے ہو، یہاں تک کہ بعض حضرات ایک دسترخوان پر مشترک طور پر کھانے سے بھی پرہیز کرنے لگے حالانکہ آیت النساء کا مقصد یہ نہیں تھا، لہذا اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے سورہ ناز کی آیت نازل ہوئی، لیس علیکم جناح ان تاکلوا من میوتکم او میوت اباؤکم او بیوت امہاتکم۔ الی قولہ تعالیٰ

یس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً و اשתاباً۔ اس آیت کے نزول سے وہ غلط فہمی دور ہوئی اور مسئلہ واضح ہو گیا کہ آپس میں ساتھ بیٹھ کر کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

جو ترجمہ الباب چل رہا ہے اس میں نسخے مختلف ہیں، ایک نسخہ میں ہے ریاب نسخ الضیق فی الاکل من مال غیرہ۔ میرے نزدیک یہ نسخہ راجح ہے، مذکورہ بالا تقریر اسی ترجمہ پر اچھی طرح منطبق ہوتی ہے، و ایضاً لایرد علی هذا التقیر یراد الطبری المذکور فی البذل، فتدبر و تشکر۔ کان الرجل الغنی یدعو الرجل من اہلہ الی الطعام قال انی لأجتیح ان اکل منہ یعنی آیۃ النساء کے نازل ہونے کے بعد اکل مال غیر کے بارے میں اتنی احتیاط کرنے لگے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی عزیز کو کھانے کی دعوت دیتا تو وہ اس سے بھی انکار کر دیتا اور یہ کہتا کہ میں تو اس میں جناح اور حرج سمجھتا ہوں، کسی فقیر مسکین کو کھانے تو پھر ان کے اس خیال کے ازالہ کے لئے آیۃ النور نازل ہوئی، یس علیکم جناح ان تاکلوا من بیوتکم۔

فاجل فی ذلک ان یأکلوا مما ذکر اسم اللہ تعالیٰ علیہ، یعنی اکل مال غیر کی اجازت دی گئی مالک کی اجازت کے بعد بشرطیکہ وہ مال غیر ایسا ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یعنی حلال ہو، اور ایسے ہی اہل کتاب کا طعام بھی جائز قرار دیا گیا۔

### باب فی طعام المتبارین

حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے متبارین یعنی متفاخرین کے طعام سے منع فرمایا کہ اس کو کھایا جائے، یعنی جو دعوت فخر و ریاء کے طور پر کی جائے اس کا کھانا جائز نہیں، اسی کے ہم معنی ایک حدیث کتاب الاضحیہ میں گذری ہے، "ہنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن معاقرۃ الاعراب۔"

### باب الرجل یدعی فیہی مکروہا

اندر جلاضاف علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصنع لہ طعاماً فقالت فاطمۃ: لود عوناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاکل معنا۔

یعنی ایک شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمان ہوا، انہوں نے اس کے لئے کھانا بنوایا، جب کھانے کا وقت آیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمانے لگیں کہ اگر اس کھانے پر اباجان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلا لیا جائے تو اچھا ہو، چنانچہ آپ کو بلا لیا گیا، آپ تشریف لائے، جب آپ دروازہ پر پہنچے تو اپنے ہاتھ دروازہ کے دونوں بازو پر رکھ کر ٹھہر گئے، کیونکہ آپ نے دیکھا کہ ایک باریک پردہ گھر کے اندر کسی جانب میں لٹکا ہوا ہے (بظاہر زینت اور خوبصورتی کے لئے) تو آپ لوٹ گئے۔

یعنی اکل مال غیر کے سلسلہ میں صحابہ جس ضیق میں مبتلا ہو گئے تھے اس کا ازالہ ہے۔ اسے اجنبی بات نقل سے واہ حکم کامیغ ہے جسکی اصل نسخ ہے مشق من الجناح ۴

گھر میں داخل نہیں ہوئے، حضرت فاطمہ نے حضرت علی سے کہا کہ ذرا جا کر دیکھو آپ کیوں لوٹے ہیں؟ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پیچھے گیا اور اس کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا: لیس لنبی ان یدخل بیتا مژوقا کہ نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل ہو جس کو سجایا گیا ہو۔

یہ حدیث کسی قدر اختلاف سیاق کیساتھ کتاب اللباس، باب فی اتخاذ الستورہ میں بھی آرہی ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: وما انا والدنیا، وما انا والرقم، اور ایک دوسرے طریق میں ہے، قال وكان ستراموشیا، اس حدیث سے ترجمتہ الباب ثابت ہو رہا ہے کہ اگر مدعو داعی کے گھر پر پہنچ کر کوئی ناجائز اور منکر چیز دیکھے تو اس کی تنبیہ کے لئے لوٹ آئے حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس قرام میں تصادیر ہوں، اور یہ کہ اس کو بے محل لٹکایا گیا ہو دیوار وغیرہ پر جس پر نکیڑ آئی ہے ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا الحجارة الحدیث۔ والحدیث اخرہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب اذا جمع الداعیان ایہما حق؟

یعنی اگر ایک ہی وقت میں دو شخصوں کی طرف سے دعوت آئے تو کس کی منظور کی جائے؟ حدیث الباب میں ہے فاجب اقربہما بابا، وان سبق احدہما فاجب الذی سبق، یعنی جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو وہ زیادہ مستحق ہے اجابت دعوت کا قرب جوار کی وجہ سے، اور اگر دو شخصوں کی طرف سے دعوت متعاقبا یعنی آگے پیچھے آئے تو جس کی طرف سے پیام پہلے پہنچے وہ زیادہ مستحق ہے۔

## باب اذا حضرت الصلوة والعشاء

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا وضع عشاء احدکم واقمت الصلوة فلا یقوم حتی یفرغ۔ اس حدیث کی شرح کتاب الطہارۃ، باب ایصلی الرجل وهو قاتن میں گذر چکی، اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

والحدیث اخرہ البخاری ومسلم والترمذی، ولیس فی حدیث مسلم فعل ابن عمر، قال المنذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

لا تؤخر الصلوة لطعام ولا لغيرہ۔ اس حدیث کے بارے میں بھی کلام وہاں گذر چکا۔

كنت مع ابی فی زمان ابن الزبیر الی جنب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

انا سمعنا انہ یبدا بالاعشاء قبل الصلوة، فقل عبد اللہ بن عمر من: ویحک ما کان عشاءہم

اسراة کان مثل عشاء ابيك؟۔

تقدیم طعام علی الصلّٰة سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ

ایک شخص حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت کی بات نقل کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے برابر میں بیٹھا تھا (ایک مجلس میں کھانے کا ذکر ہوا کہ اس کو مقدم کیا جائے یا نماز کو دونوں چیزیں قریب تھیں، کھانا بھی حاضر تھا اور نماز کا وقت بھی) تو عبداللہ بن الزبیر بولے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ ایسی صورت میں کھانے کو نماز پر مقدم کرنا چاہیے تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر بولے تیرا ناس ہو ان حضرات کا کھانا (جو تقدیم طعام کے قائل ہیں) تیرے باپ کے کھانے کی طرح تھوڑا ہی تھا یعنی گذشتہ دو گ تو کھانے کے چند لقموں پر اکتفا کر لیا کرتے تھے، ایسے حضرات کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قاعدہ بتایا کہ کھانے کو نماز پر مقدم کر دیا جائے اور جو لوگ ناک تک پیٹ بھر کے کھاتے ہوں ان کے لئے تھوڑا ہی یہ قاعدہ ہے (کیونکہ زیادہ کھانے کی صورت میں کھانے میں وقت زیادہ صرف ہو گا جس سے نماز میں تاخیر ہوگی) اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ معمول گذر چکا کہ وہ ایسی صورت میں کھانے کو نماز پر مقدم کیا کرتے تھے وان سمع الاقامة وان سمع قرارة الامام، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ چند لقموں پر اکتفا فرماتے تھے۔

والحیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حدیث حسن، قال المتذری۔

### باب فی غسل الیدین عند الطعام

اس کے بعد دوسرا باب آرہا ہے "باب غسل الید قبل الطعام" اس میں بظاہر تکرار ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ یہاں پر نسخے مختلف ہیں، چنانچہ بعض نسخوں میں باب ثانی نہیں ہے لہذا اسی نسخہ کو ترجیح دی جائے، اور یا پھر یہ کہا جائے کہ پہلے باب سے غرض نفی غسل ہے اور ثانی سے مقصود اثبات الغسل ہے جیسا کہ دونوں بابوں کی حدیثوں سے مستفاد ہو رہا ہے، اور حاصل ترجمتین یہ ہو گا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ضروری نہیں کما فی الباب الاول اور دھوئے تو بہتر ہے کما فی الباب الثانی، ویسے غسل الیدین بعد الطعام کا استحباب تو متفق علیہ ہے، لیکن غسل الید قبل الطعام میں اختلاف ہے، جمہور تو اس کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں اور بعض علماء جیسے سفیان ثوری اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ بعض نسخوں میں ہے: وكان سفیان یکره الوضوء قبل الطعام۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج من الخلاء فقدم الیہ طعام فقالوا الاناتیک

بوضوء؟ فقال انما امرت بالوضوء اذا قمت الی الصلّٰة۔

شرح الحدیث | یعنی ایک مرتبہ آپ استنجاء سے باہر تشریف لائے اور چونکہ کھانے کا وقت تھا اس لئے کھانا لایا گیا، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ کیا وضوء کے لئے پانی لایا جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وضوء کا حکم تو



اقامت صلاۃ کے وقت ہے۔

حضرت گسنگو ہی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ پھر بھی متحمل ہے کہ یہاں پر وضو سے وضو شرعی مراد ہو اسلئے کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ آپ کی عادت شریفہ مداومت علی الطہارۃ کی ہے، مگر آپ نے اس وقت وضو شرعی سے انکار فرمادیا کہ اس کا ہر وقت ہونا ضروری نہیں ہے، پس اس صورت میں نفی وضو شرعی کی ہوئی، وضو لغوی یعنی غسل یدین، اس سے یہاں کوئی تعرض نہیں، نہ نفیاً نہ اثباتاً، اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہنے والے کی مراد وضو سے وضو لغوی یعنی غسل یدین ہو، پھر اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وضو سے مراد وضو لغوی ہو، اسلئے کہ آپ تو فرما رہے ہیں انما امرت بالوضو اذا قمت الی الصلاۃ قیام الی الصلاۃ کیلئے تو وضو شرعی ہی درکار ہے نہ کہ وضو لغوی، سو اس کا جواب یہ ہو گا کہ صحابہ کی مراد تو وضو سے وضو لغوی ہی تھی لیکن آپ نے وضو کو وضو شرعی پر محمول کرتے ہوئے مسئلہ بیان فرمادیا کہ وضو شرعی کی ضرورت تو نماز کے لئے ہوتی ہے اور صحابہ کی جو مراد تھی وضو سے یعنی غسل یدین کی یاد دہانی اس کا جواب آپ نے اپنے عمل سے یعنی ترک غسل یدین سے ظاہر فرمادیا (بذل)

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حدیث حسن. وحدیث سلمان اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

### باب فی طعام الفجاءۃ

فجاءۃ کی بزل میں دو تفسیریں کی ہیں۔ اول یہ کہ اچانک کسی کی دعوت کر دینا اور اس کو کھانے پر بلا لینا بغیر کسی تیاری اور اہتمام کے، اور دوسری تفسیر یہ کہ عین کھانے کے وقت کسی کو مدعو کرنا، یعنی پہلے سے اس کو دعوت کی اطلاع نہ کرنا، جس کو بعض لوگ اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، اور ایسی صورت میں اس کو منظور نہیں کرتے، حالانکہ حدیث شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک پہاڑی کی طرف سے تشریف لائے تھے قضاہ حاجت کے بعد، جب آپ ہمارے سامنے کو گزرے تو ہمارے سامنے کھجوریں رکھی تھیں، ایک ڈھال پر جو پلیٹ ہی کی طرح ہوتی ہے، ہم نے آپ کو کھجور لوش فرمانے کے لئے دعوت دیدی، آپ نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر لوش فرمایا سبحان اللہ! کیا شان تو اضع ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

یہاں پر فجاءۃ کے دونوں معنی جو ذکر کئے گئے پائے جا رہے ہیں، اس واقعہ سے تواضع اور سادگی اختیار کرنیکا سبق من رہا ہے

### باب فی کراہیۃ ذم الطعام

اس باب کا اور اس کی حدیث کا مضمون اور حوالہ ہمارے یہاں۔ باب ما یقول اذا شرب اللبن۔ میں گزر چکا، فلا حاجۃ الی اعادۃ، والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الاجتماع علی الطعام

قالوا يا رسول الله! انا نأكل ولا نشبع، قال فلعنكم تفتقرون؟ قالوا نعم، قال فاجتمعوا على طعامكم

واذكروا اسما لله عليه بيارك لکم فیہ۔

بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ بیٹھ کر کھاتے ہو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا ایک ساتھ بیٹھ کر بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو پھر برکت ہوگی۔ والحديث اخره ابن ماجه، قاله المنذرى۔

## باب التسمية على الطعام

کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا جمہور کے نزدیک سنت ہے، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک واجب ہے، حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں ذکر اللہ کے ساتھ داخل ہوتا ہے (بظاہر دخول بیت کی دعاء اور دستہ جو حدیث میں وارد ہے) اور کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ماتحتوں سے کہتا ہے لا مبیۃ لکم ولا عشاء، کہ ب نہ تم اس گھر میں رات گزار سکو گے اور نہ کھانے میں تمہارا حصہ ہوگا، اور اگر بغیر دعا کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ تم کو یہاں رات گزارنے کا موقعہ تو مل گیا اور اس کے بعد اگر وہ شخص کھانے پر بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا تو وہ کہتا ہے کہ اب تم کو مبیۃ اور عشاء دونوں ملیں گے۔

والحدیث اخره مسلم والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

مضمون حدیث | آگے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آرہی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شرکت کرتے تھے تو ہم میں سے کوئی شخص

کھانے کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا جب تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شروع نہ فرمادیں (یہ ایک مستقل ادب ہوا) آگے ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک ایک بدوی آیا، تیزی کے ساتھ جیسے کوئی اس کو دھکیل رہا ہو، اور وہ آتے ہی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا (یعنی بغیر بسم اللہ کے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، تھوڑی دیر بعد اسی طرح تیزی کے ساتھ ایک لونڈی دسترخوان پر آئی آکر اس نے بھی کھانے کا ارادہ کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا، اور فرمایا کہ بیشک شیطان اپنے لئے وہ کھانا حلال کرنا چاہتا ہے، یعنی اس میں اپنا حصہ لگانا چاہتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور تحقیق کہ یہ شیطان ہی اس عرابی کو لایا تھا کھانے میں اپنا حصہ لگانے کیلئے اسی لئے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور ایسے ہی اس جاریہ کا بھی، قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تحقیق کہ شیطان کا ہاتھ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ، اس حدیث سے تسمیہ علی الطعام کی جو اہمیت اور فائدہ سمجھ میں آ رہا ہے وہ ظاہر ہے، نیز ایک بات یہ بھی مستفاد ہوتی ہے کہ کسی وسیع دسترخوان پر جس پر چند نفر کھانا کھا رہے ہوں ان میں سے صرف ایک یا دو کا بسم اللہ پڑھنا کافی نہیں بلکہ ہر ایک شریک دسترخوان کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے اگر کسی ایک شریک دسترخوان سے بھی بسم اللہ فوت ہو گئی تو شیطان کو شرکت کا موقع مل جاتا ہے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور وہ صحابہ جو آپ کے ساتھ پہلے سے کھانا نوش فرما رہے تھے اہل بیت نے بسم اللہ پڑھی تھی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان اور جنات کھانا کھاتے ہیں، جیسا کہ اس پر کلام ابواب الاستنجار میں، لکم کل عظم لم ینذکر اسم اللہ علیہ کے ذیل میں گذر چکا۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔  
اس حدیث کا شہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ رہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ بخول جائے، پھر درمیان میں یاد آئے تو اس کو چاہیے کہ یوں کہے "بسم اللہ اولہ و آخرہ" والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

**مضمون حدیث** | اس کے بعد امیہ بن مخشیش رضی اللہ عنہ کی حدیث آ رہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے آپ کے سامنے ایک شخص کھا رہا تھا جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی، وہ اسی طرح کھا رہا تھا، جب اخیر میں اس کا ایک لقمہ رہ گیا اس وقت اس نے بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا کہ اس شخص کے ساتھ شیطان مسلسل کھا رہا تھا، جب اس نے اخیر میں بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ اپنے پیٹ میں کھایا تھا اس کی قی کر دی۔ یعنی بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے جو بے برکتی ہو رہی تھی بسم اللہ کے بعد وہ برکت لوٹ آئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے، اس لئے کہ جب وہ حقیقت کھاتا ہے تو فی الواقع قی بھی کر سکتا ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الاکل متکئا

سمعت انس یقول بعثنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرجعت الیہ فوجدتہ یاکل تمرا وهو مقلع۔  
**شرح الحدیث** | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لئے بھیجا جب میں آپ کے پاس لوٹ کر آیا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کھجور نوش فرما رہے تھے کمر کے بہار سے سے اکڑوں بیٹھ کر۔

یہ روایت شمالی ترمذی میں بھی ہے جس میں اس طرح ہے۔ وهو مقلع من البوع۔ اس کی شرح میں علامہ منادی فرماتے

ہیں، ای تساندا الی ماورائہ من الضعف الی اصل لہ بسبب الجوع، ففي القاموس: اتعی فی جلوسہ تساندا الی ماورائہ، وليس الاستناد من آداب الاکل لانه فعله للضرورة، وقال القاری: ای محتبیا مستندا الی ماورائہ من الضعف الی اصل لہ بالجوع۔ اس حدیث سے آپ کا اکڑوں اور سہارے سے بیٹھ کر کھانا ثابت ہو رہا ہے، اکل متکئا کے بارے میں آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے: لا آکل متکئا، اسی لئے تکبیر لگا کر کھانا خلاف سنت اور خلاف ادب ہے، لیکن اس موقع پر آپ تکبیر لگا کر نوش فرما رہے تھے عذر جوع کی وجہ سے جس کی طرف راوی نے خود اشارہ کیا، اور شرح نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ والحدیث اخر جہ البخاری والترذی والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے: ماروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یریا کل متکئا قط، ولا یطأ عقبہ رجلا۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی تکبیر لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اور نہ آپ کی ایڑی یعنی نشانات قدم کو روندتے تھے دو آدمی، یعنی دو آدمی بھی آپ کے پیچھے پیچھے نہیں چلتے تھے، یعنی آپ کی عادت شریفہ چلنے کے وقت میں اپنے ساتھیوں سے آگے چلنے کی تھی، اما ان ہمیشی خلفہم کما جار او یضی فیہم، بلکہ یا تو آپ پیچھے چلتے یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مرجلان میں مشہور یہ ہے کہ بفتح الراء وہ نام الجیم ہے جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے دوسرا احتمال کسر راہ اور سکون جیم کا ہے یعنی قدین، یعنی لائشہی خلفہ احد ذور جلیں (بذل)

**اکل متکئا کا مصداق اور تفسیر** اکل متکئا کی کئی طرح تفسیر کی گئی ہے، ایک یہ کہ: ان یتکمن فی الجلوس للاکل علی ای صفتہ کان، یعنی خوب جم کر بیٹھ کر کھانا چلہیے جیسے بھی ہو، اس طرح بیٹھ

کر وہی کھائے گا جس کی خوراک زیادہ ہو، زیادہ کھانے کا عادی ہو، وقیل ان یمیل علی احد شقیہ، یعنی کسی ایک طرف کو جھک کر کھانا، دائیں طرف یا بائیں طرف کسی چیز پر ٹیک لگا کر، وقیل ان یعمد علی یدہ الیسری من الارض، یعنی بائیں ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھنے پر تکبیر بعض روایات میں مطلقا بھی آئی ہے بغیر کھانے کے، خطابی فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ متکئی کے معنی دائیں یا بائیں جانب سہارے سے بیٹھنے کے ہیں حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ متکئی وہ شخص ہے جو گدے اور تکبیر پر بیٹھ کر کھائے، لیکن ابن الجوزی نے انکار کے معنی وہی لئے ہیں جس کی تخصیص کا خطابی نے انکار کیا ہے یعنی دائیں یا بائیں جانب ٹیک لگا کر کھانا، اور ملا علی قاری نے، مرقاة میں بعض محققین سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد چوز الوگدے پر بیٹھ کر کھانا ہے، اس لئے کہ یہ ہیئت وہی شخص اختیار کرتا ہے جو زیادہ کھانے کا عادی ہو، اور یہ تکبیر کی بھی علامت ہے۔

**کھانے کے وقت پسندیدہ صفت جلوس** جانظ فرماتے ہیں: اولی صفت جلوس میں یہ ہے کہ دوزالوں ظہور قدین پر بیٹھ کر کھائے یا دایاں گھٹنا کھڑا کر لے اور بائیں کو بچھالے، اور

حضرت نے بذل میں حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر سے نقل فرمایا ہے کہ مقبول و پسندیدہ ہیئت کھانے میں وہ ہے جس میں



کھانے کی طرف پوری توجہ پائی جائے (جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے) اور وہ ہیئت ایسی نہ ہوتی چاہیے جس میں زیادہ کھانا کھایا جاتا ہو پیٹ کے فرخ ہو جائیگی وجہ سے (جیسا کہ چوزانوں ہونے کی صورت میں) اور نہ وہ ہیئت متکبرین کی ہو، پس جس ہیئت میں یہ تینوں صفیتیں پائی جائیں گی وہ سب سے افضل ہوگی اور جس میں صرف دو پائی جائیں یا ایک وہ اس سے کم درجہ ہوگا اور زیادہ، والحديث اخره ابن ماجه، قال المنذرى۔

## باب فی الاکل من اعلى الصحفة

حدیث الباب میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو پلیٹ کے بالائی حصہ یعنی بیچ سے نہ کھائے بلکہ اس سے نیچے کے حصہ سے یعنی کنارے سے کھائے، آگے آپ نے اس کی حکمت ارشاد فرمائی کہ اسلئے برکت وسط پلیٹ پر نازل ہوتی ہے، لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ بیچ کا حصہ کھانے سے خالی نہیں ہونا چاہیے تاکہ اس پر برکت نازل ہوتی رہے۔  
والحدیث اخره الترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

كان للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قصعة يحملها اربعة رجال يقال لها الغراء، فلما أضحوا

وسجدوا الضحى أتى بتلك القصعة الخ۔

آپ اور صحابہ مل کر جس برتن میں کھانا تناول فرماتے

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب جس برتن میں کھانا نوش فرمایا کرتے وہ ایک بڑا پیالہ تھا جس کو چار آدمی اٹھا کر لاتے تھے جبکہ اس میں شرید بھرا ہوا ہوتا تھا، اس پیالہ کا نام غراء تھا، پس جب چاشت کا وقت ہوتا اور صحابہ کرام چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو اس پیالہ کو لایا جاتا سب حضرات اس کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے ایک مرتبہ جب کھانے والے زیادہ ہو گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سمٹ کر اور دو زانوں ہو کر بیٹھ گئے (ظاہر ہے کہ یہ بہت ادب اور تواضع کی ہیئت ہے اسی لئے) ایک اعرابی نے کہا کہ یہ بیٹھنے کی کیسی ہیئت ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: ان الله تعالى جعلني عبداً كريماً ولم يجعلني جباراً عنيداً، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو شریف الطبع بندہ بنایا ہے، اور مجھ کو متکبر اور سخت مزاج نہیں بنایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس پیالہ کے چاروں طرف سے کھاؤ، اور اس کا درمیانی حصہ چھوڑے رہو کہ اس پر برکت اترتی ہے۔

شمال ترمذی میں آپ کے قدح کا بھی ذکر آتا ہے جس پر امام ترمذی نے مستقل باب باندھا ہے جس میں یہ ہے: عن ثابت قال اخرج الينا انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قدح خشب غليظ مضيقاً بحديد الحديث، کہ آپ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے، جس کے بارے میں یہ بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب پینے کی چیزیں اس پیالہ سے نوش فرماتے تھے المار والنبید والعسل واللبن، اور یہ غرار جس کا ذکر حدیث الباب میں ہے یہ ایک بڑے برتن کا نام ہے جس میں آپ اور سب صحابہ ایک ساتھ شریک کھایا کرتے تھے۔  
والحدیث اخرج ابن ماجہ، قال المنذری۔

لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم الخ۔

**قطع اللحم بالسکین میں اختلاف روایات** | اس حدیث میں چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے سے منع کیا گیا ہے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اور فرمایا آپ نے کہ گوشت کو دانتوں سے لڑچ کر کھایا کرو کہ وہ زیادہ خوشگوار اور لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث کا ذکر "الدر المنصور" کے مقدمہ میں آیا ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر ابن جوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، لیکن موضوع کہنا تو مشکل ہے البتہ ضعیف کہہ سکتے ہیں، صحاح ستہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ بحز ابن ماجہ کی بعض احادیث کے کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔

چھری سے گوشت کاٹنے کا ثبوت روایات میں موجود ہے جیسا کہ کتاب الطہارۃ "باب فی ترک الوضوء مما مست النار" میں حدیث گذر چکی ہے جس میں ہے "واخذ الشفرة فجعل یحزلی بہا منہ" وقد تقدم الکلام هنا، ایک توجیہ جو وہاں نہیں گذری ہے کہ منع اس گوشت سے متعلق ہے جو خوب اچھی طرح پکا ہوا ہو۔ قد تکامل نضجہ۔ اس لئے کہ وہاں چھری سے کاٹنے کی حاجت ہی نہیں ہے نرم ہونے کی وجہ سے ہاتھ ہی سے کام چل سکتا ہے۔

## باب لجلوس علی ما اذکة علیہا بعض ما یکرہ

حدیث الباب میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو طرح کے کھانوں سے منع فرمایا ہے، ایک اس دسترخوان پر جہاں شراب پی جا رہی ہو، اور ایک یہ کہ آدمی اس طرح کھائے کہ وہ پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہو۔ والحدیث اخرجہ النسائی۔

## باب الاکل بالیمین

فان الشیطان یا کل بشمالہ ویشرب بشمالہ، یہ حدیث عند الجہور اپنی حقیقت پر محمول ہے، قال فی النیل، والذی علیہ الجہور من السلف والخلف من المحدثین وغیرہم ان اکل الشیطان محمول علی ظاہرہ وان للشیطان یدین ورجلین، وفیم ذکر وانشی وانہ یا کل حقیقۃ بیدہ اذالم یدفع، وقیل ان اکلم علی المجاز والاستعارۃ، وقیل ان اکلم شم واسر وارج، ولا یطی الی شی من ذلک اھ ابواب الاستیجار میں یہ سارا مضمون تقریباً گزر چکا ہے، یہ جو گذرا کہ یہ حدیث مجاز پر محمول ہے یعنی معنی مجازی یہ ہو سکتے ہیں کہ نہ یا مہر بذلک یحرض علیہ یعنی اکل بالیسار پر شیطان ابھارتا ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم الترمذی والنسائی قال المنذری

عن عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اذُنُ مَنِ اَخَذَ بَعْضَ نَحْوِيں مِیْنِ اِسِّیْ كِیْ بَعْدِ "یا بُنَّیَّ" كِیْ زِیَادَتِیْ هِیْ، اِسْلَمَ كِیْ یَیْ عَمْرُ بنِ ابِی سَلَمَةَ امِ الرُّمَیْنِ حَضْرَتِ امِ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا كِیْ یَطِیْعُ یَیْنِ اِنِّیْ كِیْ پِیْلَیْ فَاوْنِدِ ابِی سَلَمَةَ سِیْ، اِسْمِیْ لَیْ اَیْ نَیْ فَرَمَا یَا بُنَّیَّ۔

اس حدیث میں دو ادب مذکور ہیں، اکل بالیحین، اور پلیٹ کے کنارہ سے جو کھانے والے کے قریب ہوتا ہے۔ سے کھانا کما تقدم فی باب الاكل من اعلى الصحفة۔

والحدیث اخرجه البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجه من حدیث ابی نعیم۔ و هرب بن کیسان۔ عن عمر بن ابی سلمة بنحوه و اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه من حدیث عروة بن الزبیر عن عمر بن ابی سلمة، قال المنذری۔

## باب فی اکل اللحم

بظاہر مراد صفة الاكل یعنی گوشت کھانے کا طریقہ بیان کرنا ہے، چنانچہ مضمون حدیث یہ ہے صفوان بن امیہ رضی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا تو میں اس طرح کرتا تھا کہ ہڈی پر سے گوشت اپنے ہاتھ سے اتار کر اس کو کھاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ اس طرح نہیں بلکہ اس ہڈی ہی کو منہ کے قریب لیجا کر دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کہ وہ زیادہ خوشگوار اور لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

كان احب العراق الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عواق الشاة۔

مضمون حدیث | عراق عرق کی جمع ہے وہ ہڈی جس پر گوشت ہو، یعنی آپ کو بکری کا وہ گوشت زیادہ پسند تھا جو ہڈی پر ہوتا ہے بعض لوگ خالص گوشت کی بوٹی پسند کرتے ہیں، اور بعض کو ہڈی دار گوشت پسند ہوتا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی پسند تھا۔  
والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں آرہا ہے: "كان يعجبه الذراع، قال وسيم في الذراع وكان يري ان اليهود هم ستموه، یعنی آپ کو دست کا گوشت پسند تھا اسی لئے آپ کو زہر دینے والے نے اسی میں زہر دیا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ کو ذراع پسند ہے آپ اسی کو نوش فرمائیں گے۔

آپ کو زہر کس یہودی نے دیا تھا اس کے بارے میں حدیث "کتاب الديات" میں آرہی ہے "باب فی من سقى رجلاً سماً أو اطعمه نماً ایقاد مته" کے ذیل میں، وہاں اس سلسلہ کی کئی روایات ہیں وہاں یہ بھی آرہا ہے: قال ابو داود: هذه اخت مرحب اليهودية، یعنی جس یہودی نے آپ کو زہر دیا تھا وہ مرحب کی بہن تھی، جس کا نام زینب بنت الحارث تھا، ذکر الزہری انہا اسلمت اھ "من البنل" اور ابن الجوزی کی تلمیح ص ۴۵ میں یہ بھی ہے کہ یہ عورت سلام بن مشکم کی

بیوی تھی۔ والحديث أخرجه الترمذی، وقد أخرج البخاری ومسلم من حديث ابی زید عن عمرو بن جریر عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رفع الیہ الذر لوع وكانت تعجبه الحدیث، قال المنذری۔

## باب فی اکل الدباء

دبار کا ذکر اوعیہ نبیذ میں بھی گذر چکا ہے یعنی کدو جس کو لوکی بھی کہتے ہیں، بعض ان میں سے مستطیل ہوتے ہیں، بعض مستدیر، نبیذ بنانے کے لئے تو زیادہ موزوں مستدیر ہی ہے کہ پیالہ کی شکل میں ہوتا ہے، بہر حال جو نسا بھی ہو یہ باہر سے سبز ہوتا ہے اور اندر سے سفید نکلتا ہے، اس کا گودانرم اور لطیف ہوتا ہے، اطباء نے اس کے بہت فوائد لکھے ہیں، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ خصائل نبوی میں لکھتے ہیں: کدو کے فوائد علماء حدیث نے بہت سے لکھے ہیں اور طب کی کتابوں میں بھی بہت سے منافع لکھے ہیں، من جملہ ان کے یہ بھی ہے کہ عقل کو تیز کرتا ہے، دماغ کو قوت دیتا ہے کدو کی ایک قسم اور ہے جس کا باہر سے رنگ گلابی سا ہوتا ہے اور اندر سے اصفر، جس کو میٹھا کدو کہتے ہیں، جو یہاں حجاز میں بھی ہوتا ہے لیکن کمی کے ساتھ، وہ اس سے مراد نہیں، اسلئے کہ جو کدو آپ کو محبوب تھا اس کے بارے میں ایک روایت میں یہ آیا ہے: عن جابر بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخلت علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرأیت عنده دبار یقطع، فقلت ما هذا؟ قال کثر بہ طعامنا، (شمالی) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کدو کو گوشت وغیرہ دوسرے سالن میں بھی شامل کر کے پکایا جاتا ہے جس سے سالن میں اضافہ ہو جاتا ہے، یہ بات کدو کی اس دوسری قسم میں نہیں پائی جاتی، اس کو تو مستقبل ہی پکایا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان خیاطاد عار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لطعام صنعہ، یعنی ایک درزی نے آپ کے گھلنے کی دعوت کی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعوت میں آپ کے ساتھ میں بھی گیا، اس داعی نے آپ کے سامنے جو کی روٹی اور شوربا جس کے اندر گوشت اور کدو تھا پیش کیا، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پلیٹ میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کرتے تھے، فلم ازل احب الدباء بعد یومئذ،

اس خیاط کے بارے میں ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا غلام اور مولیٰ تھا۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی اکل الثرید

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عنه یہ روایت صحیحہ ہے  
در ان مقام حجاز میں بھی  
کئی جگہ بیان کیا گیا ہے



عليه وآله وسلم الشريد من الخبز والشريد من اللحيس۔

شريد کھانے کی ایک خاص قسم ہے مشہور ہے کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت اور شوربے میں ملا دیئے جاتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شريد کی دو قسمیں ہیں ایک میں صرف گوشت اور روٹی کے ٹکڑے ہوتے ہیں، یہ تو نمکین شريد ہوا، اور ایک شريد وہ ہوتا ہے جو روٹی کے ٹکڑوں کے ساتھ کھجور اور پیز اور گھی ملا کر بنایا جاتا ہے، یہ گویا میٹھا شريد ہوا، اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کو یہ دونوں ہی پسند تھے۔

شريد کی احادیث میں بکثرت تعریف آئی ہے، اس میں بڑی خوبیاں ہیں، لذت کے ساتھ غذائیت اور کھانے میں نہایت لطیف اور نرم جس کو چباننا نہیں پڑتا، ہضم بھی بہ سہولت ہوتا ہے، ایک مشہور حدیث میں ہے: فضل عائشة علی النساء کفضل الشريد علی سائر الطعام، اس پر حاشیہ فضائل میں لکھا ہے: یعنی کما ان الشريد جامع لفوائد شتی من الغذائية واللذة والقوة، حتی قيل انه يعيد الشیخ الی صباه، وكذلك ہی جمع بین فضائل شتی من الفضل والفقه والفضاحة والفظانة وغيرھا۔

## باب فی کراهیة التقدر للطعام

یعنی کھانے کی چیز سے گھن کرنا اور اظہار کراہت۔

عن قبيصة بن حبيب عن ابيه رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - وسأله رجل فقال: ان من الطعام طعاما اتخرج منه. فقال لا يتخلجن في فضله شيء ضارعت فيه النصرانية۔

شرح الحدیث علی اتم وجه | یعنی کسی شخص نے آپ سے کسی کھانے کی چیز کے بارے میں کوئی سوال کیا اور یوں کہا کہ بعض کھانے ایسے ہیں جن کے کھانے میں میں خراج بگھتا ہوں تو اس پر آپ نے فرمایا کہ کسی حلال کھانے کے بارے میں تجھ کو کوئی خلجان نہ ہونا چاہیے، بلا وجہ شک اور تردد، ورنہ تیرا یہ فعل نصرانیت اور رہبانیت کے مشابہ ہوگا جو اسلام میں ممنوع اور مذکورہ ہے، رہبانیت یعنی عبادت میں اور تقویٰ میں غلو، اور ترک دنیا، جس کو بعض نصاریٰ نے اختیار کیا تھا۔ و رہبانیة ابتدعوها ما کتبناھا علیہم۔ الایة اس حدیث کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ہم نے لکھا اور بظاہر مصنف نے بھی اسی معنی کی طرف ترجمہ الباب سے اشارہ کیا، اور دوسرے معنی شراح نے اس حدیث کے یہ لکھے ہیں جو پہلے معنی کی ضد ہیں وہ یہ کہ جس کھانے میں تم کو نصرانیت کی مشابہت اور بوجسوس ہوتی ہو یعنی حلت میں اشکال، اس کے بارے میں خلجان نہیں ہونا چاہیے یعنی یہ تردد کہ اس کو کھائیں یا نہ کھائیں بلکہ بالجزم اس کو نہیں کھانا چاہیے، مضارعت کے معنی مشابہت، پہلے معنی کا حاصل منع عن ترک الاکل ہے، اور دوسرے معنی کا حاصل منع عن الاکل، پہلے معنی کی صورت میں بظاہر تقدیر عبارت یہ ہوگی والا مضارعت فیہ النصرانیة، اور دوسرے

معنی کا مقتضی یہ ہے کہ ضارعت فیہ النفرانیۃ کو صفت مانا جائے۔ بشری کی، لیکن اس طرح کسی شارح نے اسکی تصریح نہیں کی، میری سمجھ میں غور کرنے سے یہی آتا ہے قلیسألہ بعد میں الکوکب الدرئی میں اس کی تصریح مل گئی۔  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حسن، قال المنذری۔

## باب فی النهی عن اکل الجلالۃ

جلالہ وہ حیوان ہے جو نجاست کھانے کا باری ہو کھلا پھرنے کی وجہ سے، اور منع اس صورت میں ہے اس کے کھانے سے جب کہ نجاست کا اثر اس کے لبن اور لحم میں ظاہر ہونے لگے، اور جب تک ظاہر نہ ہو تو اس کا کھانا جائز ہے، اور ظہور اثر نجاست کے بعد اسکے کھانے کے جواز کی شکل یہ ہے کہ چند روز اس کو باندھ کر رکھا جائے یہاں تک کہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے۔

جلالہ کے حکم میں مذاہب ائمہ اکل جلالہ کے بارے میں مذاہب حاشیہ بذل میں اس طرح لکھے ہیں کہ جمہور کے نزدیک کراہتہ تنزیہیہ ہے، اور بعض شافعیہ کے نزدیک للتحریم وهو قول الخبالبہ، اور امام مالک کے نزدیک اس میں کوئی

لہ حضرت نے بذل میں معنی اول ہی کو اختیار فرمایا ہے اور لکھا ہے: والجملة الشرطیۃ مستانفة لبيان سبب النهی، والمعنی لا یدخل فی قلبک ضیق و حرج لانک علی الخیفۃ السحر السہلۃ، فاذا شککت و شدت علی نفسک بمثل هذا شایہت فیہ الرصانیۃ، اس کے بعد حضرت گنگوہی کی تقریر سے اس طرح نقل فرمایا ہے: وکتب مولانا محمد عی المرقوم: یجمل ان تكون الجملة صفة لشي وان تكون جوابا لشرط محذوف، وایا ما کان فالغرض منہ النهی عن تحرز الطیبات من المآکل لا بغرض صحیح عند الشرع اہ حضرت کی اس تقریر میں حل عبارت اور اس کی ترکیب تو خوب وضاحت سے ہو گئی لیکن ہمارے خیال میں۔ وایا ما کان۔ کے بعد جو غرض مشکم لکھی ہے وہ احتمال اول سے مربوط ہے نہ کہ ہر دو احتمال سے، احتمال ثانی یعنی یہ کہ ضارعت فیہ النفرانیۃ کو شرط محذوف کا جواب مانا جائے، اس صورت میں تو اس عبارت سے معنی مذکورین میں سے معنی ثانی نکلتے ہیں۔ قتال یہ حدیث چونکہ ترمذی میں بھی ہے اس لئے ہم نے مراجعت کی کو کب دری کی طرف، اس سے صاف ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ترکیب کے معنی الگ ہیں، ایک صورت میں معنی یہ ہوں گے اور دوسری صورت میں دوسرے فلانہ الحمد، امام ترمذی نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں باب فی طعام الشرکین کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور اخیر میں فرمایا ہے والعمل علی هذا عند اهل العلم من الرخصة فی طعام اهل الکتاب اور یہی معنی امام ابو داؤد نے بھی اختیار کئے ہیں جیسا کہ اوپر ہم لکھ چکے ہیں، اور حضرت گنگوہی نے کو کب میں بھی اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور اسی معنی کو اساتذہ کی طرف منسوب کیلئے والذی افادہ الاساندة فی معناه ان الواجب ان لا تتحرج فی قلبک طعام ما لم تعلم حرمة او تظن فان تعلت ذلک ضارعت فیہ النفرانیۃ الی آخرہ، کو کب ص ۳۶۔

کراہت نہیں ہے کما فی الشرح الکبیر، اور خطابی کی یہ عالم السنن میں مذاہب یہ لکھے ہیں: کہ ذلک ابو حنیفہ و اصحابہ  
والشافعی و احمد و قالوا لا توکل حتی تجلس ایاماً، فاذا طاب لحمها فلا بأس بالکلب، وقال اسحاق بن راہویہ: لا بأس ان یوکل لحمها  
بعد ان یغسل غسلاً جیداً، وکان الحسن البصری لا یرى بأساً بالکل لحم الجلالة، وکذلک قال مالک بن انس اھ  
اول احادیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
اخرجہ النسائی، قالہ السنذری۔

## باب اکل لحوم الخیل

لحم خیل کا مسئلہ اختلافی ہے، مصنف نے بھی اس باب میں دونوں طرح کی روایات ذکر کی ہیں منع اور جواز کی،  
امام احمد اور شافعی کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور امام ابو حنیفہ اور مالک کے نزدیک مکروہ ہے اب یہ کہ کراہت ان کے  
نزدیک تنزیہی ہے یا تحریمی؟ بذل میں لکھا ہے کہ امام صاحب سے اس میں روایات مختلف ہیں، حسن بن زیاد کی روایت  
میں ان سے تحریم منقول ہے اور ظاہر الروایۃ امام صاحب سے کراہت کی ہے نہ کہ تحریم کی۔ الی آخر ما بسطانی البذل۔ اور  
ہدایہ میں ہے: ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفہ و هو قول مالک، وقال ابو یوسف و محمد والشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ لا بأس بالکلب،  
ثم قیل الکرہۃ عندہ کراہۃ تحریم وقیل کراہۃ تنزیہ، والاول اصح، واما لینه فقد قیل لا بأس بہ لانه لیس فی شربہ  
تفصیل الہ الجہاد اھ مختصراً بحذف الدلائل، و فی الجوبہ: یکرہ تحریماً عند ابی حنیفہ و عند مالک لا بأس بہ و فی الکوکب  
واجتماع روایتی التحریم والحکۃ یرجح الحرۃ و لذلک ذهب الی الحرۃ ابو حنیفہ و مالک والاوزاعی وغیرہم، واللہ تعالیٰ اعلم اھ  
بظاہر حضرت نے امام صاحب سے جو حسن بن زیاد کی روایت ہے اس کو اختیار فرمایا، لیکن ظاہر الروایۃ امام ابو حنیفہ سے  
مطلق کراہت ہے نہ کہ تحریم کما تقدم عن البذل، وکذا المذكور فی الہدایۃ کراہۃ تحریم لا الحرۃ، حضرت گنگوہی کی تقریر  
ترمذی اور ابوداؤد دونوں میں یہ ہے کہ اذن کی روایت جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے یوم خیر کی ہے، اور حضرت  
خالد کی روایت میں تحریم مذکور ہے ولا شک فی انہ اسلم بعد خیر، فلم تکن روایۃ التحریم الامتأخرۃ اھ من البذل والکوکب۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نہانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

یوم خیر عن لحوم الحمیر و اذن لنا فی لحوم الخیل۔

مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اول حدیث جابر دو طریق سے جس کا مضمون یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خیر کے موقع پر بنغال و حمیر کے لحم سے منع فرمایا اور لحم خیل کی اجازت دی،

اور دوسری حدیث حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوعاً: نہی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر

وکل ذی ناب من السباع، ان دونوں روایتوں سے متعلق کلام اوپر گذر چکا جس میں یہ گذر چکا کہ حضرت خالد بن الولید

کی روایت کو خیر سے حدیث جابر سے، نیز مبیع اور محرم میں جب تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، مزید کلام دلائل پر

بذل کے اندر دیکھا جائے، حدیث کا آخری جزو ذی تاج صحیح سے متعلق ہے جس کا آگے مستقل باب آرہا ہے، حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاول اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی، و حدیث الثانی اخرجہ مسلم بمعناہ، و حدیث خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی اکل الارنب

ارنب یعنی خرگوش یہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حلال ہے بعض سلف کا اس میں اختلاف منقول ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت غلاماً حَرَوْرًا فَأَصَدَّتْ اَرْنَبًا فَشَوِيْتَهَا اِخًا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں چست اور قوی لڑکا سا تھا تو ایک خرگوش کا شکار کیا پھر اسکو میں نے آگ پر بھونا تو میرے والد ابو طلحہ نے اسکی ران حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی، میں آپ کی خدمت میں اسکو لیکر آیا تو آپ نے اسکو قبول فرمایا۔

اسکے بعد والی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس خرگوش لیکر آیا جسکو اس نے شکار کیا تھا، اور ان سے دریافت کیا کہ آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک بار حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ لایا گیا تھا تو آپ نے نہ تو اسکو نوش فرمایا تھا اور نہ اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا۔

بذل میں لکھا ہے کہ حدیث اول اکل الارنب کے حوازی پر دال ہے کیونکہ آپ نے اسکو قبول فرمایا اور حدیث ثانی باوجود ضعف کے کراہت پر دلالت نہیں کرتی، اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ ہے و زعم انها تحيض اس پر حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ تحریر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خرگوش کا یہ خاصہ تحریم یا کراہت کی طرف اشارہ کے لئے نہیں فرمایا کیونکہ حیض کا بدن سے خارج ہوجانا یہ تو بانی گوشت کے لئے موجب نفاذ ہے بلکہ آپ کا یہ ذکر فرمانا بطور اظہار تعجب کے ہے کہ اسکو بھی آدمیہ کی طرح حیض آتا ہے اھ امام ترمذی نے حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ہذا عند اکثر اہل العلم لایرون باکل الارنب باسا، وقد کرہ بعض اہل العلم اکل الارنب وقالوا انہا تدمی اھ، اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض اہل علم کے نزدیک شاید وجہ کراہت یہی ہے یعنی اسکو حیض آتا؛ اب یہ کہ کن کن حیوانات کو حیض آتا ہے اس کے بارے میں حاشیہ بذل میں ہے: تحیض من الحيوانات المرأة والضبغ۔ والخنفاش والارنب، ويقال الکلیۃ ایضاً، وقیل الناقۃ والوزغۃ ایضاً کذانی القسطلانی، واکتفی صاحب حیاء حیوان علی الاربعۃ الاول۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔



## باب فی اکل الضب

ضب یعنی گوہ مشہور صحرائی جانور ہے گرگٹ کی طرح لیکن اس سے چوڑا اور موٹا ہوتا ہے زمین میں بل بنا کر رہتا ہے، راجستھان، سندھ اور نجد کے صحرا میں بہت ہوتا ہے۔ اس کا تیل بھی بتایا جاتا ہے جو علاج میں کام آتا ہے یہ جانور بہت قوی اور گرم ہوتا ہے بہت سے لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں، اہل نجد کے یہاں خوب کھایا جاتا ہے، حنفیہ کے یہاں طلال مع الکراہت ہے، فقہ الہدایہ میں ویکرہ اکل الضبع والضب والسلحفاة والزبور والحشرات کلبا، اما الضبع فلما ذکرنا، واما الضب فلان النبی علیہ السلام نہی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حین سألتہ عن اکلہ، وهو حجة علی الشافعی فی اباحتہ، والزبور من الموزیات، والسلحفاة من خبائث الحشرات ولہذا لا یجب علی المحرم بقتلہ شیئ، وانما نکرہ الحشرات کلبا استدلالاً بالضب لانه (الضب) منہا، مصنف نے اس باب میں ضب کے بارے میں متعدد اور مختلف روایات ذکر کی ہیں جن میں بعض میں یہ ہے کہ ضب کا گوشت خود آپ نے تو نوش نہیں فرمایا لیکن آپ کے دستروان پر کھایا گیا ہے، نیز آپ نے فرمایا کہ یہ حرام تو نہیں ہے لیکن مجھ کو اس سے کراہت طبعی ہے، اور باب کی آخری حدیث میں یہ ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن اکل لحم الضب، بذل میں امام نووی سے نقل کیا ہے اجمع المسلمون علی ان الضب طلال، لیس بمکروہ الا ما حکى عن اصحاب ابی حنیفۃ من کراہتہ، والا ما حکاہ القاضی عن قوم اہم قالوا هو حرام۔ الی آخر فی البذل من کلام النووی ونقد الحافظ علیہ فی نقل الاجماع۔ فی ہامش المطبوع للامام محمد: اختلف العلماء فی اکلہ فہم من جرمہ۔ حکاہ عیاض عن قوم ومنہم من کرمہ۔ وهو رأی ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد ونقلہ ابن المنذر عن علی بن زینب ومنہم من قال باباحۃ اکلہ۔ وهو قول الجمهور الی آخر ما قال۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، وحدیث خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ۔

اسکے بعد حضرت ثابت بن وردیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ: ان امۃ من بنی اسرائیل

مسخت دواب فی الارض، وانی لا ادری ای الدواب ہی، یعنی آپ نے گوہ کے بارے میں اظہار تردد فرمایا کہ یہ بنی اسرائیل کی اس قوم سے ہے جس کو مسخ کر دیا گیا تھا یا کچھ اور ہے، اس پر شرح نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ حدیث جس میں آپ نے فرمایا، المسوخ لا یعیش ثلاثہ ایام ولا یعقب، یہ بعد کی ہو، اور حدیث الباب اس سے مقدم ہو۔ والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ قالہ المتذری۔

## باب فی اکل لحم الحباری

أكلت مع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لحم حباری  
حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حباری کا  
گوشت کھایا ہے۔

حباری کس پرند کا نام ہے؟ اس میں مختلف قول ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ تغذری کیا ہے، بعض نے بٹیر اور  
بعض نے سرخاب، اور بھی اسکے بعض نام حضرت شیخ نے خصائل نبوی میں لکھے ہیں اور بہت سی کتابوں کے حوالے اس  
میں مذکور ہیں، اور متعدد کتب لغت اور طب کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اقرب یہی ہے کہ سرخاب کوئی دوسرا  
جانور ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا ترجمہ تغذری ہے۔

یہ ایک صحرائی پرند ہے لمبی گردن والا خاکی رنگ جو بہت تیز اڑتا ہے اور تحصیل رزق میں بہت کوشاں رہتا ہے  
حتیٰ کہ ضرب المثل ہو گیا، چنانچہ کہتے ہیں "فلان اطلب من الحباری" والحديث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

## باب فی اکل حشرات الارض

یعنی صغار دواب الارض، زمین میں رہنے والے چھوٹے چھوٹے جانور جیسے گوہ، کچھوا اور چوہا، یربوع اور  
دوسرے کیڑے مکوڑے۔

فلما سمع لحشرات الارض تحریماً، ملقاً بن تلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور اقدس  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کے بارے میں تحریم نہیں سنی۔  
امام خطاب فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حشرات الارض مباح ہیں لہذا ان کیوں غیرہ قد سمعہ۔

كنت عند ابن عمر رضي الله تعالى عنهما فسئل عن اكل القنفذ فتلا "قل لا اجد في  
ما اوحى الي محرماً" الآية الخ۔

نمیلہ فراری سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا کہ آپ سے قنفذ کے بارے  
میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی "قل لا اجد فی ما اوحی الی محرماً" الآية تو اس پر ایک شیخ جو وہیں تھے  
بولے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قنفذ کا ذکر آیا  
تو آپ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا: خبیثہ من الخبیثات" تو اس پر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے تو جیسا آپ نے فرمایا ویسا ہی ہے۔

اسکے بعد یہاں روایت میں یہ جملہ ہے "مالم ندرہ بذل میں لکھا ہے کہ یہ زیادتی بعض نسخوں میں ہے بعض میں نہیں اور پھر حضرت نے اس جملہ کے معنی یہ لکھے ہیں، مالم ندر صحتہ وثبوتہ بسند قوی اہ لیکن اکثر نسخے اس زیادتی سے خالی ہیں جیسے منذری کا نسخہ اور معالم السنن کا نسخہ، ایسے ہی حیاة الیخوان میں ابوداؤد کی روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے، پس یہ لفظ اگر یہاں پر صحیح ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں "وان لم ندرہ" یعنی اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو پھر وہی صحیح ہے خواہ ہماری سمجھ میں اس کی وجہ نہ آئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قنفذ کا مصداق اور اس کا حکم شرعی** اور مالکیہ کے نزدیک حلال ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرام، شافعیہ

حیاة الیخوان میں اس طرح ہے: قال الشافعی یحل اکل القنفذ لان العرب تستطیبہ وقد افقی ابن عمر بابا حنہ، وقال ابو حنیفہ والامام احمد لایحل لما روی ابوداؤد۔ وحدہ۔ ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ الی آخر الحدیث۔ پھر اسکے بعد انہوں نے شافعیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: والجواب ان رواۃ مجہولون، قال البیہقی دلم یرو الامن وجہ واحد ضعیف لا یجوز الاحتجاج بہ۔ الی آخر ما ذکر۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ قنفذ کا ترجمہ بعض نے خار پشت سے کیا ہے، عون المعبود اور صراح میں اسی طرح ہے، لیکن خار پشت تو ترجمہ سہی کا ہے جیسا کہ "فرہنگ آصفیہ" میں ہے، اور منجد میں خار پشت کی شکل بنا کر (جس کی پشت پر واقعی کانٹے ہیں) اس کا نام دلدل لکھا ہے، اور قنفذ کی شکل و صورت "منجد" میں بالوں والے چوہے کی سی بنائی ہے اور اسی طرح "القاموس المجدید" میں قنفذ کا ترجمہ خار دار چوہے سے کیا ہے اور یہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ خار پشت بڑا جانور ہوتا ہے بلی کے برابر جس کی پشت پر خار یعنی کانٹے ہوتے ہیں (جن کے قلم بھی بنائے جاتے ہیں) بخلاف قنفذ کے کہ اس کی پشت پر خار نہیں ہوتے بلکہ موٹے موٹے بال ہوتے ہیں جن کو وہ خوف کے وقت اپنی حفاظت کے لئے کھڑا کر لیتا ہے اور گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے، لہذا قنفذ کا ترجمہ خار پشت محل نظر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جا حظ کی تالیف "کتاب الیخوان" ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ قنفذ ایک جنس ہے بعض قنفاذ بڑے ہوتے ہیں جن کو دلدل کہا جاتا ہے جن کی پشت پر بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں، انہوں نے سب کے احوال اور خواص الگ الگ لکھے ہیں لہذا خار پشت یہ ترجمہ دلدل کا زیادہ مناسب ہے، ہمیں قنفذ کی تحقیق میں کافی نتیجہ اور مراجعت کتب کی ضرورت پیش آئی، حشرات الارض کی تفصیل اور ان کا حکم مذہب حنفیہ میں، اس کو "بذل المجہود" میں "بدائع الصنائع" سے نقل کیا ہے جو چاہے اس کو دیکھ لے۔

مد یعنی قنفذ نہیں لکھا۔ قلت وجار ذکر الدلدل فی النسائی فی باب تزویج الزانیۃ ولفظہ قالت یا اہل الخیام بذل الدلدل ذیراج الفیض النسائی۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى

عن شمن الهن قال ابن عبد الملك: عن اكل الهن واكل ثمنها.

یہ حدیث اکثر نسخ میں نہیں ہے جیسے نسخہ عون العیود، اور اسی طرح نسخہ متذری، خطابی، اور ہونی بھی نہ چاہیے کیونکہ ترجمہ الباب حشرات الارض سے متعلق ہے، اور ہر حشرات میں سے نہیں بلکہ سباع میں سے ہے، حشرات کا اطلاق صغار دواب الارض پر ہوتا ہے کما تقدم فی اول الباب۔

## باب فی اکل الضبع

یہاں پر دو بحثیں ہیں اول ضبع کا مصداق اور اس کی تحقیق، دوسرے ضبع کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلیل اور تیسری بحث یہ کہ اگر محرم اس کا شکار کرے تو کیا واجب ہوتا ہے۔

بحث اول: ضبع کے ترجمہ میں اختلاف ہے، عرف الشذی، میں لکھا ہے کہ اس کو ہندی میں ہنڈا کہتے ہیں اور فارسی میں کفتار، اور وہ جو لکھا ہے مولانا عبدالحی کے والد نے اس کا ترجمہ بچو کے ساتھ یہ ہے، اور حاشیہ بذل میں ہے کہ صاحب محیط نے بھی اس کا ترجمہ ہنڈا سے کیا ہے اہ اسی کو لکڑ بگڑ بھی کہتے ہیں، اور اللغات میں لکھا ہے کہ صحیح لکڑ بگڑ ہے اس کو فارسی میں چرخ کہتے ہیں، غیاث اللغات میں بھی کفتار اور ہنڈا کو ایک قرار دیا ہے، اس کی عبارت یہ ہے کفتار بالفتح جانور لیست صحرائی درندہ کہ بہندی ہنڈا گویند از لطائف وغیراں اہ۔ پھر بچو کو عربی میں کیا کہتے ہیں اس کی تحقیق کی جائے، اہ بچو کے بارے میں فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے کہ ایک جانور کا نام ہے جو اکثر قبرستان میں رہتا ہے اور مردوں کو نکال کر کھا جاتا ہے، ایسا سخت اور مضبوط ہوتا ہے کہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے بھی نہیں مڑتا اہ اور ہنڈا کے بارے میں مشہور نہیں ہے کہ وہ قبرستان میں رہتا ہے اور مردوں کو نکال کر کھا جاتا ہے، لہذا ہنڈا اور بچو یہ دو الگ الگ جانور ہوتے، اور ضبع کا مصداق ہنڈا ہے بچو نہیں، کافی کتب لغت کے تنسیخ کے بعد یہ لکھا گیا وقد بقی فیہ بالقی۔

سألت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن الضبع؛ فقال هو صيد ويجعل فيه

كيش اذا صاده المحرم۔

بحث ثانی: آپ سے سوال کیا گیا ضبع کے بارے میں تو آپ نے فرمایا وہ شکار ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر محرم اس کا شکار کرے تو اس کی جزا کیش ہے اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن ابی عمار قال قلت لجابر: الضبع أصيد؟ قال نعم، قلت أكلها؟ قال نعم، قلت أقاله رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم؟ قال نعم، هذا حديث حسن صحيح، ابوداؤد کی روایت تو اصل اکل ضبع میں صریح نہیں لیکن ترمذی کی روایت

اس بارے میں صریح ہے، لیکن وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد پر مبنی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں اس کی حلت کی تصریح نہیں، آپ نے تو یہ فرمایا کہ وہ شکار ہے، حضرت جابر شکار ہونے سے یہ سمجھے کہ اس کا کھانا حلال ہے اسی بنا پر انہوں نے اسکے حلال ہونے کی نسبت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دی، باقی ہم کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ ضبع سباع ذی ناب میں سے ہے لہذا ضبع حدیث مشہورہ نہیں عن اکل کل ذی ناب من السباع میں داخل ہونے کی وجہ سے غیر حلال ہوگا، ویسے اسکے علاوہ بھی مجرم اور میبح کے تعارض کے وقت ترجیح مجرم کو ہوا کرتی ہے (بذل) مسئلہ مختلف فیہ ہے امام شافعی و احمد کے نزدیک ضبع حلال ہے اور حنفیہ اور جہور کے نزدیک حرام ہے کذا فی البذل عن الشوکانی، اور خطابی کے کلام میں ہے: وکرہ الثوری والوحیقة واصحابہ، و مالک، وروی ذلک عن سعید بن المسیب، واحتجوا بانہا سبع۔ الی آخر ما ذکر۔ اور امام ترمذی نے حدیث جابر جو ادر ترمذی کے حوالہ سے گذرتی ہے اسکے بعد فرمایا: وقد ذهب بعض اهل العلم الى هذا ولم يردوا باسباب اكل الضبع، وهو قول احمد واسحاق، وروی عن ابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدیث فی کراہیۃ اكل الضبع ویس استادہ بالقوی، اور اسکے بعد پھر امام ترمذی نے اس حدیث منع کو ذکر کیا ہے: عن خزیمہ بن جہز رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اكل الضبع فقال اذیا کل الضبع احد؟ وسألت عن اكل الذئب فقال ویا کل الذئب احد فیہ خیر؟ اس کے بعد امام ترمذی نے اس کی سند پر جو جرح ہے اس کو بیان کیا ہے لیکن حاشیہ کو کب مہلک میں التعلیق المجدد سے نقل کیا ہے، وقد ورد الہنی عن اکلہ فی روایات عدیدة اخرجہا الترمذی وابن ابی شیبہ و احمد واسحاق والویعلی وغیرہم کما بسطہ العینی فی البنیۃ مع الجواب عما استدلل بہ المخالفون اھ۔

بحث ثالث: دوسرا مسئلہ اس حدیث میں ضبع کے شکار کرنے میں مجرم پر جزا کا ہے کہ وہ کبش ہے ائمہ ثلاثہ کا مذہب تو یہی ہے، حنفیہ کے نزدیک جزا تو واجب ہے لیکن اس میں قیمت کا اعتبار ہے کبش کی تعیین نہیں، یعنی ضبع کی قیمت جو بھی ہو اسکے بقدر جزا دی جائے، ممکن ہے اس وقت اس کی قیمت کبش ہی کے برابر ہو، اسی لئے اس کو ذکر کر دیا گیا۔

والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حسن صحیح، قال المتذری۔

## باب ما جاء في اكل السباع

عن ابی ثعلبۃ العنسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نہی عن اكل كل ذی ناب من السبع۔

شرح الحدیث | یعنی آپ نے منع فرمایا ہر اس کچلی والے جانور کے کھانے سے جو درندوں میں سے ہو، یعنی وہ جانور



جو اپنی کچلی سے شکار کرتا ہو اور چیر بھاڑ کرتا ہو، مطلقاً ناب کا ہونا مراد نہیں، جیسے شیر، جیتا بھیر یا کتا وغیرہ جو لوگوں پر حملہ کرتے ہیں اپنے انیاب کے ذریعہ، اور من السبع کی قید اس لئے لگائی کہ اونٹ نکل جائے اس لئے کہ اس کے اگرچہ ناب ہوتا ہے لیکن وہ سباع اور وحوش میں سے نہیں ہے جن کو انسان سے ذمہ دہی ہوتی ہے، اور اس کے بعد والی حدیث جو بروایت ابن عباس ہے اس میں یہ بھی ہے وعن کل ذی مخلب من الطیر، یعنی ہر ایسے پرندے کے کھانے سے آپ نے منع فرمایا جو بیخہ والا ہو یعنی بیخہ سے شکار کرتا ہو اڑتے ہوئے بھی، جیسے باز، شکر، جیل وغیرہ،

حدیث ابی ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ مسلم، قال المنذری۔

اور اس کے بعد والی حدیث جو مقدم بن معدیکرب سے ہے اس میں یہ زیادتی ہے۔ ولا الحمار الاہلی، ولا اللقطة من مال معاهد الا ان يستغنى عنها، حر اہلیہ کا باب آگے مستقل آ رہا ہے، معاہد سے مراد ذمی ہے یعنی ذمی کا لفظ اٹھا کر رکھ لینا جائز نہیں، جب ذمی کا جائز نہیں تو مسلم کا بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا، ہاں تعریف کے لئے اٹھانا جائز ہے اور پھر اس صورت میں کوئی اس کو طلب کرنے کے لئے نہ آتے تو امر آخر ہے، یہی مطلب ہے الا ان يستغنى عنها، کا وایما رجل ضاف قومًا، جو شخص کسی قوم کا ہمان بنے اور وہ لوگ اسکی ضیافت نہ کریں تو اس ہمان کے لئے جائز ہے کہ اپنے حق ضیافت کے بقدر ان کے مال میں سے لے لے، اس آخری جملہ کی تاویلات کتاب الاطعمۃ کے شروع میں باب من الضیافۃ، میں گذر چکیں۔

والحدیث ذکرہ الدارقطنی مختصرًا و اشارالی غرابۃ، قال المنذری۔

عن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر فاتت الیہود فشکوا ان الناس قد اسرعوا الی حظائرہم الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ غزوة خیبر میں تھا پس آپ کے پاس کچھ یہودی آئے یعنی معاہدہ کے بعد اور انہوں نے آکر آپ سے یہ شکایت کی کہ بعض لوگوں نے ہمارے حظیروں پر جہاں ہمارے اونٹ اور بکریاں بندھتی ہیں آکر ان پر دست درازی کی، تو اس پر آپ نے وعید فرمائی کہ معاہدین اور ذمیوں کے مال سے اپنے طے شدہ حق کے علاوہ لینا جائز نہیں، نیز فرمایا آپ نے کہ تم پر حر اہلیہ اور خیل و بغال اور ہر سبع ذمی ناب اور ہر طیر ذمی مخلب حرام قرار دیا گیا ہے۔ مال معاہدین کے بارے میں ناحق تصرف اور اس کے بارے میں وعید کی روایات کتاب الخراج، باب فی تعشیر اہل الذمۃ اذا اختلفوا فی التجارۃ کے ذیل میں گذری ہیں، یہاں تو یہ روایت ضمتاً آگئی، لہذا اس طرف رجوع کیا جائے بڑی سنت و وعید میں ہیں۔ والحدیث اخرجہ النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی اکل لحوم الحمر الاہلیة

حمار اہلی جمہور علماء و منہم الائمة الثلاث کے نزدیک حرام ہے احادیث صحیحہ ضعیفہ کی وجہ سے، اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اختلاف مروی ہے کہ حرام نہیں، اور امام مالک سے تین روایتیں ہیں، مشہور قول ان کا یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، دوسرا یہ کہ مباح ہے، اور تیسرا قول مثل جمہور کے کہ حرام ہے، کذا قال النووی ۱۲۹۔  
یہ اختلاف حمر اہلیہ میں ہے، اور حمر وحشیہ یعنی گور خر وہ بالاجماع حلال ہے اور عاشیہ بذل میں ہے: تکلم علیہ فی حیاة ایحوانہ و فیہ: قال الجمہور بالحرمۃ، و مالک بالاباحۃ، قال ابن العری: نسخ لحوم الحمر تین اھ جن امور میں تعدد نسخ ہوا ان کا ذکر ہمارے یہاں دو جگہ گذر چکا۔ باب فی نکاح المستوتہ۔ اور کتاب الطہارۃ میں۔ باب الوضوء مما مست النار، کے ذیل میں، اس باب میں مصنف نے دونوں طرح کی روایات ذکر کی ہیں حلت کی بھی اور حرمت کی بھی گذشتہ باب کی حدیث میں گذر چکا ہے، و حرام علیکم حمر الاہلیة وخیلھا و بغالھا۔

**بغال کے حکم میں اختلاف** امام مالک کا جس طرح اختلاف حمار اہلی میں ہے اسی طرح بغل میں بھی ہے، چنانچہ بذلیۃ الجہدہ میں ہے جس کی ہم یہاں پوری ہی عبارت ذکر کرتے ہیں مفید اور جامع ہونے کی وجہ سے: واما المسألة الثانية وهي اختلافهم في ذوات الحمار الانسي اعني الخيل والبغال والحمير فان جمہور العلماء علی تحریم لحوم الحمر الانسیۃ الاماروی عن ابن عباس وعائشۃ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ انہما کانا بیسیما، وعن مالک انه کان یکرہہا، وروایۃ ثانیۃ مثل قول الجمہور، وکذلک الجمہور علی تحریم البغال وقوم یرہوھا ولم یحرہوھا، وھو مروی عن مالک، واما الخیل فذہب مالک والبصیفة وجماعة الی انہما محرمة وذهب الشافعی والیوسف ومحمد وجماعة الی اباحتھا اھ۔ ابن عباس کی رائے اس بارے میں خود متن میں آرہی ہے اس کے بعد انہوں نے دلائل پر کلام کیا ہے، و فی الہدایۃ ص ۱۶، و لا یجوز اکل الحمر الاہلیة والبغال لما روی قالہ بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن لحوم الخیل والبغال والحمیر اھ و فی ہامشہ: اخبرہ ابن ماجہ، بغل چونکہ خیل اور حمار دو مختلف جنسوں کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے اور حمار کی دو قسمیں ہیں اہلی جو کہ حرام ہے اور وحشی جو بالاتفاق حلال ہے اسی لئے بغل کی ان دونوں قسموں کے حکم میں فرق ہے پس قسم اول حرام ہے اور نوع ثانی حلال، چنانچہ حیاة ایحوان میں ہے: یحرم اکل المتولد منہا بین الحمار الاہلی والفرس، لانه متولد بین ما یحل وما یحرم فغلب جانب التحريم، فان تولد من حمار وحشی و فرس حل اھ فی الدر المنحتار ص ۲۱۔  
ولایحل ذناب یصید بناہ او یصلب یصید بخلی من سبیح بیان لذی یصلب او طیر ولا الحشرات ہی صفار و اب الارض واحدھا حشرة والحمر الاہلیة والبغل الذی اھ حمارۃ، فلو اھ بقرة اکل اقناتا، ولو فرسا فکاتہ اھ مختصراً  
یہ کلام ترجمہ الباب پر تھا اب احادیث الباب کو لیجئے۔

عن غالب بن ابجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اصابتنا سنة فلم یکن فی مالی شیء اطعم اہلی

الاشئی من حمرا الخ۔

**مضمون حدیث** غالب بن ابجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ تنگی اور فاقہ میں مبتلا ہو گئے اور میرے پاس کوئی چیز اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لئے نہ تھی سوائے چند حمار کے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لحم حمر اہلیہ کی تحریم ہو چکی تھی اسلئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فاقہ کا حال آپ سے بیان کیا۔ اور

یہی پوری بات جو اوپر آئی۔ سو آپ نے میری بات سن کر فرمایا اطعم اہلک من سمین حمرا فانما حرمتہا من اجل جوار القریۃ، آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو اپنے فرہ حمار کھلا دے اسلئے کہ میں نے مطلق حمر کی تحریم نہیں کی تھی بلکہ بستی کے ان حمر کی تحریم کی تھی جو صلاہ ہیں۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے، قال الحافظ: اسنادہ ضعیف والمتن شاذ مخالف للاحادیث الصحیحہ فلا اعتماد علیہ۔ الی آخر فی البذل من الکلام علی الحدیث۔ اور حیاة الخیوان میں ہے: ولتبارزی عن جابر وغیرہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن لحم الحمر الاہلیۃ واذن فی لحم الخیل، متفق علیہ، وحدیث غالب رواہ ابو داؤد، واتفق الحافظ علی تفسیہ ولویلع ابن عباس احادیث النہی الصحیحہ المصریحہ فی تحریم لحم یصر الی غیرہ اھ اسکے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو ثابت مان لیا جائے تو پھر اس کو حالت اضطرار پر محمول کیا جائے گا، نیز واقعہ حال لا عموم لھا کے قبیل سے ہے اھ۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عن ان ناکل لحوم الحمر، وامرنا ان ناکل لحوم الخیل الخ۔

یہ حدیث اوپر حیاة الخیوان سے گذر چکی۔

**مسئلہ ابن عباس** آگے یہاں روایت میں یہ ہے ابو الشعثار کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں۔ یعنی بصرہ میں حکم غفاری بھی اسی کے قائل ہیں۔ یعنی تحریم لحم حمر کے۔ وابی ذلک البحر یرید ابن عباس۔ لیکن یہ بحر العلم یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تحریم حمر کا انکار کرتے ہیں۔

والحدیث اخبرہ البخاری من حدیث عمرو بن دینار عن ابی الشعثار ولیس فیہ عن رجل، قال المنذری

باب کی آخری حدیث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده، جس میں تحریم لحم حمر مذکور ہے اخبرہ النسائی

قال المنذری۔

## باب فی اکل الجراد

غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ست اوسیع غزوات فکنا ناکلہ معہ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چھ یا سات غزوات میں شریک ہوا ہوں تو ہم لوگ آپ کے ساتھ اس کو یعنی جراد کو کھایا کرتے تھے، حافظ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ معیت کا تعلق صرف غزوہ سے ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ سفر کیساتھ اکل جراد سے بھی ہو، اور احتمال ثانی کی تائید ابو نعیم کی روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ زیادتی ہے، ویاکلمہ معنا (بذل) لیکن یہاں کتاب میں اسکے بعد والی روایت میں آرہا ہے کہ آپ نے فرمایا: لا اکلہ ولا احرمه الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ لا اکلہ سے مقصود رغبت کی نفی ہے نہ کہ نفس اکل کی، اور یا یہ کہا جائے کہ قال لقاری کہ یہ دوسری روایت سلمان والی اس کی سند میں اختلاف ہے کہ بعض نے اس کو مرسل ذکر کیا ہے جیسا کہ مصنف فرما رہے ہیں۔  
قال ابو داؤد: رواہ حماد بن سلمہ.... لم یذکر سلمان۔

اس حدیث سے جراد کی حلت ثابت ہو رہی ہے مطلقاً، چنانچہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ جراد مطلقاً حلال ہے خواہ اس کی موت ذبح کرنے سے ہوئی ہو یا شکار کرنے سے یا وہ طبعی موت مرے، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے ان کا مشہور قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کسی عارض اور سبب کی وجہ سے مرنے سے تب تو حلال ہے اور طبعی موت مری ہو تو حلال نہیں (بذل عن النووی)

جراد حلال ہونے کے علاوہ سمک کی طرح بغیر ذبح کے بھی حلال ہے جیسا کہ مشہور حدیث ہے "احلت لنا المیتان السمک والجراد الحدیث، واخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الجراد

فقال اکثر جنود اللہ لا اکلہ ولا احرمه۔

یعنی ٹڈی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لشکروں میں سے بہت بڑا شکر ہے، یعنی زمین پر رہنے والے جانوروں میں سے، بظاہر مراد بن اکثر جنود اللہ ہے، یہ نہیں کہ سب سے زیادہ یہی ہے۔ لیکن میں اس کو خود تو کھاتا نہیں اور دوسرے کے لئے حرام بھی نہیں قرار دیتا۔

ذکرانہ روی مرسل، واخرجه ابن ماجہ مسنداً، قال المنذری۔

## باب فی اکل الطافی من السمک

یعنی وہ مچھلی جو پانی میں طبعی موت مر کر اوپر تیرنے لگے۔

ما القی البحر او جزر عنہ فکلوه وامات فیہ وطفان فلا تا کلوه۔

یعنی جس مچھلی کو دریا کی لہر باہر پھینک دے یا مچھلی کے دریا میں ہوتے ہوئے پانی اس سے ہٹ جائے اور پھر وہ

خشکی کی وجہ سے مرجائے، اس قسم کی مچھلی کو تو کھاؤ، اور جو اس میں طبعی موت مر کر اوپر تیرنے لگے اس کو مت کھاؤ۔

طانی کا کھانا حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ اور ظاہریہ کے نزدیک حلال بلا کر اہمیت ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مصنف نے بھی اس کی سند میں اختلاف بیان کیا ہے کہ ایک جماعت نے اس حدیث کو ابو الزبیر سے موقوفاً علی جابر روایت کیا ہے، یعنی اس حدیث کا موقوفاً مروی ہونا زیادہ صحیح ہے بہ نسبت مرفوعاً کے۔ اور مزید کلام فریقین کے دلائل پر بذیل میں ہے جو دیکھنا چاہے دیکھ لے، اور حاشیہ بذیل میں ہے: وروی ذلك ابي الكراهة عن جابر و ابن عباس، ولا يضر من اوقفه فان الموقوف في مثل هذا كالمرفوع كما هو معروف كما في المرقاة وفي الهداية عن جماعة من الصحابة مثل زهبناد ذكر الزبيري الآثار وكذا في الدر المنثور ونقصها في التعلیق المجرد وروی عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الطانی حلال غلق البخاری فی صحیحہ اھ۔ والحدیث اخر جہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فیمن اضطر الى الميتة

عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه ان رجلا نزل الحرة ومعه اهله وولده، فقال رجل ان ناقته لي ضلت فان وجدتها فامسكها الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک پردیسی آدمی مدینہ منورہ آکر مقام حرہ میں ٹھہرا، اس کے ساتھ اسکے اہل و عیال بھی تھے تو کسی مقامی شخص نے اس سے یہ کہا کہ میری ایک اونٹنی گم ہو گئی ہے اگر وہ تجھ کو ملے تو اس کو پکڑ لینا، چنانچہ اس کو ایک اونٹنی ملی اس نے اس کو پکڑ لیا مگر وہ کہنے والا شخص یعنی مالک کہیں نظر نہیں آیا، اتفاق سے وہ اونٹنی بیمار ہو گئی تو اس پردیسی کی بیوی نے کہا کہ اس کو ذبح کر لو، اس نے نہ مانا یہاں تک کہ وہ اونٹنی مر گئی، پھر اس کی بیوی نے کہا کہ اچھا اب اسکی کھال اتار لو تاکہ ہم اس کا گوشت اور چربی کاٹ لیں اور اس کو کھالیں (کہ ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا) اس شخص نے کہا کہ جب تک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم نہ کر لوں ایسا نہیں کر سکتا، چنانچہ اس نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے پوچھا کہ تیرے پاس اس کے

**مسئلہ مضطر میں مباحث سببہ** لہ حاشیہ بذیل میں یہاں پر سات بحثیں اور مسائل مذکور ہیں جن کو بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، فیہ سببہ ابحاث فی الاوجز الاول فی حقیقتہ وہی عند الجہور ان یصل بہ الجوز الی الہلالک او الی مرض یغضی الی الہلالک فی حکم الاکراه، الثاني فی مقدار الاکل وهو سد الرمق عندنا وهو المشہور عند الشافعی واحمد وروایہ مرجوحہ عن مالک، والرابع المعتمد عند مالک وهو غیر المشہور عنہما بجوز لہ الشبیح، والثالث هل یجیب الاکل او یباح؟ الرابع روایتی احمد و داؤد و جہی الشافعی الوجوب، وہی قال مالک و الحنفیہ، الا ابای یوسف فقال بالاباۃ، وهو احدی روایتی الشافعی واحمد والرابع السفر والحضر سواد عند الجہور، وروایہ عن احمد تخص بالسفر والخامس لا یجوز للعاص فی السفر عند الثلاثہ، فلانا للحنفیہ، (فقد ہم الرخصۃ عامۃ) والسادس بجوز لہ التردد من فی صحیح روایتی احمد و بہ قال الشافعی ومالک، والاخری لاحمد لا یجوز، السابع الخمر کالمیتۃ عندنا فی هذه المسئلۃ ولا یجوز عند الشافعی ومالک اھ



علاوہ کوئی اور چیز کھانے کی ہے جو تجھ کو اس میتہ سے مستغنی کرتی ہو؛ اس نے عرض کیا کہ ایسی کوئی چیز نہیں، اس پر آپ نے اسکو کھانے کی اجازت دیدی، اسکے بعد جب اس اونٹنی کا مالک پہنچا اور اس شخص نے اس سے اونٹنی کا حال بیان کیا، اس پر اسکے مالک نے کہا کہ تو نے مرنے سے پہلے ذبح کیوں نہ کر لیا؟ اس نے کہا کہ مجھے تجھ سے شرم آئی۔

عن الفجیع العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال

ما تحل لنا الميتة؟

**شرح الحدیث** | تحل مجرد اور مزید دونوں سے ہو سکتا ہے، یہ استفہام ہے یعنی اما تحل لنا الميتة؟ اور مزید کی صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کیا آپ میتہ کو ہمارے لئے جائز قرار نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کہ تمہاری خوراک کیا ہے، اور تم کو کیا کھانے کو ملتا ہے، قلنا نعتیق ونصطیح، اس نے کہا کہ ہماری خوراک صبح شام کا ایک ایک پیالہ ہے۔ صبوح کہتے ہیں صبح کے کھانے کو اور غبوق شام کے کھانے کو، قال: ذلك وای الجوع، آپ نے فرمایا کہ میرے باپ کی قسم یہ تو سراسر بھوک ہے، اور پھر آپ نے ان کے لئے اکل میتہ کو حلال قرار دیا۔

اضطرار کے وقت مضطر کے لئے اکل میتہ کی اجازت حنفیہ کے نزدیک (اور یہی قول راجح شافعیہ وحنابلہ کا ہے) بقدر سدوق ہے، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے فانہ اجازہ للمضطر الشیع، وصورواہ عن الشافعی واحد۔

اس حدیث سے بظاہر مالکیہ کی تائید معلوم ہوتی ہے، بڈل میں حضرت گت گوی کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ شاید مصنف ان دو حدیثوں کو اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں کہ اضطرار خوف ہلاک پر موقوف نہیں ہے کیونکہ پہلی روایت سے مطلق اکل کی اجازت ثابت ہو رہی ہے اور ایسے ہی دوسری روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ حل میتہ کا مدار خوف ہلاک پر نہیں ہے اسلئے کہ ایک پیالہ صبح کو اور ایک پیالہ شام اگر آدمی کو کھانے کے لئے ملتا ہے تو اس صورت میں خوف ہلاک کہاں؟ لیکن پہلی روایت کا جواب یہ ہے جس میں مطلق اکل مذکور ہے۔ کہ یہ مطلق آیت کے ذریعہ سے مقید کیا جائے گا جس میں مضطر کے لئے اباحت میتہ مذکور ہے اسلئے کہ آدمی بقدر سدوق کھانے کے بعد مضطر کہاں رہتا ہے کہ اس کے لئے اکل میتہ حلال ہو، اور روایت ثانیہ کا جواب یہ ہے کہ قدح غدوقہ وقدح عشیة کا مطلب یہ لیا جائے کہ ایک ایک پیالہ ہر شخص کے لئے مراد نہیں ہے بلکہ پورے گھر والوں کے لئے، اسلئے کہ اگر ایک ایک پیالہ صبح و شام ہر شخص کو ملے تو اس صورت میں حاجت الی الطعام ہی باقی نہیں رہتی چہ جائیکہ حالت اضطرار۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ذلک وای۔ الجوع، یعنی آپ نے باپ کی قسم کھائی، اسی طرح آپ کی قسم کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں گذری ہے، اقلع وایہ۔ ان صدق، اس کا جواب وہیں گذر چکا، اور وہ جو کتاب الایمان والہذور کی ایک حدیث میں آپ کی یہ قسم گذری ہے، لعمر البک، اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں، اسلئے کہ عمر کی اضافت اس میں الہ کی طرف ہو رہی ہے۔

## باب فی الجمع بین لوٹین

یعنی بیک وقت دو قسم کا کھانا کھانا، یعنی اس کا جواز، جیسا کہ حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے۔

و ددت ان عندی خبزۃ بیضاء، من برة مسراء ملبقة یسمن ولین۔

**مضمون حدیث** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر میرے پاس سفید گیہوں کی روٹی ہوتی، گھی اور دودھ میں ملی ہوئی (تو کیا اچھا ہوتا) اس پر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور اسی قسم کی ایک روٹی لیکر گئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ جو گھی اس پر لگا ہے کس چیز میں تھا؟ قال فی عکة صب، اس نے جواب دیا کہ گوہ کے چمڑے کے کپے میں، آپ نے یہ سن کر فرمایا اس روٹی کو میرے سامنے سے اٹھالے، اور اس کو نوش نہیں فرمایا۔

بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے صب کا عدم جواز سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ اگر وہ حلال ہوتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس طعام کے نوش فرمانے سے انکار نہ فرماتے، اور اگر کوئی یہ کہے۔ شافعیہ کی طرف سے۔ کہ آپ نے ایسا تنفر طبع کی وجہ سے کیا نہ کہ عدم حل صب کی وجہ سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توجیہ درست نہیں اس لئے کہ جلد صب کا کوئی اثر گھی میں نہ تھا۔ والحدیث اخبرہ ابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب فی اکل الجبن

اس میں دو لغت میں بضم الجیم و سکون الباء، اور دوسرا بضم الجیم والباء و تشدید النون، بروزن عتیل کھانے کی معروف چیز ہے جس کو پینر کہتے ہیں۔

حدیث الباب میں ہے کہ آپ کے پاس جبکہ آپ تبوک میں تھے پینر کا ٹکڑا لایا گیا، آپ نے چھری منگائی اور اس کو بسم اللہ پڑھ کر قطع کیا۔

## باب فی الحل

نعم الادام الحل، آپ نے سرکہ کی تعریف فرمائی کہ وہ کیسا اچھا سالن ہے اس اعتبار سے کہ اس کے بنانے میں اور

لہ حاشیہ بذل میں ہے، اسی طرح کا ترجمہ امام بخاری نے بھی قائم کیا ہے، اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاید مصنف نے اشارہ کیا، اس حدیث انس کی تضعیف کی طرف جس میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک پلیٹ لائی گئی جس کے اندر دودھ اور شہد تھا تو اس پر آپ نے فرمایا: ادمان فی انار، لا آکلہ ولا احرہ، کہ ایک ہی برتن میں دو قسم کے سالن میں اس کو نہیں کھانا ہوں، اور دوسرے کے لئے حرام نہیں قرار دیتا۔ اخبرہ الطبرانی وغیرہ راوی مجہول۔

حاصل کرنے میں نہ زیادہ مشقت ہے اور نہ زیادہ خرچ ہے لہذا اقرب الی القناعۃ ہے۔ (بذل)

**شرح حدیث میں بشرح کا اختلاف** | امام خطابی فرماتے ہیں اس میں مدح ہے کھانے پینے میں اقتصاد اختیار کرنے کی اور نفس کو لذت کھانوں سے روکنے کی اس پر امام نووی نے فرمایا کہ اقتصاد فی المآکل والمشارب کی ترغیب تو دوسری روایات اور قواعد سے ثابت ہے، یہاں پر تو مقصود آپ کافی حد ذاتہ سرکہ کی تعریف ہی کرنا ہے، اور حضرت نے بذل میں یہ فرمایا کہ خطابی کی غرض مدح خل کی نفی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ اقتصاد کی مدح کے ضمن میں سرکہ کی بھی مدح ہو رہی ہے اور لیکن ظاہر کلام خطابی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث سے مقصود مدح خل ہے ہی نہیں بلکہ اقتصاد کی ترغیب ہے اسی لئے امام نووی نے اس کا شدت سے انکار کیا، بندہ کے نزدیک اس میں امام نووی کی رائے زیادہ بہتر ہے خطابی کی رائے سے، اس لئے کہ یہ حدیث مختصر ہے اور پوری حدیث اس طرح ہے جو مسلم شریف میں ہے: یقول جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اقد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدی ذات یوم الی منزلہ فاخرج الیہ فلقا من خبز فقال ما من ادم؛ فقالوا الا لاشی من خل، قال فانی نخل نعم اللادم، قال جابر فمازلت احب النخل منذ سمعتہا من نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وقال طلحہ مازلت احب النخل منذ سمعتہا من جابر، اس حدیث سے یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اصل مقصود مدح خل ہے گو اسکے ضمن میں اقتصاد بھی پایا جا رہا ہے۔

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی الثوم

من اکل ثوما او بصلاً فلیعتزلنا، اولیعتزل مجدنا انہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہسن یا پیاز کھایا ہو۔ یعنی کچا، غیر مطبوخ۔ تو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے، یعنی یہ دو چیزیں کھا کر اور یا یہ فرمایا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے اور اس کو چاہیے کہ اپنے گھر بیٹھے، یعنی جب تک اس کی بود و نہ ہو جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے: حتی ینذهب منه ریحہ۔

آگے اس روایت میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک طبق لایا گیا جس میں مختلف قسم کی سبزیاں تھیں، آپ کو جب ان کی بو محسوس ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جب آپ سے بتایا گیا کہ اس میں مختلف سبزیاں ہیں تو آپ نے بعض حاضرین سے فرمایا کہ اس کو فلاں صحابی کے پاس بھیج دو جو آپ کے ساتھ تھے (لیکن ان صحابی کو اس کے کھانے میں تامل ہوا آپ کے نہ کھانے کی وجہ سے) پس جب دیکھا آپ نے کہ وہ صحابی اس کے کھانے کو پسند نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم تو کھا لو۔ اور آپ نے خود نہ کھانے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ فانی اناجی من لا تاجی یعنی میرے نہ کھانے کی وجہ تو یہ ہے کہ مجھ سے فرشتے ہمکلام ہوتے رہتے ہیں اور ان کو بوجہ قایت لطافت کے ادنیٰ بوجی برداشت نہیں۔ اس حدیث میں بعض اصحاب

سے مراد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایات مفصلہ سے معلوم ہوتا ہے ابتداء ہجرت میں جن کی منزل میں آپ نے قیام فرمایا تھا کہ اقال الحافظ فی الفتح، وھکذا فی البذل۔

صحابی کا حدیث کو روایت بالمعنی کرنا | اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض مرتبہ صحابہ آپ کے کلام کی روایت بالمعنی بھی کرتے تھے، اسلئے کہ آپ کے الفاظ تو یہ نہیں ہو سکتے، قریباً الی بعض

اصحابہ۔ ظاہر ہے کہ آپ نے تو فرمایا ہوگا قریباً الی فلان، ان صحابی کا نام لیکر لیکن یہاں راوی نے روایت میں اس طرح نقل کر دیا، الی بعض صحابہ یہ تعبیر راوی کی اپنی ہے، افادہ الکریانی و نقلہ عنہ فی العون۔

آگے روایت میں ہے کہ راوی نے، بدرہ کی تفسیر طبق سے کی بظاہر طبق کو بدر کے ساتھ استدارة میں تشبیہ دیتے ہوئے بدر کہا جاتا ہے، حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے ایک اور بات تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ قلیعتزل مسجدنا یہ مستقل حدیث ہے یہ غزوہ خیبر میں پیش آئی، اور حدیث کا جز ثانی یعنی، وانہ اتی بدر فیہ خضرات، الی آخرہ یہ ابتداء ہجرت کا واقعہ ہے جب آپ بیت ابو ایوب انصاری میں فرودکش تھے۔

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی، قال المنذری۔

اس کے بعد حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: قیل یا رسول اللہ! واشد ذلك كله الثوم افتحرمه، اس پر حاشیہ بذل میں ہے قال النوزی: اختلف اصحابنا هل كانت هذه الاشياء محرمة عليه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، الاصح انه مکروه تنزیہاً اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن حزم کے علاوہ بعض اہل ظاہر کے نزدیک یہ اشیا حرام ہیں لاقضا ہنالی ترک الجماعۃ وحی عندہم فرض الخ۔

جماعت کی نماز کے فرض نہ ہونے پر استدلال | ادر فتح الباری ۳۹۹ میں یہاں لکھا ہے کہ احادیث الباب سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جماعت کی نماز فرض عین نہیں اسلئے کہ ان اشیا کا کھانا جائز ہے اور اس کے لازم میں سے ترک جماعت ہے اور جائز کا لازم جائز ہوتا ہے۔

عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ اظنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من

تفل تجاہ القبلة جاء یوم القیامة تغلہ بین عینیہ، ومن اکل من هذه القبلة الخبیثۃ فلا یقرین مسجدنا ثلاثا۔

جو شخص قبلہ کی طرف تھوکے تو آئے گا وہ شخص قیامت کے روز اس حال میں کہ اس کا وہ تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یعنی پیشانی پر ہوگا، اور فرمایا آپ نے کہ جو شخص یہ خبیث سبزی کھائے تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے مراد مساجد المسلمین ہے جس میں تمام مسجدیں آئیں جیسا کہ دوسری روایت میں ہے: فلا یقرین المساجد، اور ثلاثا کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی اور فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ محدث ابن خزیمہ نے اس حدیث پر

یہ باب باندھا ہے، تو قیت الہنی عن اتیان الجماعۃ لا کلی الثوم، جس کا تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے، ثلاثاً، کے معنی، ثلاث لیسال، لیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ، ثلاثاً، کا تعلق قول سے ہے ای قال ذلک ثلاثاً، اسلئے کہ علت منع وجود رائحہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان سبز یوں کی بوتین دن تک باقی نہیں رہتی، اور بدل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خبیث کا اطلاق ہمیشہ حرام اور نجس پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا اطلاق کبھی غیر نظیف اور مکروہ طبعی پر بھی ہوتا ہے، و بذلک یخیل کثیر من الاشکالات کقولہ، ثمن الکلب خبیث و کسب الحجام خبیث، اھ و حدیث حذیفہ اخرج ابن خزیمہ کا تقدم عن الفتح قریباً۔

عن المغیرک بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اکلت ثوما فاتیق مصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقد سبقت برکعة الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں لہسن کھا کر مسجد میں آیا اس وقت نماز ہو رہی تھی، میں ایک رکعت سے مسبوق ہو گیا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لہسن کی بو محسوس ہوئی آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ جو شخص اس سبزی کو کھائے تو ہمارے قریب نہ آئے جب تک کہ پونہ زائل ہو جائے میں اپنی نماز پوری کر کے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ و اللہ! آپ اپنا ہاتھ مجھ کو دیکھئے، لہسن میں آپ کا ہاتھ اپنی آستین میں کو سینہ پر لے گیا فاذا انا معصوب الصدوق قال ان ذلک عذرا، یعنی اپنے دیکھا کہ میرا سینہ بندھا ہوا ہے کسی پٹی وغیرہ سے، تو آپ نے فرمایا: بیشک تیرے لئے عذر ہے۔

حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ انہوں نے سینہ پر کوئی پٹی اور کپڑا باندھ رکھا تھا سینہ کی کسی تکلیف کی وجہ سے جس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ہاں واقعی تمہارے لئے عذر ہے یعنی لہسن کھانے کی وجہ معقول ہے تم نے علاج کیا ہے، بس آپ نے اتنا ہی فرمایا، اور آپ کا مقصد یہ نہ سمجھا جاتے کہ اگر کوئی عذر کی وجہ سے لہسن کھائے تو اس کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے، وہ نہی اپنی جگہ پر قائم ہے، نیز حضرت کی تقریر میں یہ بھی ہے کہ وہ جو بعض شراح نے کہا ہے یہ سینہ کا باندھنا قلبہ جو ع کی وجہ سے تھا یہ سمجھ میں نہیں آتا، اسلئے کہ اس صورت میں تو مناسب یہ تھا کہ بطن کو باندھا جائے نہ کہ صدر کو۔ اس کے بعد حدیث معاویہ بن قرظ عن ابیہ میں ہے: فامیتوہما طبعخا، کہ اگر کسی شخص کو ثوم اور لہسل کھانا ہی ہو تو اس کو چاہئے کہ اس کی بو کو مار کر کھائے، یعنی تیل وغیرہ میں بھون کر، چنانچہ باب کی آخری حدیث میں آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پیاز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آخری طعام جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا اس میں پیاز پڑا ہوا تھا۔ یعنی مطبوخ۔ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الخ فی النساء قال المنذری۔

## باب فی التمر

عن یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



أخذ كسرة من خبز شعير فوضع عليها تمرقة وقال: هذه ادم هذه۔

یہ حدیث کتاب الایمان والندور باب الرجل یخلف ان لایاتدم میں گذر چکی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے صحبت ثابت ہے، امام بخاری کی رائے تو یہی ہے، لیکن ابو حاتم رازی یہ فرماتے ہیں کہ ان کے لئے صحبت نہیں صرف روایت ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: بيت لا تمر فيه جباع اهلہ۔ جس گھر میں تمر نہ ہو تو وہ گھر والے بھوکے ہیں۔ بذلک لہجود میں ہے کہ آپ کا یہ فرمان مدینہ جیسے شہروں کے اعتبار سے ہے جہاں کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں اور ان کو بالاستقلال بھی کھایا جاتا ہے، ہر شہر کے اعتبار سے نہیں، اور کوکب درمی میں یہ ہے کہ مقصد یہ ہے جس گھر میں تمر ہو اور کوئی چیز کھانے کی غلہ وغیرہ اس میں نہ ہو تو یہ گھر والے بھوکے نہیں ہیں، یعنی حدیث کے لازمی معنی مراد ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ جس گھر میں سب طرح کے کھانے کی چیزیں ہوں اور اس میں صرف کھجور نہ ہو تو وہ گھر والے بھوکے کہلائیں گے۔

یہ دونوں افادے الگ الگ ہیں، ان میں آپس میں کوئی تداخل نہیں، کوکب والی بات بھی مدینہ ہی جیسے شہروں کے اعتبار سے ہے کہ اگر ان کے گھر میں صرف کھجور ہو تو ان کو اپنے آپ کو نادار اور بھوکا نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، جب گھر میں کھجور ہے تو سب کچھ ہے۔ والحدیث اخرجه سلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب تفتيش التمر عند الاكل

اور بعض نسخوں میں۔ التمر کی صفت بھی مذکور ہے۔ التمر المسوس یعنی وہ کھجور جس میں سوس یعنی کیرا پیدا ہو جائے حدیث الباب میں ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس پرانی کھجوریں لائی گئیں تو آپ اس کو نوش فرمانے کے وقت اسکے سوس تلاش کر کر کے نکالتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا پرانی کھجور جس میں سرسری وغیرہ پڑ جائے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ کھانا چاہیے لیکن ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اس کا کیرا تلاش کر کے پھینک دیا جائے، مع سوس کے اس کو نہ کھایا جائے، اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ دیدان خباث میں سے ہیں، وقال تعالیٰ۔ وحرم علیہم الخبائث۔

۱۔ دنی ہاشم البذل: وشکل علیہ ما فی تفسیر البقرہ من تفسیر العزیز ان بخوز اکل الیدان فی التمر تبعا۔ ولایوزا کلبا بعد الخرج اصالة اہ اور بذل میں حضرت نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کھجور میں ظن غالب یہ ہو کہ اس میں کیرا ہے تب تو بغیر تفتیش کے اس کا کھانا جائز نہیں اور عدم غلبہ ظن کی صورت میں کہ صرف وہم ہو تو تفتیش کی حاجت نہیں۔

**دو متعارض حدیثوں کا جواب** | لیکن طبرانی کی ایک روایت میں مرفوعاً وارد ہے۔ نہی ان یفتش التمر عما فیہ، اس حدیث کا محل تازہ کھجور ہے کہ اس میں خواہ مخواہ تلاش نہ کیا جائے، اس سے مقصود دفع دوسرہ ہے۔ (اور پہلی سے مقصود دفع سوس تھا) اور حاشیہ بذل میں علامہ دمیری سے حیاة النحویان ص ۳۱ میں اس مسئلہ میں مختلف اقوال اور مذاہب جمع کئے ہیں فارجع الیہ لوشئت، والحدیث الخرجہ ابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب الاقران فی التمر عند الاکل

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الاقران الا ان تستاذن اصحابک۔

یعنی جب چند ساتھی ایک جگہ بیٹھ کر کھجور کھا رہے ہوں تو ادب یہ ہے کہ ایک ایک کھجور اٹھا کر کھائی جائے کوئی شخص ایک ساتھ دو نہ کھائے، الایہ کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے۔  
شرح نے لکھا ہے کہ ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کا دودراٹھا کر کھانا یہ حرص اور بے صبری کی خصلت ہے اور کرنے والے کے حق میں معیوب چیز ہے وغیرہ مصراع، اگر صرف مذکورہ مصلحت کو سامنے رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ استیذان کی تیر ہی دراصل اس حرکت سے روکنے کے لئے ہے، کیونکہ استیذان میں خود اپنی بری خصلت کا انشار ہے جس کو آدمی کہاں پسند کرتا ہے، اس حدیث پر شرح نے بہت کچھ لکھا ہے ہم نے اس کی حاجت نہیں سمجھی۔  
والحدیث الخرجہ البخاری و مسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب فی الجمع بین اللونین

اس طرح کا ترجمہ بھی قریب میں بھی گذر چکا ہے، لیکن گذشتہ کا تعلق انواعِ ادم سے تھا اور اس باب کا تعلق نواک سے، کان یا کل القشاء بالرطب، کہ آپ رطب کے ساتھ لکڑی ملا کر نوش فرمایا کرتے تھے، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: یا کل البطیخ بالرطب فیقول یکسر هذا ببرد هذا وبرد هذا بحر هذا۔

**شرح الحدیث** | شرح کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بطیخ سے کیا مراد ہے؟ آیا بطیخ اخضر یعنی تر بوڑا یا بطیخ اصفر یعنی خر بوڑا، اگر اخضر مراد ہے کما هو المشہور تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر اس سے مراد خر بوڑا ہے تو پھر یہ اشکال ہوگا، یکسر هذا ببرد هذا کیسے ہے، اس لئے کہ خر بوڑا بھی جاڑی ہوتا ہے، پھر اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں حضرت گت گوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ بروت سے مراد بروت حسی ہے یعنی ہاتھ لگانے میں ٹھنڈا، اگر خر بوڑا کو کاٹنے کے بعد تھوڑی دیر کھلا رکھیں تو وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے، اور بعض شرح جیسے صاحب مجمع البحار اور شرح شمائل نے یہ توجیہ

کی ہے کہ اس سے کچا خرپوزہ مراد ہے وہ خاصیت میں ٹھنڈا ہوتا ہے، ہاں پک جانے کے بعد اس کی خاصیت بدل جاتی ہے اور گرم ہو جاتا ہے (جیسے آم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کچا تو بارن ہوتا ہے اور پکنے کے بعد حار) اور حافظ کی رائے یہ ہے کہ برودت اور اضافیہ میں سے ہے، بطح کی برودت رطب کے اعتبار سے ہے کیونکہ رطب شدید الحرارة ہے، اس کے بعد حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ یہ سب اشکال و جواب معروف قول کے اعتبار سے ہیں ورنہ صاحب محیط اعظم نے شیخ بوعلی سینا سے نقل کیا ہے کہ خرپوزہ بھی بارن ہوتا ہے اہ من ہامش البذل، اور شمائل کی روایت میں ہے: کان جمع بین الخربز و الرطب خربز تو اصفر یعنی خرپوزہ ہی کو کہا جاتا ہے، اور یہاں مدینہ منورہ میں اخضر اور اصفر دونوں ہی کی پیداوار ہوتی ہے۔

حدیث عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ، و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجہ الترمذی و النسائی مختصراً، و قال الترمذی حسن غریب و ذکرانہ روی مرسلًا و ذکرہ النسائی ایضاً مرسلًا، قال المنذری۔

اور باب کی آخری حدیث میں ہے: دخل علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقد منا زبداً او تمراً وكان يحب الزبد والتمر، و قال المنذری: و ذکر عن محمد بن عوف انہما (ابن بسر) عبد اللہ و عطية، قال المنذری۔

## باب فی استعمال انیۃ اهل الکتاب

باب کی پہلی حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے جس میں ہمیں مشرکین کے برتن اور مشکیزے حاصل ہوتے تھے مال غنیمت میں، تو ہم ان کو استعمال کر کے ان سے متمتع ہوتے تھے، استعمال کرنے والوں پر کوئی عیب نہ لگاتا تھا یعنی نکیر نہیں کی جاتی تھی۔

خطابی فرماتے ہیں کہ یہ اباحت مشرکین کے برتنوں کے استعمال کی اس شرط کے ساتھ مقید ہے جو اس کے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے، اور آئے والی حدیث کا مضمون یہ ہے: ابو ثعلبہ انخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ ہم لوگ سفر میں اہل کتاب کی بستیوں پر گذرتے ہیں جو کہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان برتنوں کے علاوہ اگر دوسرے برتن تم پاؤ تو ان میں کھانا پینا کرو، اور اگر ان کے علاوہ اور برتن نہ ہوں تو پھر مشرکین کے برتنوں کو دھو کر استعمال کر لیا کرو بدلہ میں ہے ای اذا قلب الظن بنجاستھا، یعنی دھونے کا حکم نجاست کے غلبہ ظن کے وقت ہے، خطابی فرماتے ہیں: فاما ما صہم و ثیاہم فانہما علی الطہارۃ کیاہ المسلمین و ثیاہم، یعنی مشرکین کے پانی اور کپڑے مسلمانوں کے پانی اور کپڑوں کی طرح پاک ہیں، مگر یہ کہ وہ مشرکین ایسے لوگ ہوں جن کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے یا ان کی عادت پیشاب وغیرہ کے استعمال کرنے کی ہو (جیسا کہ بعض مشرکین کرتے ہیں) تو ایسی صورت میں ان کے کپڑوں کا استعمال جائز نہ ہوگا بغیر پاک کئے الا یہ کہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ ان میں نجاست نہیں لگی۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم فی صحیحہما۔ مطولاً۔ واخرجه ایضاً الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری (بتغیر)

## باب فی دواب البحر

من جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وأمر علینا ابا عبیدة

ابن الجراح نتلقى عیناً لقریش، وزودنا جراباً من تمر لم نجد له غیر

اس سر یہ کا نام جو اس حدیث میں مذکور ہے سر یہ ابو عبیدہ ہے کیونکہ یہی اس سر یہ کے  
غزوة سیف البحر کا تذکرہ | امیر تھے اور اس کو غزوة سیف البحر بھی کہتے ہیں، کیونکہ ان کا یہ سفر ساحل البحر پر تھا، چنانچہ

صحیح البخاری میں اسی طرح ہے، "باب غزوة سیف البحر" اور پھر اس میں یہ روایت مطولاً ذکر فرمائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بھیجا تھا غیر قریش کو دیکھنے کے لئے  
یعنی جو شام سے آ رہا تھا، اور چلتے وقت آپ نے ہمیں ایک کھیل کھجوروں کا عطا فرمایا، ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور  
توشہ نہ تھا، آپس ہمارے امیر ابو عبیدہ ہمیں دوران سفر ایک ایک کھجور دیتے تھے اور اس کو ہم اس طرح چوستے تھے جس طرح  
چھوٹا بچہ چوستا ہے، پھر اس پر پانی پی لیا کرتے تھے، پس یہ ایک کھجور ہمیں رات تک کیلئے کافی ہوتی تھی یہاں روایت میں  
اختصار ہے جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، صرف ایک کھجور پر اکتفا کی نوبت بعد میں آئی تھی، اور ہم  
اپنی لالٹھیوں اور ڈنڈوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے تھے اور پھر ان کو پانی میں بھگو کر نرم کر کے کھاتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ  
ہم ساحل بحر پر چلے جا رہے تھے تو دریا کے کنارے پر ایک ٹیلہ کی طرح کوئی جسم ہمیں دکھائی دیا، ہم اس کے قریب آئے تو وہ ایک  
دریائی جانور تھا جس کو عنبرہ کہتے ہیں۔ یہ عنبرہ ایک بڑی پھلی کی قسم ہے جس کا طول پچاس ذراع تک پہنچتا ہے، بعض کہتے  
ہیں کہ یہ عنبرہ جو مشہور خوشبو ہے یہ اسی دابہ کی رجب (منجہ کا اگال) ہوتی ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے فاذا حوت

مثل الظرب، پھر جب قریب آکر دیکھنے سے معلوم ہو گیا کہ یہ عنبرہ ہے تو ابو عبیدہ فرماتے لگے کہ یہ تو میتہ ہے جو حلال نہیں پھر  
فرمانے لگے کہ نہیں بلکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہیں اور اضطراب کی  
کیفیت ہے، لہذا اس کو کھاؤ، فاقمنا علیہ شہراً و نحن ثلاث مشة حتی سمینا، پس ہم لوگ وہاں ایک ماہ تک

ٹھہرے اور حال یہ کہ ہمارے تین سوا فراد کا شکر تھا، ہم اس کو کھا کھا کر فریب ہو گئے۔ بخاری کی ایک روایت میں نصف شہر  
اور ایک میں شان عشر لیلۃ ہے، اور اس کی ایک روایت میں شہراً بھی ہے، حافظ نے شان عشر لیلۃ کی  
روایت کو ترجیح دی ہے، اور نصف شہراً اور شہراً کی روایت کو الغار کسر اور جبر کسر پر محمول کیا ہے، نیز بخاری کی روایت میں یہ  
زیادتی بھی ہے، ثم امر ابو عبیدة بصلعین من اضلاعہ فنصبا ثم امر برحلة فرجلت ثم مرت تحتہا، کہ اس پھلی کی دو پسلیوں  
کو لے کر کھڑا کیا گیا اور ایک اونٹنی پر ایک لمبے قد کے آدمی کو سوار کر کے اس کے نیچے کو گزارا گیا جو بلا تکلف گذر گیا جس سے

اس پسلی کے طول کا حال معلوم ہو گیا، حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ وجیب سہمہ کا ہے جس کو انہوں نے ابن سعد سے نقل کیا ہے، اسکے بعد حافظ نے اس کے خلاف اپنی تحقیق لکھی کہ یہ واقعہ سہمہ یا اس سے پہلے کا ہے صلح حدیبیہ سے پہلے کا، کذا قال فی المغازی، وکتب بعدہ فی کتاب الذبائح والصيد باب احل لکم صید البحر کہ یہ واقعہ سہمہ کا ہے جس زمانہ میں غزوہ بواط پیش آیا اور وہ سہمہ میں ہے۔

فلما قدمنا الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ذكرنا ذلك له فقال هو رزق اخرجه الله لکم یعنی جب ہم اس سفر سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو ہم نے اس مچھلی کا ذکر آپ سے کیا تو آپ نے سنکر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق تھا، اگر تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت باقی ہو تو اس میں سے ہمیں بھی کھلانا، چنانچہ ہم نے آپ کے پاس اس میں سے کچھ بھیجا جس کو آپ نے نوش فرمایا۔ اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہ غیرہ میتہ البحر تھا، اور میتہ البحر میں جو ائمہ کا اختلاف ہے وہ کتاب الطہارۃ میں، هو الطہور ماؤہ والحل میتہ کے ذیل میں گزر چکا۔

تتبیہ: کتب الشیخ فی ہاشم البذل: ولا ینہب علیک ان لجا برضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیثاً آخری فی هذا المعنی ونسب الزبلی فی "نصب الرایۃ" ص ۲۱ علی انہما قصتان اہ قلت لم یرض بہ الحافظ فی الفتح والی دمدۃ القصة وقال الاصل عدم التعدد، قالہ فی کتاب الذبائح والصيد فی باب قول اللہ تعالیٰ "واحل لکم صید البحر" فارجع الیہ شدت التفصیل۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی قالہ المنذری۔

### باب فی الفارة تقع فی السمن

عن میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان فارة وقعت فی سمن فاخبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال: القواما حولہا وکلوا۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس گھی کے ہارے میں سوال کیا گیا جس میں جو، ہی گر گر مری تھی تو آپ نے فرمایا کہ گھی کا وہ حصہ جو جو، ہی کے ارد گرد ہے اس کو نکال کر پھینک دو اور باقی کو کھا لو۔

یہ سمن جامد تھا جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے، اور یہ مسئلہ اسی صورت میں ہے جبکہ وہ گھی جامد ہو چنانچہ اسکے بعد والی روایت میں آرہا ہے "فان کان جامداً فالقوہا وما حولہا، وان کان مائعا فلا تقربوہ"۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

### باب فی الذباب یقع فی الطعام

اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فامقلوہ فان فی احد جناحیہ داءً و فی الآخر شفاء الخ۔



آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کھانے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو اچھی طرح ڈبو دو یعنی ڈبو کر نکالو۔ اسلئے کہ اسکے پروں میں سے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا اور مکھی کی عادت یہ ہے کہ وہ گرتے وقت اپنا سچاؤ کرتی ہے اس پر سے جس میں بیماری ہے پس چاہیے کہ اسے پوری گوڈ بو دے تاکہ وہ دوسرا پر جس میں شفا ہے اسکے ملنے سے تلافی ہو جائے یہ حدیث جس میں طب کا ایک مسئلہ مذکور ہے طب النبی کے قبیل سے ہوئی، کتاب، الطب ابھی قریب میں آنے والی بھی ہے جس میں آپ کی جانب سے بہت سے علاج اور دواؤں کا بیان آ رہا ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے عصر کے بعد کی مجلس میں جس میں چائے بھی پی جاتی تھی جس میں کبھی اتفاقاً مکھی بھی گری جاتی ہے، ایک مرتبہ جب کہ اس موقع پر حضرت جی مولانا الغلام الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ فیض المبارکی میں شاہ صاحب کی رائے یہ لکھی ہے کہ وہ کھانا جس میں مکھی گری ہے اگر عار ہو تو وہ اس حکم میں داخل نہیں، فان النفس حیث لا یزیدہ الا شراً، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ حدیث میں تو مطلقاً ہی آیا ہے، والحدیث اخر جہ البخاری وابن ماجہ بخوہ من حدیث عبید بن حنین عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واخر جہ النسائی وابن ماجہ من حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال المنذری۔

### باب فی اللقمة تسقط

كان اذا اكل طعاما لعلق اصابعه الثلاث، جب آپ کھانا تناول فرمالتے تھے تو اخیر میں اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے ابہام، مسجہ اور وسطی، اسلئے کہ آپ تین ہی انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آگے "باب فی المنذری" میں آ رہا ہے: كان ياكل بثلاث اصابع ولا يمسح يده حتى يلعقها، دوسرا ادب اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جب کسی شخص سے کھاتے وقت لقمہ گر جائے یا کھانے کا کوئی ذرہ تو اس کو چاہیے کہ اس سے تنکلیا گرد وغیرہ جو کچھ لگا ہے اس کو زائل کرے اور پھر اس کو کھالے اور اس کو چھوڑے نہیں شیطان کے لئے، اسلئے کہ اس کا یہ چھوڑنا علامت بے کبر کی اور کبر من عمل الشیطان ہے، آگے تیسرا ادب حدیث میں یہ مذکور ہے کہ کھانے سے فرغ پر پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کر لینا چاہیے ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص پلیٹ میں کھا کر اس کو انگلیوں سے صاف کرے تو وہ پلیٹ اس کے لئے استغفار کرتی ہے، من اکل قصعة ثم حسبها استغفرت له القصعة۔

نیز فرمایا آپ نے کہ بیشک تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کیلئے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔  
والحدیث اخر جہ مسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی الخادم یا کل مع المولی

حدیث الباب میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا بنائے اور پھر اس کو لیکر آئے جبکہ اس نے اس کا دھواں اور گرمی برداشت کی ہے تو اس کو چاہئے کہ اس خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے، اور اگر کھانے کی مقدار قلیل ہو تو پھر ایک یا دو لقمے اس کے ہاتھ میں دیدے۔

اور ایک روایت میں ہے فان ابی فلیاخذ لقمۃ فلیطعمہ ایاماً یعنی مولیٰ سے اگر یہ نہیں ہو سکتا کسی وجہ سے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھائے تو ایک دو لقمے اس کو دیدے، اور یا مطلب یہ کہ خادم ساتھ بیٹھنے سے انکار کرے تو پھر ایسا کرے والحدیث اخرجہ مسلم، قالہ المنذری۔

## باب فی المتدیل

حدیث الباب میں یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ کھانے کے بعد اپنے ہاتھ کو مندیل سے صاف نہ کرے جیتک اس کو خود نہ چاٹ لے یا دوسرے کو چٹانہ دے، اپنے کسی خادم یا شاگرد اور عزیز کو، والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ، ولیس فی حدیثہم ذکر المنذیل، واخرج مسلم من حدیث ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ولا یسج یدہ بالمنذیل حتی یلعق اصابعہ، قالہ المنذری۔

## باب ما یقول اذا طعم

حدیث الباب میں ہے کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ پڑھتے الحمد للہ کثیراً (وفی نسخة حمد اکثر) طیباً مبارکاً ذیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا بالنصب منادی ہونے کی وجہ سے یا بالبحر، لفظ اللہ سے بدل ہونے کی وجہ سے۔ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ، اس میں دو احتمال ہیں کہ یہ تینوں طیباً کی طرح حمد کی صفت ہوں، یعنی بندہ کی حمد چاہے کتنی ہی ہونا کافی اور قلیل ہے اور اسکے باوجود قابل ترک بھی نہیں جس سے استغناء برت کر چھوڑ دیا جائے بلکہ ناکافی ہونیکے باوجود کرنی چاہئے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی کفایت نہیں کی جاتی بلکہ وہ دوسروں کی کفایت کرتا اور کافی ہے (کما قال تعالیٰ وهو یطعم ولا یطعم) اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ کسی حال میں اس کی طرف رغبت اور طلب ترک کر دی جائے، اور نہ وہ ایسا ہے کہ کسی وقت اس سے استغناء برتا جائے، بلکہ ہر آن بندہ اس کی طرف محتاج ہے، والاحتمال الاول اختارہ العلامة السنذی فی فتح الودود، والاحتمال الثانی اختارہ الخطائی، وكلاهما مذکوران فی البذل۔

والحدیث اخرجہ البخاری والترمدی والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

اور اسکے بعد والی حدیث میں یہ دعا مذکور ہے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین،

اور تیسری حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: الحمد لله الذي اطعم وسقى وسوتغده وجعل له مخرجاً.  
حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الترمذی والنسائی، وذكرہ البخاری فی تاریخہ الكبير وساق اختلاف الرواة  
فیہ، و حدیث ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

## باب فی غسل الید من الطعام

من نام وفي يده غمير ولم يفسله فاصابه شئ فلا يلمون الا نفسه فو شخص کھانا کھا کر بغیر ہاتھ دھوئے  
سو جائے اور حال یہ کہ اسکے ہاتھ میں کھانے کی بو اور دوسوت ہو اور پھر کوئی چیز اس کو اذیت پہنچائے۔ مثلاً چوہی اس کی  
انگلیوں میں دانت مار دے تو اس شخص کو چاہیے کہ اپنے ہی کو طامت کرے، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے، اس کے شروع میں  
یہ زیادتی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الشيطان حساس لحاس فاخذروه على انفسكم، یعنی شیطان کی  
حس اور ادراک بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ بہت چمورا ہے اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔  
والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، واخرجہ الترمذی، معلقاً، واخرجہ ايضا من حدیث ابی ہریرۃ من طریقین قال المنذری (مختصراً)

## باب ماجاء فی الدعاء لرب الطعام

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال صنع ابو الهيثم بن التيهان للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
والآلہ وسلم طعاماً الخبز۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اسکے کھانے کا بدلہ دو، صحابہ  
نے عرض کیا کہ وہ بدلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے گھر کھانا کھایا جائے اس کے لئے دعا کرنا، یہی اس کی اثابت اور بدلہ ہے۔  
باب کی آخری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں  
تشریف لے گئے، وہ آپ کے لئے روٹی اور روغن زیتون لیکر آئے، آپ نے اس کو نوش فرمایا اور ان کو یہ دعا دی: اخطر  
عندکم الصائمون، واحلل طعامکم الا براء، وصلت علیکم الملائکة۔ دعا کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو  
صائمین کو افطار کرانے کی توفیق دے، اور ہمیشہ تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور ملائکہ تمہارے لئے رحمت اور استغفار کی دعا کریں،  
اس میں ضمناً رزق حلال کی دعا بھی آگئی اس لئے کہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ حلال روزی ہی کھلاتے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا  
لایاکل طعامک الا لقی، کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنا کھانا اقیار کو کھلائے، اس دعا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

## باب تمر العجوة

یہ ترجمہ اور حدیث الباب الطب میں آ رہا ہے، اور اس جگہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ (مبذل)

## باب مال مزید کو تحریمہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کانت اهل الجاهلیة یا کلون اشیاء ویترکون اشیاء

تفتذرا فبعث اللہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرّم حرامہ  
فما احل فهو حلال وما حرّم فهو حرام وما سکت عنہ فهو عفو۔

یعنی مشرکین جاہلیت اپنی رائے اور اختیار سے بہت سی چیزوں کو کھاتے تھے اور بہت سی چیزوں کو کراہت طبعی کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے، یعنی حلت و حرمت کا کوئی معیار تو ان کے یہاں تھا ہی نہیں سوائے جی چاہنے کے اور کراہت طبعی کے، پس اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور بندوں کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جن پر قرآن کریم کو نازل کیا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا، پس اب ہمارے حق میں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا وہ حلال ہوگی اور جس کو اس نے حرام قرار دیا وہ حرام ہوگی، یعنی تحلیل و تحریم کا مدار قرآن اور وحی پر ہوا، وما سکت عنہ فهو عفو اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا وہ گھبر کہ حلال اور معاف ہے۔

اس حدیث کا توالہ ہمارے یہاں کتاب البیوع کے شروع میں باب فی اجتناب الشبهات کے ذیل میں گذر چکا، اور وہاں پر یہ حدیث گذر چکی، الحلال بین والحرام بین، و بینہما امور مشتبہات، فمن اتقى الشبهات استبرأ لديته وعرضه، اور وہاں پر یہ بھی گذر چکا کہ ان دونوں حدیثوں میں سورۃ وظاہر التعارض معلوم ہوتا ہے، اور پھر اس کا جواب بھی۔ اس کے بعد ہمارے نسخہ ابی داؤد میں عم خارجہ کی حدیث آرہی ہے جس میں ایک مجنون پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کا ذکر ہے اور اس کے شفا یاب ہونے پر بطور انعام کے سو بکریاں دینے کا، یہ حدیث کتاب البیوع میں "باب کسب الاطباء" میں گذر چکی اور آگے کتاب الطب میں "باب کیف الرقی" کے ذیل میں بھی آرہی ہے۔

بذل المجہود شریف کی جلد رابع کا اختتام اور پھر اس کے بعد بعض نسخوں میں "آخر کتاب الاطعمۃ" مذکور ہے، اور اسی پر "بذل المجہود کی جلد رابع آکر پوری ہوتی ہے، اور کتاب الطب سے اس کی جلد خامس کی ابتدا ہو رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اَوَّلُ كِتَابِ الطَّبِّ

اس کتاب کی ماقبل سے مناسبت ظاہر ہے، ماقبل میں الطعمہ اور اشربہ گذرے ہیں اور امراض بسا اوقات کہنے پینے میں بے احتیاطی اور ترک حمیہ سے ہوتے ہیں اسلئے ضرورت پیش آئی غلب اور علاج کو بیان کرنے کی۔

**طب کی تعریف اور اس کی تقسیم و تنزیح** | طب ایک مستقل علم ہے جس کی تعریف یہ ہے: **هو علم يعرف به احوال بدن الانسان من المرض والصحة۔** طب لغتاً اضراد میں سے ہے اسکے معنی

علاج اور تداوی کے بھی ہیں اور دار یعنی بیماری کے بھی، ایسے ہی بمعنی السحر مطبوع یعنی مسحور۔ پھر جاننا چاہیے کہ طب کی دو قسمیں ہیں طب القلوب، اور طب الابدان (کیونکہ امراض کی دو قسمیں ہیں روحانی و جسمانی) طب القلوب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں یعنی اتباع شریعت، اور طب الابدان کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، چنانچہ بعض احادیث میں بعض بیماریاں اوزان کا علاج مذکور ہے اس کا نام الطب النبوی ہے، بعض محدثین کی اس پر مستقل تصنیفات اور کتابیں ہیں جیسے علامہ سیوطی کی کتاب **المنہج السوی فی الطب النبوی**، اور امام ذہبی کی **الطب النبوی**، اسی طرح ابو نعیم کی **الطب النبوی** وغیرہ۔

اور قسم ثانی وہ جو منقول ہے حکماء اور اصحاب تجارب سے مثلاً حکماء یونان سے جو منقول ہے اس کو طب یونانی کہا کرتے ہیں، اسکے علاوہ دوسرے اطباء سے مثلاً جو حکماء ہند سے منقول ہے اس کو آیور ویدک کہتے ہیں اور جو حکماء عرب سے منقول ہے اس کو طب عربی کہتے ہیں جیسے حارث ابن کلدہ مشہور طبیب جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں رہا جس کا ذکر آگے ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

## باب الرجل يتداوى

عن اسامة بن شريك رضى الله تعالى عنه قال اتيت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

واصحابه كأننا على رؤسهم الطين

یہ صحابی یہ فرما رہے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ کے اصحاب آپ کی مجلس میں ایسے سکون اور وقار سے بیٹھے تھے صامت و ساکت گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو۔ یہ تشبیہ کے طور پر ہے، اگر کسی شخص کے سر پر کوئی پرندہ آکر بیٹھ جائے اور وہ یہ چاہے کہ یہ پرندہ اسی طرح بیٹھا رہے اڑے نہیں تو ظاہر بات ہے اس وقت وہ شخص نہایت سکون سے رہے گا، سر کو حرکت بھی نہ دے گا نہ ادا پر اٹھائے گا۔ یہ صحابی فرما رہے ہیں کہ میں سلام کر کے آپ کی مجلس میں بیٹھ گیا تو میری موجودگی میں مختلف جہات سے بہت سے اعراب آپ کی خدمت میں آئے جنہوں نے اگر آپ سے یہ دریافت کیا: یا رسول اللہ! انت تداوی؟ فقال: تداؤا یعنی کیا ہم اپنا علاج اور دوا کر سکتے ہیں؟ (یہ خلاف توکل تو نہیں؟) آپ نے فرمایا ہاں اجازت ہے کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں کی جسکی دوا نہ رکھی ہو سوائے ایک بیماری کے یعنی بڑھاپا۔

**علاج اور تداوی کا حکم** | اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بیماری کی دوا اور علاج کرنا مستحب ہے یا صرف مباح، اکثر کرائے اس میں اباحت کی ہے، اور ایک قول استحباب کا بھی ہے، اکثر علماء یہی لکھتے ہیں



کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تداوی بیان جواز کے لئے تھا اب اگر اسی میں کوئی اتباع کی نیت کرے تو اجر و ثواب کی امید ہے خطاب فرماتے ہیں: فیہ ان النطب مباح، لاکما قال بعضهم انہ مکروہ، اور علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ اس میں رد ہے ان بعض صوفیہ پر جو یوں کہتے ہیں کہ کسی ولی کی ولایت اس وقت تک کامل ہی نہیں ہو سکتی جب تک وہ نازل ہو نیوالی ہر بلا و مصیبت پر راضی نہ ہو اور یہ کہ اس کے لئے علاج جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے۔

**توکل کے مراتب ثلاثہ** | اور کوکب دری سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انواع توکل حرام ہیں، یعنی جو نص کے مقابلہ میں ہو جیسے زہر کا پینا تو کلاً علی اللہ تعالیٰ اور بعض انواع اس کی اعلیٰ ہیں، ترک تداوی اسی میں سے ہے، اور بعض مراتب اسکے بالکل ادنیٰ ہیں جیسے ترک رقیہ کہ یہ قسم

ثالث میں سے ہے، اس سے کم کوئی درجہ توکل کا نہیں ہے، لہذا تعویذ گنڈے کرنا یہ خلاف توکل ہے، کذافی ہاشم المیزل نیز اس میں یہ بھی ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں اس پر تفصیلاً کلام کیا ہے کہ آیا رقیہ اختیار کرنا توکل کے منافی ہے یا نہیں، رقیہ سے متعلق چند ابواب آگے آرہے ہیں۔

والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حسن صحیح، قال المنذری۔

## باب فی الحمیۃ

سنن ترمذی میں بھی ابواب الطب کا سب سے پہلا باب یہی ہے۔ باب ماجار فی الحمیۃ، یعنی مضر چیزوں سے پرہیز کرنا جس کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث الباب سے ہوا ہے، حدیث الباب تو اس میں صریح ہے اور قرآن کریم میں آیت وضو میں ہے: "وان کنتم مرضی او علی سفر، الا یہ یعنی عند مرض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پانی کے استعمال سے احتیاط کرنا حکم اور تیمم کا جواز فرمایا۔ الحمیۃ رأس کل دوار مشہور مقولہ ہے۔

عن ام المنذر بنت قیس الانصاریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ومعہ علی، وعلی ناقۃ، ولنا دوالی معلقۃ اؤ۔

**مضمون حدیث** | ام المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا نام سلمی بنت قیس ہے آپ کی حالات میں سے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ تھے جو اس وقت ناقہ تھے، یعنی بیماری سے اٹھنے کی وجہ سے نقاہت تھی، ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، ان میں سے کھانے کے لئے، علی بھی اسی غرض سے کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرمانے لگے تم رکو تم کو نقاہت اور کمزوری ہے یہاں تک کہ وہ رک گئے۔ وہ

فرماتی ہیں کہ میں نے جو اور حقیقت در کی سبزی بھی بنائی تھی جو میں آپ کے پاس لیکر آئی، اس پر آپ نے فرمایا یا علی  
 اصب من هذا فهو اضعف لك کہ تم یہ کھاؤ، تمہارے لئے یہ زیادہ مفید ہے۔  
 کھجور گرم ہوتی ہے جس سے آپ نے ان کو منع کیا اور یہ سبزی ٹھنڈی تھی جو ان کے حق میں مفید تھی، اس حدیث سے  
 کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط اور پرہیز کا ثبوت ہوا جیسا کہ مصنف نے ترجمہ قائم کیا ہے، بذل میں ہے اس حدیث  
 سے علم طب کی فضیلت اور یہ کہ طبیب کی بات ماننی چاہیے کا ثبوت ہوا، والحدیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب ماجاء فی الحجامة

ان كان في شئ مما استداويتم به خير فالحجامة، جو علاج اور دوا درو تم لوگ کرتے ہو ان میں سے اگر کسی  
 میں خیر ہے تو وہ حجامت ہے یعنی پکھنے لگانا۔

بعض شراح (سفاسی) نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی ہو جب آپ کو  
 یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے دوا بھی پیدا فرمائی ہے اہ اس شراح نے اس حدیث کو محمول کیا نفی اقرارہ پر  
 دوسری اشیاء اور دواؤں میں اور اس سے بہتر بات وہ ہے جو علامہ سندھی نے لکھی کہ اس سے مقصود آپ کا غیر حجامت سے  
 فائدہ کی نفی نہیں ہے بلکہ علی وجہ المبالغة والتحقيق حجامت کے فائدہ کو بیان کرنا مقصود ہے۔ والحدیث اخبرہ ابن ماجہ قال المنذری  
 عن جدته سلمى خادم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، خادم کا اطلاق غلام اور جاریہ دونوں  
 پر ہوتا ہے، اور اس میں تا کا استعمال یعنی خادمہ، قلیل ہے، حضرت سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی خادمہ اور باندی ہیں فرماتی ہیں کہ جو شخص بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے درد سر کی شکایت کرتا تو آپ اس کو  
 حجامت کا حکم فرماتے، اور جو آپ سے پاؤں کی تکلیف بیان کرتا تو اس کو آپ خضاب بالخمار کا مشورہ دیتے، یعنی پاؤں کے  
 تلووں میں مہندی لگانے کا۔

شرح نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر سرد اور تکلیف غلبہ دم اور اسکے جوش کی وجہ سے ہوتا تھا، اور حجامت ان ہی بیماریوں  
 کا علاج ہے جو غلبہ دم کی وجہ سے ہوں۔ والحدیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ مختصر فی الخمار، قال المنذری۔

## باب فی موضع الحجامة

ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يحتجم على هامته وبين كتفيه وهو يقول من

اهراق من هذه الدماء فلا يضره ان لا يتداوى بشئ بشئ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول احتجام کے بارے میں یہ تھا کہ اکثر اپنے سر کے تالو پر اور اپنے شانوں کے

درمیان گنوائے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص ان خونوں کو بہا دے۔ یعنی حجامت کے ذریعہ۔ اور ہذا الدماء کا اشارہ اسی خون کی طرف ہے جو پچھنے کے ذریعہ نکل جاتا ہے تو پھر اس کو کسی بیماری کیلئے کسی اور علاج کی ضرورت نہیں۔

احادیث میں حجامت کی بہت مدح آئی ہے حتیٰ کہ حدیث المعراج میں آتا ہے کہ آپ کا جس آسمان پر کو بھی گذر ہوا تو وہاں کے فرشتوں نے آپ سے عرض کیا: مگر امتک بالجماعۃ میں نے اپنے بچپن میں چالیس پچاس سال پہلے دیکھا کہ گرمی کے زمانہ میں دو پہر کے وقت

احادیث سے حجامت کی  
اہمیت کا ثبوت

کچھ جنگلی قسم کے آدمی ہاتھ میں تھسیلا وغیرہ لئے ہوئے سڑکوں اور گلی کو چوں میں آواز لگاتے ہوئے گھومتے پھرتے تھے اور اپنے خاص لہجے میں کہتے تھے سینگھی بھونکی لگاؤ جن کی آواز سے بچے ڈرتے بھی تھے جب وہ آتے تھے مگر اب تو ان کا آنا تقریباً بند ہی ہو گیا، کبھی کبھار کوئی آجاتا ہے لیکن سنا ہے کہ یہاں حجاز میں مکہ مدینہ میں اب بھی اس کا رواج اور معمول ہے اور معلوم ہوا کہ پہلے تو یہ لوگ حرم کے آس پاس سڑک کے کنارے پر بیٹھے رہتے تھے اپنے آلات لئے ہوئے، لیکن اب یہاں کی حکومت نے اس طرح سڑکوں پر بیٹھنے کے بجائے ان کے لئے مستقل معقول جگہ اور صفائی ستھرائی کو لازم قرار دیا ہے جب حدیث میں اتنی تاکید اس کی آئی ہے تو پھر اس کا اہتمام ہونا چاہیے، لیکن اب دنیا میں نئے نئے علاج چل گئے، انگریزی قسم کے لوگ انہیں کرنے لگے۔ والحدیث اخراجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احتجم ثلاثا فی الاخذ عین والکاحل، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدن کی تین جگہوں میں پچھنے لگوائے دونوں اخذ عین میں جو گردن کی دونوں جانب کی دو رگوں کا نام ہے، اور کاحل یعنی ما بین الکتفین، یعنی ایک موقع پر آپ نے اس طرح کرایا، اور ان تین کے علاوہ اور بھی بعض بدن کے حصوں پر لگوانا ثابت ہے جیسا کہ کتاب الحج میں اس سلسلہ کی کئی روایتیں گذری ہیں "احتجم وهو محرم فی رأسہ من دارکان بہ، احتجم وهو محرم علی ظہر القدم من وجع کان بہ، اور ایک روایت یہاں آئندہ باب میں آرہی ہے "احتجم علی وركہ من وثی کان بہ" پچھنے مجامع العروق ہی پر عام طور سے لگائے جاتے ہیں بدن کے جس حصہ میں جہاں رگیں جمع ہوتی ہیں اس جگہ کو اولاً نشتر لگا کر زخمی کیا جاتا ہے اور پھر سینگی لگا کر حجام سانس کے ذریعہ خون کھینچتا ہے۔

آگے حدیث میں ہے مگر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ پچھنے لگوائے تو میری عقل جاتی رہی، سورہ فاتحہ پڑھنے میں بھی اٹکنے لگا، اس میں تلقین اور رقمہ دینے کی نیت آنے لگی، ایک راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اپنے سر کے تالو پر پچھنے لگوائے تھے، اب یا تو محل حجامت کی تعیین میں غلطی ہوگئی، یا تشخیص مرض میں جس کی وجہ سے نقصان ہوا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہاتھ کے بجائے یا فوخ پر لگوا لیا ہوگا یہ دونوں جگہیں قریب قریب ہی ہیں، ہاتھ تھوڑا سا مقدم رأس کی طرف ہے اور یا فوخ کچھ پیچھے۔ والحدیث اخراجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب متى يستحب الحجامة

یعنی کن تاریخوں میں پچھنے لگوانے چاہئیں، حدیث الباب میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہینہ کی سترہ اور انیس اور اکیس تاریخ میں پچھنے لگوائے تو اس میں ہر بیماری سے شفا رہے علماء نے لکھا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ ہینہ کے شروع حصہ میں آدمی کا خون جوش پر ہوتا ہے اور اخیر میں بہت ہلکا پڑ جاتا ہے لہذا درمیانی حصہ اس کیلئے زیادہ موزوں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتاب الطب میں حجامت سے متعلق متعدد ابواب قائم کئے ہیں، ایک ترجمہ یہ بھی ہے، «ای ساعة یحجم» اور اس میں یہ حدیث مرفوعہ ذکر کی، «حجم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دھوصائم» اور ایک روایت تعلیقا، «حجم ابو موسیٰ لیلًا» ذکر کی، بخاری میں تعیین اوقات کی کوئی روایت نہیں البتہ سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں روایات ہیں، اور فیض الباری میں ہے: «لعل البخاری یشر الی حدیث عبدالی داؤد فیہ تفصیل الایام للاحتجام» «الابواب والترجم»۔

## باب فی قطع العرق وموضع الحجم

اس ترجمہ میں دو جز ہیں ایک موضع الحجامة، لیکن اس کا باب اوپر گزر چکا اسی لئے بعض نسخوں میں ترجمہ کا یہ جز نہیں ہے، اور دوسرا جز قطع العرق یعنی کسی خاص رگ کا منہ کھول دینا یعنی فصد۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی ابی طیباً فقطع منہ عرقاً۔ یعنی آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک معالج کو بھیجا جس نے ان کے فصد کی۔ اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے ثم بعد ذلك کواک لیوقاً الدم یعنی فصد کرنے کے بعد کئی یعنی داغ دیا اس رگ کو تاکہ خون بند ہو جائے۔ والحدیث اخرجه مسلم وابن ماجہ بخوہ، قال المنذری۔

اخبرتني عمی كبشة بنت ابی بكرة۔ ہمارے نسخہ میں اسی طرح ہے، «كبشة» اور بعض نسخوں میں کیسہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ یوم الثلاثاء میں پچھنے نہ لگوانے چاہیے، یہ دن یوم الدم ہے یعنی یہ دن خون کے غلبہ کا ہے جسم کے اندر، اور اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر اس میں حجامت یا فصد کرائی جائے تو پھر خون رکنا نہیں اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور پھر سیوطی نے اس پر ان کا تعقب کیا ہے۔ احتجم علی وركہ من وئی کان بدہ یعنی اپنے وركہ پر پچھنے لگوائے چوٹ لگ جانے کی وجہ سے وئی یہ ہے کہ ہڈی پر چوٹ لگے لیکن وہ لٹے نہیں، ہو سکتا ہے یہ مختصر ہو اسی حدیث سے جس میں آپ کے سقوط عن الفرس کا مشہور واقعہ مذکور ہے، حضرت نے بذل میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

والحدیث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

## باب فی الکی

کئی علاج کا ایک خاص طریقہ ہے جس میں لوہے کو گرم کر کے بدن کے جس حصہ میں تکلیف ہوتی ہے وہاں اس سے داغ دیتے ہیں، اسکے بارے میں دونوں طرح کی روایات ہیں منع کی اور حوازی کی جیسا کہ خود اس باب کی دو حدیثوں میں ہے، پہلی روایت میں منع اور دوسری روایت میں اس کا ثبوت کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیر لگنے سے حوز ختم ہو گیا تھا اس کا علاج بالکی کیا، جمع بین الروایتین بعض نے تو اس طرح کی ہے کہ دراصل یہ علاج کی سخت قسم ہے یہ سمجھئے کہ آخر العلاج ہے جس میں تعذیب بالنار ہے، اب اگر کسی اور معمولی اور ہلکے علاج سے کام چل سکتا ہو تب تو اس کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، اور جہاں کوئی اور دوا مفید ثابت نہ ہوتی ہو وہاں پھر اس کو کر لینا چاہیے اور بعض شراح نے اس طرح کہا ہے کہ اگر یہ علاج محض بیماریوں سے بچنے کے لئے اور تحفظ کے لئے ہو تب تو ممنوع ہے اور واقعی ضرورت پیش آنے پر اسکا کرنا جائز ہے یہ دوسری توجیہ حاشیہ میں عزالدین ابن عبد السلام سے نقل کی ہے۔

باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو علاج بالکی سے منع فرمایا تھا، لیکن ہم نے یہ علاج کیا تو اس میں کامیابی نہیں ہوئی، فملا فلاحنا ولا انجحتنا جمع مؤنث غائب کے صیغہ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں فملا فلاحنا ولا انجحتنا جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے پہلی صورت میں ضمیر راجع ہوگی کیات کی طرف کہ ہمارے یہ علاج مفید ثابت نہ ہوئے، اور دوسری صورت میں یہ مطلب کہ ہم لوگ اس علاج میں ناکام رہے۔

بعض نسخوں میں حدیث اول کے بعد ہے: امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ صحابی عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس علاج سے پہلے تسلیم ملائکہ کو سنا کرتے تھے، جب انہوں نے یہ علاج کیا تو یہ سنا منقطع ہو گیا، پھر جب انہوں نے اس علاج کو ترک کر دیا تو پھر سننے لگے۔

حدیث عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما آخریہ الترمذی وابن ماجہ، و حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آخریہ مسلم وابن ماجہ قالہ الترمذی

## باب فی السعوط

سعوط بفتح السین اور اسی طرح لدود بفتح اللام، اور ایسے ہی وجور بفتح الواو علاجوں کے نام ہیں، سعوط ناک میں دوا ٹپکانا، اور لدود منہ کے کسی ایک جانب میں دوا ٹپکانا اور وجور حلق میں ٹپکانا۔

علہ ناک میں دوا ٹپکانے کا طریقہ بھی شراح نے لکھا ہے، نفی حاشیہ الکواکب عن الحافظ، بان یستلقی الرجل علی ظہرہ ویجعل بین کتفہ یمیر فہما یبخرہ رأسہ ویقطر فی الفہما رادھن فیہ دوا مفردا دم کرب لیتمکن ینالک من الاصول الی رماغہ لاسخترج ما فیہ من الذر بالعطاس ۱۵۔



لدود کا ذکر یہاں ابوداؤد کی روایت میں نہیں ہے، صحاح کی دوسری کتب (بخاری ترمذی) وغیرہ میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعظ۔

معلوم ہوا کہ آپ سے سعوط ثابت ہے، آپ نے خود یہ کیا ہے۔

اور لدود کے بارے میں یہ آتا ہے ترمذی کی روایت میں ہے:-

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے  
مرض میں لدود کا واقعہ

ان خیر ما تبدأ ویتم بہ السعوط واللدود والحجامة والمشی

فلما اشتكى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لذة اصحابه

فلما فرغوا قال لدؤهم، قال فلقدوا كلهم غير العباس، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یعنی آپ کے گھر والوں نے

آپ کے ساتھ لدود کیا حالانکہ آپ نے اس سے منع فرمایا تھا مگر گھر والوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ مریض تو دوا کرنا پسند کرتا

ہی ہے اس لئے کر دیا نفی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند الشیخین لدودنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فی مرضه فاشارة ان لا تلدونى، نقلنا کراہیۃ المریض للدوار، الحدیث، اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے: انہم اذا ابوا قسطا۔

ای بزینت۔ فلذوہ بہ، یعنی قسط ہندی کو گرم روغن زیتون میں پگھال کر آپ کا لدود کیا یعنی آپ کے حلق میں وہ ٹپکایا گیا،

بعض روایات میں ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھے تھے کہ آپ کو ذات الجنب کی تکلیف ہے اسلئے انہوں نے یہ علاج کیا تھا، پھر بعد

میں یہ ہوا کہ آپ نے سزائے سب کے لدود کرایا سوائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ ان کے بارے میں آپ نے یہ

فرمایا کہ، انہ لم یشہدکم، کہ وہ لدود کے وقت میں موجود نہ تھے (اگرچہ لدود کا مشورہ دینے والے وہی تھے) یہاں پر یہ سوال

ہوتا ہے کہ آپ کی عادت شریفہ تو اپنی ذات کے لئے انتقام کی نہ تھی۔ پھر آپ نے انتقام کیوں لیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کے امر کی مخالفت کی وجہ سے، اور آپ کا امر وحی سے تھا لویا انہوں نے وحی کی مخالفت

کی، پھر اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اہل بیت کی یہ خطا اجتہادی تھی جس پر گرفت نہیں ہوتی، اس کا جواب حضرت اقدس

گنتگوہی نے یہ دیا ہے کہ ان کے لئے اجتہاد جائز کب تھا، نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد جائز نہیں، اسی طرح

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو بھی اجتہاد جائز نہیں، یہ سوال و جواب حضرت بہار پوری اور حضرت گنتگوہی کے درمیان

خط و کتابت کے ذریعہ سے ہوئے جو تذکرۃ الخلیل میں منقول ہے۔ کوکب دری میں بھی تقریباً اسی طرح ہے۔

ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں۔ مَشِی کا بھی ذکر ہے یعنی دوار مسہل سنلکی وغیرہ۔

والحدیث اخبرنا البخاری وسلم اتم منہ، قال المنذری۔

### باب فی النشرة

حدیث الباب میں ہے کہ آپ سے نشرہ کے بارے میں سوال کیا گیا فقال هو من عمل الشيطان، بزل میں لکھا

ہے کہ یہ رقیہ کی ایک قسم ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سحر ہے، آپ نے اس کو عمل الشيطان فرمایا ہو سکتا ہے وہ اسمائے شیطانیں

پر مشتمل ہوتا ہو جس کی وجہ سے منع کیا ہو۔

## باب فی التریاق

زہر کی دوا کو تریاق کہتے ہیں، بعض تریاق مرکب ہوتے ہیں جس میں لجوم افاعی یعنی سانپ کے جسم کا لاشعریاتی حصہ سر اور دم کو علاحدہ کر کے ڈالا جاتا ہے، اور بھی چیزیں ہوتی ہونگی، یہ حرام ہے نجس ہونے کی وجہ سے، اور اگر تریاق (زہر کی دوا) پاک چیزوں سے بنائی جائے تو اس کے کھانے پینے میں کچھ حرج نہیں (کذا فی البذل) و فیہ یمن اباح فیما فیہ من لجوم الافاعی لکن لانه یری اباحہ لجوم الحیات و یقتضیہ مذہب الشافعی لاباحہ التداوی ببعض المحرمات، قالہ ابن رسلان (بذل)

سمعت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم یقول: ما ابالی ما اتیت ان انا شربت تریاقا او تعلقت تمیمة او قلت الشعر من قبل نفسی،

**شرح الحدیث** | ما ابالی ما اتیت جزائے مقدم ہے آگے اسکی شرط آرہی ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ اگر میں تریاق استعمال کروں یا تعلق تمیمہ یا اپنی جانب سے کوئی شعر کہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں جو چاہے کر گذرتا ہوں اور پرواہ نہیں کرتا، یعنی جائز اور ناجائز ہونگی۔

حاصل یہ کہ میرے لئے یہ کام قطعاً جائز نہیں۔

قال ابو داؤد: هذا کان للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم خاصة۔

مصنف کہہ رہے ہیں کہ تریاق کا حرام ہونا خاص آپ کے لئے ہے ورنہ بعض علماء نے تریاق کو جائز رکھا ہے، اور یہ بھی محتمل ہے کہ مصنف کے کلام میں، ہذا کا اشارہ، او قلت الشعر من قبل نفسی کی طرف ہو، اور "وقدر خص قوم" یہ جملہ ناقبل سے متعلق نہ ہو، بلکہ مستقل تریاق ہی سے متعلق ہو۔

اس حدیث میں تعلق تمیمہ کا بھی ذکر ہے، تعلق التمام کا آگے مستقل باب آیا ہے۔

## باب فی الادویۃ المکروہۃ

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم: ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء

فتدا دوا ولا تستد اووا بحرام۔ اس حدیث کا مضمون کتاب الطب کے شروع میں گذر چکا کہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس کے لئے دوا بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائی ہے اور پھر آپ نے آگے فرمایا کہ دوا تو کرو لیکن حرام اور نجس چیز سے۔

اس حدیث کے سیاق سے علاج اور تداوی کی ترغیب مفہوم ہو رہی ہے کہ دوا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اور وہ جو کہتے ہیں کہ دوا تو کل کے خلاف ہے وہ بڑے لوگوں کے حق میں ہوگا جو رضاد تسلیم کے

اعلیٰ مقام کو پہنچے ہوتے ہوں۔

ان طبیباً سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن ضفدع یجعلها فی دواء فتهاہ السبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن قتلها۔

جب قتل ضفدع ممنوع ہو تو تداوی بالصفدع بھی ممنوع ہو گی کیونکہ تداوی اس کے قتل ہی پر موقوف ہے یا تو اسلئے منع ہے کہ وہ نجس ہے یا کم از کم مستفذر (گھناؤنی چیز) کذا فی البذل عن فتح الورد۔

اس حدیث سے شافعیہ نے استدلال کیا کہ میتۃ البحر میں صرف صفدع حرام ہے، کما تقدم الاختلاف فی ذلک فی کتاب الطہارۃ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من حسا ساقسہ فی یدہ یتحساہ فی نار جہنم

خالد امخلد ا فیہا ابدا۔

**شرح الحدیث** یعنی جو شخص دنیا میں زہر چاٹ کر مرے گا تو آخرت میں اس کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا کہ وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہو گا جس کو وہ اسی طرح چاٹے گا جہنم میں ہمیشہ ہمیش، اگر خلود کو اپنے ظاہر پر رکھیں تب تو یہ حدیث مستحیل پر محمول ہوگی، اور یا پھر خلود سے مراد مکث طویل لیا جائے۔

اور ایک جواب وہ ہے جو امام ترمذی نے فرمایا، انہوں نے اس حدیث کو مختلف طرق سے ذکر فرمایا جن میں بعض طرق ایسے بھی ہیں جن میں "خالد امخلد" کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف یہ ہے: "عذب فی نار جہنم" امام ترمذی نے اسی طریق کو ترجیح دی اور فرمایا: وهذا الصحیح لان الروایات انما تجئ بان اهل التوحید یعذبون فی النار ثم یخرجون منها، ولای ذکر انہم یخلدون فیہا اھ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ اتم منہ، قالہ المنذری۔

عن علقمة بن وائل عن ابیہ، و ذکر طارق بن سوید، او سوید بن طارق۔

**شرح السند** اس حدیث کو علقمہ اپنے باپ وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں، اور وائل طارق بن سوید صحابی سے، شعبہ کہتے ہیں کہ میرے استاد سماک نے عن ابیہ کے بعد طارق بن سوید کو بھی ذکر کیا تھا، لہذا اس حدیث کے راوی طارق بن سوید ہوتے (فہذا روایۃ الصحابی عن الصحابی) جہاں راوی کو استاذ کے الفاظ اچھی طرح یاد نہیں ہوتے تو وہاں وہ اسی طرح تعبیر کیا کرتا ہے، یہاں پر شعبہ کو یہ تو یاد تھا کہ وائل کے بعد سند میں طارق ہیں لیکن یہ یاد نہ رہا کہ ان سے روایت بصریہ حدیث ہے یا اخبار یا عنعنہ، اسی لئے اس طرح کہا، نیز یہاں کسی راوی کو یہ بھی شک ہو رہا ہے کہ صحیح نام طارق بن سوید ہے یا اس کا عکس سوید بن طارق، لیکن صحیح طارق بن سوید ہی ہے کما یظہر من کتب الرجال، لیکن کتب حدیث میں یہ سند مختلف ہے ابن ماجہ کی سند میں عن علقمہ بن وائل عن طارق بن سوید ہے، بیح میں عن ابیہ کا واسطہ نہیں، لیکن مسلم اور ترمذی میں ابو داؤد کی طرح عن ابیہ کا واسطہ مذکور ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت سید نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خبر بتانے کے بارے میں اجازت طلب کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، انہوں نے پھر سوال کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے بنانا چاہتا ہوں، مسلم کی روایت میں اسی طرح ہے انما اصنعها للدواء، آپ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں بلکہ دار یعنی بیماری ہے۔ بعض لوگ خمر کو دبا رکھتے تھے اور ذریعہ شفا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی نفی فرمادی، چنانچہ ایک روایت میں ہے ان اللہ لم يجعل شفا امتی فيما حرم علیہا۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ عن طارق بن سويد بن خيضر، واخرجه مسلم والترمذی من حدیث وائل بن حجر، قال الترمذی۔

## باب فی تمرة العجوة

عن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مرضت مرضاً اتانى رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ

**شرح الحدیث** حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے قلب میں محسوس کی، آپ نے فرمایا: انک رجل مفوود کہ تیرے فواد یعنی قلب میں تکلیف ہے، انت الحارث بن

کلدة اخا ثقیف فانه رجل يتطبب فليأخذ سبع تمرات من عجوة المدينة فيلجأهن بنواهن ثم ليلذك بهن۔ پھر آپ نے مشورہ دیا ان کو حارث بن کلدة ثقفی کے پاس جانے کا، اور فرمایا کہ وہ طبیب ہے علاج کرتا ہے، پھر آپ کے ذہن میں خود ہی ان کا علاج آیا اور آپ ہی نے دوا تجویز فرمائی کہ حارث بن کلدة کو چاہیے کہ مدینہ کی سات عجوة کھجوریں لے اور پھر گٹھلیوں سمیت ان کو کوٹے یا یعنی گٹھلیوں سمیت ان کو پیس لے اور پھر پانی ملا کر رقیق کر کے اس کو چاہیے کہ ان کے ساتھ تیرا لود کر دے۔

یعنی یہ دوا تو خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز فرمادی لیکن اس کا بنانا اور تیار کرنا اور پھر اس کا استعمال کرانا اس کام کیلئے اس طبیب کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ اس حدیث کے یہی معنی متعدد شراح نے لکھے ہیں کہ عجوة کھجور کو مع گٹھلیوں کے پیس کر پانی ملا کر اس کو حلق میں پڑکا دیا جائے، بجائے پینے کے لود کا مشورہ یا تو آپ نے اسلئے دیا کہ مریض کی حالت پینے کی نہ تھی ضعف وغیرہ کی وجہ سے، اور یا یہ کہ اس دوا کے استعمال کا طریقہ ہی یہ ہے۔

۱۰ حدیث کا لفظ فلیجأھن ہے، یہ و جاؤ سے ہے جس کے معنی کوٹنے کے ہیں، چنانچہ بدل میں ہے ای رضہن۔ اور عون المعبود میں ہے: قال فی النہایۃ فلیجأھن ای فلیذھن، اور کتاب النکاح میں گذر چکا ان الصوم لہ وجاہ، اسکے معنی رض انخصیتیں کے ہیں، اسی طرح یہاں بھی مراد ہے کہ ان گٹھلیوں کو پیس دیا جائے تاکہ ان کا لود کیا جاسکے اور ہاتھ سے لٹا مراد نہیں ہے اس کیلئے دوسرا لفظ آتا ہے، مرس، جیسا کہ ہمذ کے بیان میں گذر چکا، سنت آخذ قبضۃ من تمر و قبضۃ من زبيب فالقیہ فی انہ نامرس۔

من تصبح سبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سم ولا سحر۔

جو شخص صبح نہار سب سات دانے عجوة کھجور کے کھائے تو آپ فرما ہے میں کہ اس شخص کو اس دن کوئی زہر یا سحر نقصان نہ پہنچا سکے۔

یا تو عجوة ہی کی خاصیت کی وجہ سے، یا آپ کی دعا کی برکت سے، وقال الخطابی: ذلك ببركة دعائه لا بخاصية في التمر (بذل)

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذرى۔

## باب في العلق

عذره ایک بیماری ہے کہ چھوٹے بچوں کے حلق میں ورم ہو جاتا ہے، اس کا حل اور علاج اس زمانہ کی عورتیں علق کے ذریعہ سے کرتی تھیں، جسکے معنی دبا دینے کے ہیں کہ انگلی یا انگوٹھے کو بچہ کے منہ میں داخل کر کے اس سے ورم کو دباتے ہیں وہ جو حلق میں ایک گوشت کا ٹکڑا سا لٹکا رہتا ہے جس کو کوا بولتے ہیں (عربی میں لہا کہتے ہیں) ممکن ہے یہ ورم اسی پر آتا ہو، اس دبانے ہی کا نام علق ہے جس کو علق اور غمز اور دغر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، دکلما بمعنی واحد اور جس بیماری کا یہ علاج ہے یعنی ورم اس کو حدیث میں عذرة سے تعبیر کیا ہے، ایسا کرنے سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے وہ روتا ہے اسی لئے

حدیث میں اس علاج سے منع کیا گیا ہے سبحان اللہ! دیکھئے آپ بچوں کے حلق میں ان کی ماؤں سے بھی زیادہ شفیق ثابت ہوئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شرف و کرم۔ اور فرمایا آپ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے، عَلامَ

تد غرن اولاد کن بهذا العلق، علیکن بهذا العود الہندی۔ یعنی اپنی اولاد کے ساتھ یہ طرز عمل یعنی دغر اور علق کیوں کرتی ہو، عود ہندی کو لازم پکڑ جس کو قسط ہندی بھی کہتے ہیں، اسلئے کہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے لیکن طریق استعمال الگ الگ ہے، اگر عذره کی بیماری ہے تو اس کا طریقہ علاج و استعمال سعوٹ ہے، اور اگر ذات الجنب کی بیماری ہو تو اس کا طریقہ استعمال لہود ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم وابن ماجه، قال المنذرى۔

## باب في الكحل

ان خيرا الكحل الكحل اللؤلؤ واللؤلؤ يجلو البصر وينبت الشعر، بہترین سرمہ لؤلؤ یعنی سرمہ اصفہانی ہے (یہی

سرمہ جو ہمارے یہاں ملتا ہے) جو نگاہ کو صاف کرتا ہے اور پلک کے بال بڑھاتا ہے۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجه مختصر الیس فیہ ذکر الکحل، قال المنذرى۔

## باب ماجاء في العين

شرح الحدیث | العين حق یعنی نظر کا لگنا، جو لوگوں۔ مشہور ہے، یہ برحق ہے غلط بات نہیں، امام نووی

فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے عین کا انکار کیا ہے اور یہ کہ اس کا کوئی اثر نہیں اور اس سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن یہ قول ناسد ہے اسلئے کہ اول تو یہ بات عقلاً ممکن ہے، دوسرے اسلئے کہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے وقوع کی



خبر دی ہے جس کی تکذیب جائز نہیں، آگے لکھتے ہیں کہ عین کی دو قسمیں ہیں عین النسی اور عین جنی (انسانی اور جناتی) انکما سیاتی فی حدیث سہل نیز جس طرح عین دیکھنے سے لگتی ہے اور نقصان پہنچاتی ہے اسی طرح بغیر دیکھے وصف یعنی کسی کا حال سننے سے بھی لگ جاتی ہے، قال اللہ تعالیٰ وان کا دوا لیز لقونک با بصار ہم لما سمعوا الذکر یعنی من غیر رویتہ اب یہ کہ آنکھ لگتی کیسے ہے کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں بعض علماء نے کہا کہ عین کی آنکھ سے کوئی قوت سمیہ اٹھتی ہے جو معین سے جا کر لگتی ہے جس سے اس کو نقصان پہنچتا ہے جیسے بعض قسم کے سانپ ہوتے ہیں جن کی خاصیت حدیث میں آتی ہے یتسمان البصر ویسقطان الجبل، اور مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ یہ تاثیر ضرر آنکھ کینیے ذاتی نہیں ہے بلکہ جسمی یا علی العادۃ ہے یعنی عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ اس تعاقب کے وقت میں ضرر پیدا فرمادیتے ہیں، یعنی اصل تو اس میں یہ ہے یعنی عادۃ اللہ کا جاری ہونا، اور وہ جو بعض سے منقول ہے کہ عین کی عین سے قوت سمیہ کا اٹھنا اور معین سے جا کر اس کا لگنا یہ بھی امر ممکن ہے۔ (بذل عن ابن سلمان) ایک وجہ اسکی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عین معین کی کسی خوبی کو اسکا کمال ذاتی خیال کر لیا ہے بجائے خدا داد تصور کرنے کے اسلئے بعض اوقات اس کا وہ وصف سلب کر لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ما شاء اللہ تعالیٰ کہنے کی صورت میں ضرر نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**نظر کا علاج** حدیث میں نظر بد کے اثر کو زائل کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے، چنانچہ باب کی دوسری حدیث میں ہے:

کان یومر العائن فیتوضأ ثم یغتسل منه المعین، جس کی نظر لگتی ہے اس کو عاین اور جس کو

لگتی ہے اس کو معین کہتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ انی الترمذی وسلم۔

واذا استغسلتو فاضلوا، یعنی جب عاین سے جسکی نظر لگی ہے، غسل طلب کیا جائے یا غسل طلب کیا جائے تو اس کام کو کر دیا کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عاین سے کہا جاتا تھا کہ وضو کرے (اور اس مار مستعمل کو ایک برتن میں جمع کیا جائے) پھر اس وضو کے پانی یعنی غسل سے معین غسل کرتا تھا، یعنی ایسا کرنے سے نظر کا اثر ختم ہو جاتا تھا، بذل میں اس غسل کا ایک خاص طریقہ نقل کیا ہے ایک واقعہ سے جو مسند احمد میں ہے سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سفر کا قصہ کہ کسی جگہ انہوں نے غسل کیا اور یہ بہت زیادہ خوبصورت اور حسین تھے، ایک شخص جن کا نام عامر بن ربیعہ ہے ان کی نظر ان پر اس وقت پڑ گئی۔ فقال ما رأیت کالیوم ولا جلد مخبأة، احدیث پورا قصہ بذل میں مذکور ہے، آپ عامر بن ربیعہ پر ناراض ہوئے اور یہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے جب کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اس کو پسند آئے تو اسکو چاہیے کہ یہ دعا پڑھے اللہم یرک علیہ، اور ایسے ہی ما شاء اللہ لا توفی الابا اللہ تو پھر ان شارا اللہ تعالیٰ نظر کا نقصان نہیں ہوگا، اور اس منفس روایت میں اعضائے وضو کے دھونیکے ساتھ داخل ازار کے دھونیکے بھی ذکر ہے جس سے مراد کہا گیا ہے کہ شرمگاہ ہے اور کہا گیا کہ لنگی کا اندرونی حصہ جو جسم سے متصل ہوتا ہے۔

۱۰ اوپر والا قصہ شکرۃ میں شرح السنۃ کے حوالہ سے مذکور ہے، وفيه منفس له عامر ووجهه ویدیہ ورفقیہ و رکبتیہ و اطراف رجلیہ و داخلۃ ازادۃ فی قدح خمر صب علیہ، ابو التعلیق اصحیح میں شرح السنۃ سے نقل کیا ہے۔ اختلفوا فی داخلۃ الازار قد عب بعضہم الی المذکر وبعضہم الی الانثی والدک، وقال ابو عبیدارادب ازارہ الذی علی جسمہ علی الجاہل الامین فبولذی یغسلہ منقرا، اور ظاہر حق میں ہے اور اعضا ازار کے اندر کے یعنی ستران اور کونے اور۔

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم واخرجہ مسلم من حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتم منہ، قالہ المنذری (مختصراً)

## باب فی الغیل

جس کو غیلہ بھی کہتے ہیں اس کی تفسیر لگے کتاب میں آرہی ہے، قال مالک: الغیلۃ ان یمس الرجل امرأته  
وہی ترضع، یعنی جو عورت دودھ پیتے بچہ والی ہو شوہر کا اس سے صحبت کرنا، کیونکہ وطی کے بعد اگر وہ عورت حاملہ ہوگئی  
تو حمل سے دودھ فاسد ہو جاتا ہے پس اگر وہی دودھ وہ عورت اس بچہ کو پلاتی ہے تب تو وہ اس کے حق میں مضر ہوگا اور  
اگر نہیں پلاتی تو وہ بھوکا رہے گا۔

عن اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم یقول لا تقتلوا اولادکم مسراً فان الغیل یدرک الفارس فید عشرة عن فرسہ۔  
یہ حضرت اسماء کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو فعل غیل کے ذریعہ، اس سے مراد وہی غیل ہے چنانچہ  
آگے فرماتے ہیں کہ غیل ایسی مضر چیز ہے کہ وہ گھوڑے سوار کو اس کے گھوٹے سے بچھاڑ دیتی ہے، اگر دیتی ہے، یعنی بچہ  
کے اندر غیل کا اثر اس کے بڑے ہونے کے بعد بھی نہیں جاتا، اسکے اثر سے اچانک کوئی خاص کمزوری پیدا ہو جاتی ہوگی  
جس کی وجہ سے وہ دفعۃً سواری پر سے گر پڑتا ہے، جیسے مرگی کا مریض ہوتا ہے کہ اچانک بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔

اسکے بعد جو دوسری حدیث آرہی ہے حدیث جدامہ عن جد امہ الاسدیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: لقد هممت ان انہی عن الغیلۃ حتی ذکرمت  
ان الروم والفارس یفعلون ذلک فلا یضر اولادہم۔ اس کا مضمون اس حدیث اسماء کے خلاف ہے کیونکہ اس کا  
مضمون یہ ہے: آپ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا غیل کی ممانعت کا لیکن پھر میرے ذہن میں یہ آیا کہ اہل روم اور فارس  
تو ایسا کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ (اسلئے نہی کا ارادہ ملتوی کر دیا)

یہاں پر یہ دو حدیثیں ہیں ایک حدیث اسماء دوسری حدیث جدامہ، ان دونوں  
حدیث اسماء اور حدیث جدامہ میں  
تعارض اور اس کی توجیہ  
میں دو حیثیت سے اختلاف اور تعارض ہے، اول یہ کہ حدیث اسماء سے معلوم  
ہوتا ہے غیل کا مضر ہونا اولاد کیلئے، اور حدیث جدامہ سے معلوم ہوتا ہے اس

کا غیر مضر ہونا، دوسرے اس حیثیت سے کہ حدیث اسماء میں نہی عن الغیل موجود ہے، اور حدیث جدامہ سے نہی کا منسفی  
ہونا معلوم ہوتا ہے (یعنی یہ کہ آپ نے منع کرنے کا صرف ارادہ فرمایا تھا جس کی نوبت نہیں آئی) ان دونوں میں تطبیق اس  
طرح دی گئی ہے کہ حدیث جدامہ مقدم ہے، وہ شروع کی ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کو پیش نظر

رکھتے ہوئے یہ سوچا کہ غیل مضر ہے، پھر جب آپ نے روم و فارس پر نظر ڈالی تو آپ نے اندازہ لگایا کہ مضر نہیں ہے پھر بعد میں آپ کو من جانب اللہ تعالیٰ مطلع کیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ وہ مضر ہی ہے لیکن فی بعض الاحیان اور باعتبار بعض امر جہ و طبائع کے، اسلئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں اس سے ہنسی فرمائی تشریہاً، اس تقریر کے پیش نظر یہ دونوں حدیثیں متفق ہو جاتی ہیں (بذل عن ابن سلمان)

حدیث اسما و اخرجہ ابن ماجہ، و حدیث جد امہ اخرجہ مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ قالہ المتذری۔

## باب فی تعلیق التماثر

تمام تمیمہ کی جمع کا قیل: و اذا المنیۃ انشبت الفکارها۔ الفیت کل تمیمہ لا تنفع

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول

ان الرفق و التماثر و التوکلہ شرک۔

**شرح الحدیث** رتی رقیہ کی جمع، فیض الباری میں لکھا ہے اور وہاں سے الابواب و التراجم میں نقل کیا گیا ہے کہ جو رقیہ شریعت کے موافق ہو اسکے بار میں کہتے ہیں دم کرنا اور جو خلاف شریعت ہو اس کا ترجمہ ہے نہ منتر۔ اور تمیمہ وہ کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھا ہوا جس کو لپیٹ کر گلے میں ڈالتے ہیں جو ہمارے یہاں تعویذ کے نام سے مشہور ہے اور قولہ یہ ایک خاص قسم کا منتر یا سحر ہے زوجین میں محبت پیدا کرنے کے لئے، عمل الحُب، حدیث میں ان سب کو شرک فرمایا گیا ہے، یعنی من افعال للمشرکین، کیونکہ ان کے یہاں ان چیزوں کا بہت زور تھا، یا اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے جبکہ ان چیزوں کو تاشرک کے اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ شرک سے مراد شرک خفی اور ترک توکل۔ آگے روایت میں ہے کہ راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود کی یہی زینب جنہوں نے اس حدیث کو ان سے روایت کیا وہ کہتی ہیں کہ جب انہوں نے مجھ کو یہ حدیث سنائی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں یعنی ان چیزوں کو ناجائز اور شرک کیوں کہہ رہے ہیں، واللہ ایک مرتبہ میری آنکھ دکھنے آرہی تھی جو ڈیڈ اور پانی بہاتی تھی تکلیف کی وجہ سے، تو میں نلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی جو اس آنکھ کو جھاڑتا تھا، پس جب وہ مجھ کو جھاڑتا تھا آنکھ میں سکون ہو جاتا تھا اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ شیطان کی حرکت تھی، شیطان تیری آنکھ میں چونکا مارتا تھا اپنی انگلی سے، پھر جب وہ یہودی اس کو جھاڑتا تھا (تو وہ شیطان تیرا عقیدہ فاسد کر نیکی لئے) مارنے سے رک جاتا تھا، اور پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر تم یہ دعا پڑھ کر جھاڑ لو تو کافی ہو جائے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، اذهب البأس رب الناس، اشف انت الشافی، لا شفاء الا شفاؤک، شفاء لا یغادر سقیماً۔

مصنف نے ایک باب تمام اور دو باب رقی سے متعلق قائم کئے ہیں، یہ باب تو تمام کا  
 چل رہا ہے جس کی حدیث میں تمام اور رقی دونوں مذکور ہیں، اسکے بعد باب آرہا ہے  
 "باب ماجاء فی الرقی" اور اس کے بعد پھر ایک اور باب آرہا ہے "باب کیف الرقی"۔

پہلے باب میں مصنف نے دونوں طرح کی روایات ذکر فرمائیں منع اور جواز، منع کی تو اوپر گزر چکی اور باب کی دوسری حدیث  
 میں ہے۔ عن عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا نرقی فی الجاهلیۃ، فقلنا یا رسول اللہ کیف تری

فی ذلک؟ فقال اعرضوا علیّ وراقوا، لا یاس بالرقی ما لم تکن شرکا۔

یعنی عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں کثرت سے منتر پڑھا کرتے تھے  
 تو اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان رقی کے بارے میں کیا فرماتے  
 ہیں؟ تو اس پر آپ نے فرمایا کہ اپنے رقی مجھ پر پیش کرو، یعنی دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ کونسا جائز ہے کونسا ناجائز، اور  
 سر دست آپ نے قاعدہ کے طور پر یہ بات فرمائی کہ رقیہ کے اندر کچھ مضائقہ نہیں اگر اس میں کچھ شرک کی بات نہ ہو، اس  
 حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، اور علماء نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ رقی دو طرح کے ہیں، رقی الجاہلیہ، اور رقی الاسلامیہ،  
 پہلی قسم ممنوع ہے اور دوسری جائز، جن رقی میں استعانت بالاسماء الشیاطین وغیرہ ہو یا جاذروں کے ناخن اور ہڈیاں وغیرہ  
 پر وک رہنے جاتے ہوں یا اعتقاد تاثیر ان کا شرک ہونا بدیہی ہے، ایسے ہی رقی کی حدیث میں مذمت اور ممانعت آئی  
 ہے اور جن رقی میں استعانت بالاسماء الحسنیٰ اور آیات قرآنیہ وغیرہ ہوں وہ اسلامی رقی ہیں ان کی تو حدیث میں  
 ترغیب آئی ہے، اسی طرح عم خارجہ اور ابو سعید خدری کی حدیثوں میں رقیہ کی تقسیم حق اور باطل کی تصریح مذکور ہے۔

فلعمری لمن اکل برقیۃ باطل لقد اکل برقیۃ حق، چنانچہ دوسرے باب جو مصنف نے قائم کیا ہے "باب  
 کیف الرقی" اس کا منشا یہی ہے کہ جب گذشتہ باب سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ رقی دونوں طرح کے ہوتے ہیں ممنوع  
 اور غیر ممنوع، جائز اور ناجائز، تو پھر وہ رقی جو جائز ہیں جن کو اختیار کرنا چاہیے وہ کیا ہیں، اس دوسرے باب میں اسی کا  
 بیان ہے جس میں مصنف نے اس سلسلہ کے اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کو بیان فرمایا ہے۔

تعلیق تمام کی حیثیت | نیز اسماء الحسنیٰ اور ادعیہ ماثورہ اور ایسے ہی آیات قرآنیہ جو مادہ ہے اسلامی رقی کا اس میں  
 بھی اصل ذکر و قرارت ہے یعنی زبان سے پڑھنا ادا کرنا نہ کہ تعلیق، یعنی لکھ کر گلے میں ڈالنا،

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تعلیق من طریق السنۃ نہیں ہے، اصل چیز ذکر و قرارت ہے "الا یہ کہ کوئی شخص  
 پڑھنے پر قادر نہ ہو ای ہو یا چھوٹے بچے کہ ان کے حق میں تعلیق بھی ثابت ہے چنانچہ باب کیف الرقی میں تیسری

حدیث میں یہ ہے جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم کان یعلمہم من القرع کلمات: اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وشر عبادہ

من همزات الشياطين وان يحضرون، وكان عبد الله بن عمرو يعلمهن من عقل من بنيه، ومن لم يعقل كتبه فاعلقه عليه یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھبراہٹ سے بچنے کے لئے یہ دعا سکھاتے تھے جو اوپر مذکور ہوئی تو اس بارے میں یہ صحابی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا کرتے تھے کہ اپنی بڑی اولاد کو تو یہ دعا یاد کراتے تھے اور جو چھوٹے بچے ہوتے تھے ان کے گلے میں لکھ کر ڈالتے تھے اس سلسلہ میں ہمارے مشائخ اور اکابر بھی یہی فرماتے تھے کہ اصل تو یہ دعائیں ہیں جو قرآن و حدیث میں آئی ہیں، ان کا پڑھنا اصل ہے، تعویذ وغیرہ کی اسکے سامنے کوئی حیثیت نہیں، الا ضرورۃ لہذا ان اذکار اور ادعیۃ ماثورہ کے یاد کرنے اور ان کے پڑھنے کا اہتمام ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بلا اور مصیبت سے بچنے کے لئے، ادھر ہر موقع اور محل کے اعتبار سے اسکے مناسب دعائیں تعلیم فرمائی ہیں جن کے اہتمام کرنے میں آدمی کی اپنی قلاح اور بہبود ہے۔

حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں ہے تعویذات کے بارے میں کہ جب کوئی طلب کرتا ہے تو میں لکھ تو دیتا ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلم چلاتا ہوں آگے کو لیکن وہ پیچھے کو ہٹتا ہے، یہ ہے غایت درجہ کے ایمان و اعتقاد کی مضبوطی لیکن مع الاعتدال، یعنی لکھ بھی دیتے ہیں نہ لکھنے پر مصر نہیں لیکن اندر سے دل نہیں مانتا، اصل چیز یہ ہے کہ اتباع سنت اعتدال کے ساتھ ہو، تشدد من طریق السنہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ ان تعویذات پر علی الاطلاق کفر و شرک کا حکم لگاتے ہیں واللہ تعالیٰ المستعان، والحیث اخبرہ ابن ماجہ عن ابن اخت زینب عنہا، قال المنذری۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا رقیۃ الا من عین او حمة، یعنی جھاڑ پھونک نہیں ہوتی مگر نظر بد کے اثر سے بچنے کے لئے، یا کسی زہریلے جانور کے ڈسنے کی وجہ سے مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزوں میں زیادہ مؤثر یہ بجائے علاج اور دوا کے پڑھنا اور دم کرتا ہے۔ والحیث اخبرہ الترمذی قال المنذری۔

## باب ماجاء فی الرقی

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه دخل علی ثابت بن قیس الوثی - یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے جب کہ وہ مریض تھے تو آپ نے یہ دعا ردی: اکشف الباس رب الناس عن ثابت بن قیس بن شماس اس کے بعد اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے وادی بطنین کی تھوڑی سی مٹی جس کو ایک پیالہ میں ڈالا، اور پھر آپ نے اس مٹی پر پانی ڈالتے ہوئے کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور اس کے بعد اس پڑھے ہوئے پانی اور مٹی کو مریض پر چھڑک دیا۔ والحیث اخبرہ النسائی مسنداً ومرسلاً، قال المنذری۔



اس کے بعد وہی عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اعرضوا علی رقاکم جس کا حوالہ اوپر آچکا۔  
اخر جہ سلم، قالہ المنذری۔

عن الشفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت دخل علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
وانا عند حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقال لی الا تعلمین ہذا رقیۃ النملۃ کما علمتہما الکتابۃ۔  
حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کا نام سلی لکھا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں حضرت حفصہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی کہ باہر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو  
یعنی حفصہ کو رقیۃ النملۃ کیوں نہیں سکھا دیتی، جس طرح تو نے اس کو لکھنا سکھایا ہے  
نملہ ایک بیماری ہے کہ آدمی کے پہلو میں پھنسیاں ہو جاتی ہیں، اس کا اس زمانہ میں کوئی خاص علاج پڑھائی سے تھا  
جس کو رقیۃ النملۃ کہتے تھے، اسکے الفاظ بزل میں یہ لکھے ہیں: العروس تحتفل وتختضب وتکتحل، وکل شیء تفتعل غیر ان لا  
تعصی الرجل۔

عورت کیلئے کتابت سیکھنا کیسا ہے؟ اس حدیث سے مستفاد ہوا ہے کہ عورتوں کو کتابت سکھانا جائز ہے اور  
یہ حدیث لا تعلمونہن الکتابۃ اس صورت میں ہے جبکہ تعلیم کتابت میں کسی  
فساد کا اندیشہ ہو (بزل) اور حاشیہ بزل میں یہ ہے کہ فتاویٰ حدیثیہ میں ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر تفصیل سے  
کلام کیا ہے یعنی تعلیم الکتابۃ للنسار اور ترجیح انہوں نے عدم اولویت کو دی ہے۔

سمعت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: مررت بسیل فدخلت فاغتسلت فیہ فخرجت محموما الخ۔  
سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میرا گدرا ایک سیل پر ہوا جس میں داخل ہو کر میں نے غسل کیا، جب  
میں اس سے باہر نکلا تو بخار چڑھا ہوا تھا۔ یہ بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی، آپ نے فرمایا سہل بن حنیف  
سے کہو کہ وہ اس کے لئے جھاڑ پھونک کرے۔

قالت نقلت یاسیدی والرقیۃ صالحۃ؛ فقال: لارقیۃ الا فی نفس او حمة اولدغۃ۔  
رباب کہتی ہیں کہ میں نے کہا یعنی سہل سے یاسیدی کیا جھاڑ پھونک جائز ہے؟ تو سہل بن حنیف نے فرمایا جس  
کا حاصل یہ ہے کہ۔ ہاں جائز ہے اس لئے کہ جھاڑ پھونک تو زیادہ تر نظر بد یا زہر ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اختلاف نسخ اور نسخہ صحیح کی تحقیق اسنن ابوداؤد کے تمام نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے جس کا وہی مطلب ہے جو  
لکھا گیا جس کا تعاضیہ ہے کہ یاسیدی کا مصداق سہل بن حنیف ہوں،  
اور متن حدیث: لارقیۃ الا فی نفس او حمة۔ یہ سہل بن حنیف ہی کا مقولہ ہو، اس صورت میں یہ حدیث موقوف ہو جائے گی،  
حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ حدیث مرفوع ہے، ہم نے مسند احمد کی طرف رجوع کیا اس میں لفظ: فقالت: نہیں ہے بلکہ اس طرح

طرح ہے، " فقال مروا باثابت يتعوز فقلت يا سيدي والرقية صالحة قال لارقية الاني حمة الحديث، اس صورت میں نقلت، کا قائل سہل بن حنیف ہونگے، اور، سیدی، کا مصداق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے، اور اس صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی، اور ہونا بھی اس طرح چاہیے، لہذا ابوداؤد کے نسخہ میں لفظ، "قالت" صحیح نہیں، یا تو سرے سے یہ لفظ ہو ہی نہ، اور اگر ہو تو، "قال" ہونا چاہیے (من البذل) شیخ محمد عوامہ نے بھی اپنی تعلیق میں حضرت کی رائے کی تصویب کی ہے اور مزید نسائی کی روایت کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں بھی، لفظ "قالت" نہیں ہے، اور صاحب، "عون المعجوز" نے نقلت، "کا قائل تو سہل ہی کو قرار دیا، اور، یا سیدی، کا مصداق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لیکن انہوں نے ابوداؤد کی روایت میں جو لفظ، "قالت" ہے اس کو بھی باقی رکھتے ہوئے، "قالت" سے پہلے، "قال" مقرر مانا ہے تاکہ "قالت" کا قائل سہل ہی رہے، ورنہ ظاہر عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ "قالت" کا قائل رباب ہوں، مگر بجائے اس تاویل کے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ابوداؤد کی روایت میں، "قالت" من غلط الناسخین ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ مسند احمد اور نسائی کی روایت میں لفظ "قالت" موجود نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لفظ "سید" کا ثبوت بہت سے حضرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی سبابت سے لفظ بڑھاتے ہوئے قائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہ کرام سے سید کا لفظ بڑھاتے ہوئے قائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہ کرام سے آپ کے حق میں سید کا استعمال منقول نہیں دیکھے اس حدیث میں آپ کے حق میں سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں یا سیدی موجود ہے۔ والحديث اخرجه النسائي، قال المنذرى۔

باب کی آخری حدیث میں ہے: لارقية الامن عين او حمة اوديم يرقا، دم سے مراد رفاف، نکسیر یعنی نکسیر کے لئے جب رقیہ کیا جاتا ہے تو وہ دم رک جاتا ہے۔

## باب كيف الرقي

حصول صحت وازالة مرض كليلين چند مخصوص دعائیں | اس باب پر کلام شروع میں آچکا، اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ

لہ وہ اس تاویل پر بظاہر اس لئے مجبور ہوئے کہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ لفظ، "قالت" جس طرح تمام نسخ ابوداؤد میں ہے اسی طرح مسند احمد کی روایت میں بھی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، حضرت بذل میں فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے مسند احمد کا نسخہ موجود ہے اس میں لفظ، "قالت" ہے ہی نہیں اور مزید برآں شیخ محمد عوامہ نے لکھا اپنی تعلیق میں کہ نسائی کی روایت میں بھی لفظ "قالت" نہیں ہے، لہذا بجائے صاحب عون کی تاویل کے یہ کہا جا کہ اس روایت میں لفظ "قالت" درج نہیں ہے اس مسئلہ میں حضرت اقدس سہانپوری کا مدینہ منورہ میں قاضی القضاة عبد اللہ بن بلید سے ملک عبد العزیز کی موجودگی میں حرم شریف میں مباحثا ہوا تھا حضرت نے روایات سے ثابت فرمایا تھا جس کو ملک نے بھی تسلیم کیا تھا، یہ واقعہ تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہے۔

نے بعض منتخب احادیث جن میں بہت مفید اور جامع دعائیں ہیں اوجاع و امراض کیلئے ان کو جمع کر دیا ہے، ان سب کو یاد کرنا چاہیے ہم یہاں صرف وہ دعائیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ، مُدْهِبُ الْبِأْسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّاقِيَ، لَامِثَانِي الْإِثْمَانِي، اشْفِهِ شِفَاءً لَا يَغَادِرُ سَقَمًا

(۲) اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ (اور ترمذی کی روایت میں "وسلطانہ" بھی ہے) مِنْ شَرِّ مَا جَدَّ، اس دعا کے بارے میں حدیث میں یہ ہے کہ بدن کے جس حصہ میں درد اور بیماری ہو اس پر دائیں ہاتھ سے مسح کرتا رہے اور سات بار اس دعا کو پڑھے۔

(۳) رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، كَمَا رَحِمْتَكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ

رَحِمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، اغْفِرْ لَنَا حَوِينَا وَخَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحِمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَيَّ هَذَا الْوَجَعِ -

بدن کے جس حصہ میں درد ہو اس پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھی جائے، حدیث میں ہے "فیبراً، کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

(۴) اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَإِنْ يَحْضُرُونَ،

اس دعا کے بارے میں یہ ہے کہ گھبراہٹ کے وقت میں اس کو پڑھا جائے، جیسے بعض مرتبہ بچے اور بڑے بھی رات کے وقت میں سوتے سوتے یا جاگتے ڈر جائیں تو اس کو پڑھا جائے، اور چھوٹا بچہ ہو تو اس کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر بطور تعویذ کے ڈال دیا جائے، یہ مضمون شروع میں گذر بھی چکا۔

(۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِلْإِنْسَانِ إِذَا اشْتَكَى

يَقُولُ بِرِيقِهِ، ثُمَّ قَالَ بِنِي التَّرَابِ تَرِبَةً أَرْضَنَا بِرِيقَةٍ بَدْنَا بِشَفِي سَقِيمًا بِأَذْنِ رَبِّنَا -

**شرح الحدیث** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کسی آدمی کو کوئی شکایت (تکلیف) ہوتی کسی مرض یا زخم وغیرہ کی، تو آپ اس کو یہ طریقہ بتلاتے کہ اپنی شہادت کی انگلی پر اپنے منہ کی رال لگا کر

اس کو مٹی پر رکھے۔ جس سے اس کی انگلی پر مٹی لگ جائے اور پھر اس انگلی کو تکلیف کی جگہ رکھ کر مسح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے، جو اوپر مذکور ہے۔ اور بخاری کی روایت میں اس دعا کے شروع میں لفظ "بسم اللہ" بھی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی یہی شرح کی ہے جو ہم نے لکھی ہے اور انگلی پر مٹی لگانا غالباً یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یا اللہ تیری قدرت تو بہت بڑی ہے کہ تو نے اتنا عالی شان انسان اس مٹی سے پیدا کیا ہے،

پھر تیرے لئے شفا دینا کیا مشکل ہے۔

**تخریج الاحادیث** | الحدیث الاول الخریج البخاری والترمذی والنسائی، والثانی الخریج مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحو

والثالث اخرجہ النسائی، والرابع اخرجہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی حسن غریب، والخامس اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔

اس کے بعد کتاب میں عم خارجہ کی حدیث اور پھر اس کے بعد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث کا تعلق رجل مجنون مؤثق یا الحدیث سے ہے اور دوسری کا تعلق لدیغ سے جن میں سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا مذکور ہے، اور پھر ان دونوں کا شفا یاب ہو جانا اور پھر ان دونوں صحابیوں کا اس جھاڑ پھونک پر ان سے معاوضہ لینا، اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس اخذ معاوضہ کی اجازت دینا مذکور ہے، یہ دونوں حدیثیں کتاب الاجارہ میں "باب اجرة الطیب" کے ذیل میں گذر چکی ہیں، اس حدیث میں یہ بھی ہے: فلعمری لمن اکل برقیة باطلی۔ لفتد اکت برقیة حق، اس پر ابن رسلان شارح ابی داؤد لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس بات پر کہ رقیہ دو قسم پر ہے حق اور باطل، حق وہ ہے جو کتاب و سنت اور ذکر اللہ کے ذریعہ ہو، اور جو اسکے علاوہ کسی اور چیز سے ہو یا کسی ایسی چیز سے ہو جس کے معنی نہ معلوم ہوں تو وہ جائز نہیں لاجہل ان یكون فیہا کفر (ہذا)۔

وقال ایضا: وفي الحدیث اعظم دلیل علی انه یجوز الاجرة علی الرقی والطب  
كما قال الشافعی و مالک و ابو حنیفة و احمد، واما الاجرة علی تعلم القرآن فاجازها

الجمهور بهذا الحدیث و بروایة البخاری ان الحق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ و حرمة ابو حنیفة اہ قلت و لکن اجازہ متاخر و الحنفیة للضرورة (ہذا) قلت و قد تقدم دلیل ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاجارہ من حدیث عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فیہ: ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلها و ترجم علیہ المصنف "باب اجر المعلم"۔  
حدیث عم خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی، و حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قال المتذری۔

عن سہیل بن ابی صالح عن ابيہ قال سمعت رجلا من اسلم الخ۔

ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص سے سنا جو کہتا تھا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا، ایک صحابی نے آپ سے آکر عرض کیا کہ رات میرے ایک زہریلے جانور نے کاٹ لیا جس سے مجھے صبح تک نیند نہیں آئی، آپ نے پوچھا کیا جانور تھا، انہوں نے عرض کیا بچھو تھا آپ نے فرمایا: خیر دار اگر تو شام کے وقت یہ دعا پڑھ لیتا: اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو تجھ کو کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکتی تھی۔

اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے: لم یلدغ، اولم یضرة، شک راوی کے ساتھ کہ آپ نے یا تو یہ فرمایا کہ وہ زہریلا جانور ڈستا ہی نہیں، اور یا یہ فرمایا کہ ضرر نہ پہنچاتا، اس میں دونوں احتمال ہیں ایک تو یہی کہ وہ ڈستا ہی نہیں دوسرا یہ کہ اگر ڈستا بھی تو ضرر نہ پہنچتا۔

الطریق الاول من هذا الحدیث اخرجه مسلم والنسائی مسنداً ومرسلًا، وابن ماجه، قال المنذرى (مختصراً) والطریق الثانی  
اخرجه النسائی من طرق، قال المنذرى (مختصراً)

باب کی آخری حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت جب ناساز ہوتی تو آپ سر اعمود تین پڑھتے اور پڑھ کر دم کرتے اپنے اوپر (اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھوں پر دم کر کے پھر ان کو اپنے جسم مبارک پر جہاں تک پہنچتے پھیر لیتے) وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کو آخر وقت میں تکلیف شدید ہوئی تو میں ایسا کرتی کہ معوذات پڑھ کر آپ کے دست مبارک پر دم کر کے اسی کو آپ پر پھیر دیتی، بجائے اپنا ہاتھ پھیرنے کے آپ کے دست مبارک کی برکت کیلئے۔ والحدیث اخرجه البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

### باب فی السُمْنَةِ

سُمْنَةُ یعنی فریبہ کرنے والی دوا یا غذا، مضمون حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میری رخصتی سے پہلے میری والدہ نے مجھ کو فریبہ کرنے کی بہت کوشش اور تدابیر کیں مگر میری طبیعت نے کوئی تدبیر قبول نہیں کی، پھر اخیر میں انہوں نے مجھ کو لکڑی اور رطب کھلائی، اس علاج کو میری طبیعت نے قبول کیا جس سے میں بہت اچھی فریبہ ہو گئی۔ لڑاکی کو نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے اگر وہ کمزور اور پتلی دہلی ہو تو اس کی والدہ کو فکر ہو کر ہوا کرتی ہے اور اس کیلئے ایسی تدبیریں کرتی ہے جس سے اس میں قوت اور فرہمی سی آجائے، ہمارے اطراف میں یہ بات مشہور سی ہے کہ اس کے لئے دودھ جلیبی کھلاتی ہیں۔ والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قال المنذرى (مختصراً)

### باب فی الکھَانِ

بعض نسخوں میں اس سے پہلے، کتاب الکھانۃ والمطیرہ ہے۔

من اتى كاهنا فصدقه بما يقول او اتى امرأته حائضاً او اتى امرأته فی دبرها فقد برئ

مما أنزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس حدیث کے تین جز ہیں کاهن کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرنا، اور اپنی بیوی سے حالت حیض میں وطی کرنا اور تیسرے دہلی فی الدبر اور ان تینوں کے بارے میں آپ نے بڑی سخت وعید فرمائی کہ ایسے شخص نے قرآن اور وحی کا انکار کر دیا۔ بدلہ میں ہے و هذا محمول علی المستحل او تغلیظ۔ وطی فی حالۃ الحيض، یہ مسئلہ کتاب الطہارۃ میں، اور دہلی فی الدبر کا کتاب النکاح میں گذر چکا، کو کب درمی ص ۸۲ میں لکھا ہے: قوله من اتى كاهنا۔ الی آخرہ۔ کاهن کے پاس جانے سے مراد جو غیب کی باتیں وہ بتلاتے ہیں اس کی تصدیق کرنا ہے، صرف اسکے پاس جاننا نہیں، مثلاً کوئی شخص کسی ضرورت سے اس کے پاس جائے



یا اسکی تکذیب اور تکبیر کیلئے جائے، یا اس کے ساتھ استہزار اور سخریہ کی نیت سے جائے تو یہ اس میں داخل نہیں، بلکہ اگر یہ سمجھ کر بھی جائے کہ جنات ان کا ہونے کو خبریں دیتے ہیں، اور بعض خبریں ان کی صادق ہوتی ہیں اور بعض کاذب، تب بھی اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔ والحديث أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

## باب فی النجوم

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر، زاد ما زاد۔

جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا تو اس نے سحر کا ایک حصہ حاصل کیا، اب وہ علم نجوم کی تحصیل میں جتنی زیادتی کرے گا وہ گویا علم سحر ہی میں زیادتی ہوگی، اور یہ ظاہر ہے کہ تعلیم سحر اور عمل بالاسحر دونوں حرام ہیں، پس ایسے ہی تعلیم نجوم بھی حرام ہوا۔ اس علم نجوم سے مراد جس پر وعید ہے وہ ہے جس کی وجہ سے آدمی حوادث کے علم کا دعویٰ کرتا ہے جو اب تک واقع نہیں ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں، ہواؤں کا چلنا یا بارش کی اطلاع اور اشیا کے ترخ میں کمی زیادتی وغیرہ وغیرہ اور جیسا کہ یہ اہل نجوم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو کوکب کی سیرت سے جان جاتے ہیں، حالانکہ آئندہ ہونے والے امور کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، اور اس طرح کا علم نجوم جس سے اوقات کا علم ہو جائے، زوال کا نیز جہت قبلہ کا یہ اس میں داخل نہیں (بذل عن ابن رسلان) والحديث أخرجه ابن ماجہ، قاله المنذری۔

عن زید بن خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انه قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

صلا لا الصبح بالحديبية في اثتر سماء كانت من الليل الخ

**مضمون حدیث** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موضع حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات میں بارش ہو چکی تھی نماز سے نارغ ہو کر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا، پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، اصبح من عبادی مؤمن بنی دکان کہ میرے بندوں میں سے بعض نے کفر کے ساتھ صبح کی اور بعض نے ایمان کے ساتھ، جن لوگوں نے بارش برسنے پر یہ کہا، مطرنا بفضل اللہ ورحمته، تو یہ شخص تو مجھ پر ایمان رکھنے والا ہے اور کوکب کا انکار کرنے والا ہے، اور جس شخص نے یہ کہا: مطرنا بنوء کذا وکذا، کہ ہم پر سائے گئے فلاں ستارہ کے طلوع اور غروب ہونے کی وجہ سے، تو یہ شخص میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور کوکب پر ایمان لانے والا، یہ وعید اس صورت میں ہے جبکہ کوکب کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا ہو کہ یہ بارش اسی کی وجہ سے ہوئی ہے جیسا کہ بعض جاہل منجمن سمجھتے ہیں، اور اگر اس اعتقاد کے ساتھ نہیں کہا بلکہ خالق مطر اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اسکے باوجود یہ کلام دوسروں سے سن کر ان کے دیکھا دکھی کہہ دیا تو پھر کافر نہ ہوگا صرف خطا ہوگی۔

اس حدیث کی شرح امام نووی نے اس تفصیل کے ساتھ کی ہے: مطرنا بنوء کذا، نور کی جمع النوار اس کا اطلاق

نجم (ستارہ) پر بھی ہوتا ہے لیکن اصل لغت کے اعتبار سے یہ نور مصدر ہے ناره نوراً کا جس کے معنی غروب اور طلوع دونوں آتے ہیں، یہ اٹھائیس ستارے ہیں جن کے اٹھائیس ہی مطالع ہیں جن سے وہ سال بھر میں طلوع ہوتے رہتے ہیں علماء ہیئت کہتے ہیں کہ ان ستاروں میں سے ہر ستارہ ہر تیر ہویں شب میں طلوع فجر کے وقت بجانب مغرب ساقط (غروب) ہوتا ہے اور اسی وقت فوراً اسکے بالمقابل مشرق میں دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے سال بھر میں اسی طرح یکے بعد دیگرے یہ تمام ستارے طلوع ہوتے رہتے ہیں مشرق میں طلوع ہوتا ہے اور دوسرا مغرب میں غروب ہوتا ہے ہونیوالوں کو انوار بولا جاتا ہے، اور طلوع ہونے والوں کو یوارح کہا جاتا ہے، تو جس وقت یہ ستارہ تیر ہویں شب میں طلوع ہوتا ہے تو اگر اتفاق سے اس وقت بارش ہوتی ہے تو اس کو اسی ستارے کی طرف منسوب کرتے ہیں بعض نسبت طلوع ہونے والے کی طرف کرتے ہیں اور بعض غروب ہونے والے کی طرف کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم قالہ النووی فی شرح مسلم۔ (تحفہ الآخوڑی) والحديث اخرجه البخاري ومسلم والنسائي نحوه، قاله المنذري۔

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: العيافة والطيرة والطرق من الجبوت الطروق الزجر، والعيافة الخط، یہ تفسیر امام ابوداؤد کی طرف سے ہے کہ طرق سے مراد زجر یعنی زجر الطیر یعنی پھٹے ہوئے پرند کو اڑانا قال لینے کینے، اور عیافہ سے مراد خط یعنی علم رمل، اور اسکے بعد والی روایت میں یہ تفسیر اسکے برعکس آرہی ہے۔ والحديث اخرجه النسائي، قاله المنذري۔

### باب فی الطیرة

الطيرة شرك، انطيرة شرك، ثلاثا، وما منا الا، ولكن الله يذهب به بالتوكل یعنی آپ نے تین بار ارشاد فرمایا، الطيرة شرك، کہ بدشگونی شرک ہے، اور پھر آگے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی نہیں ہے ایسا جس کو کسی قدر بدفالی کا خیال نہ آتا ہو، ذرا اور سا خیال شروع میں آتا ہی ہے یعنی قبل التامل، لیکن جو مومن ہوتا ہے اس کو چونکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہوتا ہے اسلئے اس کا توکل اسکے اس خیال کو ہٹا دیتا ہے، یعنی وہ اپنی بدشگونی پر چلتا نہیں، وما منا کی خیر عبارت میں مقدر ہے ای واما اعداؤا ويعتره شئ منة، احترام یعنی پیش آنا۔ والحديث اخرجه الترمذی وابن ماجه، قاله المنذري۔

عن معاوية بن الحكم السلمي رضي الله تعالى عنه قال قلت يا رسول الله! ومن ارجال يخطون الخ۔ یہ حدیث کتاب الصلاة میں گذر چکی، والحديث اخرجه مسلم والنسائي بطول، قاله المنذري۔

عن ابی هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: لا عدوى ولا صفر ولا هامة فقال اعرابي: ما بال الابل تكون في الوصل كانتها الطيباء فيخالطها البعير الاجرب فيجد بها، قال فمن اعدى الاول۔

**مضمون حدیث** | عدوی کے معنی ایک کی بیماری کا دوسرے کو لگ جانا جیسا کہ بعض امراض کے بارے میں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مرض متعدی ہے ایک کا دوسرے کو لگتا ہے، مثلاً خارش، تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے ایسا نہیں اس پر ایک اعرابی نے آپ سے سوال کیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بہت سے اونٹ جو ریگستان میں گھومتے پھرتے ہیں صاف ستھرے پر نیوں کی طرح خوبصورت، تو اگر ان میں کوئی خارشتی اونٹ پہنچ جاتا ہے تو وہ کبھی کو خارشتی کر دیتا ہے، آپ نے اس سائل کے جواب میں فرمایا کہ وہ بعینہ جسکے اختلاط سے اس کی خارش دوسروں کو لگی ہے، اسکے کس کی خارش لگی تھی؟ اس کو تو کسی کی نہیں لگی تھی، خارش کی تو ابتداء اسی سے ہوئی ہے، اس پر سائل خاموش ہو گیا۔

قال معمر قال الزهري: فحدثني رجل عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه انه سمع النبي صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم يقول: لا يوردن ممرض على مصيح، قال فراجع الرجل الى

**وہ حدیث جس کو ابو ہریرہ بیان کر کے بعد بھول گئے** | امام زہری فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی تھی۔

لا یوردن الخ، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اونٹ بیمار ہوں اس کو چاہیے کہ اپنے اونٹوں کو اس شخص کے اونٹوں میں نہ ملائے جس کے اونٹ تندرست ہیں، اس شخص نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث سنی کے بعد یہ سوال کیا بطور اشکال کے آپ تو مجھ سے پہلے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں: لا عدوی ولا صفر ولا هامة، مطلب یہ ہے کہ اب جو حدیث آپ مجھ کو سنارہے ہیں یہ آپ کی بیان کردہ گذشتہ حدیث کے خلاف ہے، تو اس پر حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ یہ حدیث میں نے تم سے نہیں بیان کی یعنی لا عدوی ولا صفر، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان ہی کی بیان کردہ ہے جیسا کہ اوپر متن میں گذرا، اسی لئے آگے امام زہری ابو سلمہ سے نقل کرتے ہیں: وما سمعت ابا هريرة نسي حدیثا قط غیرہ کہ کبھی ابو ہریرہ کسی حدیث کو نہیں بھولے بجز اس حدیث کے (لا عدوی ولا صفر)

اس حدیث میں تین چیزیں پہلا لا عدوی جس کو ہم بیان کر چکے: دوسرا لا صفر اور تیسرا لا هامة، اس دوسرے اور تیسرے دونوں کی تفسیر اگلی روایات میں آرہی ہے۔

والحدیث الخرجہ البخاری وسلم مطولا مختصرا، قال المستذری۔

**دو متعارض حدیثوں میں تطبیق** | لا عدوی کے بارے میں یہ مشہور اشکال ہے کہ یہ اس دوسری حدیث کے خلاف ہے  
فتر من المعجذوم فرارک من الاسد، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرض

جذام امراض متعدیہ میں سے ہے، ایک کا دوسرے کو لگتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے، اس کے درجواب میں اول یہ کہ لا عدوی سے مقصود مطلق اعدا کی نفی نہیں ہے بلکہ تاثیر کی نفی مقصود ہے، یعنی ایک شخص کا مرض دوسرے کو خود بخود نہیں لگ سکتا بغیر اللہ کے اذن اور امر کے، وہ جب چاہتے ہیں جب ہی لگتا ہے۔ اور بعض امراض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عادت

جاری ہے کہ وہ ان کو لگا دیتے ہیں اور جذام بھی ان ہی میں سے ہے لہذا تقدیر الہی سے ڈرتے ہوئے اس سے بچنا چاہیے، اور دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ لا عدویٰ والی حدیث تو اپنے عموم پر ہے مطلقاً کوئی بیماری کسی کی دوسرے کو نہیں لگتی، اور یہ دوسری حدیث جذام والی یہ سرد ذرائع پر محمول ہے یعنی مجذوم سے بھاگنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا جا رہا ہے کہ جذام کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے بلکہ فساد عقیدہ سے بچنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ اس کے قریب مت جاؤ، ایسا نہ ہو کہ کوئی بتقدیر الہی جذام میں مبتلا ہو اور وہ یہ سمجھے کہ میں چونکہ مجذوم کے قریب گیا تھا اس لئے اسکی بیماری لگ گئی۔ یہ تعارض اور جواب کی بحث تم شرح نمبر کے اندر بھی پڑھ چکے ہو، اور ایک جواب اس تعارض کا یہ بھی دیا گیا ہے، کہا ذکرہ المنذری فی الخقمہ کہ احتیاط اور احتراز کی روایت، لا یوردن، اور فر من المجذوم، وغیرہ منسوخ ہیں، لا عدویٰ والی حدیث ان کے لئے ناسخ ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: لا غول۔  
غول جس کی جمع غیلان آتی ہے جن ہی کی ایک قسم ہے جس کے بارے میں اہل جاہلیت خیال رکھتے تھے کہ اس کیلئے اضلال اور ہلاک میں تاثیر ہے یعنی جنگل میں تہنا آدمی کو راستہ سے ہٹا دینا گم کر دینا اور یہ کہ وہ مختلف صورتوں میں متشکل ہوتی ہے ہندوستان میں تو اب بھی یہ غول بیابانی کے نام سے مشہور ہے اور اس سے لوگ ڈرتے ہیں۔ لیکن حدیث سے مقصود اس کے وجود کی نفی نہیں بلکہ تاثیر کی نفی ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ اذان سے وہ بھاگتی ہے، اور اس سے بچنے کیلئے اذان دیجائی۔

قال ابو داؤد: قرئ علی العارث بن مسکین وانا شاهد اخبارکم اشہب قال سئل مالک عن قولہ:  
لاصفرا۔ امام ابو داؤد اپنے استاد حارث بن مسکین سے اسندہ نقل کرتے ہیں کہ امام مالک کے مشہور شاگرد اشہب فرماتے ہیں امام مالک سے سوال کیا گیا۔ لاصفر کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا کہ اہل جاہلیہ محرم کو صفر کا ہینہ قرار دے کر اس کو حلال قرار دیتے تھے، یعنی وہی جس کو نسئی سے تعبیر کیا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی نفی فرما رہے ہیں کہ یہ غلط ہے اور نسئی ناجائز ہے۔

قرئ علی العارث بن مسکین، کتاب الخراج میں بھی ایک دو جگہ آیا ہے یہ وہی حارث بن مسکین ہیں جن سے امام نسائی بھی بکثرت روایت کرتے ہیں، اور ایک خاص طریقہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی اخبار اور حدیث کے علاوہ اس طور پر کہ حارث بن مسکین کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی جسوقت مجلس میں میں بھی موجود تھا، اس کے بارے میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ امام نسائی سے یہ ناراض تھے ان کو ان سے رنجش تھی اس لئے امام نسائی مجلس میں سامنے نہیں آتے تھے، ایک گوشہ میں بیٹھ کر سن لیا کرتے تھے مجھے یہاں پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابو داؤد کے ساتھ بھی ان کو اسی طرح رنجش تھی، اور اسی لئے قرأت کرنے والا دوسرا ہوتا تھا اور امام ابو داؤد صرف سننے والوں میں ہوتے تھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والفأل الصالح الکلمۃ الحسنۃ، یعنی اسلام میں بدشگونئی تو نہیں ہے ہاں نیک فالی ہے، جیسے

گھر سے نکلے اور کوئی ایسا شخص سامنے کو گذرا جس کا نام سہیل ہے تو اس سے سہولت کی قال نکال لینا کہ جس کام کے لئے ہم گھر سے نکلے ہیں اس میں ان شاء اللہ تعالیٰ سہولت رہے گی۔ والنحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

قلت لمحمد بن راشد قوله هامة قال كانت الجاهلية تقول ليس احد يهوت فيدفن الا خرج من قبره هامة -

**شرح الحدیث** | هامة لغت میں اس پرند کو بھی کہتے ہیں جس کا نام اُو ہے، اور ہامہ کے معنی لغت میں کھوپڑی کے بھی آتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا قصاص اور خون بہا نہیں لیا جاتا تو

اس کے دفن کئے جانے کے بعد اسکے سر میں سے اُو نکل کر آتا ہے (قبر چیر کر) اور شہر میں آکر کسی اونچے مکان کی چھت پر بیٹھ کر رات کے وقت میں چیخا رہتا ہے، اور گویا وہ اپنی زبان میں یہ کہتا رہتا ہے: اسقونی اسقونی کہ مجھ کو قاتل کا خون پلاؤ، گویا جب تک اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا میں یہاں سے نہیں اٹوں گا، اس جانور کو صدی بھی کہتے ہیں مصباح اللغات میں لکھا ہے کہ اُو کی ایک قسم ہے جس کا سر بڑا ہوتا ہے اور وہ اجاڑ اور تاریک مقامات میں رہا کرتا ہے، اس کا نام ہامہ بھی ہے جس طرح ہامہ کے معنی کھوپڑی کے آتے ہیں صدی کے بھی لغوی ایک معنی دماغ کے لکھے ہیں اسکے بعد

والی روایت میں آرہا ہے کہ ابن جریر نے اپنے استاد عطاء سے سوال کیا: قلت فما الهامة؟ قال يقول ناس: الهامة التي تصرخ هامة الناس وليست بهامة الانسان انما هي دابة، یعنی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اُو چیختا ہے جس کا نام ہامہ ہے یہ ہامة الناس ہے یعنی آدمی کی کھوپڑی ہے (الهامة التي تصرخ موصوف صفت سے مل کر مبتدأ اور اور هامة الناس اس کی خبر) حالانکہ یہ انسان کی کھوپڑی نہیں ہے یہ تو ایک جانور ہے اور پرند ہے۔

پھر آگے اس روایت میں صفر کے بارے میں سوال ہے تو انہوں نے یعنی محمد بن راشد نے جواب دیا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ بعض اہل جاہلیت صفر کے مہینے سے بدشگونی لیتے تھے اور اس کو نام مبارک سمجھتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا صفر کہ اسلام میں ایسا نہیں ہے، یہ مہینہ نام مبارک نہیں ہے، پھر اسکے بعد محمد بن راشد نے اس کی ایک تفسیر اور نقل کی کہ بعض لوگ صفر کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک پیٹ کی تکلیف کا نام ہے جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ تکلیف دوسروں کو لگتی ہے اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاہ صفر۔

ذکرت الطيرة عند النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال: احسنها الفأل، ولا ترد مسلما.

طيرة جنس کا درجہ ہے مطلق فال نکالنے کو کہتے ہیں اچھی ہو یا بری، اور فال کا استعمال بطور نوع کے اچھی فال میں ہوتا ہے اس لئے آپ کے سامنے جب طیرہ کا ذکر آیا تو آپ نے فال حسن کی تحسین فرمائی کہ وہ اچھی چیز ہے اسلام اس کو پسند کرتا ہے بخلاف فال بد کے، اور پھر فرماتے ہیں: ولا ترد مسلما کہ آدمی کو اپنی فال بد پر نہیں چلنا چاہیے، اور کسی مسلمان کو فال بد کی وجہ سے اپنے کسی کام سے رکتا نہیں چاہیے، یعنی اول تو فال بد یعنی ہی نہ چاہیے اگر اس کا خیال دل میں آئے بھی بے اختیار تو پھر وہ اس کام سے مانع نہیں ہونی چاہیے جو پیش نظر ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا: وما منا الا



ولكن الله يذهب بالتوكل-

پھر آگے حدیث میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے ناگوار چیز آئے (تو اسکے ضرر سے بچنے کیلئے) یہ پڑھنا چاہیے:

اللهم لا يأتي بالحسنات الا انت، ولا يدفع السيئات الا انت، ولا حول ولا قوة الا بك-

وكان اذا بعث عاملا سأل عن اسمه، واذا اعجبه اسمه فرح به ورؤي بشر ذلك في وجهه

وان كره اسمه رؤي كراهية ذلك في وجهه، یعنی جب آپ کسی عامل کو کسی جگہ بھیجے تھے تو اسکے روانہ ہونے سے پہلے اس کا نام دریافت فرماتے، اگر اس کا نام اچھا نکلتا تو آپ کو اس سے فرحت ہوتی اور اس کی خوشی آپ کے چہرہ سے ظاہر ہوتی (یہ تو نیک فال ہوتی) اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو اس کی ناگواری آپ کے چہرہ سے ظاہر ہوتی، یہ بظاہر بدفالی ہے، لیکن شرح نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ یہ اثر بدفالی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نیک فالی حاصل نہ ہونیکا یہ اثر ہوتا تھا۔ آگے حدیث میں اسی طرح اس بستی کے بارے میں بھی آرہا ہے جس میں آپ دوران سفر داخل ہوتے، اس پر بعض علمائے نے لکھا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اولاد اور خاندانوں کے لئے اچھے نام تجویز کرے تاکہ نیک فالی حاصل ہو۔

والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذرى-

عن سعد بن مالك رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يقول لا هامة

ولا عدوى ولا طيرة، وان تكن الطيرة في شئ ففي الفرس والمرأة والدار-

یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی ہے، آگے حدیث ابن عمر میں بھی یہی آرہا ہے۔

قال ابو داود..... اخبرك ابن القاسم قال سئل مالك عن الشوم في الفرس والدار قال كم من

دار سكنها قوم فهلكوا ثم سكنها آخرون فهلكوا فهذا تفسيره فيما نرى- والله اعلم-

روایات الباب میں دو حثیت سے

تعارض اور دونوں کا جواب

کیا گیا ہے۔ فرس، مرآة اور دار، لیکن پہلی حدیث میں استثناء بطور

تعلیق کے ہے الشوم في ثلاثة بظاہر یہ تعارض ہے اس کا ایک جواب تو یہی دیا گیا ہے کہ جہاں پر تعلیق نہیں ہے

وہاں بھی یہ حکم بطور تعلیق ہی کے ہے یعنی اگر بدفالی کسی چیز میں ہوتی تو وہ ان تین چیزوں میں ہوتی، مگر چونکہ اسلام میں

بدفالی کسی چیز میں بھی نہیں لہذا ان تین میں بھی نہیں، اور قرطبی کی رائے یہ ہے کہ تعلیق والی روایت مقدم ہے اس وقت

تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان اشیاء ثلاثہ میں تحقق شوم کا علم نہیں ہوا تھا، پھر آپ کو بعد میں جب اس کا

علم ہو گیا کہ ان تین میں ہوتا ہے تو پھر آپ نے بالجزم فرمادیا: الشوم في ثلاثة، اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان تین الطيرة

سے مقصود اظہار تردد و شک نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بھی اثبات ہی ہے علی وجه المبالغة جیسے یوں کہیں اگر میرا

دنیا میں کوئی دوست ہے تو وہ زید ہے اسی طرح یہاں اس حدیث میں مقصود یہ ہے کہ ان تین میں طہرہ بالضرور وبالیقین ہے یہ تو جواب ہوا ان دو مختلف روایتوں کا لیکن دوسرا اختلاف بھی باقی ہے کہ لاعدی ولاطییرۃ میں شوم کی علی الاطلاق نفی ہے اور اس حدیث میں ان اشیاء ثلاثہ میں شوم کا اثبات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین اس عموم نفی سے مستثنیٰ ہیں، لیکن اہل جاہلیت کے مسلک کے موافق نہیں کہ ان تین میں تاثیر مانی جائے فی حد ذاتہا، بلکہ اہل اسلام کے مسلک کے طریق پر کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے وہی بعض اشیاء میں نفع اور ضرر کی تاثیر پیدا کرتا ہے تو اسی نے ان تین میں بھی تاثیر ضرر کو پیدا فرمایا، اس رائے کو بالتحریح اختیار کرنے والے حضرت امام مالک ہیں جیسا کہ اوپر متن میں گذرا ہے کہ انہوں نے فرمایا دیکھتے نہیں ہو کہ کتنے ہی گھر ایسے ہیں کہ ان میں بہت سے آکر ٹھہرے سکونت اختیار کی لیکن ان کا ناس ہو گیا اور اجڑ گئے پھر دوسرے لوگ آکر ان میں رہے ان کا بھی یہی حال ہوا، یعنی بعض مکان اس طرح کے ہوتے ہی ہیں نہ لیکن امام مالک کا قول جو یہاں ابوداؤد میں مذکور ہے اوخر موطا میں جو باب ہے "ما یتقی من الشوم" کے عنوان سے وہاں انہوں نے یہ اشیاء ثلاثہ والی حدیث تو ذکر کی ہے لیکن ان کی یہ رائے اس جگہ موطا کے موجودہ نسخہ میں نہیں ہے بلکہ یہ غالباً موطا کی جو روایت ابن القاسم سے ہے اس میں ہوگی۔

امام ترمذی نے کتاب الآداب، باب ما جاز فی الشوم، میں اولاً حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الشوم فی ثلاثہ احادیث کے بارے میں فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح، وفی تحفۃ الاحوذی: واخرجه الشيخان، اسکے بعد ترمذی میں ہے: وقد روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال ان کان الشوم فی شئ فحق المرأة والدابة والمسکن، اس پر تحفۃ الاحوذی ۹۵ میں ہے رواہ الشيخان عن ابن عمر، وكذا عن سہل بن سعد۔

قلت يا رسول الله ارض عندنا يقال لها ارض ابين هي ارض ديفنا وميرتنا، وانها وبسته او  
ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری ایک زمین ہے جس کا نام ارض ابین ہے وہ ہماری کھیتی اور غلہ کی زمین ہے  
لیکن وہ جگہ وبائی ہے یعنی بیماریاں اس میں زیادہ رہتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دے۔  
فان من القرف التلن، قرف یعنی بیماری کا قرف اور اس کیساتھ خلط ملط ہونا، یعنی بیماری کے قرف میں بلاکت ہے۔  
اس حدیث کو لاعدوی کے خلاف نہ سمجھائے بلکہ یہ من باب الطب ہے یعنی آب و ہوا کی ناموافقت۔

۱۔ یہ تو شوم فی الدار ہوا لیکن شوم فی الفرس والمرأة کا انہوں نے بیان نہیں فرمایا، بعض علماء نے کہا کہ عورت کا شوم یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو اسکے اولاد نہ  
ہوتی ہو اور یہ کہ شوہر کے سامنے زبان درازی کرے۔ اور شوم الفرس یہ ہے کہ اس پر چھاونہ کیا جائے۔

۲۔ معلوم ہوا یہ دونوں روایتیں تعلق والی اور بغیر تعلق کے صحیحین کی ہیں، لہذا ان میں سے کسی ایک کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا اور تطبیق میں حدیث  
کی شکلیں وہی ہیں جو اوپر گذر چکیں۔

انا کنا فی دار کثیر فیها عددنا و کثیر فیها اموالنا فتحولنا الی دار اخری انو۔

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ جس گھر میں ہم پہلے رہتے تھے اس میں ہم خوب پھل پھول رہے تھے، ہمارے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اموال میں بھی کثرت تھی، اسکے بعد پھر جس گھر میں ہم منتقل ہوئے ہیں تو وہاں اگر ہمارے آدمیوں کی تعداد میں بھی کمی ہو گئی اور اموال میں بھی، آپ نے فرمایا: ذروها ذمیمة اس کی توجیہ بھی وہی کی گئی ہے جو اہل روای حدیث کی۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخذ بید مجذوم فوضعها

معه فی الفصعة وقال: کل ثقتہ باللہ وتوکل علیہ۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کھالے، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ توکل کا حکم آپ نے اس مجذوم کو کیوں فرمایا، اسلئے کہ اگر اس میں احتیاط کی احتیاج تھی تو آپ کو تھی نہ کہ اس مجذوم کو، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو تو یقین تھا کہ اسکے میرے ساتھ کھانے سے مجھ کو کوئی نقصان نہ ہوگا، لیکن اس کھانے والے مجذوم کو تردد ہو سکتا تھا کہ کہیں میرے ساتھ کھانے سے آپ کو ضرر لاحق نہ ہو جائے، اسلئے آپ نے توکل کی ہدایت اسی کو فرمائی (یعنی میرا فکر نہ کرو) کذا فی ہامش البذل عن الکوکب۔

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔ اخر کتاب الطب۔

## اول کتاب العتق

یہاں سے سنن ابوداؤد کا پچیسواں پارہ شروع ہو رہا ہے خطیب: ندادی کے تجزیہ کے اعتبار سے جنہوں نے اس سنن کو بیس اجزا میں تقسیم کیا ہے۔

اس کتاب کی کتاب الطب سے مناسبت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ طب میں ازالہ ہے مرض جسمانی کا اور عتق میں ازالہ ہے انسان کی غلامی کا، وہ بھی ایک طرح کا عیب اور مرض ہی ہے۔

عن عمر بن شعیب عن ابيہ عن جده عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: المکاتب

عبد سابق علیہ من کتابتہ درہم۔

مکاتبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے یہ کہے کہ میں اپنی غلامی سے اتنے مال کے عوض میں رہائی چاہتا ہوں جس کو میں کماتا کر بالاقساط ادا کرتا رہوں گا، اور اس کی اس بات کو مولیٰ منظور کر لے، تو اس حدیث میں یہ ہے کہ مکاتب جب تک اپنا پورا بدل کتابت ادا نہ کرے وہ آزاد نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر ایک درہم بھی باقی رہ جائے تب بھی آزاد نہ ہوگا اور اس پر عبد ہی کے احکام جاری ہوں گے، جمہور علماء و منہم الائمة الاربعہ کا مسلک یہی ہے، اس میں بعض علماء سے اختلاف منقول ہے، چنانچہ کتاب الدیات میں ایک حدیث آرہی ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال قرضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی دیرہ المکاتب یقتل: یوردی

ما دی من کتابہ دیۃ الحمر، وما بقی دیتہ المملوک۔ فی روایتہ۔ اذا اصاب المکاتب حد او ورت میراثا یرث علی قدر ما عتق منہ۔ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے، اس حدیث کی بنا پر برابر وہیم مخفی اور بعض صحابہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ مکاتب بدل کتابت کے ادا کے بقدر آزاد ہوتا رہتا ہے، مثلاً اگر اس نے نصف بدل کتابت کو ادا کر دیا تو اس مکاتب کا نصف آزاد ہو جائے گا اور نصف غلام ہی رہے گا، اور میراث اور دیت وغیرہ احکام میں اس کا اعتبار کیا جائیگا اور ایک قول اس میں بعض حنابلہ کا ہے کہ مکاتب بدل کتابت کے تین ربع ادا کرنے سے آزاد ہو جاتا ہے لیکن جمہور کا عمل حدیث الباب پر ہے اور یہی حدیث اولیٰ ہے اس دوسری حدیث سے، کیونکہ اس حدیث کی امت نے تلقی بالقبول کی ہے اور تقریباً تمام فقہار کا عمل اسی حدیث پر ہے، اور حضرت گسنگوی کی تقریر میں اس حدیث کی ایک توجیہ مذکور ہے جو اسی جگہ ان شاعر اللہ تعالیٰ آئے گی، حدیث عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ الاول سکت علیہ المنذری والشانی اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

سمعت ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول قال لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا کان

لاحد اکن مکاتب فکان عندہ ما یؤدی فلنحتجب منہ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کسی کے لئے کوئی مکاتب ہو اور اس مکاتب کے پاس اتنی رقم موجود ہو جس سے وہ بدل کتابت ادا کر سکے (گو ابھی تک اس نے وہ پوری ادا نہ کی ہو) تو اس سے اس کو پردہ کرنا چاہیے، یعنی اگرچہ ابھی وہ آزاد نہیں ہوا لیکن آزاد ہونے کے قریب ہے اسلئے پہلے ہی سے احتیاطاً پردہ شروع کر دے۔

**عورت کا غلام اسکا محرم ہے یا نہیں** | اس حدیث میں ایک حجاب کا مسئلہ ہے وہ یہ کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے یا نہیں، اسکو اس سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بظاہر حدیث

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا محرم ہے اس سے پردہ نہیں، حنفیہ کے یہاں محرم نہیں ہے، اور امام شافعی و احمد سے دونوں روایتیں ہیں، اور امام مالک سے مروی ہے ان کان وغذا فحرم والاقلا، یعنی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ غلام سیدھا سادہ بیوقوف سا ہے (چُخْد) تب تو محرم ہے پردہ کی حاجت نہیں، اور اگر سمجھدار اور تیز قسم کا ہے تو پھر اس صورت میں اس سے پردہ ہے، حنفیہ کی طرف سے حدیث کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس حدیث میں احتجاب سے نفس احتجاب مراد نہیں ہے بلکہ احتجاب مفرد اور اہتمام بالحجاب مراد ہے اسلئے کہ عبد سے پردہ تو کیا جاتا ہے لیکن اس کی بار بار آمد و رفت کی وجہ سے پردہ کا اہتمام نہیں ہوتا کالکلام معہ والتنظر الی الکفین والوجہ کا تحجب من غیرہ من الایمان، جو محرمیت کے قائل ہیں ان کا استدلال، او ما ملکت ایمانہن سے ہے فی قولہ تعالیٰ۔ ولایبدین زینتہن الا بوجہ لہن او ابائہن او آباء بعلتہن او ابائہن او اباؤ لہن او اباؤ لہن

لہ طریق استدلال یہ ہے کہ اس آیت شریفہ میں ما ملکت ایمانہن یعنی عید کو آباء و اباؤ کے حکم میں رکھا گیا ہے ۱۲

ادبی خواہن ادبی خواہن اور نسائہن اور مملکت ایماہن۔ تفسیر مدارک میں سعید بن المسیب کا قول نقل کیا ہے: "لایغرنکم سورۃ النور فانہا فی الامار دون الذکور یعنی اور مملکت ایماہن سے مراد صرف بانڈیاں ہیں، غلام اس میں داخل نہیں، بانڈیاں چونکہ لڑکوں کی طرح بے پردہ باہر پھرتی ہیں تو ان کے بارے میں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید ان سے پردہ کا حکم ہو، اس لئے تصریح کر دی گئی کہ ان سے پردہ نہیں ہے، والحدیث الخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔"

## باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ

مکاتب بریرہ کی روایا کی تشریح و تطبیق | اس باب میں مصنف نے دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں، پہلے حضرت بریرہ کا واقعہ ذکر کیا، اسکے بعد حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا، دونوں میں یہی ہوا کہ مکاتب کے معاملہ کو فسخ کر کے اس کو خرید لیا، بریرہ کو خریدنے والی حضرت عائشہ ہیں جیسا کہ روایات میں مشہور ہے، اور جویریہ کو خریدنے والے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، بریرہ کے قصہ میں روایات میں اختلاف ہے وہ یہ کہ ان کا بدل کتابت کیا متعین ہوا تھا بعض روایات میں نو اوقیہ ہے علی تسع اواق کما فی حدیث الباب، اور بعض میں خمس اواق آیا ہے نیز حدیث الباب میں ہے: ولم تکن قضت من کتابتہا شیئا، یعنی جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آئیں استعانتہ فی کتابتہا کیلئے تو اس وقت تک انہوں نے کچھ ادا نہیں کیا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ حصہ ادا کر چکی تھیں، روایت کے لفظ یہ ہیں: فقال اهلہا ان شئت اعطیت ما لقی، یہ سب روایات مختلفہ بخاری میں ہیں، اس لئے کہ امام بخاری نے اس قصہ بریرہ کو دسوں جگہ ذکر فرمایا ہے، ان سب اختلافات کی تاویل کی گئی ہے جن کو بذیل میں فتح الباری سے نقل کیا ہے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض انصار کی مملوکہ بانڈی تھیں انہوں نے اپنے موالی سے مکاتب کا معاملہ کر لیا تھا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آئیں امداد طلب کرنے کیلئے بدل کتابت میں، حضرت عائشہ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے موالی سے دریافت کر لو کہ اگر وہ اس بات کو پسند کریں کہ میں اپنے پاس سے پورا بدل کتابت آدا کر دوں اور تم میری طرف سے آزاد ہو جاؤ، اور حسب قاعدہ تمہارا ولا میرے لئے ہو تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں، انہوں نے اپنے موالی سے جسا کر معلوم کیا انہوں نے کہا کہ اگر عائشہ حسبہ لائے تمہاری طرف سے بدل کتابت ادا کریں تو کر دیں لیکن ولا تیرا ہمارے ہی لئے ہوگا حضرت عائشہ نے اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ابتاعی فاعتق وانما اولاء لمن اعتق۔ کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو اور ولا حسب قاعدہ آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہوگا، اور پھر اسکے بعد

لہ قال الحافظ ص ۲۲۳ وکانت بریرۃ لئاس من الانصار کما وقع عند ابی نعیم وقیل لئاس من بنی حلال قال ابن عبد البر ویکن الجمع . وکانت قد رعت عائشۃ قبل ان تعتق کما سیأت فی حدیث الانکاب۔



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں فرمایا، ما یال اناس یشرطون شروطا لیست فی کتاب اللہ انما کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کتاب اللہ کے خلاف شرطیں لگاتے ہیں جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ کے خلاف ہو تو وہ شرط معتبہ نہیں چاہیے سو بار شرط لگائے، یہاں پر بعض روایات میں اس طرح بھی آیا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: واشترطھی لہم الولاء کہ ان کی شرط ولاؤ کو قبول کر لو، اس پر یہ اشکال مشہور ہے کہ آپ نے اس شرط فاسد کی اجازت ان کو کیسے دیدی؟ پھر اسکی تاویل مختلف طور پر کی گئی ہے، بعض شرح نے اس روایت کی تضعیف کی جس میں شرط کی اجازت مذکور ہے، لیکن اس جواب کی تردید کر دی گئی کہ اشترطوا والی روایت ثابت ہے اور اسکے راوی ہشام ثقہ اور حافظ ہیں، ایک توجیہ یہ کی گئی کہ ایک روایت میں بجائے "اشترطی" کے باب افعال سے "اشترطی" واقع ہوا ہے اور اشراط کے معنی اظہار کے ہیں یعنی اظہری لہم حکم الولاہ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ ولاؤ کا جو حکم ہے وہ ان سے بیان کر دو ایک توجیہ یہ کی گئی ہے۔ کما حکاہ الطحاوی۔ کہ "اشترطی لہم" میں لام بمعنی علی ہے یعنی ان کے خلاف شرط لگاؤ، اور ایک توجیہ اس کی یہ کی گئی ہے کہ "اشترطی لہم" میں امر بطور وعید اور تویح کے ہے کما فی قولہ تعالیٰ "اعملوا ماشئتم" حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ شرط بطور قبول کے نہیں تھی بلکہ رد ہی کرنے کیلئے تھی علی وجہ المبالغہ، کہ ایسی پہل شرط کا کوئی اعتبار نہیں، امام نووی نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند کیا ہے۔ (من البذل مختصراً)

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الاول اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، والثانی اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ قالہ المنذری۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت رقت جویریة بنت الحارث بن المصطلق في سهر قابت بن

قيس بن شماس او ابن عم له فکاتبته علی نفسها۔ وکانت امرأة ملاحنة تاخذها العين الحدیث۔

اس حدیث کا مضمون کتاب الجہاد میں باب المکر فی الحرب سے پہلے والے باب میں گذر چکا۔

حضرت جویریہ اور انکی مکاتبت کا قصہ | خلاصہ یہ کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوہ بنو المصطلق جس کو غزوہ مرسیح بھی کہتے ہیں کی غنیمت میں ایک صحابی ثابت بن قیس کے حصہ میں

آئی تھیں، انہوں نے ان سے مکاتبت کا معاملہ کر لیا، پھر یہ بہت طبع، یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنی صورت حال بیان کی یعنی کتابت کا معاملہ وغیرہ، اور بدل کتابت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں اگر تجھ کو منظور ہو، انہوں نے عرض کیا کیا ہے وہ مشورہ یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا یہ کہ تیرا بدل کتابت میں خود ادا کر کے تجھ سے نکاح کر لوں، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے منظور ہے، چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا، جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو جن صحابہ کے پاس قبیلہ بنو المصطلق کے قیدی تھے جو ان کو مال غنیمت میں ملے تھے انہوں نے ان سب کو ڈر دیا

یہ کہہ کر کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی لوگ ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے جویریہ جیسی بابرکت کوئی عورت نہیں دیکھی کہ ان کی وجہ سے قبیلہ بنو المصطلق کے تقریباً سو گھرانے آزاد ہو گئے۔

قال ابو داؤد: هذا حجة في ان الولي هو ميزوج نفسه، امام ابو داؤد اس قصہ سے اس پر استدلال کر رہے ہیں کہ عورت کا ولی خود اپنا نکاح اس سے کر سکتا ہے، یعنی جس طرح دوسرے سے کر سکتا ہے خود اپنے سے بھی کر سکتا ہے اگر وہ اس کی محرم نہ ہو، اب یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے ولی کیونکر تھے؟ سو وہ یا تو اس اعتبار سے کہ آپ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا لہذا آپ ولی العتاقہ ہوئے، اور یا اس حیثیت سے کہ السلطان ولی من لادلی لہ یہ تو تشریح ہوئی امام ابو داؤد کے کام کی لیکن حقیقیوں کہے گا کہ یہ قصہ دلیل سے اس بات کی کہ حرہ بالغہ اپنی ولی خود ہے اسلئے وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے

### باب في العتق على شرط

عن سفينة رضي الله تعالى عنه قال كنت مملوكا لام سلمة رضي الله تعالى عنها فالت اعترقت

واشترط عليك ان تخدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ما عشت الخ

حضرت سفینہ صحابی کا تذکرہ | سفینہ جن کے نام میں بہت سے اقوال ہیں قبیل مہران بن فروخ، وقیل بنجران، وقیل بن رومان، وقیل رباح وغیرہ ذلک، ان کو سفینہ کیوں کہتے ہیں؟ ان کا خود کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ہمارے ساتھیوں میں سے جس کو بھی تکان محسوس ہوتا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کا سامان میرے اوپر ڈال دیتا تھا، کسی نے تلوار رکھی اور کسی نے ڈھال، اور اسی طرح یہاں تک کہ مجھ پر بہت سا سامان ہو گیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: انت سفینة (تہذیب الکمال) ان کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ یہ کسی سفر میں تنہا رہ گئے اور راستہ بھی بھٹک گئے اسی اشار میں انہوں نے دیکھا کہ ان کی طرف ایک شیر چلا آرہا ہے تو یہ ڈر سے اور اس سے کہا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا غلام اور خادم ہوں اور راستہ بھٹک گیا ہوں، یہ سن کر اس شیر کا رویہ ان کیساتھ بدل گیا اور ان کے ساتھ نرمی اور نیاز مندی برتنے لگا اور دم ہلانے لگا جیسا کسی مانوس چیز کو دیکھ کر ہلاتا ہو اور پھر وہ ان کے ساتھ ہمہماہا ہوا چلا اور راستہ پر ڈال دیا، قصیدہ بردہ کا شعر ہے

ومن تكن برسول الله نصرة

و ترجمہ العارف الجاہلی فی الفارسیۃ

بہر کہ اور از رسول اللہ نصرت آمد

ہو مدد جسکو رسول سید لولاک کی

شیر اگر بروے رسد از ترس آید بہم

شیر بھی انکو طے جنگل میں گوارا نہ دم

حدیث الباب میں ہے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غلام تھا

تو انہوں نے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں تجھ کو اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تو جب تک زندہ رہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت کرے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسکا جواب دیا کہ اگر آپ یہ شرط نہیں بھی لگائیں گی تب بھی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی جدائی اختیار نہیں کروں گا، پھر انہوں نے مجھے اسی شرط پر آزاد کر دیا۔

اس واقعہ میں ایک فقہی مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ اعناق کے وقت اس طرح کی شرط لگانا شرعاً معتبر ہے یا نہیں، اکثر فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں، لہذا شرط لایلاتی ملکا، ومنافع الحر لایملکہا غیرہ الا ان اجابہ اذمانی معناها، یعنی یہ شرط ایسی ہے جس کا تعلق اپنی مملوک شئی سے نہیں، اسلئے کہ خدمت کا وقوع عتق کے بعد ہوگا اور عتق کے بعد مملوک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا (سوی الولار) اسلئے کہ منافع حر کا مالک خود وہ حر ہے لہذا اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ اصطلاحی شرط نہیں تھی بلکہ اس سے مراد وعدہ ہے یعنی ان سے یہ وعدہ لیا گیا، اور ایفار وعدہ لازم نہیں شرعاً تبرع ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، وابن ماجہ قال المنذری

### باب فیمن اعتق نصیباً من مملوک

اور اسکے بعد والا باب اس طرح ہے من اعتق نصیباً من مملوک بینہ وبين آخرہ، لہذا پہلا باب عبد غیر مشترک سے متعلق ہے اور دوسرا عبد مشترک سے، یعنی کوئی شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے مثلاً نصف، اور پورا آزاد نہ کرے، جیسا کہ باب اول

باب اول ویاب ثانی دونوں کی تشریح اور مذاہب ائمہ

میں مذکور ہے۔ یا احد الشرکین عبد مشترک میں سے اپنا حصہ آزاد کرے جیسا کہ باب ثانی کا مضمون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں اس غلام کا کیا انجام ہوگا، پورا ہی آزاد ہو جائے گا یا صرف نصف آزاد ہوگا، اور اگر پورا آزاد ہوگا تو شریک آخر کیلئے آزاد کرنے والے پر ضمان واجب ہوگا یا نہیں۔

جانتا چاہیے کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اعناق اور اس پر مرتب ہونے والی شئی یعنی عتق، امام صاحب اور صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عتق متجزئی نہیں، غلام ہر صورت میں پورا ہی آزاد ہوگا لیکن اعناق میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک وہ متجزئی ہے مطلقاً (خواہ آزاد کرنے والا موسر ہو یا معسر) اور صاحبین کے نزدیک اعناق بھی متجزئی نہیں جس طرح عتق متجزئی نہیں، لہذا صاحبین کے نزدیک اپنے غلام کا نصف آزاد کرنا یا احد الشرکین کا اپنے حصہ کو آزاد کرنا پورے ہی غلام کو آزاد کرنے سے، لہذا دونوں صورتوں میں پورا غلام آزاد ہوگا، اور امام صاحب کے نزدیک آزاد تو پورا ہی ہوگا دونوں صورتوں میں، لیکن نصف تو آزاد کرنے والے کی جانب سے آزاد ہوگا، اور نصف باقی اس کی طرف سے آزاد نہ ہوگا بلکہ خود آزاد ہوگا بالسرایت، یعنی عتق کے اختیار کے بغیر عتق نصف باقی میں خود بخود سرایت کر جائے گا۔

امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اس کلی اختلاف کے سمجھنے کے بعد پہلے باب والے مسئلہ سے متعلق امام صاحب کا مسلک سمجھئے، وہ اعناق نصف کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ اب اس عتق کو دو اختیار ہیں اعناق اور استسعا، یعنی اگر وہ چاہے نصف آخر کو بھی اپنی ہی طرف سے آزاد کرے اور یا غلام سے نصف قیمت کی سعایۃ کر لے، اور صاحبین کے نزدیک

چونکہ اعتاق متجزئی نہیں ہوتا اسلئے اعتاق البعض اعتاق الكل ہی ہے گویا اس نے خود ہی پورا غلام آزاد کر دیا اور بس قصہ ختم  
اب دوسرے باب سے متعلق سمجھئے احد الشریکین جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اس کو دیکھا جائے گا کہ وہ دوسرے  
یا معسر، اگر دوسرے تو امام صاحب کے نزدیک شریک آخر کے لئے تین اختیار ہوں گے، ضمان، اعتاق، استسار،  
یعنی شریک آخر معتنق سے چاہے ضمان لے لے اور چاہے تو وہ اپنا حصہ بھی خود آزاد کر دے، اور چاہے غلام سے سعایت  
کرا لے، اور اگر آزاد کرنے والا شریک معسر اور نادار ہے تو اس صورت میں شریک آخر کو صرف دو اختیار ہوں گے، اعتاق  
اور استسار، ضمان کا اختیار حاصل نہ ہوگا اسکے اعسار کی وجہ سے۔

اور صاحبین اس مسئلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا دوسرے تو شریک آخر کے لئے ضمان کا استحقاق ہے  
اور اگر وہ معسر ہے تو اس صورت میں شریک آخر کے لئے صرف حق سعایت ہے، یعنی ایک صورت میں صرف ضمان اور ایک  
صورت میں صرف سعایت۔

یہ تفصیل تو ہوتی مذہب حنفیہ میں، اور باقی ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے کہ ان کے نزدیک اعتاق اور عتق دونوں اعسار  
کی صورت میں متجزئی ہیں اور یسار کی صورت میں غیر متجزئی، لہذا پہلے باب والے مسئلہ میں جو رائے صاحبین کی ہے  
وہی ائمہ ثلاثہ کی ہے یعنی نصف کے آزاد کرنے سے پورا ہی غلام آزاد ہو جائے گا (العدم جواز التجزی حینئذ عندہم)  
اور باب ثانی والے مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یسار معتنق کی صورت میں شریک ثانی کے لئے صرف ایک اختیار ہے  
یعنی ضمان اور اعسار کی صورت میں یہ ہے کہ عتق منہ ماعتق، یعنی نصف آزاد ہوگا اور نصف غلام ہی رہے گا۔  
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ استسار کے قائل نہیں، اور یہ کہ ان کے نزدیک عتق بھی متجزئی ہے اسی لئے  
ان کے نزدیک اعسار معتنق کی صورت میں سعایت نہیں بلکہ عتق متجزئی ہو جائے گا، نصف غلام آزاد اور نصف غیر آزاد۔  
نیز یہ بات بھی سامنے آگئی کہ باب اول یعنی عبد غیر مشترک والے مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اہلسنی میں متفق ہیں

لہ یعنی اس اعتاق کو جو ہو چکا اپنی طرف سے سمجھ لے ۱۱۔ - یہ کیونکہ یہ مسئلہ یسار کی صورت میں داخل ہے اسلئے کہ آزاد کرنے والا شخص پورے  
غلام کا مالک ہے اس لحاظ سے وہ دوسرے ہوا۔

۱۲ خلاصۃ المذاہب | فلا بد مذاہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کرے تو امام صاحب کے نزدیک اس کیلئے باقی میں  
دو اختیار ہوں گے، عتق اور عتق منہ ماعتق، یعنی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعتاق البعض هو اعتاق الكل، اور اگر عبد مشترک ہو اور  
احد الشریکین اپنا حصہ آزاد کرے تو شریک آخر تو امام صاحب کے نزدیک استسار معتنق کی صورت میں تین اختیار ہیں، ضمان، اعتاق  
الاستسار، اور اعسار کی صورت میں صرف دو اختیار ہوں گے اعتاق اور استسار، لیسقط الضمان، اور صاحبین کے نزدیک یسار معتنق کی صورت میں  
شریک آخر کیلئے صرف ضمان اور اعسار کی صورت میں صرف سعایت، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یسار کی صورت میں ضمان اور اعسار کی صورت میں کچھ نہیں بلکہ حق منہ  
ماعتق، عتق منہ ماعتق اور عتق منہ ماعتق۔

اور باب ثانی والے مسئلہ میں یسار معتق کی صورت میں تو ائمہ ثلاث اور صاحبین متفق ہیں اور اعسار والی صورت میں مختلف۔  
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عن ابی الملیح عن ابیہ ان رجلا اعتق شقیصا له من غلام من غلام فذکر ذلک للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نقال. لیس اللہ شریک۔ زاد ابن کثیر فی حدیثہ: فاجاز النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عتقہ۔  
شرح الحدیث | یعنی ایک شخص نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کر دیا، جس کا ذکر آپ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی  
شریک نہیں ہے لہذا وہ شرک کو پسند نہیں فرماتے، اور آپ نے اس عتق کو پورے میں نافذ فرمادیا، یہ حدیث  
بظاہر ائمہ ثلاث اور صاحبین کے موافق ہے کہ اعتناق البعض اعتناق الكل ہے، امام صاحب کی طرف سے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ  
مقصود ترغیب ہے کہ پورے ہی کو اللہ کے لئے آزاد کر دینا چاہیے، تاکہ غیر اللہ کی شرکت اس میں باقی نہ رہے۔  
والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

### باب من اعتق نصيبا من مملوك بينه وبين آخر

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا اعتق شقیصا له من غلام فاجاز النبی صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم عتقہ وغرمہ بقیۃ شہہ۔  
یہ باب ثانی کی پہلی حدیث ہے اس کا تعلق عبد مشترک سے ہے مضمون حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ احد الشریکین نے غلام میں  
سے اپنا حصہ آزاد کر دیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس عتق کو پورے غلام میں نافذ فرمایا اور آزاد کرنے والے کو نصف  
باقی کا ضامن بنایا۔

ظاہر ہے کہ ضمان یسار معتق ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے، اور اس صورت میں صاحبین اور ائمہ ثلاث دونوں کے نزدیک  
صرف وجوب ضمان ہے جو کہ حدیث میں مذکور ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں شریک آخر کو دو اختیار اور  
ہیں ضمان کے علاوہ، اعتناق اور سعایت، کما تقدم، سعایت کا مسئلہ جو کہ مختلف فیہ ہے حنفیہ اسکے قائل ہیں اور ائمہ ثلاث  
منکر اس کا آگے مستقل باب آرہا ہے، یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی حدیث سے مسئلہ کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے، دوسری  
احادیث میں ضمان کے ساتھ سعایت کا بھی ذکر آرہا ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحوہ، قالہ المنذری۔

### باب من ذکر السعایۃ فی هذا الحدیث

ترجمۃ الباب کی عرض و تشریح | پہلے باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث گزری ہے اسکے اس طریق میں



سعایت کا ذکر نہیں تھا۔ چونکہ اسی حدیث کے بعض طرق میں سعایۃ کا ذکر ہے، اور مسئلہ بھی فی نفسہ بین الائمہ مختلف فیہ ہے اسی لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر مصنف نے مستقل ترجمہ قائم کیا۔

حدثنا مسلم بن ابراہیم قال ما ابان قال ناقتادۃ عن النضر بن انس، عن بشیر بن نہیلک عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ۔ اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو پہلے گذرا لیکن پہلے طریق میں صرف ضمان مذکور تھا اور اس میں یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شریک مالدار ہو تو اس سے ضمان لیا جائے، اور اگر معسر ہے تو اس صورت میں عبد سے سعایت کرائی جاتے۔

اس سے پہلے باب کی حدیث میں قتادہ سے روایت کرنے والے ہمارے تھے اور اس طریق میں ان سے روایت کرنا ابان ہیں غیر مشقوق علیہ کا مطلب یہ ہے کہ عبد سے سعایت کرانے کی صورت میں اس پر مشقت نہ ڈالی جائے بہولت لکا کروہ ادا کر دے گا۔

فان لم یکن له مال قوم العبد قیمة عدل، یعنی اگر معتنق کے پاس مال نہ ہو تو عبد کی کسی عادل آدمی سے قیمت لگوا کر عبد سے سعایت کرائی جائے۔

الحديث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قاله المتذری۔

### باب فیمین روی ان لم یکن له مال یستسعی

اختلاف نسخ اور نسخہ صحیح کی تعیین | اس ترجمہ الباب کے بارے میں نسخے مختلف ہیں لیکن یہ جو ہمارے نسخہ میں ہے اس کو اگر اختیار کیا جائے تو ترجمہ سابقہ اور یہ دونوں ایک ہو جائیں گے حالانکہ ترجمہ سابقہ سے متصور ذکر سعایۃ ہے اور اس ترجمہ کی غرض جمہور کے مسلک کے مطابق عدم ذکر سعایۃ ہے، چنانچہ حدیث الباقی میں سعایۃ مذکور نہیں، لہذا اس میں دوسرا نسخہ جو حاشیہ پر مذکور ہے، باب فیمین روی ان لا یستسعی، یہ صحیح ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من اشق

لہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں، من اشق شقیصا فی مملکۃ نعلیان یعقہ کلہ ان کان له مال والا یستسعی العبد ظاہر الفاظ حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ یہ حدیث عبد غبر شترک سے بارت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کر دیا تو اس کو چاہئے کہ کلمہ ہی کو آزاد کر دے اگر اس میں اس کی گنجائش ہو اور وہ مالدار ہو (یہ حکم بطور ترغیب کے ہے کثیر ثواب کیلئے) اور اگر گنجائش نہ ہو عبد سے باقی حصہ کو اپنے لئے سعایۃ کر لے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو عبد مشترک پر محمول کیا جائے جیسا کہ اسکے بعد والی روایت میں ہے تو اس صورت میں فعلیہ ان یستسعی کا مطلب یہ ہوگا کہ باقی حصہ کا شریک آخر کو ضمان دیکر اپنی طرف سے اس کو آزاد کرادے، حضرت نے بدل میں اس کو اپنی پر محمول فرمایا ہے، قتال۔

شركاً في مملوك اقيم عليه قيمة العدل فاعطى شركاءه حصصهم واعتق عليه العبد والافقد اعتق منه ما اعتق۔  
پہلے باب کی حدیث جس میں ذکر سعایت ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت تھی، اور اس باب میں جتنی  
بھی روایات ہیں سب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کی ہیں متعدد طرق سے: مضمون حدیث یہ ہے۔

جس شریک نے غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا تو اس غلام کی قیمت لگوائی جائے گی اور دوسرے شرکار کو ان کا حصہ اس  
معتق کے ذمہ دینا ہوگا (یعنی فی صورتہ الیسار ضمان واجب ہوگا) والا ای وان لم يعط یعنی اگر وہ معتق شرکار کو ان کا حصہ  
نہ دے سکے بان کان معسراً فقد اعتق منه ما اعتق۔ تو اس صورت میں (سعایت نہ ہوگی) بلکہ معتق متجزی ہو جائے گا بعض  
حصہ غلام کا آزاد ہوگا بعض نہیں، یعنی بقیہ شرکار کے حصہ کے بقدر غلام آزاد نہ ہوگا۔

**حدیث الباب کا حنفیہ کی طرف سے جواب** | یہ حدیث ائمہ ثلاث کی دلیل ہے اور گذشتہ باب کی حدیث کے خلاف ہے  
جس میں یہ تھا کہ اعسار معتق کی صورت میں عید سے سعایت کرائی جائے گی، اس  
حدیث کا جواب خود روایات الباب کو دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ثبوت ضعیف ہے کیونکہ اس لفظ کے بارے میں

رواۃ کا اختلاف ہو رہا ہے بعض نے اس کو ذکر کیا بعض نے نہیں، چنانچہ اگلی روایت میں ہے: وكان نافع ربحاً قال فقد  
عتق منه ما عتق و ربحاً لم يقبله اور اس کے بعد والی روایت میں ہے قال ایوب فلا ادري هوفي الحدیث

عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم او شئ قاله نافع۔

روایتیں تو پہلے باب کی بھی اور اس کی بھی تخریج کے لحاظ سے ہم پہلے ہیں کہ سب صحیحین میں موجود ہیں لیکن اسکے باوجود صحیحین  
کی روایات میں اگر تعارض پایا جائے تو طریق ترجیح تو وہاں بھی اختیار کیا جائے گا دفع تعارض کے لئے، حنفیہ نے استسعار  
والی روایت کو ترجیح دی اور تمہور نے عدم استسعار کی روایت کو۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے استسعار کا باب قائم کر کے اس کو ثابت مانا ہے، چنانچہ الابواب والترجم میں ہے۔ نقلاً  
عن الحافظ۔ قوله تابعه حجاج بن حجاج كانه اشار بهذا الى الرد على من زعم ان الاستسعار في هذا الحديث غير محفوظ الى آخر ما ذكر۔

عن ابى بشر العنبري عن ابن التليث عن ابيه ..... قال احمد: انها هو بالتاء يعني التلب وكان

شعبة الشخ لم يبين التاء من التاء۔

سند کے اندر جو راوی آئے ہیں ابن التلب اس کے بارے میں امام احمد فرما رہے ہیں کہ یہ نام ابن التلب تار کیساتھ  
ہے یعنی دو نقطوں والی، اور شعبہ راوی حدیث الشخ تھے یعنی توتلے تار اور تار میں فرق نہیں کر پاتے تھے الشخ اسی شخص کو  
کہتے ہیں جو بعض حروف کو صحیح ادا نہ کر سکے، حضرت امام احمد کی تشبیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اصل سند میں جو اوپر مذکور ہے  
ابن التلب تار کے ساتھ ہو جائے تار کے، اور ایک نسخہ میں ہے بھی تار (مثلاً) کیساتھ، ورنہ اگر اصل سند میں ابن التلب  
بالتار (المبتناة) ہو جیسا کہ ہمارے نسخہ میں ہے تو اس صورت میں تشبیہ کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

## باب فیمن ملک ذارحم محرّم

عن الحسن عن سمرة رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من ملك ذارحم محرّم فهو حر  
**مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ** یعنی جو شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا رشتہ دار بھی ہو اور محرّم بھی تو وہ  
 خود بخود آزاد ہو جاتا ہے، یہ اسلام کا قانون ہے، گویا ایک ذی رحم محرّم دوسرے کا  
 غلام نہیں ہو سکتا، حنفیہ اور حنبلیہ کا مسلک یہی ہے، امام شافعی کے نزدیک یہ حکم صرف اصول اور فروع سے متعلق ہے  
 گویا ان کے نزدیک یہ عام مخصوص منہ البعض ہے، اسی طرح امام مالک کے نزدیک بھی یہ عام نہیں ہے، ان کے نزدیک اس کا  
 مصداق ولد اور والدین اور اخوہ ہیں۔

یہ حدیث حنفیہ اور حنبلیہ کی دلیل ہوئی، شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل کیلئے مطولات کی طرف رجوع کیا جائے یہ  
 والحديث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

## باب فی عتق امهات الاولاد

عن سلامة بنت معقل - امرأة خارجة قيس عيلان - قالت قدم بي عمي في الجاهلية فباعني  
 من الحباب بن عمرو اخي ابي يسر بن عمرو فولدت له عبد الرحمن بن الحباب ثم هلك فقالت  
 امرأته: الآن - والله - تباعين في دينه ۱۰۰

**مضمون حدیث** سلامہ بنت معقل جو کہ خارجہ قیس عیلان کے قبیلہ کی ایک خاتون ہیں وہ کہتی ہیں کہ مجھ کو میرا چچا  
 زمانہ جاہلیت میں لے آیا اور لاکر حباب بن عمرو کے ہاتھ مجھ کو فروخت کر دیا (ممكن ہے اہل جاہلیت  
 کی یہ بھی عادت ہو وہ ظلماً ایسا کر دیا کرتے ہوں) وہ آگے کہتی ہیں کہ میرے بطن سے حباب کے ایک لڑکا پیدا ہوا عبد الرحمن  
 بن الحباب (اب یہ یعنی سلامہ بنت معقل ام الولد ہو گئیں حباب کی) اس کے بعد یہ ہوا کہ حباب ہلاک ہو گیا تو اس کی بیوی نے

اس مسئلہ میں امام بخاری کی رائے ہے حضرت امام بخاری نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے، باب اذا امر اخو الرجل او عمه هل يفادي  
 اذا كان مشركاً، قال الحافظ قبل ان اشار بهذ الترجمة الى تضعيف الحديث الوارد فيمن ملك ذارحم فهو حر وهو حديث اخرجه اصحاب السنن، واستكره  
 ابن المديني، ورجح الترمذی ارساله، وقال البخاری لا يصح، وجرى الحاكم وابن حزم وابن القطن على ظاهر الاسناد فصحوه، وقد اخذ بعمومه الحنفية والثوري  
 والاذنعي والليث وقال داؤد لا يعنى احد على احد وذهب الشافعي الى ان لا يعنى على المرأ الا اصوله وفرومه، لا لهذا الدليل بل لادلة اخرى وهو  
 مذهب مالك وزاد الاخرة حتى من الامم - الى آخره بسطاني بما مش اللامح (من الابواب والترجم ص ۲۱)

سلامہ سے یہ کہا کہ واللہ اب تو اپنے مولیٰ جناب کے دین میں فروخت کی جائے گی، سلامہ نے یہ ساری بات جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی، اس پر آپ نے دریافت کیا کہ جناب کا ولی کون ہے؟ کہا گیا کہ اس کا بھائی ابو ایسر ہے، آپ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ سلامہ کو آزاد کر دو، پھر جب تم سونو کہ میرے پاس غلام آئے ہیں بیت المال میں تو میرے پاس آنا میں سلامہ کے عوض میں تم کو غلام دوں گا، سلامہ کہتی ہیں کہ آپ کے فرمان کے بعد انہوں نے مجھ کو آزاد کر دیا اور پھر آپ کے پاس جب غلام آئے تو میرے عوض میں آپ نے ان کو ایک غلام دیا۔

یہ غلام دینا حقیقہً اس ام ولد کا عوض نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کی دلداری کے لئے تھا۔

**مسئلہ الباب میں اختلاف علماء** اور بعض صحابہ جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف ہے، خطابی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف بعض صحابہ کا شروع میں تھا بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا عدم جواز بیع پر نیز قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ام ولد آزاد ہونی چاہیے اس لئے کہ امہات اور ان کی اولاد دونوں کا حکم متفق ہوتا ہے حریت اور ررق میں اور یہاں پر ام ولد کا جو بیٹا ہے اس کے سید سے وہ بائنا اتفاق حر ہے لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مال بھی حر ہونی چاہیے۔ (بذل)

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعنا امہات الاولاد علی سہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وانی بکر، فلما کان عمر منہا ثانیاً فاشتدینا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ام ولد کی بیع کی ہے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس سے ہم کو منع کیا پس ہم رک گئے۔

اس حدیث کے بارے میں یہ توجیہ کی گئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نوبت آپ کے زمانہ میں بہت کم پیش آئی ہو جس کا آپ کو علم نہ ہو سکا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض صحابہ نے آپ کے شروع زمانہ میں بیع کی ہو پھر اس کے بعد آخر عمر میں آپ نے اس سے منع فرمادیا، جو جس کا علم صدیق اکبر کو نہ ہو سکا ہو ایک تو اس وجہ سے کہ ان کی مدت خلافت ہی کم ہے دوسرے یہ کہ وہ دوسرے اہم امور دین میں مشغول رہے، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شروع زمانہ میں بھی لوگ کرتے رہے جس کی ان کو خبر نہ ہو سکی، پھر جب ان کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس سے منع فرمادیا۔

## باب فی بیع المدبر

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً اعتق غلاماً له عن دبر منہ ولم یکن له مال غیرہ  
مضمون حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے (جس کا نام ابو مذکور تھا) اپنا غلام آزاد

کیا اپنے پیچھے، یعنی مرنے کے بعد (یعنی یہ کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) اور حال یہ کہ اس مولیٰ کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی اور مال تھا نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کو سات سو یا نو سو درہم میں فروخت کیا گیا، اور اسکے بعد والی روایت میں جو مفصل ہے یہ زیادتی ہے: فدعا به رسول الله صلى الله

تعالى عليه، والہ وسلم فقال من يشتريه؛ فاشتره نعيم بن عبد الله بن النخام بثمان مئة درهم. یعنی آپ نے اس غلام کو خود فروخت کیا جس کو نعيم بن عبد الله بن النخام نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا اور وہ نعيم بن النخام نے اس شخص کے حوالہ کر دیا اور فرمایا آپ نے جب تم میں سے کوئی شخص نادار قسم کا ہو تو اس کو انفاق کی ابتداء اپنے نفس سے کرنی چاہیے اور اسکے بعد جو بچے وہ عیال پر اور اگر اور کچھ بچے تو دوسرے اہل قرابت پر اور اگر اور کچھ بچے تو پھر اس کو ادھر اور ادھر جہاں چاہے خرچ کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس مدبر کی بیع اسکے مولیٰ کے حیات میں ہوتی تھی، اور یہ بھی صحیح ہے، اور ترمذی کی روایت جس میں اسکے خلاف ہے، اور یہ ہے کہ وہ شخص مدبر بنانے کے بعد مر گیا تھا اور یہ بیع موت مولیٰ کے بعد ہوئی وہم ہے۔ اسکے بعد سمجھئے کہ بیع مدبر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی و احمد کے نزدیک اس کی بیع مطلقاً جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع تو ناجائز ہے اور مدبر مقید کی جائز ہے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر مدبر کا مولیٰ تدبیر سے

الكلام على الحديث من حيث الفقه  
وذكر مذاهب الأئمة

پہلے میوں ہو تو پھر ایسے مدبر کی بیع جائز ہے، مدبر مقید کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اپنے غلام سے یوں کہے کہ اگر میں قذاں بیماری میں مرتا ہوں یا اتنی مدت کے اندر اندر مرتا ہوں تو تو آزاد ہے، ایسے مدبر کی بیع ہمارے یہاں جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک تدبیر مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے غلام حیات مولیٰ میں تو صرف مستحق العتق ہوتا ہے اسی لئے اس کی بیع جائز نہیں اور موت مولیٰ کے بعد اس عتق کا نفاذ ہوتا ہے، یعنی اس کی حقیقت پائی جاتی ہے، اور تدبیر مقید میں حیات مولیٰ میں مستحق العتق نہیں ہوتا، کیونکہ معلوم ہی نہیں کہ وہ اس مرض میں مرے گا یا نہیں مرے گا، لہذا یہ بشرط محتمل الوجود والعدم ہوتی لہذا تعلیق (تدبیر) فی الحال سبب نہ ہوگی حریت کا، ہاں اگر وہ مولیٰ اسی مرض میں مر گیا جس کی قید لگائی تھی تو اب چونکہ سبب حریت کا تحقق ہو گیا اس لئے وہ مدبر آزاد ہو جائیگا، لیکن ثلث مال سے آزاد ہوگا جس طرح وصیت میں ہوتا ہے اور اگر مولیٰ اس مرض کے علاوہ کسی اور مرض میں مرتا تو اس صورت میں حریت نہیں پائی جائے گی انتفاء شرط کی وجہ سے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تدبیر کی وجہ سے خواہ وہ مطلق ہو یا مقید عبد کو حق حریت حاصل ہی نہیں ہوتا اسی لئے اسکے نزدیک اس کی بیع جائز ہے، حنفیہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث مرفوع ہے: المدبر لا یباع ولا یوهب

له قيل. الصواب نعيم بن عبد الله النخام. اذ النخام مئة لعبد الله لا لغيره.



و هو حر من ثلث المال، اخرجہ الدارقطني، اور بھی متعدد صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے جن کی اساتید پر دارقطنی نے کلام بھی کیا ہے، وروی عن عمرو عثمان وزید بن ثابت وعبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثل مذہب الحنفیة وهو قول جماعة من التابعین مثل شرح ومسروق وسعيد بن المسيب وجماعة ذکر اسماء هم صاحب البدائع، حتی قال ابو حنیفة لولا قول صولار الاجلة لقلت بجواز بیع المذیر لمدل علیہ من النظر. کذا فی البدائع (ملخصاً من البذل) اسکے بعد بذل میں علامہ زیلعی سے اس حدیث کے دو جواب نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ہم اس کو بدر مقید پر محمول کرتے ہیں اور اس کی بیع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے اور دوسرا جواب کہ اس حدیث میں بیع سے مراد بیع الرقبہ نہیں بلکہ بیع الخدمت ہے یعنی اس غلام کو خدمت کیلئے اجارہ پر دینا جیسا کہ دارقطنی کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے جس کے آخر میں ہے قال ابو جعفر شہدت الحدیث من جابر انما اذن فی بیع خدمتہ۔ الی آخر ما فی البذل۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ مختصراً وطولاً، قال المنذری۔

### باب فیمن اعتق عبداً له لم يبلغهم الثلث

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً اعتق ستة اعبداً عند موته لم یکن له مال غیرہم الا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں چھ غلام آزاد کئے جو اس کا کل مال تھے، اسکے علاوہ اسکے پاس اور کچھ نہ تھا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ مسئلہ پہنچا تو آپ نے اس شخص کے بارے میں بہت سخت بات فرمائی (و عبید جو کہ اگلی روایت میں مذکور ہے وہو قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لو شہدتہ قبل ان یدفن لم یدفن فی مقابر المسلمین) پھر آپ نے ان سب غلاموں کو بلایا اور ان کو دو دو کر کے تین جگہ کیا، اس کے بعد قرعہ اندازی کی، قرعہ میں جن دو کا نام نکلا ان کو آزاد کر دیا اور باقی چار کو غلام رکھا، کیونکہ مرض الموت میں آدمی اپنے مال کے صرف ثلث میں تصرف کر سکتا ہے۔

اسی کے قائل ہیں ائمہ ثلاثہ کہ ایسی صورت میں ایسا ہی کیا جائے، اور حنفیہ کے حدیث الباب میں فقہاء کی رائے نزدیک ان چھ میں سے ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہوگا مالک کی طرف سے اور دو ثلث غلام کی قیمت میں سعایۃ کرائی جائے گی ہر غلام سے، حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ مشہور ہے قرعہ حجت ملزمہ نہیں ہے، اور اس کا حجت ہونا منسوخ ہو چکا ہے۔ بنسخت القمار، اور تمہور جو قرعہ کی حجیت کے قائل ہیں ان کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فیمن اعتق عبداً اوله مال

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اعتق

عبدالولہ مال فمال العبد لہ الا ان یشترطہ السید،

یعنی جس شخص نے اپنا غلام آزاد کیا اس حال میں کہ اس غلام کے پاس کچھ مال تھا تو یہ مال اس عبد ہی کا ہوگا، الا یہ کہ مولیٰ اعتاق کے وقت شرط لگائے۔

**مسئلہ الباب میں ائمہ کی رائے** | امام مالک کا مسلک یہی ہے، اور جمہور کے نزدیک مطلقاً سید ہی کے لئے ہوگا، یعنی بدون شرط کے بھی جمہور اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمان علی وجہ الندب والاستحباب ہے یعنی بہتر ہے کہ اسی کے پاس رہنے دے، اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اس طرح محفوظ نہیں ہے بلکہ اصل حدیث بیح سے متعلق ہے جس کے لفظ یہ ہیں کما تقدم فی کتاب الميوع، وكذا هو فی الصحيحین من باع عبد اوله مال فماله للبائع الا ان يشترط المتبايع، وهذا الجواب اختاره الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى وبسط الكلام فيه، واما الحديث بلقضاء من اعتق عبد اوله مال فماله بذكره هكذا الا المصنف والنسائي كما قال ابن القيم۔

## باب فی عتق ولد الزنا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ولد الزنا شر الثلاثة۔

قال ابو ہریرۃ لان اُمتیج بسوط فی سبیل اللہ احبالی من ان اعتق ولد زنیۃ۔

**شرح الحدیث** | آپ نے ارشاد فرمایا ولد الزنا کے بارے میں کہ وہ تینوں میں سب سے بدتر ہے، تینوں سے مراد زانی، زانیہ اور تیسرا خود ولد الزنا، لیکن ولد الزنا کا تو زنا میں کوئی دخل نہیں ہے اسلئے یہ کہا جائیگا کہ آپ کا یہ ارشاد کہ وہ سب سے بدتر ہے یعنی باعتبار اصل اور نسب کے کہ یہ غیر ثابت النسب ہے اور وہ دو اگرچہ عاصی اور نافرمان ہیں لیکن ثابت النسب تو ہیں، اور یہاں یہ کہا جائے کہ آپ کا یہ فرمان کسی مخصوص ولد الزنا کے بارے میں ہے نہ کہ مطلقاً، چنانچہ مستدرک میں ایک روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات پہنچی کہ ابو ہریرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ ولد الزنا شر الثلاثة۔ تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص جو کہ منافقین میں سے تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے سامنے اس کی شکایت فرمائی تو اس پر کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صرف یہی نہیں بلکہ وہ ولد الزنا بھی ہے تو اس پر آپ نے فرمایا۔ هو شر الثلاثة، پھر اس کے بعد حضرت عائشہ نے اپنی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی، واللہ تعالیٰ یعقل۔ ولا تزروا ذرۃ ذرۃ وذرۃ اخرى۔ یعنی ولد الزنا پر جو شر الثلاثة ہونے کا حکم آپ نے لگایا ہے وہ ولد الزنا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکے نفاق اور ایذا و رسول کی وجہ سے۔ اور ایک جواب اس کا یہ ہے کہ اس روایت میں تصحیف واقع ہوئی ہے اصل لفظ حدیث کے یہ نہیں، بلکہ اس طرح ہے: هو شر الثلاثة، یعنی کسی زانی کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسا ہے، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ولد الزنا کے بارے میں: هو خیر الثلاثة، خطاباً کیونکہ

معصیت زنا میں اس کو کوئی دخل نہیں اور ایک توجیہ حضرت گسٹگوہی کی تقریر میں ہے کہ ممکن ہے ولد الزنا سے مراد وہ شخص ہو جس سے بکثرت زنا کا صدور ہوتا ہو نصار کا نہ ولد الزنا، حضرت نے جو توجیہ فرمائی ہے وہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے جیسا کہ حاشیہ بذل میں ہے: قال الطحاوی: ولد الزنا الملازم للزنا كما يقال: ابن السبيل للملازم لها، وولد اللیل، الذی یبذل منہ قبیحاً اور اسی حدیث میں آگے ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ واللہ یہ بات کہ میں کسی سوار کو جو چہاد میں جا رہا ہے اس کو کوڑا دیکر فائدہ پہنچاؤں یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے کہ میں ایک ایسا غلام آزاد کروں جو ولد الزنا ہو اس سے معلوم ہوا کہ ولد الزنا کے اعتناق کا ثواب بہت کم ہے۔ مصنف عبد الرزاق ص ۱۸۱ میں اس بارے میں مختلف روایتیں مذکور ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اثر تو اسی روایت کے ہم معنی مروی ہے، ولفظ: ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لان الحمل علی تعلیین فی سبیل اللہ احب الی من ان ائتمن ولد زنا، نسیکن حضرت عمر ہی سے ایک دوسرا اثر اس میں یہ مروی ہے انہ قال فی اولاد الزنا، اعتقوہم واحسنوا الیہم، اور اسی طرح اثر اللہ تعالیٰ عنہا کہ کسی نے ان سے اولاد الزنا کے اعتناق کے بارے میں سوال کیا فقالت اعتقوہم واحسنوا الیہم، ولد زنیہ کے مقابل کو ولد رشتہ کہتے ہیں۔ والحدیث اخرجه النسائی۔

### باب فی ثواب العتق

ابینا واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقلنا لہ حدیثنا حدیثنا لیس فیہ زیادة ولا نقصان فعضب لہ۔  
 غریف بن الدیمی کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ہم نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سناؤ بالکل صحیح جس میں کمی زیادتی نہ ہو، تو ان کو یہ بات سن کر غصہ آگیا اور فرمایا کہ تمہارا خود کا تو یہ حال ہے کہ قرآن شریف پڑھ رہے ہو وہ تمہارے سامنے رکھا ہے پھر بھی تم اس میں کمی زیادتی کرتے ہو۔ یعنی کوئی آیت آگے پیچھے ہو جاتی ہے یا جھوٹ جاتی ہے، ہم نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کیلئے کہا کہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ حدیث ایسی ہو جو آپ نے براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو تو اس پر انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اپنے ایک ساتھی کے بارے میں جس نے ناحق قتل کر کے اپنے لئے جہنم کو واجب کر لیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اسکی جانب سے ایک غلام آزاد کرو جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ قاتل کے ہر ایک عضو کو اس آزاد کردہ غلام کے اعضاء کے صلہ میں جہنم سے آزاد فرمادیں گے۔

حضرت نے بذل میں اس پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہاں پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا یہ ارشاد جس میں اعتناق کی فضیلت مذکور ہے یہ موجب قتل کے ادا کے بعد تھا (یعنی دیت وغیرہ کے ادا کرنے کے بعد) ورنہ ظاہر ہے کہ محض اعتناق رقبہ سے ولی مقتول کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے اور یا اس حدیث کو محمول کیا جائے اس پر کہ اس شخص نے خود کشی کی تھی اس کے حق میں آپ نے یہ حدیث فرمائی تھی۔

مع المعجم الکبیر للطبرانی ص ۲۸۵ میں یہ روایت نظر سے گذری عن ابن عباس ولد الزنا شر الشلالة اذا عمل بعل الویہ یعنی ولد الزنا شر الشلالة اس روایت میں جبکہ وہ بھی وہی حرکت کرے جو اسکے والدین نے کی ہے۔ اس صورت میں حدیث پر کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا ۱۲۷۸

حدود زاجرات ہیں نہ کہ کفارات اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت حد تک تکرار جنایت کے لئے کافی نہیں، در نہ اعتناق رقبہ کی کیا حاجت تھی اہ مسئلہ اختلافی مشہور ہے کہ حدود کفارات ہیں یا صرف زاجرات تنفیہ کے نزدیک زاجرات ہیں۔ وھذا الحدیث لا یؤیدہم، والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی ای الرقاب افضل

حاضرنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقصر الطائف، قال معاذ: سمعت ابی یقول، بقصر

الطائف بحصن الطائف، کل ذلك۔

ابو یحییٰ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ قصر طائف کا محاصرہ کیا، اسکے بعد معاذ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ ہشام سے دونوں لفظ سنے ہیں بقصر الطائف بھی اور بحصن الطائف بھی یعنی کبھی یہ اور کبھی وہ ابو یحییٰ فرماتے ہیں کہ اس محاصرہ کے وقت ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دو حدیثیں سنی، ایک یہ کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص جہاد میں ایک تیر بھی چلائے گا اسکے لئے جنت میں ایک درجہ ہوگا۔ وساق الحدیث۔ مصنف کا یہ مقولہ اس بات پر دلالت ہے کہ اسکے بعد حدیث میں کچھ اور بھی تھا جس کو اختصاراً انہوں نے حذف کر دیا، اس محذوف کو حضرت نے بدل میں نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے: فقال لعبد الرحمن بن النخاس ما الدررہ یا رسول اللہ؟ قال اما انہا لیست بعقبۃ انک، ماہین الدرر جتین مئۃ عام، اور دوسری حدیث جو ہے وہ اعتناق رقبہ کی فضیلت کے بارے میں ہے جس کا مضمون وہی ہے جو اوپر گذرا۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

فذكر معنی معاذ۔ الی قولہ۔ وایما امرأۃ اعتق مسلماً وایما امرأۃ اعتقت امرأة مسلمة۔ زاد۔ وایما

رجیل اعتق امرأتین مسلمتین الا کانتا فکا کہ من النار

یعنی جو شخص مرد کسی مسلم غلام کو آزاد کرے، اور ایسے ہی جو عورت کسی مسلمان ایک باندی کو آزاد کرے، اور اس کے بعد ہے اور جو مرد دو مسلمان باندیوں کو آزاد کرے۔ یعنی ان سب کی جزا آزاد کرنے والے کیلئے جہنم سے خلاصی ہے۔

اس مجموعہ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہنم سے خلاصی کیلئے کسی مرد کا ایک غلام اعتناق امۃ افضل ہے یا اعتناق عبید؟ کو آزاد کرنا، اور کسی عورت کا ایک باندی کو آزاد کرنا کافی ہے، اور جو مرد دو

باندیوں کو آزاد کرے اس کا حکم بھی یہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعتناق امتین قائم مقام اعتناق عبید واحد کے ہے، لہذا غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت باندی کو آزاد کرنے سے دو گنی ہے، اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ باندی کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے بہ نسبت غلام کے آزاد کرنے کے، اور اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی کہ باندی کی حریت مستلزم ہوتی ہے اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی حریت کو خواہ اس کی شادی حر سے ہوئی ہو یا عبید سے، اور مرد کا حر ہونا وہ ہر حال میں اولاد کی حریت کو مستلزم

ہیں بلکہ صرف ایک صورت میں یعنی جس صورت میں کہ اسکے نکاح میں حرہ ہو، لیکن محض اتنی سی بات اس مرتبہ حدیث کے معارضہ کیلئے کافی نہیں، وایضاً عتق الاثنی ربما افضی فی الغالب الی ضیاعہا لعدم قدرتها علی التکسب، بخلاف الذکر (تحفۃ الاخوان ص ۱) الیکان والنذور، والحديث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی فضل العتق فی الصحۃ

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مثل الذی

یعتق عند الموت کمثل الذی یمدی یدہ یشیع۔

اسی طرح بذل میں نسائی کی یہ روایت نقل کی ہے: مثل الذی یمدی یدہ ویصدق عند موتہ مثل الذی یمدی یدہ بعد ما شیع۔ یعنی مرنے کے وقت غلام کو آزاد کرنا یا مال صدقہ کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا پیٹ بھر نیکے بعد کھانا صدقہ کرے، زیادہ ثواب اور فضیلت اس صورت میں ہے جب اپنی حاجت کو مؤخر کر کے دوسرے کو ترجیح دی جائے، اور اپنی حاجت ہوتی ہے سحت کے زمانہ میں، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے جو کتاب الزکاۃ میں گذر چکی، ان تفتق وانت صحیح صحیح تخشی الفقرا، قال تعالیٰ "و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ" والحديث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حسن صحیح، قال المنذری

اختر کتاب العتاق

## اول کتاب الحروف والقراءات

اس کتاب کو ما قبل سے کیا مناسبت ہے، طلبہ سے کہنے کی بات ہے بطور لطیفہ، کہ اس سے پہلے کتاب العتق گذری ہے اور شروع ہونے والی کتاب کا تعلق قرآن سے ہے، تو جس طرح عتق میں خلاصی ہوتی ہے غلامی سے اسی طرح قراءۃ قرآن میں خلاصی ہے نار سے، یا یہ کہتے کہ عتق تو مہتمات طب سے ہے، لہذا اب مناسبت، طب اور اس میں دیکھنی ہے، وہ یہ کہ طب کے اندر شفا ہے اجسام کی اور قرآن میں شفا ہے قلوب کی۔

مصنف کی غرض اس کتاب سے جن الفاظ اور آیات قرآن میں اختلاف منقول ہے اسکو کتاب الحروف میں مصنف کا بیان کرنا ہے، مصنف نے عنوان میں قراءات کیساتھ حروف کو بھی ذکر کیا، ممکن ہے اس میں لطیف طرز استدلال اشارہ ہو اس حدیث مشہور کی طرف، انزل القرآن علی سبعۃ احرف، اس حدیث کی شرح

کتاب الصلوٰۃ کے اخیر میں گذر گئی۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ مصنف نے اس کتاب میں دقت نظر سے کام لیا ہے، چنانچہ اصل مقصد تو مصنف کا اختلاف قراءات ہی کو بیان کرنا ہے لیکن کہیں تو آیات قرآنیہ ہی کو ذکر فرمایا ہے اور اس میں صرف ایک قراءت ذکر کی ہے، ایک قراءت کا ذکر تا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اس میں کوئی اور بھی قراءت ہے جس کا پتہ قرآن یا دوسری روایات



سے ہو جاتا ہے، اور کہیں ایسا بھی کیا ہے کہ لفظ قرآن کو ذکر ہی نہیں کیا صرف روایت ذکر کی ہے لیکن اس روایت میں کوئی لفظ ایسا ہوتا ہے جو قرآن میں بھی وارد ہے اور اس میں اختلاف قرار ہے، جیسا کہ اس کتاب کی روایات پڑھنے سے معلوم ہو جائیگا، فلنر تعالیٰ در المصنف، یہی مضمون حضرت نے بذل المجرورہ میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل فرمایا ہے وکتب مولانا محمد کئی المرحوم، ثم لا ینذهب علیک ان غرض المصنف فی هذا الباب ایراد ما ثبت بالروایة فی لفظہ - معینہ وکان فیہا اختلاف نکل ما اور نہ ظہننا علی وجہ یكون فیہ وجہ آخر غیر ما ذکرہ او۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قرأ .. واتخذوا من مقامہ ابراہیم مصلی .. اتخذوا .. میں دو قرار میں ہیں بکسر الخاء علی صیغۃ الامر۔ اور یہی اکثر کی قرار ہے اور اس میں نافع اور ابن عامر کی قرار ہے واتخذوا .. ہے فار کے فتح کے ساتھ۔ یعنی ماضی کا صیغہ (بذل) والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وقال الترمذی: حسن صحیح، قال المنذری۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ ان رجلاً قام من اللیل یقرأ فرفع صوتہ بالقرآن فلما اصبح قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: کائن من آیتہ اذ کثر فیہا اللیلۃ کنت قد اسقطتها۔ اکثر نسخوں میں یہاں پر اسی طرح ہے "کائن من آیتہ"۔ اور ایک نسخہ میں "کائی" ہے یہ حدیث کتاب الصلوة میں گذر چکی، اور وہاں اس جگہ کا حوالہ بھی ہم دے چکے ہیں، اور وہاں ہم نے یہ تشریح بھی کر دی ہے کہ کتاب الحروف والقراءۃ میں یہ حدیث کیوں آ رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف اس حدیث کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "کائن" مذکور ہے اور یہی لفظ قرآن میں بھی ایک جگہ آتا ہے فی قوله تعالیٰ .. وکأنت من نبی قاتل معہ ربیون کثیر" تو مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس لفظ میں اختلاف قراءۃ ہے "کائن من نبی" اور "کائی من نبی" چونکہ یہ لفظ حدیث میں آیا تھا اسلئے مصنف نے جس جگہ قرآن میں یہ لفظ آیا ہے اس میں اختلاف قرار ہے، کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، وقد تقدم فی کتاب الصلوة، قال المنذری۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: نزلت هذه الآیة .. وما کان للنبی ان یغزل .. فی تطیفة حمراء فقدت یوم بدر الخ یہاں پر مقصود بالذکر لفظ "یغزل" ہے اس میں دوسری قرار ہے "یغزل" مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے ائی یؤجد قالاً۔ والحدیث اخرجہ الترمذی، قال المنذری۔

اللہم فی اعوذ بک من البخل والهمم، قال ابو داؤد: والبخل بفتح الباء والخاء۔ بخل کا لفظ قرآن پاک میں کسی جگہ آیا ہے۔ ویامرون الناس بالبخل (سورۃ نساء) ویامرون بالبخل (حدید) تو اشارہ کرنا ہے اختلاف قرار ہے کی طرف ان سب جگہوں میں۔ "بخل" بفتح الباء والخاء اور بخل" یا الضم والسکون۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی بطولہ، قال المنذری۔

عن يعقوب بن صبرة رضى الله تعالى عنه قال كنت واخذ بيدي المنفق . . . . . فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله  
وسنة . لا تحسبن . ولم يقل . لا تحسبن .

یہ حدیث ابواب الوضوء میں باب الاشارة میں گذر چکی، مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ لفظ لا تحسبن قرآن کریم میں بھی  
آیا ہے۔ لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا۔ اس میں اختلاف قرأت بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ سین کے کسرہ اور  
فتح دونوں طرح منقول ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قاله المنذرى۔

فنزلت . ولا تقولوا لمن اتقى اليكم السلام لست مؤمنا . اس میں دو قرأتیں ہیں . السلام . اور . السلم . نافع  
اور ابن عمر اور حمزہ نے اس کو . السلم . بغیر الف کے اور دوسرے قرآن نے . السلام . الف کے ساتھ پڑھا ہے، اور ایک قرأت اس میں  
یسلم اور ایک سلم بھی منقول ہے (بذل)

کما يتقن . غير اولى الضره اس میں لفظ غیر میں رار کا ضمہ اور فتح دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

والعين بالعين . اس آیت کی طرف اشارہ ہے . وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين ، والعين  
کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی، قاله المنذرى۔

قرأت عند عبد الله بن عمرو رضى الله تعالى عنه . الله الذى خلقكم من ضعف . فقال . من ضعف .  
عظيمة ثوقی کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی ضعف کے فتح کے  
کیساتھ، تو انہوں نے اس کی اصلاح کی . ضعف . یعنی ضم ضاد کیساتھ، اور فرمایا انہوں نے کہ میں نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ  
عليه وآله وسلم کے سامنے اسی طرح پڑھا تھا تو حضور نے بھی میری اسی طرح گرفت کی تھی، اسکی مزید تحقیق بذل میں دیکھی جائے۔

قرأ . بفضل الله وبرحمته فبذلك فلتفرحوا هو خير مما تجمعون .

یہاں پر دونوں لفظوں میں اختلاف قرأت ہے . فلیفرحوا . قرأہ متواترہ ہے . یاہ کے ساتھ، اور . فلتفرحوا .  
قرأہ غیر متواترہ ہے . مشہورہ یا شاذہ، اسی طرح . تجمعون میں دونوں قرأتیں ہیں، ابن عامر کی قرأت میں . تجمعون . تاکہ کیساتھ  
اور باقی کی قرأہ . مما . تجمعون . یاہ کے ساتھ . (بذل)

عن اسماء بنت يزيد رضى الله تعالى عنها انها سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول  
" انه عمل غير صالح "

یعنی سورہ ہود میں . یا نوح انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح . یعنی عمل بصیغہ ماضی، اور غیر صالح،  
منصوب بنا بر مفعولیت، اور دوسری قرأت اس میں . عمل . رفع لام مع التثنية، اور غیر . کی رار مرفوع . پہلی صورت  
میں . انه . کی ضمیر . ابن . کی طرف راجع ہوگی، اور دوسری صورت میں سوال کی طرف راجع ہوگی کہ تمہارا اپنے بیٹے کیلئے نجات  
کا سوال کرنا عمل غیر صالح ہے۔

”بذل میں لکھا ہے پہلی قرارت کے بارے میں: وھذہ قرارة الکسانی فقط وصی قرارة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
روی عن عائشة واسمار بنت زید وام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہن، وقرأ الباقون بفتح المیم، دوسری قرارت باقی قرار کی ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی، قالہ للسنذری۔“

عن شہر بن حوشب قال سألت ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیف کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
وسلم یقرأ ہذا الایة ”انہ عمل غیر صالح“ فقالت قرأها عمل غیر صالح“

یہ دوسری روایت ام سلمہ سے مروی ہے اور پہلی اسماء بنت زید سے تھی، اور دونوں سے روایت کرنے والے شہر بن  
حوشب ہی ہیں، لیکن پہنے طریقوں میں روایت حماد عن ثابت بن شہر ہے اور دوسری میں عبد العزیز بن شہر ثابت ہے۔

قال ابو داؤد: رواہ ہارون النحوی وموسیٰ بن خلف عن ثابت کما قال عبد العزیز  
مصنف فرما رہے ہیں کہ اکثر رواۃ نے اسی طرح روایت کی ہے جس طرح عبد العزیز نے یعنی سالت

ام سلمة الخ۔ دونوں روایتوں کے سیاق میں بھی فرق ہے اور راویہ حدیث صحابیہ کے نام میں بھی فرق ہے ایک جگہ اسماء بنت  
زید ہے اور دوسری جگہ اسکے بجائے ام سلمہ ہے امام ترمذی نے بھی دونوں سیاق کے ساتھ روایت کو ذکر کیا ہے، ان کے  
کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر رواۃ نے اس حدیث کو بلفظ ”ام سلمہ“ ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ہذا حدیث  
قد رواہ غیر واحد عن ثابت البنانی نحو ہذا (یعنی عن شہر بن حوشب عن ام سلمة) وقد روی ہذا الحدیث ایضاً عن شہر بن حوشب  
عن اسماء بنت زید، پھر اس کے بعد امام ترمذی نے اپنے استاذ عبد بن حمید سے نقل کیا کہ یہ اسماء بنت زید ام سلمہ النصاریہ ہیں  
اور یہ کہ دونوں حدیثیں میرے نزدیک ایک ہی ہیں اھ یعنی جس روایت میں ام سلمہ ہے اس سے مراد ام المؤمنین نہیں ہیں بلکہ  
ام سلمہ النصاریہ مراد ہیں جن کا نام اسماء بنت زید ہے۔ ایک روایت میں نام مذکور ہے اور ایک میں کنیت۔ لیکن یہ رائے  
امام ترمذی کے استاذ عبد بن حمید کے امام ترمذی نے اس میں اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی لیکن امام ابو داؤد کے کلام سے  
مستفاد ہوتا ہے کہ یہ رواۃ کا اختلاف ہے اور ترجیح انہوں نے ام سلمہ کو دی ہے نہ بہ کثرة رواۃ۔ اور حضرت نے بھی  
بذل المجبود میں ام سلمہ کے نام کے ساتھ ام المؤمنین لکھا ہے گویا تین اور شارح دونوں کی رائے میں یہ دو نام الگ الگ  
ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا دعایہ بنفسہ  
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی (کہ اگر دوسرے  
کے لئے دعا کرنا مقصود ہوتا) تو اس دعا کی ابتداء اپنے سے فرماتے تھے (جیسا کہ اگلی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کہ) آپ  
نے فرمایا ہم پر اوز موسیٰ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اگر موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، یعنی حضرت خضر علیہ السلام سے بار بار سوال

نہ فرماتے تو نہ جانے ان سے کیا کیا عجیب باتیں دیکھنے میں آتیں۔

ولكنه قال: ان سالتك عن شئ بعد ما فلا تصاحبنى قد بلغت من لدنى طولها حمزة،

طول اس کا تعلق لدنى سے ہے اور طول بمعنی شد و ثقل، جیسا کہ بعد والی روایت میں آرہا ہے، اور اسی طرح ترمذی کی روایت میں ہے اسی حدیث میں "انہ قرأ قد بلغت من لدنى عذراء مثقلة" اور اس میں دوسری قرأت "من لدنى" ہے تخفیف نون کیساتھ، حضرت نے بذل الجہود میں اس کی شرح اسی طرح کی ہے، اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ "فلا تصاحبنى" میں قرأت "فلا تصحبنى" بھی ہے، چنانچہ "بذل" میں ہے، قال ابن رسلان قرأ عيسى ويعقوب فلا تصحبنى، مضارع صحب، پس ہو سکتا ہے کہ طولاً حمزة سے یہی مراد ہو بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اگر اس کا تعلق لدنى سے ہوتا تو پھر آیت کو پیچھے سے ذکر کرنے کی کیا حاجت تھی، البتہ اسکے بعد جو روایت آرہی ہے جس کے لفظ یہ ہیں "انہ قرأها قد بلغت من لدنى" و ثقلها، اس کا تعلق لدنى سے بھی ہے اسلئے کہ تشقیل ہی کے معنی تشدید کے ہیں، اور تطویل کے زیادہ مناسب معنی الف کی زیادتی کے ہیں جو "فلا تصاحبنى" ہی میں پائے جاتے ہیں، قائل والحديث اخرجه الترمذى والنسائى، قال المنذرى۔

تنبیہ: ترمذی کی روایت "قد بلغت من لدنى عذراء مثقلة" کے نیچے بین السطور لکھا ہے یعنی بضم ذال خواندہ، دایں نسبت سکون مشعل است اھ گویا مثقلة کا تعلق عذراء سے قرار دیا، لیکن یہ تو اس پر موقوف ہے کہ "عذراء" میں ایک قرأت ضم ذال کی بھی ہو "عذراء"۔

سمعت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول: اقرا فی ابی بن کعب کما اقرا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم، فی عین حمزة مخففة اور چند احادیث کے بعد ابو ذر کی حدیث میں یہ آرہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ سورج غروب ہونے والا تھا آپ نے مجھ سے پوچھا اهل تدری این تعرب هذه؛ قلت اللہ ورسولہ اعلم، قال فانها تعرب فی عین حامية، اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ میں دو قرأتیں ہیں، حامية بمعنی حارہ، اور حمزة بمعنی الطین الاسود، سیاہ گارہ اور صحیح الحدیث اخرجه الترمذی قال المنذرى، و حدیث ابی ذر اخرجه البخاری وسلم والترمذی والنسائی اتم منه، قال المنذرى۔

ان الرجل من اهل عليين ليشرق على اهل الجنة فتضي الجنة بوجهه كأنها كوكب دنى قال وهكنا

جاء الحديث..... وان ابا بكر وعمر لمنهم وانما۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ جو جنتی علیین میں ہوں گے یعنی جنت کے اوپر والے درجہ میں توجب ان میں سے کوئی شخص نیچے والے جنتی کی طرف جھانک کر دیکھے گا تو اس اوپر والے جنتی کے چہرہ کی چمک سے نیچے والی جنت روشن ہو جائیگی، اور وہ اوپر والے جنتیوں کے چہرے نیچے والوں کو ایسے معلوم ہوں گے جیسے چمکتے ہوئے ستارے ہوتے ہیں، اور پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں ابو بکر و عمر ان ہی میں سے ہوں گے یعنی اوپر والوں میں سے، اور اس سے بھی بڑھ کر۔

امام ابوداؤد فرما رہے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "درداء" ضم وال کے ساتھ ہے بغیر حمزہ کے، اور دوسری قرأت اس میں

جس کی طرف مصنف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں وہ "دریسی" کسر وال اور ہمزہ کے ساتھ جو اخذ ہے، "ذو" سے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں، اور پہلی صورت میں یہ نسبت ہوگی "ذو" کی طرف جس کے معنی موتی کے ہیں۔

والحدیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی حسن، ویس فی حدیثہما تفسیر الکلمۃ، قال المنذری۔

فقال رجل من القوم یا رسول اللہ اخبونا عن سبأ ما هو؟ ارض او امرأة الخ۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سبأ کے بارے میں ہمیں بتلائیے کہ وہ کیا ہے کسی جگہ اور زمین کا نام ہے یا کسی عورت کا؟ آپ نے فرمایا کہ نہ کسی زمین کا نام ہے نہ کسی عورت کا۔ بلکہ وہ ایک عرب شخص تھا جس کے دس لڑکے پیدا ہوئے تھے جس میں سے چھ بچے گئے تھے، وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے اور چار ملک شام، مصنف نے اس روایت کو مختصر ذکر کیا ہے اور اختصار کی طرف اشارہ اپنے قول قد ذکر الحدیث سے کر دیا ہے، روایت مفصلہ ترمذی میں ہے جس کے اخیر میں ہے "قال وانزل فی سبأ ما انزل" اور سبأ کے بارے میں سورہ سبأ میں یہ آیت مذکور ہے "لقد کان لسبأ فی مسکنہم آیتۃ لفظ سبأ میں قرأت مختلف ہے "لسبأ" (توزین ہمزہ کے ساتھ) "لسبأ" (بلا تونین) اور "لسبأ" (سکون ہمزہ کیساتھ) والحدیث اخبرہ الترمذی، وقال غریب، قال المنذری۔

قال: فذلک قولہ تعالیٰ "حتی اذا فزع عن قلوبہم" یعنی تفزیح باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ دوسری قرأت اس میں "فزع" ہے تخفیف کے ساتھ مجرد سے۔ والحدیث اخبرہ البخاری والترمذی وابن ماجہ تمامہ، قال المنذری۔

بلی قد جاء تک آیاتی فکذب بہا واستکبرت وکنت من الکافرین۔

چاروں جگہ مؤنث کے صیغہ کے ساتھ نفس کو خطاب کرتے ہوئے جو کہ مؤنث معامی ہے اور دوسری قرأت اس میں وہی ہے جو ہماری تمہاری قرأت ہے یعنی مخاطب مذکر کے صیغہ کیساتھ۔

سمعت النبی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر یقرأ، ونادوا یا مالک۔

اس کے بعد یہ ہے "یقض علینا ربک قال انکم ما کثون" سورہ زخرف میں "یا مالک" میں دو قرأتیں اور ہیں

ترخیم کیساتھ "یا مال" بضم اللام اور یا مال بکسر اللام۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جہنمی سارے مل کر جہنم کے داروغہ مالک سے درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کر دو کہ وہ ہم کو موت ہی دیدے۔ تو وہاں سے جواب ملے گا "انکم ما کثون" کہ تم کو یہیں رہنا ہے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ یہ جواب ان کو ایک ہزار سال کے انتظار کے بعد ملے گا انا ان اللہ تعالیٰ مہنا۔

والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی، قال المتذری۔

"انی انا الرزاق ذوالقوۃ المتین" یہ قرأت غیر متواتر ہے، اور قرأت متواترہ "ان اللہ هو الرزاق ذوالقوۃ

المتین" ہے۔ والحدیث اخبرہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: حسن صحیح، قال المنذری۔



ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقرأها، فہل من مُدَّ کَر۔ اور دوسری قرأت انہیں (مدکور) ہے  
ذال معجم سے، اور "مدکور" اصل میں مُدَّ تکرر تھا اولاً تاہ کو دال سے بدلا گیا التقارب مخرباً پھر ذال کو دال سے بدل کر اقام  
کر دیا گیا۔ والحديث اخرجه الترمذی والنسائی، قال الترمذی۔

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقرأها، فَرُوْحٌ وِريحان۔ یہ قرأت غیر متواترہ ہے یعنی  
ضم زار کے ساتھ اور قرأت متواترہ فتح زار کے ساتھ ہے، فَرُوْحٌ وِريحان۔

رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقرأ، اي حسب ان ماله اخذده، اس میں نسخے مختلف ہیں بعض  
میں اسی طرح ہے، ہمزہ استفہام کے ساتھ، اور بعض میں بحسب، بغیر ہمزہ کے، اور یہی نسخہ صحیح ہے، اسلئے کہ اس آیت میں  
ایحسب، ہمزہ کے ساتھ کسی کی قرأتہ نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف قرأت صرف کسرین اور فتح سین کا ہے۔

فيومئذ لا يعذب عذابه احد ولا يوثق وثاقه احد، یعنی دونوں جگہ فعل مجہول، اور دوسری قرأت انہیں  
لا يعذب اور لا يوثق صیغہ معروف کیساتھ ہے۔

حدث رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حديثا ذكر فيه جبرائيل وميكائيل فقال جبرائيل  
وميكائيل، ان دون لفظوں میں جبرائیل ومیکائیل ابوداؤد کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے، بذل میں ابن رسلان  
سے یہ نقل کیا ہے کہ مجھے کوئی نقل اس بارے میں نہیں ملی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تلفظ ان دونوں لفظوں میں کیا تھا  
اور اہل عرب نے ان دونوں لفظوں میں بہت تصرف اور تغیر کیا ہے اپنی عادت کے مطابق جو کہ اسما عجیبہ میں تغیر کی ہے، یہاں  
تک کہ ان دونوں لفظوں میں تیرہ لغت ہو گئے ہیں، لیکن اصل اس میں چونکہ لغت قریش ہے اسلئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
قرشی ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ جبریل ہو بلکہ بحجیم والرار بروزن تبدیل، فانہا لغتہ العجاز وھی قرأتہ ابن عامر والی عمرو  
وتابع وحفص، وقال حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وجبريل رسول الله فينا وروح القدس ليس له الكفار

اور میکائیل کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ وہ میکال ہے بالقصر مع حذف ہمزہ بروزن مفعال اہ (بذل) ابوداؤد کے  
بعض نسخوں میں ہے کہ خلف کہتے ہیں کہ چالیس سال سے میں کتابت حروف میں مشغول ہوں، کبھی کسی لفظ کی کتابت نے مجھے عاجز  
نہیں کیا جیسا کہ مجھ کو جبرائیل ومیکائیل نے عاجز کیا۔

ان تیرہ لغتوں میں بارہ تو حرف لام کے ساتھ ہیں اور تیرہ ہواں لغت بجائے لام کے نون کے ساتھ، جبرائیل۔

كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وابو بكر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم یقرءون، ملك يوم

الدين، واول من قرأها ملك يوم الدين ثم روان،

یعنی یہ سب حضرات تو "مالک یوم الدین" الف کے ساتھ پڑھتے تھے اور سب سے پہلے جس شخص نے بلک بغیر الف کے



وخمسة معروفة، وقال صاحب الجمل بعد ذكر اختلاف القراءات في هذا اللفظ: فالقراءات السبعة سبعة وهذه كلها لغات في هذه الكلمة وهي في كلها اسم فعل بمعنى هلم اي اقبل وتعال اه۔ والحديث اخرجہ البخاری بنحوہ، قال المنذرى۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال الله لبينى اسرائيل ادخلوا الباب سجداً وقولوا حطة تغفركم خطاياكم، اس لفظ میں تین قراءتیں ہیں۔ تَغْفِرُ، يُغْفِرُ، تَغْفِرُ (بذل) والاولی قراۃ ابن عامر والثانیۃ قراۃ نافع، والثالثۃ للباقرین (بذل)

والحدیث اخرجہ البخاری وسلم والترمذی والنسائی من حدیث ہمام بن منبہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ، قال المنذرى

عن عائشة رضی اللہ تعالی عنہما قالت نزل الوحي على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقرا علينا

سورة انزلناها وفرضناها۔ قال ابو داود يعنى مخففة، يعنى فرضنا میں رار کی تخفیف کیساتھ، اور اس کا مقابل تشدید رار ہے، بذل میں ہے: قرأ ابن كثير وابوعمر۔ وفرضناها۔ بتشديد الرار، والباقرین بتخفيفها اه۔

قرارات سبعة کے ائمہ اور ان کے مشہور راویوں کا مختصر تعارف

ذہن میں آیا کہ اب اخیر میں مقام کی مناسبت سے قراءات سبعة مشہورہ متواترہ کے ائمہ کے اسماء گرامی ذکر کر دیئے جائیں، علماء قراءت نے ان ائمہ کے رواۃ میں سے دو راویوں کو بھی ذکر کیا ہے (۱) امام نافع مدنی، یہ نافع بن عبد الرحمن لیشی ہیں ان کے

راوی عیسی بن میناندنی ہیں جن کا لقب قانن ہے، اور دوسرے راوی ابو سعید عثمان بن سعید مصری قرشی ہیں، جن کا لقب

ورش ہے (۲) امام ابن کثیر مکی ان کا نام ابو معبد عبد اللہ بن کثیر کنانی قاری الاصل جن کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، ان کے

ایک راوی ابو الحسن احمد بن محمد مخزومی دلازمکی ہیں، اور دوسرے راوی ابو عمر محمد بن عبد الرحمن مخزومی مکی جن کا لقب قنبل ہے

(۳) امام ابو عمر بصری ان کے ایک راوی ابو عمر حفص بن عمر ازدی دوری فریر ہیں اور دوسرے راوی ابو شعیب صالح بن زیاد رقی

ہیں (۴) امام ابن علم شامی عبد اللہ بن عامر بصری امام جامع دمشق ہیں، ان کے ایک راوی ابو الولید ہشام بن عمار خطیب جامع دمشق، اور دوسرے راوی

ابو عمر عبد اللہ بن احمد فہری قرشی امام جامع دمشق ہیں (۵) امام کوفی ابو بکر عاصم بن ابوالخیر اسدی دلازمکونی آپ کے ایک راوی ابو بکر شعبہ

ابن عیاش حنظل اور دوسرے راوی ابو عمر حفص بن سلیمان ہیں، حفص کے بار میں لکھا ہے کہ اگرچہ قراءات سبعة بلکہ عشرہ متواترہ ہیں اور

سبعة کے خلاف تو کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ حمین اور بصرہ کی قراءات خالص قرشی ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیاز

بھی ہیں مگر یہ قبولیت خدا داد ہے کہ صدیوں سے مکاتب و مدارس میں صرف روایت حفص پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین

پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نو سو ننانوے آدمیوں کو صرف یہی روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی نہ ہو جس نے یہ روایت

نہ پڑھی ہو، ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء (۶) امام حمزہ کوفی ابو عامر حمزہ بن حمزہ بن عبد مناف بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن

ابن ہشام اور دوسرے راوی ابو عیسیٰ خلد بن خالد صیرفی کوفی ہیں، (۷) امام ابو الحسن علی بن حمزہ الکسانی نحوی کوفی یہ حضرت

امام محمد بن الحسن شیبانی کے خالد زاد بھائی تھے، ان کے ایک راوی ابو الحارث لیث بن خالد نحوی اور دوسرے راوی ابو عمر حفص

ابن عمر ہیں اور یہ وہی ہیں جو امام ابو عمر و بصری کے بھی راوی ہیں۔ (ماخوذ از شرح سبعہ قرارات مؤلفہ قاری محی الاسلام پانی پتی)

## اول کتاب الحمام

اس کتاب کی ما قبل سے مناسبت | یہ کتاب مقدمہ اور تمہید ہے آئندہ جو کتاب اللباس آرہی ہے اس کیلئے اسلئے کہ لباس اور کپڑے صاف ستھرے آدمی بدلتا ہے دخول حمام اور غسل کے بعد لہذا کتاب اللباس اور کتاب بحروف میں مناسبت دیکھنی ہے، سو وہ ظاہر ہے اسلئے کہ حروف اور الفاظ معانی کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں، فلما فرغ المصنف من احد قسمی اللباس شرع فی الآخر۔

من عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن دخول الحمامات

شردخص للرجال ان یدخلوها فی المیازر۔

یہ روایت مختصر ہے، اسکے بعد والی روایت مفصل ہے، روایتیں دونوں حضرت عائشہ ہی سے مروی ہیں، روایت

مفصلہ میں ہے، دخل نسوة من اهل الشام علی عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقالت مم انتن؛ فقلن من

اهل الشام، قالت: لعلكن من الکورة التي تدخل نساؤها الحمامات؛ قلن نعم۔

مضمون حدیث | یعنی ایک مرتبہ کچھ شامی عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں تو انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں کی ہو، انہوں نے کہا ہم اہل شام سے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا شاید

تم شام کے اس علاقہ کی ہو جہاں کی عورتیں حمامات میں داخل ہوتی ہیں، یعنی غسل کے لئے۔ انہوں نے کہا کہ جی صحیح ہے، اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی عورت جو اپنے گھر کے علاوہ دوسری جگہ اپنے کپڑے اتارے مگر یہ کہ وہ اس ستر اور پردہ کو چاک کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اسکے درمیان قائم فرمایا ہے یعنی انسان اور معاصی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو پردہ اور رکاوٹ قائم کی ہے اس کو وہ توڑتی ہے یعنی حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے۔

اور باب کی پہلی روایت کا مضمون یہ ہے کہ شروع میں آپ نے دخول حمام سے مطلقاً منع فرمایا تھا اسکے بعد صرف رجال کیلئے پردہ اور لنگی کیساتھ داخل ہونے کی آپ نے اجازت دی۔

معلوم ہوا کہ مردوں کے حق میں نہیں منسوخ ہے لیکن عورتوں کے حق میں باقی ہے بعض بڑے شہروں میں حمامات کے انتظامات ہوتے ہیں جس کا عرب میں دستور نہ تھا اسی لئے اگے حدیث ابن عمر میں آرہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا تھا: انہا ستفتح لکھارض العجر دستجدون فیہا بیوتایقال لہا الحمامات فلا یدخلنہا

الرجال الا بالازد، وامنعوها النساء الامریضة او نساء یعنی آپ نے فرمایا کہ مسلمان ارض عجم کو فتح کریں گے اور

وہاں ایسے مکانات اور عمارتیں پائیں گے جن کو حمامات کہا جاتا ہے، اس میں مرد بغیر ازار کے ہرگز داخل نہ ہوں، اور عورتوں کو وہاں جانے سے منع کرو، الایہ کہ وہ مریض ہو یا حیض و نفاس والی ہو۔

ان حمامات میں دخول سے اسلئے منع کیا گیا کہ وہاں کشف عورت اور بے پردگی ہوتی ہے، نیز مردوں عورتوں کا اختلاط تباہی و تخریب ہے، حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجہما الترمذی وابن ماجہ، و حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ ابن ماجہ،

قال المنذری۔

## باب النهی عن التعری

عن یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راى رجلا یغتسل بالبراز

فصعد المنبر فحمد اللہ واثنى علیہ ثم قال ان اللہ حیئی وستیون یہ لفظ "حیی" ایک یار کے ساتھ نہیں ہے وہ تو حیا سے ماخوذ ہے اور یہ دو یار کے ساتھ حیا سے ماخوذ ہے بروزن فعیل، ہمارے نسخہ میں اسی طرح ہے، یغتسل بالبراز اور بعض میں ہے یغتسل بالبراز اور بعض میں یغتسل بالازار ہے۔

شرح الحدیث و فقہہ | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کھلی جگہ میں بغیر ازار اور ستر کے غسل کر رہا تھا، آپ نے براہ راست اس شخص سے تو کچھ نہیں فرمایا کہ آپ کی عادت شریفہ ردبرو ٹوکنے کی نہ تھی بلکہ عام تقریر اور بیان کے انداز میں آپ تنبیہ فرماتے تھے، چنانچہ یہاں بھی آپ نے ایسا ہی کیا کہ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ کے بعد اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا آپ نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ حیا دار اور شرمیلے ہیں اور دوسرے سے بھی حیا اور پردہ کو پسند فرماتے ہیں، پس جو شخص تم میں سے غسل کرے تو اس کو پردہ اختیار کرنا چاہیے۔

بذل الجہود میں لکھا ہے کہ اگر غسل لوگوں کے سامنے کر رہا ہو تب تو ستر واجب ہے اور اگر خلوت اور تنہائی میں ہو اس وقت مستحب ہے، ونقل عیاض جواز الاغتسال عریاناً فی الخلوۃ عند جماہیر العمار الحدیث البخاری ان موسیٰ اغتسل عریاناً وان الیوب کان یغتسل عریاناً ہ زمانہ جاہلیت میں پردہ بالکل تھا ہی نہیں چنانچہ کشف عورت کے ساتھ استنجار کرنے کا ذکر کتاب الطہارۃ میں گذر چکا، لا ینخرج الرجلان یضربان الغائط کا شہین عن عورتہما الحدیث۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

جلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و فخذی منکشفة فقال اما علمت ان الفخذ عورة؟

لہ اس تعری سے مقصود بالذات وہ تعری ہے جو عند الغسل ہوا سی لئے مصنف اس باب کو کتاب الحجام میں لائے ہیں بجائے کتاب اللباس کے، واللہ تعالیٰ اعلم  
تہ اگلے باب کی آخری حدیث میں آ رہا ہے قلت یا رسول اللہ اذا کان احدنا قالیاً، قال اللہ احمی ان۔ ستمی امن الناس، اس پر حضرت شیخ کے حاشیہ میں ہے کہ شامی میں خلوت کی حالت میں بھی ستر کو واجب قرار دیا ہے یعنی بلا حاجت برہنہ ہونا جائز نہیں، اور شرح اقتناع میں استحباب کی تصریح کی ہے لیکن امام نووی فرماتے ہیں الاصح الوجوب۔

ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے ان کے نزدیک فحذہ عورت میں داخل ہے اس میں ظاہر یہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک عورت کا مصداق صرف سواتین ہیں یعنی قبل اور دبر، مسئلہ یعنی حد العورة میں اختلاف العلماء جلد ثانی، باب جماع الثواب ما یصلی فیہ میں گذر چکا، وہاں یہ بھی گذرا ہے کہ امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ فحذہ عورت میں داخل نہیں۔

جرہد کی اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: حدیث حسن ما اُردی اسنادہ بمتصل، اور اس کی سند میں اختلاف واضطراب بھی ہے جو بڈل میں مذکور ہے، اور صحیح بخاری میں ہے امام بخاری فرماتے ہیں حدیث انس اسناد و حدیث جرہد اخطوط حدیث انس سے مراد یہ ہے، حسرتی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن فحذہ۔ ابن رسلان فرماتے ہیں: ومعنی قوله "اسنادہ ای حسن اسناداً، ومعنی قوله "اخطوط" اقرب الی التقوی، والجواب عن حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ محمول علی انہ انکشف فحذہ بغیر اختیارہ وعلمہ وقصدہ، وانما انکشف من اسرع الدابة ونحوہ، فلا یستلزم ذلك ان لا تكون الفحذ عورة (من البذل)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تکشف فحذک ولا تنظر الی فحذک ولا یصیبک قال ابو داؤد: هذا الحدیث فیہ تکرار۔

نکارۃ کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں حبیب اور عاصم کے درمیان انقطاع ہے، ان کا ان سے سماع ثابت نہیں اگرچہ رجال اسناد ثقہ ہیں، بڈل میں ابن رسلان سے یہ جواب نقل کیا ہے: وقد زال الانقطاع بواسطة الحسن بن ذکوان كما قال ابو حاتم۔ او عمر بن خالد كما ذكره البزار، وقد اخرج لهما البيهقي في الصحيح ولم يبق فيه نكارۃ ولا قدح اه۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ قال المنذری۔

## باب فی التعری

یہاں پر تعری سے مراد وہ برہنگی ہے جو بلا ارادہ ہو جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے جس کا مضمون یہ ہے: مسور بن محرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر لیجا رہا تھا اتفاقاً میری ہنگی کھل گئی آپ نے فرمایا کہ اپنا کپڑا درست کر "فخذ علیک ثوبک ولا تمشوا عراة" والحدیث اخرجه مسلم، قال المنذری۔

عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت یا رسول اللہ! عورتا ما نأفی منها

لہ اثیان عورت سے مراد ہے عورت کے ساتھ عورت کا معاملہ کرنا وہو الستر حدیث کی شرح یہ ہے سائل نے آپ سے سوال کیا کہ بدن کا جو حصہ عرفاد شرعاً عورت کہلاتا ہے اور جس کا کشف موجب حیا رعدا سمجھا جاتا ہے کیا اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جس کا ترک ستر جائز ہو؟ اس پر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اپنی پوری عورت کا ستر کر ہر ایک سے سوائے اپنی بیوی اور مملوکہ باندی کے۔

معلوم ہوا کہ بدن کا جتنا حصہ حد عورت میں داخل ہے اس کا کوئی بھی حصہ حکم عورت یعنی ستر سے کستی نہیں ہے بلکہ سبھی کا ستر ضروری ہے بجز ان دو کے جنکا استثناء حدیث میں مذکور ہے (بیوی اور باندی) مزید غور کے بعد حدیث شریف کی یہ تشریح کی گئی، لا الحمد والمنة۔



وما تذر؟ قال احفظ عورتك الامن زوجتك او مملكتك بمينتك، عورات جمع ہے عورت کی، بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا ضروری ہے جس کو ہماری زبان میں ستر کہتے ہیں تو ان صحابی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ پورے ہی ستر کو چھپانا ضروری ہے یا بعض کو چھوڑ بھی سکتے ہیں، آپ نے فرمایا اپنے پورے ہی ستر کو چھپاؤ سب سے سولے بیوی اور باندی کے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

لا ينظر الرجل الى عريّة الرجل ولا المرأة الى عريّة المرأة۔

**شرح الحدیث** | کہ ایک مرد دوسرے مرد کا کھلا ستر نہ دیکھے اور اسی طرح عورت، ولا یفرضی الرجل الى الرجل فی ثوب الخ پہلے جملہ میں نظر کا حکم مذکور تھا اور اس میں مس کا یعنی ایک کپڑے میں دو مرد برسہ پاس پاس نہ لیٹیں جس سے بدن سے بدن مس ہوتا ہے، اور ایسی ہی دو عورتیں ایک کپڑا اٹھ کر اسی طرح نہ لیٹیں، اسلئے کہ جب ستر کو دیکھنا جائز نہیں تو اس کا اس بطریق اولیٰ ناجائز ہے اور یہ مس البدن بالبدن اگر بدن کے اس حصہ سے ہے جو ستر میں داخل ہے تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر اس حصہ میں ہے جو غیر ستر ہے تو مکروہ تنزیہی ہے، عدم خوف فتنہ کی صورت میں ورنہ دونوں میں مکروہ تحریمی ہے (بذل) ابواب المساجد کے اخیر میں۔ مروا اولادکم بالصلاة اذا بلغوا سبعاً۔ میں گزر چکا ہے و فرقوا بینہم فی المضاجع۔ اس کی شرح بھی دیکھ لی جائے مقام کے مناسب ہے،  
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یفرضین رجل الى رجل، ولا امرأة الى امرأة الا الى ولد او والد، قال قد ذکر الثالثة فنسيتها، او پر والی حدیث کی شرح دیکھئے۔  
اور بعض نسخ میں اس سے پہلے ہے۔ آخر کتاب الحرام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اول کتاب اللباس

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا استجد ثوباً سماه باسمه اما قميصاً او عمامة  
ثم يقول اللهم لك الحمد انت كسوتنيه اسألك من خيرة وخير ما صنع له واعوذ بك من شرة  
وشر ما صنع له قال ابو نضرة: وكان اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا لبس احدهم  
ثوباً جديداً قيل له: تبلى ويخلف الله تعالى۔

لہ۔ عریۃ۔ اس میں تین لغت ہیں عریۃ، عریۃ، عریۃ (بذل عن النووی) بدن کا برہنہ حصہ۔

یعنی جب آپ ثوب جدید زیب تن فرماتے تو قمیص یا عمامہ جو بھی کچھ ہو اس کا نام لیکر یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اور ابو نصرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں یہ معمول تھا کہ جب ان میں سے کوئی نیا کپڑا پہنتا تو اس کو یہ دعا دے جاتی: تبلی ویخلف اللہ تعالیٰ، اللہ کرے تو اس کپڑے کو پہن پہن کر پرانا کرے اور پھر اسکے عوض اللہ تعالیٰ دوسرا عطا کرے۔  
اخرجه الترمذی والنسائی المسند منہ قال المنذری۔

عن سهل بن معاذ بن انس، عن ابيہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: من اكل طعاما ثم قال الحمد لله الذي اطعمني هذا الطعام ورزقنيہ من غير حول مني ولا قوۃ غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، وما تأخر، یہ دو دعائیں جو مذکور ہیں جن میں سے ایک کھانے کے بعد کی ہے اور دوسری کپڑا پہننے کے وقت کی، ان دونوں کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے گا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے، یہ بات تو مشہور ہے کہ اس نوع کی روایات میں گناہوں سے مراد صغائر ہیں، یہاں بھی یہی کہا جائیگا، دوسری بات یہاں پر بذل میں یہ لکھی ہے کہ یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر ان میں "وما تأخرہ" کا لفظ نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ گناہوں کی معافی کا تو وعدہ ہے آئندہ کے بارے میں نہیں، اور دوسری بات یہ لکھی ہے کہ اگر بیان لیا جائے۔ "وما تأخرہ" کی زیادتی کو تو پھر اس کا مطلب کیا ہے اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ گناہ باوجود وقوع کے معاف کر دیئے جائیں گے، دوسرا مطلب یہ کہ وہ آئندہ گناہوں سے محفوظ ہو جائے گا کہ آئندہ اس سے گناہ کا وقوع ہی نہ ہوگا، یہ دونوں احتمال شرح نے اہل بدر کے بارے میں جو حدیث میں آیا ہے "اعلموا ما شئتم فقد غفرت لكم" وہاں پر لکھے ہیں، لہذا یہاں بھی یہی دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ (بذل توضیح)

**حدیث میں ثواب عظیم** | اس حدیث سے جس میں گناہوں سے اتنی زبردست معافی کی بشارت ہے ایک نہایت مختصر سے عمل پر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا امت محمدیہ پر بے کراں ہونا معلوم ہو رہا ہے، اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان مجوبیت کو دخل ہوگا، جس کی امت کو قدر دانی کرنی اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، واللہ تعالیٰ الموفق۔

### باب فیما یدعی لمن لبس ثوبا جدیدا

پہلے باب میں وہ دعائیں مذکور تھیں جو خود کپڑا پہننے والے کو پڑھنی چاہیے، اور اس باب میں وہ دعا جو دوسرے کے لئے پڑھی جائے جب وہ نیا کپڑا پہننے جس کا ذکر پہلے باب میں بھی آچکا۔ تبلی ویخلف اللہ تعالیٰ، اور حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ آپ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے بہت سے کپڑے آئے جن میں ایک اڑھنی بھی تھی آپ اس کو دیکھ کر فرماتے لگے کہ اس کی زیادہ مستحق کون ہے پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ ام خالد کو بلا کر لاؤ، اس کو لایا گیا آپ نے وہ اسکو اڑھادی



عن اسماء بنت يزيد رضي الله تعالى عنها قالت كانت يدرككم قميص رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الى الرسخ.

یعنی آپ کے قمیص کی آستین پہنچے تک تھی، اور ترمذی کی روایت کے لفظ یہ ہیں: آستین کہاں تک ہونی چاہیے | کان کم ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یہ زیادہ واضح ہے بہ نسبت ابوداؤد کے لفظ کے "ید کم قمیص" اس میں "ید" کی اضافت، کم کی طرف محتاج تاویل ہے بایں طور کہ کہا جائے کہ اضافت بیان یہ ہے، اور سیوطی مرقاة المفود میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس قمیص کا بیان ہے جس کو آپ سفر میں پہنتے تھے، اور ذہ قمیص جس کو آپ حضر میں پہنتے تھے اس کی آستین اصابع تک ہوتی تھیں لکن فی حدیث رواہ البیہقی فی شعب الایمان، اور حضرت نے ہذل میں اس کو نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ ممکن ہے یوں کہا جائے کہ حدیث الباب اولیت پر محمول ہے اور حدیث بیہقی بیان جواز پر لیکن آگے شامی سے اسکے خلاف آ رہا ہے اور عون المعبود میں علامہ جزری سے نقل کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ قمیص کی آستین رسغ سے متجاوز نہ ہو اور غیر قمیص یعنی جبہ وغیرہ اسکے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں: السنۃ فیہ ان لای تجاوز رؤوس الاصابع، اس کے بعد صاحب تحف نے ان روایات مختلفہ میں مختلف وجوہ جمع ذکر کی ہیں، فی ہامش البذل وبسط اختلاف الروایات فی ذلک القاری فی شرح عون الشامی و ذکر الشامی ص ۲۲۶ فی کتاب اللباس سنیۃ الکیمین الی الاصابع فمائل. والحیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی الاقبیہ

اقبیہ جمع ہے قبا کی اس میں دو لغت ہیں قباء (بالماء) اور قبا (بالقصر) یعنی چونکہ۔

عن الیسور بن مخرمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقبیۃ ولم یعط مخرمۃ شیئا اذ۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ تقسیم فرمائے جس میں میرے والد مخرمہ رہ گئے ان کو نہ مل سکا، تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے آپ کی خدمت میں لیکر چلو (بذل میں لکھا ہے کہ وہ نابینا ہو گئے تھے) مسور کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ گیا دروازہ پر پہنچا انہوں نے مجھ سے فرمایا (کیونکہ یہ کم عمر تھے) کہ تو اندر جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر لا، مسور کہتے ہیں کہ میں آپ کو بلا کر لایا تو آپ اپنے ساتھ ایک قبا لیکر باہر تشریف لائے، اور میرے والد سے فرمایا: خباۃت هذا لک کہ یہ میں نے تیرے لئے چھپا کر رکھا تھا، مخرمہ نے جب اس کو ہاتھ میں لیکر چھو یا

لہ یہ کسی اور شارح نے نہیں لکھا بظاہر حضرت نے یہ یا نبی کا نطق بنا سے مستنبط فرمایا کہ ہمیں لے چلو، البتہ ان کے ترجمہ میں یہ ملتا ہے، و عمی فی آخر عمرہ، ادران کا آخر عمر بہت مدت کے بعد ہوا اس لئے کہ ان کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی۔

تو آپ نے فرمایا رضیٰ مخرمہ کہ خوش ہو گئے یا نہیں، ممکن ہے یہ استفہام ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ خبر ہو۔ یا یہ قول مخرمہ کا ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ اب تو میں خوش ہو گیا،

یہ روایت بخاری میں ذرا تفصیل سے ہے اور مختلف الفاظ سے متعدد جگہ ابواب الخمس میں اس طرح ہے:

ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اهديت له اقبية من ديباج مزررة بالذهب فقسها في ناس من اصحابه اور پھر آگے وہی ہے جو یہاں ابوداؤد کی روایت میں ہے، اور اسکے آخر میں ہے: وكان في خلقه شدة، راوی نے جو آخری بات ان کے بارے میں کہی، مزاج کی تیزی، یہ اشارہ ہے اسی طرف کہ ان کا اپنے حق اور حصہ کو وصول کرنے کیلئے عجلت کرنا اور اپنے چھوٹے بچہ کو ساتھ لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدہ پر جانا، یعنی اس کا منشا یہ تھا، ایسے ہی، اسد الغابہ میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے: وكان في لسانه فقطافة - وكان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يتقى لسانه، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسور بن محرز صحابی ابن الصحابی ہیں اور مسور صغار صحابہ میں سے ہیں جیسے محمود بن الرزیح، مسائب بن یزید وغیرہم۔ والحديث اخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي، قال المنذرى۔

### باب في لبس الشهرة

من لبس ثوب شهرة البسه الله يوم القيامة ثوباً مثله، ثم تكهّب فيه النار  
یعنی جو شخص شہرت کے لئے کپڑا پہنے یا تو عمدہ بطور تفاخر کے یا بہت سادہ اظہار زہد کے لئے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بروز قیامت ایسا ہی کپڑا پہنائیں گے، اور پھر اس کپڑے میں آگ لگا دی جائیگی، والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه، قال المنذرى۔

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من تشبه بقوم فهو منهم  
یعنی جو شخص جس قسم کے لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا لباس وغیرہ امور میں خواہ وہ جن کی مشابہت اختیار کر رہا ہے کفار و فساق میں سے ہوں، یا صالح اور ابرار میں سے ہوں، پس اس شخص کا شمار ان ہی میں ہوگا باعتبار انتم اور خیر دونوں کے، یعنی عن اللہ تعالیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ صلحیہ کے لباس اختیار کرنے میں بھی فائدہ اور خیر ہے بشرطیکہ اتباع کی نیت سے ہو، شہرت اور لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا مقصود نہ ہو، جیسا کہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں جو ساحترائے تھے وہ اسی جیسے لباس میں آئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا، تو اس مشابہت ہی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے نوازا تھا۔

لہ اسکے بارے میں ایک اور نکتہ بھی لکھتے ہیں وہ یہ کہ وہ ساحر چونکہ اپنے فن کے ماہر تھے وہ کچھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے وہ سحر کے قبیل سے نہیں ہے اسلئے کہ اس میں قلب ماہیت ہو گیا تھا اور ساحر کے سحر سے قلب ماہیت نہیں ہوتا بلکہ صرف ظاہری صورت بر لیتی ہے۔ واللہ بہمدیٰ من یشار الی صراط مستقیم۔

لباس کے اختیار کرنے میں ضابطہ | لباس کیسا پہننا چاہیے اس کا قاعدہ ہم نے اپنے بعض اساتذہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ سنا ہے کہ جس لباس کی مدح یا مذمت حدیث شریف میں منصوص ہے اس میں تو اس کا اعتبار ہوگا اسکے علاوہ میں یہ ہے کہ جس زمانہ کے صلحی اور کاجولباس ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے، وذلک لانه قال لہ تعالیٰ "واتبع سبیل من اتبالی۔"

## باب فی لبس الصوف والشعر

صوف یعنی اون اور بھیڑ وغیرہ کے بال، اور شعر بکری وغیرہ کے بال۔

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ مرط مڑخل الخ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک روز آپ گھر سے نکلے جبکہ آپ ایسی چادر میں ملبوس تھے جس میں رجال اہل کی تصاویر تھیں اور وہ چادر سیاہ بالوں کی تھی، یعنی سیاہ کمبل۔

اور اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ تصاویر غیر فی روح کی تھیں، اس حدیث سے آپ کے سیاہ کمبل اور ٹھننے کا ثبوت ہوا، ویسے آپ سے دوسرے الوان کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہے جیسا کہ آگے روایات میں آرہا ہے، سیاہ کمبل کی کوئی تخصیص نہیں ہے، لیکن عوام میں اس لفظ کی شہرت ہے آپ کے بارے میں "کالی کالی والے" سو ہو سکتا ہے اس کا کوئی خاص سبب ہو اور کسی خاص وقت میں آپ سیاہ کمبل میں ہوں، سو چنے سے میرا ذہن اس واقعہ کی طرف گیا جس کو آیت مباہلہ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے، یعنی یہ آیت "قل تعالوا ندع ابناءنا وبناتنا کم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبہل فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین۔"

آپ کے ارادہ مباہلہ پر | ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی دعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علیا وفاطمہ وحسنا وحسینا فقال اللهم صل علیہم صلوا لراہلی" اس آیت پر آپ نے نصاریٰ نجران کے ساتھ مباہلہ کا ارادہ فرمایا اور آپ اپنے گھر سے نکلے جبکہ آپ کے اوپر سیاہ کمبل تھا، وعلیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مرط من شعرا سود، اور اس وقت آپ نے حضرت حسین کو اپنی گود میں لیا اور حضرت حسن کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پیچھے حضرت فاطمہ تھیں اور ان کے پیچھے حضرت علی، نجران کے ایک پادری نے جب یہ منظر دیکھا تو اس نے اپنے لوگوں سے خطاب کر کے کہا "انی لاری وجوہا لودعت اللہ ان یزیل جبالاً من مکانہ لاذالہ بہا، فلا تباہلوا فتہلکوا ولا تبغی علی وجہ الارض نصرانی الی یومہ القیامۃ" یعنی میں ایسے نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کیلئے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ہٹا دیں گے، لہذا تم اس نبی کے ساتھ مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا، چنانچہ اس کے بعد ان لوگوں کی رائے مباہلہ کی نہ رہی، یہ مفصل واقعہ ہے آگے تک، تو اس خاص موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کالی کالی میں تھے، والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی، قال المنذری۔



استسکیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فکسانی خدشتین فلقدر رأیتنی وانا کنتی اصحابی  
عتبة بن عبد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ سے پہننے کے لئے کپڑا طلب کیا تو آپ نے مجھے معمولی  
کتان کے دو کپڑے پہنا دیئے، تو ان کو پہننے کے بعد میں اپنے آپ کو دیکھتا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں میں سب سے اچھے لباس  
والا ہوں۔ کیونکہ اوروں کے پاس ایسے بھی نہ تھے، اس سے اس زمانہ کی ناداری اور احتیاج کی حالت کی طرف اشارہ ہے۔

حسبت ان ریحنا ریح الضان، حضرت ابو بردہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
فرمایا کہ اے میرے بیٹے اگر تو ہم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیکھتا کہ جب ہمارے کپڑے بارش میں تر ہو جاتے  
تھے (تو اس وقت میں ہمارے کپڑوں میں سے جو بوائی تھی) تو اس کو بھیڑ کی بو بھجتا،

بھیڑ کی اون تو بہت عمدہ ہو سکتی ہے اگر اس کو آج کل کی طرح مشینوں سے تیار کی جائے، چنانچہ پشمینہ جو خاص قسم کی  
اون ہوتی ہے اس کی چادر کسی کسی ہزار میں آتی ہے، مگر اس زمانہ میں اون بہت گھٹیا اور معمولی درجہ کی ہوتی تھی، لوگ خود ہی  
اپنے گھروں میں اس کو دھو کر اس کا کپڑا بن لیتے تھے، والحديث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنهما ان ملكا ذي بزن اهدى الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رحلة الخـ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ حمیر کا بادشاہ جس کا نام ذی بزن  
آپ کا غیر مسلموں کا ہدیہ قبول فرمانا تھا اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک جوڑا ہدیہ بھیجا

جس کو اس نے تینتیس اونٹ یا اونٹنیوں کے بدلہ میں خریدا تھا، تو آپ نے اس کو قبول فرمایا تھا۔ اور اس کے بعد والی روایت میں  
یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک جوڑا بیس سے زائد اونٹنیوں کے بدلہ میں خرید کر ذی بزن کے پاس ہدیہ بھیجا۔  
کتاب الخراج کے اخیر میں ایک باب گذرا ہے، باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین، جس کے آخر میں ایک حدیث یہ گذری  
ہے، نہی عن زبد المشرکین، وہاں پرہ الدر المنصورہ میں یہ روایت اور اس جیسی اور روایات کا حوالہ گذر چکا ہے  
فارجع الیہ لوشئت۔

عن ابی بردة قال دخلت علی عائشة رضي الله تعالى عنها فاخرجت الينا ازارا غليظا مما يصنع باليمن

وكساء من التي يسمونها الملبدة الخـ

حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گیا، تو ممکن ہے انہوں نے حضور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بلبوس کی زیارت کی خواہش کی ہو، تو وہ ہمارے دکھانے کو ایک موٹی سی سنگی جس قسم کی یمن میں بنی جاتی  
ہے وہ نکال کر لائیں اور ایک چادر جس کو لوگ ملبہ کہتے ہیں، اور پھر وہ قسم کھا کر فرماتے لگیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی ہے۔

مَلْبَدَةٌ كِي اِيك تفسیر مرتبہ سے کی گئی ہے یعنی پیوند کار اور دوسری تفسیر غلیظہ سے کی گئی ہے، یعنی موٹے کپڑے کی گھٹیا سی

رگڈریا، یا ہو سکتا ہے اس کا موٹا ہونا اسی وجہ سے ہو کہ اس میں بیوند اور جوڑ لگے ہوئے تھے۔

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ و قال المنذری۔

حدثني عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنه قال لما خرجت الحرورية اتيت عليا. رضي الله تعالى عنه

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ان خوارج نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خروج یعنی ان سے بغاوت اور ان پر چڑھائی کی تو میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ یعنی ان کو سمجھانے اور شکوک و شبہات دور کرنے کیلئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسکی تیاری کے لئے بہترین جوڑا پہننا یمن کے جوڑوں میں سے۔ راوی کہتا ہے ان کا شاگرد کہ ابن عباس بڑے خوبصورت اور بڑے حسن المنظر یعنی نگاہوں میں چمکنے والے تھے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا اور ساتھ ہی یہ بھی اشکال کیا ماہذا الحلۃ؟ یعنی یہ ایسا قیمتی لباس کیوں پہننا ہے، مطلب یہ تھا کہ خلاف سنت کام کیا، انہوں نے فرمایا مجھ پر کیا عیب لگاتے ہو بیشک میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر بہتر سے بہتر جوڑے دیکھے ہیں۔

آپ کے لباس عمدہ سے عمدہ اور گھٹیا دونوں ثابت ہیں | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سب طرح کا لباس پہننا ثابت ہے، عمدہ سے عمدہ بھی اور گھٹیا بھی، اب یا تو یہ کہا جائے کہ عمدہ لباس پہننا بیان جواز کے لئے تھا یا ہدیہ کرنے والے کی تطیب خاطر کے لئے، یا وفود اور مہمانوں کی آمد کے موقع پر جیسا کہ کتاب الصلاۃ

میں باب اللبس للجمعة میں روایت گزری ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حلہ سیرا کو فروخت ہوتا ہوا دیکھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ لو اشتریت ہذہ قلبستھا یوم الجمعۃ وللوفد اذا قدموا علیک، الحدیث، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: استع ہذہ تجمل بہا اللعید وللوفد، اور یا یہ کہ عدم اہتمام کی وجہ سے، یعنی نہ عمدہ کا اہتمام تھا نہ گھٹیا کا، وقت پر جیسا سیر ہوا بلا تکلف زیب تن فرمایا۔

## باب ماجاء فی الخز

خز کی تفسیر میں کسی قدر اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ خز وہ کپڑا ہے جو ابریشم اور اون سے بنا گیا ہو، یعنی خالص حریر نہ ہو، ابریشم تو اصل حریر ہے، خالص اس کا نہ ہو، اور ابن العربی فرماتے ہیں کہ خز وہ کپڑا ہے جس کا سدنی یا لحمہ کوئی سا ایک حریر ہو اور دوسرا غیر حریر، اور بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق خالص حریر پر بھی ہوتا ہے، اور ایک قول اس لفظ کی اصل کے بارے میں یہ ہے کہ خز خزوز۔ بوزن عمر سے ماخوذ ہے، خزوز کہتے ہیں نر خرگوش کو (ذکر الارنب) اور خز اس کی اون کو، دھونی غایۃ اللین مثل الابریسم، اب ان سب کا خلاصہ تین قول ہوئے جو خز اور غیر حریر دونوں سے بنا گیا ہو، خالص حریر، جو کپڑا و تبر الارنب سے بنا گیا ہو۔

اس کے بعد جانتا چاہیے کہ خز کے بارے میں روایات حدیث بھی مختلف ہیں، بعض سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس

باب کی حدیث اول میں، اور بعض سے حرمت جیسا کہ اسی باب کی حدیث ثانی سے معلوم ہو رہا ہے۔

باب کی پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے سعد بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں رأیت رجلاً ببخاری علی بغلة بیضاء علیہ عمامة خز سوداء الخ۔ کہ میں نے بخارا میں ایک شخص کو دیکھا جو سفید خجری پر سوار تھا جس کے سر پر سیاہ رنگ کا خنز کا عمامہ تھا، اس شخص نے یہ کہا کہ یہ عمامہ مجھ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عطیہ ہے۔

دوسری حدیث ابو عامر صحابی کی ہے جس میں یہ ہے: انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ليكونن

من امتي اقوام يستحلون الخنز والحريين وذكروا كلاً ما - قال: يمسح منهم اخريين قردة وخنازير الى يوم القيامة، کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو خنز اور حریر کو حلال قرار دیں گے (یعنی عملاً یا عملاً واعتقاداً دونوں) ان کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے بعض کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی، قرود اور خنازیر کی شکل میں ہمیشہ کے لئے۔

اس دوسری حدیث میں سند کے اندر ایک لفظ آیا ہے: "حدیثی ابو عامر او ابو مالک والذہبی عن ابي خري ما

كذبني.. اس طرح وہاں کہتے ہیں جہاں مبالغہ فی القسم مقصود ہو نفی الحاشیہ: ای یمن بلفت فی اقصى درجات التوثق اھ اس کا ترجمہ یہ سمجھئے: مکر قسم کھا کر کہتا ہوں۔

اس حدیث میں مسخ کا ثبوت | اس حدیث میں بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اس امت میں اخیر زمانہ میں مسخ واقع ہوگا، اس پر کلام کسی قدر ہمارے یہاں مبادرت علی الامام والی حدیث میں گذر چکا، ان بحول اللہ صورتہ

صورۃ حمار کے ذیل میں۔

ان دو حدیثوں میں اختلاف ظاہر ہے کہ ایک سے لیس خنز کا جواز اور دوسری سے حرمت ثابت ہو رہی ہے، ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ہے: قال ابو داؤد: وعشرون نفساً من اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اقل او اكثر لبسوا الخنز منهم النس والبربر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ منع اور جواز کی ان دو مختلف حدیثوں میں تطبیق مختلف طور سے کی گئی ہے۔ (۱) منع کا تعلق حریر مضممت یعنی خالص حریر سے ہے اور جواز والی روایت غیر مضممت متعارض روایات میں تطبیق یعنی مخلوط پر محمول ہے کیونکہ خنز کا اطلاق جیسا کہ پہلے گذر چکا دونوں پر ہوتا ہے (۲) نہی

محمول ہے اس کی طرف سے کہ جس کا لحم حریر اور سدنی غیر حریر ہو، اور جواز اس کے عکس پر یعنی جس کا سدنی حریر ہو اور لحم غیر حریر ہو (۳) اگر مراد خنز سے ابریشم اور حریر ہے تب تو وہ حرام ہے اور اگر اس سے مراد وبر اللارنب ہے تب وہ جائز ہے (ملقطاً من البذل)

لے صحیح یہی ہے کہ یہ لفظ خنز اور زای مجر کیساتھ ہے جیسا کہ ترجمہ الباب میں ہے، اور بعض نے اس کو ماہ، ہملہ اور راء ہملہ کیساتھ ضبط کیا ہے یعنی حر اصلہ جرح وهو الفرج، یریدانہ یکثر فیہم الزناتی الفرج (بذل)

کپڑے کے اندر دو طرح کے دھاگے ہوتے ہیں پہلے طولاً جس کو سُدیٰ یعنی تانا کہتے ہیں اور دوسرا لحمہ جو عرضاً ہوتا ہے یعنی بانا۔ وهو الاصل  
وعلیہ مدار الحرمۃ، چنانچہ ایک باب کے بعد آ رہا ہے باب الرخصۃ فی العلم وخیط الحرمین جس میں یہ حدیث آ رہی ہے عن ابن عباس  
رضی اللہ تعالیٰ عنہما اتما نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الثوب المصمت من الحریر فاما العلم من الحریر وسدی الثوب  
فلا یاس بہ، الحدیث الاولیٰ اخرجہ الترمذی والنسائی، والثانی اخرجہ البخاری تعلیقاً، قال المنذری۔

## باب ما جاء فی لبس الحریر

لُبْسِ حَرِيرٍ كَمُخْتَلَفِ اسْبَابِ  
اور صورتیں اور ان کا حکم

حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ مردوں کے لئے حریر خالص حرام ہے، اور ایسے ہی جس کا  
لحمہ یعنی بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو وہ بھی حرام ہے، البتہ اگر اس کا عکس ہے تو وہ  
جائز ہے، اور شافعیہ کا مذہب جیسا کہ ان کی کتاب متن ابی شجاع میں مذکور ہے: واذا  
كان بعض الثوب ابريسا وبعضه قطناً او كتاناً جاز لبسه بالمعنى الا برسيم غالباً اللہ۔ دوسرا مسئلہ ہے لبس الحریر لاجل الحرب کا، سو  
صاحبین کے نزدیک حرب میں حریر خالص جائز ہے، امام صاحب کے نزدیک خالص جائز نہیں، البتہ مخلوط جائز ہے یعنی جس  
کا تانا یا بانا حریر ہو اور دوسرا غیر حریر۔

ایک مسئلہ یہاں پر اور ہے یعنی لبس الحریر بعد کسی عذر مثلاً فاش وغیرہ کی وجہ سے لبس حریر اس کا باب آگے مستقل  
آ رہا ہے۔ ایک مسئلہ یہاں پر اور ہے یعنی افراش الحریر للرجال جو بذل الجہود میں باب فی الحریر النساء کے ذیل میں مذکور ہے  
اور ہمارے یہاں الدر المنصور جلد ثانی، باب اذا كانا ثلاثہ کیف یقومون، میں حدیث انس: فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول  
لبسہ، کی شرح میں گذر چکا

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان عمر بن الخطاب رأى حلة سيرا عند باب المسجد تباع  
یہ حدیث اور اس پر کلام کتاب الصلاة باب اللبس للجمعة میں گذر چکا، فارجع الیه لوشنت۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

عن ابي عثمان النهدي قال كتب عمر رضي الله تعالى عنه الى عتبة بن فوقد ان النبي صلى الله تعالى عليه  
والآله وسلم نهى عن الحرير الا ما كان هكذا وهكذا، اصبعين وثلاثة واربعه۔

لہ دنی الا بواب والترجمہ۔ وهذا التفصیل ای التفریق بین السدی واللحمہ عندنا الحنفیہ، واما الجمهور فالجہود عندہم للثوب، قال الموفی: فاما  
المنسوج من الحریر وغیرہ کثوب منسوج من قطن ولبرسیم او قطن وکتان فان حکمہم للاغلب منہا لان الاول مستہک فیہ، وفيہ ایضا، واما اذا استویا ففی  
تحریمہ وابطاحتہ وجہان، وهذا مذہب الشافعی اہ مختصراً۔

اس حدیث سے مردوں کے لئے حریم کا بقدر چار انگشت کے جواز معلوم ہو رہا ہے، اس چار انگشت سے مراد یہ ہے کہ سنجاف یعنی اطراف ثوب میں جیسے گریبان اور کف اور آگے پیچھے چاک کے سرے میں جائز ہے، چنانچہ بخاری میں ہے اس حدیث کے بعد فیما علمنا انه یعنی الاعلام، اور باب الرخصة فی العلم وخیط الحریم کا آگے مستقل باب آ رہا ہے اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ چار انگشت کے بقدر جائز ہے جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں تصریح ہے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ صحیحین کی روایت کے الفاظ تو یہ ہیں: نهى عن الحرير والاهكنا وأشار باصبعه اللتين تليان الابهام، اور دوسری روایت میں ہے: باصبعه المسحة والوسطى۔ جس سے بظاہر مقدار جواز صرف دو انگشت معلوم ہو رہی ہے، ولم يتعرض له فی السبذل، فتأمل بئہ والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه بخوه، قال المنذرى۔

### باب من کرهه

اس باب سے مصنف کی غرض بظاہر یہ ہے کہ گذشتہ باب کی حدیث سے مردوں کے حق میں تین چار انگشت کے بقدر حریم کا جواز ثابت ہو رہا ہے اسکے بالمقابل مصنف اس باب میں بعض ایسی روایات لائے ہیں جن سے چار انگشت کے بقدر کا بھی جواز معلوم نہیں ہو رہا ہے، لیکن اس سبب کو کراہت تنزیہیہ پر محمول کیا جائیگا۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن لبس القسی وعن لبس المعصر ومن تحتها الذہب وعن القراءۃ فی الركوع۔

**شرح الحدیث** یہاں پر مقصود بالذکر مصنف کو حدیث کا جز اول ہے، قستی، منسوب ہے قس کی طرف جو مصر میں ایک جگہ کا نام ہے، اس کپڑے میں حریر کی آمیزش ہوتی ہے، اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ قس اصل میں قر تھا زای کو سین سے بدل دیا، اور قر کہتے ہیں ابریشم کو، لبس معصر میں اختلاف ہے حنفیہ حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے، امام شافعی کے نزدیک مباح ہے (اللایسبغی فانہ ریح الکراہۃ) اور امام مالک سے مروی ہے معصر مقدم کی کراہت یعنی شدید، اور تختم ذہب کی یہی ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے اس میں بعض سلف کا اختلاف، جو چکا ہے۔

والحدیث أخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه مطولا ومختصرا، قال المنذرى۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ملک الروم اهدى الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مستفقا من سندن قلبسها الخ۔

۱۔ سنجاف بالفتح، فارسی میں، سنجاف بکر اول، حاشیہ گوٹ جو کپڑوں کے کنارے زرباش کیلئے لگاتے ہیں (نور اللغات)

۲۔ لیکن ان یقال گوٹ کپڑے کے دونوں طرف ہوتی ہے کتاب کی روایت میں مجموع طرفین مذکور ہے اور صحیحین کی روایت میں ایک جانب مراد ہے فیلسل ۱۲

روم کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں ایک پوستین جس کے کف وغیرہ حریر کے تھے، بطور ہدیہ کے بھیجا۔ سندس کہتے ہیں باریک حریر کو۔  
 من سندس کا مطلب ہے ای مکففة من سندس۔ ورنہ پوستین تو حریر کی نہیں ہوتی، راوی کہتا ہے کہ آپ نے اس پوستین  
 کو زیب تن فرمایا، گویا کہ میں اس کی آستینوں کو اس وقت دیکھ رہا ہوں حرکت کرتے ہوئے، پوستین کی آستین ذرا دراز ہوتی  
 ہیں۔ پھر آپ نے ایک مرتبہ اس کو پہن کر حضرت جعفر کے پاس بھیج دیا انہوں نے اس کو خود پہن لیا اور پہن کر جب آپ کی مجلس  
 میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو یہ اسلئے نہیں دی تھی کہ خود پہنو، پھر آپ کے فرمانے پر انہوں نے اس کو نچا شہ  
 حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا پہننا ناجائز نہ تھا بلکہ اسلئے کہ وہ شاہان لباس تھا زہد کے خلاف۔

لا اركب الا رجوان ولا البس المعصفر ولا البس القميص المكفف بالحريين ارجوان ایک پھولدار درخت بھی  
 ہوتا ہے اور سرخ رنگ کو بھی کہتے ہیں ایسے ہی سرخ کپڑے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، یہاں پر اس سے مراد "المشيرة الحجر" ہے  
 جس کا ذکر روایات میں بکثرت آتا ہے، یعنی سرخ گدی جس کو زین کے اوپر بچھاتے ہیں (سرخ زین پوش) آپ فرماتے ہیں کہ میں  
 اس پر سوار نہیں ہوتا، یا تو سرخ رنگ کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ وہ اکثر نشی ہوئی ہے، اور قمیص مکفف بالحریر کا نہ پہننا  
 یہ تہنہ تھا ورنہ وہ جائز ہے بشرطیکہ چار انگشت سے زائد نہ ہو، باقی حدیث کا مطلب ظاہر ہے۔

عن ابی الحصین یعنی الہیثم بن شفی قال خرجت انا وصاحب لی یکنی ابا عامر اؤ۔

شرح الحدیث ابو الحصین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میرا ایک ساتھی جس کی کنیت ابو عامر ہے گھر سے نکلے تاکہ بیت المقدس  
 میں جا کر نماز پڑھیں اور وہاں کا قاص یعنی واعظ اور مقرر قبیلہ ازد کا ایک شخص تھا جس کی کنیت ابوریحانہ

تھی جو کہ صحابہ میں سے تھا، ابو حصین کہتے ہیں کہ بیت المقدس پہنچنے میں میرا ساتھی مجھ پر سبقت لے گیا اور یہ کسی وجہ سے پیچھے  
 رہ گئے اس وقت تک ان کا بیان ختم ہو چکا تھا، پھر میں پہنچا اور اپنے ساتھی کے برابر بیٹھ گیا، میرے ساتھی نے مجھ سے  
 پوچھا کہ تم نے ابوریحانہ کا وعظ سنا تھا؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا کہ میں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 کی یہ حدیث سنی ہے۔ انہ نہی عن عشن، عن الوشر والوشم والنتف وعن مکامعة الرجل الرجل بغیر

شعار وعن مکامعة المرأة المرأة بغیر شعار، وان يجعل الرجل فی اسفل ثیابہ حریرا مثل الاعاجم،  
 او يجعل علی منکبہ حریرا مثل الاعاجم، وعن النہی، و مرکوب المنور، ولبوس الخاتم الا لذي سلطان۔

یعنی آپ نے دس چیزوں سے منع فرمایا وشر سے یعنی ترفیق الاستمان، دانتوں کو کسی آلہ سے باریک کرنا، جو بعض عورتوں  
 کی عادت ہوتی ہے کہ بڑی عمر کی ہو جانے کے بعد اپنے دانتوں کے اطراف کو باریک کرتی ہیں تاکہ وہ نو عمر اور کم عمر معلوم ہوں،  
 باریک کرنے والی کو واشرہ، اور جس کے باریک کئے جائیں اس کو موشرہ کہتے ہیں اور وشم سے جس کو گوندنا کہتے ہیں، بدن کے  
 کسی حصہ پر کسی باریک سلائی وغیرہ سے نشانات اور بھول بنا کر اس میں نیل یا سرمہ وغیرہ بھر دیتی ہیں، اور نتف سے یعنی سفید  
 بال کو اکھاڑ دینا سر یا ڈاڑھی سے، اور یہ کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس بغیر شعار اور لنگی کے لیٹے، اور اگر دونوں اپنے



اپنے کپڑوں میں مستور ہوں اور پھر ایک شترک جاؤ اور رکھ کر لیٹ جائیں تو اس کا تو جواز ہے اگر خوف فتنہ نہ ہو، اور ایسا ہی عورت کے بارے میں بھی فرمایا، اور یہ کہ کوئی شخص غمیوں کی طرح کپڑوں کے نیچے کوئی ریشمی کپڑا پہنے جیسے بنیان وغیرہ، یا یہ کہ اپنے کاندھے پر ریشم کا رومال ڈال کر چلے، اور دوشرے کے بال کو بغیر اجازت لینے سے، اور چیتے وغیرہ کی کھال پر سوار ہونے سے رکوب النمر یعنی رکوب جلوہ النمر، نمر جمع نمر چیتا، یعنی شیر چیتے کی کھال زمین پر بچھا کر اس پر سوار ہونا لادن من زی الجبابرہ، یہ متکبرین کی شان ہے اور انکو ٹھی پھیننے سے نام آدمی کے لئے مگر کسی عہدہ دار کے لئے، جیسے مفتی وقاضی جن کو مہر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

جلود نمر پر سوار ہونے کی ممانعت کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں یا تو زینت و خیلار، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک منع کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک ان جانوروں کے بال ناپاک ہوتے ہیں اور دباغت سے پاک بھی نہیں ہوتے، بخلاف الخفیة فان عندہم شعر المیة و عظمها طاهر۔  
لبس خاتم کے ابواب آگے مستقل آرہے ہیں۔ والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

عن علي رضي الله تعالى عنه انه قال نهى عن مياثر الاديوان، مياثره ميسره كى جمع اور ارجوان سرخ رنگ اسکو اردو میں ارگوانی رنگ بولتے ہیں یعنی زین کے اوپر بچھانے کی سرخ گدی، اور منع یا تو اسراف کی وجہ سے ہے یا تحریر کی وجہ سے، نیز رنگ کو بھی اس میں دخل ہے کہ وہ سرخ ہوتی ہے، چنانچہ اگلی روایت میں ہے الميثره الحمراء۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم صلى في خميصة لها اعلام فنظر الى اعلامها الخ۔ یہ حدیث کتاب الصلاة میں باب النظر في الصلاة میں گذر چکی۔  
والحديث اخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

### باب الرخصة في العلم وخط الحرير

رأيت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما في السوق اشترى ثوبا شاميا فرأى فيه خيطا احمر فرداه الخ۔  
شرح الحدیث | یعنی ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بازار سے ایک شامی کپڑا خریدا جب اسکے اندر سرخ دھاگے دیکھے یعنی ریشم کے تو اس کو انہوں نے واپس کر دیا، ابو عمر کہتے ہیں (راوی حدیث جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے مولیٰ تھے) کہ میں حضرت اسماء کے پاس گیا اور ان سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے ایک لونڈی سے کہا کہ وہ جو اندر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ رکھتا ہے وہ لے کر آ۔ فاخرجت له جبة طيالة مكفوفة الجيب والكمين والفرجين بالديباج، تو وہ ایک ایسا اونٹنی جیب نکال کر لائی جسکے گریبان اور کف اور آگے پیچھے دونوں چاک کے سرے میں ریشم کی گوٹ تھی۔

طیالسد جمع ہے طلیسان کی انکسار الغلیظ، موٹی ادنی چادر جیب یعنی گریبان فرجین شنیہ ہے فرج کا جس کا ترجمہ ہم نے چاک کیا ہے جو بعض جُبوں میں تھوڑا تھوڑا آگے اور پیچھے نیچے کی جانب ہوتا ہے یعنی بعض جُبے تو وہ ہوتے ہیں جو آگے سے سارے ہی کھلے ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو آگے سے سارے کھلے نہیں ہوتے بلکہ کچھ حصہ نیچے سے کھلا ہوتا ہے بعض مغربی جیبے ایسے ہی ہوتے ہیں، اور دیباچ کہتے ہیں دبیز اور موٹے قسم کے حریر کو یہ سمجھئے کہ جسے کخواب کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کپڑے میں ریشمی دھاری یا اس کے حواشی پر ریشم لگا ہوا ہو تو وہ مردوں کیلئے جائز ہے کما فی ترجمۃ الباب۔

ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو — یہ مسئلہ معلوم نہ ہو اسی لئے حضرت اسماعیل نے انکو بتلانے کیلئے یہ جیبہ منگایا۔

والحدیث أخرجه مسلم والنسائی وابن ماجه نحوه مختصراً، قال المنذرى۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال انما انہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن الثوب

المصنعت من الحریر فاما العکم من الحریر وسدی الثوب فلا بأس بہ۔

یہ حدیث اور اس کی شرح باب ماجاء فی الخرز میں گذر چکی یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کے موافق ہے۔

## باب ماجاء فی لبس الحریر لعذر

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعبد الرحمن بن عوف

وللزبیر بن العوام فی قمص الحریر فی السفر من حکۃ کانت بہما۔

شرح الحدیث و فقہہ | مردوں کیلئے لبس حریر کی عذر کی وجہ سے فارش یا جوں وغیرہ پڑ جائیگی وجہ سے کیونکہ حریر میں جوں نہیں پیدا ہوتی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بخاری و عبد الشاقی مرحوم النوی، و ہوا صحیح روایت احمد و دیگرہ عندنا لک عن کنفیہ روایتان۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ایک سفر میں قمیص حریر کی اجازت دی فارش کی وجہ سے جو ان دونوں کے ہو گئی تھی۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے اس میں ایک جگہ تو، حکمہ کانت بہما ہی ہے، اور ایک روایت میں بجائے حکمہ کے قمل ہے انہما شکوا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی القمل۔ اس پر فتح الباری میں لکھا ہے: وجع الراؤدی باحتمال ان یکون احدی العلتین باحدی الرجلین، یعنی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا عذر حکمہ ہو اور دوسرے کا قمل، اس پر حافظ فرماتے ہیں قلت ویکون الجمع بان حکمہ حصلت من القمل فنسبت العلة تارة الی السبب وتارة الی سبب السبب، فتح الباری ۱/۱۱۱۔ امام بخاری نے یہ حدیث دو جگہ ذکر فرمائی ہے کتاب الجہاد جہاں ترجمہ قائم کیا گیا، باب الحریر فی الحرب، اور دوسرے کتاب اللباس وہاں ترجمہ قائم کیا، باب ما یخص للرجال من الحریر للحکمۃ۔ مسئلہ الباب میں اختلاف ائمہ اور اس کی تفصیل، الاالیاب والترجمہ میں مذکور ہے اسکی طرف جو چاہے رجوع کرے والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، وذكر السفر عند مسلم وحده۔ قال المنذرى۔

## باب فی الحریر للنساء

امام بخاری نے بھی یہ ترجمہ قائم کیا ہے لیکن اس میں کوئی مرفوع حدیث ایسی ذکر نہیں کی جو اس مسئلہ میں نساء سے متعلق ہو۔  
نقیایا اشباتا، اس پر حافظ فرماتے ہیں؛ کأنه لم یثبت عنده الحدیثان المشهوران فی تخصیص النہی بالرجال صریحاً، فاستقی بما یدل علی  
ذکر، پھر اس کے بعد حافظ نے ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو یہاں ابوداؤد میں مذکور ہے اور دوسری حدیث  
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کی، الابواب والترجم میں ہے: قلت ولقظہ عند الترمذی: عن ابی موسیٰ الاشعری ان  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال حرم لبس الحریر والذہب علی ذکور امتی واصل لاناہم، ثم قال الترمذی: وفي الباب عن  
عمر وعلی۔ الی آخر ما ذکر۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہی ہے جو ان احادیث سے ثابت ہو رہا ہے، البتہ اس میں بعض  
صحابہ جیسے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے اختلاف مردی ہے، چنانچہ حافظ فرماتے ہیں: باب الحریر للنساء، لعلہ افردہ  
بالذکر لوجود الخلاف فیہ فی السلف کما تقامت الاشارة الیہ فی باب لبس الحریر من الابواب والترجم، حضرت ابن عمر اور عبداللہ  
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان دونوں کی روایت عدم جواز کی نسائی میں مذکور ہے جس پر انہوں نے باب قائم کیا ہے، التشدیدی  
لبس الحریر الخ اور حدیث یہ ہے: حدثنا خلیفة قال سمعت عبد اللہ بن الزبیر قال لا تلبنوا نساءکم الحریر

قالی سمعت عمر بن الخطاب یقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ  
فی الآخرة، اور دوسری روایت ابن عمر کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لبس حریر کے بارے میں سوال کیا  
گیا تو انہوں نے فرمایا کہ عائشہ سے سوال کرو، راوی کہتا ہے (عمران بن حطان راوی ہے) کہ پھر میں نے عائشہ سے سوال کیا تو  
انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمر سے سوال کرو، پھر میں نے ابن عمر سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: حدثنی ابو حفص ان رسول اللہ  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من لبس الحریر فی الدنیا فلا ینالہ فی الآخرة، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان  
حضرات کا اپنا اجتہاد و استنباط ہے جمہور کا استدلال احادیث مرفوعہ سے ہے ممکن ہے ان کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔  
والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

بورد اسیراء قال والسیراء المصلح بالقز۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک ایسی چادر دیکھی جس میں حریر کی چوڑی چوڑی دھاریاں تھیں  
مُصلح، مصلح سے ہے یعنی پسلی، یعنی پسلی جیسی چوڑی دھاریاں، قز کی تحقیق پہلے گذر چکی و لفظ البخاری: برد حریر  
سیراء، والحدیث اخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا نترعدہ عن العلمان وندرکہ علی الجواری۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (اگر کسی بچے کے جسم پر ہم لباس حریر دیکھتے تو) ہم اس کو اتار دیتے تھے

اور لونڈیوں پر دیکھتے تو جھوٹ دیتے تھے۔

معلوم ہوا کہ بچہ کو حریر پہنانا اولی کیلئے جائز نہیں، حنفیہ کا مذہب یہی ہے، اور امام شافعی کی اس میں دو روایتیں ہیں۔  
عدم جواز، اور دوسری روایت جواز الی سبع سنین، روایت اولی کو اختیار کیا شیخ ابوالحاکم شیرازی نے، اور علامہ رافعی نے روایت  
ثانیہ کو ترجیح دی (بذل)۔

قال مسعود: فسألت عمرو بن دينار عنه فلم يعرفه، یعنی یہ حدیث مسعود کو عمرو بن دينار سے بواسطہ عبد الملک کے  
پہنچی تھی، مسعود کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے جب اس کو براہ راست عمرو بن دينار سے دریافت کیا تو انہوں نے اس روایت سے  
لاعلمی ظاہر کی، قال المتذری: قلعه نسبه، وقال ابن رسلان وهذا غير قاصر في الرواية، لان الراوي ثقة فلا يسقط روايته اهـ۔

### باب في لبس الحبرة

قال: الحبرة، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کونسا لباس زیادہ  
پسند تھا، انہوں نے فرمایا حبرہ۔

شرح الحدیث | حبرہ یعنی بُردیمانی یعنی چادر جو کتان یا قطن کی ہوتی ہے، سمیت حبرہ لانہا حبرۃ ای مزینہ، والتجیر التزین  
والتحسین (بذل) اور تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۲ میں ہے کہ حبرہ برودیمن کی ایک قسم ہے جس میں سُرخ دھاریاں  
ہوتی ہیں اور کبھی سبز یا نیلی، یہ عزراؤں کے نزدیک اشرف الثیاب ہے کیونکہ یہ سوت سے بنی جاتی ہے، اور یا اسلئے کہ سبز رنگ ہوتی  
ہے جو کہ اہل جنت کا لباس ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: کان احب الالوان الیہ الخضرۃ، علی ما رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن السنی  
وابو نعیم فی الطب، والتجیر التحسین، اور بعضوں نے وجہ محبت یہ لکھی ہے کہ اس میں سادگی ہے زیادہ زینت نہیں، نیز یہ کہ ایسا  
کپڑا میل خورا ہوتا ہے جلدی میلا نہیں ہوتا، قال العارف الجامی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

برود اور سراز بُردیمانی کہ روئے تہمت صبح زندگانی

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قاله المتذری۔

### باب في البياض

البسوا من ثيابكم البيض فانها من خير ثيابكم وكفونا فيها موتاكم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مرفوع ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنا کر وہ  
وہ بہترین کپڑے ہیں، اور اسی میں اپنے اموات کو کفنا یا کرو۔ آگے حدیث میں کحل اشمد کا ذکر ہے جسکی روایت پہلے بھی گذر چکی  
والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ مختصراً، قاله المتذری۔

## باب فی الخلقان و فی غسل الثوب

خلقان جمع ہے خلق بفتح تین کی مثل ذکر و ذکران پرانا کپڑا۔

باب کی پہلی حدیث میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کے بال منتشر اور پرانگندہ تھے تو آپ نے فرمایا: اما کان هذا یجب ما یسکن بہ شعرة، کہ اسے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے اپنے بالوں کی اصلاح کرے یعنی تریجیل، تہ عین وغیرہ، وہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح آپ نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے بدن پر میلے کپڑے تھے، وعلیہ ثیاب رسخة، اس کو بھی آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اپنے کپڑوں کو دھو کر صاف کرے؟

اس حدیث میں بدن اور کپڑوں کی تنظیف کی ترغیب ہے کہ آدمی کو صاف ستھرا رہنا چاہیے، عمدن اور قیمتی لباس تو اور چیز ہے وہ تو سادگی کے خلاف ہے، لیکن نظافت امر مطلوب ہے باقی مطلوب ہونے کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آدمی کے بدن پر کپڑے میلے ہی نہ ہوں اور وہ انہی کی صفائی کے اہتمام میں لگا رہے، اعتدال ہر چیز میں ضروری ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک حکایت زہد اور سادگی کے بارے میں

ایک روایت یاد آئی جو ترمذی میں ہے، باب ماجاء فی صفة ادانی الحوض میں جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابو سلام حبشی کو حوض کوثر کے بارے میں حدیث سننے کیلئے بلایا کہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ حوض کے بارے میں ایک حدیث بیان کیا کرتے ہیں، انہوں نے دریافت کرنے پر وہ حدیث سنانا جس میں حوض کوثر کا بیان ہے اور اس کے آخر میں یہ ہے: اول الناس وروذ علیہ فقراء المہاجرین، الشعث رؤسنا،

الدنس ثیابا الذین لاینکحون المتنععات، ولا یفتح لهم السدد، قال عمر: لکنی نکحت المتنععات، وفتحت لی السدد و نکحت فاطمة بنت عبد الملک، لاجرم انی لا اغسل رأسی حتی یسعث ولا اغسل ثوب

الذی یشعی حتی یتسخ، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس حوض پر آنے والے قیامت کے دن فقرا مہاجرین ہوں گے جو دنیا میں پرانگندہ بالوں والے تھے، اور میلے کپڑوں والے، جو ناز پروردہ عورتوں سے شادیاں نہیں کرتے تھے

اور نہ ان کی دنیوی حیثیت ایسی تھی کہ جن کے لئے دروازے کھولے جائیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ حدیث سن کر اپنا جائزہ لیا اور فرمانے لگے کہ میرا حال تو ایسا نہیں ہے، میں نے تو ناز پروردہ سے شادی کی ہے، اور میرے لئے دروازے بھی

کھول دیئے جاتے ہیں، اور خلیفہ عبد الملک کی بیٹی فاطمہ سے میں نے نکاح کیا ہے، اب میں عہد کرتا ہوں کہ اپنا سر نہیں دھوؤں گا جب تک وہ پرانگندہ نہ ہو جائے، اور اپنے بدن کے کپڑے نہ دھوؤں گا جب تک کہ وہ میلے نہ ہو جائیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز

رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حالات اور ان کی سیرت قابل مطالعہ ہے، قدیم علماء کی ان کی سیرت پر تصنیفات بھی ہیں جن کے اردو تراجم

بھی شائع ہو چکے ہیں، ان کی شروع میں جب یہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے بڑی امیرانہ شانہ پانہ زندگی تھی، خود ان کی ذاتی آمدنی بہت بڑی تھی، کتاب الخراج میں اس کا ذکر گزر چکا ہے لیکن خلافت کے بعد ان کے حالات میں بڑی تیزی سے انقلاب آیا جس کا اندازہ اسی مذکورہ روایت سے بھی ہو سکتا ہے۔

ویسے لباس کے بارے میں ہمارے اکابر نور اللہ مراد قاسم کا ذوق مختلف رہا ہے، حضرت اقدس گنگوہی نہایت صاف شفاف اور لطیف لباس پہنتے تھے، اسی طرح ان کے بعد ان کے قلیفہ حضرت اقدس بہار پوری اور ایسے ہی حضرت مولانا تھانوی جس کی تفصیل ان کی سوانحیات سے معلوم ہوگی، اور قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نا تو قومی نور اللہ مرقدہ کے یہاں بہت زیادہ سادگی تھی اور ایسے ہی ہمارے حضرت شیخ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کا حال تھا۔  
والحدیث الخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

عن ابی الاحوص عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی ثوبٍ دون ثوبٍ فقال اللک مال؟ قال نعم انی۔ ایک صحابی مالک بن نضله رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پرانے اور گھٹیا سے کپڑوں میں، تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب قسم کا مال عطا فرمایا ہے اونٹ، بکری، گھوڑے غلام، تو آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجھ کو مال عطا کیا ہے فاذا اتاک اللہ مالا فلیمن ثمر نعمۃ اللہ علیک وکرامتہ، تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر دکھائی دے، معلوم ہوا مالدار آدمی کو تحدیث بالغنمہ کے طور پر حسب حیثیت عمدہ لباس پہننا چاہیے۔ والحدیث الخرجہ النسائی قالہ المنذری۔

### باب فی المصبوغ

اور بعض نسخوں میں فی المصبوغ بالصفرة ہے اور ہونا بھی چاہیے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، مصنف نے یہاں چار باب قائم کیے ہیں، پہلا لباس اصفر پر دو سہرہ الباس اخضر پر، اور تیسرا الباس احمر پر، اور چوتھا الباس اسود پر اور ان چاروں کے استعمال کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت ہے، لیکن احمر کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے، اس میں بعض روایات ثبوت کی ہیں اور بعض منہج کی، اسی لئے مصنف نے بھی اس پر دو باب باندھے۔

ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان یصغ لحدیثہ بالصفرة حق تمتلئ ثیابہ من الصفرة، فقیل لہ

لم تصغ بالصفرة فقال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصغ بہا ولم یکن شیئ احب الیہ منہا وقد کان یصغ بہا ثیابہ کلہا حق عمامتہ۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی دائرہ میں خضاب اصفر کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھی اس رنگ میں بھر جاتے تھے، جب ان سے اسکے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کپڑوں



کو اس رنگ میں رنگتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کو یہ رنگ بہت پسند تھا، اور آپ اسی رنگ میں اپنے تمام کپڑے رنگواتے تھے یہاں تک کہ اپنے عمامہ کو بھی۔

جو تون خالص اصفر ہوتا ہے جیسے سرسوں کے پھول اس کو ہمارے یہاں بسنتی رنگ کہتے ہیں اور جو زرد رنگ مائل بسرخ ہو اس کو گیر و کہتے ہیں جس کو عربی میں مغزار کہتے ہیں آگے حدیث میں آ رہا ہے، اور جو کپڑا اس رنگ میں رنگا ہوا ہو اس کو گیر و اور مؤنث ہو تو گیر وی، یہ صوفیانہ اور مردانہ رنگ ہے اور خالص اصفر وہ زنانہ رنگ ہے یہ یہاں مراد نہیں، بذل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گیر و الباس غیر ول کا شعار نہ ہو تو پھر اس کا استعمال جائز ہے خاص طور سے عمامہ کے بارے میں حضرت نے یہ لکھا ہے ہندوستان میں بعض مذہبی ہندو مبادھو قسم کے ایسے ہوتے ہیں جن کا سارا لباس اوپر سے نیچے تک گیر و ہوتا ہے، حضرت کا اشارہ اسی طرف ہے۔ متن میں جو آیا ہے: وقد کان یصنع بہا ثیابہ کلہا حضرت نے بذل میں۔ کان، کی ضمیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مانی ہے، اور پھر اسکے بعد لکھا ہے: وقال علی القاری فی المرقاة: وقد کان ای ابن عمر، فارجع الضمیر الی ابن عمر، وهذا ایضا متعلی، اسی طرح روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصنع بہا کے بارے میں منذری فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد خضاب لحمیہ بالصفرة ہے اور بعض دوسروں نے کہا کہ اس سے مراد صفرة ثیاب ہے، لباس اصفر پہننا (بذل) والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری

## باب فی الخضرۃ

عن ابی ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع ابی ابراہیم

ابور مشہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا تو آپ پر دو سبز چادریں دیکھیں۔ بظاہر چادر اور ازار مراد ہے، قال ابن سلمان وھو من لباس اہل الجنۃ ومن النفع الالوان للابصار، نگاہ کے حق میں بہت مفید والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی الحمرة

لبس احمر میں مذاہب ائمہ | ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کیلئے لباس احمر بلا کراہت مباح ہے اور حنفیہ کے اقوال اسکے اندر مختلف ہیں بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے مکروہ تحریمی اور بعض کے بلکہ اکثر کے کلام سے مکروہ تنزیہی وغیرہ

وغیرہ حتی کہ ایک قول استحباب کا بھی ہے شامی میں اس کی پوری تفصیل ہے، علامہ شامی کا میلان زائد سے زائد کراہت تنزیہی کی طرف معلوم ہوتا ہے، اور سید الطائفہ حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر ترمذی اللکوئیۃ الدرر کی عبارت یہ ہے: والمذہب فی لبس احمر والصفرة ان المرء غفر والمعصم ممنوع عن الرجال مطلقا والحمرة والصفرة غیر ذلک، قال فتویٰ علی جوازہما مطلقا لکن التقویٰ غیر ذلک واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، یعنی مردوں کے حق میں زعفران اور معصوم مطلقا ناجائز ہے اور حمرة اور صفرة دوسری چیز ہے

ابور مشہ اور ان کے ہائے نام میں اختلاف ہے فقہل مفاہیم میں شری، وقیل حبیب بن وہب۔

ان کے بارے میں فتویٰ جواز کا ہے گو فتویٰ اسکے خلاف ہے، اس کا حاصل یہی ہوا کہ احمر و اصفر دونوں مردوں کے حق میں خلاف اولیٰ ہیں لون اصفر کے بارے میں کچھ تفصیل باب فی المصیوغ میں گذر گئی۔

اسکے بعد جاننا چاہیے کہ مصنف نے حمرة کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں منع اور تشدید کی متعدد روایات ذکر کی ہیں، اور اسکے بعد باب الرخصة میں جواز کی روایات لائے ہیں، لیکن منع کی اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے، لکن اظہر بالرجوع الی الشرح۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ ایک پہاڑی راستے سے اترے، فالبتت الی دیملی ریطة مخصرجة بحال العصفور یعنی آپ نے میری طرف جو اسفات فرمایا تو مجھ پر ایک ایسی چادر دیکھی جو عصفور کے رنگ میں ملکی سی رنگی ہوئی تھی آپ نے اظہار کراہت فرمایا، میں اپنے گھر آیا جہاں تو رجل رہا تھا میں نے وہ اسکے اندر جھونک دیا پھر جب میں آپ کی مجلس میں اگلے روز حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے اس چادر کے بارے میں دریافت فرمایا، میں نے عرض کر دیا جو کچھ کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ مستورات میں سے کسی کو کیوں نہ پہنایا، اس میں کیا حرج تھا۔ اس حدیث کا تعلق مطلق احمر سے نہیں بلکہ مصفر سے ہے جو جمہور کے نزدیک بھی ممنوع ہے، صرف امام شافعی کے نزدیک مباح ہے، اور امام مالک نے مقدم اور غیر مقدم کی تفریق کی ہے اول مکروہ اور دوسرا غیر مکروہ، حالانکہ یہ غیر مقدم ہی تھا۔

قال هشام بن الغاز المصرجة التي ليست بشعبة ولا الموردة ہشام راوی مخرجه کی تفسیر بیان کر رہا ہے کہ جو زیادہ گہرا نہ ہو اور نہ زیادہ ہلکا ہو مشعبۃ یعنی تیز اور گہرا اور موردہ، معنی حمرة خفیفة مثل الورد یعنی گلابی، دونوں کی نفی کی جا رہی ہے کہ نہ ایسا ہو اور نہ ایسا بلکہ دونوں کے درمیان جس کو مخرجه کہتے ہیں، والحدیث اخرجه ابن ماجہ، قال المنذری۔

اس حدیث کو مصنف نے مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اور الفاظ بھی سب روایات کے آپس میں مختلف ہیں لہذا اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا مشکل ہے۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال قال مر على النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجل عليه

ثوبان احمران فلم عليه فلم يرد عليه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

یہ حدیث سند الضعیف ہے، البویخی القتات کے بارے میں منذری نے لکھا ہے: لا یصح بحدیثہ۔

والحدیث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

عن رابع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في سقرا الخ

له الظاهر انه مشبهة من الاشباح، وبعضهم ضبط من التفعيل، وليس بظاهر۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلے تو آپ نے ہمارے کجاووں پر اور اوتٹوں کے اوپر ایسی چادریں دیکھیں جن میں سرخ اون کی دھاریاں تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب آرہی ہے، ہم یہ سنتے ہی فوراً اپنے اوتٹوں کی طرف دوڑے جس کی وجہ سے ہمارے اوتٹ بھی بدکنے لگے تو ہم نے ان پر سے وہ چادریں اتار دیں۔

ان امرأة من بنی اسد قالت کنت یوما عند زینب امرأۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و نحن نصبغ ثیابنا بصبغة الخمر۔

ایک خاتون قبیلہ بنو اسد کی کہتی ہیں کہ میں ایک روز ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی اور ہم ان کے کپڑے رنگ رہے تھے مگر اسے یعنی گیر و (سرخ مٹی) سے اچانک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، جب آپ نے ہمیں رنگتا ہوا دیکھا تو آپ اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ لوٹ گئے، جب حضرت زینب نے یہ صورت حال دیکھی تو ان سب کپڑوں کو پانی میں دھو ڈالا جس سے ساری سرخی ان کی چھپ گئی پھر کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوٹ کر تشریف لائے تو جھانک کر دیکھا، جب اس رنگ کو نہ دیکھا تو اندر داخل ہو گئے۔

حدیث پر اشکال اور اس کی توجیہ | عورتوں کے لئے سرخ لباس بالاتفاق جائز ہے اور اس حدیث سے بظاہر اسکی کراہت معلوم ہو رہی ہے، تو اس کے بارے میں حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے کہ یہ حضرت زینب

ؓ استنباط ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لوٹنا اس وجہ سے تھا، جو مسکتا ہے آپ کا لوٹنا کسی اور حاجت کی وجہ سے ہو، اگر گھر والے یہ سمجھے کہ آپ کا لوٹنا اس رنگ کی وجہ سے ہے، ابن رسلان نے اس حدیث کی ایک دوسری توجیہ کی ہے اور حافظ منذری نے اس کی سند پر کلام کیا ہے (بدل) یہ حضرت نے جو حدیث کی توجیہ فرمائی یہی راجح معلوم ہوتی ہے، اور حدیث میں اس کی نظیر بھی ہے، چنانچہ آگے، باب فی تطویل الحجہ میں آ رہا ہے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا جب کہ میرے بال لمبے تھے، آپ نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا "ذباب ذباب" یعنی آپ نے اظہار کراہت فرمائی، میں لوٹ گیا اور جا کر بالوں کو کاٹ دیا، اگلے روز میں جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم مراد نہیں تھے یعنی تم غلط سمجھے میں نے وہ لفظ تمہارے بارے میں نہیں کہا تھا، باقی یہ زیادہ بہتر ہے، یعنی زیادہ لمبے بالوں کو کاٹ کر چھوٹا کر دینا۔

اس پر حضرت نے بذل میں لکھا ہے: وفي الحدیث دلیل علی ان بعض الصحابة (فی بعض الاحیان) قد غلط فی فہم مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

## باب فی الرخصة

درایتہ فی حلة حمراء لم ارشیدنا قط احسن منه، حضرت برادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے بال یعنی پنٹھے تھے جو بعض مرتبہ کانوں کی لوتک پہنچتے تھے، اور دیکھا میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں، اور کبھی میں نے کوئی چیز آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔

یہ حدیث لبس احمر میں جمہور کی دلیل ہے اور حنفیہ کے نزدیک میان جواز پر محمول ہے، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حلہ حمر اسے مراد یہ نہیں کہ وہ خالص سرخ تھا بلکہ یہ کہ اس پر سرخ دھاریاں تھیں کما تقدم فی تفسیر البجیزہ۔  
والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی بمعناه، قال المنذری۔

دائیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی یخطب الخ یعنی آپ میں ایک فحری پر سوار خطبہ دے رہے تھے جبکہ آپ کے اوپر سرخ چادر تھی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے جب کی ترجمانی کر رہے تھے یعنی بلند آواز سے آپ کی بات دوسروں تک پہنچا رہے تھے۔

### باب فی السواد

یعنی لباس اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیسے چادر سیاہ رنگ میں رنگی جس کو آپ نے اڑھا، پس جب آپ کو اس میں پسینہ آیا تو آپ کو اون کی بو محسوس ہوئی تو آپ نے اس کو اتار دیا راوی کہتا ہے کہ آپ کو خوشبو پسند تھی۔

بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے سیاہ لباس کا جواز ثابت ہوا جو متفق علیہ ہے، آپ سے سیاہ لباس چادر اور عمامہ دونوں کا استعمال ثابت ہے۔ والحدیث أخرجه النسائی مسنداً ومرسلًا، قال المنذری۔

### باب فی الہنأب

اس کو (الہذب) صرف ایک صنمہ اور صنمتین دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، قاعدہ ہے کہ ہر ذی صنمتین میں ثانی کو تخفیفاً ساکن پڑھتا جائز ہے، حدیث کا ترجمہ جہاں سے کرتے ہیں، چادر اور رومال کے کناروں پر جو دھاگے سے ہوتے ہیں، دراصل وہ صرف تانا ہوتا ہے بغیر بانا کے اور کبھی اس میں گرہیں بھی لگا دیتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا جب کہ آپ ایک چادر سے گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ کی چادر کے جہاں آپ کے قدموں پر پڑے ہوئے تھے جنوہ باندھ کر بیٹھنا یہ کبھی تو رومال اور کپڑے کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنا کر۔

### باب فی العمامہ

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل عام الفتح مکة وعليه عمامة سوداء، حدیث الباب میں ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں فتح کے لئے داخل ہو رہے تھے تو اس وقت آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا

و دخل عام الفتح مكة وعليه عمامة سوداء۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ دخل مکہ و علی رأسہ المغفر، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا ہے آپ نے عمامہ باندھا ہو مغفر کے اوپر یا اسکے نیچے، نیز اس حدیث پر بلا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض علماء نے سیاہ لباس کے جواز پر استدلال کیا ہے اگرچہ بیاض افضل ہے حدیث ان خیر ثيابکم البیض۔ الی آخر ما ذکر۔ اور اسی طرح کی بات عمامہ یا جوڑی نے لکھی ہے کہ اس روز آپ کے سیاہ عمامہ کے اختیار کرنے میں بیض پر جو کہ مدوح ہے بہت سی مصاحح میں ایک یہ کہ اس سے اشارہ ہے آپ کی سؤرۃ یعنی سیادت کی طرف اور اسلام اور اہل اسلام کی بلندی کی طرف اور اس طرف کہ دین محمدی میں کوئی تغیر تبدیل نہ ہوگا اسلئے کہ سیاہ رنگ تبدیل و تغیر سے بہت بعید ہوتا ہے۔

والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ قال المنذری۔

ان رکاتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صارع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فصرعه النبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم قال رکاتہ وسمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: فرق ما بیننا وبين المشرکین العماش علی القلاش۔

اس حدیث کے راوی رکاتہ ہیں یعنی رکاتہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف۔ آپ کیساتھ مصارعہ رکاتہ کا واقعہ اس حدیث میں ان کی مصارعت کا ذکر ہے حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ، اور یہی سلسلہ نسب اس رکاتہ کا بھی ہے جن کا ذکر کتاب الطلاق میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاث یا طلاق بتہ دی تھی، تہذیب الکمال للزمزلی میں تصریح ہے کہ یہ دونوں قصے ایک ہی شخص کی طرف منسوب ہیں اور یہ وہی رکاتہ ہیں۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ رکاتہ جو مشہور پہلوان تھے انہوں نے آپ کے ساتھ کشتی کی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پچھاڑ دیا، مراسیل ابو داؤد میں ہے کہ ایک بار اس کے پچھڑ جانے کے بعد اس نے دوبارہ کشتی کی اور پھر تیسری مرتبہ بھی کشتیوں بار آپ نے اس کو پچھاڑ دیا اور ہر مرتبہ میں آپ نے اس سے ایک بکری لی جس کا معاہدہ ہوا تھا، اس واقعہ کے بعد اس نے آپ سے عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پہلے کبھی کسی شخص نے میرے پہلو کو زین سے نہیں لگایا تھا اور آپ بھی ایسے نہیں ہیں جو مجھے پچھاڑ سکتے یعنی آپ کیساتھ کوئی اور طاقت معلوم ہوتی ہے، اور پھر اسکے بعد وہ اسلام لے آیا اور آپ نے اس کیلئے دعا فرمائی اور بعض روایات میں ہے کہ اس نے یہ کہا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس وقت عزت بخشی ہے اور مجھ کو میرے رب لالت و عزیزی نے ذلیل کیا اور وہ میرے اس وقت کام دئے ربک الذی اعزک وخذلنی اللات والعزی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آپ نے اس کی تینوں بکریاں لے لیں تو وہ پچھتا کر کہنے لگا کہ میں اب ان بکریوں کے باب سے میں اپنے گھر والوں کو کیا جواب دوں گا، ایک بکری کے بارے میں تو کہہ دوں گا کہ اس کو بھیڑیے نے کھالیا اور ایک کے بارے میں اس نے کچھ اور بہانہ بیان کیا (غالباً یہ کہ وہ لسنگری ہوگئی) اور کہنے لگا کہ تیسرے کے بارے میں میں کیا جواب دوں گا، آپ نے یہ سن کر اس سے فرمایا کہ ہم تجھ پر دو مصیبتیں نہیں جمع کریں گے، کہ تجھ کو پچھاڑیں بھی اور تجھ سے تادان بھی لیں، اور پھر آپ نے وہ بکریاں اسکو واپس فرمادیں۔

اس حدیث الباب کے آخر میں یہ ہے رکنا کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سنتا یہ فرماتے ہوئے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق عمامہ علی القلائس سے ہے، ٹوپیوں پر عمامے، یعنی مسلمان ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں بخلاف مشرکین کے کہ وہ بغیر ٹوپی اوڑھے عمامہ باندھتے ہیں (بذل) ملا علی قاری نے مرقاة میں اس مطلب کو طیبی اور ابن الملک وغیرہ شرح کی طرف منسوب کیا ہے، اور بعض شرح نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ مشرکین صرف ٹوپی پر اکتفا کرتے ہیں اور مسلمین ٹوپی کے اوپر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔ (عون)

آپ سے ٹوپی اور عمامہ دونوں کے  
 نیز عون المعبود میں حافظ ابن القیم سے نقل کیا ہے کہ آپ سے تینوں طرح ثابت ہے صرف  
 ٹوپی صرف عمامہ، اور ٹوپی کے اوپر عمامہ۔ وفي الجامع الصغير برواية الطبرانی  
 معمول کا ثبوت ہے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال كان يلبس تلمسوة بيضاء ٥١.

ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ سفید ٹوپی اوڑھتے تھے، حضرت امام بخاری نے کتاب اللباس میں۔ باب العمامة کا ترجمہ قائم کیا لیکن لبس عمامہ کی کوئی روایت نہیں ذکر کی بلکہ کتاب الحج کی روایت: لا يلبس المحرم القميص ولا العمامة الحدیث پر اکتفا فرمایا، حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے نزدیک ان کی شرط کے مطابق چونکہ عمامہ کے بارے میں کوئی حدیث نہ تھی اسلئے ایسا کیا، پھر اس کے بعد حافظ نے مسلم کی روایت ذکر کی عمرو بن حریرث کی حدیث قال كَانِي انظُرُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْجَاءٌ قَدِ ارْتَضَى طَرَفَهَا بَيْنَ كَتْفَيْهِ، كَذَانِي الْاَبْوَابِ وَالتَّرَاجِمِ، نِزَاسٍ مِّنْ يَدِي هِيَ كَظَمَةِ سَخَاوِي نِي مَقَامِدِ حَسَنَةٍ مِّنْ فَضِيْلَتِ عِمَامَةٍ كَمَا رَأَيْتُ فِي مِثْلِهَا رَوَايَاتٌ ذَكَرْتُ فِي هِيَ، مِثْلًا. العمامة تيجان العرب، اور ایسے ہی حلیک بالعمامہ فہنا سیم الملائكة فارخوھا تلف ظہور کم، وغیرہ، نیز اس میں ہے کہ صلاة بعمامة تعدل خمس وعشرين، اور ایسے ہی رکعتان بعمامة افضل من سبعين ركعة بغیرھا یہ ثابت نہیں ہے الی آخر مانی الابواب والتراجم۔

عمامہ کے موضوع پر متاخرین علماء میں سے ایک بڑے جید عالم محمد بن جعفر الکتانی المتوفی ۱۳۴۵ھ کی ایک مستقل تالیف ہے، الدعامة لمعرفة احكام سنة العمامة، جو عمامہ سے متعلق جملہ فروع اور جزئیات و صفات پر مشتمل ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں جن مصنفین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کے نام بھی لکھے ہیں، محدثانہ انداز میں انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے جو قابل مطاہر ہے

۱۔ عمامہ بیضا کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اب تک مجھے کسی حدیث میں اسکی تصریح تو نہیں ملی لیکن شرح کے کلام سے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یعنی بیاض کو غیر بیاض پر ترجیح سے ظاہر آ رہی معلوم ہوتا ہے کہ غالب احتمال میں آپ نے سفید ہی عمامہ استعمال فرمایا ہے اور غالباً عدم تصریح بیاض کو کسی منشا بھی ہے کہ وہ تو آپ کا معمول اکثری تھا ہی اس کو کیا ذکر کیا جائے کیونکہ اہتمام اس چیز کے ذکر کا کیا جاتا ہے جس میں کچھ ندرت ہو اور خلاف عادت ہو بخلاف اس چیز کے جو معمول اکثری اور مطابق عادت ہی عام طور سے اسکے ذکر کی احتیاج نہیں سمجھی جاتی لان ذلک من باب الاخبار بما هو معلوم (عیان راجع بیان) اس کتاب میں عمامہ سودا پر اور اس کی روایات پر مستقل فصل ہے اسی طرح ایک فصل عمامہ حرقانہ پر قائم کی ہے جیسا کہ تسائی کی ایک روایت میں



اس کتاب میں انہوں نے الوان عمامہ پر بھی بہت سی نقول جمع کی ہیں اور یہ کہ کس کس طرح کا عمامہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہننا ثابت ہے اور انہوں نے ہر ہر لون سے متعلق الگ الگ فصلیں قائم کی ہیں۔ والحدیث اخبرہ الترمذی قال المتذری۔

سمعت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: عممتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فسد لہا من یدتی ومن خلفی۔

**عمامہ میں شملہ کی بحث** حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر عمامہ باندھا تو اس کا ایک سر میرے اگے کی جانب اور ایک پیچھے کی جانب لٹکا دیا گیا اس کے دو شملے تھے ایک سینہ پر اور ایک کمر پر (بندل) اور عون العبود میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پس اولیٰ یہ ہے کہ عمامہ کا سر جس کو علامہ عذہ اور ذبابہ بھی کہتے ہیں صرف ایک بین الکفتین ہونا چاہیے جیسا کہ عمر بن حریش کی روایت میں ہے یعنی صحیح مسلم کی روایت جو اوپر مذکور ہوئی۔ اسی طرح جامع ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا اعمم سدل عمامتہ بین کتفیه، اور ابن عمر کے شاگرد نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا استعمال شملہ اور بغیر شملہ کے دونوں طرح درست ہے اور منع کی روایت ترک شملہ سے ثابت نہیں اور خصائل میں شملہ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ کی عادت شریفہ اس کے بارے میں مختلف رہی ہے شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے باندھنا ثابت ہی نہیں، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ کاتب بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے، اور شملہ چھوڑنے میں بھی مختلف معمول رہا ہے کبھی اگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں ہونڈھوں کے درمیان، کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے تھے، علامہ منادی نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں ہونڈھوں کے درمیان پھلی جانب ہے

**آپ کے عمامہ کا طول کتنا تھا؟** آپ کے عمامہ کی پیمائش کے بارے میں حضرت شیخ خصائل نبوی میں لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے طبرانی کی ایک

— عمر بن حریش کی روایت میں ہے رأیت علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمامۃ حرقانۃ، اور ایک فصل میں عمامہ قطرہ کو ذکر کیا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں گذر چکا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوضاؤ علیہ عمامۃ قطرۃ الحدیث اور ایک مستقل فصل عمامہ صفر کے بارے میں قائم کی ہے جس میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں یہ لفظ چکا کان یصغ بالصفرة ثیابہا حتیٰ عمامتہ، اور ایک فصل عمامہ خضراء کے بارے میں قائم کر کے بطور سوال و جواب کے یہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمامہ خضراء کا پہننا ثابت نہیں بلکہ بعض اشراف اور اٹھویں صدی ہجری کے سلاطین کی ایجاد ہے انہوں نے سادات کیلئے جوڑ کیا تھا سادات اور غیر سادات میں امتیاز کیلئے، نیز جنگ جنین کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ اس دن ملائکہ کا قاص لہا سبز عمامہ تھے۔

روایت میں سات ذراع آئی ہے، بخجوری نے ابن حجر سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے، علامہ جزری کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی، البتہ امام نووی سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ آپ کے دو عمامہ تھے ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا منادی کے قول کے موافق۔ اور سات ہاتھ کا۔ ملا علی قاری کے قول کے موافق۔ اور ایک بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا، صاحب مدقل نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کی مقدار فقط سات ہی ہاتھ بتائی ہے، دوسرا نہیں بتایا، عمامہ کا باندھنا سنتِ مکرّمہ ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: عمامہ باندھا کرو اس سے علم میں بڑھ جاؤ گے۔ الی آخر۔ اور الابواب والترجم میں ہے نقلاً عن الحافظ وعن ابی الملیح بن اسامہ عن ابیہ رفاعہ: اعتموا تزادوا واحلما۔ اخرجه الطبرانی والترمذی فی العلل المفرد وضعف البخاری وقد صححہ الحاکم فلم یصب۔ الی آخر ما ذکر۔

## باب فی لبسة الصماء

نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن لبستین الخ

یعنی آپ نے دو قسم کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ایک یہ کہ آدی اعتبار کرے اس طرح کہ اس کی شرمگاہ سامنے کی طرف سے کھلی رہے۔ اور یہ اس وقت میں ہوگا جب بغیر ازار کے صرف ایک چادر میں اعتبار کرے، چنانچہ دوسری روایت میں ہے: عن الاعتبار فی ثوب واحد۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی چادر کو اس طرح اڑھے کہ اس کی ایک جانب کھل جائے، یعنی جس جانب سے کپڑا اٹھا کر کاڈھے پیرڈا ہے، یہی مضمون دوسری حدیث میں بھی آ رہا ہے فرق ترتیب کا ہے، پہلی حدیث میں اعتبار کا ذکر مقدم ہے اور القاء علی عاتقہ کا جس کو ہمارا کہتے ہیں مؤخر ہے، اور دوسری حدیث میں ترتیب اس کے برعکس ہے لبسة الصماء کی ایک تفسیر تو یہی ہے جو خود اس حدیث میں مذکور ہے اور صماء کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ چادر کو پورے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ پاؤں سب اسکے اندر رہ جائیں اور ہاتھوں کا باہر نکالنا مشکل ہو جائے، یہ ماخوذ ہے الصخرة الصماء سے یعنی ٹھوس پتھر، اس طرح کے لباس میں خونی سقوط رہتا ہے اور ایسے ہی کسی موزی جانور کو دفع کرنا بھی مشکل ہوتا ہے، اشتمال الصماء اور اشتمال الیہود کا ذکر کتاب الصلاة میں بھی گذر چکا

## باب فی حل الازرار

ازرار زری کی جمع ہے گریبان وغیرہ کی گھنڈی۔

حدثنا معاوية بن قرة قال حدثنا ابی قال ایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی رھط من

مزینة فبايعناه وان قميصه لم يعلق الازرار الخ

معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد قرہ بن ایاس نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے قمیص کی گھنڈیاں اس وقت

کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کے گریبان میں ہاتھ داخل کر کے بہر نبوت کو چھو جس پر عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد معاویہ کو اور ان کے بیٹے (ایاس بن معاویہ) کو ہمیشہ اس حال میں دیکھا کہ ان کے قمیص کی گھنٹیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں، گرمی کا موسم ہو یا سردی کا۔ اس حدیث میں معاویہ اور ان کے بیٹے کا حال تو مذکور ہے اسلئے کہ عروہ نے ان ہی دو کو دیکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ خصلت معاویہ نے اپنے والد قرہ بن ایاس صحابی سے حاصل کی ہے جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا تھا۔ اس حدیث میں صحابہ اور تابعین کے اتباع سنت کا نمونہ پایا جاتا ہے اور اس پر بڑی سختگی کے ساتھ قائم رہنا، جعلنا اللہ تعالیٰ من اہل الاتباع و جنبنا الابتداء (بذل) اور حضرت گنگوہی کی تفسیر میں یہ ہے کہ اگرچہ یہ طریقہ گریبان کھولنے کا خصوصاً نماز کی حالت میں خلاف اولیٰ ہے لیکن ان دونوں نے جو کچھ کیا وہ آپ کے ساتھ تعلق اور محبت کی بنا پر کیا اسلئے یہ ان کے حق میں ہمیں توقع یہ ہے کہ مکروہ نہ ہوگا۔ والحدیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی التمتع

قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیانا نحن جلوس فی بیتنا فی نحو الظہیرة قال قائل لانی نکر هذا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقبلاً متقنعاً فی ساعة لم یکن یاتینا فیہا فجاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فاستأذن فاذن له فدخل۔

یہ واقعہ جو اس حدیث میں مذکور ہے قبل ہجرت مکہ مکرمہ کا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سب اپنے گھر میں عین دوپہر کے وقت میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک کہنے والے نے

نے بکر والد صاحب (ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہا کہ دیکھئے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لارہے ہیں سر پہ کپڑا رکھے ہوئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں آپ کی تشریف آوری خلاف معمول تھی، یعنی عین دوپہر کے وقت میں، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دروازہ پر پہنچے تو آپ نے استیذان کیا، اجازت پر آپ اندر تشریف لے آئے۔ یہ طویل حدیث ہے قصہ ہجرت سے متعلق جو بخاری میں مذکور ہے، امام بخاری نے اس کو کتاب المناقب کے اخیر میں کتاب المغازی سے پہلے ذکر فرمایا ہے، بخاری کی روایت میں اس طرح ہے: فی ساعة لم یکن یاتینا فیہا فقال ابوبکر فداء لہ ابی وامی۔ واللہ

ما جاہ بہ فی حذرة الساعة الامر، قالت نجاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاستأذن فاذن له فدخل، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لابی بکر اخرج من عندک، فقال ابوبکر انما هم اهلک بابی انت یا رسول اللہ

قال فانی قد اذن لی فی الخروج، فقال ابوبکر الصحابة بابی انت یا رسول اللہ، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نخرج قال ابوبکر فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدی را حلقی ہاتین، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم ہالشمون الحدیث۔ یعنی جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لارہے ہیں تو وہ فرماتے لگے آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں واللہ آپ کو اس وقت خلاف معمول کوئی بڑی چیز لیکر آئی ہے، اندر

تشریف لانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ غیر متعلق شخص کو یہاں سے الگ کر دو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ  
قربان یہاں تو سب آپ ہی کے گھروالے ہیں کوئی اجنبی نہیں ہے آپ نے فرمایا (اچھا مجھے یہ کہنا ہے) کہ مجھے مکہ سے خروج کی اجازت  
ہو گئی ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان ہو مجھ کو ساتھ رکھئے گا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور پھر انہوں  
نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان ہو میری ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیجئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں مگر قیمتاً  
اسکے بعد بخاری میں طویل حدیث میں ہجرت کا پورا واقعہ مذکور ہے۔

مصنف نے اس حدیث پر "تفتیح" کا ترجمہ قائم کیا ہے جیسا کہ  
حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت

### تفتیح کا مفہوم اور اسکی تحقیق و مواقع استعمال

میں جو کہ دو پہر کا وقت تھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مستقماً تشریف لائے، اس پر بیدل میں لکھا ہے: اسی مغطیاً  
راسہ اما حفظاً عن حر الشمس او اختفای من الکفار یعنی آپ کا اپنے سر مبارک پر کپڑا رکھنا یا تو دھوپ سے بچنے کیلئے تھا یا کفار سے  
چھپنے کیلئے حضرت امام بخاری نے بھی کتاب اللباس میں باب العائم کے بعد باب التفتیح بھی قائم فرمایا ہے، اس پر حافظ لکھتے ہیں:  
وهو تغطية الرأس واكثر الوجه بردار وغيره یعنی سر اور چہرہ کا اکثر حصہ ڈھانکنا کسی چادر یا رومال سے، اور امام ترمذی نے بھی شامل  
میں باب باندھا، باب ماجاء فی تفتیح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور پھر اسکے تحت انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کی یہ حدیث ذکر کی: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یکتو القناع کان ثوبه ثوب زیات، آپ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم بکثرت قناع استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا وہ کپڑا (قناع) تیلی کا کپڑا ہے اور اسی قسم کی  
حدیث امام بخاری نے بھی باب التفتیح میں ذکر فرمائی ہے: خرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ عصابة دسماً  
ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے سر پر چکنا سا رومال تھا، لیکن امام ابو داؤد نے  
باب التفتیح ترجمہ قائم کر کے بجائے شامل والی حدیث کے حدیث ہجرت کو ذکر فرمایا اور ظاہر ہے کہ حدیث الحجرت میں جو تفتیح مذکور ہے  
وہ اسکے علاوہ ہے جو امام بخاری نے کتاب اللباس اور امام ترمذی نے شامل میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ دونوں حدیثوں میں غور کرنے  
سے سمجھ میں آ رہا ہے، حضرت سہارنپوری نے بذل میں تفتیح کی جو شرح اور مصالحت بیان فرمائی ہے حدیث ہجرت والے تفتیح کے  
وہی مناسب ہے جس میں سر اور اکثر چہرہ کا تغطیہ ہوتا ہے جیسا کہ حافظ کے کلام سے تفتیح کی تفسیر میں ہم لکھ چکے ہیں، اور حدیث

ہمارے بعض مشائخ بھی اس طرح کا تفتیح کرتے تھے میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمیل پوری مظاہر علوم کے صدر مدرس جو کہ حضرت تھانوی  
کے اجل خلفا میں تھے جن کا معمول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی بعد العصر کی مجلس میں مدرسہ سے حضرت شیخ کے مکان پر جب تشریف لاتے تھے تو  
راستہ میں اپنے سر اور چہرہ پر تولیا رکھ کر تشریف لاتے تھے، اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ راستہ میں بے محل کسی چیز پر نظر نہ پڑے، اسیہ جو آج کل رومال  
اڑھنے کا طریقہ جاری ہے خصوصاً عربوں میں کہ سر پر رومال کا اقدار بغیر غم طرفین کے کر لیتے ہیں یہ حدیث والا تفتیح نہیں ہے بلکہ یہ سدل کی ایک نوع ہے اور  
سدل کا حدیث میں مستقل ذکر آتا ہے جس کی فقہاء اور شراح حدیث نے مختلف صورتیں بیان کی ہیں، اب یہ کہ اسکی نوع ممنوع میں داخل ہے یا نہیں یہ امر آخر اور غور طلب ہے۔

شامل کا تقنع وہ اور چیز ہے یعنی عملہ کے نیچے کوئی رومال اس غرض سے رکھنا تاکہ تیل کی چکنا چٹ سے عمامہ خراب نہ ہو یہاں تقنع سے بظاہر صرف تقنیۃ الرأس مراد ہے چہرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہذا والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔  
والحدیث اخبرہ البخاری بخبرہ فی الحدیث الطویل فی الحجۃ، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی اسباب الازار

اسبال ازار کو حدیث میں جہاں سے بھی تعبیر کیا گیا ہے یعنی کبر اخذ وہ ازار ہو یا قمیص اس کو اتنا دراز کرنا اور لٹکانا جس سے ستر کعبین ہو جائے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے۔ وارفع ازارک الی نصف الساق فان

ابیت فالی الکعبین وایالک اسبال الازار، اور باب کی دوسری روایت میں ہے من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر الله الیہ یوم القیامۃ۔ علمائے لکھنؤ نے لکھا ہے کہ اسبال ازار اگر تکبر ہے تو حرام ہے، اور اگر لاعلمی یا بے توجہی کی وجہ سے ہے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر بلا قصد عذر ہے تو مباح ہے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حدیث میں مذکور ہے جس کی وجہ شراح نے یہ لکھی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجیف الجسم تھے ان کا ازار اپنی جگہ پر ٹھہرتا نہیں تھا نیچے کو سرک جاتا تھا اور ہم نے اپنے مشائخ سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ازار بھی نیچے کو سرک جاتا تھا جس کا نشانہ تھا کہ وہ بطین تھے پیٹ آگے کو نکلا ہوا تھا

عن ابی جری جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رجلاً یصدر الناس عن رأیہ، لایقول شیئاً الا صدقاً

**مضمون حدیث** حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (یہ جب مدینہ میں پہلی بار تشریف لائے تو وہاں کا جو منظر دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا اس کو بیان کر رہے ہیں) کہ میں نے یہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے کو لے کر لوٹتے ہیں۔ یعنی آپ کی مجلس میں جو کچھ سنتے ہیں اس کو قبول کر کے آتے ہیں۔ تو میں نے پوچھا لوگوں سے کہ یہ کون صاحب ہیں لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، میں آپ کی طرف متوجہ ہوا اور سلام عرض کیا، اور کہا۔ علیک السلام یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس طرح مت کہو یہ طریقہ سلام کا (زمانہ جاہلیت میں) میت کے حق میں تھا بلکہ "السلام علیک" کہو میں نے پوچھا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں، اس اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ اگر تجھ کو کوئی ضرر پہنچے اور تو اس سے دعا کرے تو اس کو وہ دور کر دے اور وہ ایسا ہے کہ اگر تجھ کو قحط سالی پہنچے اور تو اس سے دعا کرے تو وہ تیرے لئے گھاس وغیرہ اگادے (یعنی بارش برسا کرے) اور وہ اللہ ایسا ہے کہ اگر تو کسی جنگل بیابان میں ہو اور تیری سواری گم ہو جائے پھر تو اس سے دعا کرے تو وہ اس کو تیری طرف لوٹا دے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا

لہ قال العلماء لا استجابة الدعاء شرط لا بد منها فہذا ان یكون الدعاء علی ما بان لا قادر علی حاجتہ الا اللہ تعالیٰ وحده، وان الوسائط فی قبضتہ وسخرۃ تبسخرہ وان یدعو باضطرار وانفق فان اللہ تعالیٰ لایقبل الدعاء من قلب قائل (بدل)



کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ کسی کو ہرگز گالی مت دینا، وہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد پھر میں نے کسی کو گالی نہیں دی، برا نہیں کہا نہ کسی آزاد کو اور نہ کسی غلام کو، نہ انسان کو نہ جانور کو۔ اونٹ، بکری وغیرہ۔ اور فرمایا آپ نے کہ کسی نیکی کو ہرگز حقیر نہ سمجھنا، اور تو کسی سے مسکرا کر بات کرے یہ بھی نیکی ہے (لہذا اس کو بھی معمولی چیز نہ سمجھنا) اور اپنی لسنگی کو نصف ساق تک اٹھا، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو صرف کہیں تک اور اپنے آپ کو اسبال ازار سے بچا کہ یہ تکبر کی وجہ سے جو تلمہ یا یہ مطلب کہ یہ بھی تکبر کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا، وان امرؤ شتمک وعيرک بما يعلم فیک فلا تعیرہ بما تعلم فیہ فانما وبال ذلک علیہ، اور اگر کوئی شخص تجھے گوالی دے اور تجھ کو عار دلانے اس چیز سے جو وہ تیرے اندر جانتا ہے تو تو اس کو عار مت دلا اس عیب کے ساتھ جس کو تو اسکے اندر جانتا ہے اسلئے کہ اسکے عار دلانے کا وبال اس پر ہی پڑے گا، یہ آخری نصیحت بڑی جامع ہے اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس میں دوسرے شخص کے واقعی عیب پر عار دلانے سے منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ کسی شخص کو ایسے عیب کیساتھ عار دلا جاوے جو اس کے اندر نہ ہو جیسا کہ لوگ مخالفت اور دشمنی میں کرنے لگ جاتے ہیں۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی محققا، وقال الترمذی حسن صحیح، قال المنذری۔

وحديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجه البخاری والنسائی، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیہما رجل یصلی مسبلا ازارہ الخ۔ یہ حدیث کتاب الصلاۃ میں گذر چکی۔

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان قال ثلاثۃ لایکلمہم اللہ الخ۔

اس حدیث میں بھی اسبال ازار پر وعید ہے، والحدیث اخرجه سلم الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن قیس بن بشر الثعلبی قال اخبرنی ابی وکان جلیسا لابی الدرداء۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال کان بدمشق

رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یقال لہ ابن الحنظلیۃ الخ۔

**ایک طویل مضمون حدیث** یہ ایک طویل حدیث ہے جو متعدد احادیث پر مشتمل ہے جس کا مضمون یہ ہے: قیس بن بشر

کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد یعنی بشر بن قیس نے بیان کیا۔ میرے والد حضرت ابوالدرداء

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلسے تھے۔ یعنی ان کے پاس ان کا زیادہ آنا جانا تھا، میرے والد فرماتے ہیں کہ دمشق کے اندر ایک صحابی تھے جن

کو ابن الحنظلیہ کہا جاتا تھا جو بہت یکسو تھے، لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے، ان کا مشغلہ نماز تھا اور نماز سے فارغ ہو کر

تسبیح و تکبیر میں مشغول ہو جاتے اور پھر اپنے گھر آجاتے، میرے والد فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہمارے پاس کو گزرے جبکہ ہم ابوالدرداء

کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب وہ گزر رہے تھے تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے عرض کیا، کلمۃ تنفعنا ولا تضرک،

یعنی کہیں حد اور قیامت ہے ازار کیلئے جس میں یہ غایت داخل نہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے اخرجه النسائی وصححہ الحاکم ایضاً من رواۃ حذیفۃ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ بلفظ: الازار الی الضان الساتین فان امیت فاسفل فان امیت فمن واول الساتین ولا تنق للکعبین فی الازار۔



راجی ایسی بھی کیا بات ہے) کوئی جملہ ارشاد فرمادو کھڑے کھڑے جس سے ہمیں فائدہ ہو جائے گا اور آپ کا اس میں کچھ نقصان نہ ہوگا تو اس پر انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سر یہ روانہ فرمایا تو جب وہ سر یہ لوٹ کر آیا مدینہ میں تو اس سر یہ والوں میں سے ایک شخص آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو اس نے والے نے ایک اس شخص سے جو پہلے سے مجلس میں بیٹھا تھا اور اس کے برابر ہی میں تھا کہا کہ ایسا ہوا کہ جب ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے دشمن پر حملہ کیا، یہ حملہ کرنے والا قبیلہ غفار کا تھا، تو حملہ کرتے وقت وہ کہنے لگا۔

”خذھامنی وانا الغلام الغفاری“ کہ لے یہ انعام لیتا جا میری طرف سے، تو بھی کیا یاد رکھیے گا کہ میں غلام غفاری ہوں، تو اس کے بارے میں اس قادم نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے اس نے جو یہ بات کہی اس کے بارے میں تو اس نے جواب دیا کہ

میرے خیال میں تو اس کا سارا ثواب باطل ہو گیا یعنی اس نخریہ جملہ کی وجہ سے وہاں مجلس ہی کے ایک دوسرے شخص نے یہ بات

سنی تو اس نے کہا کہ میرے خیال میں تو ایسا کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس بارے میں ان دونوں میں تنازع ہونے لگا

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی اس بات کو سن لیا تو اس پر آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! لا باس ان یوجرو یحسد

کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ اس کو اسکے عمل کا اجر بھی ملے اور اس کی تعریف بھی کی جائے (اس لئے کہ حرب کے اندر کافر کے سامنے اپنی

بڑائی ظاہر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب اور مستحسن ہے) کما در دنی الحدیث۔ راوی کہتا ہے۔ قرائت ابا الدرداء مَرَّ بِذَلِكَ

کہ حضرت ابوالدرداء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر بہت مسرور ہوئے پوری حدیث تو انہوں نے سر جھکا کر

سنی تھی لیکن سننے کے بعد اظہار مسرت و تعجب کرتے ہوئے ان صحابی کی طرف جنہوں نے یہ حدیث بیان کی تھی سر اٹھاتے گئے اور ان

کی طرف آگے کو بڑھتے گئے اور بار بار یہ کہتے رہے کہ کیا تم نے واقعی یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے کیا واقعی

تم نے یہ بات حضور سے سنی ہے راوی کہتا ہے کہ وہ ان کی طرف اتنا بڑھتے گئے جس سے میں یہ سمجھنے لگا کہ یہ اب کھڑے ہو جائیں گے

(ایک حدیث تو یہ ہوئی) راوی کہتا ہے کہ پھر ایک اور دن وہ صحابی یعنی ابن الخنظلہ ہمارے پاس کو گذر رہے تھے، اس بار بھی حضرت

ابوالدرداء نے ان سے فرمایا: کلمۃ تنفعنا ولا تنصرف۔ اس پر انہوں نے ایک اور حدیث سنائی کہ ہم سے حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خیل جہاد پر خرچ کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جو اپنے ہاتھ کو صدقہ کرنے کیلئے پھیلاتا ہی رہتا ہے

اور کبھی سکیرتا نہیں (یہ دوسری حدیث ہوئی) آگے راوی کہتا ہے کہ اسی طرح ایک اور دن وہ ہمارے پاس کو گذر رہے تھے پھر

حضرت ابوالدرداء نے ان سے یہی درخواست کی کلمۃ تنفعنا ولا تنصرف۔ اس پر انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیرم اسدی کے بارے میں یہ فرمایا کہ نفع الرجل خیرم الاسدی لولا طول جمته

واسبال ازارہ، کہ خیرم اسدی کیسا اچھا آدمی ہے اگر اس کے پنٹھے زیادہ دراز نہ ہوتے اور وہ اسبال ازارہ نہ کرتا یعنی پھر تو

اس کی خوبی کا کہنا ہی کیا، یہ بات خیرم کو بھی پہنچ گئی تو انہوں نے حدیث سننے ہی قسچی ہاتھ میں لے کر اپنے پنٹھے کاٹ دیئے کانوں

تک اور اپنا ازارہ کر لیا نصف ساق تک (یہ تیسری حدیث ہوئی) راوی کہتا ہے کہ پھر ایک دن اور وہ ہمارے پاس کو گذر رہے تھے

تو حضرت ابوالدرداء نے اپنا وہی جملہ دہرایا۔ کلمۃ متفقنا ولا تضرک۔ اس پر انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپسی میں مدینہ میں داخل ہونے والے تھے تو آپ نے اپنے مہربانوں سے فرمایا:

انکم قادمون علی اخوانکم فاصلحوا ریحالکم واصلحوا لباکم حتی تکتونوا کانکم شامۃ فی الناس فان اللہ تعالیٰ لایحب الفحش ولا التفحش، کہ اب تم اپنے عزیزوں اور بھائیوں کے پاس پہنچ رہے ہو تو اپنی سواریوں کے کجاوے درست کر لو اور اپنا لباس اور کپڑے بھی درست کر لو اور ایسے ممتاز ہو جاؤ گویا کہ تم لوگوں میں ایسے لگو جیسے بدن میں خال (آمل) ہوتا ہے یعنی بالکل صاف ستھرے اور نمایاں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کی حالت کے بگاڑ کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ بگاڑ طبعی ہو یا وقتی اور عارضی، اس حدیث سے یہ استفادہ ہوا کہ استقبال کرنے والوں کی رعایت و اعزاز میں آدمی کو اپنی ہیئت درست کر لینا چاہئے۔

اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ جب علیگڑھ کے سفر سے اپنی آنکھ کا آپریشن کر کر لوٹ رہے تھے آنکھ پر سبز پٹی بندھی ہوئی تھی تو جب گاڑی مکان پر پہنچی تو گاڑی سے اترنے سے پہلے آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ آنکھ پر سے پٹی اتار دے کیونکہ پٹی کی وجہ سے چہرے کی ہیئت خراب سی معلوم ہوتی ہے اور حالانکہ لوگ استقبال کیلئے منتظر کھڑے ہیں تاکہ دوستوں سے اچھی حالت میں سامنا ہو۔

شمال ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آپ ہر موقع اور محل کے مناسب اس کی تیاری فرمایا کرتے تھے، لکل حال عندہ عتاد، دوستوں سے اچھی اور مناسب حالت میں ملاقات کرنا اس میں صرف اپنے نفس کا احترام و عزت نہیں ہے بلکہ مخاطب کی بھی رعایت ہے، یہ ہیں تعلیم نبوی میں معاشرہ کی باریکیاں۔

## باب ماجاء فی الکبر

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالیٰ الکبریاء

ردائی والعظمتہ ازاری فمن ناز عنی واحدا منہما تہنتہ فی النار

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، یعنی یہ دونوں چیزیں میری مخصوص صفت ہیں تو جو شخص مجھ سے جھگڑتا ہے ان دونوں سے کسی ایک کے بارے میں تو میں اس کو جہنم میں پھینک دیتا ہوں جھگڑنے سے مراد ان دو صفتوں کو اختیار اور استعمال کرنا ہے، اور جو شخص دوسرے کی چیز استعمال کرتا ہے تو گویا وہ اس کیساتھ جھگڑنے پر آمادہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تکبر بڑا سخت گناہ اور شرک کی لائن کی چیز ہے جس کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا، یعنی اگر اس سے تائب نہ ہوا اور اگر سچے دل سے توبہ کر لی تو شرک کی طرح یہ بھی معاف ہو جاتا ہے، اور توبہ کا دروازہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر وقت کھلا ہوا ہے اسکی طرف رغبت کرنی چاہئے اور کسی وقت بھی عاصی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

ایک مرتبہ اپنے حضرت شیخ سے بھی سنا تھا اور پرفضا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میدان میں تکبر کی گنجائش نہیں، حیوانی گناہوں کی تو کوئی زیادہ اہمیت نہیں لیکن یہ جاہی گناہ شیطانی گناہ ہے یہ بہت سخت چیز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يدخل الجنة من كان

في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر، ولا يدخل النار من كان في قلبه مثقال خردل من ايمان۔

حدیث کی تشریح و توجیہ | حدیث کے ان دونوں جملوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک منطقی طالب علم یہ نتیجہ نکالے گا کہ جس شخص کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہوگا اس قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا

بلکہ وہ ایمان سے خالی ہوگا، بڑی سخت وعید ہے کبر کے بارے میں، مگر اہل سنت و جماعت کے نزدیک تو اس طرح کی روایات مآول ہوتی ہیں کہ دخول اولیٰ کی نفی ہے، یعنی سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا، یا یہ کہ دخول جنت کے وقت اس کے قلب میں کبر باقی نہیں رہے گا، اور کبر کو ساتھ لیکر جنت میں نہیں جاسکتا، کہا قال اللہ تعالیٰ۔ و نزعنا ما فی صدورہم من ثل، اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ کبر سے مراد ہے استکبار عن الایمان، والحدیث اخبر محمد بن مسلم و الترمذی وابن ماجہ قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وکان رجلاً جمیلاً فقال

یا رسول اللہ انی رجل حبیب الی الجمال و اعطیت منہ ما تراء یخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بہت حسین و جمیل شخص آیا اور اس نے اگر آپ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کو حسن و جمال بہت مرغوب اور پسند ہے اور مجھ کو یہ چیز عطا بھی کی گئی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ میرا حال حسن پسندی میں یہاں تک پہنچ گیا کہ مجھ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص بھی حسن میں مجھ پر فوقیت لیجائے، ذرا اسی چیز میں بھی، مثلاً جوتے کا تسمہ بھی، یعنی مجھ کو یہ بات بھی پسند نہیں کہ کسی شخص کے جوتے کا تسمہ بھی میرے جوتے کے تسمے سے خوبصورت ہو چر جائیکہ اس سے بڑی چیز میں۔ اپنا سارا یہ حال بیان کر کے اس نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ۔ یہ تکبر تو نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی تکبر نہیں، و لکن الکبر من بطر الحق و غمط الناس، بلکہ متکبر وہ شخص ہے جو حق کا انکار کرے، یعنی اپنی بات کی سچ میں وضوح حق کے بعد بھی اس کو تسلیم نہ کرے اور اپنی رائے پر اڑا رہے اور اس کیساتھ ساتھ لوگوں کو حقیر سمجھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھا کھانا اور عمدہ لباس پہنتا یہ کبر کی حقیقت میں داخل نہیں، یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ عالیشان لباس پہننے سے کبر پیدا ہو سکتا ہے سو یہ امر آخر ہے۔

## باب فی قدر موضع الازار

سألت ابا سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الازار فقال علی الخیر مسقط، قال قال رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ازرة المسلم الی نصف الساق ولا یرج فیما بینہ و بین الکعبین۔

لہ اس لئے کہ جملہ اولیٰ کا مقتضی یہ ہے کہ جس شخص کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر کبر ہو وہ جہنم میں جائے، اور جملہ ثانیہ میں اس کی تصریح ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو گا وہ جہنم میں نہ جائیگا، فالنتیجہ۔ الی ذکرناھا ظاہرہ۔

یعنی مسلمان کے ازار کی صفت نصف ساق تک ہے، یعنی ادنیٰ یہ ہے، اور پھر نصف ساق سے آگے کہ عین تک کی گنجائش ہے اور جو اس سے نیچے ہے وہ مستحق نار ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جرمها شیئا خیلاء لم یُنظر الله الیه یوم القیامة۔

یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مرفوع ہے کہ اسبال کی گراہت جس طرح ازار میں ہے اسی طرح قمیص اور عمامہ کے اندر ہے یعنی عمامہ کا شملہ، جو شخص ان تین میں سے کسی میں بھی اسبال کریگا بطور تکبر تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسکی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا۔ والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

حدیثی عکرمہ اندر آئی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یا ترو فیضع حاشیة ازارک من مقدمہ علی ظہر قدمہ ویرفع من مؤخرہ۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ جب وہ ازار پہنتے تھے تو اپنے ازار کے سامنے کے حصہ کے کنارہ کو پاؤں کے پشت پر رکھ لیا کرتے تھے اور پچھلے کنارہ کو اوپر اٹھا لیا کرتے تھے حاصل یہ کہ انکا تہبند آگے کی طرف سے ذرا جھکا ہوا ہوتا تھا، اور پچھلے کی طرف سے ذرا اوپر کو اٹھا ہوا ہوتا تھا، عکرمہ کہتے ہیں کہ میں ان سے دریافت کیا کہ آپ اپنا تہبند اس طرح کیوں باندھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ بزل میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا بیان جواز کیلئے کیا ہوا کہ کیونکہ بغیر خیلا کے ایسا کرنا صرف خلاف ادنیٰ ہے، مجھے یاد ہے کہ حضرت شیخ نے یہ حدیث پڑھانے وقت فرمایا تھا کہ دیکھو یہ جو مغلیٰ یا جامہ ہوتا ہے اسکی اصل یہی تو نہیں؟ اہ مغلیٰ یا جامہ کی ہیئت کچھ اسی طرح کی ہوتی ہے کہ آگے کی طرف سے کچھ جھکا ہوا اور اڑی کی طرف سے کچھ اٹھا ہوا، حضرت نے یہ بات بطور ظرافت کے فرمائی تھی۔

## باب فی لباس النساء

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنساء۔ یعنی جو عورتیں صورت اور لباس میں مردوں کی مشابہت اختیار کریں ان پر آپ نے لعنت فرمائی ہے، اور ایسے ہی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔

اس وعید کے عموم میں عورتوں کا سر کے بال چھوٹے کرانا مردوں کے پنچھوں کی طرح اور مردوں کا ڈاڑھی مٹھانا داخل ہو جائیگا، جس میں لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے، واللہ البہادی۔ والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

قيل لعائشة رضي الله تعالى عنها ان امرأة تلبس النعل، فقالت لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الرجل من النساء۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے کہا کہ ایک عورت مردانہ یعنی کھڑا جوتا پہنتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو رجلہ ہو، یعنی مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی (مردانی عورت)۔

## باب ماجاء فی قول الله تعالى "يدنين عليهن من جلابيهن"

عن عائشة رضي الله تعالى عنها انها حكوت نساء الانصار فاشت عليهن وقالت لهن معروفاً۔

حدیث کا یہ ٹکڑا باب غسل الخیض میں بھی گذرا ہے "نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعن الخیار ان یتفقہن فی الدین"۔

وقالت لما نزلت سورة النور عمدنا الى حجور او حجوز فشققتهم فاتخذتھن خمرا، وہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ نور نازل ہوئی جس میں یہ آیت ہے "ولیضرن بخصرھن علی حیویہن، تو انہوں نے قصد کیا اپنے مر کے پشتوں کی طرف، مگر کے پشتوں سے مراد یہ ہے کہ بعض علاقوں کی عورتیں ایک چادر کو تہ کر کے وسط مگر میں باندھ لیتی ہیں۔ یعنی ان کو لیا اور ان کے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان کو اپنے سروں کی اوڑھنیاں بنا لیا، یعنی مگر پر باندھنے کے جو ٹکڑے تھے وہ بہت لمبے اور بڑے بڑے تھے جن کو مختصر کرنے کی گنجائش تھی اسلئے انہوں نے ایسا کیا کہ ان میں سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر اس کو سر کے ڈھانکنے کے کام میں لے آئیں اور اس کو خمار بنا لیا، حجوز حجوزہ کی جمع ہے اور اس روایت میں جو دوسرا لفظ حجوز کا بطور شک راوی کے مذکور ہے اسکے یہاں کوئی معنی نہیں بنتا۔ اس آیت کا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ ان انصاری عورتوں کے گریبان چوڑے سے چوڑے تھے جن سے سینے ظاہر ہوتے تھے، اور اوڑھنیوں کے بارے میں ان کی عادت یہ تھی کہ ان کو سر پر رکھ کر پیچھے کی طرف ڈال لیتی تھیں، لہذا ان کو حکم کیا گیا اس بات کا کہ سجائے پیچھے کی طرف ڈالنے کے آگے کی طرف ڈالیں جس سے سینہ مستور ہو جائے۔

### باب فی قول اللہ تعالیٰ "ولیضرن بخصرھن علی حیویہن"

اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قالت لما نزلت "یدنین

لیہن من جلابیہن" خروج نساء الانصار کان علی رؤوسھن الغریبان من الاکسیۃ۔

یہ آیت جو اس حدیث میں مذکور ہے سورہ اعراب کی ہے جس میں اس طرح ہے "یا ایہا النبی قل لا ذواجک وبناتک

ونساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیہن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان اللہ غفورا رحیما۔

اس آیت میں عورتوں کو حجاب کا حکم ہے کہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر اچھی طرح لپیٹو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب انصاری عورتیں اس آیت پر عمل کرتی ہوئیں گھر سے باہر نکلیں (تو چونکہ اب انہوں نے اپنی سیاہ چادروں کو سر اور باقی بدن پر اچھی طرح اوڑھ لیا تھا سب کے سر سیاہ چادروں میں ڈھک گئے تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا کہ گویا ان کے سروں پر کوڑے بیٹھے ہیں۔

غریبان بروزن غلمان غراب کی جمع ہے جو سیاہ ہوتا ہے، جن چادروں سے انہوں نے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا چونکہ وہ سیاہ رنگ کی تھیں جس کی وجہ سے ان کے سر سیاہ کوڑے کے مشابہ ہو گئے تھے، یہ حدیث ام سلمہ ترجمہ اولیٰ کے مناسب ہے نہ کہ اس ترجمہ ثانیہ کے اور پہلے باب کے ضمن میں جو حدیث عائشہ مذکور ہے جس میں سورہ النور کا حوالہ ہے "ولیضرن بخصرھن علی حیویہن" وہ حدیث اس ترجمہ ثانیہ کے مناسب ہے، یعنی معاملہ برعکس ہو گیا۔

اور اس باب ثانی کی حدیث ثانی یہ ہے: عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انھا قالت یرحم اللہ نساء المهاجرات



الاول لما انزل الله، وليضي بين بخره من علي جيوه من شققن اكنف. قال ابن صالح اكنف. مروطه من فاخترن بها۔  
اس حدیث میں مہاجر عورتوں کا ذکر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، ولیضی بن بخره من علی جیوہ من شققن اکنف، تو ان عورتوں نے یہ کیا کہ اپنی چادروں میں جو سب سے زیادہ دیر اور موٹی تھیں ان کے ٹکڑے کر کے اوڑھنیاں بنالیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو حدیث پہلے باب میں آئی ہے اس میں بھی اسی آیت کا ذکر ہے جو یہاں مذکور ہے یعنی سورہ نور کی آیت، لیکن وہاں نساء الانصار مذکور تھا اور یہاں نساء المهاجرات، لہذا دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اس آیت پر عمل کرنے میں نساء الانصار کی تخصیص نہیں جیسا کہ پہلے باب کی حدیث سے شبہ ہوتا تھا اور نہ مهاجرات کی تخصیص ہے جیسا کہ دوسرے باب کی حدیث سے شبہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ دونوں ہی کے حق میں ہے۔

نزول حجاب، اور حجاب سے متعلق آیات و روایات کی توضیح

ان دونوں بابوں کا تعلق حجاب ہے اور ہمارے یہاں کتاب اللباس چل رہی ہے، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کا مسئلہ کتاب الاستیذان میں ذکر کیا ہے، سنن ابوداؤد میں استیذان کا بیان اواخر کتاب، کتاب الادب کے آخر میں مختصر ذکر کیا ہے

امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا۔ باب ایۃ الحجاب، اور اس میں دو قصے ذکر کئے ایک حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کا دوسرا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق، پہلے قصہ کا حاصل یہ ہے، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ حجاب کے واقعہ سے سب سے زیادہ میں واقف ہوں اور پھر انہوں نے نزول حجاب کا واقعہ بیان فرمایا وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے بعد اور رخصت کے بعد صبح کو لوگوں کو دعوت ولیمہ میں مدعو فرمایا تو اکثر لوگ تو کھانے سے فارغ ہو کر چلے گئے، لیکن بعض لوگ فارغ ہونے کے بعد باتوں میں مشغول ہو گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شروع میں انتظار کیا ان کے اٹھنے کا، جب وہ نہیں اٹھے کیونکہ وہ آپ کے منشا کو نہیں سمجھتے تھے تو آپ نے یہ صورت اختیار فرمائی ان کو اٹھانے کی کہ آپ خود کھڑے ہو گئے اور گھر کے اندر باہر تشریف لے آئے اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (دوہن جن کی شادی کی یہ دعوت تھی) گھر کے اندر رخ پھیر کر ایک طرف کو بیٹھی رہیں حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میں بھی گھر سے باہر آ گیا، اور آپ وہاں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ تک تشریف لے گئے جو قریب ہی تھا، میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ گیا، تھوڑی دیر بعد آپ وہاں سے لوٹے یہ گمان کرتے ہوئے کہ غالباً اب وہ لوگ بھی باہر آ گئے ہوں گے جو اندر آ رہے تھے لیکن گھر میں داخل ہو کر دیکھا جہاں پر حضرت زینب بیٹھی ہوئی تھیں کہ وہی چند آدمی اسی طرح بیٹھے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پھر گھر میں سے لوٹ آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ، اور آپ اس مرتبہ بھی حضرت عائشہ کے

یہ روایت میں ہے کہ آپ کو ان کو جانے کا امر کرتے ہوئے شرم آئی۔



حجرہ تک تشریف لے گئے، پھر جب آپ نے گمان کیا کہ اب وہ لوگ واپس ہو گئے ہوں گے تو آپ وہاں سے لوٹ کر گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ لوگ شکل چکے تھے، آپ کے ساتھ میں بھی گھر میں داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب

حائل کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم** انی طعام غیر ناظرین انا ۵۰

اور دوسرا قصہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والا یہ ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں۔ کہ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنی ازواج سے پردہ کرائیے۔ قالت: فلم

يفعل. حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ آگے وہ فرماتی ہیں

کہ ازواج مطہرات استنجار کے لئے رات کے وقت میں باہر نکلا کرتی تھیں، ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکلیں جو قد میں اچھی لمبی تھیں، حضرت عمر نے ان کو دور سے دیکھ لیا تو انہوں نے فرمایا عرفناک یا مسودۃ

کہ لے سودہ ہم نے نہیں پہچان لیا، جاتے ہوئے دیکھ کر حوصاعلی ان یترزل الحجاب یعنی انہوں نے یہ بات اس خیال سے

فرمائی کہ کسی طرح حکم حجاب نازل ہو جائے۔ قالت فانزل الله عز وجل آية الحجاب، یعنی اس پر حجاب کا حکم نازل ہو گیا،

ان دونوں روایتوں میں بظاہر جو تعارض ہے کہ ایک روایت میں نزول حجاب کی

نسبت قصہ زینب کی طرف کی گئی ہے، اور اس دوسری روایت میں قصہ سودہ کی طرف

اس کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ دونوں قصے پیش آنے کے بعد نزول حجاب ہوا، لہذا

دونوں کی طرف نزول کی نسبت درست ہے، یہ ایک مشہور اور عام توجیہ ہے جو اس نوع کے تعارض کو دفع کرنے کیلئے کی جاتی ہے

اور بعض شرح کی رائے یہ ہے کہ آیت حجاب کا نزول تو قصہ زینب ہی کی وجہ سے ہوا ہے جس میں مطلق حجاب کا حکم ہے جو اب

تک نہیں تھا، اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پردہ چاہتے تھے وہ عام پردہ

نہ تھا بلکہ اس کا تعلق خاص حریم نبوی سے تھا، حضرت عمر یہ چاہتے تھے کہ ازواج مطہرات کے اشخاص اور جنوں کا باوجود مستور ہونے

کے بھی پردہ ہونا چاہیے کسی طرح بھی ان پر کسی اجنبی کی نظر نہ پڑے، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خواہش پوری نہیں کی گئی،

لیکن اس رائے میں یہ غلط جان ہے کہ حدیث میں تو قصہ سودہ کے بعد بھی یہ ہے کہ **فانزل الله آية الحجاب**

صحیح بخاری میں اس سلسلہ کی روایات کئی جگہ ہیں اولاً ابواب الوضوء، ثانیاً تفسیر سورہ احزاب، اور اسکے بعد پھر کتاب الاستیذان

میں اور ان میں آپس میں تعارض بھی ہے، قصہ سودہ میں ایک جگہ یہ ہے: **انہ کان بعد ما ضرب الحجاب**، اور کتاب الوضوء میں جو

روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قبل الحجاب کا ہے، اس تعارض کے دفعیہ میں بھی شرح مختلف ہیں، اور حافظ

نے ان اختلافات کی توجیہ کرتے ہوئے ایک جگہ (کتاب الوضوء) یہ بھی کہا ہے: **والمراد بآية الحجاب فی بعضها قوله تعالیٰ**

لے اس بارے میں ہماری ایک خاص رائے ہے جو آگے آرہی ہے۔

یٰٰدینین علیہن من جلا بیہن" اہ ہمار یہاں جو باب چل رہے ہیں ان میں سے پہلا اسی آیت پر ہے  
جاننا چاہئے کہ حجاب کے مراتب اور درجات پر شرح حدیث اور ایسے ہی فقہاء کرام نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے، ہم نے تو یہاں  
ضمناً غایت اختصار کے ساتھ مقام کی مناسبت سے لکھا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معرف القرآن  
میں آیات حجاب کی تفسیر میں مسئلہ حجاب پر کافی مفصل مدلل اور مرتب بحث فرمائی ہے۔

اس سبب باوجود بعض دنیوی تعلیم یافتہ جن کو مسائل کی اچھی طرح خبر نہیں ہوتی،  
مسائل شرعیہ میں دخل اندازی کرتے ہیں، اس قسم کے لوگ مسئلہ حجاب میں بھی  
شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ستر و جوہ کا کہاں دستور تھا، حالانکہ یہ بات غلط ہے ستر و جوہ کا ثبوت روایات سے ثابت ہے چنانچہ  
ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، قالت کان الکرمان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاذا حاذوا بنا سدلنا احدانا جلبا بیہا من راسہا علی وجہہا فاذا جازونا کشفناہ  
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سفر حج کے راستہ کی کیفیت بیان کرتی ہیں کہ جب ہم احرام کی حالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہی تھیں تو ہمارے سامنے کو اور دوسرے قافلہ سوار بھی گذرتے تھے جب وہ ہمارے قریب آتے تھے  
تو ہم اپنے سر کی چادروں کو سر کا کے چہرہ پر کر لیا کرتی تھیں پھر جب وہ گذر جاتے تھے تو ہم اپنا چہرہ کھول لیا کرتی تھیں یہ روایت  
سفر حج کی عورتوں کے حجاب میں اور دوسروں کے سامنے چہرہ ڈھانپنے میں صریح ہے، اس پر امرأۃ خثعمیہ والے قصہ سے  
اشکال کیا جاسکتا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ وہاں پر کشف وجہ مند الحاجہ تھا یعنی حاجت سوال کہ وہ آپ سے ایک مسئلہ  
دریافت کر رہی تھی ظاہر ہے کہ دوسرے حاضرین کی نظر اس وقت اسکی طرف نہیں تھی، صحابہ کرام کے احوال میں یہ بات مشہور ہے

لہ وفي العینی نقلاً عن الکرمانی: الحجاب ای کاسیب یعنی حجاب النساء عن الرجال، فانزل اللہ آیۃ الحجاب و یحکم ان مراد آیۃ الحجاب  
انجمن فیستاول الآیات الثلاث قولہ تعالیٰ یا ایہا النبی قل لا زواجکم و بنا تک و نسائکم و نسائکم من جلا بیہن من جلا بیہن الآیۃ، و قولہ تعالیٰ و اذا سألتموهن  
متاعاً فاسألهن من درار حجاب، و قولہ تعالیٰ و قل للمومنات لیتقنن من ابصارہن و یحفظن فروجهن و لا یردن زینتہن الا ما ظہر منہا و لیضربن بخمرھن  
علی جیوبہن الآیۃ۔ اور اس سے پہلے شروع میں مشروع بحث حجاب میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھ چکے ہیں کہ الحجب ثلاثہ۔ الاول الامر بستر وجوہہن  
یرل علیہ قولہ تعالیٰ یا ایہا النبی قل لا زواجکم و بنا تک و نسائکم و نسائکم من جلا بیہن من جلا بیہن، الثانی هو الامر بارقار الحجاب بیہن و بین الناس یرل علیہ قولہ  
تعالیٰ و اذا سألتموهن متاعاً فاسألهن من درار حجاب، الثالث هو الامر بمنجمن من الخروج من البیوت الا لضرورة شرعیۃ فاذا خرجن لا ینظرن  
شخصہن کما فعلت حفصۃ یوم مات ابوہا سترت شخصہا عین خرجت و زینت عملت لہا قتیہ لما توفیت (قبہ سے مراد گوارہ ہے جس کو نش سے تعبیر  
کرتے ہیں کما سبق فی کتاب الجنائز) و کان لہن فی التستر عند قضاء الحاجۃ ثلاث حالات۔ الی آخر ما ذکر۔ (عینی ص ۲۶۶)

کہ وہ آپ کی مجلس میں اور آپ کے سامنے اس طرح رہتے تھے، کأن علی رؤسهم الطيبون البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے ان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے اس وقت اس سوال کو نبی الی خاتون کی طرف دیکھا لیکن اسی روایت میں اسکی بھی تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کا رخ پھیر دیا، اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر کہ یا رسول اللہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کا چہرہ پھیر دیا تو اس پر آپ نے فرمایا: رأیت شابا وشابۃ فلم امن الشیطان علیہما کہ دونوں جوان ہیں اسلئے قتمہ کا اندیشہ تھا، معلوم ہوا عورت کے لئے کشف وجہ جو جائز لکھتے ہیں اس کا تعلق نماز سے ہے کہ نماز میں چہرہ کو ڈھانکنا ضروری نہیں اس لئے کشف وجہ عند الاجانب مراد نہیں بلکہ کشف وجہ عند الاجانب مطلقاً جیسا کہ سفر حج والی روایت سے معلوم ہوا یا کم از کم عند خوف الفتنہ جیسا کہ اس حدیث الخشعیہ سے معلوم ہوا ناجائز ہے، اور یہی فقہا کرام فرماتے ہیں، حدیث الخشعیہ اور اس پر کلام کتاب الحج باب الرجل یسبح عن غیرہ میں گند گیا، اس کی طرف رجوع کریں۔

تنبیہ: قصہ سورہ میں جو آتا ہے: فانزل اللہ آیۃ الحجاب، اسکے بالمقابل کتاب التفسیر میں ایک روایت میں اس طرح ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نزول حجاب کے بعد حضرت سورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی کسی حاجت سے گھر سے باہر نکلیں۔ اور یہ حضرت سورہ بھاری بھر کم تھیں جو دیکھنے سے پہچان لی جاتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کے گھر سے نکلنے پر ان کو لوٹا، وہ ان کے لوگنے پر واپس ہو گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر پر تھے، حضرت سورہ نے آکر حضرت عمر کی شکایت کی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ پر آثار وحی طاری ہو گئے پھر جب وہ آثار رفع ہو گئے تو آپ نے یہ فرمایا: انه قد اذن لکن ان تخرجین لحاجتکین، جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش کو پورا نہیں کیا گیا اور جو وہ چاہتے تھے یعنی مطلقاً خروج سے روکنا اس کا حکم عورتوں کو نہیں دیا گیا، بلکہ خروج للحاجۃ کی اجازت دی گئی۔

(ایضا) ہمارا خیال یہ ہے کہ جن روایات میں قصہ سورہ میں یہ آتا ہے: فانزل اللہ آیۃ الحجاب وہ غالباً رواۃ کا تصرف ہے اصل وحی جو آپ پر اس موقع پر نازل ہوئی تھی وہ نزول حجاب کی نہیں تھی، نزول حجاب تو اس سے پہلے قصہ زینب بنت جحش میں ہو چکا تھا، واقعہ عمر کے بعد جو حضرت سورہ کے ساتھ پیش آیا اس میں جس وحی کا نزول ہوا تھا وہ تو یہ ہے جو اس روایت میں مصرح ہے، اس صورت میں دو حدیثوں کا آپس کا تعارض کہ ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول حجاب قصہ زینب میں ہوا اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ سورہ میں ہوا یہ تعارض اب پیش ہی نہیں آئے گا، لیکن کسی شارح نے اس

لہ وقد ابدی عند الاحتمال العزیز المولوی حبیب اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لہ اس کو آیت حجاب اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کا تعلق حجاب سے ہے گونیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ لکن لیشکل علیہ لفظ آیۃ النہم الا ان یقال ان المراد بالآیۃ الوحی ای غیر اللہ۔

طرف توجہ نہیں کی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت امام بخاری نے حجاب کا مسئلہ کتاب الاستیذان کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے اور امام ابو داؤد نے کتاب اللباس کے اندر اور یہی زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ حجاب کا تعلق لباس ہی سے ہے اور استیذان حجاب کے علاوہ ایک مستقل چیز ہے جس کے بارے میں سورہ نور کے اندر دو آیتیں نازل ہوئیں ایک اسکے شروع میں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرِ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا** اور دوسری آیت اس کے آخر میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْتَأْذِنُوا بِلِبَاسِكُمْ لِيُسْتَأْذِنَ الَّذِينَ نَكَحُوا أَبْنَاءَكُمْ** واللذان لم يبلغوا العلم منكم ثلاث مرات، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقات میں فرماتے ہیں کہ استیذان کے معنی طلب الاذن کے ہیں، اور اصل اس کے اندر یہ آیت کریمہ ہے (سورہ نور کی آیت اولیٰ) اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آیت ثانیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت استیذان الاقارب لبعضہم علی بعض پر مشتمل ہے، اور آیت اولیٰ میں استیذان الاجانب لبعضہم علی بعض مذکور ہے **هَكَذَا فِي الْأَبْوَابِ وَالرَّجْمِ**۔

انہی میں یہ بھی ہے کہ تاریخ خمیس میں آیت ثانیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس آیت استیذان آیت حجاب سے مقدم ہے | کا نزول سنہ ۱۱ھ میں ہوا، اسکے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آیت اولیٰ اس سے پہلے نازل ہوئی لیکن لم ار التصریح بذلک، دنی التفسیر الکبیر یا لوی بدھا۔ الی آخر ذافیہ۔ اور نزول حجاب اس سے پہلے ہے اسلئے کہ حضرت زینب کا نکاح ایک قول میں ۱۱ھ میں ہے اور ایک قول میں ۱۲ھ میں کما فی المواہب اللدنیۃ للقسطانی ص ۸۹ اور یہی دو قول علامہ عینی نے نقل کئے ہیں اور تیسرا قول ذیقعدہ ۱۲ھ ہے۔

## باب فيما تبدى المرأة من زينتها

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان اسماء بنت ابى بكر رضي الله تعالى عنها دخلت على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وعليها ثياب رقاق فاعرض عنها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم واخراجه۔  
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میری بہن اسماء حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں یعنی ہمارے گھر جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وہاں موجود تھے تو اس وقت انہوں نے باریک اور ہلکے کپڑے پہن رکھے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے منہ موڑ لیا اور فرمایا اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو جائز نہیں اس کیلئے کہ دکھائی دے اس کا بدن سوائے اس کے اور اس کے، اور آپ نے اپنے چہرہ اور کفین کی طرف اشارہ فرمایا۔  
یعنی وجہ اور کفین کے علاوہ جو بدن کا دوسرا حصہ ہے اس کا کشف تو کسی حال میں جائز نہیں لا داخل الدار ولا خارج الدار

لعل المراد بالزينته مجملها كما قال المفسرون في تفسير قوله تعالى ولا يبدین زینتهن الا للذات۔

صرف وجہ اور کفین یہ دو جزا ایسے ہیں بدن کے جن کا کشف جائز ہے یعنی داخل الدار اور عند عدم حضور لا جانب (والدلیل علی ہذا القیود قرینۃ الحال اذ القصة قصۃ داخل الدار)

## باب فی العبدینظرالی شعرمولانہ

یعنی غلام اپنی سیدہ کے سر کے بال دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا استأذنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فی الحجامة فامر اباطیبة ان یحوصھا۔ قال: حسبنا انہ قال: کان اخاھامن الرضاعة او غلاما لم یحتلم،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی کچھنے لگانے کی تو آپ نے ابوطیبہ کو حکم فرمایا ان کے کچھنے لگانے کا۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ ابوطیبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رضاعی بھائی تھا، یا نابالغ لڑکا۔

مطابقت الحدیث للترجمة | ترجمۃ الباب میں نظرالی شعرا لہ کا ذکر ہے اور کچھنے بھی بسا اوقات بدن کے ایسے حصہ پر لگائے جاتے ہیں جو حد عورت میں داخل ہوتا ہے، اور آپ نے اجازت مطلقاً مرحمت فرمائی تھی اس طور

پر ترجمہ سے مناسبت ہو جائے گی، حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ایک لحاظ سے تو ہوگی لیکن ترجمہ میں قید اپنے غلام کی ہے کہ عورت کا غلام اس کے سر کے بال دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اس کا جواب میرے ذہن میں یہ ہے کہ اس حدیث سے مصنف کی غرض ترجمۃ الباب کا اثبات نہیں ہے اس کا اثبات تو باب کی حدیث ثانی سے ہوتا ہے، اس روایت کو تو مصنف یہاں پر استطراداً اور تقریباً للمرام لائے ہیں۔

هل العبد محرم لیسیدتہ ام لا؟ | ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کا غلام اس کا محرم ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مع اختلاف ائمہ ابواب العتق کے پہلے ہی باب میں گذر چکا ہے۔

والحدیث اخرجہ مسلم وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی فاطمة بعد قد وہبہ لھا الخ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے لئے ایک غلام لے کر آئے، حضرت فاطمہ اس غلام کی وجہ سے پرہ کرنے لگیں لیکن چادر چھوٹی تھی اگر اس سے سر ڈھانپتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ڈھانکنے کی کیوں نلکر کر رہی ہو اس وقت گھر میں تیرا باپ اور تیرا غلام ہی تو ہے۔ جو حضرات عورت کے غلام کو اس کا محرم نہیں قرار دیتے وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ان ہذا العبد کان صغیرا لاطلاق لفظ الغلام علیہ، ولانہا واقعة حال۔ الی آخر ما ذکر من المسئلة وولیلہا فی البذل۔

## باب ما جاء في قوله تعالى «غير اولى الارب»

یہ لفظ جو ترجمہ الباب میں مذکور ہے سورہ نور کی ایک طویل آیت "ولا یبدین زینتہن الا لبعولتہن او اباہن او اباہن او اباہن او اباہن" کے آخر میں ہے "او ما ملکت ایمانہن او التابعین غیر اولى الاربۃ من الرجال او الطفال الذین لم ینظروا علی عورات النساء" یعنی جو آدمی ایسے ہیں کہ جن کو شہوت نہ ہو نیکی وجہ سے عورتوں کی حاجت نہیں جیسے بعض مخنث اور عینیں تویر ان میں سے ہیں جنکے سامنے مواضع زینت کا ابدار جائز ہے، جس طرح آبار و اینار اور شوہروں کے لئے جائز ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یدخل علی ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخنث فکانوا یعدونہ من غیر اولى الاربۃ الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مخنث ہمارے گھروں کے اندر آ جایا کرتا تھا ہم اس کو "غیر اولى الاربۃ" میں شمار کرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور وہ مخنث آپ کے ازواج میں سے بعض کے پاس تھا، اور وہ ایک عورت کا وصف بیان کرنے لگا کہ ان میں ایک عورت ایسی ہے بھاری بھر کم اور خوبصورت کہ جب آتی ہے سامنے چل کر تو اس کے پیٹ پر چار شکن پڑتے ہیں اور جب مڑ کر جانے لگتی ہے تو آٹھ شکن ظاہر ہوتے ہیں، یعنی چار سامنے کے اور چار پیچھے یعنی پہلو کے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا یہ جملہ سن کر فرمایا: الا ارجی ان یدخلوا ہذا ماہننا، خبر دار میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تو عورتوں کے حال کو جانتا اور سمجھتا ہے، لہذا یہ آئندہ کبھی تم پر داخل نہ ہو، چنانچہ سب نے اس کو آئندہ گھر میں آنے سے روک دیا۔

شرح نے اس مخنث کا نام بھی لکھا ہے: قیل اسمہ ہیت، وقیل ہند، وقیل ماتع۔ ان بعض ازواج سے مراد جن کے یہاں یہ مخنث تھا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کیونکہ یہ روایت کتاب الادب باب الحکم فی المخنثین میں آئی ہے: عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل علیہا وعندہ مخنث وهو یقول لعبداللہ اخیہا: ان ینفتح اللہ الطائف غداً دللتک علی امرأۃ تقبل باریع وتدبو شمان، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اخر جوہم من بیوتکم۔

عربوں کے نزدیک اور ان کے مذاق میں عورت کا فریب ہونا ممدوح اور پسندیدہ تھا، طائف کی کسی عورت کی اسی صفت کو یہ مخنث بیان کر رہا تھا کہ جب سامنے کو آتی ہے تو چلتے کی رکت کی وجہ سے اور اس کی فریبی کی وجہ سے اس کے شکم میں چار شکن پڑ جاتے ہیں اور پھر جب مڑ کر جانے لگتی ہے تو اب چونکہ پیٹ اور کمر دونوں کا کچھ کچھ حصہ دکھائی دیتا ہے تو وہی چار شکن اب آٹھ ہو گئے، پیٹ اور کمر دونوں کو ملا کر۔

اس کے بعد کی روایات میں کچھ زیادتی ہے، فکان بالبیداء یدخل کل جمعة یستطعم کہ جب اس کو نکالا تو



وہ بیدار کی طرف چلا گیا، ہفتہ میں ایک مرتبہ ہر جمعہ کو شہر میں آتا تھا کھانا لگنے کیلئے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جنگل میں تو بھوکا مر جائے گا آپ اس کو ہفتہ میں دو مرتبہ شہر میں داخل ہونے کی اجازت دیدیجئے سوال کر کے لوٹ جایا کرے گا۔ و الحدیث اخرجہ النسائی، واخرجہ البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ من حدیث زینب بنت ام سلمة عن ابہا ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہما واخرجہ ابو داؤد کذلک فی کتاب الادب، قال المنذری۔

## باب فی قوله تعالیٰ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارہن

یہ جنس حجاب کے سلسلہ کی تیسری آیت ہے جیسا کہ پچھلے باب میں علامہ کرمانی سے گذرا کہ وہ تین آیتیں ہیں۔ یہ تین علیہن من جلابیہن، اور دوسری، ولیدضرن بخمرهن علی جیوبهن، اور تیسری یہ جو ترجمہ الباب میں مذکور ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارہن، الآیة، فتغخ واستتی من ذلك، القواعد من النساء اللاتی لایرجون نکاحا۔ الآیة۔

یعنی آیت حجاب کے حکم سے یہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو کبر سنی کی وجہ سے حیض اور سلسلہ ولادت سے گذر چکی ہیں، اور جن میں نکاح کی طمع باقی نہیں رہی، تو ان کے حق میں کچھ حرج نہیں ہے کہ وہ اوپر کے کپڑے جیسے وہ چادر جو شمار کے اوپر ہوتی ہے پر وہ کیلئے اس کو اتار کر رکھیں اس طور پر کہ اس سے مقصد ان کا اظہار زینت نہ ہو۔

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنت عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعدة میمونة فاقبل ابن ام مکتوم وذلك بعد ان امرنا بالحجاب الخ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں اور میمونہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں، نزول حجاب کے بعد کا واقعہ ہے، تو ابن ام مکتوم آپ کے پاس آنے لگے، آپ نے ہم دونوں سے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اعمیٰ نہیں ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں تو اس پر آپ نے فرمایا: اَفَعَبَاؤَانِ اَسْتَمَا، اَلَسْتَا بَصِيْرَانِهٖ، عمیٰ وان تثنیہ ہے عمیاء کا، یعنی تم بھی نابینا ہو گیا، کیا تم نہیں دیکھ سکتیں ان کو؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر المرآة الی الرجل جائز نہیں، امام شافعی کا اصرار قول یہی ہے، عند النووی اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، ان کی دلیل حجاب الحبشہ والی حدیث عائشہؓ ہے اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث جو کتاب الطلاق میں گذر گئی، فانہ رجل اعسیٰ تضعین عندہ ثیابک جمہور کے نزدیک حدیث الباب درخ پر محمول ہے، اور جو حضرات تحریم کے قائل ہیں وہ حدیث عائشہؓ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ قبل الحجاب کا واقعہ ہے، اور بعض نے یہ کہا کہ عائشہ اس وقت صغیر السن تھیں، لیکن علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ قدوم حبشہ کا واقعہ ۶۰ھ میں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی، اور وہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے، لہذا یہ دونوں تاویلیں درست نہیں (من البذل وہامشہ)

اور ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے حدیث الیاب کے متعلق کہ یہ ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے، اور دلیل خصوص میں انہوں نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو پیش کیا، لیکن اس پر اشکال ہوگا حدیث حزاب حبشہ سے، کذا فی ہامش البذل، حدیث حزاب حبشہ بخاری و مسلم میں ہے، سنن ابوداؤد میں حزاب حبشہ سے متعلق مختصر اتنی روایت ملی ہے کتاب الادب باب فی الغنار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المدينة لعبت الحبشہ لقدمہ فرحاً بذلک، لعوا بحر ابہم۔

نظر الرجل الى المرأة وعكسه میں مذاہب ائمہ

در منثورہ کتاب الحج میں گذر گئی، مفاصلہ ان نظر الرجل الى المرأة الى الوجه والکفین يجوز عند الحنفیة والمالکیة بشرط عدم الشهوة وعدم اللذة، ولابن جوز عند احمد، وعن الشافعیة روایتان، رجع النووي عدم الجواز والرافعی الجواز واما عکسہ فيجوز عند الائمة الثلاثة (الحنفیه والمالکیة والجنابله) وروایة عن الشافعیة، والروایة الثانية انه لا يجوز واخترها النووي۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی، حسن صحیح، قال المنذری۔

اذا زوج احدکم عبداً امته فلا ينظر الى عورتها۔ مضمون حدیث واضح ہے کہ جب مولیٰ اپنی باندی کا نکاح کسی دوسرے سے کرے تو اب وہ اس کی باندی اسکے حق میں مثل اجنبیہ کے ہوگی لہذا اب اس کے سر کی طرف دیکھنا اس کیلئے ناجائز ہوگا، یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الصلوة، باب متى یومر الغلام بالفتلۃ میں گذر چکی۔

## باب کیف الاختار

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل علیہا وهي تختم فقال لیت لایبتین

شرح الحدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں اوڑھنی اوڑھ رہی تھی تو آپ نے یہ تمبیہ فرمائی کہ اوڑھتے وقت اس کو ایک پیچ دینا نہ کہ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اوڑھنی کو سر پر ویسے ہی نہ رکھنا چاہیے بلکہ سر پر رکھنے کے بعد اس کو ایک بل دیدینا چاہیے تاکہ وہ سر سے بار بار نہ گرسے، لیکن دو بل نہیں دینے چاہیے تاکہ عمامہ کی مشابہت نہ ہو جائے مصنف نے اس کی یہی حکمت بیان کی ہے۔ یقول: لا تعم مثل الرجل۔

## باب فی لبس القباطی للنساء

عن دحیة بن خلیفة الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقباطی

فاعطانی منها قبطیة، فقال اصدعها صدعین الخ۔

قباطی قبطیہ کی جمع ہے باریک کپڑوں کی ایک قسم ہے جو کتان کے ہوتے ہیں، یہ نسبت ہے قبط کی طرف یعنی اہل مصر قوم فرعون، وہم ہاریۃ القبطیۃ ام ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت وحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس قباطی کپڑے آئے تو ان میں سے آپ نے ایک کچھ کو بھی عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک میں اپنے لئے قمیص بنالے اور دوسرے ٹکڑے اپنی بیوی کو دیدے اور دھنی کے لئے، اور یہ بھی فرمایا آپ نے کہ اس سے یہ کپڑا بنا کہ اس کے نیچے ایک کپڑا اور لگانے تاکہ سر کے بال نظر نہ آئیں، کیونکہ یہ کپڑا باریک تھا تو اس لئے آپ نے اس کے نیچے ایک اور کپڑا یعنی استر لگانے کے لئے فرمایا۔

## باب ماجاء فی الذیل

ان ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حین ذکر الاذار۔ الخ۔

**شرح الحدیث** حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مردوں کے حق میں مقدار ازار کو بیان فرمایا تو اس پر میں نے آپ سے دریافت کیا کہ عورت اپنے ازار کو کہاں تک لٹکائے، تو آپ نے فرمایا: ایک بالشت، یعنی جو مقدار مردوں کے حق میں بیان کی گئی ہے عورتوں کے لئے اس پر ایک بالشت زائد کی اجازت ہے حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اس صورت میں تو اس کے قدم کھل جائیں گے۔ یعنی چلتے وقت۔ تو آپ نے فرمایا تو پھر ایک ذراع بڑھالے، اس سے زائد نہیں۔

حافظ فرماتے ہیں کہ مقدار ازار کے بارے میں مردوں کی دو حالتیں ہیں ایک حالت جواز اور ایک حالت استحباب، حال استحباب الی نصف الساق ہے اور حال جواز الی الکعبین، اسی طرح عورتوں کے حق میں دو حالتیں ہیں حال استحباب اور وہ مقدار شبر کی زیادتی ہے علی ماجوز للرجال، یعنی مردوں کے حال جواز پر، اور حال جواز مقدار ذراع کی زیادتی علی ماجوز للرجال اور حضرت گنگوہی کی رائے جو الکوکب الدری میں ہے اس میں بھی عورت کے دو حال ذکر کئے ہیں ایک مقدار شبر کی زیادتی اور ایک مقدار ذراع کی زیادتی، مگر حضرت نے یہ زیادتی مقدار جواز پر نہیں قرار دی بلکہ مردوں کے حال استحباب پر اس زیادتی کو مراد لیا ہے، یعنی نصف ساق پر ایک بالشت کی زیادتی عورتوں کے حق میں سحاب اور ایک ذراع کی زیادتی نصف ساق پر ان کے حق میں جائز حدیث میں ایک مسئلہ اور ہے کہ عورت کے قدمیں حد عورت میں داخل ہیں یا نہیں؟ مشافعیہ حنابلہ کے یہاں ظہور قدمین کا نماز میں ستر واجب ہے، حنفیہ مالکیہ کے نہیں، یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ثیاب الصلاة میں گزر چکا والحدیث اخرجه النسائی قال المتذری۔

لہ الحاصل عورتوں کے حق میں مقدار شبر کی زیادتی علی الکعبین یہ حال استحباب ہے اور مقدار ذراع کی زیادتی علی الکعبین یہ حال جواز ہے۔ ۱۲۔

## باب فی اُھب المیتة

جلد میتہ، میتہ کی طرح نجس ہے، اب یہ کہ دباغت سے پاک ہوتی ہے یا نہیں؟

مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ «الابواب والترجم» میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں، ترجمہ بخاری «باب جلود المیتة قبل ان تدبغ» کے تحت، بسط الکلام علی حدیث الباب والابحاث المتعلقة بہ فی الاوجز، و ذکر فیہ عن النووی اختلاف العلماء فیہ علی

جلد میتہ کے دباغت سے پاک ہونے میں مذاہب علماء

سبعة اقوال۔ کافی ہامش اللامع، اسکے بعد ائمہ اربعہ کے مذاہب اس میں یہ لکھے ہیں، امام شافعی کے نزدیک کلب اور خنزیر کے علاوہ تمام جلود میتہ دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں، نیز ظاہر جلد اور باطن جلد دونوں پاک ہو جاتی ہیں، اور امام احمد کے نزدیک فی اشہر الروایاتین۔ اور یہی ایک روایت امام مالک سے ہے کہ کوئی جلد بھی پاک نہیں ہوتی ہے دباغت سے، اور حنفیہ کے نزدیک تمام جلود پاک ہو جاتی ہیں الا الخنزیر (والآدی) اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تمام جلود پاک ہو جاتی ہیں لیکن صرف ان کا ظاہر پاک ہوتا ہے نہ کہ باطن، لہذا صرف یا بسات میں ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے نہ کہ بالعات میں۔ ویصلی علیہ لانیہ، یعنی جلد مدبوغ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں نہیں یعنی اس میں پانی لیکر وضو کرنا جائز نہیں اہ یہ چسار مذہب ہوئے چاروں ائمہ کے اور تین مذہب اس میں اور ہیں، زہری کے نزدیک جلد میتہ پاک ہے بغیر دباغت کے بھی جیسا کہ آگے خود متن میں آرہا ہے، اور ظاہر یہ کہ نزدیک تمام جلود پاک ہو جاتی ہیں دباغت سے بلا استثناء کے حتی الخنزیر کافی ہامش البذل، اب ایک اور مذہب باقی رہ گیا وہ امام اوزاعی اسحق بن راہویہ وغیرہ کا ہے کہ ماکول اللحم کی جلد پاک ہو جاتی ہے غیر ماکول کی نہیں، یہ ساتوں مذاہب امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کئے ہیں۔

حقیقت دباغت اور اس میں اختلاف ائمہ پھر جاننا چاہیے کہ حقیقت دباغت میں اختلاف ہے جس کی تفصیل او جزئیہ

کتاب الصيد میں ہے، ففیہ عن التعلیق المجدد الدباغ بکسر الدال المهملة وهو إزالة الرائحة الكريهة والرطوبة الخمسة باستعمال الادوية وغيرها، وروی محمد بن ابی حنیفہ فی «کتاب الآثار» کل شیء يمنع الجلد من الفساد فهو دباغ، و فی «الروض المربع» (فی مذہب احمد) ولا یحصل بتشمیس ولا تریب اہ، وقال الموفق: ویفتقر ما یدبغ بہ الی ان یکون متشفا للرطوبة متقیاً للخبث کالشب والقرظ، وقال النووی: یجوز الدباغ بکل شیء ینشف فضلات الجلد ویطیبہ یمنع من ورود الفساد علیہ من الادوية الطاهرة، ولا یحصل بالتشمیس عندنا، وقال اصحاب ابی حنیفہ یحصل۔ الی آخر ما ذکر و فی الہدیة ثم ما یمنع النین والفساد فهو دباغ وان کان تشمیساً او تریباً، لان المقصود یحصل بہ قدامتہ لا شرط غیرہ، و فی ہامش: الدباغة اعم من ان تكون حقیقیة كالقرظ ونحوه او حکمیة كالتریب والتشمیس والاقار فی الریح، فان کانت بالاول لا یعود نجساً ابداً،

۱۶ وہو ورق السلم، سلم کبک کے مانند ایک درخت ہوتا ہے۔

وان كانت بالثانية ثم اصابه المار فقيه روايتان عن الامام والظاهر انه يعود قياسا، وعندهما لا يعود استحسانا۔ وهو الصحيح، پس حاصل یہ کہ عند الجہود دباغت حقیقیہ معتبرہ ہے، دباغت حکمیہ کا اعتبار نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے البتہ اس میں اختلاف ہے ہمارے یہاں کہ حکمیہ کی صورت میں ترہونے کے بعد نجاست عود کرتی ہے یا نہیں، واضح انہ لا يعود، وفي الكوكب: استثنى من الانسان والخنزير، للكرامة الاول، ونجاسة الثاني، مع ان الدباغة غير ممكنة فيها للاتصال الذي بين الجلد واللحم فلا يمكن سلخه بحيث يفصل اللحم باسره من الجلد ولا يمكن الدبغ ما لم يفرز الجلد عن اجزاء اللحم

عن ميمونة رضي الله تعالى عنها قالت اهدى لمولاة لناشاة من الصدقة الخ۔

حضرت ميمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہماری ایک باندی کے پاس صدقہ میں ایک بکری آئی وہ مر گئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر کو گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: اذ دبتہما ہا بہا فاستمتعتم بہ، فقالوا یا رسول اللہ انہما میتتا، قال انما حرمتم اکلہا۔

اس کے بعد مصنف نے یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے ذکر کی جس میں دباغت کا ذکر نہیں۔

قال معمر: وكان الزهري ينكر الدباغ ويقول يستمتع به على كل حال، زہری کا مذہب یہی ہے جو پہلے بھی گذر چکا کہ ان کے نزدیک جلد میتہ بدون دباغت کے بھی پاک ہے۔ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔  
عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول اذا دبغ الاهاب فقد طهر، والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قال المتذری۔

مر على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجال من قريش يجرون مشاة لهم مثل الحمام ... قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يطهرها الماء والقرظ۔ اخرجہ النسائی، قال المتذری۔

## باب من زوى ان لا يستفح يا هاب الميتة

من عبد الله بن عكيم رضي الله تعالى عنه قال قرئ علينا كتاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

ان لا تستمتعوا من الميتة يا هاب ولا عصب۔

حضرت عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر پڑھ کر سنائی گئی ارض جہینہ میں جبکہ میں نوجوان لڑکا تھا جس میں یہ تھا کہ اہاب میتہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اور نہ اس کے پٹھے سے۔ اور اس کے بعد والے طریق میں ہے: کتب الی جہینہ قبل موته بشہرا۔

ابن رسلان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام مالک کے لئے حجت ہے: ان الجلد بعد الدباغ نجس، اور یہ کہ یہ حدیث ناسخ ہے ان احادیث کے لئے جن میں دباغت کا مطہر ہونا مذکور ہے۔ الی آخر ما ذکر۔ وقال الترمذی کان احمد بن حنبل يقول به ثم تركه

لما ضلوا في اسناده اه امام ترمذی نے اس حدیث کی سند میں اختلاف واضطراب ذکر کیا ہے، یہ حدیث دراصل امام احمد ہی کی دلیل ہے ان کے مشہور قول کی، امام بیہقی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابن عیلم صحابی نہیں ہیں (بذل بزیادة) تنبیہیں۔ ایما اھاب دینق فقد طہر کے ذیل میں امام ترمذی نے نصر بن شمیم کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں: الاھاب معناہ جلد ما کول اللحاء اھاب کہتے ہیں ما کول اللحم کی جلد کو، حالانکہ امام ابو داؤد نے نصر بن شمیم سے اس کے برخلاف یہ نقل کیا ہے۔ یسی اھا یا ما لم ید بیغ، فاذا بیغ لا یقال لہ اھاب، یسی شنا وقریبة، یعنی اھاب کہتے ہیں کچے چمڑے کو قبل الدباغۃ اور بعد الدباغۃ اس کو شن اور قرہ کہتے ہیں (مشکیزہ) اسی لئے الکوکب الدری میں بھی اس پر نقد کیا ہے چنانچہ اس میں ہے قولہ انما یقال اھاب بجلد ما یوکل، وهذا لا یصح لغۃ اھاب لہذا امام ابو داؤد ہی کی نقل صحیح ہے، اور امام ابو داؤد کی غرض نصر بن شمیم کے قول کو نقل کرنے سے عبد اللہ بن عیلم کی حدیث کا جواب دینا ہے جمہور کی طرف سے جس میں یہ ہے کہ اھاب میتہ سے ارتفاع جائز نہیں، جس کا جواب امام ابو داؤد نے یہ دیا کہ جلد میتہ کو اھاب قبل الدباغۃ کہا جاتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ جلد میتہ سے قبل الدباغۃ ارتفاع جائز نہیں، لہذا عبد اللہ بن عیلم کی حدیث کے اب دو جواب گئے ایک ضعف واضطراب دوسری توجیہ یہ جو مصنف نے نقل کی، والحیث انخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی حسن، قال المنذری۔

## باب فی جلود النہور

لا تریکوا الخز ولا النما، خز یعنی ریشم پرمت سوارم سو یعنی اس کو زین وغیرہ پر رکھ کر، اور نہ جلد نمر پر یعنی چیتا، اس کی شرح باب فی الخزیر میں گذر چکی۔

قال: وكان معاوية لا يتهم في حديث رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے نزدیک روایت حدیث میں ہتہم نہیں تھے، یعنی اگرچہ بعض لوگ ان پر یا ان کے گھر والوں پر کچھ نقد اور تبصرہ کرتے ہیں جیسا کہ آگے اسی قسم کی روایت آ رہی ہے لیکن ناقدین کا کوئی نقد ان پر روایت حدیث کے بارے میں نہ تھا، یہ مقولہ کس کا ہے؟ حضرت نے تو اس کی نسبت ابن سیرین کی طرف کی ہے جو سند کے اندر مذکور ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث الباب روایت کر رہے ہیں، اور اس کے بعد حضرت نے ابن سلمان کی رائے یہ لکھی ہے کہ انہوں نے قال کی ضمیر مصنف کی طرف لوٹائی ہے نیز حضرت نے تحریر فرمایا ہے یعنی مع امارتہ غیر ہتہم فی الحدیث، کہ باوجود خلیفہ و بادشاہ ہونے کے روایت حدیث میں سب کے نزدیک معتبر ہی تھے۔

عن خالد قال وقد المقدم ابن معدی کرب وعمر بن الاسود ورجل من بنی اسد من اهل قسریں الی

معاویۃ بن ابی سفیان فقال معاویۃ للمقدم اعلمت ان الحسن بن علی توفی فرجع المقدم فقال له فلان:

اتعدھا مصیبة فقال له ولم لا اراھا مصیبة..... فقال الاسدی: جمرة اطفأھا اللہ، قال فقال المقدم:



اما اننا ابوح اليوم حتى اغيظك واسمعك ما نكروه الخ۔

### مضمون حدیث

بحیر بن سعد روایت کرتے ہیں خالد بن معدان سے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ تین حضرات مقدم بن معد کیرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر بن الاسود اور ایک شخص اسدی قنشرین

کے رہنے والوں میں سے، ان تین اشخاص کا وفد پہنچا، مجلس میں حضرت معاویہ نے فرمایا: حضرت مقدم کو خطاب کرتے ہوئے کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ جس پر عمار کا وقت ہوگئی (توفی ۳۲۹ھ) تو اس پر حضرت مقدم نے انا للہ پڑھی تو ایک شخص نے کہا (لعل الرجل الاسدی اذ غیرہ) کیا تم اس کو مصیبت سمجھتے ہو، حضرت مقدم نے جواب دیا کہ اس کو میں کیوں نہ مصیبت سمجھوں حالانکہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبکہ حضرت حسن آپ کی گود میں تھے یہ فرمایا تھا ان کے بارے میں: هذا منی، حسین من علی تو اس پر اسدی نے کہا کہ وفات ہوئی تو کیا ہوا ایک چنگاری تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے بجھا دیا، حضرت معاویہ تو اس پر خاموش رہے اور ان کے اس سکوت پر حضرت مقدم کو ناگواری ہوئی اسلئے وہ بولے کہ آج میں بھی یہاں سے اس وقت تک نہیں ٹلونگا

جب تک میں تم کو (معاویہ کو) طیش نہ دلا دوں اور ناگوار بات نہ سنا دوں، اور یہ کہہ کر تیار ہو کر بیٹھ گئے اور حضرت معاویہ سے فرمایا کہ دیکھو اگر میں سچ کہوں تو اس کی تصدیق کرنا اور اگر غلط کہوں تو تکذیب کر دینا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو حلم مشہور ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی کروں گا، اور پھر چند چیزیں جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

منع فرمایا ہے ان کے سامنے بیان کیں کہ تم نے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں، وہ ہر ایک کے بارے میں فرماتے ہے

بلاناگواری کے۔ کہ ہاں میں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے، وہ امور یہ ہیں: مردوں کے حق میں لبس ذہب کی ممانعت اور ایسے ہی لبس حریر کی، اور تیسرے لبس جلوہ شباغ اور ان پر رکوب کی، حضرت معاویہ سب کے بارے میں فرماتے رہے کہ ہاں یہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، پھر اخیر میں حضرت مقدم نے حضرت معاویہ سے یہ فرمایا

کہ یہ سب ممنوع چیزیں میں نے تمہارے گھر میں دیکھی ہیں۔ فقال معاویہ قد علمت انی لن انجو منک یا مقداد! اس پر حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ آج میں تجھ سے بچوں گا نہیں اور تیری تنقید کا نشانہ ضرور بن کر رہونگا

قال خالد: فامر له معاویہ بما لم یامر صاحبہ و فرض لابنہ فی المثلین، خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے حضرت مقدم کیلئے اتنے بڑے ہدیہ کا حکم فرمایا جو ان کے دو ساتھیوں کے لئے نہیں فرمایا، اور مزید برآں ان کے بیٹے کو، جن کا نام سحی لکھا ہے۔ ان لشکریوں میں لکھوایا جن کا وظیفہ کسی سو تھا یا دو سو تھا (علی اختلاف نسخ نفعی نسخۃ الباتین) آگے راوی کہتا ہے کہ جو ہدیہ حضرت مقدم کو ملا تھا انہوں نے تو وہ سب اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیا، اور اس اسدی شخص نے

لعل وعلی المنع فی جلود النور والسباع امان الدین لا یؤثر فی الشر ولا یطہرہ واما لادن من زلی المنکبرین، و هذا ان الوجہان عند الشانی والوجہ عند ہما بالآخر

جس نے حضرت حسن کے بارے میں سخت جملہ کہا تھا اس نے کسی کو کچھ نہیں دیا یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعد میں پہنچی تو انہوں نے حضرت مقدم کی تعریف اور مدح کی، اما المقدم فرجل کرم بسط یدہ، یا بسط یدہ کہ مقدم بڑے شریف اور سخی ہیں ان کا ہاتھ بخشش کیلئے کھلا ہے، واما الاسدی فرجل حسن الامساک بشیئہ۔ و فی نسخہ شیبہ، یعنی اسدی اپنی چیز کو خوب روک کر رکھنے والا ہے، ہمارے یہاں اردو می اور وہ میں بڑے بخیل کو ممسک اعظم کہتے ہیں۔  
والحدیث اخر جہ النسائی منمقرہ قال المنذری۔

## باب فی الانتعال

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال کنایح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی سفر فقال اکثر ما من النعال فان الرجل لا یزال راکیا ما انتعل،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے فرمایا کہ جوتے اپنے ساتھ ایک سے زائد رکھا کرو تاکہ اگر ٹوٹ جائے تو دوسرا پہننے کے لئے موجود ہو۔ پھر آگے آپ نے جوتا پہننے کا فائدہ بیان فرمایا کہ آدمی کے پاؤں میں جب تک جوتا ہوتا ہے تو وہ سوار کے مانند ہوتا ہے، یعنی جس طرح سواری مہولت سفر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اسی طرح جوتا بھی چلنے میں مہولت کا بڑا سبب ہے، اور مسلم کی روایت کے یہ لفظ ہیں: "استکثر وہ ای اتخذوا کثیرا کذا فی العون۔ والحدیث اخر جہ مسلم والنسائی، قال المنذری۔"

ان نعل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان لہا قبالات یعنی آپ کے نعل شریف کے دو تسمے تھے قبالات تثنیہ ہے قبالت کا جس کی تفسیر کرتے ہیں سیران سے یعنی آگے کی دو پٹیاں، اور ایک پٹی چوڑائی میں اس کے پیچھے کو جو عرضاً ہوتی ہے اس کو شسع کہتے ہیں جس کا ذکر ایک دوسری حدیث میں ہے اذا تقطع شسع احدکم، و فی البذل قبالات بکسر القاف ای سیران احدہما یكون بین الاصبع الوسطی من الرجل والسی تلیہا والاخر فی الاصبع الاخری و فی الکوکب بین الایہام وصاحبہ، وصاحبہ وصاحبہا۔ والحدیث اخر جہ البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان ینتعل الرجل قاشما یعنی جوتا بیٹھ کر پہننا چاہیے، کھڑے ہو کر نہیں پہننا چاہیے۔

یہ نہی شفقت کے لئے ہے کیونکہ بعض صورتوں میں اس سے سقوط کا اندیشہ ہوتا ہے اور جب کھڑے کھڑے بہولت پہننا نہیں جاتا تو اس سے پہننے والے کی ہیئت بھی بگڑ سی جاتی ہے، ففی الکوکب الدرر، لما فیہ من احتمال السقوط ومخالفة الثورۃ، ونکارۃ الہیئۃ الظاہرۃ۔

یہ شئی اگر تشدید یا کیساتھ بغیر ہمزہ کے ہے تو اسکے معنی مشوی کے لکھے ہیں یعنی تیار کردہ اور حاصل کردہ چیز۔

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اور یہی متن ترمذی میں بروایت ابو ہریرہ اور ایک بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علیحدہ علیحدہ سند سے مروی ہے، ان دونوں حدیثوں پر امام ترمذی نے کلام کیا ہے ولفظہ: وكلا الحدیثین لا یصح عندنا الحدیث، والحارث بن نبهان لیس عندہم بالحقا، ولا تعرف الحدیث قتادة عن انس اصلاً، اس کے بعد پھر امام بخاری سے بھی یہی نقل کیا کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت نہیں۔

لا یشئ احدکم فی النعل الواحدة لیستعلیہما جمیعاً اولیٰ علیہما جمیعاً

یعنی آدمی کو ایک جوتا پہن کر نہیں چلنا چاہیے، یا تو دونوں پاؤں میں پہنے یا پھر دونوں کو اتار دے، اس کی بھی مصلحت اسی جیسی ہے جو اوپر نہی آئی ہے، وقار کے بھی خلاف ہے اور چلنے میں بھی مشقت ہے کیونکہ دونوں قدموں میں لہ پٹخ بیچ ہونے کی وجہ سے چلنے میں مشقت ہوتی ہے۔

امام ترمذی نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کیے ہیں باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدة ایک بعد ماجاء فی الرخصة فی النعل الواحدة، اور اس دوسرے باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی قالت ربما مشی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی نعل واحدة، کوکب میں لکھا ہے: قوله فی نعل واحدة، بسلا یحل النبی علی التحريم امام ترمذی نے اس حدیث کو دو طریق سے ذکر فرمایا ایک طریق میں یہ حدیث مرفوع ہے دوسرے طریق میں موقوف علی عائشہ، عن عائشہ انہما مشیت بنعل واحدة، وهذا اصح، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے گھر میں ایک جوتا پہن کر بھی چل لیتی تھیں، امام ترمذی فرماتے ہیں وهذا اصح یعنی اس حدیث کا موقوف ہونا (نعل عائشہ ہونا) زیادہ صحیح ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی، قال المنذری۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يحب المتيمين ما استطاع في شأنه كله وطهوره

وترجله ونعله وسواكـ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث ابواب الاستنجار میں بھی گزری ہے: كانت يد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اليمنى لطهوره وطعامه، وكانت يده اليسرى لخلائه وما كان من اذرى، اس کی شرح بھی دیکھ لیجائے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

## باب فی الفرش

فراش للرجل وفراش للمرأة وفراش للضيف والرابع للشيطان،

شرح الحدیث | یعنی آپ نے فرمایا کہ تین بسترے گھر میں ہونا کافی ہے ایک اپنے لئے اور ایک بیوی کے لئے، اور ایک بہان کے لئے، اس سے مراد جنس فراش ہے، یعنی بہانوں کی ضرورت کے لئے اب اس میں جتنی بھی

ضرورت ہو اس کا اعتبار ہوگا، اور چوتھا شیطان کے لئے، یعنی جو ضرورت سے زائد ہو، کہ یہ دنیا کے ساز و سامان کی تکثیر سے

جو شیطان کی طرف سے ہے۔

فراش للرجل وفراش للمرأة پر شرح حدیث نے ایک اور بات بھی لکھی ہے کہ مرد کو بیوی کے ساتھ لیٹنا اولیٰ ہے یا علیحدہ؟ فقہی البدل استدلال بعضہم علی انہ لا یلزم للرجل النوم مع امرأۃ وان له الاقراء عنہا بقراش ثانی، قال النووی والاسدلال بہ فی ہذا الضعیف، لان المراد بہذا وقت الحاجة بالمرض وغیرہ، وان کان النوم مع الزوجۃ لیس بواجب، والصواب فی النوم مع الزوجۃ انہ اذالم یکن لواحد منہما عذر فی الاقراء فاجتہما عینی فراش واحد افضل وهو ظاہر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الذی واظب علیہ۔ الی آخر ما ذکر۔ والحیث اخر جہ سلم والنسائی، قال المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ رأی رفقۃ من اهل الیمن رجالہم الادم الخ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چند رفقاء سفر کو دیکھا جو کہتے تھے جن کے ادموں کے پالان چری تھے، الادم جمع ہے ادم کی یعنی جلد بدبو بخ تو انہوں نے ان کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ ایسے رفقاء سفر کو دیکھے جو صحابہ کرام کے زیادہ مشابہ ہوں تو اس کو چاہیے کہ ان کو دیکھے۔ یعنی باعتبار سادگی کے ادا ترک تکلف وزینت کے۔

اتخذتم الساطا، قلت وانی لنا الانساط، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے باریک جھال در چادریں رکھنی شروع کر دیں، میں نے عرض کیا کہ جی وہ ہمارے پاس کہاں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اب نہیں تو کچھ روز بعد ہو جائیں گی، یعنی آئندہ فتوحات کی وجہ سے تمہارا اور مالداروں کی آجائیسگی اور یہ تکلف وزینت کی چیزیں تم لوگ اختیار کرنے لگو گے۔

انساط ثمرط کی جمع ہے جھال در باریک قسم چادر جو گدے کے اوپر بچھاتے ہیں زینت کے لئے۔

یہ روایت صحیحین اور ترمذی میں بھی ہے جس میں یہ زیادتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ کے پاس اسی قسم کی ایک چادر تھی، میں اس سے کہتا تھا کہ اس کو یہاں سے ہٹالے تو وہ کہتی تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی نے تو فرمایا تھا، انہا ستکون، کہ آئندہ چل کر ایسی چادریں ہو جائیں گی، فادعھا اس پر میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں، یعنی سکوت اختیار کر لیتا ہوں جب وہ حدیث کا حوالہ دیتی ہے۔ والحیث اخر جہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کانت وصادۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الذی ینام

علیہ باللیل من ادم حشرھا لیف۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سادہ یعنی تکیہ چمڑہ کا تھا جس کے اندر کا بھراؤ کھجور کی چھال تھی۔

لیف یعنی پوست درخت خربا، کھجور کے درخت کا چھلکا، اور اس کے بعد کہ روایت میں آپ کے ضجۃ کے بارے میں بھی یہی آرہا ہے جو سادہ کے بارے میں آیا، یعنی بستر کہ وہ بھی ایسا ہی تھا چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور ابن ماجہ

کی روایت میں بجائے لیف کے الاذخر ہے جو ایک مشہور گھاس کا نام ہے جس کا ذکر کتاب الحج میں بھی آیا ہے۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی بمعناہ۔ قال المنذری۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان فراشها حيا ل مسجد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔  
**شرح الحدیث** حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے لیٹنے کا بستر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ کے برابر میں تھا، اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر آپ کی نماز کی جگہ کے قریب ہوتا تھا، تو گویا تینوں چیزیں قریب قریب ہوتی تھیں، آپ کا بستر اور آپ کی اہل کا اور نفیس پڑھنے کی جگہ، چنانچہ کتاب الادب میں ”باب کیف يتوجه الرجل عند النوم“ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث آ رہی ہے۔

كان فراش النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نحواً مما يوضع الانسان في قبره، وكان المسجد عند رأسه اس مسجد سے مراد بھی یہی مسجد بیت ہے تہجد پڑھنے کی جگہ، والحدیث اخرجہ ابن ماجہ، وقال عن زینب بنت ام سلمة۔ قال المنذری

### باب فی اتخاذ الستور

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أتى قاطمة فوجد على بابها سترا فلم يدخل۔  
**شرح الحدیث** یعنی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت قاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لارہے تھے ان کے گھر، جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ اس پر ایک منقش پردہ لٹکا ہوا ہے جیسا کہ بعد والی روایت میں آ رہا ہے، ”وكان سترا موشياً“ تو آپ اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ واپس لوٹ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کا معمول سفر سے واپسی میں سب سے پہلے حضرت قاطمہ ہی سے ملاقات کا تھا۔ کچھ دیر بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں آئے، انہوں نے ان کو غمگین بیٹھے ہوئے دیکھا، اس کا سبب دریافت کیا، انہوں نے اس کی وجہ بیان کی، حضرت علی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے، اور جا کر آپ سے حضرت قاطمہ کا حال بیان کیا تو آپ نے اس پر فرمایا: وما انا والديا وما انا والرقمہ کہ مجھے دنیا اور اس کے زیب و زینت سے کیا مناسبت، اور فرمایا مجھے اس جہاں کے پھول بوٹوں سے کیا واسطہ، حضرت علی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان کو جا کر پہنچا دیا حضرت قاطمہ نے حضرت علی سے کہا کہ آپ سے یہ پوچھو کہ میں اس پردہ کو کیا کروں تو آپ نے کسی گھرانہ کا نام لے کر فرمایا کہ وہاں بھیجو۔

دروازہ پر پردہ ہونا تو مستکر اور ممنوع نہیں بلکہ وہ تو ہونا چاہیے پردہ کے لئے، یہاں پر جو آپ کو ناگواری ہوئی وہ اس کے منقش ہونے کی وجہ سے تھی، ہاں جو پردہ مکان کے اندر چھت یا دیوار پر چڑھایا جائے زینت کے لئے اس کی مطلقاً مذمت آئی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے جو کتاب الصلاۃ کے اخیر میں گذر چکی کہ آپ نے فرمایا: لا تسروا الجدر، اس کی شرح اور تفصیل وہاں گذر چکی، باب الدعاء میں۔

قال وكان ستراموشياً، اور ایک نسخہ میں ہے، موشی، یہ دشتی سے ہے جس کے معنی نقش کے ہیں۔

## باب فی الصلیب فی الثوب

كان لا يترك في بيته شيئاً فيه تصليب الاقضية، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے گہریں صلیب کی صورت بنی ہوئی دیکھ لیتے تھے تو اس کو توڑ دیتے تھے، صلیب اگرچہ غیر ذی روح کی تصویر ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ نصاریٰ کا شعار ہے اور وہ اسکی تعظیم کرتے ہیں اسلئے مسلمان کے گھر میں نہیں ہونی چاہیے اور ہو تو اس کو کاٹ دینا چاہیے۔

صلیب یعنی سولی جس کے بارے میں نصاریٰ کا یہ گمان ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو سوں پر چڑھا دیا تھا، اسی بنا پر وہ اسکی تعظیم کرتے ہیں اور بعض مرتبہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی بنا دیتے ہیں صورت صلیب ایسی ہوتی ہے + والحديث اخرجہ البخاری والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی الصور

لا تدخل الملائكة بيتاً فيه صورة ولا كلب ولا جنب۔

یہ حدیث کتاب الطہارۃ، باب فی الجنب یؤخر الغسل، میں گذر گئی اور اس پر کلام بھی وہاں گذر گیا، اور نیز یہ کہ اس حدیث میں کلب سے مراد عام ہے یا صرف ممنوع الاتخاذ، فارجع الیہ لوشنت۔

والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، ولیس فی حدیث ابن ماجہ، اجنب، قال المنذری۔

وقال اطلق بنا الی ام المؤمنین عائشة، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

مضمون حدیث مع الشرح | یعنی حضرت ابوطالب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حدیث زید بن خالد سے بیان کی تو انہوں نے ابوطالب سے یا اپنے شاگرد سعید بن مسافر سے کہا کہ تم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے چلو تاکہ اس حدیث کے بارے میں ان سے ہم اچھی طرح سوال کر لیں، چنانچہ ہم گئے ان کے پاس اور ان سے جا کر ہم نے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا آپ نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث تو نہیں سنی آپ کی زبان سے، لیکن میں تم کو ایک واقعہ سناتی ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ میرے پاس اس بارے میں حدیث قوی تو نہیں ہے البتہ حدیث فعلی ہے اور پھر ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، جب مجھے آپ کی واپسی کا انتظار شروع ہوا تو میں نے ایک خوبصورت سی چادر لی جو ہمارے یہاں تھی جس کو میں نے شہتیر پر لٹکا دیا پھیلا کر



یعنی گھر سجانے کیلئے، جب آپ تشریف لاتے تو میں نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا، السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ الذی اعزک واکرمک، لیکن آپ کی نظر اس چادر پر پڑ گئی تو میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور میں نے آپ کے چہرہ اور پر تاگواری محسوس کی، آپ اس پردہ کے قریب گئے اور اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں ہم کو عطا کی ہیں ان کے بارے میں ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم اینٹوں پتھروں کو کپڑے پہنائیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس چادر کے ٹکڑے کر کے ان کے تکیے بنائے جن کے اندر کھجور کی چھال بھری، فلم ینکوذلک علی علی اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر کوئی نیکر نہیں فرمائی۔

اس سلسلہ کی روایات صحیح مسلم کے اندر متعدد ہیں مختلف طرق سے اور اس کے بعض طرق میں تصریح ہے اس کی کہ اس پردہ میں ذوات الاجنحہ خیل کی تصویر تھی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو اس پردہ کو چاک کر کے اس کے تکیے بنائے جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نیکر نہیں فرمائی، اس میں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے اس پردہ کو چاک کرنے کی وجہ سے اس صورت کا ازالہ ہو گیا ہو اسی لئے آپ نے اس کے تکیے بنانے پر نیکر نہیں فرمائی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ صورت کا ازالہ نہ ہوا ہو مگر چونکہ صورت کا استعمال ہر صورت میں ممنوع نہیں بلکہ ممنوع اس صورت میں ہے جبکہ اس کو زینت کے لئے آویزاں کیا جائے، اور اگر استعمال کی نوعیت یہ نہ ہو بلکہ اس طرح استعمال ہو جس میں اس صورت کا ابتزال اور امتہان ہو مثلاً فرش جس پر چلتے ہیں، یا مثلاً جوتے پر تصویر ہو، اور ایسے ہی تکیے کا غلاف کہ اس میں تصویر دب کر رہ جاتی ہے ان صورتوں میں اس کا استعمال مغتفر ہے (بذل نقلاً عن القزطبی) نیز شرح کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ پردہ وغیرہ میں ذی روح کی تصویر کا استعمال تو حرام ہے، اور سادے پردے کا استعمال دیواروں میں یہ خلاف زہد ہو شکی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔

والیہ یرث اخرجه مسلم بطوله، واخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ وبعضہ، قال المنذری۔

عن زید بن خالد بن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہما..... قال بسر بن شمس اشتمکی زید فعدنا فاذا علی

بابہ ستر فیہ صورة فقلت لعبد اللہ الخولانی: الم یخبرنا زید عن الصور یوم الاول؟ فقال عبید اللہ

الم تسمعه حین قال: الارقمانی ثوب۔

شرح الحدیث اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت زید بن خالد جنہی کے دروازہ پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا جس میں تصویر تھی، بسر بن سعید راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے یہ پردہ دیکھ کر عبید اللہ خولانی سے کہا کہ زید بن خالد نے تو خود، میں تصویر کی ممانعت

کی حدیث سنائی تھی، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ تم نے حدیث میں یہ نہیں سنا تھا، الارقمانی ثوب۔

یہ حدیث اور اس میں جو سوال و جواب مذکور ہے یہ محل بحث و نظر ہے اس لئے کہ اس پردہ میں جو صورت تھی اگر غیر ذی روح کی تھی

تب تو بسر بن سعید کے اشکال کا جواب یہ تھا کہ ممانعت ذی روح کی ہے نہ کہ غیر ذی روح کی، اور اگر اس پردہ میں تصویر ذی روح کی

تھی تب بسر بن سعید کا اشکال درست ہے، اور عبید اللہ خولانی کا جواب۔ الارقمانی ثوب سے بظاہر درست نہیں، کیونکہ اس

استثنا سے تو اس ذی روح تصویر کا جواز مقصود ہے جو مستعمل کپڑوں میں ہو اور تمہیں ہو، اور اگر پردہ میں ہو اس سے اس استثنا کا تعلق نہیں اور وہ جائز نہیں، مثال، وضو اعلیٰ مسلک الجہور بخلاف القائم بن محمد وغیرہ کہ ان کے نزدیک ذی روح کی تصویر مطلقاً جائز ہے تمہیں ہو یا نہ ہو۔

ان جبرائیل علیہ السلام کان وعدنی ان یلقانی اللیلۃ فلم یلقنی ثم وقع فی نفسہ جبر وکلب تحت بساط الخ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج رات میں ملاقات کریں گے مجھ سے لیکن ملاقات نہیں کی، پھر میرے دل میں خیال آیا کہتے کے پھر کا۔ اس روایت میں ہے تحت بساط، اور مسلم کی روایت میں ہے، تحت بساط، اور ایک روایت میں ہے تحت سریر عائشہ، اور اس کے بعد والی روایت میں آ رہا ہے، کان تحت نضد لہم، اور نضد کی تفسیر بعض نسخوں میں اس طرح ہے، قال ابوداؤد، والنضد شیء یوضع علی الثیاب، شہہ السریر، یعنی تخت جیسی کوئی چیز ہوتی ہے جس پر کپڑے سامان وغیرہ رکھ دیتے ہیں، جس کو ہمارے یہاں مچان اور بعض ٹانڈ کہتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے کا بچہ ایک مچان کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، یہ خیال آنے کے بعد آپ نے اس کو نکلوادیا، پھر اسکے بعد ہاتھ میں پانی لے کر جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں چھڑک دیا، پھر اسکے بعد جب حضرت جبریل تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کلب ہو یا تصویر۔ اور اسکے بعد والی روایت میں زیادتی ہے، الا انہ کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قوام بہ ترفیہ تماثیل، یعنی باریک پردہ جس کے اندر جاندار کی تصاویر تھیں، واذا انکلب لحسن او حسین کہ وہ کہتے کا بچہ ان دو بچوں میں سے کسی ایک کا تھا حسن کا یا حسین کا، اور پردہ کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ اس کے ٹکڑے کر کے ٹکٹے بنائے جائیں، وسادتین مذبوذتین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ذی روح کی تصویر کا استعمال ایسے کپڑوں میں جائز ہے جو آویزاں نہ ہوں یا مال ہوتے ہوں۔

والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔ اخر کتاب اللباس

## اول کتاب الترجل

اس کتاب کا تعلق انسان کے بدن پر جو بال ہیں، بدن کے مختلف حصوں پر یا نگوں سر اور چہرے کے بال یعنی پنٹھے اور داڑھی مونچھے، ان سے ہے، گویا احکام شعور کو بیان کرنا ہے اور یہ چیزیں باب تزئین و تنظیف سے ہیں، اسی کے ضمن میں مصنف نے تمعاً طیب کو بھی بیان کر دیا، چنانچہ طیب سے متعلق متعدد ابواب مصنف نے اس میں بیان کئے ہیں، باب ما جاز فی رد الطیب باب طیب المرأة للخروج، باب الخلق للرجال۔

اور امام نسائی نے بجائے کتاب الترجل کے ان ابواب اور احادیث پر کتاب الذینتہ، عنوان قائم کیا ہے اور پھر اسکے تحت اسی طرح کے ابواب اور احادیث لائے ہیں جو مصنف کتاب الترجل کے تحت میں لائے ہیں۔

الدین النصیحہ کی تشریح | حدیث شریف میں ہے، الدین النصیحہ، دین سرسرخ خیر خواہی کا نام ہے، خیر خواہی کا حاصل

یہ ہے کہ ہر چیز کے ساتھ اسکے شایان شان معاملہ کرنا۔ واعطار کل ذی حق حقہ۔ جس چیز کا جو حق ہے اس کو پہچان کرنا اور اس میں کسی چیز کی تخصیص نہیں نہ انسان کی نہ حیوان کی بلکہ ہر چیز اس میں داخل ہے جس طرح نعمت کا حق شکر ہے تو مصیبت کا حق صبر ہے اور شکر نعمت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اس نعمت کا صحیح استعمال ہو اور اس سے اسی طرح انتفاع کیا جائے جس کے لئے وہ چیز بنائی گئی ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: من کان له شعر فلیکرمہ یعنی جس کے سر پر بال ہوں ان کا اکرام کرے، یعنی ان کی اصلاح کرے جو اصلاح کا طریقہ ہے، ان کی تنظیف و تطہیر ایسے ہی تدبیر و ترحیل، تیل لگانا، کنگھی سے ان کو درست کرنا، اسی طرح آدمی کا اپنا لباس ہے کہ وہ صاف ستھرا اور اس کی اپنی مالی حیثیت کے مناسب ہوتا چاہیے، مالدار اور متمول شخص زیادہ گھسیا لباس پہنے حدیث شریف میں اس پر بھی تنبیہ آئی ہے آپ نے فرمایا: انظر اثر نعمۃ اللہ علیک کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے تجھ کو وسعت اور فراخی عطا فرمائی ہے تو اس کا اثر تجھ پر دکھائی دینا چاہیے، اسی طرح اسلام میں بہمان کا پروسی کا حق ثابت کیا گیا ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ اذ لا یؤمن احدکم حتی یامن جاره بوائفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکرام ضیف کو ایمان کا تقاضا اور ایذا رجاہ کو ایمان کے منافی قرار سے رہے ہیں۔ یا اسلام کی تعلیمات کا ایک نمونہ ہے جو اس اصل کلی کے تحت میں داخل ہے، الدین التصیۃ واعطار کل ذی حق حقہ، اسلام کے محاسن میں جتنا غور کیا جائے گا وہ نکلتے ہی چلے آئیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں نعمت اسلام و ایمان اور باقی تمام مادی اور معنوی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔

عن عبد اللہ بن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن الترحیل الا غباً۔ ترحیل اور ترحیل بالوں کو درست کرنا ان کی اصلاح کرنا امتشاط کے ذریعہ، ایک اور لفظ ہے ترحیح اس کے معنی بھی یہی ہیں، لیکن ترحیل کا استعمال غالباً اور اکثر سر کے بالوں میں ہوتا ہے اور ترحیح کا استعمال لمحیہ میں، اور غب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی کام ایک دن بیچ میں چھوڑ کر کیا جائے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے روزانہ بالوں میں کنگھی کرنے سے منع فرمایا اس لئے کہ روزانہ کنگھی کرنے کی حاجت نہیں ہے اور بلا حاجت کرنا تزیین میں داخل ہے اور مبالغہ فی التزیین ہے اور اگر کسی کے بال اتنے ہوں کہ روزانہ ان کی اصلاح کی ضرورت ہو تو پھر روزانہ کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں (من البذل) والحديث اخرجه الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن عبد اللہ بن برید قال ان رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحل الی فضالہ بن

عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہما وهو بمصری فقدم علیہ الخ۔

مضمون حدیث | یعنی ایک صحابی ایک دوسرے صحابی حضرت فضالہ بن عبید کے پاس گئے جبکہ وہ مصر کے امیر تھے، ان کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا کہ میں آپ کے پاس صرف زیارت اور ملاقات کے لئے نہیں آیا بلکہ میں نے اور آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی تو اس امید پر آیا ہوں کہ آپ کے پاس اس حدیث کا علم ہوگا (یا تو یہ بھول گئے ہوں گے اس لئے اس کو معلوم کرنے کیلئے آئے اور یا اس حدیث کی شرح اور بعض متعلقات معلوم کرنے کیلئے آئے ہوں گے) اس پر

انہوں نے پوچھا کہ وہ کون سی حدیث ہے تو انہوں نے بتلایا کہ ایسی ایسی ہے (اس کے بعد ان دونوں میں آپس میں اس بارے میں کچھ مذاکرہ ہوا ہوگا جو یہاں روایت میں مذکور نہیں) قال فمالی اراک شعثا وانت امیرا لارض ان صحابی نے حضرت فضالہ سے پوچھا کہ میں آپ کو پراگندہ بال دیکھ رہا ہوں حالانکہ آپ اس سرزمین کے امیر اور قاضی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم کو منع فرماتے تھے زیادہ زیب و زینت اختیار کرنے سے، عن کثیر من الارفاة اور بعض نسخوں میں ہے الارفاء اور ایک نسخہ میں الارفہ ہے یعنی ترقہ اور ناز و نعمت میں زندگی بسر کرنا، پھر انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ کے پاؤں میں جو تا بھی نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا مرنا ان تحتفی احیاناً، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو فرمایا کرتے تھے کہ کبھی کبھی ہم ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔

اس کتاب کا تعلق چونکہ اسباب زینت سے ہے اسلئے مصنف شروع ہی میں سادگی اور ترک تکلف والی حدیث لائے ہیں کہ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے چلنا ہے۔ فللمشور المصنف۔

عن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ذکر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوما عند اللہ فقل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الاتسعون، ان البذاذة من الایمان، یعنی التفحل،

حضرت ابوامامہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دنیا کا ذکر کیا، تو فرمایا: خبردار سن لو، اچھی طرح، دوبار فرمایا آپ نے بیشک سادگی اور تواضع اور ترک تکلف ایمان کا ایک حصہ ہے۔ یعنی ایمان کے خصائل میں سے ایک خصلت ہے بذاذة کی تفسیر یعنی التفحل یہ مصنف کی طرف سے ہے تفحل کے معنی آدمی کے بدن کی کھال کا خشک ہو جانا خشک حالی کی وجہ سے، اور لاغر و کمزور ہونا لکھے ہیں، حضرت نے بزل میں لکھنا ہے وانما کان البذاذة من الایمان لانه یودی الی کسر النفس والتواضع، والحديث اخرجه ابن ماجہ قال المنذری۔

## باب ماجاء فی استحباب الطیب

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کانت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سکتۃ یتطیب منها، سکتۃ کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک مرکب خوشبو کا نام ہے، وقیل صی دعار للطیب یعنی غطرانی، جس سے آپ خوشبو لگاتے تھے۔ والحديث اخرجه الترمذی، قال المنذری۔

## باب ماجاء فی اصلاح الشعر

من کان له شعر فلیکرمه، اس کا مضمون شروع میں آچکا۔

## باب فی الخضاب للنساء

ان امرأۃ سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ عن خضاب الحناء الا  
ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا ہندی کے خضاب کے بارے میں، تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں  
لیکن مجھے پسند نہیں، کیونکہ میرے محبوب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی بو ناگوار تھی۔  
خضاب بدن کا بھی ہوتا ہے اور بالوں کا بھی ہوتا ہے، بالوں کا تو مرد اور عورت دونوں کے لئے جائز ہے، لیکن بدن کا خضاب  
جیسے یدین اور رجليں وہ صرف عورتوں کے حق میں سکتا ہے اور مردوں کے لئے بلا حاجت و ضرورت حرام ہے، اور تزحمت الہاب میں  
چونکہ خضاب کو مقید کیا ہے للنساء کے ساتھ اسلئے مصنف نے اس حدیث میں خضاب سے خضاب الجسیم ہی مراد لیا ہے۔ (بذل)

والحدیث أخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان ہندا ابنتہ عقبہ قالت یا نبی اللہ یا یعیانی اؤ  
یعنی ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بیعت کر لیجئے (آپ کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی  
ہوگی اسلئے آپ نے فرمایا کہ میں تجھ کو بیعت نہ کروں گا جب تک تو اپنے کھین کو ہندی نہیں لگائے گی،  
چونکہ ہندی نہ لگانے کی وجہ سے ایسے معلوم ہو رہے ہیں جیسے وہ جانور کے ہاتھ ہوں۔  
عورت کے ہندی نہ لگانے میں چونکہ تشبہ بالرجال ہے اسلئے اس کے حق میں وہ مکروہ ہے۔  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت عورتوں سے بغیر اذنیہ بالید اور بغیر مصافحہ کے ہوتی تھی جیسا کہ روایات میں اس کی تصریح  
ہے، لہذا کوئی شخص حدیث کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ آپ کی فرض یہ تھی کہ ہندی سے پہلے میں مصافحہ نہیں کروں گا، حضرت عائشہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: واشر ما من یدہ ید لمرأۃ قط۔ (بذل)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت أو مات امرأۃ من وراء مستر بیہا کتاب الی رسول اللہ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اؤ۔ اور نسائی کی روایت میں ہے: ان امرأۃ مدت یدھا الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بکتاب۔ حضرت  
عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر آپ کو ایک پرچہ دینا چاہا، تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا  
اور اس پرچہ نہیں پکڑا یہ فرماتے ہوئے کہ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا، اس نے عرض کیا: نہیں، بلکہ عورت ہی  
کا ہاتھ ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو ہندی لگاتی۔ والحدیث أخرجه النسائی، قالہ المنذری۔

## باب فی صلة الشعر

صلة الشعر کی حدیث میں ممانعت آئی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الواصلة والمستوصلة یعنی عورت اپنے

سر کے بالوں میں اپنی چوٹی بڑھانے کیلئے دوسرے بال ملائے۔

اس مسئلہ میں مذہب ائمہ بالوں میں بال ملانا امام مالک کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی و احمد کے نزدیک

حماقت خاص ہے انسان کے بالوں کے ساتھ، یعنی ایک عورت دوسری عورت کے بال شامل کرے، یہ ممنوع ہے، اور اگر کسی جانور کی اون وغیرہ شامل کرے تو ان دونوں کے نزدیک وہ جائز ہے، اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ موطا امام محمد میں ہے اور ایسے ہی در مختار میں بھی اور حضرت کی رائے بھی بذل الجہود میں یہی معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت گنگوہی کا میلان مطلق منع کی طرف ہے خواہ وہ بال کسی انسان اور عورت کے ہوں یا کسی جانور کے۔

انہ سب مع معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ عام حج وهو علی المنبر الخ

حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ جس سال حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کیلئے تشریف لائے تھے تو انہوں نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے ایک شرطی کے ہاتھ میں سے بالوں کا کچھ لیکر فرمایا اس اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں گئے (جو وصل الشعر سے منع نہیں کرتے) میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ وہ اس سے منع فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے یعنی ان کی عورتوں کا بالوں میں بال ملانا۔

والحدیث اخبرہ البخاری وسلم والترندی والنسائی، قال المنذری۔

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والواصلات والمتمصات

والمتخذات للهنن المغیرات خلق اللہ۔

مضمون حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں واشمات اور مستوشمات پر اور واصلات پر اور متمصات پر۔

متمصات کی تفسیر آگے متن میں مفسر نے یہ کی ہے الق تمسح الحاجب حتی ترقبہ، یعنی وہ عورت جو ابرو کے بال کم کرے اس کو باریک کرنے کیلئے، اور متخذات سے مراد وہ عورتیں جو اپنے راتوں کے درمیان قلع یعنی فصل کریں، جو عام طور سے کم سن لڑکیوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، المغیرات خلق اللہ اس میں علت منع کی طرف اشارہ ہے کہ ان امور میں تغیر خلق اللہ پایا جاتا ہے، یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پیدا کیا ہے اور وہ چیز عادت کے مطابق بھی ہے اس میں اپنی طرف سے تغیر کرنا، اور اگر خلاف عادت کسی میں کوئی چیز مخلوق ہو جیسے اصبع زائدہ، یا عورت کے چہرہ پر داڑھی کا آنا، تو اس کا ازالہ اس میں داخل نہیں۔ (بذل)

آگے روایت میں یہ ہے کہ ایک عورت کو جس کی کنیت ام یعقوب ہے جب حضرت ابن مسعود کی یہ بات پہنچی تو وہ ان کے پاس آئی اور آکر اعتراضاً کہا کہ تم نے ان عورتوں پر لعنت بھیجی ہے کیا بات ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں کیوں لعنت نہ بھیجوں اس عورت پر جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت بھیجی اور قرآن نے لعنت بھیجی اس عورت نے کہا کہ میں تو قرآن پڑھی ہوئی ہوں اس میں تو کبھی لعنت نہیں ہے ان پر، تو انہوں نے جواباً لیا کہ قرآن میں تم نے یہ نہیں پڑھا، وما اتاکم الرسول فخذوا وما نہاکم عنہ فاتہروا۔



پھر وہ کہنے لگی کہ تمہاری بیوی بھی تو ان میں سے بعض کام کرتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جادیکھ کر آ، وہ دیکھ کر آئی اور کہنے لگی اب تو ایسا نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا: لو كان ذلك ما كانت معنا کہ وہ اگر ایسا کرتی تو ہمارے ساتھ تھوڑا سی رہ سکتی تھی۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

آگے کتاب میں مصنف نے خود اپنی طرف سے ان الفاظ کی جو حدیث میں آئے ہیں تفسیر اور تشریح کی ہے اور اس کے آخر میں ہے قال ابو داؤد کان احمد یقول: القرامل یس بلہ بأمس، امام ابو داؤد اپنے استاد امام احمد بن حنبل کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ قرامل یعنی موباف کے استعمال میں کچھ حرج نہیں، یعنی عورت اگر اپنی چوٹی میں کسی جانور کی ادن یعنی ادنی چوٹی یا ریشمی چوٹی ملائے تو اس میں کچھ حرج نہیں گویا مماثلت شعر النصار کے ملانے سے ہے (اس مسئلہ کی تشریح شروع میں گزر چکی)

## باب ماجاء فی رد الطیب

من عرض علیہ طیب فلا یرح لا فانہ طیب الریح خفیف المحبول۔

یعنی جس شخص پر خوشبو عطر وغیرہ پیش کیا جائے یعنی ہدیہ تو اس کو واپس نہ کرے، اسلئے کہ یہ ایسا ہدیہ ہے جس کی بو بہت عمدہ ہے (جس کی طرف طبیعت انسان کی بہت مائل ہوتی ہے) اور اٹھانے میں ہلکا ہے، اس حیثیت سے بھی ہلکا ہے کہ وزنی چیز نہیں، اور اس حیثیت سے بھی کہ کوئی بڑی قیمتی چیز نہیں، کہ جسکے احسان کا ذریعہ ہو جو اٹھانا پڑے، عام طور سے یہ چیز ایک دوسرے کو ہدیہ کی ہی جاتی ہے۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، ولفظ مسلم من عرض علیہ ریحان، قال المنذرى۔

## باب فی طیب المرأة للخروج

حدیث الباب میں عورتوں کو سختی سے منع کیا گیا ہے اس بات سے کہ وہ جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر جائیں تو خوشبو نہ لگائیں، اور اسی طرح احادیث میں طیب الرجال و طیب النساء میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ ازل میں مہک ہونی چاہیے رنگ نہ ہو، اور دوسری میں رنگ ہونا ہے مہک نہیں۔

الحدیث الاول حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه الترمذی والنسائی، ولفظ النسائی، فی ثانیہ۔

والحدیث الثانی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجه ابن ماجه، والحدیث الثالث حدیث ابی ہریرۃ ایضا اخرجه النسائی،

قال المنذرى۔

## باب فی الخلق للرجال

خلق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے اسی لئے رنگدار ہوتی ہے، جمہور کے نزدیک مردوں کے حق میں ممنوع ہے، اور امام مالک کے نزدیک مباح ہے جیسا کہ کتاب النکاح باب قلۃ المہربین رأی عبد الرحمن بن عوف وعلیہ ردع زعفران الحدیث کی تشریح میں گزر چکا۔

عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قدمت علی اہلی لیلًا وقد تشققت یدای فخلقوا فی بنوعفران  
حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کام سے فارغ ہو کر رات کو یا شام کو جب اپنے گھر پہنچا تو سردی اور محنت کی  
وجہ سے میرے ہاتھ پھٹ گئے تھے تو میرے گھر والوں نے میرے ہاتھوں پر خلوق یعنی زعفران والی خوشبو مل دی (دوا دوا علاجاً)  
صبح کو جب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا (تو چونکہ ان کے بدن اور کپڑوں پر زعفرانی  
رنگ نظر آ رہا تھا) آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ مر جا کہا، اور آپ نے یہ فرمایا کہ جا اس کو دھو دے، میں فوراً گیا اور  
اس کو دھو کر آیا اور سلام کر کے بیٹھنے لگا اس وقت بھی آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا کیونکہ اس کا اثر ابھی باقی تھا، اور پھر  
آپ نے فرمایا کہ جا اور اس کو دھو، میں گیا اور دھو کر پھر آیا اس وقت آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور مر جا فرمایا، اور فرمایا کہ بیشک  
ملائکہ خیر کے ساتھ نہ تو کافر کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور نہ زعفران کی خوشبو لگانے والے پر، اور نہ جنی کے پاس آتے ہیں۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے، ثلاثة لا تقرہم الملائكة: جيفة الكافر والمتصمخ بالخلوق، والجنب

الا ان يتوضا۔

**وضو جنی کا ایک خاص فائدہ** | یعنی جنی اگر صرف وضو کرے اور غسل کو ٹوٹ کر دس نماز کے وقت تک کے لئے تو پھر اس  
میں کچھ نقصان نہیں فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، یہ مضمون اور اس حدیث کا حوالہ کتاب الطہارۃ

باب فی الجنب لو خثر الغسل میں گزر چکا، جس کے تعظیماً تھے لا تدخل الملائكة بیتاً فیہ صورة ولا کلب ولا جنب، وہاں پر ہم نے لکھا ہے  
کہ اگر جنی وضو کرے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے جیسا کہ موجودہ باب کی حدیث میں ہے۔

عن الربیع بن انس عن جديہ قال سمعنا اباموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یقبل اللہ صلاۃ رجل فی جسده شئی من خلوق، قال ابو داؤد: جدا کا زید و زیاد۔

اس حدیث کو ربیع بن انس اپنے جدین سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اوپر سند میں آیا یعنی دادا اور نانا سے، مصنف

فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام زید اور دوسرے کا زیاد ہے۔

عن الولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما فتح نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکة

بعد اہل مکة یا تونہ بصیبا نھم فیدعولھم بالبرکة ویمسح رؤوسھم قال فجئ بی الیہ وانا مخلق فلم

یمسئ من اجل الخلق۔

یعنی فتح مکہ والے دن بہت سے لوگ (یعنی مسلمۃ الفتح میں سے) اپنے بچوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس لاتے تھے تو آپ ان کے لئے دعا فرماتے تھے برکت کی اور اپنا دست مبارک ان کے سروں پر پھیرتے تھے۔ یہ ولید بن عقبہ راوی

حدیث فرماتے ہیں کہ مجھ کو بھی لایا گیا آپ کے پاس لیکن مجھ پر خلوق لگی ہوئی تھی تو اسلئے میرے سر پر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ نہیں پھیرا

ناحماد بن زید، ناسلم العلوی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً دخل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عليه وآله وسلم وعليه اثر صفة الو-

مضمون حدیث واضح ہے، یہ حدیث اسی سند سے کتاب الادب میں باب فی حسن العشرة میں آ رہی ہے وہاں پر یہ زیادتی ہے

قال ابو داؤد: سلم ليس هو علوتيا، كان يصرفي العجوم الخ يعني سند میں جو سلم علوی راوی آئے ہیں ان کو علوی اس معنی کے لحاظ سے نہیں کہا جاتا کہ وہ حضرت علی کی اولاد سے ہیں بلکہ یہ علوی سے ہے، یہ علم نجوم سے واقف تھے گویا نجومی تھے اس لئے ان کو علوی کہا جاتا ہے۔

## باب ماجاء في الشعر

عن البراء رضي الله تعالى عنه قال ما رأيت من ذي لبّة احسن في حلة حمراء من رسول الله صلى الله تعالى

عليه وآله وسلم، زاد محمد - له شعر يضرب منكبيه، وقال شعبه: يبلغ شحمة اذنيه -

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی منگھے والے کو جو سرخ جوڑے میں ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا اسی روایت میں آگے ایک راوی نے آپ کے بالوں کے بارے میں یہ بیان کیا کہ آپ کے سر کے بال منگبین کو لگتے تھے، اور دوسرے راوی نے کہا کہ دونوں کانوں کی ٹونگ تھے، اور اسکے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آ رہا ہے الی انصاف اذنیہ، یہ سب روایات اختلاف اوقات و زمان پر محمول ہیں، وقت واحد کے بارے میں نہیں تاکہ تعارض سمجھا جائے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فوق الوفرة دون الجملة -

پننگھوں کی قسمیں اور ان کے اسماء | وفره اور جمہ اور لمہ جو پہلی حدیث میں گذرا یہ پننگھوں کی قسمیں ہیں، ایک قول کے مطابق وفرہ سب کم درجہ ہے، کانوں کی ٹونگ، اور لمہ اس سے زائد، اور جمہ اس سے بھی زائد یعنی قریب المنگبین اس ترتیب کو یاد کرنے کیلئے ہم نے اپنے اساتذہ سے لفظ "درج" سنا ہے، پہلی قسم میں پہلا حرف "واو" اور دوسری میں "لام" اور تیسری میں "ج" ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں | اور ترمذی کی روایت میں حدیث عائشہ ہی میں اسکے خلاف ہے اس میں ہے "فوق الوفرة دون الوفرة" جو بظاہر تعارض ہے اور اس تشریح کے بھی خلاف ہے جو ہم نے بالوں کی ترتیب میں بیان کی، اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ "فوق" اور "دون" دونوں کے معنی دونوں روایتوں

میں الگ الگ جائیں، ابوداؤد کی روایت میں فوق کے معنی زائد اور دون کے معنی کم یعنی ناقص لئے جائیں، اور مطلب یہ ہوگا کہ وفرہ سے زائد اور جمہ سے کم، ان دونوں کا درمیانی درجہ تھا یعنی لمہ، اور ترمذی کی روایت میں "فوق" کے معنی لئے جائیں اوپر اور دون کے معنی لئے جائیں اسفل نیچے پس مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے بال جمہ سے ذرا اونچے اور وفرہ سے ذرا نیچے تھے، اس کا مصداق بھی لمہ ہی ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سر کے بالوں کے بارے میں آپ کی عادت شریفہ | ان احادیث میں آپ کے پننگھوں کا حال مذکور ہے اس سے بنا ہوا کہ

آپ کی عادت شریفہ سر پر بال رکھنے کی تھی، یہ مضمون ہمارے یہاں کتاب الطہارۃ میں غسل جنابت کے بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول میں ہم عادتِ راسی کے ذیل میں گزر چکا اس کو بھی دیکھا جائے، ابن العربی فرماتے ہیں کہ سر کے بال اس کی زینت ہیں ان کو باقی رکھنا سنت ہے اور خلق بدعت ہے اور شرح مصابیح میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے سر کا خلق، ہجرت کے بعد، رف تین بار کرایا ہے عمرۃ الحدیثیہ عمرۃ القضا، حجۃ الوداع میں اور تفصیر آپ سے صرف ایک مرتبہ ثابت ہے کافی سمجھیں (قالہ الباجوری فی شرح اشعری)

قلت: واما مذہب الحنفیۃ ففی الرویۃ للزندوسی ان السنۃ فی شعر الراس الا للفرق او الحلق و ذکر العلی ادی ان الحلق سنۃ و نسب ذلک الی العلماء السلاطین (مشایخ) (ہندیہ ص ۲۵۴) معز بالمتار فاتیما ولی الفتاویٰ الخویۃ ص ۳۹ عام عادت مبارکہ بال رکھنے کی تھی، سنۃ و ناہنت کم ثابت ہے، بعض صحابہ ہمیشہ منڈاتے تھے۔ والحدیث الخیر للترذی و ابن ماجہ قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی الفرق

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان اهل الکتاب - یعنی یسجدون لثوب اشعارہم، وکان المشرکون

یفسدون رؤسہم وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تعجبہ موافقۃ اهل الکتاب فیما لم یؤس بہ ففسد رؤسہم وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ناصیۃ ثم فرق بعد -

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ اہل کتاب سر کے بالوں کا سدل کرتے تھے اور مشرکین فرق یعنی مانگ نکالتے تھے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ابتدا میں ان امور میں جن کے بارے میں آپ پر کوئی وحی اور ہدایت نہ نازل ہوئی، جو اہل کتاب کی موافقت پسند تھی، اور یا سنے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اہل کتاب کا فعل ان کے دین میں ثابت ہو، بخلاف مشرکین کے کہ ان کے کسی کام میں تو یہ احتمال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، اور یہ آپ کا اہل کتاب کی موافقت کرنا ان کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے بھی تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا تو پھر آپ ان کی صراحتہ مخالفت کرنے لگے (بذل) چنانچہ اس چیز میں بھی آپ ان کی موافقت ترک کر کے بجائے سدل کے مانگ نکالنے لگے، سدل سے مراد یہ ہے کہ سر کے آگے کے بالوں کو پیشانی پر ڈال لینا اور فرق کا مطلب یہ ہے کہ سر کے سامنے کے حصے کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دائیں جانب کے بالوں کو دائیں طرف اور بائیں طرف کے بالوں کو بائیں طرف کر دیا جائے، چنانچہ اسکے بعد والی روایت میں آ رہا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

مردی ہے وہ فرماتی ہیں: کنت اذا اردت ان افرق رأسی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صدعت الفرق من یا فوخہ وارسل ناصیۃ بین عینیہ، کہ جب میں آپ کے سر کے بالوں میں مانگ نکالتی تھی تو آگے اس کا طریقہ بتا رہی ہیں کہ آپ کے سر کے بیچ سے مانگ چیرتی تھی اور آگے حصے کے بال دو حصوں میں کر دیتی تھی دائیں جانب اور بائیں جانب، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پنٹھوں میں مانگ نکالنا سنت ہے۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما الخیر للبخاری و سلم والترذی و الفسطاط ابن ماجہ۔

## باب فی تطویل الجمۃ

عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولی شعر تطویل۔

اس حدیث کا حوالہ اور مضمون، باب فی الحجۃ میں گند چکا، والی حدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الرجل یضفر شعرہ

عن مجاہد قال قالت ام حانی قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی مکة ولہ اربع غدائر تعفی عفاقص اور شمائل کی اسی حدیث میں ایک لفظ زائد ہے، قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکة قدمۃ، علامہ باجوری لکھتے ہیں ای مرة من القدم، اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ قدم ہے جو فتح مکہ میں ہوا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری مکہ مکرمہ میں ہجرت کے بعد چار مرتبہ ہوئی عمرہ القضاء، فتح مکہ، عمرہ الجمرانہ اور حجۃ الوداع۔

شرح الحدیث | ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے در انحالیکہ آپ کے سر کے بالوں کی چار سینڈھیاں تھیں۔

غدا ترغیرہ کی جمع ہے، اور ایک روایت میں اربع ضفائر ہے یہ دونوں روایتیں ترمذی میں ہیں غدا تر اور ضفائر اور ذواتہ جس کا ذکر اگلے باب کی حدیث میں آ رہا ہے سب ہم معنی ہیں، الشعر المضفور (گیسوئے بافتہ بالوں کا وہ حصہ جس کو بیل وی گیا ہو یعنی مینڈھی جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں غسل مائض کے ذیل میں نقص ضفائر کا مسئلہ گزرا ہے، حضرت شیخ جصاصیل میں لکھتے ہیں مردوں کیلئے عورتوں کی طرح سے مینڈھیاں مکروہ ہیں، اس حدیث میں مینڈھیلوں سے وہی مراد لی جاوے جس میں تشبہ نہ ہو کہ تشبہ کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے، اور ابن ماجہ میں ترجمہ الباب اس طرح ہے، باب اتخاذ الجحۃ والضفائر، اس کے حاشیہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں، قولہ: ولہ اربع غدائر، لعلہ فعل ذلک لدفع الغبار، قلت، وهو الظاہر لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان فی السفر (تصفی) یعنی آپ کا معمول پنٹھے رکھنے کا تو تھا لیکن ضفائر کا معمول نہ تھا ضرورۃ سفر میں غبار وغیرہ سے بچنے کیلئے آپ اپنے بالوں کو اس طرح کر لیتے تھے، اور ایک ہوتا ہے عقص یعنی سر کے تمام بالوں کو اکٹھا کر کے پیچھے کی طرف جوڑا باندھ لینا یہ وہ ہے جس کا ذکر کتاب الصلاة، باب الرجل یصلی عاقصاً میں گزرا ہے اور اس طرح نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ، اور بھی اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر مکہ میں تشریف لائے مثلاً وہ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر میں صلاۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھیں، اس کا منشا یہ ہے کہ حضرت ام ہانی جو کہ حضرت علی کی بہن اور آپ کی چچا زاد بہن ہیں انہوں نے ہجرت نہیں فرمائی تھی، یہ مہاجرات میں سے نہیں ہیں کیونکہ ان کا اسلام ہی فتح مکہ کے بعد ہے اس لئے ہجرت کی نوبت ہی نہیں آئی۔

والحدیث اخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی حلق الرأس

عن عبد الله بن جعفر رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امهل آل جعفر ثلاثا ان ياتهم ثم اتاهم الخ -

**شرح الحدیث** حضرت جعفر بن ابی طالب جو آپ کے چچیرے بھائی ہیں جو جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے ان کے بیٹے عبد اللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر والوں کو تین روز تک تو مہلت دی یعنی رونے دھونے کی، پھر تین روز کے بعد آپ ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ بس اب دونوں بند کرو، پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس میرے سے بھتیجوں کو لاؤ، ہمیں آپ کے پاس لایا گیا، ہم اتنے چھوٹے چھوٹے تھے جیسے چوزے ہوتے ہیں آپ نے طلاق کو بولا کہ تمہارے سر کے بال منڈائیں۔ بڈل الجھوڑ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچے اس وقت بہت چھوٹے تھے گھر والے ان کو گود میں اٹھا کر لائے، لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنے چھوٹے نہیں تھے، چنانچہ عبد اللہ بن جعفر جو کہ خود ان کے بیٹے ہیں اور اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں ان کی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت دس سال کی تھی، اسی لئے دوسرے شراح نے لکھا ہے کہ کائنات اندر میں تشبیہ صغریٰ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ بالوں کے اعتبار سے ہے، کہ ان بچوں کے سر پر بال بڑھے ہوتے تھے اور ایسے لگ رہے تھے جیسے چوزوں کے بدن پر کھڑے کھڑے بال ہوا کرتے ہیں، اور حلق ان کا اسلئے کرایا، اگرچہ بالوں کا رکھنا افضل ہے، کہ بال رکھنے کے بعد ان کی دیکھ بھال، تیل کٹ گسی سے کرنی پڑتی ہے جو ان کی والدہ کے لئے اس غمی کے زمانہ میں مشکل تھی۔

والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## باب فی الصبی له ذؤابة

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن القزع، والقزع

ان يحلق رأس الصبي فيترك بعض شعرا -

اس باب کی تمام روایتوں میں قزع کی ممانعت مذکور ہے جس کی تفسیر بھی مذکور ہے، وہ یہ کہ کسی بچہ کے سر کے بال مونڈتے وقت اس کا کچھ حصہ باقی چھوڑ دیا جائے، لیکن یہ نہیں صبی کے ساتھ خاص نہیں ہے، حکم بڑے کے لئے بھی یہی ہے، ممکن ہے اس زمانہ میں بعض لوگ اپنے بچوں ہی کے ساتھ ایسا کرتے ہوں لاڈ پیار میں۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

لہ قزع لغت میں فضاء میں بارل کے متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو دور سے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں، سر میں جو بال اس طرح چھوڑ دیئے جاتے ہیں چونکہ وہ بھی اسی طرح محسوس ہوتے ہیں اسلئے ان کو قزع کہتے ہیں ۴



## باب ماجاء فی الرخصة

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه قال كانت لي ذؤابة فقالت لي امي لا اجزها، كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يمدها وياخذ بها۔

یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا فعل ہے کہ حضرت انس کے سر کے جن بالوں کو ان کے بچپن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے پکڑتے اور کھینچتے تھے ان کے بارے میں وہ فرماتی ہیں کہ ان کو میں کبھی نہیں کاٹوں گی سر کے دوسرے بالوں کے ساتھ۔

دخلنا على انس بن مالك رضى الله تعالى عنهما فحدثني اخي المغيرة قالت و انت يوم عهد غلام ولك

قرنان۔ او قصتان لمسح رأسك وبرك عليك وقال اعلقوا هذين ارقصوهما فان هذا ذؤابة اليهود۔  
حجرا بن حسان اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں گئے (وہاں جا کر کیا ہوا ان کو تو وہ بچپن کی بات یاد نہیں رہی اسلئے اپنی بہن سے نقل کرتے ہیں) پس مجھ سے میری بہن مغیرہ نے بیان کیا کہ تو تو اس وقت بچہ ہی تھا اور تیرے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں تو حضرت انس نے تیرے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور برکت کی دعا دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان لٹوں کو کاٹ دینا اسلئے کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ یہ حدیث ترجمہ الباب کے مناسب نہیں ہے۔ قابل۔

## باب فی اخذ الشارب

عن ابی هريرة رضى الله تعالى عنه يبلغ به النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔ الفطرة خمس۔ او خمس من الفطرة الختان والاسنة حداد ونف الابط وتقليم الاظفار وقص الشارب۔  
یہ حدیث الباب الوضوء باب السواک من الفطرة۔ میں گندھکی۔ اور اس پر تفصیل کلام بھی وہاں گزر چکا۔  
والحدیث اخرجه البخاری وسلم والترغی والنسائی وابن ماجہ قال المنذرى۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى قال رقت لنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خلق العانة وتقليم الاظفار وقص الشارب ونف الابط اربعين يوما مرة۔

شرح الحدیث | یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیر ناف بالوں کے حلق اور اسی طرح وہ سب چیزیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ان کی حد چالیس دن میں ایک مرتبہ قرار دی، یعنی ان چیزوں کی اکثر اور انتہائی مدت آپ نے یہ

لہ لہذا مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان کے فعل سے ذواہب کے جواز پر استلال محل نظر ہے۔

تجویز فرمائی، یعنی اس کے بعد تو ان کو باقی رکھنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اب یہ کہ اولیٰ اور مناسب کیا ہے؟ اس کا پہلے دوسری روایت سے اور فقہار کے اقوال سے چلے گا، حضرت نے بذل میں لکھا ہے: وهذا تحذیر لا کثر المدة، دستحب ذلک من الجمعة الی الجمعة والا فلا تحذیر فیہ بل کما کثر ازالہ، ویختلف ذلک باختلاف طباع الناس، یعنی عند الحاجة یہ سب کام کئے جائیں، لوگوں کی طبائع اس میں مختلف ہیں بعضوں کے بال ناخن وغیرہ جلدی پڑھتے ہیں اور بعضوں کے دیر بھینے، وفی ہامش البذل: روى انه عليه السلام كان يأخذ اظفارہ وشاربہ کل جمعة ویخلق العانة فی عشرين وثمانین الا بطی فی اربعین وفی العالمگیریہ: الافضل الاسبوع والخمسة عشر الوسط، ولا عذر فی اکثر من اربعین الخ وقریب منه ما فی الدر المختار۔ والحديث اخرجه الترمذی قالہ المنذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنانغض السبال الا فی حج او عمرة۔

**شرح الحدیث** سبال سبیلہ کی جمع ہے جیسے رقاب جمع ہے رقبہ کی، یہ ان جموع میں سے ہے جن سے مراد شنیہ ہوتی ہے، یعنی شارب کے طرفین، موچھ کے دونوں طرف کے کنارے دائیں بائیں ان کے بارے میں دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ شارب میں داخل ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ داڑھی کے حکم میں ہیں چنانچہ حافظ لکھتے ہیں قوله وقص الشارب، الشارب هو الشعر النبات علی الشفة الغلیا، واختلف فی جانبہ وھما السبالان، فقیل ھما من الشارب ویشرع قصھما معہ، وقیل ھما من جملة شعر اللحية۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبلیتین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم ان کو بڑھا کر رکھتے تھے مگر حج اور عمرہ میں کہ اس میں کاٹ دیا کرتے تھے، قال الغزالی فی الاحیاء لا یاس بترک سبالتیہ یعنی علی ما خلق اللہ تعالیٰ وھما طرفا الشارب، حضرت امام غزالی بھی یہی فرماتے ہیں کہ سبالتین کو باقی رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے (بذل) اور صحیح بخاری میں "باب قص الشارب" میں ہے: وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یحفی شاربہ حتی ینظرالی بیاض الجلد، ویأخذھن، یعنی بین الشارب واللحیہ، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی شارب کو اتنا کاٹتے تھے کہ ہونٹ کی سفیدی نظر آنے لگے اور ان دو کو بھی لیتے تھے جو شارب اور لحیہ کے درمیان ہیں، اس سے مراد وہی سبالتین ہیں، قال الکرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ھذین یعنی بطرفی الشفتین الذین ھما بین الشارب واللحیہ ولما تھا ھما کما هو العادة عند قص الشارب فی ان ینظف الزاویتان ایضاً من الشارب، اور پھر آگے لکھتے ہیں ویحتمل ان یراد بہما طرفا العنقہ کہ یہ بھی احتمال ہے، ھذین سے ریش بچہ کی دونوں جانب مراد ہوں، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو روایت ہم نے ذکر کی بخاری سے یہ گویا مقابل ہے ابو داؤد کی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کے، جس میں یہ ہے کہ ہم سبالتین کو باقی رکھا کرتے تھے سوائے حج اور عمرہ کے، لیکن حضرت ابن عمر کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول سبلیتین کو باقی رکھنے کا تھا، چنانچہ فتح الباری میں ہے: وقد روی مالک عن زید بن اسلم ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا غضب قتل شاربہ، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کسی بات پر غصہ آتا تو اپنی موچھ کو بل دیا کرتے تھے، یہاں شارب سے مراد بظاہر سبلیتین ہی ہیں اسلئے کہ بل تو ان ہی کو دیا جاسکتا ہے نہ کہ ہل شارب کو، اور بعض علماء نے بعض حنفیہ سے نقل کیا ہے انہ قال لا یاس یا بقار الشواب فی الحرب ارھا بالعدو، نقلہ الحافظ ایضاً فی الفتح ۳۴۷

## باب فی نتف الشیب

لا تنفقوا الشیب، ما من مسلم یشیب شیبة فی الاسلام الا کانت له نورا یوم القیامة۔  
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سفید بال کا نتف نہ کرو یعنی اس کو مت اکھاڑو (خواہ داڑھی میں ہو یا سر میں)  
 قالہ النووی) جس شخص کا کوئی بال اسلام کی حالت میں سفید ہو تو وہ بال اس کے لئے روشنی کا ذریعہ ہوگا قیامت کے دن۔  
 ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب قد اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ اسلام اور ایمان کی حالت میں وقت گزرنایہ بھی  
 عبادت ہے اہم کلامہ اسلئے کہ ظاہر ہے کہ ایمان اور اسلام تو عبادت کی جڑ اور اصل ہے تو انصاف بال ایمان کے ساتھ جو وقت  
 گذر رہا ہے اور عمر بڑھ رہی ہے وہ بھی عبادت ہوگی۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی الخضاب

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ینبغ بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قال ان الیہود والنصرانی لا یصبغون فخالقہم  
 یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے، مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں خضاب کرنا چاہیئے۔

**خضاب کا حکم عند الائمتہ** | المم ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب استحباب خضاب ہے مرد اور عورت دونوں  
 کے لئے، زرد یا سرخ اور خضاب سواد حرام ہے اصح قول کی بنا پر اہ بذل، اور عاشرہ بذل میں  
 ہے کہ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے صرح بہ الشامی اذ قال: استحب للمرء خضاب شعرہ ولحمیۃ ولونی غیر حرب، وبسط الاختلاف  
 فی ذلک القاری فی شرح الشائل، وقال حمہ من احب ترک الخضاب الحدیث المذكور قبل (من شاب شیبة فی الاسلام الحدیث) اہ  
 اور یہی مسلک امام احمد کا ہے، قال المونی: ویستحب خضاب الشعر بغیر السواد، امام احمد فرماتے ہیں کہ جب میں شیخ مفضوب کو دیکھتا  
 ہوں تو اس سے خوشی ہوتی ہے، حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے خضاب ثابت ہے اور حضرت علی سے ترک خضاب  
 حافظ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے خضاب کو اختیار کیا اور ایک جماعت نے ترک خضاب کو، اس کے درمیان طبری نے  
 تطبیق اس طرح دی ہے کہ جس کے لئے جو مناسب اور لائق تھا اس نے وہی کیا، بعضوں کے سفید بال دیکھنے میں شنیع معلوم  
 ہوتے ہیں اور بعض کے غیر شنیع، حافظ فرماتے ہیں: لکن الخضاب مطلقاً اولی لان قیۃ امتثال الامر فی مخالفة اهل الکتاب، و فیہ  
 صیانة للشعر عن تعلق القبار وغیرہ، آگے فرماتے ہیں: الا یہ کہ کسی شہر والوں کی عادت ترک خضاب کی ہو اسلئے کہ اس صورت میں  
 تنہا جو شخص خضاب کرے گا وہ مقام شہرت میں ہوگا اسلئے اس صورت میں اس کے حق میں ترک خضاب اولی ہوگا۔

**خضاب اسود میں مذہب ائمہ** | دوسرے مسئلہ یہاں پر خضاب اسود کا ہے قال النووی: یحرم خضابہ بالسواد۔ علی الاصح۔  
 وقیل یکرہ تنزیہا والمختار التحريم لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی مسلم اجتنبوا السواد

وہذا مذہبنا اھ و فی المحلی: وعند احمد یکرہ کراہۃ تحریم۔ کما فی الغنیۃ۔ وهو مذہب ابی حنیفۃ، و فی الدر المنثور: یکرہ بالسواد و قیل: لا، قال ابن عابدین قولہ: یکرہ ای لیس الحرج، اما الخضاب بالسواد للفر۔ و لیکون اھیب فی عین العدو فهو محمود بالاتفاق، وان لیزین نفسہ للنسار فمکرہ و علیہ عامۃ المشائخ، و بعضہم جوزہ بلا کراہۃ اھ و فی المحلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کما احب ان یتزین لی النسار تحبھی ان اتزین لھا، و عن ابی یوسف فی روایۃ۔ ان فعل احد لاجل التزین لامرأۃ فلا یاس الی اخر ما یسط فی الا وحیث۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اختلاف ہے آپ کے خضاب اور ترک خضاب میں جیسا کہ آگے آرہا ہے  
والحدیث اخرجہ البخاری و سلم و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکہ و رأسہ و لحيته کالتغامۃ بیاضا  
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غیر و اھذا بشئ و اجتنبوا السواد۔

ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کنیت ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کی یہ مسلمۃ النبی سے ہیں، اس روز ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا بالکل بوڑھے سر کے بال اور داڑھی دونوں ثقامہ کی طرح سفید ہو چکے تھے، جو کہ ایک گھاس کا نام ہے جس کے پھل اور پھول سب سفید ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سفیدی کو بدلو کسی رنگ سے اور سیاہ سے پرہیز کرنا۔

سیاہ خضاب کا باب آگے مشتمل آرہا ہے۔ والحدیث اخرجہ سلم و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

ان احسن ما غیر بہ هذا الشیب الحناء و الکتم،

یعنی بالوں کی سفیدی زائل کرنے کے لئے سب سے اچھی چیز مہندی اور کتم ہے۔ کتم ایک قسم کا گھاس ہوتا ہے خضاب کے کام میں آتا ہے، جب ان دونوں کو ملا کر خضاب کیا جاتا ہے تو وہ سرخ مائل بہ سیاہی ہوتا ہے بعض علماء نے کہا کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد صرف کتم کا استعمال ہو بغیر حناء کے اسلئے کہ ان دونوں کے ملانے سے رنگ سیاہ ہو جاتا ہے، اسی لئے ان لوگوں نے کہا کہ ممکن ہے اصل حدیث کے الفاظ بالحناء و الکتم۔ ہوں لیکن تمام روایات میں، واوہ ہی کے ساتھ ہے کذا قال ابن الاثیر، اور اسکے برخلاف علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ اگر صرف کتم سے رنگا جائے تو وہ سیاہ ہوتا ہے اور حنار ملنے کے بعد احمر و اسود کے درمیان ہو جاتا ہے اور مما لعت فالص سیاہ کی ہے، وقت اخرج مسلم من حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اختضب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالحناء و الکتم، و اختضب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالحناء بھنا (عون) والحدیث اخرجہ الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع ابی ابو

حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو اس وقت آپ کے پیٹھے تھے اور ان بالوں میں حنار کا اثر تھا اور آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔

اگلے بعد کی روایت میں زیادتی ہے۔ فقال له ابي ارنى هذا الذى بظهورك فاني رجل طيب قال: الله الطيب بل

انت رجل رفیق طيبها الذى خلقها۔

یعنی میرے والد نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کی پشت پر کیا ہے مجھ کو دکھائیے۔ اشارہ ہے مہر نبوت کی طرف  
شرح الحدیث جو گوشت کے ٹکڑے کی مانند تھی۔ اور کہا کہ میں طیب اور معالج ہوں۔ لہذا اس کا اعلان کروں گا۔ آپ نے

فرمایا کہ اصل طیب تو اللہ تعالیٰ ہیں، بلکہ تو ایک ہمدرد اور رفیق ہے۔ اور اس کے بعد ولے طریق میں ہے۔ فقال لرجل

اولا بیہ: من هذا؟ قال: ابی قال لا تجنی علیہ کہ آپ نے ایک شخص سے یا ابو رمثہ ہی کے باپ سے پوچھا کہ یہ تمہارے

ساتھ کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے۔ یہ حدیث کتاب النبیات میں بھی آ رہی ہے وہاں اور زیادہ تفصیل ہے وہاں

اس طرح ہے: عن ابی رمثہ انطلقت مع ابی سخر البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ثم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال

لابی: ابنک هذا؟ قال: ای رب الکعبہ، قال: حقا؛ قال: اشہد بہ، قال: تبسم البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ضحکا من شہت

شہی فی ابی ومن حلف ابی علی، ثم قال: امانہ لا یجنی علیک ولا تجنی علیہ، وقرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولا تزر وازرة

ذرا خزی۔ پوری روایت کا مفہوم یہ ہے: ابو رمثہ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے والد کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا (تو چونکہ مجھ میں اپنے باپ کی مشابہت بہت تھی اسلئے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا میرے

والد سے کہ یہ تمہارے بیٹے ہیں؟ تو میرے والد نے جواب دیا ہاں رب کعبہ کی قسم، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بالکل صحیح کہہ رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں تو اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مسکرا کر ہنس پڑے دو وجہ سے ایک تو میری اپنے باپ کیساتھ پوری پوری مشابہت کی وجہ سے، دوسرے میرے والد کے قسم کھانے پر

میرے بارے میں، اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک بات ذہن میں رکھنا کہ نہ تو تیرا بیٹا تجھ پر جنایت کرتا ہے اور نہ تو اس پر جنایت

کرتا ہے، آپ نے اسلامی قانون سے اس کو آگاہ کیا کہ اسلام میں یہ نہیں ہے کہ جنایت کرے کوئی اور سزا ملے اس کی کسی اور کو،

اسلام میں تو یہ ہے کہ اگر کسی کا باپ کسی پر جنایت کرے گا تو اس کی سزا جنایت کرنے والے ہی کو ملے گی، اور اس کے بیٹے یا کسی اور

عزیز کو نہیں ملے گی، اور ایسے ہی اگر کسی کا بیٹا کسی پر جنایت کرے تو اس کی سزا اسی کو ملے گی باپ کو نہیں ملے گی۔ اور استدلال

میں آپ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے، جس کی وجہ سے مصنف اس

حدیث کو یہاں لائے ہیں۔ وكان قد نطخ لحمية بالحساء که اس وقت آپ نے اپنی دائرہ میں حنار کا خضاب کر رکھا تھا

آپ کے خضاب کے بارے میں اختلاف روایات اور اس کے بعد کی حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہے: انه سئل عن خضاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکر انه لم یخضب ولكن قد خضب ابو بکر وعمر ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کہ ان سے سوال کیا گیا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب کے بارے میں تو انہوں نے آپ سے خضاب کی نفی کی کہ آپ نے خضاب نہیں کیا ہاں

میں آپ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے، جس کی وجہ سے مصنف اس

ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیسا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب کے بارے میں نصیحا و اشباتا تعارض ہے، اس کی کئی توجیہیں ہو سکتی ہیں، خضاب لحيۃ یعنی بعضہا، ولم یخضب ای کلہا، اور یا یہ کہا جائے قد خضب ای لحيۃ، ولم یخضب ای رأسہ، اور ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ خضاب فی وقت و ترک فی معظم الاوقات قاخیر کل بہما آہ۔  
 آپ نے کسی زمانہ میں خضاب کیا اور کسی میں نہیں کیا۔ جس نے جس طرح دیکھا اسی کی خبر دیدی، لہذا دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں اور ایک توجیہ ابن رسلان نے کی ہے کہ جہاں پر ہے خضاب اس سے مراد ہے لحيۃ یا رأس، اور جہاں پر ہے لم یخضب اس سے مراد ہے یدین اور رطلین، قال صاحب البدل۔ ان وجہ الجمع ہذا لیس بصواب بل بالصواب ما کتب مطاوعا محمد بنی المرحوم۔  
 الی آخرہ۔ اسکے بعد وہی توجیہات ہیں جو اوپر لکھی گئیں۔ والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی مختصرا ومطلوفا، قال المنذری۔

## باب فی خضاب الصفرة

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یلبس النعال البتية

ویصف لحيته بالورس والزعفران۔

اس حدیث سے خضاب اصفر کا ثبوت ہوا اگرچہ وہ درس اور زعفران ہی کے ذریعہ ہوا، اور منع جو حدیث میں آیا ہے اس کا تعلق ثياب سے ہے کہ مرد کو اپنے کپڑے اس رنگ میں رنگنا جائز نہیں، اور اسکے بعد والی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ فالصحننا اور حنا و کتم دونوں کو ملا کر خضاب کرنا ان دونوں کے مقابلہ میں خضاب اصفر بہتر ہے۔ والحدیث اخرہ النسائی، قال المنذری۔

## باب ما جاء فی خضاب السواد

خضاب اسود کا حکم پہلے گزر چکا، و حاصلہ بیکرہ عند الجہود۔ ومنہم الائمة الشلالة، فقيل تحريمها قيل تنزيها، وعندنا لک خلاف الاولیٰ فی البدل بیکرہ تحريمها، وکذا قال النووي انه حرام علی الاصبح، واما للحرب فقد تقدم انه يجوز بالاکراهة، و فی روایہ عن الحنفیة اجواز مطلقا، و فی الفتاویٰ الامدادیة للشیخ التہانوی رحمہ اللہ تعالیٰ هو حرام۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یكون قوم یخضبون

لہ ثم الخضاب بالحمرة والصفرة، واما بالسواد فمکرہ عند الجہود ومنہم الائمة الشلالة، فقيل تنزيها قيل تحريمها وعندنا لک خلاف الاولیٰ، لکن الکراهة عندنا فی غیر الحرب، الحرب بظاہر خلاف عند الحنفیة کما فی ما شیء الامامین، و فی روایہ عندنا بیکرہ بالاکراهة مطلقا ای الغزو وغیرہ وکان عثمان وکذا الحسن والحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہم یخضبون بالسواد واما علیٰ فکان لا یخضب مطلقا لخصا من التزامہ (۱)

لہ و فی المطا قال مالک فی صبح الشر بالسواد لم یصح فی ذلک شیئا مطلقا، و غیر ذلک من الصبح احب الی۔



فی آخر الزمان بالسواد کحوصل الحمام لا یریحون راحة الجنة۔

آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ اخیر زمانہ میں ایسے ہونگے جو اپنے بالوں میں سیاہ خضاب کریں گے ایسا سیاہ جیسا جنگلی کبوتر کا پوٹا ہوتا ہے، یہ لوگ جنت کی بو بھی نہ پائیں گے۔

حدیث کے آخری جملہ کے تین مطلب ہو سکتے ہیں عدم دخول جنت، یعنی دخول اولیٰ کی نفی، لا تم بول کر ملزوم کی نفی کی گئی ہے، دوسرا مطلب یہ کہ جنت میں اگر چہ جائیں گے لیکن وہاں کی خوشبو سے محروم رہیں گے، اہل جنت کو قیامت کے روز میدان حشر میں جنت سے وہاں کی خوشبو اور مہک آئے گی لیکن ان لوگوں کو نہیں آئے گی، کذا تذکرہ المعانی الشاہدہ سن حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس پر او جزمکے میں کلام کیا ہے فقیہ وروی ابو داؤد والنسائی عن ابن عباس مرفوعاً یكون فی آخر الزمان الحدیث وخطأ ابن جوزی، كما قاله الحافظ، حیث اور رد فی الموضوعات وقال انه لا یصح، فقیہ عبد الکریم دھوا بن ابی الخاریق فان عبد الکریم بن دھو ابن مالک الخدری زوالصواب: البخاری وھو ثقہ مخرجہ فی الصحیحین: ولا سلم انه ابن ابی الخاریق فقد روی عنه مالک وھو لا یروی الا عن ثقہ عنده۔ الی آخریاقیہ۔ والحدیث اخریہ النسائی قال المنذری۔

## باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج

عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

اذا سافر كان اخر عهدى بانسان من اهله فاطمة، واول من يدخل عليا افا قدم فاطمة ابى۔

**مضمون حدیث** حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کہیں سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل خانہ میں سے سب سے اخیر میں جس سے ملاقات فرماتے وہ فاطمہ ہوتی اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے گھر والوں میں سے فاطمہ ہی سے ملتے، ایک مرتبہ آپ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپ کے استقبال اور اظہار مسرت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گھر کے دروازہ پر ایک پردہ اوڑھ لیا اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دونوں بچوں کو چاندی کے دو کوزے پہنادیئے تو سب معمول آپ اس سفر سے واپس آئے تو آپ کے دروازہ پر پہنچے لیکن اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ واپس لوٹ گئے، فاطمہ سمجھ گئیں کہ آپ اس پردہ کی وجہ سے لوٹے ہیں چنانچہ انہوں نے اس پردہ کو چاک کر دیا اور وہ دونوں کوزے ان بچوں کے ہاتھوں سے کھول کر ان ہی کو تھمادیئے، وہ دونوں بچے روتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ان بچوں کے ہاتھوں میں سے لیکر ثوبان سے فرمایا کہ ان کو فلاں گھر والوں کو دے دو (غریبوں کے پاس بھیجا دیئے) اور پھر فرمایا کہ میں اپنے گھر کے آدمیوں کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنی دنیوی زندگی میں مزے اڑائیں، اور فرمایا آپ نے اشترا

لفاطمة قلاذة من عصب وسواوين من عاج، کہ فاطمہ کے لئے ایک ہار بازار سے خریدے عصب کا بنا ہوا، اور دو گڑے خریدے عاج کے بنے ہوئے۔

**الكلام على فقہ الحدیث والترجمہ** | ترجمہ الباب میں انتفاع بالعلج مذکور ہے، مصنف نے اس حدیث سے اس کے جواز کو ثابت کیا ہے، علج کے ایک معنی یا یہ کہ مشہور معنی عظم الفیل، ہاتھی دانت کے ہیں لیکن ہاتھی دانت امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور حنفیہ کے نزدیک طاہر ہے، اس صورت میں حدیث شافعیہ کے خلاف ہوگی، ممکن ہے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہوں کہ علج سے مراد یہاں اس کے دوسرے معنی ہیں، الذبل، یعنی کچھوے کی جلد اور میتہ البحر، جمہور کے نزدیک چونکہ پاک ہے اسلئے ذبل مراد لینے میں کوئی اشکال نہ ہوگا، نفی البذل قال فی القاموس العاج، الذبل وعظم الفیل، والذبل بفتح الذال البعیر۔ وسكون الموحدة علی وزن قلنس، قال فی القاموس والذبل جلد السلحفاة البحرية او البرية الخ لیکن ہم کہتے ہیں کہ علج کے معروف معنی وہی ہیں ہاتھی دانت کے جسکا اعتراف امام خطابی نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں: فالما العاج الذی تعرفه العامة فهو عظم انياب الفيلة، اور اس سے پہلے انہوں نے یہ کہا اہم معنی سے نقل کرتے ہوئے کہ علج کے معنی ذبل کے ہیں اور معروف معنی مراد لینے سے بظاہر خطابی انکار کر رہے ہیں اسلئے کہ ہاتھی دانت کا استعمال تو جائز نہیں وہ میتہ ہے۔

حاشیہ ذیل میں ابن قدامہ سے امام مالک کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ فیل امام مالک کے نزدیک ماکول اللحم ہے، وذهب مالک الى ان الفیل ان ذکی فنعظمه طاہران الفیل عمدہ ماکول لیکن شیخ نے ودیر مالکی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تصریح کی ہے علج کی کراہت کی یا اس کے نجس ہونے کی، اسی طرح صاحب حیاة الجہون نے فیل کی بحث میں فقہاء کے اقوال اس کی حلت و حرمت میں نقل کئے ہیں، مالکیہ کے نزدیک اس کا حلال ہونا انہوں نے بھی نہیں لکھا۔ الخ کتاب الترجیل۔

## اول کتاب الخاتم باب ما جاء فی اتخاذ الخاتم

بس خاتم شافعیہ مالکیہ کے صحیح قول میں مطلقاً مباح ہے کافی الابواب والترجم عن الحلی، اور حنفیہ کے نزدیک ضرورۃ اسن کا پہننا مباح ہے، اور بلا ضرورت اس کا ترک اولیٰ ہے کافی الشرح الشامل للقاری حنفیہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو باب من کرھہ میں گذری ہے: ولیم من الخاتم الا لذي سلطان۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنهما قال اراد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان يكتب ان بعض

الاعاجم فقبل انهم لا يقرؤن كتابها الا بخاتم فاتخذ خاتما من فضة ونقش فيه: محمد رسول الله:

آپ کے انگوٹھی بنانے کا قصہ اور اس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگ عجم کی طرف دعوت اسلام کا ولانا نامہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ اور روایات مختلفہ کی تحقیق و توجیہ بخاری میں اس طرح ہے: اراد ان يكتب الي كسرى وقيصرو النجاشي. تو آپ سے

عرض کیا گیا کہ ان بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ یہ کوئی خط جس پر مہر نہ ہو اس کو قبول نہیں کرتے، اس پر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بڑائی (اور چونکہ وہ آپ کے نام نامی کی مہر تھی اس لئے اس پر) محمد رسول اللہ کا نقش کرایا۔

یہ حدیث بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، حضرت انس کی اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ایک بطریق قتادہ عن انس جو کہ حدیث الباب ہے، دوسری بطریق ابن شہاب عن انس جس کو مصنف نے آئندہ باب میں ذکر کیا ہے، پہلی روایت میں جو بطریق قتادہ ہے اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، اور دوسرے طریق والی روایت میں یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی دیکھی ایک روز لوگوں نے بھی ایسی انگوٹھیاں بڑا کر پہن لیں، آپ نے اس کو پھینک دیا، لوگوں نے بھی پھینک دیا، اور ابن عمر کی حدیث میں جو اسی باب میں آگے مذکور ہے یہ ہے کہ اولاً آپ نے سونے کی انگوٹھی بڑائی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بڑا لیں، جب آپ نے یہ دیکھا تو اس کو پھینک دیا، اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی بڑائی جس کو آپ پہننے لے رہے، ابن عمر کی اس حدیث کے تمام طرق میں اسی طرح ہے بخلاف حدیث انس کے کہ اسکے ایک طریق میں خاتم فضہ کا پھینکنا مذکور ہے۔

حضرت امام بخاری نے خاتم کے بارے میں متعدد ابواب قائم کئے ہیں اولاً خواتیم الذہب کا جس میں ایک روایت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذکر فرمائی جس میں خاتم ذہب کا پھینکنا مذکور ہے، اسکے بعد خاتم الفضة کا باب قائم کیا جس میں دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں ایک یہی ابن عمر کی جس میں طرح خاتم الذہب مذکور ہے، پھر ایک دوسری روایت حضرت انس کی بطریق زہری ذکر فرمائی جس میں طرح خاتم الفضة مذکور ہے، اور پھر ایک تیسرے باب میں باب نقش الخاتم میں حضرت انس کی دوسری حدیث بطریق قتادہ ذکر فرمائی جس میں صرف خاتم فضہ مذکور ہے، اسکے پھینکنے کا ذکر نہیں، یعنی وہی روایت جو یہاں باب کی پہلی حدیث ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابن عمر کی روایت میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں صرف خاتم ذہب کے پھینکنے کا ذکر ہے بخلاف حدیث انس کے کہ اسکے ایک طریق میں خاتم فضہ کا پھینکنا مذکور ہے اور دوسرے طریق میں خاتم فضہ کا پھینکنا مذکور ہے۔ ابواب الخاتم میں حضرت شیخ لکھتے ہیں: قال لحافظ تحت رواية طرح خاتم الفضة، هكذا روى الحديث الزهري عن انس رضي الله تعالى عنه، واتفق الشيخان على تحريم من طريقه، ونسب فيه الى الغلط لان المعروف ان الخاتم الذي فرضه النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بسبب اتخاذ الناس مثله إنما هو خاتم الذہب كما صرح به في حدیث ابن عمر رضي الله تعالى عنہما، قال النووي۔ تبعا لعیاض۔ قال جمیع اهل الحدیث: هذا وهم من ابن شہاب، لا المطروح ما كان الا خاتم الذہب، ومنهم من تأوله۔ كما سیأتی۔ قال الحافظ وحاصل الاجوبة ثلاثة ثم ذکرها۔ و زاد علیہ من عنده و غیرہ۔ ذکرہ۔ فارجع الیہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث انس بطریق زہری جس میں خاتم فضہ کا طرح مذکور ہے یہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے اور بقول امام نووی اور عیاض کے باتفاق محدثین یہ حدیث وہم ہے، یعنی اپنے ظاہر کے اعتبار سے اگر کوئی تاویل نہ کی جائے، الایہ کہ

اس کی کوئی تاویل کی جائے تو پھر درست ہو سکتی ہے اور بعض محدثین نے اس کی توجیہات ذکر بھی کی ہیں جن کو حضرت شیخ نے بھی الابواب میں ذکر نہیں فرمایا اسی طرح ہم بھی ان کو چھوڑتے ہیں۔ من شارح رجح الی الشرح۔

زہری کی روایت کی صرف ایک تاویل یہاں نقل کرتا ہوں جس کو علامہ سندی نے حاشیہ نسائی میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں ان شہبت روایۃ الزہری فی طرح خاتم الفضة فلعلم لکراہۃ الزینۃ تنزیہاً، وكان یلبسہا حیثاً نابعد ذلک لبیان الجواز، ولا یلبسہا فی غالب الاوقات۔ اس تاویل کے بعد حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں کی روایات کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوگا کہ اولاً آپ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اس کو آپ نے شروع شروع میں پہنا اس پر لوگوں نے بھی خاتم ذہب بنا کر پہننا شروع کر دیا، آپ نے اس خاتم ذہب کو پھینک دیا اور فرمایا کہ آئندہ اس کو کبھی نہ پہنوں گا، جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اس کو پھینک دیا، اسکے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ضرورہ ہر لگانے کیلئے جس کو آپ ہر کیلئے استعمال فرماتے تھے اور اکثر اوقات پہنتے نہ تھے لکراہۃ الزینۃ تنزیہاً، اور کبھی کبھار میان جواز کے لئے پہن بھی لیتے تھے، چنانچہ نسائی کی روایت میں ہے جس کے پیش نظر علامہ سندی نے تاویل مذکور بیان کی۔ فان یختم بہ ولا یلبسہ (ای خاتم الفضة) اس صورت میں زہری کی روایت کو ہم قرار دینے کی ضرورت نہیں، ویسے ہی زہری بڑے امام حدیث۔

یہ علامہ سندی کی تاویل جو مذکور ہوئی ایسا لگتا ہے کہ مصنف کی رائے بھی یہی ہے اسلئے کہ مصنف نے اولاً باب قائم کیا، باب ماجاء فی اتحاد الخاتم، اور پھر دوسرا باب، باب ماجاء فی ترک الخاتم، قائم کر کے اسکے تحت یہی حدیث زہری ذکر کی اور پھر اس پر سکوت کیا، اور خود امام ابو داؤد سے منقول ہے اپنی اس سنن کے بارے میں: وما لم اذکر فیہ شیئاً فہو صریح، جیسا کہ مقدمہ میں اس کی تفصیل گذر چکی، ہذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، فتدبر وتشکر لعلک لا تجد ہذا التوضیح فی غیرہذا الشرح۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی بخوہ مختصراً، قال المنذری۔

اسکے بعد دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے: زاد فكان فی ییدہ حتی قبض، وفی یید ابی بکر حتی قبض، وفی یید

عمر حتی قبض، وفی یید عثمان، فبینما هو عند بئر اذ سقط فی البئر فامر بہا فذرت فلم یقدر علیہ۔

یعنی یہ چاندی کی انگوٹھی آپ کے دست مبارک میں اخیر تک رہی۔ ہاتھ میں رہنے کا مطلب علامہ سندی کی تاویل کے پیش نظر یہ ہوگا کہ آپ کے پاس یہی ہر لگانے کیلئے، ظاہر ہے کہ ہر وقت انگوٹھی پہن کر کیا کریں گے۔ اور پھر اسی طرح صدیق اکبر اور عمر فاروق کے پاس بھی اور پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس، مگر ان کے پاس بجز اریس میں جو قبا میں ہے گر گئی، ہوصوف کے حکم سے اس کو تلاش کرنے کیلئے کنویں کا پانی کھینچا گیا اور اسکی تلاش میں بہت سعی کی گئی مگر وہ ہاتھ نہ آئی نہ جانے وہ خاتم مبارک کسی تھی

۱۔ اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ زہری کی روایت میں خاتم نضرہ کو پھینکنے کا مطلب یہ نہیں ہمیشہ کے لئے اس کو پھینک دیا بلکہ اکثر اوقات کے لحاظ سے اسکو

ترک فرمایا صرف ہر لگانے کے کام میں لاتے ویسے نہ پہنتے۔ لہ فی ترک الخاتم ای ترک لبس الخاتم لا ترک مطلقاً ۱۲۔

کیا اس میں راز تھا، کہتے ہیں کہ اس کے گم ہونے کے بعد ہی سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں فتنے شروع ہوئے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے فلما کان عثمان جلس علی بئرا میں قال فخرج الخاتم فجعل یعبث بہ فسقط قال فاختلنا ثلاثہ ایام مع عثمان فنزح البئر فلم نجدہ، یعنی تین دن تک ہم اس کنویں پر تلاش کرنے کے لئے آتے رہے، حضرت عثمان کے ساتھ، اس پر حافظ فتح الباری ص ۲۳۲ میں لکھتے ہیں قال بعض العلماء: کان فی فاتمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من السرشی مما کان فی فاتمہ سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔ لان سلیمان لما تقد فاتمہ ذہب ملکہ، و عثمان لما تقد فاتمہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انتقض علیہ الامر وخرج علیہ الخارجون وکان ذلک مبدأ القسۃ الی انضت الی قتلہ واصلت الی آخر الزمان۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان خاتم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من ورق فصہ حبشی۔

اور دوسرے طریق میں ہے۔ من فضہ کلہ فصہ منہ۔

یعنی آپ کی انگوٹھی چاندی کی تھی، اس کا نگینہ حبشی تھا، یعنی حبشہ کے پتھروں میں سے کوئی پتھر، لیکن چونکہ دوسری روایت میں یہ آ رہا ہے کہ "فصہ منہ" کہ اس کا نگ بھی چاندی ہی کا تھا اس لئے حبشی کے معنی یہ لئے جائیں علی الوضع الحبشی، یا یہ کہ صانع حبشی، اور اگر حبشی سے مراد پتھر ہی لیا جائے تو پھر اس کو تعدد فاتمہ پر محمول کیا جائے۔ کہ ایک انگوٹھی ایسی تھی اور ایک ایسی، بلکہ ایک انگوٹھی اور تھی یعنی فاتمہ حدیدہ جس پر چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا کما سیاتی فی محلہ۔

الطریق الاول اخرجہ البخاری وسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ۔ والثانی اخرجہ البخاری والترندی والنسائی بخوہ، قال المنذری

خاتما من ذہب وجعل فصہ مما یلب بطن کفہ ۱۶۔ یہ وہ حدیث ابن عمر ہے جس کا مضمون پہلے گذر چکا جس میں یہ ہے

کہ مطروح فاتمہ ذہب تھی نہ کہ فاتمہ فصہ، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ اس فاتمہ کا نقش محمد رسول اللہ تھا اور اس کے بعد والے طریق میں ہے وقال لا ینقش احد علی خاتمی ہذا، کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر میری انگوٹھی والا نقش نہ بنائے اس لئے کہ آپ کی انگوٹھی تو آپ کی بہر تھی مہر میں تو اسی کا نام ہوتا ہے جس کی وہ مہر ہے نام ہو یا کوئی خاص علامت۔

ایک شبہ اور اسکی توجیہ | اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپ کی فاتمہ کے بارے میں تو یہ آتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ صدیق اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس رہی، تو کیا یہ حضرات اسی فاتمہ کو

استعمال فرماتے تھے؟ تو پھر یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہو جائے گا، اور ویسے بھی خلاف مصلحت بلکہ خلاف عقل بات ہے کہ ایک شخص کی مہر دوسرا شخص استعمال کرے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فاتمہ ان حضرات خلفاء ثلاثہ کے پاس مہر لگانے کے لئے نہیں تھی بلکہ وہ تو تبرک کے لئے ہوتی تھی، اور ان حضرات کی خواتیم کے نقوش الگ الگ تھے، چنانچہ منقول ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقش فاتمہ، نعم القادر اللہ، تھا جیسا کہ شرح معانی الآثار للطحاوی میں ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کا نقش، عبد ذلیل لرب حلیل، تھا، اور اسی طرح دوسرے حضرات کے نقوش بھی مختلف تھے۔

اس نقش کے بارے میں بخاری کی روایت میں ہے: کان نقش الخاتم ثلاثہ۔ اسطر محمد سطر، ورسول سطر، واللہ سطر



فتح الباری میں ہے کہ بخاری کی اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نقش خاتم کی عبارت صرف اتنی ہی تھی، لیکن حضرت انس کی اس روایت میں جس کی تخریج ابوالشیخ نے کی ہے اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے لیکن یہ زیادتی شاذ ہے اس کے راوی عروہ بن البرند کی ابن المدینی نے تضعیف کی ہے، اب یہ کہ ان کلمات کی ترتیب کتابت کیا تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ جو ترتیب تلفظ کی ہے وہی کتابت کی تھی، اور بعض علماء سے منقول ہے کہ اس کی کتابت نیچے سے اوپر کی طرف تھی، سب سے اوپر لفظ اللہ ہے اور اس کے نیچے "رسول" اور اس کے نیچے "محمد" (فتح الباری ص ۲۳۳) اور دوسری بات یہ لکھی ہے جو - بدلہ میں بھی مذکور ہے کہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ نقش کتابت جس طرح طباعت کے لئے ہوا کرتا ہے اسی طرح تھا یعنی مقلوب، اور کہا گیا ہے کہ اس کی کتابت سیدھی ہی تھی، لیکن مہر حجب لگائی جاتی تھی تو سیدھی ہی پڑھی جاتی تھی، وھذا من خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

حدیث الباب میں ہے وجعل نصہ مایاں بطن کفہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگوٹھی کانگ ہاتھ کی پھیلی کی طرف رکھا کرتے تھے، یہ ابن عمر کی روایت ہے اس کے بعد ولے باب میں بھی اسی طرح آ رہا ہے اور اس میں ایک دوسری روایت ابن عباس سے بھی آ رہی ہے اس میں وجعل نصہ علی ظہرہ ہے، مرقاة المفرد میں ہے قال العلماء حدیث الباطن اصح واكثر وهو الا فضل وقال ابن رسلان يجوز ان يكون فعل ذلك في وقت لبیان الجواز، كذا في البذل۔

فائدہ: فی شرح اشعری للبخاری فی حدیث الباب کہ عن ابی سلمیۃ بن عبدالرحمن بن ابی نعیم قال سئل عن حدیث الباطن فی حدیث الباطن قال قال ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یضع یدہ علی ظہرہ وکان یضع یدہ علی بطنہ وکان یضع یدہ علی صدرہ وکان یضع یدہ علی راسہ۔

**باب ماجاء فی ترک الخاتم**

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه رأى في يدي النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خاتما من ورق يوم واحد الخ۔ یہ زہری کی وہی روایت ہے جس میں خاتم فضہ کے طرح کا ذکر ہے جس پر مفصل کلام پہلے آچکا۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی قال المنذری۔

ابن حجر اثبتہ الثالث وجزء من حیاض الخ۔

**باب ماجاء فی خاتم الذهب**

خاتم الذهب فی حق الرجال ائمة اربعة کے نزدیک حرام ہے خلافا بعض السلف، فی الا وجزء ص ۲۹۲ عن الحلبي: ورخص فيه طائفة منهم اسحاق بن راہویہ وقال مات خمسة من الصحابة خواتيمهم من ذهب، وقال رواه ابن ابی شیبہ وقال مصعب بن سعد رأيت علی طلحة وسعد وهيب خواتيم من ذهب رواه البخاری فی تاریخہ، وعن حمزة والنسائی المنذر انهما نزعاهما من ید ابی سید خاتما من ذهب حين مات وكان یدیا، رواه البخاری الی اخر ما فی الا وجزء۔

كان نبي الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يكره عشر خلال الصفرة - يعني الخلق، وتغيير الشيب، وجر الاذن والتختم بالذهب، والتبرج بالزينة لغير محلها، والضميم بالكعب، والورق الابالمعروفات وعقد التماشم، وعزل الماء



غیر۔ اور غیر۔ اور عن۔ محلہ، وفساد الصبی غیر محرمہ۔

**شرح الحدیث** | اس حدیث میں دس خصال کے بارے میں یہ ہے کہ آپ ان کو مکروہ اور ناپسند فرماتے تھے (۱) مردوں کیلئے خلوق (۲) خضاب یعنی بالسواد (۳) بجز الازار یعنی اسبال ازار (۴) تخم بالذہب (۵) عورت کا اپنی زینت ظاہر کرنا بے محل، یعنی بغیر الزوج (۶) اور ضرب بالکذاب۔ یہ ایک قسم کا کھیل ہے یوں سمجھئے کہ شطرنج کی ایک قسم ہے بارہ سیاہ، اٹھارہ سیاہ اس کو کہتے ہیں، کسی تختہ وغیرہ پر فٹانے بنا کر کھیلتے ہیں (سمعت هذا التفسیر من المفتی محمود حسن الکنکوی رحمہ اللہ تعالیٰ) (۷) اور رقی یعنی غیر اسلامی تعویذات و منتر الایہ کہ آیات قرآنیہ وغیرہ سے ہوں (۸) عقد التمامہ تعویذ گئے میں ڈالنا، اس میں بھی ایک استثنا ہے جو دوسری احادیث سے ثابت ہے تقدم فی محلہ (۹) عزل الماء لغیر محلہ منی کا ضائع کرنا بے محل یعنی وطی فی الدبر، ہذا فسرہ العلامة السندی فی حاشیۃ النسائی، وجملة الشيخ فی البذل علی العزل المعروف، الذی تقدم فی النکاح اعنی اخراج الذکر عن الفرج قبل الانزال، والظاهر هو المعنی الاول لقوله، فی غیر محلہ (۱۰) فساد الصبی، اس سے مراد وہی غیل ہے جو کتاب الطب میں گذر چکا، اس آخری خصلت کے بارے میں حدیث میں ہے غیر محرمہ یعنی اسکو آپ نے مکروہ تتر یہی قرار دیا نہ کہ تحریمی۔  
والحدیث اخرجه النسائی، قالہ المذنبی۔

## باب ماجاء فی خاتما الحدید

ان رجلا جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وعليه خاتم من شبيه فقال له مالي اجد منك ربح الا صنما منخ - خاتم حدید کی گراہت و قدم گراہت میں ائمہ کے مذاہب کتاب النکاح - باب الصداق - فالتمس ولو خاتما من حدید کے ذیل میں گذر گئے ہیں، اور وہاں حدیث الباب کا بھی حوالہ گذر چکا ہے، حنفیہ بلکہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل میں۔  
**مضمون حدیث** | ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپ نے اس سے فرمایا کیا ہوا مجھ کو کہ میں تجھ سے اصنام کی بوجھوں کر رہا ہوں اس نے اس کو فوراً پھینک دیا۔ اسلئے کہ یہ بت بسا اوقات پیتل ہی کے بنائے جاتے ہیں، پھر ایک اور شخص آیا آپ کے پاس جس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپ نے اس کو جنہیوں کا زیور قرار دیا، یعنی ان کے گلے کا طوق وغیرہ جو لوہے کا ہوگا، اس نے بھی اس کو پھینک دیا، پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں، آپ نے فرمایا: اتخذها من ورق ولا تتخذها من ثقالا، کہ چاندی کی انگوٹھی بنا اور اس کا وزن پورا ایک مثقال نہ رکھنا بلکہ اس سے کم۔

چاندی کی انگوٹھی کا وزن کتنا ہونا چاہئے | اس میں حنفیہ کا مسلک یہی ہے اور امام شافعی کی ایک روایت، اور امام احمد کے نزدیک مثقال کی قید نہیں بلکہ اس پر زیادتی جائز ہے وہی روایت عن الشافعی، اور امام مالک کے نزدیک بھی اس پر زیادتی جائز ہے، ان کے نزدیک اس کا وزن درمیں تک جائز ہے اس لیے زیادتی جائز نہیں، یہ حدیث قائم حدید کی گراہت میں ائمہ ثلاثہ و ہنم الحنفیہ کے موافق ہے اور شافعیہ کے خلاف ہے اسی لئے امام نووی

نے فرمایا ہے: والحديث الواردة في النبي ضعيف، ایک مثال تقریباً سواد رسم کے برابر ہوتا ہے (پانچ گرام عند اخصیة اور ۶-۳ عند غیرہم) والحديث اخره الترمذی والنسائی، قال المنذری۔

حدثني اياس بن الحارث بن المعيقب وجدنا من قبل امه - ابو ذباب، عن جده قال كان خاتم النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من حديد ملوى عليه نضة۔

اس سند میں وجہ من قبل امہ، جملہ معترضہ ہے، لہذا اصل سند میں ہے "حدثني اياس عن جده" یعنی اياس روایت کرتے ہیں اپنے دادا سے جن کا نام معیقب ہے، یعنی نوح بن ربیعہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا اياس نے اپنے دادا یعنی معیقب سے روایت کرتے ہوئے، اور راوی نے تبعا یہ بھی بیان کر دیا کہ اياس کے جداماں کی طرف سے یعنی نانا ان کی کنیت ابو ذباب ہے۔ حضرت معیقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی لوبے کی تھی جس پر چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا، یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں، ایسی لوبے کی انگوٹھی ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔

وكان المعيقب على خاتم النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

راوی کہتا ہے کہ یہ معیقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خاتم پر امین تھے یعنی اس کے محافظ اور نگراں۔ والحديث اخره النسائی، قال المنذری

عن علي رضي الله تعالى عنه قال قال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قل اللهم اهدني وسددني۔

واذكر بالهداية هداية الطريق واذكر بالسداد تسديدك السهم۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پڑھا کر "اللهم اهدني وسددني" اسے اللہ مجھے ہدایت عطا کرو، یعنی سیدھا راستہ دکھلا اور میری حالت درست کر دے، اور آپ نے اس کیساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللهم اهدني کتے وقت سیدھے راستہ کا تصور کیا کرو، اور "سددني" کہتے وقت تیر کو سیدھا اور درست کرنے کا خیال کیا کرو۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اس دعا کو بہت خشوع کے ساتھ معنی اور مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے پڑھا کرو، صرف یہی نہیں بلکہ سیدھے راستہ کا تصور گویا ہمارے سامنے ایک سیدھا راستہ ہے جو نظر آرہا ہے و علیٰ ہذا القیاس تسدید کے معنی کا خیال کرتے وقت تیر کو درست کرنے کا تصور کیا کرو کیونکہ نشانہ باندھتے وقت تیر کو بہت کوشش سے اس نشانہ کے موافق کیا جاتا ہے۔

تصور شیخ کے جواز کی دلیل | اس حدیث پر بذل الجہود میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے تصور شیخ کے جواز کی طرف، اسلئے کہ عند اللہ شیخ کا مرتبہ تیر اور طریق سے کم نہیں، خصوصاً معقیدین شیخ کے نزدیک اسلئے کہ تصور شیخ میں خواطر کا جمع کرنا مقصود ہوتا ہے اگرچہ جہت اسفل کی طرف ہوتا ہے

نہ پس جب ہم اور طریق کا تصور جائز ہے تو شیخ کا بطریق ادلی جائز ہوگا ۱۲ ویزایہ ازہما ان الطریق والسم بسا سلفہ بشرک کلہا شیخ قابل علی بعض الافاضل۔

اس جہت کے مقابلہ میں جس کی طرف قلب کو متوجہ کرنا چاہئے یعنی حق جل و علا شانہ، نیز تصور شیخ کے وقت اگر اس کی محبت بھی دل میں لائے اس میں بھی کچھ حرج نہیں، ہاں ضرر اس میں ہے کہ اپنے شیخ کو تصور کے وقت امر باطن میں متصرف سمجھے یا اپنے سامنے حاضر اور موجود سمجھے یا عالم بحال سمجھے، اس لئے مشائخ کا اس کے جواز میں اختلاف ہو گیا ہے، شاید یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ مجوزین کی مراد تصور کی پہلی صورت ہے اور مانعین کی مراد اس کی قسم ثانی ہے، لیکن چونکہ قسم اول میں بھی عقائد عوام کے فساد تک پہنچنے کا اندیشہ ہے اسلئے مطلقاً ہی اس سے منع کرتے ہیں، وھو الحق حسب اقتضای المقام، اور یہی قول حق ہے ان عوارض کے پیش نظر، کیونکہ بہت سے مستحب بھی عارض کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ مباح۔

جس تصور شیخ کو حضرت لکھ رہے ہیں یہ صوفیاء کے یہاں معروف ہے اس کو بعض مشائخ بعض سالکین کے لئے مراقبہ کے وقت میں تلقین اور تعلیم فرماتے ہیں، سالک کے منتشر خواطر کو مجتمع کرنے کیلئے، کیونکہ شیخ کی ذات اس کے معتقد کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے تو اس کا تصور کر کے اس کے خواطر کو مجتمع کرنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ امر محبوب کی طرف انسان کی طبیعت بہت جلد مائل ہوتی ہے اور اس کے ماسوائے معرض ہو جاتی ہے، اسلئے مشائخ بعض سالکین کے حال کے مناسب مراقبہ کے وقت تصور شیخ علا جاً بتلاتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے اس کی تائید بھی سمجھ میں آتی ہے، مگر جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا چونکہ عقائد کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے اسلئے اس میں احتیاط ضروری سمجھتے ہیں شیخ کامل جس کو بتلاتے اسی کو یہ کرنا چاہیئے از خود نہیں۔

قال ونہانی ان اضع الخاتم فی ہذہ ارفی ہذہ للسماۃ والوسطی۔

یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس بات سے کہ انگوٹھی کو پہنوں اس انگلی میں، آپ نے اشارہ سبابہ کی طرف فرمایا تھا یا وسطیٰ کی طرف یہ راوی کو یاد نہیں رہا۔  
امام نووی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع ہے خاتم کو خنصر میں پہننے پر۔

ونہانی عن القسبۃ والمیشرۃ الخ۔ قسبۃ کی تحقیق کتاب اللباس کے اوائل میں "باب ما جا فی لبس الخیر کے بعد" باب من کرھہ میں گذر چکی، میشرہ کا ذکر بھی کئی بار آچکا، آگے روایت میں ہے ابوردہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی سے پوچھا کہ قسبہ سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کپڑوں کی ایک قسم ہے جو ہمارے پاس آتے تھے شام یا مصر سے، مضلعتہ فیہا امثال الاترج، جن میں ریشم کی چوڑی چوڑی دھاریاں ہوتی ہیں اور اس میں اترج جیسے پھول بوٹے ہوتے ہیں، قال والمیشرۃ شئی الخ یعنی میشرہ وہ شئی ہے جس کو عورتیں اپنے خاوندوں کے لئے بناتی ہیں، زمین کے اوپر پھلنے کیلئے ایک خوشنما اور مزین سرخ گدی، جو کبھی ریشمی بھی ہوتی ہے۔

والحدیث اخرج البخاری قول ابی بردۃ الی آخرہ تعلیقاً، واخرج مسلم حدیث وضع الخاتم وما بعدہ فی اللباس وحدیث الدعار

فی الدعوات، قال المستدری۔

## باب ماجاء في التخم في اليمين او اليسار

مسئله الباب میں مذاہب ائمہ کی تحقیق | مسئلہ مختلف فیہ بین الأئمہ ہے، اور روایات حدیثیہ بھی مختلف ہیں کہ بئس خاتم دائیں ہاتھ میں ہونا چاہیے یا بائیں میں، حضرت امام شافعی یمن کے قائل ہیں، اور جمہور ومنہم الأئمہ الثلاثة ترجیح یسار کے قائل ہیں، اور نسخ الیمین میں ایک حدیث بھی وارد ہے جو ضعیف ہے، شافعیہ کی طرح حنفیہ کا بھی ایک قول ترجیح یمن کا ہے اسلئے کہ تخم باب ذمیت سے ہے جس کیلئے یمن اولیٰ ہے، اور ایک وجہ ترجیح یمن کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ کافی الکوکب ایضا کہ تخم بالیسار روافض وغیرہ کا شعار ہے، لیکن در مختار میں اس کے برعکس لکھا ہے یعنی یہ کہ روافض کا شعار تخم بالیمین ہے نہ بالیسار، امام ترمذی نے اس باب میں متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں سے اکثر میں یمن مذکور ہے اور یسار کی صرف ایک روایت ذکر کی وہ بھی موقفاً، کان الحسن والحسان یتختمان فی یسارهما، اور امام ترمذی نے تخم فی الیمین ہی کی روایت کو ترجیح دی ہے، کہا، ہو مسلک الشافعی، و فی ہامش البذل، وحکی القاری فی جمع الوسائل، عن مالک استجاب الیسار و کراہت الیمین، وعن الشافعیہ وجہین، اصح ان الیمینی افضل، وقال المنادوی روی الیمینی عن تسعة من الصحابة والیسار عن ثلاثة، وقال الدرریری السنۃ الیسار قال الدسوقی: لانه اخر الفعلین عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کو کب میں حضرت گنگوہی کی رائے یہ مذکور ہے کہ اس بارے میں یمن اور یسار تقریباً برابر ہیں اصالۃً، لیکن چونکہ اتحاد الخاتم فی الیسار روافض کی عادت ہے اس وجہ سے ہمارے لئے یہ مکروہ ہے، بذل میں بھی یہی ہے کہ چونکہ تخم فی الیسار روافض کا شعار ہے اسلئے ممنوع ہے۔

امام ابو داؤد نے اس باب میں شروع میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ذکر کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یتختم فی یمینہ، اور دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یتختم فی یسارہ، اس کو مصنف نے دو طریق سے ذکر کیا اولاً عبدالعزیز عن نافع، اس میں تو یہی ہے، کان یتختم فی یسارہ، اور دوسرے طریق ہے، امامت بن زید عن نافع، اس میں بجائے، فی یسارہ، کے، فی یمینہ، ہے، اسکے بعد مصنف نے پہلے طریق طریق عبدالعزیز کی تائید میں عبید اللہ عن نافع کی روایت ذکر کی کہ ابن عمر کا خود عمل تخم فی الیسار تھا، پس حاصل یہ کہ باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث علی سے تخم فی الیمین کا ثبوت اور حدیث ثانی یعنی حدیث ابن عمر سے تخم فی الیسار کا ثبوت ہوا، اس کے بعد مصنف نے ایک تیسری روایت ذکر کی بئس فی الیمین کی جس کے راوی ابن عباس ہیں لیکن اس روایت میں، وجعل فصدہ علی ظہرہا ہے جبکہ اس سے پہلے ابن عمر کی روایت میں گذر چکا، وکان فصدہ فی باطن کفہ، اور یہ ہمارے یہاں پہلے گذر چکا قال العلماء حدیث الباطن اصح لیکن ظہر کف کی ممانعت بھی کسی روایت میں وارد نہیں، فالامر اوسع لیکن الاولیٰ هو الباطن للاتباع (حاشیہ النسائی) حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خزرج الترمذی والنسائی، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خزرج الترمذی، قال المنذری۔

## باب ماجاء في الجلاجل

جلاجل جلاجل کی جمع ہے یعنی الجرس الصغير والجرس ما یعلق بعنق الدابة او برجل البازی والصبيان (حاشیہ) یعنی چھوٹی گھنٹی گھونگر اور بجنے والا زیور وهو المراد ہمتنا۔

ان عامر بن عبد اللہ بن الزبیر و خیرہ ان مولاة لهم ذهبت بابنة الزبیر الی عمر بن الخطاب و فی رجلها اجواس فقطعها عمر بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیٹے عامر کہتے ہیں کہ ہماری ایک باندی حضرت زبیر کی ایک چھوٹی بیٹی یعنی عامر کی پھوپھی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئی، جس کے پاؤں میں گھونگروں والا زیور تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا اور فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر جرس کیساتھ شیطان ہوتا ہے، مع کل جرس شیطان، یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی گزر چکی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ زیور جو بجنے والا ہو حرکت سے بچتا ہو اس میں آواز پیدا ہوتی ہو وہ جرس کے حکم میں ہے لا یجوز لبسہا للنساء والیاسہا للبنات الصغار اور جو زیور گھونگر والا نہ ہو لیکن اس میں آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہو گلابے گلابے تو وہ اس میں داخل نہیں۔ (بذل)

## باب ماجاء في ربط الاسنان بالذهب

عن عبد الرحمن بن طرفة ان جدہ عرفجة بن اسعد قطع انضہ یوم الکلاب فاتخذ انفا من وریق فانتن علیہ فامرہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاتخذ انفا من ذهب۔  
یوم الکلاب زمانہ جاہلیت کی ایک مشہور لڑائی کا نام ہے، عبد الرحمن بن طرفہ کہتے ہیں کہ میرے دادا عرفجہ کی اس لڑائی میں ناک کٹ گئی تھی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی، کچھ روز بعد اس میں بدلہ پیدا ہو گئی انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کیا تو آپ کے لہر سے انہوں نے سونے کی ناک بنوائی۔ مصنف نے اس حدیث سے ترجمہ الباب والاسنہ ربط الاسنان بالذهب بطریق قیاس کے ثابت کیا ہے جو صحیح ہے، اسلئے کہ جب مستقل عضو سونے کا بنانا جائز ہے تو دانتوں کو سونے کے تار سے باندھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اسی طرح اگر دانت ہی سونے کا بنایا جائے وہ بھی جائز ہوگا۔ (بذل)  
والحدیث اخریہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی، حسن، قال المنذری۔

## باب ماجاء في الذهب للنساء

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قدیمت علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حلیة من عند النجاشی یعنی آپ کی خدمت اقدس میں نجاشی شاہ حبشہ نے سونے کے زیورات بھیجے ان میں ایک انگوٹھی سونے کی بھی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کو کسی لکڑی سے یا اپنی انگلی سے اٹھایا کچھ بے رغبتی سے ظاہر کرتے ہوئے، اس کے بعد آپ نے ایک چھوٹی پٹی اپنی نواسی امامہ کو بلایا وہ اس کو آپ نے دیکر فرمایا: تَحَلَّى بِهَذَا يَا بِنْتِیْہ، کہ اسے پیاری تو اس کو پہن لے۔ و احادیث اخرجہ ابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من احب ان یُحَلَّقَ حَبِیْبَہ

حَلَقَہُ مِنْ نَارٍ فِلِحَلَقَہُ حَلَقَہُ مِنْ ذَہَبٍ..... وَلَکِنِّ عَلَیْکُمْ بِالْقَضِیَّةِ فَالْجَوَابِہَا۔

اس حدیث میں عورتوں کو بھی سونے کے زیورات سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ جو اپنے کسی محبوب کو آگ کا طوق پہنانا چاہے تو اس کو سونے کا زیور پہنادے، اور پھر اخیر میں آپ نے فرمایا کہ چاندی کے زیوروں کو اختیار کرو اس کا جو چاہے زیور بناؤ، دوسری روایت میں ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: یا معشر النساء! مَا لَکُنَّ فِی الْقَضِیَّةِ مَا تُحَلِّقْنَ بَہُ۔ کہ اے عورتوں کی جماعت کیا تمہارے لئے چاندی میں اس کی گنجائش نہیں کہ تم اس سے زیور بناؤ، پھر فرمایا آپ نے کہ تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے کہ جو سونے کا زیور بنوائے اور اس کو ظاہر کرے مگر یہ کہ اس کو عذاب دیا جائے گا اس کی وجہ سے تَحَلَّى ذَہَبًا تَظْہَرُہُ، اس کے بعد اسماء بنت یزید کی حدیث آرہی ہے، اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ جو عورت بھی سونے کا ہار بنا کر گلے میں پہنے گی تو اس کو آخرت میں آگ کا ہار پہنایا جائے گا۔

احادیث الباب کا جمہور کی جانب سے جواب اور توجیہ | اس باب کی احادیث عند الجمہور یا تو منسوخ ہیں اس مشہور حدیث سے جس میں سونے کے مردوں پر حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہونے کی تصریح ہے، اور یا اس کو محمول کیا جائے اس سونے کے زیور پر جس کو شہرت اور فخر کے لئے پہنا جائے جس کی طرف ان احادیث میں

سے ایک حدیث میں اشارہ بھی مذکور ہے تَظْہَرُہُ، اور یا اس سے وہ زیور مراد لیا جائے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، یا اسورۃ غلیظہ پر محمول ہے، یعنی سونے کے بہت وزنی وزنی زیورات جس کو بعض امیر گھرانوں کی عورتیں پہنتی ہیں، کیونکہ اس قسم کے وزنی زیورات منظرہ رخیلا ہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجہ ابن ماجہ، و حدیث اخت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی، و حدیث اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایضا اخرجہ النسائی۔ قال المنذری۔

عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی عن

رکوب الثمار و عن لبس الذہب الامقطعاً۔

آپ نے جلوہ نما (جلود سباع، شیر اور چیتے کی کھال) پر سوار ہونے سے منع کیا (وقد تقدم) اور سونا پہننے سے مگر جس کو کاٹا گیا ہو یعنی ذرا اور سا، کم مقدار میں۔

اس حدیث کو اگر عورتوں کے حق میں محمول کیا جائے تب تو یہ حدیث باب زہد سے ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مردوں کے حق میں ہو اس صورت میں یہ قید برائے جواز ہوگی، کیونکہ مردوں کے لئے بھی تو ضرورۃ سونے کے استعمال کا جواز ثابت ہے



کما تقدم قریبانی باب ربط الاستان بالذهب، والحديث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

## اختر کتاب الفتن

## کتاب الفتن والملاحم

اس کتاب کی ما قبل سے مناسبت غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے ایک لطیف مناسبت یہ ہو سکتی ہے کہ لباس میں پردہ پوشی پائی جاتی ہے اور اسکے بالمقابل فتن میں پردہ درمی ہوتی ہے آپس کا اختلاف اور دوسروں کی عیب جوئی و بے عزتی فہما ضدان، اور صدیق کا آپس میں ربط ظاہر ہے اسلئے کہ وہ وجود ذہنی کے اعتبار سے متلازم ہوتی ہیں، اور چاہے یہ کہہ لیجئے کہ خود بعض لباس ایسے ہوتے ہیں جو موجب فتنہ ہوتے ہیں جیسے مستورات کا لباس فاخرہ میں گھر سے باہر نکلنا، و نحو ذلک اذا نكحت بعد الوتوع۔

الفتن جمع فتنہ کمن ومحنة لفظاً ومعناً، وبمعنى الاختيار والاستحسان والفضلال، والملاحم، واذابة الذهب والفضة، واطلاق شي مال والاولاد، انما امواکم واولادکم فتنۃ، الآية۔ وبمعنى اختلاف الارار۔

والملاحم جمع لمحمة، وهي بمعنى الحركة وموضع الحرب یعنی میدان جنگ، او الوقعة العظيمة یعنی بڑی قسم کی لڑائی۔

اس کتاب کے مقدمہ میں یہ مضمون گزرا ہے کہ علم حدیث کے مضامین ابواب ثمانیہ میں منحصر ہیں۔

علم حدیث کے ابواب ثمانیہ | عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، رقائق، مناقب، آداب، فتن، اور یہ کہ حضرات محدثین نے ان ابواب ثمانیہ میں سے ہر مضمون پر الگ الگ مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں، اور پھر ہر ایک کی کچھ مثالیں بھی لکھی گئی ہیں وہاں یہ گزرا ہے کہ احادیث الفتن کا نام علم الفتن رکھا جاتا ہے اس میں بھی متعدد تصنیفات ہیں، ایک طویل اور قدیم تصنیف اس میں نعیم بن حماد کی ہے اور اشراط الساعة یعنی علامات قیامت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی علم الفتن میں شمار ہونگی جیسے الاشراط لاشراط الساعة، سید شریف محمد البرزنجی کی، اور الاذاعة، نواب صدیق حسن بھوپالی کی، اور شاہ رفیع الدین صاحب کی کتاب "علامات قیامت" کے نام سے اردو میں اہ اسی طرح حافظ ابن کثیر کی تاریخ کی بڑی جامع مانع معروف، مشہور کتاب، "البدایہ والنہایہ" بدایہ میں تو تاریخ عالم مذکور ہے جو گیارہ جلدوں میں ہے اور نہایہ جسکی دو جلدیں ہیں ان میں ہی فتن ملاحم اور علامات قیامت کے مضامین ہیں۔

اختلاف نسخ کا بیان | اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہاں پر کتاب کے نسخے مختلف ہیں، ہمارے نسخہ میں تو اسی طرح ہے جو اوپر لکھا،

اور اکثر نسخوں میں یہاں پر صرف کتاب الفتن، مذکور ہے اور کتاب الفتن کے ختم ہونے کے بعد جو آٹھ دس صفحات میں ہے ان نسخوں میں، اول کتاب المہدی آرہا ہے اور پھر اس کا پہلا باب، باب الملاحم، ہے اور ہمارے موجودہ نسخہ میں کتاب الفتن کے ختم پر آخر کتاب الفتن، باب الملاحم، آرہا ہے، اور اسی میں ایک باب، باب فی ذکر المہدی ہے جس میں امام مہدی سے متعلق چند روایتیں ہیں اور اس کے بعد پھر اول کتاب الملاحم شروع ہو رہا ہے، ہمارے اس موجودہ نسخہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر صرف کتاب الفتن ہو کیونکہ کتاب الملاحم آگے مستقل آرہی ہے۔

کتاب الفتن کی احادیث میں یہ چیز قابل تحقیق ہوتی ہے کہ یہ کس فتنہ کی طرف اشارہ ہے، اس کا مصداق کیا ہے آیا وہ گذر چکا یا آئندہ آئے گا چنانچہ شرح اس پر کلام اور رائے ذنی فرماتے ہیں بذل الجہود میں حضرت سہارنپوری نے بھی بعض فتن کی تعیین اپنی رائے اور قیاس سے فرمائی ہے۔

نیز کتاب الفتن کی احادیث سے یہ استفاد ہوتا ہے کہ قیامت تک پیش آنے والے فتن میں جتنے بڑے بڑے فتنے ہیں ان سب کا علم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا لیکن ان فتن کے وقوع کا زمانہ اور تاریخ متعین طور پر اس کا علم آپ کو بھی نہ تھا چنانچہ بہت سی احادیث میں آتا ہے کہ آپ نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ جب یہ بات پیش آئے گی تو تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا، تم اس وقت کیا کرو گے، صحابہ نے عرض کیا کہ جو آپ فرماویں ویسا کریں گے، لیکن اس صحابی کے زمانہ حیات میں وہ بات اور فتنہ پیش نہیں آیا، اس کی نظیریں کتاب میں موجود ہیں جو سامنے آجائیں گی۔

«الاشاعة لا شرط الساعة» جس کا ذکر اوپر آیا ہے جو اس موضوع پر ایک جامع تصنیف ہے جس کی حضرت شیخ بھی تعریف فرماتے تھے اور آپ کے زیر مطالعہ بھی رہتی تھی، اپنی بعض تصانیف میں حضرت نے اسکے حوالے بھی دیئے ہیں، حضرت شیخ کے اس پر اہم حواشی اور تعلیقات بھی ہیں جن کے بارے میں حضرت کی خواہش تھی کہ وہ طبع ہو جائیں تو بہتر ہے۔ عزیز گرامی قدر مولانا حبیب اللہ مظاہری سلمہ نے اس کتاب کو مع ان حواشی کے چند سال قبل طبع کر دیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، اس مطبوعہ کتاب کے اخیر میں اس کتاب کا مکملہ اور ذیلی جو حضرت شیخ کے حواشی ہی کا ایک حصہ ہے وہ «ذیل الاشاعة فی الفتن الباقیہ» کے نام سے موجود مطبوعہ نسخہ میں شامل کر دیا گیا ہے جس میں حضرت شیخ نے بعض فتن کی تعیین میں جو محدثین کی مختلف آراء ہیں خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی، حجۃ اللہ البالغہ، وغیرہ کتب میں ان کو اشارۃ بطور حوالہ کے ذکر فرمایا ہے۔

عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام نبینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قائماً فمات ترک بشیئاً یكون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعة الاحدثہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ قد علمہ اصحابی ہولاء وانہ لیکون منہ الشئی فاذکرہ کما یدکر الرجل وجہ الرجل اذا غاب عنہ ثم اذا رآہ عرفہ۔

حضرت امام بخاری نے کتاب الفتن کی ابتداء اس باب سے کی ہے، باب ما جار فی قول اللہ تعالیٰ «واتقوا فتنہ» لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ، وما کان البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یحذر من الفتن، اور اسکے بعد پھر وہ حدیث الحوض ذکر فرمائی ہے جس میں یہ ہے۔ لیردن علی اقوم لیرقم ویعرفونی ثم یحال بینی وینم فاقول ای رب اصحابی، فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔ اور امام نے کتاب الفتن و اشراط الساعة میں سب سے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے، ان البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استیقظ من لومہ وهو یقول لا الہ الا اللہ ذیل للعرب من شرق قد اترت، فتح الیوم من ردم یا جوج وما جوج مثل ہذہ، الحدیث، اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الفتن کے شروع میں یوم الدار والی حدیث ذکر فرمائی ہے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

گھر کا جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا تو انہوں نے مکان کی چھت پر چڑھ کر بلوائیوں کی طرف رخ کر کے ان کو سمجھانے کے لئے چند حدیثیں سنائی تھیں۔

### مضمون حدیث

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الفتن کے شروع میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں مشہور ہے صاحب سیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ان کی یہ مذکورہ بالا حدیث ذکر کی ہے جس میں کلی طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک پیش آنے والے فتن کو تفصیلاً بیان فرمایا تھا، ان کا حوالہ ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو جتنے قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور فتن تھے ان کو آپ نے اس خطبہ میں بیان فرمادیا، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بعض کو وہ فتنے یاد ہیں اور بعض ان کو بھول گئے۔ پھر وہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ساری باتیں مستحضر تو مجھ کو بھی نہیں اور میں ان کو بھولا بھی نہیں خزانہ حفظ میں محفوظ ہیں، جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز پیش آتی ہے تو مجھے بھی وہ یاد آجاتی ہے (کہ ہاں آپ نے ایک بات یہ بھی فرمائی تھی) جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو پہچانتا ہو اور پھر وہ متعارف شخص کہیں چلا جائے، غائب ہو جائے اور اس کی صورت شکل آدمی کے ذہن سے نکل بھی جائے لیکن پھر جب ایک مدت کے بعد وہ اس کو دیکھتا ہے تو پہچان جاتا ہے کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے مصنف نے اس حدیث کو اسکے بعد دوسرے طریق سے بھی ذکر کیا ہے، اور اس میں یہ زیادتی ہے۔ ما ترک رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قامہ فتنہ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من معہ ثلاث مائتہ فصاعدا الا قد سماہ لنا باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلۃ یعنی قیامت تک جتنی تحریکیں پائی جائیں گی تو ان تمام تحریکوں کے قائدین کے نام ان کے باپ اور قبیلہ کا نام بشرطیکہ اس قائد کے ساتھ چلنے والوں کی تعداد کم سے کم تین سو نفر ہو، آپ نے ہم سب کے سامنے وہ بیان فرمادیا ہے، واللہ ما ادری انسی اصحابی ام تناسوا، یعنی اللہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے ساتھی ان قائدین کے نام بھول گئے فی الواقع یا کسی مصلحت سے اپنا نسیان ظاہر کرتے ہیں، یعنی اظہار میں فتنہ سمجھ کر، والحدیث الخزرجی البخاری وسلم، قال المنذری

عن عامر عن رجل عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال تكون فی هذه الامة اربع فتن فی اخرها الفناء۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت میں چار فتنے پائے جائیں گے، ان میں سے اسوی فتنہ پر دنیا فنا ہو جائے گی، یعنی بڑے سے فتنے چار ہوں گے، اور فنا سے مراد یا تو دنیا کی فنا ہے یا امت اجابت کی فنا کہ ان کے بعد کوئی مسلم باقی نہ رہے گا۔ (بذل)

سمعت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یقول کنا نعود عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مذکر الفتن فاکثر فی ذکر حاجتی ذکر فتنۃ الاحلاس فقال قاتل یا رسول اللہ وما فتنۃ الاحلاس؟ قال هرب وخرب بشر فتنۃ السراود فتنۃ من تحت قدمی رجل من اهل بیتي یزعم انہ منی ولیس منی وانما اولیائی المتقون

ثم يصططح الناس على رجل كورك على ضلع ثم فتنة الدهيماء لا تدع احدا من هذه الامة الا لطمته لطمه فاذا قيل انقضت تمادت، يصبح الرجل فيها مومنا ويمسي كافر اذ حتى يصير الناس الى فسطاطين. فسطاط

ايمان لانفاق فيه، وفسطاط نفاق لا ايمان فيه فاذا كان ذلك فانتظروا الدجال من يومه او من عمده۔

یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جس میں بڑے بڑے تین فتنے شمار کرائے گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اس مجلس میں فتنے کا ذکر کیا، بہت سے فتنے آپ نے ذکر فرمائے یہاں تک کہ آپ نے ان فتنوں کا بھی ذکر کیا۔ (جن کو آگے راوی بیان کر رہا ہے) فتنۃ الاحلاس، ایک سائل نے سوال کیا یا رسول اللہ فتنۃ الاحلاس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بھانگ دوڑ اور لوٹ مار، حرب اور حرب دونوں کو فتنتین کیساتھ ضبط کیا گیا ہے، حرب یعنی بعض کا بعض سے جھاگنا عداوت کی وجہ سے، اور حرب یعنی ناحق دوسرے کا مال اور اولاد قبضہ لینا۔

**فتنۃ الاحلاس کا مصداق** | آپ نے فتنۃ الاحلاس کی یہ تفسیر فرمائی، احلاس جلس کی جمع ہے وہ بوری یا ٹاٹ جو قالین وغیرہ کے نیچے نہ مین پر بچھا ہوا ہوتا ہے جو مدت تک بچھا رہتا ہے، اوپر والی چادر تو بدلتی

رہتی ہے، اس میں گویا اشارہ ہے اس فتنہ کے طویل اور مدید ہونے کی طرف، اسکے بارے میں حضرت نے بذیل میں لکھا ہے: والذی اظن انہما فتنۃ حدثت فی آخر خلافة عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ثارت بین المسلمین حتی تمادت و بقیۃ الی زمن خلافة معاویۃ رضی اللہ عنہ و اتفان الناس علیہ بعد صلح الامام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یعنی اس سے غالباً مقتل سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتنہ مراد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخر خلافت میں حوشر انگیزوں نے شرکھڑا کیا مھر کے بلائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض انتظامات پر اعتراضات یہاں تک کہ ان کے خلاف مجاذ قائم کر لیا، اور ان لوگوں نے مدینہ منورہ میں ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ ان کے قتل اور شہادت کی نوبت آگئی، اور پھر اس پر مرتب ہونے والے دوسرے فتنے جنگ جمل اور صفین، یہاں تک کہ حضرت حسن کی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ صلح پر مسئلہ طے ہو کر سکون ہوا۔

اسکے بعد دوسرا فتنہ جو اس حدیث میں مذکور ہے اس کو فتنۃ السراء سے تعبیر کیا گیا ہے، علامہ سنذی فرماتے ہیں السراء النعماء، ای فتنۃ سببها سرور الناس بکثرة النعم، اولانہا تسر الاعداء لوقوع الخلل فی المسلمین، یعنی وہ فتنہ جس کا سبب وقوع کثرت نوحات اور مال و دولت کی کثرت، اور لوگوں کا سرور اور عیش کی زندگی میں مست ہونا، اور یا اس کو سرا سئلے کہا گیا کہ مسلمانوں میں خلل اور نقص واقع ہونے کی وجہ سے ان کے اعداء کے سرور کا سبب ہوگا۔

دخنها یعنی اس فتنہ کی ابتداء اور اشتعال ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا جس کو دعویٰ ہوگا اہل بیت سے ہونے کا حالانکہ حقیقت وہ مجھ سے نہ ہوگا، یعنی اپنے کردار اور احوال کے اعتبار سے گونسا مجھ سے ہو، کیونکہ میرے گھرانے اور میرے دوست تو دراصل وہ لوگ ہوں گے جو متقی ہوں، پھر اس شخص کے دور میں لوگ (اس کو ہٹا کر)

صلح کر لیں گے ایک نااہل پر جس کی نااہلی کو آپ نے اس تشبیہ سے سمجھایا۔ گورکب علیٰ صنلج۔ یعنی جیسے سرین کو رکھ دیا جائے (یعنی وزنی شئی کو) پسلی کی ہڈی پر، ظاہر ہے کہ جب پسلی کو کھڑا کر کے اس پر کوئی وزنی شئی رکھی جائیگی تو اس سے اس کا تحمل نہ ہوگا اور وہ لچکتی رہے گی۔

اب یہ کہ اس سے کس خاص فتنہ کی طرف اشارہ ہے؟ اس کے بارے میں حضرت سہارنپوری کی رائے جس کو حضرت نے بذل الجہودہ میں تحریر فرمایا ہے یہ ہے کہ اس شریف حسین کا فتنہ مراد ہے جو رمضان ۱۳۲۲ھ میں مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا، یعنی جس زمانہ میں حجاز میں ترکوں کی حکومت

فتنۃ السراہ کے بارے میں  
حضرت سہارنپوری کی رائے

تھی تو اس وقت مکہ مکرمہ کا امیر شریف حسین تھا اس کے ساتھ انگریزوں نے ساز باز کر لی لاکھوں اشرفیاں رشوت کی اس کو دیکر ترکوں کے خلاف اس کو بغاوت پر آمادہ کر لیا، چنانچہ اس نے بدوں کو لایچ دیکر ترکی فوج جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھی ان کو ان بدوں کے ذریعہ مروا ڈالا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے حکومت کرنے لگا اور اپنے آپ کو ملک الحجاز کہنے لگا، اس کی یہ حکومت تقریباً دس سال تک رہی اور اسکے دور میں ہدامنی چلتی رہی، پھر اس کے بعد حسین کے بیٹے علی پر مصلحت ہو گئی لیکن اس سے نظام حکومت چل نہ سکا،

شری مصطلح الناس علی ریحل کوریک علی صنلج، اس پر صادق آیا (بذل) اس وقت میں جب یہ فتنہ شروع ہوا حضرت سہارنپوری حجازی میں تشریف فرما تھے، تذکرۃ التحلیل میں لکھا ہے کہ حضرت سہارنپوری نے مترم شریف پر تین دعائیں کی تھیں ایک یہ کہ یہاں حجاز میں امن قائم ہو جائے، دوسری یہ کہ میری یہ تصنیف بذل الجہودہ پوری ہو جائے، تیسری یہ کہ مجھے مدینہ پاک کی مٹی نصیب ہو جائے یعنی وہاں کی وفات، چنانچہ بذل الجہودہ کی مدینہ منورہ میں تکبیل بھی ہوئی اور حضرت ہی کی حیات میں حجاز میں امن بھی قائم ہو گیا، حضرت فرماتے تھے کہ تیسری دعا کے قبول ہونے کی اللہ تعالیٰ سے توقع ہے، چنانچہ حضرت کی تیسری دعا بھی بحمد اللہ تعالیٰ مقبول ہوئی اور مدینہ پاک میں وفات پا کر یقین میں قبہ اہل بیت کے بالکل قریب چند قدموں کے فاصلہ پر مدفون ہوئے، پھر اس کے بعد حدیث میں تیسرا فتنہ، فتنۃ الدھیار، کے نام سے مذکور ہے دھیار تصغیر ہے دھار کی بمعنی السوار یعنی سیاہ تاریک فتنہ، اور تصغیر اس میں تعظیم کیلئے ہے اور کہا گیا ہے کہ مذمت کیلئے ہے، جس کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں۔ لاتذع احدنا من ہذا الامۃ کہ یہ فتنہ اس

امت کے افراد میں سے کسی فرد کو نہ چھوڑے گا بغیر طمانچہ مارے، یعنی ہر شخص اسکے ضرر سے متاثر ہوگا، اس فتنہ کے دوران بعض لوگوں میں کسی قدر سکون دیکھ کر بعض کہنے والے کہیں گے انقصت کہ بس اب تو ختم ہو گیا لیکن پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوگا، اور یہی سلسلہ چلتا رہے گا، لوگوں کے احوال میں بہت سرعت کے ساتھ انقلاب ہوتا رہے گا، صبح کو اگر ایک شخص مسلمان ہے اور ایمان کی حالت میں اس نے صبح کہہ ہے تو وہی شخص تمام کفر سے گا اس حال میں کہ کافر ہو چکا ہوگا، مومن ہونے سے مراد اپنے مسلمان بھائی کے ناحق قتل کو حرام سمجھنا ہے، اور کفر سے مراد اس کے قتل کو حلال سمجھنا ہے، لوگوں کے احوال میں اختلاف اور تغیر پیدا ہوتے ہوتے یہ صورت پیش آجائے گی کہ لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک فرقہ ایمان والوں کا خالص بغیر نفاق کے، اور ایک فرقہ خالص نفاق کا جس میں ایمان کا شائبہ نہ ہوگا اس کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ جب احوال یہاں تک



ہینچ جائیں تو پھر اسی دن یا اس سے اگلے دن خروج دجال کا انتظار کرنا چاہیے۔

**فتنۃ الدھیماہ کا مصداق** | اس فتنۃ الدھیماہ کے بارے میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ نے اس فتنۃ کو جنگیز خان کے فتنے پر محمول کیا ہے، جنگیز خان کا فتنہ تاریخ میں بہت مشہور ہے،

تاریخ کی طرف رجوع کیا جائے اور حضرت مہارنپوری نے بذل میں اس فتنے کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ فتنہ ظہور مہدی سے کچھ پہلے پایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے نزول تک چلتا رہے گا لہذا یعنی پھر وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام جن کے ساتھ امام مہدی بھی شامل ہوں گے دجال کا تعاقب کریں گے یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالیں گے، حضرت نے جو تحریر فرمایا ہے اس فتنے کے وقوع کے بارے میں کہ وہ اخیر زمانہ میں ہوگا اس کی طرف اس حدیث کے اس لفظ سے اشارہ مل رہا ہے۔  
"فَاذَا كَانَ ذَلِكَ فَانظُرُوا الدَّجَالَ مِنْ يَمِينِهِ اوْ مِنْ غَدِهِ"

**جنگیز خان کا فتنہ** | تاریخ کی ایک کتاب سے ہم تھوڑا سا نقل کرتے ہیں: محمد خوارزم شاہ کے زمانہ میں منگولیا سے چین تک ایک شخص جنگیز خان

۱۲۱۳ء تا ۱۲۲۷ء نے ایک زبردست حکومت قائم کر لی تھی اور چین بھی فتح کر لیا تھا، یہ منگولوں کی حکومت تھی جو منگولیا کے رہنے والے تھے، یہ منگولوں کا فر پڑے وحشی اجڈ اور خونخوار تھے جنگیز خان اچھے اچھے کپڑوں کا شوقین تھا اور یہ کپڑے چونکہ اسلامی دنیا میں بنتے تھے اس لئے اس نے ایک مرتبہ کچھ تاجروں کو خوارزم بھیجا، محمد خوارزم شاہ نے ان کو جاسوس کچھ کر قتل کر لیا، اس پر جنگیز خان کو بڑا غصہ آیا بات تھی بھی غصہ کی تاجروں کو بغیر کسی گناہ کے قتل کر دینا کوئی انصاف کی بات نہیں جنگیز خان نے اس کا جواب طلب کیا لیکن خوارزم شاہ نے اس کے قاصد کو بھی قتل کر دیا، بس اب کیا تھا جنگیز خان وحشی منگولوں کی زبردست فوج لیکر چڑھ آیا اور خوارزم شاہ کی سلطنت پر حملہ کر دیا، اس طرح خوارزم شاہ کی وجہ سے اسلامی دنیا کو بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا خوارزم شاہ ایسا ظلم کرتا تو وحشی منگول حملہ نہ کرتے، اس کی ذرا سی غلطی سے لاکھوں انسانوں کو نقصان پہنچا لیکن سب سے بری بات یہ ہوئی کہ محمد خوارزم شاہ نے جنگیز خان سے چھوڑ تو شروع کر دی لیکن اس نے جب حملہ کیا تو ایک جگہ بھی میدان جنگ میں آکر اس کا مقابلہ نہیں کیا وہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ کہیں بھی مقابلہ نہیں کیا، جنگیز شہر، شہر فتح کرتا جاتا اور وہ آگے بھاگتا جاتا تھا، یہاں تک کہ بحر خضر کے ایک جزیرہ آہسکوں میں جا کر پناہ لی، اور وہیں ۶۱۷ھ ۱۲۱۹ء میں انتقال کیا، محمد خوارزم کے بعد اس کے لڑکے جلال الدین خوارزم شاہ نے جو بڑا بہادر تھا مقابلہ کرنے کی کوشش کی وہ کئی سال تک منگولوں سے لڑتا رہا لیکن کامیاب وہ بھی نہ ہو سکا، منگولوں کا یہ حملہ بہت بڑی تباہی لایا، سمرقند، بخارا، خوارزم بلخ، نیشاپور سے غرض اسلامی دنیا کے وہ تمام شہر جو وسط ایشیا اور ایران میں تھے انہوں نے برباد کر دیئے، لوگوں کا قتل عام کیا شہروں میں آگ لگادی، شہروں کی عمارتیں جلادیں اور دیکھتے دیکھتے اسلامی دنیا کا ایک بڑا حصہ ویران اور خاکستر کر دیا، مسجدیں، کتب خانے اور مدرسے سب برباد کر دیئے گئے، بخارا اور سمرقند جنگی آبادی کا اندازہ دس لاکھ تک کیا جاتا ہے بالکل تباہ کر دیئے گئے، خوارزم میں قتل عام کے بعد منگولوں نے دریائے جیون کا بند توڑ دیا جس سے پورا شہر پانی میں ڈوب گیا، جنگیز خان خوارزم شاہ کی سلطنت کو تباہ کر کے اور رے، ہمدان اور آذربائیجان تک تمام شہروں کو تباہ کر کے منگولیا واپس چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا، لیکن پچاس سال بعد اسکے پوتے ہلاکو خان نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اس نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے پورا شہر تباہ کر دیا (ملت اسلامیہ کی ترقی تاریخ ج ۱ ص ۱۲۷)



عن سبيع بن خالد قال أتيت الكوفة في زمن فتحت تسترا جلب منها بغالا. فدخلت المسجد فاذا صدع من الرجال وإذا رجل جالس تعرف إذا رأيت أنه من رجال اهل الحجاز قال قلت من هذا؟ فتجهمني القوم وقالوا ما تعرف هذا؟ هذا حذيفة بن اليمان صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم.

سبيع بن خالد شكري سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جس زمانہ میں شہر تستر فتح ہوا کوفہ میں آیا وہاں سے خجروں کو لپکانے کیلئے تستر معرب ہے شوتر کا خوزستان کا ایک بڑا شہر ہے خلافت فاروقی میں فتح ہوا جس کے فاتح ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی ایک مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا، اور ان کے بیچ میں ایک شخص بیٹھا تھا جن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اہل حجاز میں سے ہے، میں نے اس مجلس میں پہنچ کر یہ سوال کر لیا کہ یہ کون صاحب ہیں یعنی جن کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہیں، لوگوں نے میری طرف تر جھی نگاہوں سے دیکھ کر کہا تم ان کو نہیں پہچانتے ہو، یہ حذیفہ بن الیمان صحابی رسول ہیں۔

فقال حذيفة ان الناس كانوا يسألون رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن الخير وكنت اسأله عن الشرفا حدثه القوم بابصارهم فقال اني قد اري الذي تتكرونا.

مضمون حدیث اور طویل حدیث کی شرح

سبيع کہتے ہیں کہ میں بھی اس مجلس میں شریک ہو گیا (حضرت حذیفہ کی باتیں سننے کے لئے تو اس میں نے ان سے یہ سنا کہ) دوسرے حضرات تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خیر اور امور خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میری عادت یہ تھی کہ میں آپ سے شرکی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، یعنی پیش آنے والے متن کے بارے میں، حضرت حذیفہ کے اس جملہ پر سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگ گئیں بطور تعجب کے اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے کچھ تعجب محسوس کر رہا ہوں (تعجب کرو یا کچھ بھی کرو، میرا حال تو یہی تھا اور پھر اسی نوع کی حدیث سنانے لگے)

انی قلت يا رسول الله! أرايت هذا الخير الذي اعطانا الله تعالى ليكون بعدة شر كما كان قبله؟ قال نعم  
کہ ایک مرتبہ میں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ بتلائیے تو سہی کہ یہ خیر اور بھلائی امن و عافیت وغیرہ جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا کی ہے، کیا اس کے بعد پھر شر ہوگا جس طرح اس سے پہلے تھا، یعنی فسق و فجور اور فتنہ و فساد، تو آپ نے فرمایا ہاں ہوگا  
قلت فما العصمة من ذلك؟ قال السيف، قلت يا رسول الله! ثم ماذا يكون؟ قال ان كان لله تعالى خليفة  
فی الارض فضرب ظهرك واخذ مالك فأطعته والاقمت وافت اعاض لجدل شجرة، میں نے دریافت کیا کہ پھر اس فتنہ سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تلوار، یعنی قتال بالسيف اور جہاد، میں نے پھر آپ سے سوال کیا یا رسول اللہ پھر کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ دو صورتیں ہیں اگر اس وقت میں کوئی مسلمانوں کا خلیفہ پایا جاتا ہو تو تم اسکی اطاعت کرتے ہوئے شہر کی زندگی اختیار کرتے رہو چاہے وہ خلیفہ تم پر کتنا ہی ظلم اور زیادتی کرے اور اگر اس کے علاوہ دوسری حالت ہو

یعنی دنیا میں مسلمانوں کا کوئی ظلیفہ نہ رہے اور مسلسل فتنے پائے جا رہے ہوں تو تم اس حال میں زندگی گزار دو کہ شہر کی سکونت ترک کر کے جنگل میں کسی درخت کی جڑ کو مضبوطی سے پکڑ کر وہاں ٹھہراؤ، یعنی بجائے فتنے میں شرکت کے شہر کی سکونت ہی چھوڑ دی جائے جہاں فتنے ہو رہے ہیں، اور عزت نشینی اختیار کر کے صحرا کی سکونت اختیار کر لو اور مرتے دم تک وہیں رہو۔

قلت شم ماذا، قال شم يخرج الدجال معه نهر و نار فمن وقع في نار لا وجب اجرة و حط زرعا، ومن وقع في نهره و وجب زرعه و حط اجرة -

میں نے پوچھا پھر کیا ہوگا آپ نے فرمایا کہ پھر دجال نکل آئے گا جس کے ساتھ دو نہریں ہوں گی ایک پانی کی اور ایک آگ کی، یعنی پانی کی نہر اور آگ کی خندق، پس جو اس کی آگ میں گرنے کو اختیار کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ثابت ہو جائے گا اور گناہ معاف ہو جائیگا اور جو اس کے پانی کی نہر کو اختیار کرے گا تو اس کا گناہ ثابت ہو جائیگا اور نیکیاں سب برباد ہو جائیں گی، یعنی دجال کا جب خروج ہوگا تو چونکہ وہ اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور پھر اس کو عجیب عجیب خرق عادت امور دکھلا کر لوگوں کے سامنے ثابت کرے گا، اور ان کے سامنے یہ بات رکھے گا کہ جو شخص میری الوہیت کو مانے گا تو اس کے لئے تو پانی کی نہر ہے اور جو نہیں تسلیم کریگا میری خدائی کو تو اس کے لئے یہ آگ کی خندق ہے جس میں اس کو جھونک دوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم اس کی آگ کو اختیار کر لینا اسلئے کہ جس کو وہ (یعنی دجال اور دوسرے لوگ بھی) آگ سمجھ رہا ہے وہ آگ نہیں بلکہ پانی ہے جس کو وہ پانی سمجھ رہا ہے پانی نہیں بلکہ آگ ہے، فاما الذي يري الناس انها النار فماء بارد و اما الذي يري الناس انه ماء بارد فنار تحرق، فمن ادرك منك فليقع في الذي يري انها نار فانه عذب بارد اور ایک روایت میں ہے فقال حذيفة لا ناس مع الدجال اعلم منه الا - یعنی دجال کے ساتھ جو چیزیں ہیں حضرت حذیفہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی حقیقت جتنی میں جانتا ہوں اتنی خود وہ بھی نہیں جانتا۔

قال قلت شم ماذا، قال شره في قيام الساعة - یعنی خروج دجال اور اس کا کام تمام ہونے کے بعد جو نزول عیسیٰ سے ہوگا، پھر قیامت آجائیگی، اشراط الساعة کی احادیث آگے مستقل آرہی ہیں۔ اس حدیث میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں حضرت حذیفہ نے آپ سے آئندہ پیش آنے والے حالات کے بارے میں مسلسل سوال کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مسلسل جواب ارشاد فرماتے رہے اور اس کثرت سوال سے ذرا بھی آپ چین بچھیں نہیں ہوئے بلکہ آپ ان کو جواب با صواب سے مطمئن فرماتے ہی رہے، یقیناً یہ چیز بغیر کمال شفقت و ہمدردی کے نہیں ہو سکتی، آپ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں انما انا لكم بمنزلة الوالد اعلمكم دينكم، حق تعالیٰ شانہ ہمیں آپ کا حق پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ جزى الله سيدنا و مولانا محمدا عبدا بما هو اهل -

عن خالد بن خالد اليشكري بهذا الحديث -

یہ حدیث مذکور کا دوسرا طریق ہے پہلی سند میں ابو عوانہ عن قتادہ تھا، اور اس میں معمر عن قتادہ ہے اور یہ خالد بن خالد وہی سمیع بن خالد ہیں جو پہلی سند میں گذرے نصر بن عاصم کے استاد، اسلئے کہ کتب رجال (تقریب وغیرہ) میں ہے کہ

سبع بن خالد کو خالد بن خالد بھی کہا جاتا ہے۔

قال قلت بعدد السيف؛ قال: بقية على اقتداء، وهدنة على دخن۔

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ سیف کے بعد کیا ہوگا؟ تو آپ نے یہ جواب مذکور ارشاد فرمایا اور پہلی روایت میں تھا کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ سیف کے بعد کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا تھا: ان كان للشر تعالى خليفة في الارض الخ۔ اور اس جملہ کا مطلب جو یہاں پر مذکور ہے یہ ہے کہ سیف کے بعد دنیا میں کچھ خیر باقی رہے گی مگر وہ خالص نہ ہوگی خس و خاشاک کے ساتھ ہوگی، یعنی مکدر اور غیر خالص۔

الاقتدار هو جمع قذی وهو ما يقع في العين والشراب من خبار۔

رہدنة على دخن، یعنی کچھ باقی رہ جائے گی۔ دخن یعنی ضغن، کینہ، یعنی ظاہر میں صلح صفائی سی ہوگی لیکن اندرون میں

کینہ ہوگا۔ قال وكان قتادة يضعه على الردة التي في زمن ابى بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یضعہ کی ضمیر اس شرکی طرف راجع ہے جو پہلی حدیث میں مذکور تھا اس قول میں کہ آیت ہذا الخیر الذی اعطانا اللہ تعالیٰ ایكون بعداۃ شر، راوی کہتا ہے کہ ہمارے استاد قتادہ اس شر کو محمول کرتے تھے اس فستہ ردة پر جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیش آیا تھا جس کا علاج آپ نے سیف ارشاد فرمایا تھا اچنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر سیف ہی کو استعمال فرمایا، مگر اس میں یہ اشکال ہوگا کہ حدیث میں یہ ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ سیف کے بعد کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا کچھ تھوڑی سی خیر باقی رہ جائے گی وہ بھی غیر خالص، دھندلی سی، حالانکہ خلفاء راشدین کا زمانہ خصوصاً حضرات شیخین کا وہ تو خالص خیر کا زمانہ تھا، اسکے دو جواب ہو سکتے ہیں: الاول ان يقال ان هذا بالنسبة الى زمن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، یعنی تھی تو خالص خیر ہی لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے اعتبار سے ایسی تھی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ما نفضنا ایدینا حتی انكرنا قلوبنا، کہ ابھی تک ہم نے آپ کو دفن کر کے مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پایا، اور یا یہ تاویل کی جائے کہ بعد کو بعدیت فصلیہ پر محمول کیا جائے نہ کہ متصلہ پر، یعنی فوراً بعد مراد نہیں ہے بلکہ کچھ آگے چل کر۔

شرح حدیث میں حضرت گنگوہی کی رائے گرامی | لیکن حضرت گنگوہی کی رائے قتادہ کی رائے کے مقابلہ میں یہ ہے

کہ اس شر کو بجائے ردة پر محمول کرنے کے قتل عثمان پر محمول کیا جائے

اور اس صورت میں سیف سے مراد قاتلین عثمان کے ساتھ قتال مراد لیا جائے۔ حضرت سہارنپوری نے بھی بذل میں اس رائے کی تائید فرمائی ہے، بقول: قذی راوی کہہ رہا ہے کہ اقتداء جو اوپر مذکور ہے بقیة على اقتداء میں یہ قذی کی جمع ہے، اور قذی کہتے ہیں

لہ جس کو اختیار نہیں کیا گیا حالانکہ حل اس کا وہی تھا اس حدیث کی روشنی میں، ما شاء اللہ کان والہم یشاء لم یکن ۛ

اسی تنگہ وغیرہ کو جو آنکھ میں گر جاتا ہے۔

وهدنة: یقول: صلح، یعنی ہرنے کے معنی صلح کے ہیں، علی دخن علی ضفائن یعنی دخن کے معنی ضفینہ کے ہیں یعنی کینہ، جس کی جمع ضفائن آتی ہے۔

قال ایتنا الیشکری فی رھط من بنی لیث یریشکری وہی ہیں جو اوپر آئے یعنی خالد بن خالد۔

قال قلت یا رسول اللہ هل بعد هذا الخیر شر؟ قال فتنہ عمیاء صماء علیہا دعاة علی ابواب النار

اس طریق میں یہ زیادتی ہے کہ بقیۃ علی ما قذآء وهدنة علی دخن کے بعد صحابی نے سوال کیا کہ اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں یہ فرمایا فتنہ عمیاء۔ الی آخرہ یعنی ایسا فتنہ جو اندھا اور بہرہ ہوگا، فتنہ کی صفت عمیاء اور صمما اشارہ ہے اس کی شدت اور ظلمت کی طرف، کہ وہ فتنہ ایسا ہوگا کہ انسان کو حق نظر نہیں آئے گا کہ وہ کس میں ہے، اور اس فتنہ میں پڑنے والے بالکل بہرے ہوں گے نصیحت اور کلمہ الحق کو نہیں سنیں گے۔

علیہا دعاة کا مطلب یہ ہے کہ اس فتنہ کو جو قائم کرنے والے ہوں گے وہ اور دل کو بھی دعوت دیں گے اس میں شرکت کی، حالانکہ وہ دعوت دینے والے جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے، یعنی باعتبار انجام کے، یعنی لوگوں کو ایسی چیز کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے جو ان کو جہنم کی طرف لیجانے والی ہوگی۔

اس کے بعد آپ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کہ اسے حذیفہ یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں آدمی کا عزت اور گوشہ نشینی کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا بہ نسبت اسکے کہ فتنہ میں شرکت کرنے والوں میں سے کسی ایک گروہ کا اتباع کیا جائے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری

وقال فی اخره: قال قلت فما یكون بعد ذلك؟ قال لو ان رجلاً نتج فرساً لم تتنج حتی تقوم الساعة۔

حدیث حذیفہ کے اس طریق میں ایک اور زیادتی ہے جو پہلے طرق میں نہ تھی وہ یہ کہ انہوں نے پوچھا کہ پھر اسکے بعد کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت قیامت اتنی قریب آچکی ہوگی کہ اگر کوئی شخص اپنی گھوڑی کو بچہ جنوانے کے لئے کھڑا ہوگا تو نہیں جنوا اسکے کا کہ قیامت آجائے گی۔

یہ مثال کے طور پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت قیامت اتنی قریب ہو چکی ہوگی کہ جو شخص جس کلم میں بھی لگا ہوا ہوگا وہ اسکو پورا نہیں کر سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: من بايع اماماً

فاعطاه صفقة بیده وشرقة قلبه فليطعه ما استطاع، فان جاء اخره ينازعه فاضر يوارقبة الاخر۔

یعنی آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی امام سے بیعت کر لی، آگے بیعت کا مفہوم مذکور ہے کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور اپنے قلب کا ثمرہ اس کو دیا یعنی اخلاص کے ساتھ اس سے بیعت کی تو اب اس کو چاہیے کہ حتی المقدور اس امام کی اطاعت کرے (فی غیر معصیۃ اللہ تعالیٰ) پس اگر اس حال میں کوئی دوسرا شخص آکر خلافت کے بارے میں اس امام اول سے جھگڑنے لگے تو اسکی

گردن مار دو، عبد الرحمن بن عبد کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا یہ حدیث تم نے واقعی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ حدیث آپ سے سنی (اور مزید برآں) میرے قلب نے اس کو محفوظ بھی رکھا، عبد الرحمن کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ تمہارے چچا زاد بھائی معاویہ ہیں اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ ہم یہ کریں اور وہ کریں، یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ منازعت اور مقاتلہ، حالانکہ علی مصداق ہیں من بائع اماما کے اور معاویہ مصداق ہیں فان جاء اخرينازعہ کے۔  
نہوچہ تو آل ایسا سنگین تھا کہ جس کا جواب بھی مشکل ہے کہ دونوں طرف صحابی ہیں، مگر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بڑے ہوشیار تھے، تو انہوں نے کوئی فیصلہ والی بات نہیں فرمائی بلکہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا اطعہ فی طاعة اللہ و اعصہ فی معصية اللہ، جس کا حاصل یہ ہے کہ معاویہ ہوں یا کوئی اور اصولی بات یہ ہے کہ حق بات میں کسی حکم کرنے والے کے حکم کی اطاعت کرنی ہے اور معصیت اور ناحق امر میں عدم اطاعت۔

**مشاجرات صحابہ پر حضرت گنگوہی کی تقریر** | یہاں پر بڑا اچھوڑ میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے بعض مشاجرات صحابہ جیسے حضرت علی و معاویہ کے درمیان اور اسی طرح عبداللہ بن زبیر اور زبیر کے

کے درمیان، نیز حضرت حسین کے طرز عمل پر ایک مختصر اور جامع بیان ہے جس میں ان اختلافات کے اسباب و مناشی پر خلاصہ کے طور پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کا مطالعہ ان مشاجرات سے واقفیت حاصل کرنے والے کیلئے نہایت مفید ہے۔

والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ مطولاً بمعناہ، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ویل للعرب من شرک قد اقترب الفلح من کف یدہ۔ خزالی اور خسار ہے عرب کیلئے اس شر اور فتنہ کی وجہ سے جو قریب ہی آیا ہے، وہ شخص کامیاب ہوگا جو اپنے آپ کو ایسے شرکت سے روکے گا۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یا تو اس حدیث میں اشارہ ہے قتل عثمان کی طرف اور جو کچھ اسکے بعد پیش آیا حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان، یا اس سے مراد قضیہ زبیر ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔  
الشرط الاول من الحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی من حدیث زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطولاً، منذری مختصراً۔

قال ابوداؤد حدثت عن ابن وہب.... یروشک المسلمون ان یحاصروا الی المدینۃ حتی یکون بعد مساحتهم سلاح. یہ مستقل حدیث ہے جو آگے باب العقل من الفتنۃ میں آ رہی ہے اور اسی مقام کے مناسب بھی ہے اسکی تشریح اسی جگہ کی جائیگی۔

عن ثویان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالیٰ زوی لی الارض ارسال۔ ان و بی زوی لی الارض ذاریت مشارقہا ومغاربہا وان ملک امتی سیبغ ما زوی لی منها، واعطیت الکوزین الاحمر والابيض۔

**شرح الحدیث** | حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے تمام روئے زمین کو لپیٹ کر میرے سامنے کر دیا چنانچہ میں نے اسکے مشارق اور مغارب سب کو دیکھ لیا۔



پہننے سے مراد۔ اگر اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے، محترم کر دینا ہے، جیسے کسی بڑی عمارت کا نقشہ چھوٹے سے کاغذ پر بنا دیا جاتا ہے اور یا اس سے مراد خلقِ ادراک ہے یعنی اس کا علم عطا فرمایا گیا، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ میری امت کی حکومت اور سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک یہ زمین میرے سامنے کی گئی ہے، امت سے مراد امتِ اجابت ہی ہے یعنی مسلمان، اور ملک سے مراد یا تو حکومت ہے اور یا آبادی اور مسلمانوں کا پھیلنا، اور حکومت کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ہی وقت میں پوری زمین پر حکومت ہو جائے بلکہ متفرق اوقات میں قیامت تک، اور مجھ کو دو خزانے عطا کئے گئے سرخ اور سفید، یعنی مقدر کر دیے گئے میری امت کیلئے جو عنقریب ان کو حاصل ہونگے، سرخ اور سفید سے اشارہ یا تو فارس و روم کی طرف ہے اور یا شام اور فارس کی طرف ہے، چنانچہ مظاہر حق ص ۲۵ میں ہے: یعنی سونے اور چاندی کے، یعنی ایک تو کسری کا خزانہ جو بادشاہ ہے فارس کا کہ وہاں سونا بہت ہے اور ایک تیسرا خزانہ جو بادشاہ ہے روم کا وہاں چاندی بہت ہے، اور اشعۃ اللمعات میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مراد احمر سے ملک شام ہے اسلئے کہ وہاں کے لوگوں کے رنگ سرخ ہوتے ہیں، اور ابیض سے مراد ملک فارس ہے کیونکہ وہاں کے لوگوں کے رنگ سفید ہوتے ہیں، اور لکھا ہے کہ پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں، نیز ان دونوں کتابوں میں ملک کی تفسیر بادشاہی سے کی ہے، پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے: فرمایا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیشک اللہ تعالیٰ نے سمیٹی میرے لئے زمین، یعنی اس کو سمیٹ کر مثل ہتھیلی کے کر دکھایا پس دیکھائیں نے اسکے مشرق اور مغربوں کو، یعنی تمام زمین دیکھی، اور بیشک میری امت قریب ہے کہ پہنچے اس کی بادشاہی اس مسافت کو کہ اکٹھی کی گئی میرے لئے زمین سے، یعنی مشرق اور مغرب میں بادشاہ ہوویں اور نصرت کریں اور دیکھئے گئے میرے لئے دو خزانے سرخ اور سفید، اور بیشک میں نے مانگا اپنے رب سے اپنی امت کے لئے کہ نہ ہلاک کرے امت کو ساتھ قحط عام کے، یعنی ایسا قحط نہ ہو کہ ساری امت کو ہلاک کر دے، اور یہ کہ نہ مسلط کرے ان پر دشمن سوائے مسلمانوں کے، یعنی کافر پس مباح جانے اور لیسے جگہ ان کے جمع ہونے کی اور سلطنت کی یعنی ایسا نہ ہو کہ دشمن جگہ ان کے بود و باش کی لے لے، اور سب کو ہلاک کر ڈالے یعنی ان کی جمعیت اور اکثریت کو ختم کر دے اور بیشک فرمایا میرے رب نے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تحقیق جب حکم کروں میں کسی امر کا پس بلاشبہ وہ نہیں پھرتا، اور تحقیق میں نے دیا تمہ کو یعنی عہد اپنا تیری امت کے لئے، یعنی امتِ اجابت کیلئے یہ کہ نہ ہلاک کروں گا میں ان کو ساتھ قحط عام کے اور یہ کہ نہ مسلط کروں گا میں ان پر کوئی دشمن سوائے مسلمانوں کے پس مباح کرے وہ جگہ ان کے بود و باش کی اگرچہ جمع ہوویں ان پر وہ لوگ کہ زمین کی تمام طرفوں میں ہیں، یعنی اگرچہ کافر سارے جہان کے جمع ہوں ان سے لڑنے کیلئے، یہاں تک ہوویں تیری امت میں سے بعضے کہ ہلاک کریں بعضوں کو اور قسید کریں بعضے بعضوں کو، یعنی کافروں کو ان سب پر غلبہ اور تسلط

مے پس حاصل یہ کہ جن شراخ نے احمر و ابیض کے سونا چاندی مراد لیا، انہوں نے احمر کا مصداق فارس کو اور ابیض کا مصداق روم کو قرار دیا، اور جنہوں نے احمر و ابیض سے وہاں کے باشندوں کا رنگ مراد لیا انہوں نے احمر کا مصداق ملک شام کو اور ابیض کا مصداق فارس کو قرار دیا۔



نہ ہوگا اور سارا ملک اسلام نہ لے سکیں گے، لیکن تیری امت آپس میں لڑائی کرے اور بعضے بعضوں کو ہلاک اور قید کریں، اسی طرح  
فضلے ربی اور تقدیر الہی مقرر ہوگئی، ہرگز تغیر اور تبدیل نہ پاوے۔ (مظاہر حق)

وانما اخاف علی امتی الاثمۃ المضلین

اور جزا میں نیست کہ مجھے زیادہ خطرہ اور اندیشہ اپنی امت کے بارے میں ان پیشواؤں  
کے ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے، یعنی بدعت چلانے والے اور اہل بدعت  
کے سرگروہ جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرے کو بھی گمراہ کریں گے دین کے نام پر۔

وإذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنها الی یوم القیامۃ، اور جب میری امت میں ایک بار تلوار چل پڑے گی یعنی مسلمانوں  
کی آپس کی خانہ جنگی تو پھر اس کا سلسلہ قیامت تک ختم نہ ہوگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک آپس کی لڑائی کا سلسلہ  
شروع نہیں ہوا، اس کے بعد سے ناگوار آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے اور مقتل سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکا اچھی طرح ظہور ہوا

ولا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحق تعبد قبائل من امتی الاوثان۔

اور نہیں قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ شامل ہو جائیں گے بہت سے قبائل میری امت کے مشرکین کے ساتھ یا تو اس سے  
اشارہ اس ردہ کی طرف ہے جو خلافت صدیقی میں پائی گئی اور یا جو ممالک مغرب میں سے انڈس میں ہوا کہ جب وہاں نصاریٰ  
کا غلبہ مکمل ہو گیا تو بہت سے مسلمان وہاں سے ہجرت کر گئے اور بہت سے جو وہاں رہ گئے ان کو جبراً نصرانی بنا دیا گیا، اور یہاں  
تک کہ میری امت کے بعض قبائل بتوں کی عبادت کریں، بتوں کی عبادت سے یا تو اشارہ قبر پرستی کی طرف ہے جو بہت مدین  
کرتے ہیں اور یا یہ اشارہ ہے اس حقیقی بت پرستی کی طرف جو آخر زمانہ میں واقع ہوگی جس کی طرف ایک دوسری حدیث میں  
آپ نے اشارہ فرمایا: لا تقوم الساعة حتی تضرب الیات نساہر دوس علی ذی الخلفۃ رواہ البخاری و مسلم، یعنی قیامت قائم نہیں  
ہونے کی جب تک قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرین حرکت نہیں کریں گے ذوالخلفہ پر ذوالخلفہ ایک مشہور بت کہہ کا نام ہے، اور  
اضطراب سرین سے مراد ان عورتوں کے اس بت کے ارد گرد پھرنا اور طواف کرنا مراد ہے، یعنی جب تک دوبارہ بت پرستی شروع  
نہ ہو جائے گی (بذل بتصرف) ذوالخلفہ کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الجہاد باب فی بعثۃ البشائر میں گذر چکا۔

وانہ یكون فی امتی کذا یون ثلاثون کلہم یزعم انہ نبی واما خاتم النبیین لانی بعدی

اور تحقیق کہ میری امت میں تیس جھوٹے پائے جائیں گے جو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں

لہ تاریخ اسلام کا یہ بہت بڑا المیہ ہوا کہ جہاں تقریباً مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی مگر آپس کے اختلاف کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا آہستہ آہستہ مسلمانوں  
کا مکمل اجلاہ ہو گیا، جہاں بڑے بڑے ائمہ ابن حزم، ابن عبدالبر، ابوالوید الباجی، قاضی عیاض وغیر ہم پیدا ہوئے اور منارہ علوم کو روشن رکھا، اور بڑے بڑے شہر  
قرطبہ، اشبیلیہ، سبثہ، لیلہ وغیرہ علوم و فنون سے زیادہ کئے وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، ما عدا اللہ تعالیٰ بالسلامۃ والعاذۃ الی اللہ۔ حبیب اللہ۔

میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، ترمذی میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قریب میں ثلاثین کا لفظ ہے۔

**لعین قادیان غلام احمد** | حضرت نے بدل میں لکھا ہے کہ اس زمانہ تک بہت سے ان میں سے ظاہر بھی ہو چکے ہیں، جیسا کہ موجودہ زمانہ میں غلام احمد قادیانی کا ظہور ہوا ہے فواجی پنجاب میں شہر قادیان میں جو امرتسر کے مضافات سے ہے قادیان مہدی، وانہ المسیح وانکر نزول المسیح، وادعی ان عیسیٰ بن مریم علیہ السلام توفی وقبرہ فی کشمیر۔ آگے حضرت فرماتے ہیں کہ اور شاید بعض ان تیس میں سے ابھی باقی ہیں، اور اگر تیس پر ان کا عدد زائد بھی ہو جائے تو اس حدیث کے خلاف نہ ہوگا لان مفہوم العدد لایعبر، و فی ہامش الترمذی عن اللغات، والدجال الاکبر قاصح عن هذا العدد لانه یذی الا لاهیة، و بہ فارق الدجالین

ولا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاہرین لایضوہر من خالفہم حتی یاتی امر اللہ تعالیٰ۔

حدیث پاک کا یہ آخری ٹکڑا کتاب الجہاد باب دوام الجہاد میں گذر چکا، اسکی شرح وہاں دیکھی جائے۔

والحدیث اخرہ مسلم والترمذی مختصر آدابہ ماجہ بتامہ، قال المنذری۔

عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ

اجازکم من ثلاث خلال، ان لا یدعو علیکم نبیکم فتہلکوا جمیعاً، وان لا یظہر اهل الباطل علی اهل الحق وان لا تجمعو علی ضلالة۔

**مضمون حدیث** | حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یعنی امت محمدیہ کو تین چیزوں سے محفوظ کر رکھا ہے ایک یہ کہ تمہارا نبی تمہارے لئے ایسی بددعا نہیں کرے گا جس سے تم سب

لہ اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصف خاص آپ کا خاتم النبیین ہونا مذکور ہے جو عقائد اسلامیہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے جس پر اعتقاد و یقین کے بغیر آدمی کا اسلام قطعاً غیر معتبر ہے جو نص قطعی (قرآن کریم) اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے جس کے لئے کسی مستقل تصنیف کی ہرگز حاجت نہ تھی، لیکن بعض بددین جاہل و گمراہ لوگوں کی اصلاح کیلئے اس مسئلہ پر علماء حق کو مستقل تالیفات کی ضرورت اور مناظروں کی نوبت آئی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہذب القرآن میں مسئلہ آیت کریمہ ما کان محمد اباً احد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مسخوت ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لیکر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اسلئے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کیلئے بڑا زور لگایا ہے سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرینکی کوشش کی ہے اسلئے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب ختم نبوت لکھی ہے جس میں ایک سو آیات اور دوسو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار سلف و خلف سے اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے اور قادیانی دجل کے مشہد کا مفصل جواب دیا ہے اے

تباہ ہو جاؤ۔ (مخلاف گذشتہ بعض امتوں کے جو اپنے ظنیان اور سرکشی کی وجہ سے اور اپنے نبی کی بددعا کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں) دوسری چیز یہ کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اہل باطل اہل حق پر غالب آجائیں، یعنی بالعموم تمام اہل حق پر اور کسی خاص موقع پر اہل باطل بعض اہل حق پر غالب آجائیں اس کی نفی نہیں ہے، اور تیسرے یہ کہ تم لوگ سارے کے سارے منکالت پر متفق نہ ہو گے۔ یہ منکالت عام ہے علی الظاہر، خواہ من حیث العقیدہ ہو یا من حیث المسائل الفرعیہ چنانچہ یہ مشہور ہے کہ یہ حدیث اجماع امت کے حجت شرعیہ ہونی کی دلیل ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: تدور ریحی الاسلام

بخمس وثلاثین اوست وثلاثین اوسبح وثلاثین فان يهدكوا فسبيل من هلك وان يقيم لهم دينهم يقيم لهم سبعين -

### شرح الحدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی چکی گھومتی رہے گی اب سے پینتیس سال تک یا چھتیس سال تک یا سینتیس سال تک دورانِ ریحی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ یا تو یہ کہ اسلام کی چکی صحیح صحیح چلتی رہے گی یعنی اس کا نظام ٹھیک ٹھیک قائم رہے گا، ایک معنی تو یہ ہوتے ہیں یعنی قیام الاسلام علی حسن النظام، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ریحی سے مراد لیا جلتے ریحی الحرب، یعنی اسلام میں لڑائی کی چکی کا چلنا، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کا قیام حسن نظام کیساتھ پینتیس سال تک باقی رہے گا، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں لڑائی کی چکی چلنے کا سلسلہ پینتیس سال بعد شروع ہوگا، یعنی پہلی صورت میں بقا مراد ہوگی اور دوسری صورت میں ابتداء، جو سنین اس حدیث میں مذکور ہیں ان سے مراد سنین نبوت بھی ہو سکتا ہے اور سنین ہجرت بھی، اگر سنہ ہجری مراد لیا جائے تو ۲۵ء کے اندر مقتل عثمان ہے یعنی ان کی شہادت کا واقعہ اور نبوت کا سال مراد ہونے کی صورت میں ۳۵ء نبوی میں خلافت عمر کا الفضل ہے ۲۵ء نبوی تقریباً مطابق ہے ۲۳ء کے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی، لہذا کہہ سکتے ہیں پہلے مطلب کے اعتبار سے کہ وہ خلافت عمری تک نمایاں طریق سے پایا گیا، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ ۲۵ء سے اسلام میں جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا کیونکہ مقتل عثمان ۲۵ء میں ہے، تیسرا قول اس حدیث کی شرح میں یہ بھی ہے کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا الخلفاء بعدی ثلاثون سنۃ کہ خلافت راشدہ اور خلافت علی مہناج النبوة میرے بعد تیس سال تک قائم رہے گی، یہ تیس سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے اختتام تک پورے ہو جاتے ہیں کیونکہ حضرت علی کی شہادت ہے سنہ ۴۰ء میں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہے سنہ ۱۰ء کے بعد گیارہویں کے شروع میں اور چونکہ آپ نے بعدی فرمایا تھا تو اسلئے ان تیس سال کی ابتداء سنہ ۱۰ء سے ہوگی، مجموعہ دس اور تیس کا چالیس ہو گیا، جس میں حضرت علی کی وفات ہے۔

آگے حدیث میں دوسنہ اور مذکور ہیں چھتیس اور سینتیس چنانچہ ۳۶ء میں جنگ جمل ہے اور ۳۷ء میں جنگ صفین پیش آئی۔ اسکے بعد آپ فرما رہے ہیں فان يهدكوا، کہ اس مدت مذکورہ کے دو احتمال ہیں یا تو لوگوں کا دین قائم رہتا ہے یا قائم نہیں رہتا

اگر دین قائم نہیں رہتا جس کو حدیث میں ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے، فسبیلہم سبیل من هلك کہ ان بعد کے لوگوں کا انجام وہی ہوگا جو گذشتہ ہلاکت ہونے والوں یعنی کفار کا ہوا، اور اگر دین باقی رہتا ہے تو ستر سال سے ناند باقی نہیں رہے گا۔ قلت امما بقی اور ماماضی؛ قال ماماضی، عبداللہ بن مسعود راوی حدیث نے آپ سے پوچھا کہ یہ ستر سال مذکورہ بالا پینتیس سال کے علاوہ ہوں گے یا مع ان کے؛ آپ نے فرمایا: ان کے علاوہ نہیں، مع ان کے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ شروع میں جو آپ نے پینتیس سال حسن نظام کے بیان فرمائے تھے اس پر صرف پینتیس کا اور اضافہ فرمایا، پینتیس کا دو گنا ستر ہوتا ہے۔

یہ مطلب فان يهلكوا فسبیل من هلك، کا وہ ہے جس کو علم شرح نے اختیار کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ان حضرات شرح نے ہلاکت کو ہلاکت معنویہ یعنی دین کی تباہی و بربادی پر محمول کیا ہے اسلئے من هلك، کا مصداق شرح نے گذشتہ کفار کو قرار دیا ہے، اور حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس ہلاکت کو ہلاکت حسیہ پر محمول کیا ہے یعنی فناء اور موت یعنی اگر پینتیس یا ستر سال گذرنے پر سب لوگ ختم ہو گئے تو پھر ان کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جو ان سے پہلے وفات پا چکے، یعنی کبریا صحابہ۔

ان اباہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یتقارب الزمان وینقص العلم

وتظہر الفتن ویلحق الشح ویكثر الهرج، قیل یا رسول اللہ! ایہ ہو؟ قال: القتل القتل۔

**شرح الحدیث** | آپ نے فرمایا کہ زمانہ قریب ہوتا چلا جائے گا۔ اس کے تین بلکہ چار مطلب مشہور ہیں، قیامت کا قرب مراد ہے کہ روز بروز قیامت کا قرب بڑھتا جائے گا، اہل زمانہ کا بعض کا بعض سے قریب ہونا شر اور فتنہ میں کہ سبھی تقریباً یکساں ہو جائیں گے، عمروں کا کم ہو جانا، قصر اعمار اہل الزمان، ایام و لیالی کی مدت کا قریب ہونا یعنی زمانہ کی بے برکتی جیسا کہ روایت میں آتا ہے: حتی تكون السنۃ کا لشہر والشہر کا جمعۃ والجمعۃ کا لیوم والیوم کا ساعۃ۔ اور علم کم ہوتا چلا جائیگا اہل علم کے دنیا سے رخصت ہونے کی وجہ سے، اور فتنے بکثرت ظاہر ہوں گے اور شدت بخل کی خصلت لوگوں کے اندر ڈال دی جائے گی، اور ہرج کی کثرت ہو جائے گی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہرج کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل۔ والحدیث اخرجہ البخاری وسلم، قالہ المنذری۔

## باب النهی عن السعی فی الفتنة

فتنہ کا اطلاق اس جھگڑے اور فساد پر ہوتا ہے جو مسلمانوں میں آپس میں پایا جائے دو مختلف جماعتوں میں، اور سعی سے مراد ہے اس میں شرکت، یعنی کسی ایک فریق کا ساتھ دینا۔

یہ اہم مسئلہ ہے اور علماء کے درمیان اختلافی ہے، امام نووی نے اس میں اہل علم کے تین مسلک لکھے ہیں (۱) عدم التعرض مطلقاً یعنی قطعاً اس میں حصہ نہ لینا، یہ مسلک ہے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا جیسے حضرت ابوبکرہ اور بعض دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

(۲) جواز المدافعة یعنی مدافعت تک حصہ لینے کی گنجائش ہے یعنی فریقین میں سے کوئی سا ایک گروہ ہم پر چڑھائی کرے تو صرف اس کا دفعہ کر سکتے ہیں، یہ مسلک ہے حضرت ابن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہما کا (۳) نصرۃ اہل الحق یعنی اولاً اسکی تحقیق اور جستجو کی جائے کہ فریقین میں سے اقرب الی الحق کون ہے پھر اسکے مطالبی جس کو حق پر سمجھے اس کا تعاون کیا جائے، جمہور صحابہ تابعین اور اکثر اہل علم کا مسلک یہی ہے، لقولہ تعالیٰ وان طائفان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدہما علی الاخری فقاتلوا الی تبغی حتی تقی الی امر اللہ

یہاں جمہور کے اس مسلک پر اب ایک اشکال ہو گا وہ یہ کہ حدیث میں دخول فی الفتنہ پر ایک نازک اشکال اور اس کا حل وعید آئی ہے اور یہ کہ ان قتلاہا فی النار (قتیل فتنہ جہنمی ہے) وہی روایت۔ القاتل والمقتول فی النار، کما سیأتی فی ہذا الکتاب، اس کا جواب یہ ہے جس کو حضرت نے بدل میں حضرت اقدس گستاخ کی تقریر سے نقل فرمایا ہے، وکتب مولانا محمد بھی المرحوم من تقریر شیخ: قوله قتلاہا ای الفتنہ، کلہم فی النار، وقد عرفت ان الفتنہ فتنہ مالم تعلم ای الحق من الباطل، فمن قتل فیہا من غیر ان یقصد احقاق الحق کان کذلک، واما من قتل فی تائید الحق، او قتل ظلم لا یرید قتل احد فلیس هو قاتل فتنہ، فاعتمد فتنہ غریب، یعنی فتنہ اس وقت تک فتنہ ہے جب تک تحقیق نہ ہو سکے کہ اس مسئلہ میں حق کیا ہے اور غیر حق کیا ہے، تو ایسی صورت میں جو شخص حصہ لے گا اس فتنہ میں حالانکہ اس کا مقصد احقاق حق نہیں تھا اور پھر وہ شخص اس میں مارا گیا تو یہ شخص قاتیل فتنہ کہلایگا اور یہ وعید اس پر صادق آئے گی، اور جس شخص نے حق و باطل میں تمیز و تحقیق کرنے کے بعد اس فتنہ میں تائید حق کی نیت سے حصہ لیا اور شرکت کی اور مارا گیا تو یہ شخص قاتیل فتنہ نہیں ہے لہذا وعید میں بھی داخل نہ ہوگا، اھ پس جن صحابہ کرام نے ان مشاجرات میں حصہ لیا وہ تحقیق حق کے بعد ہی لیا جس کے نزدیک جو خود پر تھا اس نے اسی کا ساتھ دیا حق کی حمایت اور اس کی تائید میں۔ واللہ الباہدی وہو الملہم للصدق والصواب۔

حدثنی مسلم بن ابی بکرۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہا ستکون فتنۃ

یکون المصنطجع فیہا خیراً من العجالس والجالس خیراً من القائم والقائم خیراً من الماشی، والماشی خیراً من الساعی۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فتنے ائمہ پائے مضمون حدیث جائینگے تو اس فتنہ کے زمانہ میں بیٹے والا بہتر ہوگا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے، اور وہ بہتر ہوگا

ماشی سے، اور ماشی یعنی پیدل چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، غرضیکہ جو جتنا فتنہ سے بعید تر ہوگا وہ اپنے مقابل سے بہتر ہوگا، یہ حدیث سننے کے بعد حضرت ابو بکرہ نے عرض کیا کہ فتنہ کے زمانہ میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اونٹوں والا اپنے اونٹوں میں جا کر لگ جائے اور بکریوں والا اپنی بکریوں میں لگ جائے اور زمین والا اپنی کھیتی اور زمین میں جا کر مشغول ہو جائے انہوں نے عرض کیا کہ جس شخص کے لئے ان میں سے کوئی چیز نہ ہو وہ کیا کرے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ اپنی تلوار کو لے کر اس کی دھار کو کسی پتھر پر مار دے (جس سے وہ کند ہو جائے) اور پھر اسکے بعد بھاگے لڑائی سے جتنا بھاگ سکتا ہو۔



اس حدیث کے راوی وہی ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا مسلک اور عدم التعرض مطلقاً گذرا ہے۔  
والحدیث اثرہ مسلم، واخرہ البخاری و مسلم من حدیث ابن المسیب والی سلمۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنحو، قال المنذری۔

انہ سمع سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی هذا الحدیث قال قلت  
یا رسول اللہ! ارایت ان دخل علی بیتی و یسط یدہ علی عاتق الخ۔

یہ جملہ جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے قلت یا رسول اللہ الخ حدیث سابق یعنی حدیث ابو بکرہ میں  
نہیں ہے، فی هذا الحدیث کا مطلب یہی ہے کہ جو مضمون حدیث سابق یعنی حدیث ابو بکرہ میں مذکور ہے وہی مضمون حضرت  
سعد بن ابی وقاص کی حدیث میں بھی ہے اور اس میں مزید برآں یہ بھی ہے کہ یہی حدیث کے بعض طرق کی زیادتی بیان کی جاتی ہے  
اور کبھی ایسا ہوتا ہے جس طرح یہاں ہے کہ ایک مستقل حدیث میں گذشتہ حدیث کا حوالہ دیکر اس دوسری حدیث میں جو زیادتی  
ہے اس کو بیان کرتے ہیں،

اس جملہ زائدہ کا مضمون یہ ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بتلائیے تو سہی کہ اگر وہ مفسد اور بلوائی میرے گھر پر چڑھائے  
اور مجھ کو قتل کرنے کیلئے ہاتھ بڑھائے، تو آپ نے فرمایا: کن کا بن ادم اور ایک نسخہ میں کن کخی را بنی آدم، کہ آدم علیہ السلام کے  
دو بیٹوں میں سے جو بھلا تھا اس جیسا ہو جاؤ یعنی ہابیل کی طرح کہ جب اسکا اسکے بھائی قابیل نے ناحق قتل کرنے کا ارادہ کیا  
تو اس نے مدافعت بھی نہیں کی بلکہ اسکے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول - فذکر بعض حدیث

الی بکرۃ قال قتلاھا کلہم فی النار قال فیہ۔ قلت متی ذالک یا ابن مسعود؟ قال: تلک ایام الهرج حیث لا یامن الرجل  
جلیسہ، قلت فما تا مونی ان ادر کئی ذلک الزمان؟ قال تکف لسانک و یدک، و تکون حلساً من احلاس بیتک۔

**شرح حدیث** | قتلاھا کی ضمیر فتنہ کی طرف راجع ہے یعنی فتنہ کے تمام مقتولین نار میں ہوں گے، و ابصر کہتے ہیں کہ میں  
نے پوچھا ابن مسعود سے کہ یہ حالت کب پیش آئے گی تو انہوں نے فرمایا کہ ایام ہرج میں جب کہ لوگوں کا  
حال یہ ہوگا کہ آدمی کو اپنے پاس بیٹھنے والے پر بھی اطمینان نہ ہوگا، میں نے پوچھا کہ اگر یہ زمانہ میں پاؤں تو آپ مجھ کو کیا ہدایت  
فرماتے ہیں اسکے بارے میں، انہوں نے فرمایا کہ اپنی زبان اور ہاتھ کو روک کر رکھو اور اپنے گھر کے بوریوں میں سے ایک بوری میں جا  
یعنی گھر سے باہر مت نکل، فلما قتل عثمان طارق قلبی مطارہ، یعنی جب سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حادثہ عظمیٰ  
پیش آیا تو میرا قلب اپنے مطار میں اڑنے لگا، یعنی مختلف خیالات ذہن میں آتے تھے، کبھی کچھ، کبھی کچھ، کہ آیا میں بھی ان واقعات  
میں شریک ہو جاؤں اور اس لڑائی میں حصہ لوں، یا نہ لوں، لیکن ابی مسعود کی حدیث بھی ذہن میں تھی جو شرکت سے مانع تھی پھر جب خرم  
نے بھی وہی حدیث سنائی تو اسی جہت کو تقویت ہوئی (کہ لانی البذل عن الجمع زیادہ) حضرت سہا زوری فرماتے ہیں ممکن یہ مطلب ہو کہ اس حادثہ عظمیٰ  
کی وجہ سے رقبہ بے چین و بے تاب اور آزان ہو گیا، جیسے کہتے ہیں یہ بات سنکر میرا دل دھکے ہو گیا، اس صورت میں مطار مصدر ہوگا۔



فرکت حتی اتیت دمشق فلقیت خریم بن فاتک۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وابعہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں سوار ہو کر دمشق آیا وہاں حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے وہ حدیث بیان کی جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی تھی، تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے بھی یہ حدیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی جس طرح کہ یہ حدیث بیان کی تھی مجھ سے یعنی وابعہ سے۔ ابن مسعود نے۔

ان بین یدی الساعة فتنا لقطع الليل المظلم یصبح الرجل فیها مومنا ویسی کافرا  
یعنی قیامت سے پہلے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح نیتے آئیں گے۔

فکسروا قسیکم وقطعوا اوتادکم مواضیہ یواسیوفکم بالحجارة فان دخل علی احد منکم فلیکن کخیرا بنی آدم، یعنی فتن کے زمانہ میں اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو، اور ان کے تانت الگ کر دو، اپنی تلواروں کو پتھروں پر مار کر کند کر دو، پس اگر تم میں سے کسی کے گھر پر چڑھائی کر دی جائے تو وہ ہابیل کی طرح ہو جائے، اس حدیث میں یصبح ویسی سے خاص صبح اور شام ہی کا وقت مراد نہیں ہے بلکہ مطلق زمان اور سرعت انقلاب، جیسے کہتے ہیں ذرا سی دیر میں کچھ اور ذرا سی دیر میں کچھ، والحدیث الخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المبتذری۔

عن عبدالرحمن قال کنت احدثا بید ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ فی طریق من طرق المدینة اذا ف علی رأس منصوب فقال شقی قاتل هذا، فلما مضی قال وما اری هذا الا قد شقی۔

عبدالرحمن بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ کے راستوں میں سے ایک راستہ پر جا رہا تھا کہ اچانک ان کا گدڑ ایک لٹکے ہوئے سر پر ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ اس مقتول کا قاتل نامراد ہوا، پھر تھوڑا سا آگے چل کر کہنے لگے کہ اس مقتول کے بارے میں بھی میری یہی رائے ہے، اسلئے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص میرے کسی امی کو قتل کرنے کیلئے چلے تو اس امی کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس طرح کر لے، یعنی اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر لے (اگر اس نے ایسا ہی کیا ہماری ہدایت کے مطابق) تو پھر قاتل جہنم میں اور مقتول جنت میں جائیگا۔

اس کلام کی مقابل شوق مقدر ہے جو خود مقام سے سمجھ میں آرہی ہے، یعنی اگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ اس کا مقابلہ کیا تو پھر دونوں جہنم میں جائینگے۔  
تنبیہ: علی رأس منصوب پر بعض شراح نے کہا ہے: لعلہ رأس ابن الزبیر، حضرت نے بذل میں اس کی تردید فرمائی ہے اسلئے کہ قتل ابن الزبیر کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا نہ کہ مدینہ میں، اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مراد یہ ہے کہ وہ راستہ جو مدینہ کو جا رہا ہے کیونکہ یہاں پر روایت میں، فی طریق من طرق المدینہ، ہے نہ کہ، فی طریق المدینہ، (من البذل) نیز روایت میں دونوں کے بارے میں شقاوت کا حکم لگا یا گیا ہے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر صادق نہیں آتا۔

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا ابا ذر! قلت لیک یا رسول اللہ

وسعدیک۔ فذکر الحدیث۔ قال فیہ: کیف انت اذا اصاب الناس موت یكون البیت خبیہ بالوصیف الخ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت کہ جب اتنی کثرت سے اموات ہوں گی جس میں ایک قبر کے بقدر جگہ ایک غلام کے بدلہ میں ملے گی۔ یا مطلب یہ ہے کہ قبر کھودنے کی اجرت یہ ہوگی کہ یعنی کثرت مقتولین کی وجہ سے دفن کرنے کیلئے زمین مول خریدنی پڑے گی، تو اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانیں، یعنی آپ ہی بتلائیے کہ کیا کرنا چاہیے، تو آپ نے فرمایا: عليك بالصبر کہ صبر اختیار کرنا، ثم قال لي يا اباذر! كيف انت اذا رأيت احجار الزيرت قد عرقت بالدم اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے ابوذر تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ احجار الزيرت لت پت ہو جائے گا خون کے ساتھ؟ انہوں نے عرض کیا کہ جو اللہ اور اس کا رسول میرے لئے پسند کرے گا وہی کروں گا، قال عليك بعم انت منته تو آپ نے فرمایا اس وقت تم لازم پکڑنا ان لوگوں کو جن میں سے تم ہو، یعنی اپنا گھر اور قبیلہ، اور یہ مطلب ہے کہ جس امام سے تمہاری بیعت کا تعلق ہے اس کے ساتھ رہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس وقت میں اپنی تلوار لیکر اس کو اپنے کندھے پر نہ رکھوں، آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تو تم ان فتنہ پردازوں کیساتھ شرکت کرنے والے ہو جاؤ گے۔ قال: قلت فلما دخل علي بيتي، قال فان خشيت ان يبهرك شعا ع السيف فالى ثوبك على وجهك يسوء باشك واشمه، انہوں نے عرض کیا کہ اس وقت اگر کوئی فتنہ میرے گھر میں داخل ہو جائے پھر کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر دشمن کی تلوار کے بارے میں تجھے یہ خطرہ ہو کہ اس کی شعا ع تجھ پر غالب جائیگی تو اس وقت تو (بجائے اپنے دماغ کے) اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لے (تاکہ پتہ نہ چلے کہ کون میرے ساتھ کیا کر رہا ہے) پس اس صورت میں وہ تیرا قاتل تیرے اور اپنے دونوں کے گناہ کیساتھ لوٹے گا، باشك سے مراد ای باشم قتلک الذی ارتکبه القاتل، اور یا مراد باشك سے خود مقتول کے اپنے گناہ ہیں جو اس نے پہلے سے کر رکھے ہیں، اور اس صورت میں رجوع سے مراد یہ نہیں ہوگا کہ تیرے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ تیرے ساتھ گناہ تیرے مقتول اور شہید ہو جانے کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے اس حدیث میں جس فتنہ کا ذکر ہے اس کے بارے میں حاشیہ ہذل میں حضرت شیخ نے لکھا ہے: وفى اشراط الساعة انہا وقعة الحرة اور وقعة الحرة کا ذکر کتاب الجہاد میں باب فى التفریق بین السبى امام ابو داؤد کے کلام میں ضمنا گذر چکا جس کے لفظ یہ ہیں

لہ مقصود ہمارا یہ ہے حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قتل ناحق کی وجہ سے مقتول کے سارے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جاتے ہیں، اہل فتنہ والجماعہ کا یہ مسلک نہیں ہے بقولہ تعالیٰ لا تزردوا زرة ذررا خری بلکہ صرف قتل مقتول کا گناہ قاتل کو جوتا ہے۔ اور اگر سارے گناہوں کی معافی مراد لیجائے تو وہ بھی درست ہے اس لحاظ سے کہ مقتول ناحق کی وجہ سے مقتول شہید ہوا اور شہادت کی وجہ سے گزشتہ سب گناہ معاف ہو ہی جاتے ہیں واللہ اعلم ۱۱

وقعة الحرة | مظاہر ص ۳۱۳ میں ہے: احجار الزيرت نام ایک جگہ کل ہے جانب غربی یہ منکے کہ اس میں پتھر سیاہ ہیں گویا کہ ان پر تیل زیتون کا ملا ہے اور یہ خبری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ حرة کی اور وہ نہایت بڑا واقعہ ہے کہ زبان اور کان کلام کرنے والے اور سننے والے کے محل کہنے اور سننے اسکے کا نہیں رکھتے اور وقوع اس کا بیچ زمان شقاوت نشان زید بن معاویہ کے ہے کہ بعد از واقعہ قتل ام حسین کے بہت سا لشکر

قال ابو داؤد: وميمون لم يدرك عليا قتل بالجماع، والجماع سنة ثلاث وثمانين، والحرة سنة ثلاث وستين، وقتل ابن الزبير سنة ثلاث وسبعين، یہ واقعہ حضرت امام حسین کی شہادت کے دو سال بعد پیش آیا تھا، اسلئے کہ شہادت حسین کا واقعہ ۶۱۰ھ میں پیش آیا اور یہ یعنی رقعہ الحرة ۶۳ھ میں جس میں ہزاروں صحابہ اور تابعین مقتول ہوئے، لیکن حضرت ابوذر نے اس رطائی کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ ان کی وفات تو ۳۲ھ میں ہے، اسی لئے علمائے کبار نے لکھا ہے کہ ان فتن کے وقوع کے زمانہ اور سنہ کے تعیین کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہ تھا۔

قال ابو داؤد: لم يدكر المشعث في هذا الحديث غير حماد بن زيد، یعنی اکثر روایہ نے اس حدیث کو عن ابی عمران بونی عن عبد اللہ بن الصامت نقل کیا ہے، مشعث کے واسطے کے بغیر چنانچہ حافظ فرماتے ہیں وقد رواه جعفر بن سليمان وغير واحد عن ابی عمران عن عبد اللہ بن الصامت لنفسه ولم يذكر المشعث، وذكره حماد بن زيد فقط، (کذا فی البذل) والحدیث آخر جابر بن جابر، قال المنذرى۔ سمعت ابا موسى رضي الله تعالى عنه يقول الحديث، یہ حدیث قریب میں گذر چکی۔

ان السعيد لمن جنب الفتن.... وکن آبتلی فصبر فواها، سعید ہے وہ شخص جو فتنوں سے محفوظ رہے بایں طور کہ یا تو ان کا زمانہ ہی نہیں پایا یا زمانہ تو پایا لیکن ان سے دور رہا اس کو آپ نے تین بار فرمایا، اور جو مبتلا ہوا فتنوں میں اور بغیر قصد کے ان کی زد میں آگیا اور اس نے اس پر صبر کیا تو وہ شخص قابل افسوس اور قلی ہے، یا مطلب یہ کہ وہ شخص قابل داد ہے کہ اس نے بہت اچھا کیا کہ صبر کیا، یہ دو معنی اسلئے کہ علمائے کبار نے لکھا ہے کلمہ: واها کے بارے میں: ہی کلمہ معناها التلهف والتاسف، وقد توضع ايضا موضع الاعجاب بالشيء كما في مرقاة السعود للسيوطي۔

کے ہیں ایک احتمال اور بھی ہے  
وہ ہے کہ لفظ ایسا ہوتا ہے کہ  
تاکہ خطا میں قاطب کو اس سے  
کیجا اور وہ تو کلمہ ہے کہ  
جانب الاطلاع جنس الی نفس  
علی انہ عینا الی نفسی انان  
والوقت

## باب فی کف اللسان

ستكون فتنة صماء بكاء عمياء من اشرف لها المشرفون، فتنہ عمیاء ہمار یہ ایک حدیث میں اس سے پہلے گذر چکا ہے جو شخص اس فتنہ کی طرف جھانک کر دیکھے گا تو وہ فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچے گا لہذا فتنہ کو دور سے جھانک کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے چہ جائیکہ اس میں شرکت کی جائے) واشرف اللسان فیها وقوع السیف، اور اسکے بعد والی روایت میں ہے: اللسان فیها اشد من وقوع السیف۔

کوکب میں اس فقرہ کے معنی میں دو احتمال لکھے ہیں، اور شروع میں لکھا ہے کہ لسان سے مراد کلمہ ہے یعنی فتنہ **شرح الحدیث** کے زمانہ میں حق بات زبان سے نکالنا بڑا نشان اور مشکل ہوگا تلواروں کی ضرب برداشت کرنے سے بھی زیادہ

— مدینہ منورہ کو بھیجا اور صحتک حرمت اس شہر اطہر اور مسجد شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کی، اور صحابہ اور تابعین کی جماعت کثیرہ کو قتل کیا اور، اور بہت سی خرابیاں کیں کہ کہ نہیں سکتے، اور بعد خراب کرنے مدینہ کے بھی لشکر کو بھیجا اور اسی سال وہ شقی واصل جہنم ہوا۔

اسلئے کہ وہ اہل فتنہ باطل پر اڑے ہوئے ہوں گے دوسرے یہ کہ کلمہ سے مراد کلمہ باطل، یعنی جو فریق غیر حق پر ہے اس کی تائید گستاہ ہونے میں تلوار چلانے سے زیادہ سخت ہے اہ اور تیسرے معنی ہامش کو کب میں اس کے یہ لکھے ہیں کہ مسلمانوں کے دو گروہ میں جب فتنہ اور لڑائی ہو تو اس صورت میں بلا تحقیق کسی ایک فریق کی مذمت کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسے مسلمانوں میں تلوار چلانا، کیونکہ وہ حرب مسلمین کے درمیان ہے جن کی غیبت کرنا حرام ہے۔

اور مظاہر حق میں ہے۔ اور دراز کرنی زبان اس فتنہ میں مانند مارنے تلوار کے ہے یعنی تاثیر میں بلکہ زیادہ اس سے جیسا کہ کہا

گیلہ ہے بیت جراحات السنان لها التمام : دلایلتام ما بخرج اللسان

اسی لئے کہا پہلی روایت میں سخت زیادہ مارنے تلوار کے سے اہ مظاہر حق والے معنی عام ہیں کہ فتنہ و اختلاف کے زمانہ میں کھل کر بات کرنا فریقین میں سے کسی ایک کی حمایت میں یا مذمت میں یہ بہت زیادہ کوشش ہوتا ہے مگر اسکے لئے بڑی جرات و ہمت کی ضرورت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انها

ستكون فتنه تستنظف العرب قتلاها في النار۔

یعنی عنقریب ایک ایسا فتنہ آنے والا ہے جو تمام عرب کا استیلاب کر لے گا باعتبار ہلاک کرنے کے اور اس فتنہ کے مقتول جنہم میں جائیگے

شرح الحیثیت | مظاہر حق میں لکھا ہے: نزدیک ہے کہ پیدا ہو فتنہ بڑا کہ غالب ہو عرب کو اور پہنچے شر اسکی سب کو، مقتول اسکے آگ میں ہوں گے، مراد اس فتنہ سے وہ ہے کہ جو دو فریق بطبع مال و جاہ کے لڑیں، اور مقصود اس میں

احقاق حق اور اعلیٰ دین اور امداد اہل حق کی نہ ہو، جیسے خانہ جنگی والوں کا حال ہوتا ہے کہ اندھا دھند آپس میں لڑنے لگتے ہیں اہ اور کو کب میں یہ ہے کہ وہ بات جو ظاہر اور تکلفات سے محفوظ ہے وہ یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے کونسا فتنہ مراد ہے

گو بعض محشیوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتنہ ہے، پس اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے

تو قتل لاهانی النار کے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ اس فتنہ میں مارے گئے نہ کہ وہ لوگ جن کی وجہ سے فتنہ واقع ہوا، لہذا جہنمی ہونے

کے حکم سے حضرات عثمان و طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نکل جائیں گے جو شہید کئے گئے، اسلئے کہ یہ حضرات تو وہ ہیں کہ جن کے

قتل کی وجہ سے فتنہ اٹھا ہے نہ یہ کہ یہ حضرات اس میں مارے گئے اہ اور عاشیہ کو کب میں ہے کہ یہ توجیہ بہتر ہے اس توجیہ سے

جو بعض حواشی میں مذکور ہے یعنی یہ کہ یہ حدیث تویح و تغلیظ پر محمول ہے، اسلئے کہ مجتہد مخطیٰ شرعاً معذور ہوتا ہے اور یہاں

دونوں فریق مجتہد تھے اہ

قال ابو داؤد رواه الشوری عن لپیث عن طاوس عن الاعجم یعنی سفیان ثوری نے جب اس حدیث کو روایت

کیا۔ عن لیث عن طاوس۔ تو بجاتے، عن رجل یقال له زیادہ کے، عن الاعجم، کہا، اور یہ اعجم وہی ہیں یعنی زیادہ سمیں گوش جیسا کہ آگے

آ رہا ہے۔ والحدیث الخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب الرخصة في التبدى في الفتنه

یعنی فتنوں کے زمانہ میں تبدی کی اجازت اور رخصت۔ تبدی یعنی خروج الی البادية، شہروں اور آبادیوں کی رہائش ترک کر کے جنگل کی طرف چلے جانا۔

یوشك ان يكون خیر مال المسلم عنما يتبع بها شعف الجبال ومواقع المطر يفربدینه من الفتن۔  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہونگی جن کو لیکر پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش کی جگہوں میں چلا جائے اپنے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے۔  
اس حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے یہ بات کہ احتلاط افضل ہے یا اعتزال کتاب الجہاد میں باب فی ثواب الجہاد کے ذیل میں آچکی۔ والحدیث اخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی النهی عن القتال فی الفتنه

عن الاحنف بن قیس قال خرجت وانا اريد۔ یعنی فی القتال۔ فلقی بنی ابوبکر فقال ارجع فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول اذا تواجہ المسلمان بسیفیہما فالقاتل والمقتول فی النار۔  
احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے نکلا جنگ جمل میں شرکت کے ارادہ سے، راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا لوٹ جا اسلئے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مقابلہ کریں آپس میں تو قاتل اور مقتول دونوں نار میں ہوں گے  
الہی عن السنی فی الفتنہ جو ایک ترجمہ گذر ہے اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک گذر چکا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فتنہ میں مطلقاً عدم شرکت کے قائل ہیں۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

## باب فی تعظیم قتل المؤمن

تعظیم یعنی تغلیظ، یعنی قتل مؤمن کو گناہ عظیم قرار دینا۔ عن خالد بن دہقان قال کنا فی غزوة القسطنطینیة بذلقة  
سمعت ابا الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: کل ذنب عسی اللہ ان یغفرہ الا من مات مشرکاً او مؤمن قتل مؤمناً متعمداً۔

خالد بن دہقان کہتے ہیں کہ ہم غزوة قسطنطینیہ کے موقع پر مقام ذلقیہ میں تھے (یہ بھی روم کا ایک شہر ہے) تو ایک فلسطینی شخص جوان کے اشراف میں سے تھا یعنی حانی بن کلثوم وہ آئے انہوں نے آکر عبداللہ بن ابی زکریا کو سلام کیا، یہ عبداللہ بن ابی زکریا

قال ابن دہقان کے اساتذہ میں ہیں۔ خالد کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ عبداللہ بن ابی زکریا نے اس آئے والے شخص یعنی ہانی بن کثوم کی موجودگی میں حضرت ابوالدرداء کی یہ حدیث سنائی، جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر گناہ کے بارے میں معافی کی امید کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کے جو شرک کی حالت میں مرے اور سوائے اس مؤمن کے جو کسی دوسرے مؤمن کو جان کر قتل کر دے، ہانی بن کثوم نے جو وہاں پہلے سے موجود تھے یہ حدیث سنا کر اپنی سند سے ایک اور حدیث اسکی تائید میں بیان کی وہ یہ ہے۔

من قتل مؤمناً فاعتبط بقتله لم يقبله الله منه موفاً ولا عدلاً۔۔ فاعتبط۔ میں دو نسخے ہیں ایک عین مہملہ کے ساتھ دوسرا عین معجمہ کے ساتھ (ماخوذ من الغبطة) عین مہملہ کی صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے: جس شخص نے کسی مؤمن کو قتل کیا ظلماً بغیر قصاص کے، اور عین معجمہ کی صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے جس شخص نے کسی مؤمن کو قتل کیا اور اس کو قتل کر کے خوش ہوا۔ یعنی بجائے ندامت اور رنج کے کہ وہ تو کیا ہوتا، اور خوش ہوا۔ بہر صورت آگے حدیث میں یہ ہے کہ ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ نہ نفسی عبادت قبول فرماتے ہیں، نہ فرض۔

قال لنا خالد: شرحه ثنا ابن ابی زکریا، خالد بن دہقان کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ عبداللہ بن ابی زکریا نے ہانی بن کثوم کی حدیث کے بعد ایک اور حدیث سنائی اور وہ یہ ہے لایزال المؤمن معتقاً صالحاً ما لم یصب دماً حراماً فاذا اصاب دماً حراماً بلح۔ معنی یعنی خفیف الظہر، سریع السیر یعنی سب سے ماخوذ ہے جیسا کہ کتاب الحج میں گذرا ہے: کان یسیر العنق فاذا اوجد فجوة نص۔ پوری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آدمی تیزی کے ساتھ آگے کو بڑھتا رہتا ہے صراج اور توفیق خیرات کے ساتھ، گویا ترقی کرتا رہتا ہے جب تک ناحق خون نہ کرے، لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دے تو کھو کہ وہ متحک گیا اور ہر خیر سے رک گیا اور وہ ترقی اسکی ختم ہو گئی۔ آگے یہ ہے روایت میں کہ ہانی بن کثوم نے بھی یہ حدیث سنا کر یہی حدیث اپنی سند سے بیان کی۔

یہ کل چار حدیثیں ہو گئیں دو عبداللہ بن ابی زکریا کی روایت کردہ، اور دو ہانی بن کثوم کی روایت کردہ، پہلی دونوں حدیثیں حضرت ابوالدرداء سے مروی ہیں اور دوسری دونوں حضرت عبادہ بن الصامت سے، اور سبھی میں تعظیم قتل مؤمن پائی جا رہی ہے جو کہ ترجمہ الباب ہے۔

ان خارجه بن زید قال سمعت زید بن ثابت فی هذا المكان یقول انزلت هذه الآية . ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جہنم خالداً فیہا۔ بعد التی فی الفرقان . والذین لا یدعون مع اللہ الباقون لا یقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق۔ بستة اشهر۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی سورہ نسا کی جس کا مضمون یہ ہے کہ جو مسلم کسی دوسرے مسلم کو جان کر ناحق قتل کرے گا اس کی دائمی سزا جہنم ہے، اور دوسری آیت سورہ فرقان کی ہے، اس آیت میں قتل مؤمن کی سزا مخلوق فی النار بیان کرنے کے بعد من تاب۔ کا استثناء ذکر کیا گیا ہے، ویخلف فیہ مہانا الامن تاب وامن وعمل عملاً صالحاً۔ اس استثناء کی وجہ سے دونوں آیتوں کے مضمون میں بظاہر



تعارض ہو گیا، تو اس کے بارے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ سورہ نساہ والی آیت سورہ فرقان کی آیت کے نزول کے چھ ماہ بعد نازل ہوئی، یعنی سورہ نساہ کی آیت حکم اور غیر منسوخ ہے، اور سورہ فرقان کی آیت کا حکم منسوخ ہے (منسوخ الحکم غیر منسوخ المتلاوة)

اس کے بعد والی روایت میں یہ آرہا ہے: سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس تعارض کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اس کا جو جواب بیان کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ فرقان کی آیت کا تعلق مشرکین سے ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کو قتل کرے گا یا اس کے علاوہ اور جو بھی گناہ کرے گا وہ سب ایمان لاکر توبہ کرنے سے معاف ہو جائیگا، اور سورہ نساہ والی آیت کا تعلق مسلمانوں سے ہے کہ ایک مسلمان جان بوجھ کر جب دوسرے مسلمان کو قتل کرے گا تو اس کی سزا خلود فی النار ہوگی، لہذا دونوں آیتوں کا محل جدا گانہ ہے اور کوئی تعارض نہیں ہے دونوں حکم اپنی اپنی جگہ قائم اور محفوظ ہیں

فذكرت هذا المجاهد فقال: الامن ندم، سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی عباس کی یہ رائے سنا کر جب مجاہد سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: الامن ندم۔

حضرت مجاہد کا یہ قول بظاہر حضرت ابن عباس کی رائے کے خلاف ہے ان کی رائے یہ ہے کہ ناحق قتل مؤمن کے بعد قاتل کی توبہ جو ندمت کے ساتھ ہوگی وہ قبول ہو سکتی ہے، جمہور اہل سنت والجماعت کی رائے بھی یہی ہے۔

باب کہ ان دونوں حدیثوں سے صراحت ثابت ہو رہا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں متفق ہیں قاتل مؤمن کے خلود فی النار پر لیکن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ان دونوں آیتوں کے بارے میں نسخ کی ہے کہ ایک نسخ اور دوسری منسوخ ہے اور حضرت ابن عباس کی رائے بجائے نسخ کے اختلاف محل کی ہے کہ دونوں آیتوں کا محل الگ الگ ہے، منسوخ ان میں سے کوئی نہیں، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کبھی تو ان دونوں آیتوں کے بارے میں یہی فرماتے تھے یعنی اختلاف محل، اور کبھی وہ یہی فرماتے تھے جو زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یعنی نسخ، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ کافی عون المعبود۔ فقال ای ابن عباس هذه كنية اراه نسخها آية مدينة التي في سورة النساہ، قال الحافظ ان ابن عباس كان تارة يجعل الآيتين في محل واحد فلذلك يحزم بنسخ احداهما، وتارة يجعل محلها مختلفاً، ويمكن الجمع بين كلاميه بان عموم، التي في الفرقان خص منها مباشرة المؤمن القتل متعمداً، وكثير من السلف يطلقون النسخ على التخصيص، وهذا اولي من حمل كلامه على التناقض، واولي من دعوى انه قال بالنسخ ثم رجع عنه اه (عون)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مسلک کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ ان کا مشہور مسلک یہی ہے، اور دوسری روایت ان سے یہ بھی ہے کہ اس کیلئے یعنی قاتل مؤمن کیلئے توبہ ہے لفظ تعالیٰ، ومن لعل سور او لفظم نفسہ ثم يستغفر اللہ سجد اللہ غفوراً رحیماً، اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی جو یہ روایت ثانیہ ہے وہی مذہب جمیع اہل السنۃ والجماعۃ والمتابعین ومن بعدہم وماروی عن بعض السلف مما يخالف هذا محمول على التغليظ والتحذير من القتل، وليس في هذه الآية التي اخرج بها ابن عباس تفرج بانه يخلد

وانما فیہا انہ جزارہ، ولایلزمنہ ان یجازی اہہ، یہ جو آخری بات امام نووی کے کلام میں گزری ہے کہ اس آیت میں خلود کی تصریح نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ میں تو یہ ہے کہ ایسے شخص کی سزا قاعدہ اور ضابطہ میں یہ ہے اور سزا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سزا اس کو دی بھی جائے، یہ بات یہاں کتاب میں ابو مجلز سے آگے آ رہی ہے۔

عن سلیمان التیمی عن ابی مجلز فی قولہ تعالیٰ: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم، قالہی جزاؤہ فان شاء اللہ ان یتجاوز عنہ فعل، یعنی سزا تو ایسے شخص کی یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اگر چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے۔  
حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ النسائی، واثر سعید بن جبیر اخرجہ البخاری ومسلم بخوہ، قالہ المنذری۔

## باب ما یرجی فی القتل

بظاہر یہ "القتل" مصدر یعنی للمفعل ہے یعنی فتنہ کے اندر بجائے قتال میں حصہ لینے کے خود مقتول ہو جانے میں جس اجر و ثواب کی امید کی جاتی ہے اس کا ذکر۔

کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکر فتنۃ..... فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلا ان یحسبکم القتل۔ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں تھے تو آپ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور اس کا بہت بڑا ہونا ظاہر فرمایا، اس پر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم نے اس فتنہ کو پالیا (فنی روایۃ ان ادکنا ہذا النہلکن) تو ہم تو سب ہلاک ہو جائیں گے، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے لئے مقتول ہو جانا کافی ہے، یعنی خطرہ اور ضرر تو اس صورت میں ہے جب تم اس میں شریک ہو کر قتال کرو، اور اگر قتال کے بجائے ہابیل کی طرح مقتول ہو جاؤ تو پھر کیا ضرر ہے۔

قال سعید: قرأت اخوانی قتلوا، حضرت سعید بن زید راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائیوں کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدایت کے مطابق مقتول ہو گئے، لہذا اس فتنہ کے ضرر سے محفوظ رہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: امتی ہذا امۃ مرحومۃ لیس علیہا عذاب فی الاخرة وعذابہا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل۔

یہ حدیث بڑی امید افزا اور تسلی بخش ہے، آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ میری امت مرحومہ ہے اور پھر اس کی تفضیل آپ نے آگے خود ہی بیان فرمائی کہ آخرت میں اس پر کوئی خاص عذاب نہ ہوگا (تھوڑا بہت ہو تو ہو) اس کا عذاب تو دنیا ہی میں فتنوں کا آنا اور زلزلے اور قتل ہے۔

یعنی دنیا میں جو فتنے آئیں گے اور معاصی کی وجہ سے جو آفات سماویہ پائی جائیں گی زلزلے اور قحط سالی وغیرہ اور دوسرے مصائب اور قتل و غارت وغیرہ، یہی چیزیں اس امت کے لئے کفارہ ہو جائیں گی، آخرت میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی خاص عذاب

نہ ہوگا، معافی تلافی ہو جائے گی۔ ما یفعل اللہ بعد ابکمر ان شکرتہم وافمنتم وكان اللہ شاکر علیہما۔  
اس حدیث میں آپ نے فرمایا۔ امتی ہذا یعنی اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ امت یعنی امت محمدیہ، اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ چیز جو آپ کی امت کو حاصل ہوئی یہ اس نسبت ہی کا اثر ہے اور یہ آپ ہی کی برکت اور فیض ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وانعم وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ جزی اللہ عننا سیدنا واولادنا محمدنا ما هو اھلہ اللہ در المصنف ما اشار اللہ تعالیٰ کتاب الفتن کے آخر میں بہت اچھی حدیث لائے۔ الحمد للہ الذی بنعمتہ تمہ الصالحات۔

## احترکتاب الفتن

### باب الملاحم

اور ایک نسخہ میں ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم، اول کتاب المہدی، اختلاف نسخ کی مزید تفصیل کتاب الفتن کے شروع میں گذر چکی۔ اور بعض نسخوں میں ہے کتاب الملاحم، ملاحم لجر کی جمع ہے یعنی موضع قتال یا واقعہ عظیمہ یعنی بڑی جنگ، یہ یا تو لحدت سے ماخوذ ہے یعنی لحدت الثوب سے لحدت الاختلاف والاختلاط لحدت السدا واللحم (جنگ میں اختلاف و اختلاط ہوتا ہی ہے) اور یا لحم سے ماخوذ ہے لحدت لحم القتلی فیہا، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم نبی الملاحم، بھی ہے جیسا کہ آپ کے اسماء میں ایک نام "بنی الرحمۃ" ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبع الجمال ہونے کے ساتھ معدن الجلال بھی ہیں اور چونکہ آپ آخری نبی ہیں خاتم النبیین ہیں اور آپ کی امت آخر الامم ہے، جس طرح آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اسی طرح کوئی اور امت بھی نہیں لہذا قیامت اور اسکے تمام متعلقات اور لوازمات فتن وغیرہ آپ ہی کی امت میں پیش آنے ہیں اسی لحاظ سے آپ بنی الملاحم ہوئے۔

عن جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول لا ینزال

هذا الدین قاشما حتی یكون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلہم تجتمع علیہ الامۃ، فسمعت کلاما من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم انہمہ، فقلت لابی ما یقول؟ قال کلہم من قریش۔

تخریج الحدیث واختلاف الفاظہ | یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ ترمذی اور مسلم شریف میں بھی ہے، الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ ترمذی کے لفظ یہ ہیں: عن جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یكون من بعدی اثنا عشر امیرا۔ قال ثم تکلم بشئ لم انہمہ، فسألت الذی یلیئنی فقال قال کلہم من قریش هذا حدیث حسن صحیح و قدری من غیر وجہ عن جابر بن سمرہ، وفي الباب عن ابن مسعود وعبد اللہ بن عمرو، اور صحیح مسلم میں ایک طریق میں ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیہم اثنا عشر خلیفۃ کلہم من قریش، وفي روایت۔ لایزال امر الناس ما ضیا ما ولیم اثنا عشر رجلاً کلہم من قریش، اور ایک روایت میں ہے لایزال الاسلام عزیزا لالی اثنا عشر خلیفۃ، اور ایک روایت میں لایزال هذا الدین عزیزا منینا

الی اثنی عشر خلیفہ، اور صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث اگرچہ ہے لیکن مختصراً ولفظہ فی کتاب الاحکام فی باب بلا ترجمہ من حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: یكون اثنا عشر امیراً قال کلمة لا اسمها فقال ابی انہ قال کلہم من قریش۔

**حدیث کا مطلب اور اس پر اشکال و جواب** | حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ دین اسلام قائم اور محفوظ

رہے گا بارہ خلفاء تک جو ایسے ہوں گے کہ امت ان کی خلافت پر متفق ہوگی اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔

اس حدیث پر امام نووی وغیرہ شارح نے دواشکال نقل کئے ہیں اول یہ کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے، الخلفاء بعدی ثلاثون سنۃ ثم بعد ذلک ملک، کیونکہ تیس سال تک تو صرف چار ہی خلیفہ ہوئے ہیں اور اس حدیث میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے، جواب یہ ہے کہ ثلاثون سنۃ والی حدیث میں خلافت سے مطلق خلافت مراد نہیں بلکہ خلافت راشدہ اور خلافت نبوت یعنی علی منہاج النبوة مراد ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، گر پوری ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض روایات میں تصریح ہے، خلافت النبوة بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکاً، اور اس دوسری حدیث میں جس میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے خلافت سے مطلق خلافت مراد ہے۔

دوسرا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں جو عدد مذکور ہے یعنی بارہ اس سے تو بہت زیادہ خلفاء گذر چکے ہیں، جواب ظاہر ہے وہ یہ کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ دین ان شاء اللہ تعالیٰ بارہ خلفاء تک باقی رہے گا، اس میں زائد کی نفی کہاں ہے، جیسا کہ اسی کتاب الملائم کی آخری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: انی لا رجوان لا تعجزا، حتی عند ربہا ان یؤخروا نصف قیل یسعد وکم نصف یوم قال خمس مئة سنة، یعنی میں اللہ تعالیٰ کے امید رکھتا ہوں اس بات کی کہ میری امت کم از کم نصف یوم تک باقی رہے گی یعنی پانچ سو سال۔

**الکلام علی شرح الحدیث و بیان معانیہ** | یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ کے بعد جو بارہ خلفاء پائے گئے ہیں جن میں خلفاء اربعہ ہیں خلفاء راشدین، اور باقی خلفاء بنو امیہ جن میں بہت سے

غیر عادل تھے، مثلاً مردان یزید وغیرہ پھر وہ اس حدیث کا مصداق کیسے بن سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ خلفاء سب کے سب امراء عدل ہونگے بلکہ وہ کیسے بھی ہوں لیکن ان کے زمانہ میں شوکت اسلام

لہ مدت خلافت خلفاء راشدین کی حسب ذیل ہے۔ صدیق اکبر در سال تین ماہ عمر فاروق دس سال چھ ماہ زوال نورین گیارہ سال گیارہ ماہ علی حیدر چار سال زماہ اسکے بعد چھ ماہ خلافت حسن کے ملا کر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ تیس سال کے بعد حضرت معاویہ کے بعد تیرہ سال اور خلفاء بنو امیہ مزید برآں جن کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔

اور اس کی قوت پائی جائیگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس زمانہ تک اسلام کی قوت اور حسن نظام پایا گیا اور پھر تیرہویں خلیفہ یعنی ولید بن یزید بن عبد الملک سے نظام سلطنت قائم نہ رہ سکا اور اس کو خلافت کے چوتھے ہی سال قتل کر دیا گیا لیکن صرف اس توجیہ سے بھی اشکال سے خلاصی نہ ہوگی کیونکہ تیسرے اور چوتھے خلیفہ کے دور میں جنگیں ہوئیں جنگ جبل اور صفین وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اختلافات مسئلہ خلافت میں نہ تھے بلکہ دیگر امور مملکت یعنی انتظامی امور سے اس کا اصل تعلق تھا، اور ولید بن یزید کو جو ہم نے تیرہواں خلیفہ قرار دیا وہ اس طور پر کہ درمیان میں سے معاویہ بن یزید اور مروان اور عبد اللہ بن الزبیر کو مستثنیٰ کر دیا جائے لعدم اجتماع الناس علی ولائہم پس ہشام بن عبد الملک تک بارہ کا عدد پورا ہو گیا اسکے بعد خلافت کے مسئلہ میں لوگوں کا اتفاق و اجتماع نہ ہو سکا کذا قال القاضی عیاض وابن تیمیہ وغیرہما ہذا هو المعنی الاول من المعانی المذكورة ہذا الحدیث فی حاشیۃ اللامع، دوسرا قول یہاں پر یہ ہے کہ حدیث میں امر سے امر عدل ہی مراد ہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ وہ بارہ خلفاء مسلسل علی التوالی پائے جائیں گے بلکہ متفرق طور پر الی قیام الساعة ہوں گے اور آخر میں کہ حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہونگے حضرت سہارنپوری نے بذل میں اسی مطلب کو راجح قرار دیا ہے اور تحریر فرمایا ہے والتفصیل فی ذلک ذرہ السیوطی فی تاریخ الخلفاء ومولانا الشیخ ولی اللہ دہلوی فی قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین اھ اس دوسرے قول کی تشریح و تفصیل آگے ہمارے حاشیہ میں آ رہی ہے، اور شیعہ حضرات خصوصاً فرقہ اثنا عشریہ یہ کہتا ہے کہ اس سے ہمارے بارہ امام مراد ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اولہم علیؑ و آخرہم محمد بن حسن العسکری المہدی، المستظر جو کہ غائب ستر من رآی میں پو شیعہ ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبل القیامۃ ظاہر ہونگے اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے، اور حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے اختلافاتی معنی الحدیث علی اقوال کثیرۃ کما بسطہ المحشی والحا قظ والعینی والقاری والبعث من الکل فی ہامش اللامع ص ۱۹۴ (فی کتاب الاحکام)

یہ حدیث بخاری میں کتاب الاحکام میں بھی ہے جیسا کہ شروع میں گذرا، حضرت شیخ نے وہاں پر لامع الدراری کے حاشیہ میں اس پر نہایت تفصیل سے کلام فرمایا ہے جو چاہئے اس کو وہاں دیکھ لے۔

۱۔ اور ان کے بعد حسن بن علی پھر حسین بن علی پھر علی بن حسین المشہور بہ امام زین العابدین پھر محمد باقر پھر جعفر صادق پھر موسیٰ کاظم پھر علی رضا پھر محمد بن علی التقی پھر علی بن محمد النقی پھر حسن بن علی العسکری۔

۲۔ حاشیہ لامع الدراری میں اس حدیث کی شرح میں بارہ قول ذکر کئے ہیں جن پر سے دہین قول تو ہم اور شرح میں نقل کر چکے دو قول اور یہاں نقل کرتے ہیں جو نہ بارہ مشہور ہیں (۱) حدیث میں جو لفظ بعدی وارد ہے اس کو بعدیہ حقیقہ متعلقہ پر محمول کیا جائے اور اس صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر سے لیکر عمر بن عبد العزیز تک مسلسل چودہ خلفاء ہوتے ہیں جن میں سے دو کی خلافت تو درست اور مشعکہ ہی نہیں ہوتی اور نہ کچھ طویل ہوتی، یعنی معاویہ بن یزید بن معاویہ اور مروان ابنا ابان ان چودہ خلفاء میں سے دو کے اخراج کے بعد عمر بن عبد العزیز تک بارہ خلفاء باقی رہ جاتے ہیں۔ موصوف کی دفاتر مشاہیر میں ہوتی ہے یعنی قرن اول جو کہ خیر القرون ہے اسکے ختم ہونے پر چنانچہ اسکے بعد سے احوال میں مسلسل تغیر و انقلاب ←

## باب فی ذکر المہدی

کتاب الفتن چل رہی ہے نیتے جتنے بھی ہیں ان کا شمار علامات قیامت ہی میں ہے اور علامات قیامت پر مستقل کتابیں علمائے لکھی ہیں۔ الاشاعة لاشراط الساعة علامہ برزنجی کی مشہور تصنیف جس کا ذکر کتاب الفتن کے شروع میں آیا ہے اس سلسلہ کی بہت جامع اور تحقیقی تصنیف ہے۔

**علامات قیامت کی تقسیم** | اس کتاب میں اسکے مصنف نے تین باب قائم کئے ہیں: الباب الاول فی الامارات الحمیدة التي ظهرت وانقرضت، یعنی قیامت کی وہ علامات جن کا ظہور ہو چکا اور وہ گزر گئیں جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل، اور جنگ جمل و صفین اور جنگ نہروان وغیرہ وغیرہ، اور دوسرا باب الباب الثاني فی الامارات المتوسطة التي ظهرت ولم تنقض، یعنی وہ علامات جو درمیان میں پائی جانے والی ہیں جن کا ظہور قسم اول کے بعد ہوا اور وہ ظہور قائم ہے اس کا انقراض نہیں ہوا بلکہ روز افزوں ہے، اور تیسرا باب الثالث جو آنے والی ہے ان سے جلے گا، مثلاً حدیث میں آتا ہے۔ لا تقوم الساعة حتی یکون اسعد الناس بال دنیا لکح ابان لکح، اور جیسے۔ لا تقوم الناس حتی یتبأھی الناس فی المساجد اور جیسے۔ من اقرب الساعة انتفاخ الاھلة اور جیسے۔ ان تتخذ المساجد طرقاتا، وغیرہ وغیرہ، اور تیسرا باب الباب الثالث فی الاشارات العظام والامارات القریبة التي تعقبھا

→ آتا چلا گیا۔ اور اس پر یہ اشکال کہ حدیث میں تو ہے بحجج علیہم الناس اور یہ صفت ان بارہ میں سے حسن بن علی اور عبداللہ بن الزبیر میں پائی نہیں جاتی، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بحجج علیہم اکثر کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے کہ یہ بارہ خلفاء ایسے ہوں گے جن پر اکثر لوگ متفق و مجتمع ہوں گے۔ (۲۱) آپ کی مراد یہ ہے کہ میرے بعد تمام مدت اسلام میں الی یوم القیمة بارہ خلفاء ایسے پائے جائیں گے جن کا عمل ہدایت اور دین حق کے مطابق ہو گا جن میں دو آل بیت محمد سے ہوں گے جیسا کہ سند مسدوک کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، علامہ سیوطی اس معنی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان بارہ میں سے خلفاء اربعہ اور حسن، معاویہ ابن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، اٹھ تو گذر چکے اور محتمل ہے کہ ان میں خلفاء عباسیہ میں سے بہت سی باقی شمار کیا جائے کیونکہ وہ خلفاء عباسیہ میں ایسا ہے جیسے امراء بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیز ایسے ہی الظاہر عباسی بھی جو بڑا عادل تھا، اب آگے آل بیت محمد سے دو ہوتی رہ گئے جن میں سے ایک تو حضرت ہمدی ہیں ایک کوئی اور ان کے علاوہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت سہارنپوری نے بھی بذلہ الظہور میں اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ ان بارہ خلفاء سے وہ مراد ہیں جو خلفاء راشدین کی سیرت پر ہوں گے اور قیامت تک مختلف زمانوں میں پائے جاتے ہیں گے اور آخر میں حضرت ہمدی ہوں گے حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے آیہ کریمہ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیست خلفنھم الا یتھم من قال لا اھم معناه کابی بکر بن العربی انہ (حاشیہ لایح) اس حدیث کو اسی طرح مبہم ہی رکھا جائے، قال الشیخ ابن تیمیہ فی المنہاج و ینہم من قال لا اھم معناه کابی بکر بن العربی انہ (حاشیہ لایح)



السباعۃ۔ یعنی وہ علامات جو بالکل اخیر میں قیامت کے قریب پیش آئیں گی، اور یہ سمجھئے کہ بس ان کے بعد قیامت آہی جائیگی۔ اس کتاب مذکورہ میں علامات کی قسم ثالث میں سب سے پہلے جو علامت شمار کی ہے وہ امام مہدی کا ظہور ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: فمنہا المہدی و ہوا لہا و اعلم ان الاحادیث الواردة فیہ علی اختلاف روایاتہا لا تکاد تختصر، فقد قال محمد بن الحسن الاسنوی فی کتاب مناقب الشافعی: قد تواترت الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بذكر المہدی و انه من اہل بیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اسکے حاشیہ پر حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے: وبسطانی الروایات ابن حجر فی الفتاویٰ الحدیثیہ اہ اسی طرح علامہ سیوطی کا رسالہ، المعروف الوردی فی اخبار المہدی، بہت مشہور ہے جو الحدادی للفتاویٰ میں شامل ہے، اس رسالہ میں انہوں نے نوے (تسعين) احادیث مرفوعہ ذکر فرمائی ہیں آثار کے علاوہ جن میں سے چھتیس روایات میں مہدی کی تصریح ہے اور باقی میں الخلیفۃ العادل کے ساتھ ذکر ہے۔ ۱۹۶

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح (از مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی) میں بھی اس پر تفصیلی کلام ہے و فیہ وقد اخرج احادیث المہدی ائمۃ الحدیث فی رواہین السنۃ کالامام احمد و الترمذی و البزار و ابن ماجہ و الحاکم و الطبرانی و ابویعلیٰ الموصلی و نعیم بن حماد و شیخ البخاری و غیر ہم اہ۔ اس سلسلہ کی متعدد روایات خود کتاب میں آرہی ہیں۔

**عقیدہ مہدی کے بارے میں** تحقیق الا توذی، میں۔ باب ماجاء فی المہدی کے شروع میں لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے درمیان ہمیشہ سے یہ بات مشہور چلی آرہی ہے کہ ایسا ضرور ہونا ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک شخص اہل بیت سے ظاہر ہوں گے جو دین کی حمایت کریں گے اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے اور مسلمان ان کا اتباع کریں گے، اور تمام ممالک اسلامیہ ان کے ماتحت ہوں گے، جن کا نام مہدی ہوگا (یعنی ان کا لقب یہ ہوگا جس کیساتھ وہ مشہور ہوں گے ورنہ نام تو ان کا محمد بن عبد اللہ ہوگا جیسا کہ احادیث میں تصریح ہے) اور یہ کہ خروج دجال اور اسکے بعد والی علامات قیامت ان کے ظہور کے بعد پائی جائیں گی، اور ان ہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا اور پھر وہ ان کے ساتھ مل کر دجال کو قتل کریں گے، اور شروع میں وہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نماز مہدی کی ہی اقتدار میں ادا کریں گے (تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حیثیت ایک نبی کے نہیں ہے) اور ان احادیث مہدی کی تخریج بہت سے اصحاب السنن ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیر ہم نے کی ہے، جن کی احادیث صحیح حسن اور ضعیف تینوں طرح کی ہیں۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ مؤرخ مشہور ابن قلدون مغربی نے اپنی تاریخ میں تمام احادیث مہدی کی تفسیر علی وجہ المبالغہ کی ہے جس میں وہ مصیب نہیں بلکہ مخطی ہیں، اور بعض منکرین مہدی نے اپنے دعویٰ پر اس حدیث مرفوعہ سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم، والحدیث ضعیفہ المینہتی والحاکم، و فیہ ابان بن صالح و ہو متروک الحدیث، واللہ تعالیٰ اعلم کذانی عون المعبود، اہ یہ حدیث۔ لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم۔ ابن ماجہ میں ہے، ابن ماجہ کے حاشیہ میں اس پر

لہ عزیز گرامی قدر مولوی محمد راشد کاندھلوی نے اس رسالہ کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر فخر اللہ تعالیٰ خیر البحر، ۱۲

تفصیل سے کلام کیا ہے۔

ابن خلدون کے اشکالات کے جوابات حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تفصیلاً ذکر فرمائے ہیں جو مستقل ایک رسالہ کی شکل میں ہیں جو امداد الفتاویٰ جلد ششم کے آخر میں ملتی ہے، حضرت نے اس رسالہ میں اس حدیث، لامہدی الاغیمی بن مریم کے بھی کئی جواب تحریر فرمائے ہیں، اس رسالہ کے بارے میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ اس رسالہ کو جس طرح بحث عقائد قدیمہ سے تعلق ہے، جیسا ظاہر ہے۔ اسی طرح عقائد جدیدہ سے بھی تعلق ہے کہ نو تعلیم یافتہ بھی اس عقیدہ مہدی کے نافی ہیں، پس دونوں مباحث کے بعد اس کا الحاق بہت مناسب ہے ۲۴ منہ، اس سے پہلے اس میں (امداد الفتاویٰ کی اسی جلد میں) دو بحثیں اور مذکور ہیں جو فی الجملہ عقائد سے مناسبت رکھتی ہیں اسی پر حضرت نے یہ تحریر فرمایا ہے۔

جس طرح ختم نبوت کا مسئلہ مسائل اعتقادیہ میں سے ہے جس پر آدمی کے ایمان اور اسلام کی صحت موقوف ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی خروج مہدی کا مسئلہ ہے جس کے بارے میں بعض فرق باطلہ اپنی مستقل رائے رکھتے ہیں جیسے شیعہ حضرات میں سے فرقہ اثنا عشریہ وہ امام مہدی کے بارے میں اپنی مستقل رائے رکھتے ہیں جیسا کہ ابھی گذشتہ حدیث لائیزال ہذا الرین قائم کی شرح میں گذر چکا، نیز مختلف زمانوں میں بہت سے لوگوں نے اپنے بارے میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، یہ لعین قادیان بھی اپنے بارے میں کبھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور کبھی مہدی موعود کا، اسلئے علمائے اس بحث کو عقائد کی بحث میں شمار کیا ہے، اور بھی اس طرح کے بعض مسائل ہیں جن کو عقائد کی بحث میں شامل کیا گیا ہے مثلاً شرب نبیذ کا مسئلہ اور ایسے ہی مسیح علیٰ الخفین کا مسئلہ، شرح عقائد میں ظہور مہدی کے مسئلہ کو مسئلہ امامت کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم ورسد شعورهم وتجهيز جيوشهم۔ الی ان قال۔ ثم ينبغي ان يكون الامام ظاهراً لا مختفياً ولا منتظراً خروجه عند صلاح الزمان، لا كما زعمت الشيعة خصوصاً الامامية منهم الی آخره۔ اسکے بعد اباحادیت الباب کو لکھیے۔

امام مہدی کے بارے میں مودودی صاحب کا نظریہ | لہ اسی طرح موجودہ زمانہ کے ائمہ کلیس میں سے مودودی صاحب نے بھی امام مہدی کا انکار کیا ہے جس کا جواب ہمارے حضرت شیخ نے فقہ مودودیت میں دیا ہے، حضرت نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے: اصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب دل سے مہدی بننا چاہتے ہیں اور مقتدا یا نہ میرت سے اپنی لیڈری کی وجہ سے عاجز ہیں اسلئے بجائے اسکے کہ وہ خود اس یا برکت تمدن کو اختیار کرتے ہر جگہ محل بے محل اسکی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ انبیائے کرام اور محروف اولیائے کرام کو لیڈر لیڈر کے عین یہ تعبیر کر کے اس تمدن سے لوگوں کے اذہان کو ہٹائیں جو مقتدا یا نہ تمدن کے مناسب ہے ۱۱ اس سے پہلے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مودودی کے خیالات امام مہدی کے بارے میں ان کے الفاظ میں۔ تجدید و احیائے دین سے یہ نقل کئے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ امام مہدی کوئی لگے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے تسبیح ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسہ یا خانقاہ کے حجرہ سے برآمد ہوں گے آتے ہی انا مہدی کا اعلان کر دیں گے۔ الی آخره۔

عن عبد الله رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لو لم يبق من الدنيا الا يوم يطول الله ذلك اليوم حتى يبعث رجلا مني - او من اهل بيتي - يواطئ اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابى يملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا -

**خروج مہدی یقینی امر ہے** حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے تمام ایام گزر کر صرف ایک دن باقی رہ جائے (اور بالفرض اس وقت تک مہدی کا ظہور نہ ہوا ہوگا) تو اللہ تعالیٰ اس ایک ہی دن کو طویل فرمادیں گے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کو دنیا میں بھیجیں گے جو مجھ سے ہوگا۔ یا یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت سے ہوگا، اس کا نام میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے ہوگا (یعنی محمد بن عبد اللہ) جو اپنے آنے کے بعد روئے زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے پر ہوگی۔

بذل میں لکھا ہے: وواصل معنی الحدیث ان بعثت مؤکد یقینی لا بد ان یکن ذلك، یعنی اس قسم کے شخص کا ظہور اخیر زمانہ میں ضرور بالضرور ہوگا، اور اس حدیث میں فرقہ امامیہ پر رد ہے جو مہدی کو خود کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ وہ محمد بن الحسن العسكري ہیں اور الحدیث اخیرہ الترمذی وقال حسن صحیح، قال المنذری۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول المهدى من عترتي من ولد فاطمة آپ فرما رہے ہیں کہ مہدی اولاد فاطمہ سے ہوں گے، اب یہ کہ حضرت حسن کی اولاد سے ہونگے یا حسین کی اس میں دونوں قول ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ والد کی طرف سے حسنی ہونگے اور والدہ کی طرف سے حسین، اور یہی اولیٰ ہے (بذل) والحدیث اخیرہ ابن ماجہ، قال المنذری عن ابى سعيد الخدری رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم المهدى من اجلى العجبة اتنى الانف يملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا ويملك سبع سنين -

اس حدیث میں حضرت مہدی کا حلیہ مذکور ہے کہ وہ کشادہ پیشانی ہوں گے اور اونچی ناک والے ہونگے دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے اور ان کی حکومت سات سال تک رہے گی۔ اور اسکے بعد والی روایت جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے اس میں آ رہا ہے، قال بعضهم سبع سنين وقال بعضهم سبع سنين۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال يكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من اهل المدينة هاربا الى مكة فياته ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام۔

**خروج مہدی کیسے اور کب ہوگا** حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خروج مہدی کیسے ہوگا اس کی

کیا صورت ہوگی کہ اخیر زمانہ میں اس وقت کے خلیفہ کا انتقال ہوگا تو ایک شخص اہل مدینہ میں سے مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ آئے گا اس خیال سے کہ لوگ مجھ کو خلیفہ نہ بنا دیں، لیکن ہوگا یہ کہ اس شخص کے پاس بہت سے اہل مکہ آئیں گے اور اس کو باہر اس کی رائے کے خلاف اس کی جائے قیام سے نکال کر مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان لا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

و یبعث الیہ بعث من الشام فیخسف بہر بالبیداء بین مکة والمدینة، یعنی ان کی بیعت کے انعقاد کے بعد ان کے مخالفین کا ایک گروہ اٹھے گا ملک شام سے پس اللہ تعالیٰ اس کو راستہ ہی میں مقام بیدار میں جو مکہ مدینہ کے درمیان ہے زمین میں دھنسا دیں گے (اس جماعت کو بعث الخسف سے تعبیر کیا جاتا ہے) فاذا رای الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیبايعونہ۔ پس جب دیکھیں گے لوگ یہ قصہ اور ماجرا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام مہدی کی نصرت و حمایت) تو ان کے پاس ملک شام کے ابدال اور عراق کی منتخب جماعتیں آکر وہ بھی ان سے بیعت ہو جائیں گی۔ ثم ینشار جبل من قریش احوالہ کلب فیبعث الیہم بعثا فیظہرون علیہم وذلك بعث کلب، پھر ایک شخص قرشی حسد میں اٹھے گا جس کی نانیہال قبیلہ کلب ہوگی، اور یہ قرشی شخص ان بیعت والوں سے قتال کے لئے ایک لشکر بھیجے گا، لیکن بعون اللہ تعالیٰ وہ بیعت ہونے والے ان پر غالب آجائیں گے، اور اس لشکر کو بعث کلب کہا جائے گا۔ اس حدیث میں دو شکر دوں کا ذکر ہے ایک بعث الخسف اور دوسرا بعث کلب اور یہ دونوں لشکر امام مہدی اور ان کے متبعین کے دشمنوں کے ہوں گے دونوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل اور مغلوب کر دیں گے والخیبة لمن لم یشہد غنیمۃ کلب، اور خسارہ میں رہیں گے وہ لوگ جو غنیمت کلب میں شریک نہ ہوں گے، گویا آپ ترغیب دے رہے ہیں مسلمانوں کو اس بات کی کہ ان کو چاہیے کہ وہ مہدی کی تائید میں جیش کلب کے ساتھ قتال میں شریک ہوں اور پھر ان کا مال غنیمت لوٹیں، فیقسم المال ویعمل فی الناس بسنة نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پس وہ مہدی مال تقسیم کریں گے یعنی مال غنیمت کو اور خلافت کے امور انجام دیں گے لوگوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق، ویلقی الاسلام بجرانہ الی الارض اور اسلام اپنی گردن زمین پر پھارے گا یعنی اسلام کا خوب استحکام ہوگا ان کے زمانہ میں اور امن و امان، ادنٹ جب بہت موج میں آتا ہے سکون کے وقت تو بیٹھا بیٹھا اپنی گردن زمین پر پھیلا دیتا ہے لہذا یہ استعارہ ہے مسلمانوں کے اطمینان اور سکون سے،

فیلبث سبع سنین ثم یتوفی ویصل علیہ المسلمون۔

سات سال تک ان کی خلافت رہے گی پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے مدت خلافت مہدی | بعض راویوں نے بجائے سات کے نو سال کہا، ممکن ہے دو سال وہ قتال میں مشغول رہیں، جس نے نو کہا اس نے ان دو کو بھی شامل کر لیا اور جس راوی نے سات سال کہا اس نے ان دو کو ساقط کر دیا، (بذل)

قلت یا رسول اللہ! کیف یمن کان کا دھا؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں یہ زیادتی ہے وہ فرماتی ہیں

کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حبشہ النخسف کے بارے میں یہ سوال کیا کہ ممکن ہے اس میں بعض لوگ ایسے بھی ہوں جو اس بڑائی میں شریک نہ ہونا چاہتے ہوں اور زبردستی لوگوں نے ان کو اس میں شریک کر لیا ہو تو ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو وہ اور لوگوں کے ساتھ یعنی عموم عذاب میں شامل ہو جائیں گے لیکن بروز قیامت وہ اپنی نیت پر اٹھیں گے اور ان کے ساتھ ان کی نیت کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفضل ابی ابنہ حسن الا۔ یعنی ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یعنی معزز، کہ شہادت اور خلافت حاصل ہونے کے باوجود مصلحتاً اس سے دست بردار ہو جائیں گے جس سے بعض دنیا داروں کی نگاہ میں تو ذلیل اور عند اللہ عزیز ہوں گے، اور پھر فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ اس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا، یشبہہ فی الخلق ولا یشبہہ فی الخلق جو اپنی سیرت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہوگا نہ کہ ظاہری صورت میں، سمعت علیاً کومر اللہ تعالیٰ وجہہ یقول قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ العارث حراث، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اخیر زمانہ میں ایک شخص نیکے گا نہر کے پرے سے یعنی نہر جیحون کے پرے جو شہر ہیں بخارا اور سمرقند وغیرہ، جس کا نام عارث ہوگا جو کاشتکار ہوگا، علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور یوطئ۔ اویس کن۔ لذل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یعنی جو شخص صنایح ماوراء النہر سے نیکے گا اس کے مقدمتہ آبیش پر ایک شخص امیر ہوگا جس کا نام منصور ہوگا جو آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی امام مہدی کی تائید اور حمایت میں کھڑا ہوگا جیسا کہ مؤمنین قریش نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تائید کی تھی، اس وقت کے ہر مسلمان پر اس کی نصرت واجب ہوگی۔

حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر یہاں پر کتاب الفتن والملاحم میں اس حیثیت سے ہے کہ ان کا ظہور اخیر میں اور ایسے زمانہ میں ہوگا جو فتن کا زمانہ ہوگا ورنہ حضرت مہدی کا وجود تو خیر محض ہے اور ایسے ہی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر جس کو بعض محدثین مصنفین اسی مقام پر ذکر کرتے ہیں۔

پھر جاننا چاہیے کہ ظہور مہدی کی بہت سی علامات ہیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی ان کا ظہور ہوگا، اس سلسلہ کی روایات لا الشاعۃ لاشرط الساعۃ میں متعدد مذکور ہیں، نسخہ مجتہات کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: کہا گیا ہے کہ ان کا خروج بلاد مشرق

لہ کافی جامع الترمذی و سنن ابن ماجہ، اور صحیح مسلم میں نزول عیسیٰ کا باب کتاب الایمان میں ہے گریہ اوائل کتاب میں، اور صحیح بخاری میں، کتاب الانبیاء ایک مستقل کتاب ہے ابواب المناقب کے متصل، امام بخاری نے اس باب کو اس میں ذکر فرمایا ہے، ہمارے امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی مستقل باب قائم ہی نہیں فرمایا:

سے ہوگا اور لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہونگے مسجد حرام میں، اور دارقطنی میں ان کے ظہور کی ایک علامت مذکور ہے وہ یہ کہ جس سال ان کا ظہور ہوگا اس سال یکم رمضان کو کسوف شمسی ہوگا اور نصف رمضان میں خسوف قمری نکلتے اور روایت ابی داؤد صریحہ میں ان المہدی یخرج من المدینۃ بعد موت خلیفہ ہاربا الی مکہ فتقع المہایعۃ فی المسجد الحرام۔  
بعض نسخوں میں یہاں پر ہے آخر کتاب المہدی۔

## باب ما یدکر فی قرن المئۃ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فیما علم۔ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی رأس کل مئۃ سنۃ من یجد دلہا دینہا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اگے سند کے رواۃ میں سے کوئی راوی کہہ رہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ ابو ہریرہ کے بعد اس سند میں عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے، یعنی ظن غالب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ مضمون حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس امت کی اصلاح اور دین محمدی کی ترقی اور بقا کے لئے ہر صدی کے پورا ہونے پر ایسا شخص یا ایسی جماعت پیدا فرمائیں گے جو اس امت کیلئے اس کے دین کی تجدید کرے، یعنی جو سنت کا احیاء اور بدعات کے خلاف کارہائے نمایاں انجام دے سکے، گویا اس حدیث میں آپ کی طرف سے بشارت ہے دین اسلام کی بقا اور ترقی کی کہ حق تعالیٰ شانہ اس دین کی حفاظت کے لئے ہر صدی اور سو سال پورا ہونے پر ایک ایسی شخصیت یا جماعت پیدا فرماتے رہیں گے جو اس دین کی تجدید کرتی رہے گی، حق کو باطل سے اور سنت کو بدعت سے ممتاز کرتی رہے گی اور لوگوں کے لئے راہ راست پر آنے کا ذریعہ بنی رہے گی۔ شروع حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں علماء نے اپنے اپنے زمانے کے مجددین کی تعیین بھی فرمائی ہے، مشہور ہے کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں جو تدوین حدیث کے مجدد اور گویا بانی ہیں۔

در اصل ایک صدی جو ہے وہ ایک متحدہ زمانہ اور مدت ہے جس میں تقریباً ایک زمانہ کے لوگ سب ختم ہو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، تو جس طرح ہر صدی کے لوگ الگ ہوتے ہیں صدیاں گزرتی رہتی ہیں اور نئے لوگ دنیا میں آتے رہتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ شانہ ان نئے والے انسانوں میں دین کی نمایاں خدمات انجام دینے والے بھی پیدا فرماتے رہتے ہیں خدمت دین کے شعبے مختلف ہیں و عطا و تذکیر، تصنیف و تالیف (نشر علوم دینیہ) پھر علوم دینیہ میں ایک فن حدیث ہے ایک فن فقہ ہے ایک فن تفسیر ہے، ایک فن تزکیہ و سلوک ہے، لہذا یہ ضروری نہیں کہ مجدد صرف ایک ہی

۱۱ جیسا کہ الدر المنصور کے مقدمہ میں بھی مدون حدیث کی بحث میں گزر چکا، اس کی طرف رجوع کیا جائے ۱۱

۱۲ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے اراہتم لیلکم ہذہ فان علی رأس مائۃ سنۃ منہا لایبقی من ہو علی ظہر الارض احد الحدیث۔



شخص ہو بلکہ ہر اُن کا مجدد الگ ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اختلاف ممالک و اقالم سے اس میں تعدد ہو، پس یہ ضروری نہ ہو کہ جو مجدد ہو وہ جملہ عالم کے اعتبار سے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (من البدل)

علمائے گذشتہ صدیوں میں سے ہر ہر صدی کے مجددین کی اپنی معلومات اور رجحان کے اعتبار سے تعیین بھی فرمائی ہے علامہ طیبی نے بھی مشکاة کی شرح میں ابوداؤد کی اس حدیث کی شرح کے بعد ان حضرات کی تعیین صاحب جامع الاصول سے نقل کی ہے۔

**مجددین کا شمار** اللہ ہم ان کی عبارت بعینہ یہاں نقل کرتے ہیں، انہوں نے شروع میں یہ لکھا ہے کہ بہت سے حضرات علمائے ایسا کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی شرح میں مجدد کی تعیین اس شخص سے کی ہے جو اس کے مسلک کے پیش رو تھے اور حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ خلاف اولیٰ ہے، اولیٰ یہ ہے کہ حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے، ان کے لفظ یہ ہیں اذ کل واحد اشار الی القائم الذی ہو من مذہبہ و حمل الحدیث علیہ، والاولیٰ الحمل علی العموم فان لفظہ من یقع علی الواحد وجمع، ولایخص ایضاً بالفقہار فان ارتفاع الامة بہم وان کان کثیرا اذ حفظ الدین و قوانین السياسة و وسط العدل و وظیفہ اولی الامر، وکذا القراء و اصحاب الحدیث یفعلون بضمط التزیل و الا حدیث الیٰ اصول للشرع و اولیٰ، و انہ یفعلون بالمواعظ و الحث علی لزوم التقویٰ و الزہد فی الدنیا لکن المبعوث ینبغی ان یکون مشاراً الیہ مشہور فی کل فن من ہذہ الفنون فقی رأس الامة الاولیٰ من اولی الامر عمر بن عبد العزیز، و من الفقہاء محمد بن علی الباقر و القائم بن محمد بن ابی بکر الصدیق و سالم بن عبد اللہ بن عمرو الجعفی البصری و محمد بن سیرین و غیر ہم من طبقاتہم و من القراء عبد اللہ بن کثیر، و من الحدیثین ابن شہاب الزہری و غیر ہم من التابعین و تابعی السابغین و فی رأس الامة الثانیۃ من اولی الامر المامون و من الفقہاء الشافعی، و احمد بن حنبل لم یکن مشہوراً حینئذ و اللؤلؤی من اصحاب ابی حنیفہ و اشہب من اصحاب مالک، و من الامامیۃ علی بن موسیٰ الرضا و من القراء یعقوب الخضری و من الحدیثین یحییٰ بن معین، و من الزہاد معروف الکرخی۔

و فی آت الامة من اولی الامر مقتدر بالشہد و من الفقہاء ابو العباس ابن سرج الشافعی و ابو جعفر الطحاوی و کنفی و ابن ضلال الجعفی و ابو جعفر الرازی الراعی، و من المتکلمین ابو الحسن الاشعری و من القراء ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مجاہد و من الحدیثین ابو عبد الرحمن النسائی۔

و فی الامة من اولی الامر مقتدر بالشہد و من الفقہاء ابو حامد الاسفہانی الشافعی و ابو بکر الخوارزمی و کنفی و ابو محمد عبد الوہاب اذا کی و ابو عبد اللہ اسعین الجعفی، و امر تفضی الموسویٰ، و خوارزمی الشافعی و من المتکلمین القاضی ابو بکر الباقلائی و ابن فورک و من الحدیثین الحاکم ابن البیہق، و من القراء ابو الحسن الجعفی و من الزہاد ابو بکر الدینوری۔

و فی الامة من اولی الامر المستظهر بالشہد و من الفقہاء ابو حامد الغزالی الشافعی و ابن سرج الشافعی و ابن احمد بن محمد بن ابو جعفر الطحاوی (کذا) الجعفی و من الحدیثین رزین العبدری، و من القراء ابو الفوار القلاسی ہولاء کا فوا مشہورین فی الامة

صاحب جامع الاصول نے تیسری صدی کے مجددین میں ابوجعفر الامامی کو اور چوتھی صدی میں رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے جو نادر تھے چنانچہ اس پر صاحب عون المعجور نے اظہار تعجب کیا ہے کہ یہ دونوں تو علمائے شیعہ میں سے ہیں اور مجدد تو وہ شخص ہو سکتا ہے جس کا کام احیاء سنت اور امامت بدعت ہو، اور جو شخص خود مبتدع ہو چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کو مجددین میں شمار کیا جائے، کیف وہم بخرون الیدین تکلیف

قال ابو داؤد: رواه عبد الرحمن بن شريح الاسكندراني لم يجزئيه شرا حيل، يعني عبد الرحمن بن شريح نے جب اس کو شرا حیل سے روایت کیا تو سند میں اس سے آگے نہیں بڑھے، سند کو اسی پر اگر روک دیا اور اخیر کے دو راوی ابو علقمہ اور ابو ہریرہ ان کو ذکر نہیں کیا لہذا ان کی سند کے اعتبار سے یہ حدیث معضل ہو گئی۔

وایسے مجددین والی حدیث ثابت اور صحیح ہے، عون المعبود میں اس حدیث کا ثبوت اور صحت مستعد کتب سے نقل کیا ہے: قال السيوطي في مرآة الصعود: اتفق الحفاظ على تصحيح منجم الحاكم في المستدرک والبيهقي في المدخل. ومن نص علي صحة من المتأخرين الحافظ ابن حجر اه وقال المناوي في فتح القدير: اخرجه ابو داؤد في الملاحم والحاکم في الفتن وصححه، والبيهقي في كتاب المعرفة كلهم عن ابي هريرة، قال الزين العراقي وغيره سند صحیح اھ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ستہ میں سے صرف سنن ابوداؤد میں ہے۔

## باب ما یدکر من ملاحم الروم

عن حسان بن عطية قال مال مكحول وابن ابي زكريا الى خالد بن معدان ومليت معهما فحدثنا عن جبیر بن نفيير عن الھدنة قال قال جبیر انطلق بنا الى ذي مخبر رجل من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاتينا فساله جبیر عن الھدنة۔

حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکحول اور ابن ابی زکریا خالد بن معدان کے یہاں آگئے، میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا، ہمارے پہنچنے پر انہوں نے یعنی خالد بن معدان نے جبیر بن نفییر کی حدیث سنائی الھدنة یعنی صلح کے بارے میں اور اس کی سند اس طور پر

مجددین، ویمیتون السنن فکیف یجوزہا، ویروجون البدر فکیف یجوزہا۔ الی آخره۔ وقد ذکره العلامة محمد طاہر فی مجمع البحار ولم يتعرض بذكر مسامحة ولم ينبر على خطئه، صاحب جامع الاصول نے تو پانچویں صدی تک کے مجددین کو شمار کرایا ہے، صاحب عون المعبود نے اس حدیث پر کسی قدر بسط کیساتھ کلام کیا ہے اور پانچویں صدی کے مابعد تیرہویں صدی تک کے مجددین کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ علمائے اپنے زمانہ سے گذشتہ مجددین کو ذکر کیا ہے علامہ سیوطی نے بھی اس پر ان کو اشعار میں بیان کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے، تحفة المبتدین باخبار المجددین، جس میں انہوں نے نویں صدی تک کے مجددین کو اپنی رائے کے اعتبار سے بیان کیا ہے اور اخیر میں کہتے ہیں

وهذه تاسعة المئين قد : امت ولا يخلف ما الهادي وعد

وقدر جوت انني المجدد : فيها فضل الله ليس يجحد

وہ فرما رہے ہیں کہ نویں صدی آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ قلاتی نہیں فرماتے ہیں، مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اس صدی کا مجدد میں ہی ہوں

بیان کی کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ مجھ سے (یعنی خالد بن معدان سے) جیسر بن نفیر نے کہا کہ چلو میرے ساتھ ذو مخبر صحابی کے پاس۔ یعنی ان کی زیارت وغیرہ کے لئے۔ چنانچہ ہم ان کے پاس گئے، خالد کہتے ہیں وہاں میری موجودگی میں جیسر نے ان سے یعنی ذی مخبر سے صدقہ کے بارے میں سوال کیا یعنی یہ سوال کیا کہ ہدینہ سے متعلق جو حدیث تم بیان کرتے ہو وہ سناؤ کیا ہے تو ان کی فرمائش پر انہوں نے وہ حدیث سنائی: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول مستصالحون الروم صلحنا امننا

فتغزون انتم وهم عدوا من ورائكم فتتصرون وتغنون وتسلمون ثم ترجعون الخ۔

**مضمون حدیث** میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ تم لوگ نصاریٰ روم سے مصالحت کرو گے اور پھر دونوں اکٹھے ہو کر ایک دشمن سے لڑو گے جس میں تم کو فتح ہوگی اور مال غنیمت حاصل ہوگا۔ پھر جب وہاں سے لوٹو گے تو وہاں ایسی میں راستہ میں تم ایک سبزہ زار میں اترو گے جس میں ٹیلے ہوں گے۔ تو وہاں یہ بات پیش آئے گی کہ نصاریٰ میں سے ایک شخص صلیب کو بلند کرے گا اور کہے گا علی الصلیب یعنی صلیب والے اور نصاریٰ غالب آگئے، اس پر ایک مسلمان کو طیش آئے گا اور وہ اس نصرائی کی پٹائی کر دے گا، اس پر وہ ساری صلح ختم ہو جائے گی اور سارے رومی غداری پر اتر آئیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے لئے جمع ہو جائیں گے۔ یہ حدیث مختصراً کتاب الجہاد، باب فی صلح العدو میں بھی گذر چکی۔

فعند ذلك تغدروا روم وتجمع للملاحمة، اس لہجہ سے مراد وہی لہجہ ہے جو آگے۔ باب فی امارات الملاحمہ میں آرہی ہے وخراب یثرب وخراب یثرب خروج الملحمۃ وخراب یثرب خروج الملحمۃ فتح القسطنطینیۃ، اور اس کے بعد والے باب میں آرہا ہے الملحمۃ الکبریٰ فتح القسطنطینیۃ وخراب الدجال فی سبعتہ اشہر والحديث اخر جہا بن ماجہ وقد تقدم فی الجہاد، قال المنذری۔

## باب فی امارات الملاحمہ

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمران بیت المقدس

خراب یثرب وخراب یثرب خروج الملحمۃ وخراب یثرب فتح القسطنطینیۃ وفتح قسطنطینیۃ خروج الدجال

ثم ضرب بیده علی فخذ الذی حدثہ ثم قال ان هذا الحق کما انک ہنہنا۔

آپ فرما رہے ہیں کہ اخیر زمانہ میں بیت المقدس کا آباد ہونا گویا یثرب کا ویران ہونا ہے، اور خراب یثرب یہ سمجھئے کہ لہجہ اور لڑائی کا ظہور ہے اور لہجہ کبریٰ کا ظہور یہ قسطنطینیۃ کی فتح ہے (جس کو امام مہدی فتح کریں گے) اور یہ فتح قسطنطینیۃ ہی خروج دجال ہے، یعنی ان امور مذکورہ اربعہ میں سے ہر ایک اپنے مابعد کے لئے علامت ہے، بیت المقدس کا آباد ہونا یہ علامت ہے مدینہ منورہ کے ویران ہونے کی، اس لئے کہ عمران بیت المقدس نصرائی کے قلبہ کی وجہ سے ہوگا، اور یثرب کے خراب اور ویران ہونے کے بعد وہ لڑائی اور لہجہ کبریٰ شروع ہو جائیگی جو اہل شام اور روم کے درمیان ہوگی جس کا منہتی اور نتیجہ فتح قسطنطینیۃ ہوگا، لہذا خروج لہجہ

علامت ہوئی فتح قسطنطنیہ کی، اور چونکہ خروج دجال فتح قسطنطنیہ کے بعد ہوگا لہذا اس فتح کا پایا جانا علامت ہوا خروج دجال کا۔ یہ مضمون بیان کرنے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس شخص کی ران یا کندھے پر رکھ کر جس سے آپ حدیث بیان کر رہے تھے یعنی معاذ بن جبل، یہ فرمایا کہ یہ جو علامتیں میں نے بیان کی ہیں یہ ایسی برحق اور یقینی ہیں جیسے تیرا یہاں موجود ہونا ایک امر یقینی اور ناقابل تردید بات ہے۔

فتح قسطنطنیہ کا ذکر ہمارے یہاں کتاب الجہاد باب فی قولہ عزوجل: وَلَا تَلْقُوا بَايِعِكُمُ الْاِلٰهِيَّةَ فِيكُمْ۔ میں گذر چکا۔

## باب فی تواتر الملاحم

الملحمة الكبرى وفتح القسطنطينية وخروج الدجال في سبعة اشهر۔

پہلی حدیث میں یہ گذر چکا کہ لمحہ کبریٰ علامت ہے فتح قسطنطنیہ کی، اور فتح قسطنطنیہ علامت ہے خروج دجال کی اور اس حدیث میں یہ فرما ہے میں کہ اس لڑائی کے بعد فتح ہونا اور اس کے بعد پھر خروج دجال یہ سات ماہ کے اندر نازل ہو جائے گا، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ یہ لڑائی اور فتح چھ سال کے اندر پائی جائے گی اور خروج دجال ساتویں سال ہوگا، حاصل یہ کہ پہلی حدیث میں ماہ مذکور ہے اور دوسری میں سال، اسی تعارض کے بارے میں آگے آرہا ہے: قال ابو داؤد: وهذا اصح من حدیث عیسیٰ، مصنف روایت ثانیہ جس میں سال مذکور ہے اس کو ترجیح دے رہے ہیں پہلی روایت پر یعنی سال کا ذکر صحیح ہے اور ماہ کا دھم، لیکن اس تعارض کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ پہلی روایت میں جس میں سات ماہ مذکور ہے اس میں یہ کہا جائے کہ لڑائی کا اختتام مراد ہے کہ لڑائی کی انتہا اور قسطنطنیہ کے فتح ہونے میں سات ماہ لگ جائیں گے یعنی چھ ماہ کا فصل ہوگا اور ساتویں مہینہ میں فتح کی تکمیل کی جائے گی، اور دوسری حدیث میں لمحہ کی ابتداء مراد لی جائے کہ لڑائی شروع ہونے کے بعد اسکے اختتام میں چھ سال لگ جائیں گے اور ساتویں میں فتح ہو جائیگی اور حضرت شیخ کے حاشیہ میں ہے کہ ملا علی قاری نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان جمع ایک دوسری طرح سے کیا ہے وہ یہ کہ لمحہ کا مصداق ان دونوں حدیثوں میں الگ الگ قرار دیا ہے پہلی حدیث میں لمحہ سے مراد لمحہ کبریٰ ہے جیسا کہ اس میں تصریح ہے، اور دوسری حدیث میں لمحہ سے کوئی دوسرا لمحہ مراد ہے۔ اس حدیث میں حوادث اور ملاحم کا تواتر تسلسل مذکور ہے اسی لئے مصنف نے اس پر ترجمہ بھی یہی قائم کیا ہے اعادنا للہ تعالیٰ مہنا، والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی غریبہ قالہ المتذری۔

## باب فی تداعی الامم علی الاسلام

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوشک الامم ان تداعی

علیکم کما تداعی الاکلکۃ الی قصعھا۔

تداعی اگر باب تفاعل سے ہے تو تاقضوح ہوگی جو اصل میں تداعی تھا اور اگر اس کو باب مفاعلتہ سے مانا جائے تو تداعی ضم تا کے ساتھ ہوگا، بصیغہ مضارع واحد مؤنث غائبہ تداعی ساتھیوں کا ایک دوسرے کو بلانا کسی کام پر جمع ہونے کیلئے، جیسے جب دسترخوان بچھتا ہے تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کھانے کیلئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی آنے والا ہے کہ تمام دشمنان اسلام کے فرقے ایک دوسرے کو بلاتیں گے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے اس پر ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا اس وقت مسلمان قلیل ہوں گے یعنی ان کی قلت کی وجہ سے کفار کے گروہ ان پر اٹھ آئیں گے، تو آپ نے فرمایا: بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غمشاء کغشاء السیل، آپ نے فرمایا کہ اس وقت مسلمان قلیل تو نہ ہوں گے بلکہ کثیر ہوں گے لیکن ان کا حال ایسا ہوگا جیسے پانی کے اوپر جھاگ آجاتا ہے جس میں کوڑا اور تنکے وغیرہ ہوتے ہیں۔ مراد اراذل الناس ہیں، یعنی مسلمان کو کثیر ہوں گے لیکن ایمان اور اخلاق کے اعتبار سے گھٹیا اور کمزور اور کم حیثیت، اسی وجہ سے کفار ان پر جبری ہو جائیں گے۔

ولینزمن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا رعب اور ان کی ہمت دشمن کے سینوں سے نکال دیں گے اور مسلمانوں کے قلوب میں دھن یعنی کمزوری ڈالیں گے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ کمزوری سے کیا مراد ہے قال حب الدنيا و كراهية الموت یعنی کمزوری سے مراد ایمان کی کمزوری جس کا منشا حب دنیا ہوگا، دل میں دنیا اور متاع دنیا کی رغبت اور محبت، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی موت سے گھبراتا ہے، میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ حضرت اقدس گنگوہی کی حیات میں گنگوہ شریف میں کوئی واقعہ پیش آیا تھا جس کی تفتیش و تحقیق کے لئے بڑے حکام کلکٹر وغیرہ لوگوں سے مل کر معلومات کر رہے تھے، حضرت کی خانقاہ کے دروازہ پر بھی پہنچے کلکٹر کی حضرت ہی سے بات ہوئی، اور پوچھ کر چلا گیا راستہ میں وہ پوچھنے لگا لوگوں سے جو ہمراہ تھے کہ یہ بڑے میاں کون تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے بڑے عالم اور بزرگ تھے کہنے لگا اچھا یہی بات ہے، ہمارا دل ان سے کانپتا تھا، حضرت تمہاری فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کا یہ رعب معیت حق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

## باب فی المعقل من الملاحم

معقل یعنی ملجاء اور جائے پناہ، عقل یعقل عقولاً پناہ لینا ٹھکانا بنانا۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان قسطنطین المسلمین یوم

نہ کانی الحدیث ولیعقلن الدین فی الحجارة معقل الامویہ من رأس الجبل (ترمذی کتاب الایمان) یعنی اخیر زمانہ میں دین حجاز مقدس میں اپنا ٹھکانہ ایسا بنائے گا جیسا کہ پہاڑی بکری پہاڑ کی بلندی پر۔

الملاحمة بالغوطة الى جانب مدينة يقال لها دمشق من خير مدائن الشام۔  
 آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا خیمہ اور جائے پناہ لڑائی کے دن مقام غوطہ میں ہوگا شہر دمشق کی ایک جانب میں وہ دمشق جو  
 کہ شام کے بہترین شہروں میں سے ہے۔

بقا ہر لمحہ سے وہی لمحہ مراد ہے جس کا اوپر والی حدیثوں میں ذکر آیا ہے، جس کے بعد فتح قسطنطنیہ ہوگی۔

قال ابو داؤد: حدثت عن ابن وهب قال حدثني جريون بن عازم عن عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن

عمر رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: يوشك المسلمون ان يحاصروا  
 الى المدينة حتى يكون ابعدهم سلاح۔

**شرح الحدیث** آپ فرما رہے ہیں کہ قریب ہے وہ وقت کہ مسلمانوں کو گھیر جائے مدینہ کی طرف یعنی مسلمان بچ کر ہجرت  
 کر کے مدینہ منورہ کی طرف چلے جائیں گے اور دشمن ان کا محاصرہ کیے ہوئے ہوگا مدینہ منورہ کے ارد گرد،  
 اور دشمن ان کے اتنا قریب پہنچ جائے گا کہ اس وقت اہل مدینہ کی بعید تر سرد موضع سلاح ہوگی، یعنی وہاں تک دشمن پہنچ جائیگا  
 اگلی روایت میں ہے، راوی کہتا ہے کہ سلاح ایک جگہ ہے خیبر کے قریب، حالانکہ خود خیبر مدینہ سے زیادہ دور نہیں ہے، تو گویا  
 اہل مدینہ اس وقت دشمن کے گھراؤ کی وجہ سے کافی تنگی میں ہوں گے، بزل میں لکھا ہے: وهذا يدل على كمال التضيق عليهم،  
 واحاطة الكفار حوالہ الیہم۔

یہ حدیث بعینہ اسی طرح اسی سند سے کتاب الفتن کے آخر میں گذر چکی ہے، باب کی پہلی حدیث سے غوطہ کا معقل  
 ہونا اور حدیث ثانی سے مدینہ منورہ کا معقل ہونا ثابت ہوا۔

## باب ارتفاع الفتنة في الملاحمة

فتنة کا اطلاق زیادہ تر اس لڑائی پر ہوتا ہے جو آپس میں مسلمانوں کے درمیان ہو، اور لمحہ وہ لڑائی جو مسلمانوں اور کفار  
 کے درمیان ہو۔ لن يجمع الله على هذه الامة سيفين، سيفا متها وسيفا من عدوها۔ اس حدیث کا مضمون وہی ہے،  
 جو ترجمہ الباب کا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ میں بیک وقت دو تلواریں جمع نہیں کریں گے کہ وہ آپس میں بھی لڑ رہے  
 ہوں، اور اسی حال اور وقت میں دشمن بھی ان پر چڑھائی کرے بلکہ دشمن سے لڑائی کے وقت اگر مسلمانوں میں آپس میں پہلے  
 سے قتال ہو رہا ہوگا تو دشمن کی لڑائی کے وقت وہ اس سے رک جائیں گے۔

لہ حدیث عن ابن وهب۔ حکذانی الاصول، والحدیث رواہ الحاکم من طریق احمد بن عبد الرحمن بن وهب وهو ابن اخي عبد الله بن وهب عن عبد الله بن جرير  
 وصح على شرط مسلم ودافقه الذهبي، فلعن محدث ابی داؤد وهنا هو احمد هذا وانما لم يرد ابو داؤد لما قيل من اختلاف، ورواية مسلم عنه كانت قبل ذلك۔ (محمد عوام)



## باب فی النهی عن تمہیج الترتک والحبشة

دعوا الحبشة ما ودعواکم وارتوکوا الترتک ما ترکوکم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اہل حبشہ کو چھوڑ سے رہو، یعنی ان کے ساتھ قتال نہ کرو جب تک وہ تمہیں چھوڑ سے رکھیں، یعنی تم ان سے قتال میں پہل نہ کرو، اور اسی طرح یہ حکم آپ مسلمانوں کو ترکوں کے بارے میں فرما رہے ہیں، اور یہ امر بالترتک اباحت اور رخصت کے لئے ہے و جب کے لئے نہیں بطور مشورہ کے ہے۔

حدیث پر ایک اشکال اور جواب | مظاہر حق ص ۳۳۹ میں ہے کہ چھوڑو تم حبشیوں کو جب تک کہ وہ چھوڑ دیں تم کو، اور چھوڑو تم ترکوں کو جب تک کہ چھوڑیں وہ تم کو، آگے اس میں ہے۔

فائدہ: اگر کہیں قرآن شریف میں حکم ہے۔ قاتلوا المشرکین کا ذمہ علی العموم فرمایا ہے کہ مشرکوں سے قتال کرو جہاں ہوں، حضرت نے یہ کیوں فرمایا کہ ان کو چھوڑ سے رکھو، جواب اس کا یہ ہے کہ حبشہ اور ترک عموم اس آیت سے مخصوص اور خارج ہیں اسلئے کہ شہر ان کے بعید ہیں، ان کے شہروں میں اور اسلام کے شہروں میں دشت و بیابان بہت ہیں، جب تک کہ وہ تعرض نہ کریں اور اسلام کے شہروں پر نہ آویں تعرض ان سے کرنا نہ چاہیئے لیکن اگر وہ سبقت کریں اور اسلام کے شہروں میں ساتھ قہر اور غلبہ کے آویں فرض ہوگا قتال ان کا، یا کہیں کہ آیت ناسخ اس حدیث کی ہے اور حکم اس حدیث کا ابتداء اسلام میں تھا بسبب ضعف اسلام کے، اور جب اسلام قوی ہوا حکم علم ہوا۔ والحدیث اخرجہ النسائی اتم منہ، قال المنذری۔ یہ حدیث نسائی میں ایک طویل حدیث کا آخری ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث آپ نے حفر خندق کے وقت میں فرمائی تھی، اصل حدیث اس میں دیکھی جائے، کتاب الجہاد، باب غزوة الترتک والحبشة میں۔

## باب فی قتال الترتک

ترک حضرت لوز علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے یا فٹ کی اولاد میں سے ہیں، اور حبشہ اولاد حام سے ہیں اور عرب اولاد سام سے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا تقوم الساعة حتی یقاتل المسلمون الترتک قوما وجوہہم کالمجان المطرقة یلبسون الشعر۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ حتی تقاتلوا قوما نعالہم الشعر وحتی تقاتلوا قوما صغار الاعین ذلف الانوف۔

جس قتال ترک سے پہلی حدیث میں روکا گیا تھا، اس حدیث میں ان کے ساتھ وقوع قتال کی پیشین گوئی ہے کہ قیامت آنے سے پہلے مسلمانوں کو ترکوں کے ساتھ قتال کی یقیناً نوبت آئے گی، اور اس میں ان لوگوں کا نقشہ اور صورت شکل بھی بیان

کی گئی ہے کہ ان کے چہرے اس ڈھال کی طرح ہوں گے جو تہ بہ تہ ہو یعنی موٹی اور دوہری یہ تشبیہ تدویر اور موٹا ہونے میں ہے یعنی ان کے چہرے گولائی میں ڈھال کی طرح ہوں گے اور ڈھال بھی وہ جو دوہری ہو، یہ ان کے رخساروں کے موٹا ہونے کی طرف اشارہ ہے، یلبسون الشعر یعنی اون کے بنے ہوئے کپڑے پہنیں گے اپنے ملک کے سرد ہونے کی وجہ سے، اور نعالہم الشعر یعنی ان کے جوتے بھی بٹے ہوئے بالوں کے ہوں گے، اور صغار الاعین چھوٹی آنکھ والے، ذلف الانوف چھٹی ناک والے، ذلف جمع ہے اذلف کی جو ماخوذ ہے ذلف سے یعنی ناک کے چھوٹا ہونے کے ساتھ اس کا پھیلا ہوا ہونا، صفر الانف واستوار الارنبہ۔

اس ترک سے مراد وہ ہیں جن کو تاتار کہا جاتا ہے اور جو صحرائے گوبی اور اس سے شمال کے علاقوں قازاخستان وغیرہ میں رہتے ہیں کیونکہ جو اوصاف حدیث پاک میں بیان کئے گئے ہیں وہ ان ہی پر صادق آتے ہیں، اور یہ جو ترکی میں رہنے والے ہیں ان کی یہ صورت شکل نہیں ہے وہ تو بہت اچھی صورت شکل کے ہوتے ہیں۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی ان ترکوں کے ساتھ قتال ہو رہا ہے جو ان ہی صفات کے ہیں جن کو آپ نے حدیث میں ذکر فرمایا ہے صغار الاعین ذلف الانوف وغیرہ، اور اس سے پہلے بھی بارہا مسلمان ان سے قتال کر چکے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کے حق میں حسن انجام کا سوال کرتے ہیں اھ (بذل) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ساتویں صدی کے ہیں، ان کی وفات ۶۷۶ھ میں ہے۔

الحديث الاول اخرجہ مسلم والنسائی، والحديث الثاني اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

قال: تسوقونهم ثلاث مرار حتى تلحقوهم بجزيرة العرب فاما في السياقة الاولى فينجون هرب

منهم، واما في الثانية فينجو بعض ويهلك بعض واما في الثالثة فيصطلحون، او كما قال۔

فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہانکو گے تم ان کو تین بار، مظاہر حق میں ہے، ہانکو گے تم ان کو تین بار یعنی ہوں گے وہ مغلوب و مقہور بھاگنے والے کہ تم ان کو بھگا دو گے یہاں تک پہنچاؤ گے ان کو جزیرہ عرب میں اھ پس بہر حال پہلے ہانکنے میں یعنی پہلے حملہ میں ترکوں میں سے جو بھاگ جائیں گے وہ نجات پا جائیں گے، اور بہر حال دوسرے حملہ میں بعض ترک ہلاک ہوں گے، بعض نجات پا جائیں گے، اور بہر حال تیسرے حملہ میں پس ان کا استیصال کر دیا جائیگا، مظاہر حق میں ہے: اور اسی پر (بہر حال) تیسرے ہانکنے میں پس کاٹے جاویں گے اور چڑھے اکھاڑے جاویں گے۔

تنبیہ: حضرت نے بذل میں صاحب عون سے نقل فرمایا ہے کہ ابو داؤد کی اس حدیث اور مسند احمد کی حدیث میں مخالف ہے بین طور پر اسلئے کہ مسند احمد کی روایت روایت میں مخالف کا سیاق وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہانکنے والے ترک ہوں گے مسلمانوں کو جو ان کو

تین بار ہانگیں گے یہاں تک کہ ان کو جزیرہ عرب میں لاق کر دیں گے، اور امام قرطبی نے مسند احمد کی حدیث کے بارے میں کہا ہے، "استادہ صحیح، صاحب عون کہتے ہیں کہ میرے نزدیک مسند احمد ہی کی روایت صحیح ہے اور ابوداؤد کی یہ روایت بظاہر وہم ہے، کسی راوی سے اس میں وہم واقع ہوا ہے۔"

شمار صاحب البذل قدس سرہ  
علی صاحب عون المعبود

ان کے بعد صاحب عون نے مسند احمد کی روایت کے مضمون کو مختلف وجوہ سے مؤید کیا ہے: مہنا و قوع قعہ فتمتہ التتار علی حسب ما وقع فی حدیث احمد مفصلاً: فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر بجزار، وھذا عندی کما قال، واللہ تعالیٰ اعلم ومن شاء التفصیل فلینظر عون المعبود، اھ یہ حضرت اقدس سہارنپوری کی حق گوئی و انصاف پسندی ہے و الحق الحق ان یتبع، ورنہ ہمارے حضرت صاحب عون سے اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے تاخوش سے تھے ان کی استطالت لسان اور انہما احناف کے ساتھ گستاخانہ معاملہ کی وجہ سے، حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## باب فی ذکر البصرۃ

سمعت ابی یحییٰ عن ابی عبد اللہ قال یقول فی البصرۃ قال یقول فی البصرۃ

یسمونہ البصرۃ عند نہر یقال لہ دجلۃ یكون علیہ جسری کثیرا ہلہا ویكون من امصار المهاجرین فاذا کان فی اخر الزمان جاء ہنوت طوراء عراض الوجوہ صغارا لا یعین حتی یبزلوا علی شط النہر

شرح الحدیث الطویل | اس باب کی پہلی حدیث میں بغداد کا اور دوسری حدیث میں بصرہ کا حال مذکور ہے، پہلی حدیث میں بغداد میں شروع میں مسلمانوں کے آباد ہونے کا اور ان کی کثرت کا، اور اخیر زمانہ میں اس کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے، حدیث کا ترجمہ یہ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میری امت کے کچھ لوگ ایک پست زمین میں اتریں گے جس کا نام بصرہ ہوگا ایک نہر کے کنارے جس کو دجلہ کہا جاتا ہے (دجلہ چونکہ بغداد میں ہے نہ کہ بصرہ میں لہذا اس حدیث میں یہ کہا جائیگا کہ بصرہ سے مراد معروف بصرہ نہیں ہے بلکہ باب بصرہ جو بغداد ہی میں ہے) اس نہر پر ایک پل ہوگا، اس شہر کی آبادی بہت ہوگی، یعنی مسلمان، اور وہ شہر مہاجرین کے شہروں میں سے ہوگا، اور دوسرے راوی نے کہا کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ہوگا۔ آگے جو اس پر انقلاب آئے گا اس کا ذکر ہے اور یہ پوری حدیث پیشین گوئی اور اخبار بالغیب کے قبیلہ سے ہے، جب بعد کا زمانہ آئے گا تو اس پر ہنوت طوراء آئیں گے یعنی تانہا مقابلہ کے لئے چوڑے چہرے اور چھوٹی آنکھ والے یہاں تک کہ

لہ ابوداؤد کی اس روایت کے آخر میں ہے، "ادکما قال، اس پر صاحب عون نے لکھا ہے، "وہذا لیل علی ان الراوی لم یضبط لفظ الحدیث ولذا رجحت روایۃ احمد"

وہ آکر آئیں گے اور پڑاؤ ڈالیں گے ہندو جہل کے کنارے پر۔

فیتفرق اهلها ثلاث فرق، فرقة ياخذون اذنا البقر والبرية وهلكوا وفرقة ياخذون لانفسهم وكفروا

وفرقة يجعلون ذرايهم خلف ظهورهم ويقاتلونهم وهم الشهداء۔

یعنی جب بنو قنطورا مقابلہ کے لئے آئیں گے تو اس شہر کے مسلمان تین فرقوں میں منقسم ہو جائیں گے، ایک جماعت تو ایسی ہوگی جو سیلوں کی دیوں میں سنبھال لے گی اور جنگل کو، یعنی جہاد اور مقابلہ سے بچ کر اپنی کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائے گی اور ہلاک ہوں گے، یعنی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے، اور ایک فریق جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھا ہے اس کو لے لے گا یعنی کفر و ارتداد۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور ایک فریق وہ ہوگا جو اپنی عورتوں بچوں کو اپنے پیچھے گھروں میں چھوڑ کر ان سے (بنو قنطورا سے) جا کر قتال کرے گا اور یہی لوگ شہید ہوں گے۔

مظاہر حق میں ہے: بنو قنطورا یعنی ترک، یہ نام ہے پدر کلاں ترک کا، کہ سب ترک اس کی اولاد سے ہیں نیز اس میں ہے: اس تفسیر میں جو حدیث میں صریح مذکور ہے نام بصرہ کہ ہے، اور علماء نے کہا ہے کہ مراد اس سے بغداد ہے اس دلیل سے کہ دجلہ اور پل بغداد میں ہے، نہ بصرہ، اور شہر بغداد کا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس ہیئت پر کہ اب ہے نہ بنا تھا بلکہ قریب تھے، متعدد و متفرق مضافات بصرہ سے اور منسوب اس کی طرف، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ معجزہ کے خبر دی اسکے بننے کی اسلئے فرمایا ساتھ لفظ استقبال کے، کہ ہوگا وہ بڑا شہر مسلمانوں کے شہروں میں سے، اور بہت ہونگے رہنے والے اسکے، اور یہ بھی ہے کہ ترک بصرہ میں واسطے لڑنے مارنے کے اس کیفیت مخصوص سے کہ مذکور ہوئی نہیں آئے اور اہل تواریخ نے اس کو نہیں نقل کیا، مگر بغداد میں البتہ آئے ہیں جیسے کہ معروف و مشہور ہے۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال له يا انس!

ان الناس يمصرون امصارا وان مصرا منها يقال لها البصرة۔ او البصرة فان انت مرت بها او دخلتها فاياك وسباخها وكلاءها وسوقها وباب امرائها وعليك بضواحيها فانه يكون بها خسف وقذف ورجف وقوم يبيتون يصجون قردا وخنازير۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ لوگ بہت سے شہر بنائیں گے اور تحقیق کہ ان میں سے ایک شہر ایسا ہوگا جس کو بصرہ کہا جائیگا پس اگر تیرا اس پر کو گذر ہو تو پہچانا اپنے آپ کو اس کی زمین شور سے اور اس کے مقام کھار سے۔ کھار بتشدید و تخفیف دونوں طرح منقول ہے یعنی کلاہ، بروزن کستان، اور کلاہ بروزن کتب۔ کلاہ گودی (ہندو گاہ) کو کہتے ہیں اور بصرہ میں ایک جگہ کا نام بھی ہے۔ اور پہچانا اپنے آپ کو اسکے بازار سے اور وہاں کے امراء کے باب سے، ضواحي ضاحیہ کی جمع ہے، شہر کے باہر اس کا کھلا حصہ، اور لکھا ہے کہ بصرہ میں ایک خاص جگہ کا نام بھی ہے مظاہر حق میں ہے وعلیک بضواحيها اور لازم پکڑو اس کے کناروں کو کہ نام اس کا ضواحي ہے، ضواحي جمع ضاحیہ

کی ہے۔ بمعنی کنارہ زمین کے کہ ظاہر اور کھلی ہو آفتاب میں اور ضاحیۃ البصرۃ نام ایک موضع کا ہے اس میں اور بعضوں نے کہا مراد اس سے پہاڑ اس کے ہیں اور امر ہے گوشہ نشینی اور کنارہ کشی کا۔ (آگے آپ نے ان مواضع مذکورہ سے بچنے کی وجہ بیان فرمائی کہ) وہاں پر خسف اور قذف یعنی آسمان سے پتھروں کا برستا، اور رجف یعنی زلزلے واقع ہوں گے، اور مسخ بھی، لوگ رات گزاریں گے اور صبح کریں گے اس حال میں کہ بندروں اور خنازیر کی شکلوں میں ہوں گے یعنی جو ان کے بندر ہو جائیں گے اور بڑھے سور، اس حدیث میں بصرہ معروفہ کا ذکر ہے کہ مسلمان اس کو بنائیں گے اور آباد کریں گے، بصرہ شہر جس جگہ آباد ہے اس کو حضرت عتبہ بن غزو ان نے فلاقت فاروقی میں فتح کر کے شہر بنایا تھا اس کے فتح کرنے کا ذکر شامل ترمذی کی بھی ایک روایت میں ضمنا آیا ہے، اس حدیث میں خسف اور مسخ کا ذکر ہے چونکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خسف و مسخ قدریہ میں ہوگا جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہاں بصرہ میں اس وقت قدریہ ہوں گے، مظاہر حق میں ہے ان جگہوں میں خسف وغیرہ شاید ہوگا بسبب خباثت ان کی کے اور بازاروں میں بسبب ہونے غفلت کے یا کثرت لغو کے یا فساد عقود کے اور بادشاہوں وغیرہ کے دروازوں پر بسبب کثرت ظلم کے۔

سمعت ابی یقول انطلقنا حاجین فاذا رجل فقال لنا الی جنبکم قریۃ یقال لها الابلیۃ وقلنا نعم قال من

یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین او اربعاً یقول ہذا لا بی ہریرۃ۔

**مضمون حدیث اور عبادت بدنیہ کے وصول ثواب کی دلیل**

اس حدیث کا ترجمہ مظاہر حق سے ہم کراتے ہیں اس میں ہے: اور روایت ہے صالح بن دینار تابعی سے کہتے تھے گئے ہم حج کرنے کو بصرہ سے مکہ کو پس ناگہاں وہاں ایک شخص کھڑا تھا یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس کہا انہوں نے واسطے ہمارے کہ کیا تمہارے شہر کے ایک جانب میں ایک بستی ہے کہ کہا جاتا ہے اس کو ابلیۃ (ابلہ ساتھ پیش ہمزہ اور با کے اور تشدید لام کے نام ایک قریہ کا ہے مشہور قریب بصرہ کے) کہا ہم نے ہاں ہے، کہا اس شخص نے کون ہے کہ ذمہ لے اور مشکفل ہو واسطے میرے تم میں سے یہ کہ نماز پڑھے واسطے میرے یعنی میری نیت سے مسجد عشار میں دو رکعت یا چار رکعت اور کہے یہ نماز یعنی ثواب اس کا واسطے ابی ہریرہ کے ہے (عشار نام ہے مسجد کا کہ ابلہ میں ہے اس میں واسطے برکت حاصل کرنے کے نماز پڑھتے ہیں) سنا میں نے دوست جانی اپنے سے کہ ابواقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں فرماتے تھے کہ تحقیق اللہ عزوجل اٹھاوے گا مسجد عشار سے دن قیامت کے شہید، نہیں اٹھیں گے یعنی قبروں سے یا مرتبہ میں ساتھ شہیدوں بدر کے غیر ان کے اور یہ بڑی تعریف ہے اس جماعت کی کہ بدر کے شہیدوں کے برابر ہیں، اور یہ نہیں معلوم کہ وہ اس امت کے شہیدوں میں سے ہوں گے یا اگلی امتوں میں سے، پس جب یہ مسجد ایسی فضیلت اور شرف رکھتی ہے تو نماز ادا کرنی اس میں فضیلت عظیم اور ثواب عظیم رکھتی ہے۔

لہ اوخر شامل میں باب ماجاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بروایۃ خالد بن عمیر وشلوس ابوالرقاد اس روایت کا مضمون فضائل نبوی میں دیکھا جا سکتا ہے ۱۲

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ادا کرنی بزرگ مقاموں میں اور عبادت دین کی کرنی ان میں فضیلت عظیم رکھتی ہے اور بخشنا ثواب عبادت بدنی کا کسی کو خواہ زندہ ہو یا مردہ جائز ہے اور پہنچتا ہے اور اکثر علماء اس پر ہیں، اور عبادت مالیہ کا بخشنا بالاتفاق جائز ہے۔

قال ابو داؤد: هذا المسجد مما يلي النهر مصنف فرماتے ہیں کہ یہ مسجد العشار نہر فرات جو کہ بصرہ میں ہے لکے متصل ہے۔

## باب ذکر الحبشة

اتركوا الحبشة ما تركوكم فانه لا يستخرج كذالك الكعبة الاذوا السويقتين من الحبشة۔

**شرح الحدیث** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ چھوڑو تم حبشیوں کو اور تعرض نہ کرو تم ان سے جب تک کہ چھوڑیں وہ تم کو اور تعرض نہ کہیں تم سے اس لئے کہ تحقیق شان یہ ہے کہ نہیں نکالے گا کعبہ کا گنج مگر ایک شخص صاحب دو پنڈلیوں چھوٹی کا حبشی میں سے، یعنی وہ امیر حبشہ کا ہوگا، یا مراد اس سے لشکر حبش کا ہے اور سولہ تصغیر ساق کی ہے بمعنی پنڈلی کے اور پنڈلیاں حبشی کی اکثر چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں، اور مراد گنج سے وہ گنج ہے جو مدفن نیچے کعبہ کے ہے، کہا بعضوں نے کہ مخلوق ہے اس میں، اور بعضوں نے کہا مراد ہے وہ مال کہ بطور نذر کے آتا ہے اس کو خادم وہاں کے جمع کرتے ہیں، اور حدیث میں جو آیا ہے کہ خراب کرے گا کعبہ کو ذوا السویقتین نہیں معارض ہے یہ قول اللہ تعالیٰ کے حروبا امننا، اسلئے کہ یہ قریب قیامت کے ہوگا جس وقت کے باقی نہیں رہے گا کوئی اللہ اللہ کہنے والا، اور ظاہر تم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گردانا ہے اس کو حرم با امن باعتبار غالب احوال کے جیسے دلالت کرتا ہے اس پر قضیہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کا اور قرامطہ کا اور مانند ان کے، یا مراد حرم با امن گرداننے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا یہ کہ وہ امن میں رکھیں لوگوں کو اور نہ تعرض کریں کسی سے اس میں چنانچہ آیا ہے کہ رئیس زندیقیوں کا قرامطہ میں سے جبکہ بیٹھا فساد سے یعنی قتل کرنے لوگوں سے اور خراب کرنے شہروں کے سے (یعنی قتل و فساد کر کے فارغ ہوا کہا اس نے) کہ کہاں کلام اللہ کا، ومن دخله کان امننا پس کہا بعض اہل توفیق نے کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ امن دو اس کو کہ داخل ہو اس میں اور نہ تعرض کرے اسکے اندر ساتھ لڑنے اور قتل کرنے کے۔

## باب امارات الساعة

الذات جمع ہے امارۃ کی بفتح الهمزة، كعلامة لفظاً ومعناً اور امارۃ بکسر الهمزة یعنی امامۃ لفظاً ومعناً۔

جاء نغزانی مروان بالمدينة فسمعه يحدث في الايات ان اولها الدجال، قال فانصرفت الى عبد الله

بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ فحدثته فقال عبد الله لم يقل شيئاً سمعت رسول الله صلى الله عليه



والہ وسلم يقول ان اول الايات خروج الشمس من مغربها او الدابة على الناس ضحى، فايتهما كانت

قبل صاحبتهما فالاخري على اثرها، قال عبد الله، وكان يقرأ الكتب، واظن اولها خروج الشمس من مغربها۔

**مضمون حدیث** | ابو زرہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ مدینہ میں مردان کے پاس آئے تو انہوں نے اس سے سنا وہ علامات قیامت کے بارے میں بیان کرتا تھا کہ ان علامات میں پہلی علامت خروج دجال ہے، ابو زرہ کہتے ہیں کہ اسکے

بعد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گیا میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مردان نے جو کہا وہ کچھ نہیں، یعنی غیر معتبر ہے، اس لئے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اول الايات طلوع الشمس من المغرب

ہے یا خروج دابہ جو چاشت کے وقت میں ہوگا ان دو میں سے جو کسی بھی علامت پہلے پائی جائیگی دوسری اسکے بعد ہوگی،

حضرت عبد اللہ خود اپنی رائے بیان کرتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ پہلے طلوع الشمس من المغرب ہوگا اس کے بعد خروج دابہ،

وكان يقرأ الكتب یہ جملہ معترضہ ہے جس کے قائل ابو زرہ ہیں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ چونکہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

گذشتہ آسمانی کتب توراہ و انجیل پڑھا کرتے تھے تو ہو سکتا ہے یہ رائے ان کی اسکے مطابق ہو

حاصل حدیث یہ ہو کہ مردان نے اول الايات خروج دجال کو قرار دیا، اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ

عنہما نے اسکے بجائے طلوع الشمس من مغربہا کو قرار دیا، علمائے فرمایا ہے کہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔

در اصل علامات قیامت دو طرح کی ہیں، آیات قرب الساعة، اور آیات وقوع الساعة، مردان کی مراد پہلے قسم کی علامت

ہے اور وہ صحیح ہے اور صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو کی مراد قسم ثانی ہے اور وہ واقعی طلوع الشمس من مغربہا ہے، اس کی مزید تشریح

بذل میں مذکور ہے وہ دیکھی جائے۔

والحدیث اخرجه مسلم وابن ماجه، وليس في حدیث ابن ماجه قصه مردان يتحدث، قال المنذري۔

فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لن تكون، اولن تقوم، حتى تكون قبلها عشر ايات طلوع

الشمس من مغربها وخروج الدابة وخروج ماجرج والدجال وعيسى بن مريم والدخان وثلاث خسوف

خسف بالمغرب وخسف بالمشرق وخسف بجزيرة العرب واخر ذلك تخرج نار من اليمن من قعر عدن تسوق الناس الى المحشر

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وقوع قیامت سے قبل ان دس

**علامات قیامت کے درمیان ترتیب** | مذکورہ علامات کا پایا جانا ضروری ہے، بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں

یہ علامات عشرہ وقوع کی ترتیب کے موافق مذکور نہیں ہیں بلکہ غیر مرتب طور پر مذکور ہیں، ترتیب ان میں اس طرح ہے کہ

۱۔ اس لئے کہ اس حدیث میں طلوع الشمس من المغرب کو پہلے اور عیسیٰ بن مریم کا نزل بعد میں مذکور ہے حالانکہ روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیں گے اور لوگ ایمان قبول کریں گے، اور اس کے بعد والی حدیث میں یہ آرہا ہے

ان دس میں سے اولاً خسوفات ثلاثہ ثم خروج الدجال ثم نزول عیسیٰ ثم خروج یاجوج ماجوج، ثم الريح الذی تقبض عندها ارواح اهل الایمان ثم طلوع الشمس من مغربها ثم خروج دابة الارض، قلت والا قرب فی مثلہ التوقف والتفویض الی عالمہ (فتح الودود) اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں المناسب ان ینکر الطلوع دخروج الدابة قبل الريح اه۔

**دابة الارض اور دخان کی تفسیر** | مظاہر حق میں دابة الارض کے بارے میں لکھا ہے کہ نکلے گا مسجد حرام سے درمیان صفا اور مردہ کے اور قول حق سبحانہ کا "واذا دقع القول علیہم اخرجنا ہم دابة من الارض"

محمول ہے اس پر اور لکھا ہے علمائے نے کہ وہ چار پایہ ہے کہ درازی اس کی ساتھ گز کی ہوگی اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مختلف الخلقہ ہوگا مشابہ بہت حیوانوں کے کہ جبل صفا میں سے پھاڑ کر نکلے گا اور اس کے ساتھ عصائے موسیٰ اور انگشتری سلیمان (علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام) کی ہوگی اور کوئی روٹے میں ساتھ لے کے نہ پہنچ سکے گا، مارے گا مومن کو عصا سے اور لکھے گا اس کے منہ پر مومن، اور مہر کرے گا کافر پر ساتھ چھاپ کے اور لکھے گا اس کے منہ پر کافر۔

اور معارف القرآن "میتلا میں ہے ابن کثیر نے بحوالہ ابوداؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کی ہے کہ یہ دابة الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا، اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائیگا، لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے، ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابة ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا، اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا، یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا (ابن کثیر) ابن کثیر وغیرہ نے اس جگہ دابة الارض کی ہیئت اور کیفیات و حالات کے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں سے اکثر قابل اعتماد نہیں، الی آخرہ۔

اور دخان کے بارے میں "مظاہر حق" میں ہے: یعنی دھواں کہ نکلے گا اور بھر دے گا مشرق و مغرب کو اور چالیس روز ٹھہرے گا پس مسلمان مانند زکام زدوں کے ہوں گے اور کافر مانند ستوں کے جیسا کہ اور حدیث میں آیا ہے، اور قرآن میں تو سورۃ دخان میں آیا ہے "یوم تاتی السماء بدخان مبین، وہ بھی اس پر محمول ہے بقول حذیفہ اور تابعین (متبعین) اس کے کے، اور نزدیک ابن مسعود اور تابعین ان کے کے مراد اس سے وہ قحط ہے کہ قریش پر پڑا تھا آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت کی دعا

کہ طلوع الشمس من المغرب کے بعد سب لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن ان کا یہ ایمان معتبر نہ ہوگا، لہذا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ترتیب علامات قیامت کی اس طرح نہیں ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، طلوع الشمس من المغرب بعد میں پایا جائیگا اور نزول عیسیٰ اس پر مقدم ہے، معارف القرآن میں روح المعانی سے اس اشکال کا یہی جواب نقل کیا ہے کہ طلوع الشمس من المغرب کا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے کافی زمانہ بعد ہوگا اور اسی وقت توبہ کا دروازہ بند ہوگا، اور علامہ بلقینی شافعی نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے وہ یہ کہ یہ بھی ممکن ہے کہ عدم قبول ایمان عند طلوع الشمس من مغربہا یہ حکم اخیر تک باقی نہ رہے بلکہ کچھ عرصہ بعد یہ حکم بدل جائے اور ایمان اور توبہ قبول ہونے لگے۔

سے کہ فرمایا خدایا کران پر مخطصات برس کا جیسا کہ کیا تو نے مصریوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں۔ الی آخر ما ذکرہ ص ۲۵۱  
 و خان کے بارے میں حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے کا یہ اختلاف مشہور ہے  
 بخاری وغیرہ کتب حدیث میں۔ والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

فَاذْ طَلَعَتْ وَرَأَى النَّاسَ آمِنًا مِنْ عَلَيْهَا فَذَلِكَ حِينٌ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمِنًا مِنْ قَبْلِهَا وَكَسَبَتْ  
 فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا. الآية۔

پوری آیت شریفہ اس طرح ہے۔ یوم یأتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانہا لَمْ تَكُنْ آمِنًا مِنْ قَبْلِهَا وَكَسَبَتْ  
 فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بعض آیات سے مراد طلوع الشمس من المغرب ہے جس کے سامنے آجانے کے بعد  
 توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا اب ایمان لائیگا تو قبول نہیں ہوگا، اور جو شخص ایمان تو لایا چکا  
 تھا مگر عمل نیک نہیں کئے تھے تو وہ اب توبہ کر کے آئندہ نیک عمل کا ارادہ کرے گا تو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ  
 کافر اپنے کفر سے یا فاسق اپنے فسق و معصیت سے اگر اس وقت توبہ کرنا چاہے گا تو وہ توبہ قبول نہ ہوگی، سبب یہ ہے کہ ایمان  
 اور توبہ صرف اس وقت تک قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ انسان کے اختیار میں ہے، اور جب عذاب الہی کا اور حقائق آخرت  
 کا مشاہدہ ہو گیا تو ہر انسان ایمان لانے میں اور گناہ سے باز آنے پر خود بخود مجبور ہو گیا، مجبوری کا ایمان اور توبہ قابل قبول  
 نہیں، اسی آیت کی تفسیر میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس وقت قیامت کی آخری نشانیوں  
 میں یہ نشانی ظاہر ہوگی کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا اور اس کو دیکھتے ہی سارے جہان کے کافر ایمان  
 کا کلمہ پڑھنے لگیں گے اور سارے نافرمان فرمانبردار بن جائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان قابل قبول نہ ہوگا۔  
 والحدیث اخرجه البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب حسر الفرات عن کنز

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوشک الفرات ان یمس  
 عن کنز من ذهب فمن حضرہ فلا یأخذ منه شیئا۔ اور دوسری روایت میں ہے: ان یمس من جبل من ذهب  
 اور روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ فرات کھل جائیگا گنج سونے کے سے  
 یعنی پانی فرات کا خشک ہو جائے گا اور اس کے نیچے سے گنج سونے کا نکلے گا، پس جو کوئی کہ حاضر ہو وہاں چاہیے کہ نہ لے اس سے  
 کچھ، اسلئے کہ لینا اس کا باعث تنازع اور قتال کا ہے جیسا کہ حدیث آئندہ میں آتا ہے، اور بعضوں نے کہا اس لئے نہ لے کہ لینا  
 اس گنج سے بالخاصیہ موجب اتنے آفات و بلیات کا ہے، اور وہ ایک نشانی ہے نشانیوں قدرت الہی سے، اور بعضوں نے  
 کہا اس سبب سے کہ وہ مال مغضوب اور مکروہ ہے مثل مال قارون کے پس ارتفاع اس سے حرام ہوگا (مظاہر حق) اور آئندہ

حدیث سے مراد جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ حدیث ہے لا تقوم الساعة حتی یحرق الفرات عن جبل من ذهب لیقتل الناس علیہ فیقتل من کل مئة تسعة وتسعون، ویقول کل رجل منهم لعلی اكون انا الذی انجو، رواہ مسلم، مظاہر حق ص ۲۲۵ میں ہے: لڑیں گے لوگ اس پر یعنی اسکے حاصل کرنے اور لینے پر انہو۔

الحدیث الاول اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی، والثانی اخرجہ مسلم والترمذی واخرجہ البخاری تعلیقاً، قالہ المتذری۔

## باب خروج الدجال

خروج دجال جو کہ علامات قیامت سے ہے اس کا ثبوت احادیث کثیرہ سے ہے جس کے بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ حد تو اتر کر پہنچ گئی ہیں، حتی کہ خروج دجال کا مسئلہ اہل سنت کے عقائد میں شمار ہوتا ہے اسی لئے عقائد کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے، چنانچہ شرح عقائد میں ہے: وما اخبر به النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اشراط الساعة من خروج الدجال ودابة الارض ویا جوج وما جوج ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وطلوع الشمس من مغربہا فہو حق۔

الی ان قال: والاحادیث الصحیح فی هذه الاشرط کثیرة جدا وقد روی احادیث مرفوعة وآثار فی تفاسیلہا وکیفیاتہا فلیطلب فی کتاب التفسیر والسیر والتواریخ، اس میں بعض خوارج معتزلہ اور جہمیہ کا اختلاف ہے انہوں نے اسکے وجود کا انکار کیا ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے: باب ذکر الدجال کے ضمن میں قال القاضی عیاض: فی هذه الاحادیث حجة لاهل السنة فی صحیح وجود الدجال وانه شخص معین یتلی اللہ بہ العباد ویقدرہ علی اشیاء کاحیاء المیت الذی یقتلہ، وظہور الخصب والانہار والجمہ والنار واتباع کنوز الارض له وامرہ السمار فتمطر والارض تنبت، وكل ذلك بمشیئة اللہ تعالیٰ، ثم یعجزہ اللہ تعالیٰ فلا یقدر علی قتل ذلک الرجل ولا غیرہ، ثم یمطل امرہ ویقتلہ عیسیٰ بن مریم، وقد خالف فی ذلک بعض خوارج والمعتزلہ والجمہیہ فانکروا وجودہ وردوا الاحادیث الصحیحہ۔ انہ غالباً اسی وجہ سے کہ کیونکہ اس کا بعض فرق نے انکار کیا ہے مصنف نے دجال کا باب ادا کر کتاب میں کتاب السنہ کے ذیل میں دوبارہ قائم کیا ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اہل سنت اس کے قائل ہیں بخلاف بعض فرق باطلہ کے۔

فتح الباری میں ایک دوسری جگہ ہے: ومما تحتاج الیہ فی امر الدجال اصلہ، وھل ہوا بن صیاد وغیرہ، وعلی الثانی قبل کان موجوداً فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اولاً، ذی یخرج، وما سبب خروجہ، ومن این یخرج وما صفة، وما الذی یدعیہ، وما الذی یظہر عند خروجہ من الخوارق

دجال کے بارے میں کیا کیا  
تحقیقات مطلوب ہیں

حتی تکثر اتمامہ، ومتی یمتک، ومن یقتلہ، یعنی دجال کی تحقیق کے سلسلہ میں جو امور دریا فت طلب ہیں وہ یہ ہیں تقریباً دس بارہ، پھر اسکے بعد فتح الباری میں ان سبب امور کا جواب مذکور ہے، آگے کتاب میں جو ستاسہ کا جو قصہ آ رہا ہے۔ باب فی خبر الجساسة میں وہ اس بات کی دلیل ہے کہ دجال فی الحال دنیا میں موجود ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا، بعض جزائر میں اور یہ کہ وہ ابن صیاد کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے شرح عقائد کی شرح، تیرا اس میں ہے: وھل الدجال

موجود اور بتولد؛ فالصحیح هو الاول، یعنی ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ دجال دنیا میں موجود ہے یا اخیر زمانہ میں پیدا ہوگا، اور اسکے بارے میں کہا کہ صحیح یہی ہے کہ وہ موجود ہے اور پھر صاحب نبراس نے اس کی دلیل میں تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث یعنی وہی خبر جستاہ ذکر فرمائی۔

**لفظ دجال و مسح کی تحقیق** | دجال دجل سے مبالغہ کا صیغہ ہے دجل کے معنی ہیں تخطیہ یعنی چھپانا، دجال کو دجال اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کو باطل سے ڈھانکتا ہے، دجال کے معنی بلع کاری کرنے والے کے بھی ہیں، سیف مدجل کہتے اس تلوار کو جو سونے چاندی سے بلع کی گئی ہو، اور اشعۃ اللمعات میں ہے: ودجال مشق از دجل است، ودجل بمعنی قلط و مکرو و خدای و تلبیس آید، دجل الحق بالباطل گویند وقتیکہ کہے حق را باطل قلط کند و تمویہ نماید، و بمعنی کذب نیز آید، و وجود ایں معانی در دجال ظاہر است، و مسح اسم مشترک است میان دوسو و عیسیٰ علیہ السلام، و اکثر آنست کہ اسم دوسو را مقید بدجال دارند (مسح دجال) و در عیسیٰ علیہ السلام مطلق گذارند مسح علیہ السلام (و عیسیٰ را مسح اذال گویند کہ چون امک و ابرص را مسح و لمس کردے بہ شدے کہ ان کے ہاتھ پھیرنے سے امک اور ابرص صحیح اور تندرست ہو جاتا تھا، و از جهت آن کہ از شکم مادر مسح برآمد بہ آلائش و چرک کہ اطفال را نزد نائیدن باشند، و بعضے گویند مسح بمعنی صدیق است یا آن کہ بسیار مساحت می کرد زمین را، و ایں وجہ مشترک است میان دوسو و میان دجال، و دجال را مسح اذال گویند کہ یک چشم دوسو مسح و ہوار است، و مسح الوجه و مسح الوجه کہے را گویند کہ یک طرف روئے دوسو ہوار بود و چشم و ابرو نباشد ہاہ مختصراً

عن ربیع بن حراش قال اجتمع حذیفۃ و ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقال حذیفۃ لانا یباع الدجال اعلم مدہ  
**شرح الحدیث** | ایک مرتبہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت حذیفہ فرماتے لگے کہ دجال کے ساتھ جو چیز ہوگی میں اس کو دجال سے زیادہ جانتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ۔ بیشک اسکے ساتھ ایک نہر پانی کی ہوگی اور ایک آگ کی، یعنی آگ کی خندق، تو ان میں سے جو چیز آگ نظر آئے گی وہ دراصل پانی ہوگا، اور جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ فی الواقع آگ ہوگی، اور پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔

در اصل دجال اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا کہ مجھ کو خدا مانو، اور جو اس کی تصدیق کرے گا وہ اس کو تو پانی کی نہر میں داخل کرے گا، اور جو اس کی تکذیب کرے گا اس کو وہ آگ میں ڈالے گا، تو اس کے بارے میں اس حدیث میں یہ ہے کہ تم لوگ اس کی تکذیب کرنا اور اس کی آگ سے نہ گھبرانا کہ وہ پانی ہوگی۔

اس میں شرح نے دو احتمال لکھے ہیں یا تو یہ کہ دجال ساحر ہوگا اور اپنے شعبہ سے وہ ایسا کر دکھائے گا یعنی آگ کو پانی اور پانی کو آگ، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس جنت اور نار کو دجال کے لئے مسخر کر دیا تھا اللہ تعالیٰ اسکے باطن کو پلٹ دیں گے، حاشیہ بذل میں ہے: واختلف فی ہذہ الاشیاء الی مع الدجال هل ہی حقائق ثابتہ او ظنونات و لآہات علی قولین ذکرہما النووی،



امام نووی نے وہی بات فرمائی ہے جو اوپر فتح الباری سے گذری یعنی دجال کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کہ اس کا وجود برحق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بعض خوارق کی قدرت عطا فرمائی ہے اور اس کے بعد پھر اس سے اس قوت کو سلب فرما کر اس کو عاجز کر دیں گے، بخلاف خوارج اور جہمیہ اور بعض معتزلہ کے جو سرے سے اسکے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں اور بخلاف جبائی معتزلی اور بعض جہمیہ کے کہ وہ دجال کا وجود تو مانتے ہیں لیکن جن خوارق کا وہ دعویٰ کرے گا ان کی کوئی حقیقت نہیں محض خیالات ہیں، اسلئے کہ اگر ان خوارق کو حق مانا جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے اعتماد اٹھ جانے کا ذریعہ ہوگا اس کے بعد امام نووی نے ان کی اس رائے کی تردید کی ہے اور ان کے اشکال کا جواب دیا ہے فارح الیہ لوشنت (نووی ص ۲۹۹)

والحیث اخرجہ البخاری ومسلم بمعناہ مختصراً ومطولاً، قال المنذری۔

ما بعث نبی الا قد انذرت امتہ الدجال الاعور الکذاب، الا وانه اعور، وان ربکم تعالیٰ لیس باعور، وان

بین عینہ مکتوب، کافون

دجال جو کہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے دعویٰ کی تردید اس طور پر بیان فرما رہے ہیں جو بالکل کھلی دلیل ہے وہ یہ کہ وہ انور یعنی کانٹا ہوگا اس کو صرف ایک آنکھ سے نظر آئے گا دوسری سے نہیں، اور حق تعالیٰ شانہ انور نہیں ہیں جس کو سبھی جانتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ اس کی پیشانی پر کافہ لکھا ہوا ہوگا، اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ گذشتہ انبیاء میں سے ہر نبی نے اپنی امت کو اس کے شر سے ڈرایا ہے، اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ گذشتہ انبیاء نے اپنی امتوں کو دجال سے کیوں ڈرایا ہے جبکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اسکے خروج سے پہلے بعض دوسری علامات پائی جائیں گی اور یہ کہ اس کو عسی علیہ السلام اپنے نزول کے بعد قتل کریں گے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ گذشتہ انبیاء کو صرف فتنہ دجال کا علم دیا گیا تھا، ان کے علم میں وہ امور نہیں تھے جو اس سے پہلے پائے جائیں گے، گویا وقت خروج اور زمان خروج کا ان کو علم نہ تھا، بلکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شروع میں معلوم نہ تھا جیسا کہ آپ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ ان یخرج وانا فیکم فانا حجبہ دونکھ الحدیث، البتہ بعد میں آپ کو اس کے وقت خروج کا علم غطا کر دیا گیا تھا (بذل عن مرقاة السعود)

شرح حدیث میں شرح اور  
حضرت گنگوہی کی الگ الگ رائے

حاشیہ بذل میں ہے کہ حضرت گنگوہی نے اس جواب کو رد فرمایا ہے جیسا کہ "الکوکب الدرر" میں ہے، کوکب الدرر میں یہ مذکور ہے کہ حدیثوں میں جو آتا ہے کہ انبیاء نے جو اپنی امتوں کو فتنہ دجال سے ڈرایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے اپنی امت کو خروج

دجال سے ڈرایا کہ اس کے آنے کا خطرہ ہے اس بات کو تو حضرات انبیاء علیہم السلام جانتے تھے کہ اس کا خروج نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ہوگا، بلکہ ڈرانے کا مطلب فی نفسہ یہ بتلانا ہے کہ دجال اپنے زمانہ کا بہت بڑا فتنہ ہوگا تاکہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ سے محفوظ رکھا اور تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ادا کر کے امتثال میں کوشاں اور اہتمام کرنے والے ہوں جس نے ایسے بڑے بڑے فتنے بندوں کے امتحان کے لئے پیدا کئے ہیں، اور ایک مصلحت



اس میں یہ امت محمدیہ کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے تاکہ وہ اس سے بہت اچھی طرح چوکن اور محفوظ رہنے کی کوشش کریں اور ان کے ذہن میں بھی اس فتنہ کی اہمیت جاگزیں ہو کہ واقعی یہ اتنا بڑا فتنہ ہے جس سے گذشتہ انبیاء بھی اپنی امتوں کو ڈراتے چلے آئے ہیں، وھذا خلاصۃ مافی الکوکب، فلتدرہ، والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والترذی، قال المنذری۔

آگے روایت میں ہے، یقرآہ کل مسلو۔ یعنی دجال کی پیشانی پر جو کافر لکھا ہوا ہوگا اس کو ہر مسلم پڑھ سکے گا۔ خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے، کل مسلم کاتب و غیر کاتب، یعنی کافر اس کو نہیں پڑھ سکے گا۔

اور ایک روایت میں ہے، یقرآہ من کرہ علمہ، بظاہر مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں گے وہ اس کو ہر حال میں پڑھ ہی لے گا پڑھا ہوا ہو یا نہ، اور جس شخص کی قسمت میں گمراہی اور ضلالت ہوگی وہ اس کو نہیں پڑھ سکے گا۔

من سمع بالدجال فلینا عنہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دجال کا زمانہ پلے اور اس کے خروج کی خبر سنے (تو اس کے عجائب غرائب دیکھنے کے لئے اس کے قریب نہ جائے بلکہ) اس سے دوری رہے اس لئے کہ بعض آدمی اس کے پاس جائیں گے محض اس کو دیکھنے کے لئے معلومات کے درجہ میں یا تفریحاً اور ان کو اپنے ٹومن ہونے پر اعتماد ہوگا، لیکن جب وہ اس کے پاس جا کر اس کو دیکھے گا تو وہ اسی کا ہو رہے گا، اور اس کے متبعین میں سے ہو جائیگا والعیاذ باللہ تعالیٰ ان خوارق اور استدراجات کی وجہ سے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کو بھیجے گا۔

انی قد حدثتکم عن الدجال حتی خشیت ان لاتعقلوا، ان مسیح الدجال رجل قصیر لحيج جعد اعور

مطموس العين ليس بنا نفة ولا جصاء۔

**دجال کے خلقی اوصاف** | آپ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کہ میں دجال کے بارے میں تم سے بہت کچھ بیان کر چکا ہوں، یعنی اس کے احوال و علامات، مگر اس کے باوجود مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے ہو (اس لئے اب اس کی بہت واضح اور کھلی علامت بتلانا ہوں کہ) مسیح دجال ایسا شخص ہوگا جو پستہ قد ہوگا، اور چلنے میں لرج ہوگا، مظاہر حق میں لکھا ہے: لرج اس کو کہتے ہیں کہ پنجے پاؤں کے چلنے میں نزدیک نزدیک پڑیں اور ایڑیاں دور، اور پنڈلیاں پھیدی، کذا قال شراح، اور مثل اسی کے قاموس میں بھی ہے، اور نہایہ میں ہے کہ لرج دوری ہونا ما بین دونوں رانوں کے، حاصل یہ کہ سیدھا چلنے پر قادر نہ ہوگا بلکہ پاؤں اور پنڈلیاں چلتے وقت ٹیڑھی ہوگی، کانا ہوگا یعنی ایک آنکھ سے اور دوسری آنکھ مٹی ہوئی یعنی نہ پھولی ہوئی نہ اندر کو دھنسی ہوئی، اور ایک روایت میں ہے، اعور العين الیمنی کان عینہ عنینہ طافیۃ، لہذا کہا جائیگا کہ ایک آنکھ اس کی یعنی داہنی دائۃ انکور کی طرح پھولی ہوئی ہوگی اور بائیں آنکھ اس کی مٹی ہوئی اور ہموار، اشعۃ اللمعات ص ۲۲ میں ہے در حدیثہ احمد بن الیمنی۔ آمدہ چنانکہ گذشت، و در حدیث دیگر عن ابی ہریرۃ واقع شد، و بالجملہ احادیث در وصف دجال متناقض و متخالف و در ریافتہ، و تورپشتی گفتہ کہ وجہ جمع میاں این اوصاف

متنازعہ آنت کہ فرض کردہ شود کہ یکے ازدو چشم وے مطلق رفته است، و دیگرے معیب است، پس ہر یکے را عورمی توان گفت چہ عور در اصل بمعنی عیب است فتدبراہ پس حاصل یہ کہ بانیں آنکہ اس کی بالکل محسوس اور سپاٹ ہے لیست بناتہ ولا حصرار، اور اس بانیں آنکہ کو بعض احادیث میں جو عور کہا گیا ہے یہاں عور سے مراد عیب دار، اسلئے کہ سپاٹ ہونا عیب ہی ہے، داسی آنکہ اس کی جو عور ہے وہ پھولی، موی ہے جس سے کھوڑا بہت اس کو نظر آتا ہوگا۔

**طافیہ اور طافیہ کی تحقیق** اور یہ طافیہ یار کے ساتھ ہے طفا لطفوسے ناقص وادی، جس کے معنی ابھرنے اور بلند ہونے کے ہیں اور اسی سے ہے سمک طانی، اور بانیں آنکہ اس کی طافیہ ہے ہمزہ کے ساتھ یعنی ہمزہ اللام طفی لطفاسے جس کے معنی بچھنے کے ہیں، اور اسی کے پارے میں یہ آیا ہے لیست بناتہ ولا حصرار۔

فان البس علیکم فاعلموا ان ربکم لیس باعور، پس اگر تمہیں شبہ ہونے لگے اس کے پارے میں کہ خوارق اور شہادت کو دیکھ کر پس یقین جانو کہ تمہارا ب تو عور نہیں ہے۔ والحدیث اخرجه النسائی، قال المنذری۔

ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الدجال فقال ان یخرج وانا فیکم فانا حجاجہ دونکم،

وان یخرج ولست فیکم فامر و حجاج نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلم،

آپ فرما رہے ہیں کہ اگر دجال میری موجودگی میں نکل آئے تو میں تمہاری طرف سے اس کا خصم ہوں گا، یعنی مدافعت کرنے والا، اور اگر ایسے وقت نکلے کہ میں اس وقت موجود نہ ہوں، یعنی میرے بعد پھر ہر شخص اپنا ذمہ دار خود ہے، اور اللہ تعالیٰ رجو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ ہر مسلمان کے لئے میرا خلیفہ اور بدل ہوگا، یعنی میں نہیں ہوں گا تو کیا ہے اللہ تعالیٰ تو ہوں گے وہ حفاظت فرمائیں گے، گویا میری موجودگی میں میرے توسط سے وہ محافظ ہوں گے اور میری عدم موجودگی میں وہ براہ راست محافظ ہوں گے اور مظاہر حق میں ہے، اور اگر نکلا اور نہ ہوا میں تم میں پس ہر شخص حجت کرنے والا ذات اپنی کا ہوگا یعنی دفعہ کرے گا شر اس کے اپنے سے ساتھ دسیلوں قطعہ شرعیہ اور عقلیہ کے کہ اس کے پاس ہیں اور غالباً ویگا اس پر، کذا قال الطیبی، اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ وہ سنے حجت والا پس معنی یہ ہیں کہ ہر ایک دفعہ کرے گا اپنے نفس سے شر اسکے ساتھ جھٹلانے اس کے کے اور اختیار کرنے صورت تعذیب اس کی کے، اور اللہ خلیفہ اور وکیل میرا ہے ہر مسلمان پر یعنی حافظ اس کا ہے بعد میرے، پس مدد کرے گا اس کی اور دفع کرے گا شر دجال کا اس سے، اور یہ دلیل ہے اس پر کہ مؤمن یقین والا ہمیشہ مدد کیا گیا ہے اگرچہ نہ ہو ساتھ اس کے نبی اور امام، پس اس میں رو ہے امامیہ پر۔ آگے حدیث میں یہ ہے جو شخص دجال کا زمانہ پائے تو اس کو چاہیے کہ سورہ کہف کے ادا ل کو پڑھے۔ آگے روایت میں آ رہا ہے کہ اسکے شروع کی دس آیتیں پڑھے، اور اس کے بعد کی روایت میں خواتیم سورہ کہف مذکور ہے یعنی آخر کی دس آیات۔

قلنا وما لبثہ فی الارض؟ قال اربعون یوما، یوم کسنتہ، ویوم کشہر ویوم کجمعة وسانا ایامہ کایامکم۔

ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ دجال زمین پر کتنی مدت ٹھہرے گا؟ آپ نے فرمایا: کل چالیس روز جن میں ایک دن ایک سال

کے برابر ہوگا، اور ایک دن ایک ماہ کے برابر، اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر، اور باقی ستینتیس دن اور سب دنوں کی طرح ہوں گے ہم نے عرض کیا کہ جو تیسرا دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن اور رات کی یعنی پانچ نمازیں کافی ہوں گی۔ قال: لا اقدر لہ قدرہ، یعنی نہیں بلکہ ہر دن کی نمازوں کا حساب لگاؤ، یعنی ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی، اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ دجال کے اس ایک دن کا یہ طول حقیقتہً نہ ہوگا بلکہ اسکے شعبہ اور تصرف سے ہوگا۔

ثم ينزل عيسى عليا السلام عند المنارة البيضاء مشرق دمشق فيدركه عند باب لُدّ فيقتله،

حضرت عیسیٰ کے محل نزول میں اختلاف روایات

مظاہر حق میں ہے: پس درہنگا ہے کہ دجال ایسے کاموں خراب اور گمراہ کرنے میں ہوگا کہ ناگاہ بھیجے گا اللہ تعالیٰ سح مریم کے بیٹے علیہ السلام کو پس اتریں گے وہ نزدیک منارہ سفید کے جانب شرقی دمشق کے، اور اور روایت میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے بیت المقدس میں، اور اور روایت میں ہے اردن میں، اور اور روایت میں ہے کہ عسکر مسلمین میں، کہتا ہوں میں کہ حدیث اترنے ان کے کی بیت المقدس میں نزدیک ابن ماجہ کے ہے اور وہ میرے نزدیک ارجح ہے اور نہیں منافی ہے تمام روایتوں کے، اسلئے کہ بیت المقدس جانب شرقی دمشق کے ہے، اور وہ عسکر مسلمین کا ہے اسلئے کہ وہ اور اردن نام ہے نواح بیت المقدس کا کمانی الصالح، اور بیت المقدس داخل ہے اس میں اگرچہ نہیں ہے بیت المقدس میں باب منارہ، لیکن ضرور ہے یہ کہ بنے گا پہلے اترنے عیسیٰ علیہ السلام کے واللہ تعالیٰ اعلم وقد مر الكلام على اختلاف الروايات في محل نزول عيسى عليه الصلاة والسلام، وكذا في تعيين الامام الذي يصلي بهم هل هو عيسى عليه السلام او المهدي، في محل المفهوم على صحيح مسلم في كتاب الايمان فارجع اليه لو شئت۔

عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال ليس بيني وبينه يعني عيسى

عليه السلام نبى، وانه نازل، فاذا راى نوره فاعرفه رجل مبروح الى الحمرقة والبياض بين ممصبي تلين كان رأسه يعطر

وان لم يصبه بلل فيقاتل الناس على الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلك الله

في زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهلك المسيح الدجال فيمكث في الارض اربعين سنة ثم يتوفى فيصل على عليه الملبون

اس حدیث کا تعلق نزول عیسیٰ علیہ السلام سے ہے اور ہمارے باب جو چل رہا ہے "باب خروج الدجال ہے، امام ترمذی رو

نے تو کتاب الفتن میں نزول عیسیٰ پر مستقل باب باندھا ہے اولاً باب ماجار فی المہدی، ثانیاً "باب ماجار فی نزول عیسیٰ بن مریم،

اور ثالثاً "باب ماجار فی الدجال، اور پھر دجال سے متعلق متعدد ابواب ہیں "ماجار من این یخرج الدجال، ماجار فی علامات

خروج الدجال، ماجار فی فتنة الدجال، جس کے ذیل میں ایک طویل حدیث ذکر کی ہے، اس کے بعد "باب ماجار فی صفة الدجال،

"باب ماجار فی ان الدجال لا یدخل المدینة، "ماجار فی قتل عیسیٰ بن مریم الدجال، ان سب کے بعد پھر ابن صیاد کا باب ہے۔

حدیث الباب میں اصالتاً تو بیان نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ہے لیکن چونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ نزول کے بعد یرجع دجال

کو قتل کریں گے اس مناسبت سے اس حدیث کو مصنف یہاں لائے ہیں۔

قوله رجل مریوع الى الحمرة والبياض۔

### شرح الحدیث

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طبع شریفہ وغیرہ امور کا بیان ہے کہ وہ میانہ قدموں گے، اور رنگ سرخ سفید، دو ہلکے سبیلے رنگ کی چادروں میں، آگے ان کے حسن و جمال کا ذکر ہے اور جسم کی تروتازگی کا کہ گویا ابھی غسل فرما کر باہر نکل رہے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے (آخر جہ مسلم فی باب الاسرار ص ۹۱) ولقیت عیسیٰ۔ فتعہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ فاذا رجعت احمر کما تخرج من دیماس یعنی حمانا اور ایک روایت میں ہے۔ کافی المشکاۃ عن الترمذی۔ اذا طأطأ رأسه قطر، واذا رفعه تحدر منه مثل جمان کاللولؤ، مظاہر حق ص ۱۱۲ میں ہے جس وقت جھکادیں گے سر اپنا ٹپکے گا پسینہ ان کا اور جب اٹھادیں گے سر اتریں گے ان کے بالوں سے قطرے مانند دانوں چاندی کے کہ مانند موتیوں کے ہوں گے، یعنی صفائی اور سفیدی میں، اسی میں آگے ہے، یعنی جب جھکادیں گے سر ٹپکیں گے ان کے سر کے بالوں سے قطرے ندرائی، اور جب اٹھادیں گے سر ٹپکیں گے وہ قطرات، کنایہ ہے بہا اور تازگی اور تراوط جمال ان کے سے۔

آگے ہے روایت میں کہ لوگوں سے وہ قتال فرمائیں گے اسلام لانے کیلئے، اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے یعنی نصرانیت کو ختم کریں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے یعنی اسکے پالنے کو اور اس کے کھانے کو حرام قرار دیں گے اور اس کے قتل کو مباح قرار دیں گے اور جزیہ کو ساقط کر دیں گے، یعنی جہاد کے وقت جزیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ اسلام یا قتل، اور چونکہ اس حکم کی خبر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں تو گویا اس وقت قبول جزیہ کا نسخ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوا نہ کہ ان کی طرف سے۔ اور آگے ہے کہ وہ دنیا میں زمین پر چالیس سال تک ٹھہریں گے اس کے بعد وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے، اندر بہلک الدجال ثم یمکث الناس سبع سنین، یعنی لوگ ان کے انتقال کے بعد صرف سات سال تک ٹھہریں گے، عون المعبودہ میں ہے کہ مسند احمد کی روایت میں، ویہلک اسح الدجال کے بعد یہ زیادتی ہے، ثم تقع الامنۃ علی الارض حتی ترتع الاسد مع الابل، والناو مع البقر، والذئاب مع الغنم، وتلعب الصبیان بالحیات، یعنی عیسیٰ علیہ السلام جب دجال کو ہلاک کر ڈالیں گے تو دسے زمین پر امن ہی امن قائم ہو جائے گا یہاں تک شیر اونٹ کے ساتھ چرسے گا اور چیتے گایوں کے ساتھ اور بھڑیے بکریوں کے ساتھ، اور انسانوں کے بچے کھیلیں گے سانپوں کے ساتھ۔

### باب فی خیر الجساسة

جساسة جساس کا مؤنث ہے یعنی وہ عورت جو دجال کی جاسوس اور اس کی خبر دینے والی ہے، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، فاذا اتاها امرأة تجر شعرا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی عورت ہے، اور اسی باب کی ایک دوسری حدیث میں اس کو دابہ۔

لہ یہاں سے یکم رمضان ۱۲۸۶ بروز دوشنبہ لکھنا شروع کیا فی المدینۃ المنعمۃ، زادنا اللہ شرفاً والہم بملئہ الی التمام یاذا اللہ والاکرام۔

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فدخلوا الجزيرة فلقیتهم دابة اهل بكثرة الشعر ان دونوں روایتوں کے بارے میں حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے۔ قيل في التوفيق بينهما انه يمكن ان يكون له جاسوس دابة وامرأة، اذ انما يصح اطلاق الدابة على الانسان لغة، فانه اسم لكل ما يدب على الارض اولان الجاسوس شيطان يمثّل باى صورة شاء، فراحاتارة بصورة امرأة وامرأة بصورة دابة، يعنى ياتو یہ کہا جائے کہ ممکن ہے دجال کیلئے دو جاسوس ہوں ایک دابہ اور ایک عورت اور یا یہ کہا جائے کہ دابہ کا اطلاق لغتاً عورت پر بھی صحیح ہے، اسلئے کہ ہرزین پر چلنے والی شئی کو دابہ کہتے ہیں، اور یا یہ کہا جائے کہ چونکہ جاسوس شیطان کی جنس سے ہے اس لئے وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہوتی رہتی ہے۔ مصنف نے خبر جاسوس کو جو کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے دو طریق سے ذکر کیا ہے، پہلی بطریق ابوسلمہ عن فاطمہ، اور دوسری شعبی عن فاطمہ، پہلی مختصر ہے اور دوسری میں تفصیل ہے۔

عن فاطمة بنت قيس ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اخذ العشاء الاخرة ذات ليلة، ثم خرج

فقال: انه حبسني حديث كان يحدثني به تميم الداري من رجل كان في جزيرة من جزائر البحر الخ۔

یہ فاطمہ بنت قیس وہی ہیں جن کی مشہور روایت کتاب الطلاق میں باب المبتوتہ میں گزر چکی، اور وہ جو ابواب الاستحاضہ میں فاطمہ کی روایت گزری ہے وہ فاطمہ بنت ابی جیش ہیں۔

مضمون روایت یہ ہے: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قصہ جسدانہ | عشاکر کی نماز کیلئے دیر سے تشریف لائے اور تاخیر کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ تمیم داری مجھ کو ایک عجیب و غریب حدیث سنارہے تھے جس کی وجہ سے دیر ہوئی، اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشاکر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد واقعہ لوگوں کے سامنے بڑی بشاشت کے ساتھ بیان فرمایا، چنانچہ باب کی دوسری روایت میں آ رہا ہے: فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الصلوة جلس علی المنبر وهو یضحک الخ۔

فاذا انا بامرأة تجر شعرها، یہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے وہ فرما رہے ہیں اس جسدانہ کے بارے میں کہ وہ ایک عورت تھی جس کے بال بہت دراز تھے، زمین تک پہنچ رہے تھے، گویا وہ بہت ہیبت ناک تھی۔

یہ روایت تو چونکہ مختصر ہے، دوسرے طریق میں واقعہ کی ابتداء اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد منبر پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے یہ فرمایا کہ ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہے، اور پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد اس وقت آپ لوگوں کے سامنے اس واقعہ کو بیان کرنا ہے جو مجھ سے تمیم داری نے آکر بیان کیا، اور فرمایا آپ نے کہ تمیم داری ایک نصرانی شخص تھا، پس یہ میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کی اور ساتھ ہی وہ واقعہ بھی بیان کیا جو میں تم سے دجال کے بارے میں کہا کرتا تھا، انہوں نے مجھ سے یوں بیان کیا کہ وہ ایک کشتی میں دریائی سفر کر رہے تھے قبیلہ لخم و جذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ، سمندر کی باد مخالف اور موج ان لوگوں کو سمندر میں ایک ماہ تک گھماتی پھرتی رہی پھر ایک دن انہوں نے ایسا کیا کہ اپنی کشتی کو ایک جزیرہ کے قریب کیا شام کے وقت میں، یعنی دور سے جزیرہ نظر آنے پر اپنی کشتی کا



لنگر ڈال دیا، فجدسوانی اقرب السفینة، اور پھر چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر اس جزیرہ میں داخل ہوئے، لفظ اقرب، قارب کی جمع ہے یعنی چھوٹی کشتی، دستور ہے کہ بحری سفر میں بڑی کشتی میں اپنے ساتھ چھوٹی کشتیاں بھی رکھتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اس سے بھی کام لیا جاسکے۔

فلقیتم حابۃ اہلب کثیرۃ الشجر، توجبیر لوگ اس جزیرہ میں پہنچے تو وہاں انھوں نے ایک عورت کو دیکھا بہت

بالوں والی (ڈراؤنی شکل کی) قالوا ربک ما انت، قالت انا الجاسسة، انطلقوا الی هذا الرجل فی هذا الدير فانه الی خبرکم بالاشواق، انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ تو کیا بلا ہے اس نے کہا میں جاسوس ہوں (یعنی دجال کی جاسوس) اور کہنے لگی کہ جاؤ اس آدمی کی طرف جو اس گرجا گھر میں ہے وہ تمہاری خبروں اور باتوں کا بڑا مشتاق ہے، یعنی وہ باہر کی خبریں سننا چاہتا ہے کہ دنیا میں کیا حالات چل رہے ہیں اور کیا کیا انقلاب آرہے ہیں، تیم دہری فرماتے ہیں کہ جب اس نے رجل کا لفظ بولا کہ جاؤ اس آدمی کے پاس، تو اس سے ہم ڈرے کہ شاید یہ آدمیوں میں سے نہیں بلکہ جنات میں سے ہے، بہر حال ہم اس کی نشاندہی کے مطابق اس گرجا کی طرف تیزی سے چلے فاذافیہ اعظم انسان رأینا قط، وہاں جا کر ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایسے بڑے جسم والا انسان ہے جیسا ہم نے کبھی نہیں دیکھا، جو اپنی خلقت کے اعتبار سے بھی بہت بڑا تھا اور جگڑا ہوا بھی بہت سخت طریقہ سے تھا اس کے ہاتھ پاؤں گردن کی طرف بندھے ہوئے تھے، فذکر الحدیث، یہ اشارہ ہے اختصار کی طرف کہ ہم روایت کو مختصر کر رہے ہیں، اور وہ اختصار غالباً وہی ہے باب کی پہلی روایت میں جس کا ذکر گذر چکا۔ رجل مسلسل فی الاغلال ینزوا فیما بین السماء والارض کہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہونے کے ساتھ اوپر کی طرف لٹکا ہوا تھا اور اچھل رہا تھا۔

وسألہم عن نخل بیسان، وعن عین زغر وعن النبی الامی، یعنی اس نے (دجال نے) ان لوگوں سے بہت سی چیزوں کے بارے میں دریافت کیا، من جملہ ان کے نخل بیسان کے بارے میں بھی سوال کیا ہل بشورام لاکہ اس پر پھل آرہا ہے یا نہیں، اور چشمہ زغر کے بارے میں بھی سوال کیا کہ آیا اس کا پانی جاری ہے یا نہیں۔

بیسان اردن میں ایک جگہ کا نام ہے جس میں نخلستان بکثرت ہیں، اور زغر شام میں ایک جگہ ہے، صاحب معجم البلدان فرماتے ہیں کہ میں بیسان میں بارہا گیا ہوں مگر اب اس میں صرف دو درخت کھجور کے رہ گئے ہیں، وہ بھی خشک، جو کہ خردوج دجال کی علامات میں سے ہے اور عین زغر کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ اخیر زمانہ میں خشک ہو جائیگا اور یہ یعنی اس کے پانی کا منقطع ہونا علامات قیامت میں سے ہے۔

اس روایت میں تو صرف اتنا ہی ہے وعن النبی الامی، اور پہلی روایت میں یہ گذرا ہے کہ کیا امیین کے نبی کا

لہ اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے فاذا هم بدارۃ لبارۃ ناضرة شرھا، اس پر کوکب لکھا ہے ای کثیرۃ اللباس ولعلہ عن کثیرۃ الشجر کثیرۃ اللباس اور ممکن ہے یہ بالذات کا صیغہ جو لبس بمعنی الخلط سے، یعنی لوگوں کو مخاطب میں ڈالنے والی اور کار، صاحب قاموس نے اسی کو اختیار کیا ہے۔



خروج اور ظہور ہو چکا ہے تو تیم داری نے جواب دیا کہ ہاں ہو چکا ہے پھر اس پر دجال نے ان سے پوچھا: اطاعوا ام عصوا الخ کہ لوگ ان کی بات مان رہے ہیں یا نہیں، انہوں نے جواب دیا کہ ان کی بات مان رہے ہیں، اس پر وہ بولا: ذاک خیر لہم کہ ان کا اطاعت کرنا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

دیکھئے دجال کیا کہہ رہا ہے، حقیقت کذاب کی زبان پر بھی ایسی جاتی ہے۔

قال: انی انا المسیح وانہ یوشک ان یؤخذ لی فی الخروج، وہ خود ہی کہنے لگا کہ مسیح دجال میں ہی ہوں، اور عنقریب مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت ہونے والی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال پہلے ہی سے دنیا میں موجود ہے اور وہ بعض جزائر میں مجبوس و مقید ہے، قیامت کے قریب اپنے وقت پر اس کا خروج اور ظہور ہوگا اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ابن ہشام دجال نہیں ہے۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وانہ فی بحر الشام او بحر الیمین لابل من قبل المشرق ماہورتین۔

محل خروج دجال | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یعنی دجال بحر شام میں ہے یا بحر یمین میں، نہیں بلکہ مشرق کی جانب ہے وہ، اہل یہ بات آپ نے دوبار فرمائی۔

ماہر میں لفظ ماہ زائد ہے۔

اگے تیسری روایت آرہی ہے جس میں اس طرح ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی الظہر مشم

صعد المنبر، وكان لا یصعد علیہ الا یوم جمعة قبل یومئذ، اس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ آپ نے ظہر کی نماز کے بعد سنایا تھا۔

قال ابو داؤد: ابن صندران بصری غرق فی البحر مع ابن مسور لم یسلم منہم غیرہ۔

سند میں محمد بن صدران مذکور ہیں مصنف کے استاذ، مصنف ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ ابن مسور کی جماعت

۱۰۰ الاشارة لاشراط الساعة، میں دجال کے محل خروج اور وقت خروج پر مستقل بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں: اما محل خروجه فالشرق جزاء ثم جاری روایت انہ یخرج من خراسان روی ذلک احمد والحاکم من حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفي اخرى انه یخرج من اصبهان اخر جہا مسلم، وعند الحاکم وابن عساکر من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انه یخرج من یبویة اصبهان ای محلة خارج اصبهان، ومنك عند احمد عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وعند الطبرانی من حدیث فاطمة بنت قیس یخرج من بلدة يقال لها اصبهان من قرية من قرایها يقال لها استعباداه وفيه ايضا فی موضع آخر: وعن كعب الاحبار قال یتوجه الدجال فیزل عند باب دمشق الشرقي ای ابرارہ قبل خروجه، ثم یتمس فلا یقدر علیہ ثم یری عند المنارة التي عند نهر الكسوة ثم یطلب فلا یدری ان توجه فیسی ذکرہ ثم یظہر بالشرق فیعطی الخلافة ثم یظہر السمر ثم یری النبوة فیسفرق الناس عنہ یعنی المسلمین قیالی النہر فیامرہ ان یسئل فیسئل ثم یامرہ ان یرجع فیرجع ثم یامرہ ان یتیسب فییسب الی حدیث بطولہ رواہ نعیم بن حماد، ویتبعہ سبعون الفاً من یهود اصبهان وثلاثہ عشر الف امرأة، دعارة من یتبعہ الیہود والترک والنسار، ویبعث اللہ شیاطین فیقولون له استعن بنا علی ما ترید فیقول نعم اذ هیوا الی الناس فقولوا انارہم فیہم فی الافاق۔

الی غیر ذلک۔ ۱۰۱۔



جب انہوں نے آپ سے اسکے قتل کی اجازت چاہی۔ فرمایا تھا کہ اگر یہ واقعی دجال ہے تب تو تم اس کے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو  
 کیونکہ اس کے بارے میں تو یہ طے ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے (باقی خود ابن صیاد کا یہ احتجاج دامستدلال  
 اس بارے میں کہ وہ دجال نہیں ہے) کہ میں تو مسلم ہوں اور دجال کافر ہوگا، اور یہ کہ دجال تو اولاد ہوگا اور میرے اولاد ہو چکی  
 اور یہ کہ دجال مکہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور میں مدینہ میں مستقر رہتا ہوں، وغیرہ وغیرہ، یہ اس کا استدلال صحیح نہیں،  
 اسلئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو دجال کی صفات بیان فرمائی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جب دجال کا حضور دج  
 دنیا میں بہ حیثیت دجال ہوگا اس وقت اس میں یہ صفات پائی جائیں گی، حافظ ابن حجر نے اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے کتاب الاعتصام  
 میں باب من رأى ترك المنكر من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حجة اخذ في ذلك في فارجع اليه لوشنت (كذا في العون) امام نووی نے  
 بھی شرح مسلم میں اس پر خاصا کلام فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے، اور اس باب کے آخر میں حضرت نے بھی یہ بادل مجبور  
 میں اس پر کلام فرمایا ہے اخیر میں لکھتے ہیں وقال الحافظ واقرب ما يجمع به بينما ائمتنا حديث تميم وكون ابن صياد هو الدجال  
 ان الدجال بعينه هو الذي شاهده تميم موثقا وان ابن صياد شيطان تبدي في صورة الدجال في تلك المدة الى ان توجه الى  
 اصبهان فاستريح قرينه الى ان تجي المدة التي قدر الله تعالى خروج فيها ولشدة التباس الامر في ذلك سلك البخاري سلك الترجيح  
 فاقصر على حديث جابر عن عمر بن عبد الله بن الخطاب عن ابن صياد، ولم يخرج حديث فاطمة بنت قيس في قصة تميم اه بزيادة من الفتح (ص ۳۶۵)

باب کی پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کا گذرا پتے چند اصحاب کے ساتھ جن میں حضرت عمر بھی تھے ابن صیاد پر ہوا جب کہ ابن صائد قبیلہ بنو مغالہ کی  
 ادبخی عمارت یا ٹیلہ کے قریب بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس کو آپ کے گذرنے کا پتہ نہیں چلا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا، اور فرمایا: اشهد اني رسول الله؛ اس نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا کہ  
 میں اس بات کی وہی دیتا ہوں کہ آپ رسول الامیین ہیں، یہ اشارہ ہے قوم عرب کی طرف جو امی ہوتے تھے کیونکہ یہ خود تو بظاہر  
 یہود سے تھا، پھر ابن صیاد حضور سے خود کہنے لگا اشهد اني رسول الله؛ اس پر آپ نے فرمایا امنت بالله ورسوله،  
 یعنی جو واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں ان پر میرا ایمان ہے۔

اس پر حضرت گنگوہی کی تقریر میں لکھا ہے کہ آپ نے صراحتہ اس کی رسالت کا انکار نہیں کیا شاید اس مصلحت سے کہ اسکو  
 آپ سے وحشت نہ ہونے لگے جس سے آپ کا مقصود فوت ہو جائے یعنی آپ کو تو اس سے اور بھی سوالات کرنے تھے جن کے  
 جوابات مطلوب تھے، اور بہر حال جو بات آپ نے فرمائی وہ سراسر حق ہے جس سے اسکے دعویٰ رسالت کی خود ہی تردید ہو جاتی  
 ہے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے سوال کیا: ما يأتيك؟ تیرے پاس کیا چیزیں آتی ہیں؟ یعنی غیب کی خبریں  
 جو تو بتا رہے، اس نے جواب دیا: يأتيني صادق وكاذب کہ مجھ تک دونوں طرح کی باتیں پہنچتی ہیں سچی اور جھوٹی، اس پر  
 آپ نے فرمایا: خلط عليك الامن کہ تیرا معاملہ مخلوط اور گڑ بڑ ہے، پھر آپ نے اس سے امتحاناً دریافت فرمایا کہ میں نے تیرے

لئے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے بتا دہ کیلئے، اور آپ نے اپنے دل میں یہ آیت سوچی تھی، یوم تالی السمار بدخان مبین۔ اس نے سوچ کر بتایا: هو الدخ کہ وہ دُخ ہے، آپ نے فرمایا: جادور ہو، تو ہرگز اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔  
(إخسأ فلن تعد و قد رك)

ابن صیاد پورا جملہ اور وہ پوری آیت جو آپ نے سوچی تھی تو کیا بتاتا صرف کلمہ دخان بھی پورا نہ بتا سکا اسی لئے آپ نے فرمایا کہ بس تیری حقیقت معلوم ہو گئی، لیکن یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس نے جو بھی کچھ بتایا وہ کیسے بتا دیا گو وہ ناقص کلمہ ہی ہے؟ اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے آپ نے اس کا ذکر بعض صحابہ سے کیا ہو جس کے کچھ حصہ کا شیطان نے استراق کر لیا ہو، یا آسمان میں اس کا ذکر ہوا ہو اور وہاں سے شیطان نے سرقہ کر لیا ہو اور پھر شیطان نے اس کی خبر ابن صیاد کو کر دی ہو جیسا کہ معروف ہے کہ شیاطین سرقہ کے بعد کاہنوں کو اس کی خبر کر دیا کرتے ہیں (كذا في البذل عن فتح الودود) فقال عمر يا رسول الله انك حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ابن صیاد ہی دجال ہے تب تو تم اس کے قتل پر قادر نہیں ہو سکتے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کے قتل میں کوئی خیر نہیں، کیونکہ ابن صیاد یہود میں سے ہے جن سے مصالحت کا معاملہ ہونا ہے لہذا وہ ذی ہوا۔

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی، و لم یس فی حدیثہم۔ و خیالہ یوم تالی السمار بدخان مبین۔ قالہ المنتذری۔

آگے روایت میں آرہا ہے: کان ابن عمر یقول والله ما اشك ان المسيح الدجال ابن صیاد، اور اس کے بعد یہ آرہا ہے محمد بن المنکدر فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ حلفاً یہ فرماتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، میں نے کہا کہ آپ اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس پر قسم کھائی تھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔  
و حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم، قالہ المنتذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فقد نا ابن صیاد یوم الحرة، ابن صیاد جو کہ مدینہ میں رہا کرتا تھا اس کے بارے میں حضرت جابر فرما رہے ہیں کہ وہ وقتہ الحرة میں گم ہو گیا تھا، پھر اس کا پتہ نہیں چلا وقتہ الحرة کا ذکر کتاب میں چند بار آچکا ہے۔  
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تقوم القيامة حتى یخرج ثلاثون دجالون کلہم یزعم انہ رسول اللہ۔

یہ حدیث کتاب الفتن کے شروع میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں گزر چکی، جس میں یہ بھی گزرا ہے، وانا فاتم النبیین۔ لابی بعدی۔ فقلت له اتری هذا منهم۔ یعنی المختار۔ قال عبیدۃ: اما انہ من الروم، ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد عبیدہ سلمانی سے پوچھا کہ کیا آپ اس کو یعنی مختار بن ابی عبیدہ الشقی کو ثلاثین کذابین میں سے سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ان کے سرداروں میں سے ہے۔

یہ مختار بن ابی عبید بھی جھوٹے مدعیان نبوت میں سے تھا، وہ جو حدیث میں آتا ہے: "مخرج من ثقیف کذاب ومیر۔ کما صحیح مسلم والترندی۔ کہا گیا ہے کہ میر (ظالم) سے مراد حجاج بن یوسف ثقفی، اور کذاب سے مراد یہی مختار بن ابی عبید ہے، اس کے والد ابو عبید جن کا نام مسعود ہے وہ صحابہ میں سے ہیں اور اس کی بہن صفیہ بنت ابی عبید حضرت عبداللہ بن عمر کی بیوی تھی۔ شروع میں تو اس کے حالات اچھے تھے اور قاتلان حسین سے اسی نے جن جن کر بدلہ لیا، مگر پھر آہستہ آہستہ اسکے حالات خراب ہوتے گئے یہاں تک کہ اخیر میں اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

## باب فی الأمر والنہی

مصنف نے "کتاب الفتن" کا اختتام اس باب سے کیا جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق روایات کو لائے فللہ در المصنف بالطف نظر، گویا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ فتنے تو جو دنیا میں آتے ہیں ان کو آنا ہی ہے لیکن انسان کو اپنی طرف سے ان کو دفع کرنے کا علاج اور تدبیر کی سعی کرنی چاہیے۔

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اول ما دخل

النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقى الرجل فیقول یا هذا اتق اللہ ودع ما تصنع، فانه لا یحل لک، ثم یلقا لا من الغد فلا یسعه ذلك ان ینکون اکیله وشریبہ وقعیلا فلما فعلوا ذلك ضرب اللہ قلوب بعضهم علی بعض... ثم قال: کلا واللہ لتأمون بالمعروف ولتنہون عن المنکر ولتأخذن علی یدی الظالم ولتأطرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق قصراً۔

**مضمون حدیث** | آپ نے ارشاد فرمایا، کہ بنو اسرائیل میں خرابی اور نقصان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص دوسرے کو جب معصیت پر دیکھتا تو وہ اس کو اس سے روکتا اور تنبیہ کرتا، پھر جب اسی شخص کی اس سے اگلے دن ملاقات ہوتی تو (باوجود اس دوسرے شخص کے اپنی معصیت پر قائم رہنے کے) اس کا ارتکاب معصیت اس کیلئے اس کا اکیل اور شریب ہونے سے مانع نہ ہوتا، یعنی ارتکاب معصیت کے باوجود اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا اسی طرح جاری رہتا، پس جب انہوں نے یہ صورت اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے قلوب کو یکساں کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے: افضل الاعمال المحب فی اللہ والبغض فی اللہ، نیز دعاء قنوت میں یہ جملہ ہے: "ونخلع ونترک من یفکر جس کا تقاضا یہ ہے کہ نساق و فجار اور جو لوگ معاصی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے ان معاصی کو ترک نہ کریں ان سے اپنے روابط اور تعلقات کو منقطع کر دینا چاہیے، اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر وہ بھی ان ہی جیسے ہو جائیں گے۔

لہ قال الشیخ (المحظلی) قولہ لتأطرنہ معناه لتردنہ عن الجور، واصل الاطر العطف او الشی، ومنہ تأطر العباد وهو تشبہ بہ۔

پھر آگے اس حدیث میں یہ ہے: آپ قسمًا تاکید کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کے ہاتھ پکڑ کے اس کے ظلم سے اس کو روکتے رہو اور اس کو اس کے ظلم سے ہٹا کر حق پر جلاتے رہو۔

اس حدیث میں تو یہ حکم آپ کا امت سے متعلق ہے کہ ان کو ایسا کرنا چاہیے اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے یہ حال خود اپنا بیان فرمایا ہے چنانچہ ترمذی کی کتاب الامثال میں یہ روایت ہے کہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

آپ کی اپنی امت کے ساتھ  
کمال خیر خواہی و ہمدردی

قال انما مثلی ومثل امتی کمثل رجل استوقد ناراً فجعلت الدواب والفراس یقعن فیہا فانما أخذ بجزءکم وانتم تقعون فیہا، آپ فرماتے ہیں کہ میری مثال اپنی امت کے بارے میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص آگ روشن کرے شمع وغیرہ آپ پر دلے بکثرت اس کے اندر گر کر ہلاک ہونے لگتے ہیں، تو آپ فرما رہے ہیں کہ یہی حال میرا ہے کہ تم لوگ معاصی کا ارتکاب کر کے جہنم میں داخل ہونا چاہتے ہو اور میرا حال یہ ہے کہ میں تم کو تمہاری پیٹیاں پکڑ پکڑ کر جہنم کی طرف سے دوسری طرف کھینچ کر لارہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے جا رہے ہو جزی اللہ عننا سیدنا و مولانا محمد ایاہوا صلہ۔

عن قیس قال قال ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ان حمد اللہ واثق علیہ: یا ایہا الناس انکم تقرؤن

ہذہ الآیۃ وتضعونہا علی غیر مواضعہا۔ علیکم انفسکم لا یضوکم من ضل اذا اہتدیتم۔ وانا سمعنا النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ان الناس اذا راوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیہ اوشک ان یرعہم اللہ بعقاب۔

تبلیغ کی اہمیت اور اس کا وجوب  
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کو غلط جگہ پر رکھتے ہو، یعنی اس کا غلط مطلب لیتے ہو۔ اس آیت کا ترجمہ

یہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ (کہ تم اپنی فکر کرو، اگر تم ہدایت پر ہو گے تو گمراہ ہونے والے کی گمراہی تمہارے لئے مضر نہ ہوگی) یعنی تم اس آیت سے یہ سمجھتے ہو کہ دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری نہیں خود آدمی کا ہدایت پر ہونا یہ کافی ہے، پھر وہ آگے فرماتے ہیں: حالانکہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب ظالم کو اس کو ظلم پر دیکھتے ہوئے اس کو ظلم سے نہیں روکیں گے تو قریب ہے یہ بات کہ عذاب سبھی پر آئے، ارتکاب معاصی کرنے والوں پر بھی اور نہ روکنے والوں پر بھی، اور دوسری روایت میں اس طرح ہے جس کے راوی، ششم ہیں، حالانکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس کسی قوم کے اندر معاصی کا ارتکاب ہو رہا ہو تو جو لوگ اس کی تغیر پر قادر ہوں گے اور پھر اس کی تغیر نہیں کریں گے تو عذاب ان سب پر آئے گا۔

آگے مصنف نے ایک تیسری روایت ذکر کی یعنی شعبہ کی جس میں یہ زیادتی ہے: ہم اکثر ممن یعملہ جبکہ معاصی کا ارتکاب نہ کرنے والے تعداد میں زائد ہوں ارتکاب کرنے والوں سے، یہ قید بظاہر اس اعتبار سے ہے کہ قدرت علی التغیر اسی وقت ہوگی جب نہ کرنے والے زائد ہوں، حضرت نے بذل الجہود میں شعبہ کی روایت مستند احمد سے نقل فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ وہاں شعبہ کی



روایت میں یہ زیادتی نہیں جس کو مصنف فرما رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، وقال الترمذی حسن صحیح قال المنذری۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرفوعاً) من رأی منكوا فاستطاع ان یغیرہ بیدہ فلیغیرہ بیدہ

فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع بلسانہ فبقلبہ، وذلك اضعف الایمان۔

اس حدیث میں تغیر منکر کے مراتب بیان کئے گئے ہیں، اول تغیر بالید کہ قوت بازو سے روک دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تغیر بالید کا حق سب کو نہیں ہے بلکہ امر اور حکام کو ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک عام ہے۔  
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ مختصراً مطولاً، وقد تقدم فی کتاب الصلاة قال المنذری۔

حدثنی ابوامیة الشعبانی قال سألت ابا ثعلبة الخشنی فقلت یا ابا ثعلبة کیف تقول فی هذه الایة، عسیکم

انفسکم؟ قال اما والله لقد سألت عنها خبیراً۔

اس حدیث کا تعلق بھی اسی آیت سے ہے جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول گذر چکا، ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے سائل سے فرمایا کہ تم نے اس آیت کے بارے میں ایسے شخص سے سوال کیا جو

وہ کون سا وقت ہے جس میں  
ترک تبلیغ مضر نہیں؟

اس سے واقف ہے، مراد اپنی ذات ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سائل بصدقہ متکلم ہو، اس صورت میں خیر کا مصداق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے کہ میں نے اسکے بارے میں آپ سے سوال کیا تھا۔ (بذل) بہر حال انہوں نے یہ فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا؛ بلکہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، اور جب تم لوگوں کی حالت وہ دیکھو۔ جو اگے حدیث میں مذکور ہے۔ تب ایسا کرو کہ بس اپنی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو اور وہ حالت یہ ہے کہ لوگ شدت بخل کو اختیار کرنے لگیں اور انسان کی فطرت میں جو بخل کی صفت ہے وہ اس کا کامل اتباع کرنے لگے شحامطاعاً، اور دوسری صفت ہے وهو متبعاً کہ لوگ صرف خواہشات نفسانیہ کا اتباع کرنے لگیں ودنیاموتوا یعنی ہر معاملہ میں دنیوی مصلحت کو ترجیح دینے لگیں، اور چوتھی صفت ہے واعجاب کل ذی دأی برأیہ، کہ ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرنے لگے۔

۱۔ وظاہر فی الہدایۃ ص ۳۷۲ ان الامر بالمعروف بالید عام عند صاحبین، واما عند الامام (ابی حنیفۃ) فبالید الی الامر وباللسان الی غیرہم، یعنی تغیر بالید صاحبین کے نزدیک تو عام ہے اور امر اور غیر امر سب کے حق میں ہے، اور امام صاحب کے نزدیک اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ تغیر باللسان کا حق تو سب کیلئے ہے اور تغیر بالید یعنی ہاتھ سے اصلاح کرنا امر اور حکام کا کام ہے علم لوگوں کیلئے نہیں۔

یہ ہے لوگوں کی وہ حالت جس کے پائے جانے کے وقت ترک تخییر اور ترک تبلیغ آدمی کے لئے مضر نہیں اس حدیث ابو ثعلبہ میں صدیق اکبر والی حدیث کے مقابلہ میں تشریح زیادہ ہے، حاصل اس کا یہی ہے کہ ترک تبلیغ ایک مخصوص وقت میں ہے ہر حال میں نہیں، علماء کرام سے اس آیت کی ایک اور توجیہ منقول ہے وہ یہ کہ اس آیت کو یہ میں ترک تبلیغ کو غیر مضر قرار دیا گیا ہے جبکہ لوگ خود ہدایت پر ہوں (اذا اھتدیم) اور لوگ ہدایت پر اسی وقت ہوں گے جب وہ اپنے جملہ فرائض کی تکمیل کرتے ہوں گے اور منجملہ فرائض کے ایک تبلیغ بھی ہے، لہذا ترک تبلیغ کی صورت میں اذا اھتدیم والی شرط ہی نہیں پائی جا رہی ہے، پس حاصل اس کا اس صورت میں یہ ہوگا کہ تبلیغ کے باوجود بھی اگر لوگ نہ مانیں تو پھر تمہارے حق میں کچھ ضرر نہیں ہے۔

آگے اس حدیث میں یہ ہے: فان من وراءكم ايام الصبر فيه مثل قبض على الجمرة آپ فرما رہے ہیں بیشک تمہارے آگے ایسے دن آنے والے ہیں جن میں دین پر قائم رہنا آدمی کے لئے ایسا مشکل ہوگا جس طرح مٹھی میں چنگاری کا رکھنا اور اس زمانہ میں شریعت پر چلنے والے کے لئے پچاس آدمیوں کے اعمال کے برابر ثواب ہوگا، ایسے پچاس جو اس جیسے عمل کرتے ہونگے۔  
قال يا رسول الله! اجر خمسين منهم؟ قال اجر خمسين منكم، یعنی ان پچاس آدمیوں سے کیا اسی زمانہ کے پچاس آدمی مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے پچاس مراد ہیں۔

کیا غیر صحابی صحابی سے افضل ہو سکتا ہے؟  
بذل میں نفع الودد سے نقل کیا ہے کہ اس غیر صحابی کے عمل کے اجر کا صحابہ کے عمل پر پچاس گنا المضاعف ہو، صرف اس عمل کے اعتبار سے ہے جس کو اختیار کرنا آنے والے زمانہ میں انسان پر زیادہ شاق ہوگا نہ کہ مطلقاً۔ اہ لہذا اس حدیث سے یہ گھنا درست ہوگا کہ غیر صحابی کا اجر کلاً صحابی کے اجر سے بڑھ سکتا ہے اہ

والحدیث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، وقال الترمذی حسن غریب، قال المنذری

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال:

لہ اس کو آپ سے مناسبت کینہے؟ اس کے بارے میں کوکب فتح<sup>۱۶۶</sup> میں یہ لکھا ہے کہ گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ کیا سب لوگوں کی ایسی حالت بھی ہو سکتی ہے؟ تو اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا تعجب کی بات ہے اس لئے کہ یہ زمانہ تو وہ زمانہ ہوگا جس میں دین پر قائم رہنا ایسا مشکل ہو جائیگا جیسے ہاتھ کی مٹھی میں چنگاری، ایسی نضا اور ماحول میں تو جو بھی بدتر حالت پیش آئے وہ قرین قیاس ہے۔

یہ تو جوہر کے مسلک کے پیش نظر ہے اور بعض علماء جیسے ابن عبد البر انہوں نے تو اس جیسی روایات سے استدلال کیا ہے کہ غیر صحابی، صحابی سے افضل ہو سکتا ہے، کذاتی ہامش البذل، اور مظاہر حق میں، مثل امی مثل المطر لا یدری اولہ خیرام آخرہ۔ اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن عبد البر کا یہ مسلک جو اوپر مذکور ہوا لکھا ہے، اور جوہر کا استدلال منجملہ دلائل کے اس حدیث سے بھی ہے جو آگے۔ باب فی فضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

خیر امی القرن الذی بعثت فیہم ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم۔ الحدیث

كيف بكم وبزمان يعزبل الناس فيه غربة. يا آپ نے فرمایا، یوشک ان یاتی زمان یعزبل الناس فیہ غربة

تبقى حثالة من الناس قد مرجحت عهودهم واماناتهم واختلفوا فكلوا هكذنا۔ وشبك بين اصابعه الخ۔

فتن کے زمانہ میں آدمی کو  
کیسے رہنا چاہیے

آپ فرما رہے ہیں کہ کیا حال ہوگا تم لوگوں کا۔ یعنی کیا کرو گے تم۔ جب ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کو چھان دیا جائے گا، گھٹیا اور کمینے لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جن کے معاملات اور امانات مخلوط اور گڈ مڈ ہو جائیں گے، اور اس وقت آپ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں تشبیک فرمائی کہ اس طرح خلط ہو جائیں گے، اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ پھر اس وقت میں کیا کرنا چاہیے یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو معروف اور نیک کام ہیں ان کو اختیار کرتے رہو اور جو ناجائز اور مستکر ہیں ان کو ترک کرتے رہو، اور بس اپنی فکر میں رہو، عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔ اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کے سوال پر فرمایا

الزم بيتك واملك عليك لسانك الخ کہ گھر سے باہر نہ نکلو اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ والحديث اخرجه الترمذی، قال المنذری

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رصفوا افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائز او امیر جائز۔ یہ حدیث ترجمہ البایکے عین موافق ہے اسی لئے یہاں لائی گئی ہے، ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کو افضل جہاد اس لئے کہا گیا ہے کہ مجاہد کو جہاد مع الکفار میں دونوں احتمال ہوتے ہیں اپنے غالب ہونے کا بھی اور مغلوب ہونے کا بھی، ادل کی امید اور ثانی کا خوف، لیکن ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات۔ کہنے میں اپنی ہلاکت ہی کا غلبہ ظن ہے لہذا یہ زیادہ مشکل کام ہوا پس افضل بھی یہی ہوا بالحديث اخرجه الترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن العرس عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال اذا عملت الخطيئة في الارض كان من شهدها فكرها كمن غاب عنها، ومن غاب عنها فرضيها كان كمن شهدها۔

یعنی جب کسی جگہ پر کوئی ناجائز اور حرام کام ہو رہا ہو تو جو شخص وہاں پہلے سے موجود ہے لیکن وہ اس کو برا سمجھتا ہے تو وہ مثل اس شخص کے ہے جو اس جگہ حاضر نہ ہو، اور اس کے برعکس جو شخص اس جگہ پر اپنے جنم کے اعتبار سے غیر موجود ہو لیکن اس ناجائز کام کو وہ پسند کرتا ہو تو وہ حکم میں اس شخص کے ہے جو اس جگہ پر موجود اور اس کام میں شریک ہو۔

حدثني رجل من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

قال: ان يهلك الناس حتى يعذروا او يعذروا من انفسهم۔

لہ وفی۔ النہایۃ۔ ومنہ الحدیث۔ ان یهلك الناس حتی یعذروا من انفسهم یعان احد قتلان من نفسه اذا امكن منها، یعنی انہم لایسئلون حتی تکثر ذنوبہم

وعمومہم فیستوجبون العقوبۃ ویكون لمن یعذبہم عندک انہم قابوا بعذرہ فی ذلک، ویرد فی النسخ الیاء من عذرته وهو بمعناه، وحقیرۃ عذرت بحوت الامارة وطمسها۔ تنبیہ: خطابی اور بزدل کے لئے میں۔ لمن یعذبہم۔ مصحف ہو کر۔ لمن بعدہم۔ بن گیا ہے۔ فلیتنبہ۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ نے فرمایا کہ لوگ ہلاک نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے عیوب اور معاصی غالب نہ ہو جائیں اس میں دو نواقعت ہیں اعداد باب افعال سے اور عذر یغذر بخیر سے۔

یہ تو اس کے حاصل معنی ہیں اور دراصل یہ یہ قال ان سألک عن شکاک بعد ہا قلاتصا صینی قد بلغت من لدنی عذرا کے قبیل سے ہے اور اس کی ایک نظیر وہ ہے جو آخر کتاب میں باب الخلفاء میں آ رہی ہے مجالج کے کلام میں دیا عذیری من عبدھذیل۔ یعنی اگر میں نے اسکے بعد آپ سے کچھ سوال کیا تو پھر آپ مجھ کو اپنے ساتھ مت رکھنا گویا اس صورت میں آپ کے پاس مجھ کو ساتھ نہ رکھنے کا معقول عذر ہوگا، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ لوگ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جب تک کہ ان کے معاصی غالب نہ ہو جائیں، البتہ جب ان کے معاصی غالب ہو جائیں گے اور حد سے بڑھ جائیں گے تب اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیں گے اور گویا لوگوں کی یہ حالت اللہ تعالیٰ کے لئے ان کو عذاب دینے کا ایک معقول عذر ہوگا۔

## باب قیام الساعة

یہ کتاب الفتن کا آخری باب ہے، تمام فتن کی انتہا قیام ساعت ہی ہے۔

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذات

لیلة صلاة العشاء فی آخر حیاتہ، فلما سلم قام فقال ارایتم لیدتکم ہذا فان علی رأس مئة سنة منها لا یبقی

من ہذا الیوم علی ظہر الارض احد، قال ابن عمر فوہل الناس فی مقالة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تلك الا

**مضمون حدیث** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں

عشاء کی نماز پڑھائی اپنی آخر حیات میں، نماز کے سلام کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم اپنی اس

رات کو دیکھ رہے ہو؟ شرح میں لکھا ہے کہ اس کا جواب محذوف ہے تقدیرہ: قالوا نعم، قال فاضبطوا یعنی اس مقام سے صحابہ

کا یہ جواب سمجھ میں آ رہا ہے اور مقام ہی سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر اس کو ذہن میں رکھو۔ اور وہ یہ کہ اس

رات کے سو سال کے بعد جتنے لوگ اس وقت زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں

کہ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی آپ کے اس ارشاد کے بارے میں اور اس سو سال کے مطلب میں رائے زنی کرنے لگے، یعنی یہ سمجھ کہ شاید

مراد یہ ہے کہ اس رات سے لے کر سو سال کے اندر قیامت آجائے گی، وہ فرماتے ہیں، حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس وقت جتنے

لوگ زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی سو سال کے بعد باقی نہ رہے گا، نہ یہ کہ کوئی بھی دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

لہ بسط الکلام علیہ ابن قتیبہ فی التتاییل، وقال المراد ای مستکم واجاب العینی ۵۴۲ بان المراد من امۃ، وبسط فی ص ۵۸۲ والحافظ

۲۵۲، والنوری ص ۳۱، (ہاشم بدل)

ابن بطال فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے لوگوں کو نصیحت کرنا ہے اور ان کو خیر دینا ہے اس امت کی عمروں کے کم ہونے کی اور یہ کہ ان کی عمریں گذشتہ امتوں کی طرح طویل نہیں ہیں تاکہ وہ عبادت کے اندر کوشش کریں اور میں کہتا ہوں کہ آپ کی نصیحت صرف صحابہ ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ نصیحت عام ہے اور دائمی ہے، تقریباً ہر زمانہ کے لوگوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے اب سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہیں رہے گا، یہ بات ہر زمانہ کے لوگوں پر صادق آتی ہے لہذا ہر زمانہ کے لوگوں کو آپ کے اس ارشاد سے موعظت و عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

صحابہ میں سے اخیر میں وفات حضرت ابوالطفیل عامر بن وائلہ رضی اللہ عنہ کی ہوئی ہے، ایک قول ان کی وفات کے بارے میں سنہ ۳۱۰ کا ہے اور دوسرا قول سنہ ۳۱۱ کا، اور دونوں صورتوں میں آپ کے قول کی صداقت ظاہر ہے کیونکہ آپ نے یہ بات اپنی عمر شریفیہ کے آخر میں فرمائی تھی، حاشیہ بزل میں سیوطی کی تدریب سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی وفات کے سو سال بعد صحبت یعنی اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ ناقابل قبول ہوگا اور حضرت شیخ فرماتے ہیں واخرج احمد فی مسندہ ص ۲۲۶ انه قال ذلک قبل الموت بشہرا۔  
والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والترمذی والنسائی، قال المتذری۔

عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لن یعجز اللہ هذه الامۃ من نصف یوم۔

آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو محروم نہیں کریں گے نصف یوم سے، یعنی کم از کم نصف یوم تک یہ میری امت باقی رہے گی اس کے بعد قیامت آئے گی، اس نصف یوم سے پانچ سو سال مراد ہے جیسا کہ بعد والی حدیث میں آرہا ہے، آخرت کا دن مراد ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، قال اللہ تعالیٰ، وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون ۱۰۰

احقر کتاب الملاحم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اول کتاب الحدود

حدود حد کی جمع ہے اور حد کہتے ہیں اس شئی کو جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور ان کے اختلاط سے مانع ہو،

۱۰۰۰ دنی ہامش البزل: وکذب ابن حزم فی الملل والنحل ص ۱۰۵ لمن عین للذیاعمر، دنی الدر المنصور ص ۵۰: من مجموع المقننات، نیدل علی ان عمرھا ۱۰۰۰۔  
۱۰۰۰ ذکر القاری ص ۱۸۵ تحت حدیث ابن ماجہ۔ الآیات بعد المآتین۔ احتمالاً انہا بعد الالف اھ۔ راجع الی الاصل وشتت۔

حدود شرعیہ کون رو اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مانع ہوتی ہیں فاعل کے لئے دوبارہ ارتکاب سے، اور دوسرے شخص کے لئے بھی انزجار کا باعث ہوتی ہیں، و فی الہدایۃ: الحدیث المنع ومنہ الحداد، للیواب، و فی الشریعۃ صوال العقوبۃ المقدرة حقانہ تعالیٰ حتی لا یسعی القصاص حداً۔ لانه حق العبد، ولا التعزیر لعدم التقدير، یعنی حد اس مقررہ سزا کا نام ہے جو حق اللہ ہے اسی لئے اس کو قائم کرنا ضروری ہے عفو اس میں جائز نہیں بخلاف قصاص کہ وہ حق العبد ہے اسی لئے صاحب حق (وہی مقتول) کو اسکے معاف کرنے کا حق ہے لہذا اسکو حد نہیں کہا جائیگا اور نہ تعزیر کو عدم تقدیر عدم تعین کی وجہ سے پھرانگے ہمیں یہ ہے۔ والمقصود الاصلی من شرع الحد انہ جار عامیۃ تقرب العباد الیہا لیست اصلیۃ فیہ بدلیل شرعی فی حق الکافر، یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدود زاجرات میں نہ کہ مکفرات جو مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ امام بخاری اور امام ترمذی نے تو اس پر مستقل باب قائم کیا ہے۔ باب ما جاز ان الحدود کفارۃ لاھلھا۔ اسی لئے ہمارے یہاں باوجود حد جاری ہونے کے توبہ کا وجوب رہتا ہے، صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل یہ بیان کی کہ دیکھئے حدود کافر کے حق میں بھی مشروع ہیں اور ظاہر ہے کہ کافر کے حق میں طہارت نہیں پائی جاتی قال الراغب: ویطلق الحدود ویراد بہا نفس المعاصی کما فی قولہ تعالیٰ وتلك حدود الله فلا تقربواھا (من الاوجز)

## باب الحكم فی من ارتد

عن عكرمة ان عليا حرق ناسا ارتدوا عن الاسلام فبلغ ذلك ابن عباس فقال لم اكن لاحرقهم بالنار ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لا تعذبوا بعد اب الله وكنتم قاتلهم بقول رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من بدل دينه فاقتلوا، فبلغ ذلك عليا فقال ويح ابن عباس۔

**شرح الحدیث** یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو جو مرتد عن الاسلام ہو گئے تھے احراق بالنار کی سزا دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی جو اس وقت امیر بصرہ تھے حضرت علی کی جانب سے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا ان کی جگہ تو میں ان کو تحریم کی سزا دیتا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا تعذبوا بعد اب اللہ بلکہ میں ان کو قتل کی سزا دیتا اسلئے کہ آپ کا ارشاد ہے من بدل دینہ فاقتلوا جو مرتد ہو جائے اس کو قتل کیا جائے، جب حضرت علی کو ابن عباس کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے فرمایا ویح ابن عباس کہ ابن عباس نے کیسی عمدہ بات فرمائی چنانچہ ترمذی کی روایت میں بجائے ویح کے صدق ابن عباس ہے، اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے کہ قال القاری لفظ ویح اظہار پسندیدگی اور مدح کے لئے آتا ہے، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ کلمہ ترجم ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے ابن عباس کے اعتراض کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک لا تعذبوا بعد اب اللہ یہی تہنئہ کے لئے تھی، بخلاف حضرت ابن عباس کے کہ انہوں نے اس کو تحریم پر محمول کر کے حضرت علی پر تکبر فرمائی۔



ہمارے نسخہ میں تو اسی طرح ہے۔ ویح ابن عباس۔ اور ایک نسخہ میں ہے ویح ام ابن عباس۔ لفظ ام کی زیادتی کیساتھ اور ایک تیسرے نسخہ میں ہے ابن ام عباس۔ قال صاحب العون انه سہو من الکاتب۔

**قتل مرتد و مرتدہ میں اختلاف ائمہ** علیٰ ہذا عند اہل العلم فی المرتد، واختلفوا فی المرأة اذا ارتدت عن الاسلام فقالت

طائفة من اهل العلم تقتل وهو قول الاوزاعي واحمد واسحاق، وقالت طائفة منهم نجس ولا تقتل، وهو قول سفیان الثوری وغیرہ من اهل الکوفة، یعنی مرتد اگر مرد ہے تو اس کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ اس کی سزا قتل ہے آیا قبل الاستتابہ ام بعدہ؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جمہور استتابہ کے قائل ہیں اور حسن بصری اور اہل ظاہر کے نزدیک اس کا قتل فی الحال واجب ہے قبل الاستتابہ، اب یہ کہ استتابہ جس کے جمہور قائل ہیں وہ بطریق وجوب ہے یا بطریق استحباب؟ مالکیہ کے یہاں معروف وجوب ہے اور حنفیہ کے یہاں استحباب، کذا فی اللامع، اور شافعیہ وحنابلہ کے یہاں دونوں روایت ہیں وجوب و استحباب۔ (تراجم بخاری) اور مرتدہ کے بارے میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک۔ کما فی اللامع عن الموفی۔ مرد و عورت کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں دونوں کا حکم قتل ہی ہے، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں تجبر علی الاسلام بالنجس والفرق ولا تقتل لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تقتلوا امرأة، ولا تنہا لا تقتل بالکفر الاصلی فلا تقتل بالطاری کا لصبی اھ یعنی کافرہ حربیہ کے بارے میں جب یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جاتا جس کا کفر اصلی ہے اسی طرح مرتدہ کو بھی قتل نہیں کیا جائیگا جس کا کفر طاری ہے ایسے ہی حنفیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسار بن حنیفہ کا استرقاق فرمایا تھا اور ان کو قتل نہیں کیا تھا، چنانچہ ان ہی میں سے ایک عورت انہوں نے حضرت علی کو دی تھی جسے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے (لامع) والحديث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجه تخمرا ومطولا، قال المنذری۔

عن عبد الله رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يحل دم رجل مسلم

يشهد ان لا اله الا الله واني رسول الله الا باحدى ثلاث، الشيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة۔ یعنی مسلمان کا خون تین وجہ سے حلال ہو سکتا ہے ایک زنا بعد الاحسان، کہ محصن ہونے کے باوجود زنا کرے اور دوسرے قصاص میں، تیسرے ارتداد کی وجہ سے۔

والحديث اخرجه البخاری وسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا يحل دم امرئ مسلم

..... الا في احدى ثلاث، رجل زنى بعد احصان فانه يرحم، ورجل خرج محاربا بالله ورسوله فانه يقتل

او يصلب او ينفى من الارض، او يقتل نفسا فيقتل بها۔

اس حدیث میں بھی تین ہی کا ذکر ہے ایک زنا بعد الاحسان، دوسرا رجل محارب، تیسرا قاتل نفس یعنی قصاص، اس

حدیث میں بجائے تارک لیدینہ کے رحیل محارب مذکور ہے۔

آگے کتاب میں اس کا مستقل باب آرہا ہے "باب ماجاء فی المحاربة" لہذا اس پر کلام وہیں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔  
والحدیث الخزیمہ النسائی، قال المتذری۔

حدثنا احمد بن حنبل ومسدود الخ قال ابو موسی اقبلت الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رمی

وجلان من الاشعریین احدہما عن یمینی والاخر عن یساری الخ۔

**مضمون حدیث** ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا، میرے ساتھ قبیلہ اشعر کے دو شخص اور دو گئے میرے دائیں بائیں، آپ کی خدمت میں پہنچنے کے

بعد ان دونوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمل طلب کیا یعنی یہ کہ ان کو کسی جگہ کا عامل بنا دیا جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے سوال پر خاموش رہے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تم کیا کہتے ہو، بظاہر مطلب یہ ہے کہ کیا تم ان کی سفارش کے لئے آئے ہو جیسا کہ صورت حال سے مترشح ہوتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ بخدا مجھ سے ان دونوں نے اپنی غرض

بیان نہیں کی تھی اور نہ خود میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ اسلئے آئے ہیں، آپ نے میرا جواب سن کر فرمایا، لن نستعمل علی عملنا من ارادة، کہ ہم کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بناتے جو اس کا طالب اور خواہشمند ہوتا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے

وکافی انظر الی سواکہ تحت شفتہ قلصت، حضرت ابو موسی فرماتے ہیں کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت آپ

مسواک فرماتے تھے اور مسواک آپ کے ہونٹ کے نیچے تھی جس کی وجہ سے ہونٹ اوپر کو ابھر رہا تھا، گویا یہ منظر اس وقت میرے

سامنے ہے، اور بیدل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ یہ آپ کے ہونٹ کا ابھرنا مسواک کرنے سے

رک جانے کی وجہ سے تھا اسلئے علی سوا الہاء، یعنی چونکہ آپ کو ان دونوں شخصوں کا سوال ناگوار گذرا تھا تو اس افسوس میں مسواک

ہونٹ کے نیچے دہائے ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث کا یہ ٹکڑا مختصراً کتاب القضاہ باب فی طلب القضاہ میں گذر چکا، اور اس سے پہلے کتاب الطہارۃ "باب کیف یستاک

میں گذرا ہے، اس جگہ کے لفظ یہ ہیں: وهو یستاک وقد وضع السواک علی طرف لسانہ، اور وہاں اس کے بارے میں

ایک اور اختلاف روایات بھی گذرا ہے، استحمال اور استعمال الگ الگ دو واقعے ہیں، فارجم الیہ۔

آگے حدیث میں ہے آپ نے حضرت ابو موسی اشعری سے فرمایا وکن اذہب یا ابا موسی، فبعث علی الیمن ثم اتبعہ

معاذ بن جبل، ابو موسی کے ساتھیوں نے تو چونکہ عمل طلب کیا تھا اس لئے آپ نے ان کو انکار فرمادیا اور ابو موسی چونکہ اس کے

خواہاں بالکل نہ تھے بلکہ اپنے ساتھیوں کے طلب عمل سے بھی گھبرائے تھے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کے

اہل ہو تم کو ہم عامل بنا کر بھیجتے ہیں، اور پھر ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل کو بھی آپ نے بھیجا۔

یہ بعث معاذ کی روایت کتاب الزکوٰۃ میں بھی گذر چکی ہے اور وہاں پر یہ بھی اختلاف گذرا ہے کہ حضرت معاذ کو آپ نے

وان بنا کر بھیجا تھا یا قاضی، لیکن بہر حال آپ نے ان دونوں کو الگ الگ مستقل عمل کیلئے بھیجا تھا، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ کفای العون۔ ان کلامہما کان علی عمل مستقل، یعنی دونوں کے علاقے الگ الگ تھے اور یہ بھی آتا ہے روایت میں کہ جب وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے تو آپس میں ایک دوسرے کے پاس جا کر ملاقات کیا کرتے تھے۔

قال فلما قدم عليه معاذ قال انزل والقی له وسادة فاذا رجل عندا موشقاً - یعنی حضرت معاذ شروع میں جب یمن پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس جا کر اترے، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ان کو دیکھ کر ان کے لئے تکیہ منگوا کر رکھا، حضرت معاذ نے ان کے پاس ایک قیدی کو جکڑا ہوا دیکھا تو انہوں نے سواری سے اترنے سے پہلے پوچھا کہ یہ کون ہے ابو موسیٰ نے بتایا کہ یہ یہودی تھا اور اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں نہیں بیٹھوں گا جب تک تم اس پر حد نہیں جاری کرو گے یعنی قتل جو کہ اللہ رسول کا فیصلہ ہے، انہوں نے فرمایا کہ اجی آپ بیٹھئے تو ہسی یہ کام بھی ابھی کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ تم اس کو قتل نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ میرے اعزاز و اکرام کی فکر نہ کریں جو کام زیادہ ضروری اور اہم ہے یعنی حدود اللہ کی تنفیذ اس کو پہلے کیجئے، چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا (پھر اس کے بعد وہ الطمینان سے ان کے پاس بیٹھے) ثم تذاکرو قیام اللیل یعنی آپس میں بات چیت کرتے رہے اور اس گفتگو کے دوران تہجد اور قیام لیل کا بھی ذکر آیا، یہاں روایت میں یہ ہے کہ حضرت معاذ نے فرمایا کہ میرا معمول تو رات میں سونے اور آرام کرنے کا بھی ہے اور نماز پڑھنے کا بھی ہے، وار جونی نومتی ما ار جونی قومتی اور میں تو اللہ تعالیٰ سے اپنے سونے میں بھی اسی ثواب کی امید رکھتا ہوں جسکی امید قیام لیل میں رکھتا ہوں، اس روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مذکور نہیں کہ وہ رات میں کیا کیا کرتے تھے، سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مبالغہ فی العبادۃ کرتے ہوں گے اس لئے حضرت معاذ نے اسکے بالمقابل اپنا معمول بیان کیا، چنانچہ حافظ لکھتے ہیں: و فی روایۃ سعید بن ابی بردۃ: فقال ابو موسیٰ اقروہ قائماً وقاعداً علی راحلتی و الفوقہ تفوقاً ای الازم قرارتہ فی جمیع الاحوال، یعنی انہوں نے فرمایا کہ میں تو ہر حال میں تلاوت قرآن ہی کرتا رہتا ہوں۔ اور ان کی قرارت ہے بھی بہت مشہور نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قرارت سن کر فرمایا تھا: اعطیت مزارا من مزا میر آل داؤد، اس حدیث سے معلوم ہوا حد ثابت ہونے کے بعد اس کی تنفیذ میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

والحدیث فیہ اکرام الضیف والمیادۃ الی انکار المنکر، واقامۃ الحد علی من وجب علیہ وان المباحات یوجز علیہا بالنیۃ اذا صارت وسائل للمقاصد الواجبة او المندوبۃ، او تکمیل الشئ منہما (عون)  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قال المنذری۔

وکان قد استتیب قبل ذلک، گذشتہ روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس رجل موشق کا قتل قبل الاستتابہ کر دیا گیا تھا، اس روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ایسا نہیں بلکہ اس سے پہلے اس سے استتابہ کرائی گئی تھی، اور اس کے بعد والی روایت

میں آ رہا ہے، قال فانی ابو موسیٰ برجل قد ارتد عن الاسلام فدعا لعاشرة من ليلة او قريب منها۔  
استنباط کے بارے میں روایات مختلف ہیں جیسا کہ آگے مصنف خود فرما رہے ہیں۔  
حدیث عبد الملک اخرج البخاری مسلماً، وطریق ابن فضیل اخرج البخاری مسلماً، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح یکتب لرسول اللہ ﷺ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فازلہ الشیطان۔

**شرح الحدیث** یعنی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رضاعی بیٹا ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سے تھا آپ اس سے لکھوایا کرتے تھے، شیطان نے اس کو آخر تر میں مبتلا کر دیا پھر وہ کفار کے ساتھ جا ملا، فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا لیکن وہ بھاگ کر حضرت عثمان کی پناہ میں چلا گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس من کو قائم رکھا۔ یہ روایت مختصر ہے، اس کے بعد والی روایت میں تفصیل مذکور ہے اور وہ تفصیل کتاب الجہاد میں بھی گند چکی ہے، "باب قتل الامیر ولا یرض علیہ الاسلام" کے ذیل میں اور وہاں اس روایت کا بھی جو یہاں آئی ہے حوالہ دیا گیا ہے، ادراشکال و جواب بھی جو اس مقام پر ہوتا ہے، یہاں پر بذل میں حضرت نے اسکے بارے میں تحریر فرمایا ہے: قال فی فتح الودود، و فیہ ان التوبۃ عن الکفر فی حیاتیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کانت موقوفہ علی رضاه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اتنی بات ہمارے یہاں کتاب الجہاد میں گند چکی، علامہ سندکی سے یہاں بذل میں حضرت نے اس پر یہ اضافہ فرمایا ہے: قلت لعلہ مخصوص بمن امر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باصدار دمہ قبل ذلک، یعنی علامہ سندکی نے جو یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں توبہ عن الکفر کا معنی ہونا موقوف تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی پر حضرت فرما رہے ہیں کہ ایسا مطلقاً نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمدردی قرار دیدیا ہو، جیسا کہ یہاں عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ ہوا۔

اوپر حدیث میں یہ آیا ہے، ابن ابی سرح کے بارے میں۔ فازلہ الشیطان۔ جو سکتا ہے یہ زلہ وہی ہو جو اس کے ترجمہ میں "اسد الغابہ" میں اسکے حالات میں مذکور ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا پھر مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گیا اور قریش مکہ کے پاس چلا گیا اور ان سے جا کر یہ کہا اتنی کنت اصراف محمد اریذ کہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا رخ جدھر کو چاہتا پھیر دیا کرتا تھا، وہ مجھ سے اٹار کرتے تھے، "غزیر حکیم"۔ فاقول او، "علیم حکیم" فیقول نعم، کل سوار، یعنی آپ مجھ سے فرماتے غزیر حکیم، لکھنے کو اس پر میں کہتا کہ کیا اس کے بجائے علیم حکیم لکھوں؟ تو وہ کہتے ہاں لکھ دو دونوں برابر ہیں۔

والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

## باب الحكم فيمن سب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

یعنی جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور سبب شتم کرے اسکے حکم کے بیان میں۔

عن عكرمة قال حدثنا ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان اعمى كالت له ام ولد تشتم النبي صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم وتقع فيه الآية۔

**مضمون حدیث** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے جن کی ایک ام ولد تھی یعنی غیر مسلم جو آپ کی شان میں گستاخی کیا کرتی اور گالی دیا کرتی تھی، وہ نابینا صحابی اسکے آقا اس کو اس سے منع کرتے تھے لیکن اس سے وہ باز نہ آتی تھی، ایک رات کا واقعہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بکسب بک کر رہی تھی تو ان صحابی نے یہ کیا کہ ایک دھاردار لوہا لیا اور اس کی نوک کو اس باندی کے پیٹ پر رکھ کر اس پر بوجھ ڈال دیا اور اس کو ہلاک کر دیا، اور چونکہ وہ اس وقت حاملہ تھی ایسا کرنے سے وہ بچہ باہر آگیا اور وہ ساری جگہ خون سے ملوٹ ہو گئی، جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس قتل کا ذکر کیا گیا، آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور مجمع کو خطاب کر کے آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر میں کہتا ہوں اس شخص سے جس نے یہ کام کیا ہے جو اپنے اوپر میرا کچھ حق سمجھا، ہو تو وہ کھڑا ہو جائے، اس پر وہ نابینا صحابی کھڑے ہو گئے اور چونکہ وہ مجلس میں بیچھے بیٹھے تھے اس لئے لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے اور کانپتے ہوئے آکر آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کا قاتل میں ہوں۔ اور جو وہ حرکتیں کیا کرتی تھی اس کا ذکر کیا، اور یہ بھی کہا کہ میرے اس سے در بہت پیار ہے اور خوبصورت بیٹھے بھی ہیں، اور وہ میری پرانی رفیقہ حیات تھی، گذشتہ رات وہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگی تو میں نے معقول لے کر اس کے پیٹ پر رکھی اور بوجھ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مر گئی، آپ نے یہ ساری بات سن کر فرمایا: الا شهدوا ان دمها هدر کہ سب لوگ گواہ رہیں اس عورت کا خون معاف ہے۔

**مسئلہ مترجم بہا میں فقہاء کی رائے** مسئلہ الباب میں قدر سے اختلاف اور تفصیل ہے وہ یہ کہ سب البانی اگر مسلم ہے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کو بالاجماع قتل کیا جائیگا من غیر استتابہ، اور اگر وہ ذمی ہے تو عند الجہور ایسا کرنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائیگا لہذا اس کو بھی قتل کیا جائیگا، البتہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ اگر سب البانی کے بعد وہ اسلام لے آئے تو قتل نہیں کیا جائیگا، اور حنفیہ کے نزدیک اگر وہ ذمی ہے تو ایسا کرنے سے اس کا لفظ عہد نہیں ہوگا اور اس کی سزا قتل نہیں بلکہ تعزیر ہوگی۔  
والحدیث اخرجه النسائي، قاله المنذرى۔

عن ابی ہریرۃ قال كنت عند ابی بکر فتعظمت علی رجل ناشتد علیہ فقلت تأذن لی یا خلیفۃ رسول اللہ اضرب

عنقہ؟ قال فاذهبت کلمتی غضبہ انہ۔

### مضمون حدیث

حضرت ابو ہریرۃ الاکلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز صدیق اکبر کے پاس تھا وہ کسی شخص پر ناراض ہو رہے تھے اس پر وہ شخص آپ کے ساتھ بد تمیزی پر اتر آیا یعنی اور آپ کی شان میں گستاخی کی، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اجازت طلب کی کہ یا خلیفہ رسول اللہ! کیا میں اس کی گردن مار دوں؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ سے اس لفظ نے ان کا سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا (اور ان سے وہاں بیٹھا نہیں گیا، پس کھڑے ہوئے اور اندر چلے گئے، اور اندر جا کر ایک آدمی کے ذریعہ مجھے بلوایا اور فرمایا کہ تو نے ابھی کیا بات کہی تھی میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے اس شخص کے قتل کی اجازت طلب کی تھی، صدیق اکبر نے فرمایا کہ کیا تو ایسا کر دیتا اگر میں تجھ کو اجازت دیتا۔ میں نے کہا ہاں ضرور انہوں نے فرمایا بخدا! نہیں یہ بات کسی انسان کے لئے جائز نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تو یہ متاثر ہے کہ اگر آپ کسی پر کسی وجہ سے ناراض ہو کر اس کے قتل کا حکم فرمائیں تو اس کا قتل جائز ہوگا۔ اور ایسے ہن اگر کوئی آپ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا قتل بھی جائز ہوگا۔ لیکن آپ کے بعد آپ کے خلفاء میں سے کسی کا یہ حکم نہیں ہے کہ ان کی وجہ سے اس کا قتل جائز ہو جائے۔

والحدیث، اخرجہ انسائی، قالہ المنذری۔

## باب ماجاء فی المحاربة

حضرت امام بخاری نے تو اس مسئلہ پر مستقل کتاب کا عنوان اختیار کیا ہے کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ اور پھر اس کے تحت چند باب ذکر فرماتے۔ بظاہر اس لئے کہ یہ مسئلہ کافی وسیع الذیل ہے۔

عن ابی قلابۃ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان قومًا من عکل اوقال من عربینۃ قد مواعلی رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ حدیث حدیث العربین کیساتھ مشہور ہے، امام ترمذی نے تو اس کو کتاب الطہارۃ میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اس میں بول ماکول اللحم کی طہارت اور نجاست کا مسئلہ ہے اور کتاب الاطعمہ میں بھی مختصر اور امام ابو داؤد نے اس کو یہاں کتاب الحدود میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اس حدیث میں حد اور شلہ وغیرہ کا ذکر ہے اور انسائی میں دونوں جگہ ہے اور صحیح بخاری میں تو دسیوں جگہ ہے یہ

لہ اخرجہ البخاری فی تسع مواضع النظر: ۳۶۱، ۴۲۳، ۴۲۳، ۶۶۲، ۸۲۸، ۸۵۲، ۱۰۰۵/۲



حدیث العربین کی شرح | عکلی اور عربینہ مستقل دو قبیلے ہیں اگرچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں لیکن حافظ

نے اس کو دو ہم قرار دیا ہے، اس روایت میں وسف سے ساتھ ہے اور بعض روایات میں صرف عکلی ہے اور بعض میں صرف عربینہ، اور بعض میں من عکلی و عربینہ۔ عکلی کیساتھ حافظ کہتے ہیں یہی صواب ہے اسلئے کہ ایک روایت میں طبرانی کی یہ ہے کہ ان میں چار عربینہ کے تھے اور تین قبیلہ عکلی کے، اور بعض روایات میں ان کا آٹھ ہونا مذکور ہے قال الحافظ لعل الثامن لیس منہما کما فی الفیض السمانی

ان لوگوں کے بارے میں حضرت انس یہ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے تو ان کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ ایک روایت میں ہے (ابو عوانہ) فعظمت بطونہم کما فی التحفة کہ مدینہ منورہ کی غذا موافق نہ آنے کی وجہ سے ان کے معدے خراب ہو گئے اور فسخ کی شکایت ہو گئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں چند دودھ والی اوشنیوں کا حکم فرمایا، اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں فیہشتم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی اہل الصدقة، اور آپ نے ان سے فرمایا کہ ان اوشنیوں کے دودھ اور پیشاب پیا کرو۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں چلے گئے اور وہاں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پیا، لیکن جب تندرست ہو گئے تو انہوں نے یہ حرکت کی کہ آپ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا، اور ان اونٹوں کو تیزی کیساتھ ہانک لے چلے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس قصہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کو بھیج دیا (فقہی روایت)۔ خیلامن المسلمین امیر ہم کر زبن جابر الفہری، آپ نے علی الصباح اس دستہ کو ان کے تعاقب میں بھیجا تھا، تو یہ لوگ ان کو بہت جلد دن چڑھنے سے پہلے پکڑ کر لے آئے، آپ نے ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یعنی ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ فقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف، اور دوسری سزا ان کو یہ دی گئی کہ سلائیاں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیری گئیں، دوسری روایت میں آرہا ہے، فامر بمسامیر فاحمیت فکحلہم، یہ مسامیر جمع ہے یعنی لوہے کی سیخ، اور مقام حرہ میں ان کو ڈال دیا گیا، پانی طلب کرتے تھے لیکن ان کی فرمائش پوری نہیں کی گئی۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو پینے کے لئے پانی کیوں نہیں دیا گیا اسلئے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جس مجرم کی سزا قتل ہو اگر وہ پانی طلب کرے تو منع نہیں کیا جائے گا، اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں، بعض نے کہا یہ صحابہ کی جانب سے تھا انہوں نے اپنے اہتمام سے ایسا کیا تھا نہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے، قال الحافظ: وهو ضعیف جداً

لم فی ہامش البذل، و تقدم الکلام علی حکم الابوال فی ہامش البذل ۴۵ تحت۔ باب الجنب یتیم تحت حدیث ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال اجتویت المدینة فامر لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بزدود و بغنم فقال لی اشرب من البانہاد اشک فی ابوابہا، و منہ تعرض لہا شیخ فی المحلیں، قال ابن العربی ۱۶۳ فی شرح الترمذی ہذا حدیث صحیح ثابت ثم بسط الکلام علی شرحہ ۱۵۔

لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اطلع علی ذلک و سکتہ کاف فی ثبوت الحکم، اور کہا گیا ہے اسلئے کہ ان لوگوں نے ناشکری کی تھی البیان اہل کے ساتھ جس سے ان کو شفا حاصل ہوئی تھی اسلئے ان کو سزا بھی دی گئی جس کی انہوں نے ناشکری کی، علامہ سندی کی رائے یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا قصاص کیا گیا کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے راغی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا یعنی اس کو پیسا مارا تھا، چنانچہ نسائی کی ایک روایت میں ہے: اللہم عطش من عطش آل محمد۔

قال ابو قلابہ ذہولاء قوم سر قوا وقتلوا و کفروا بعد ایمانہم و حاربوا اللہ و رسولہ، ابو قلابہ کا مقصد جو راوی حدیث ہیں عنین کی شدت جنایت کو بیان کرنا ہے کہ انہوں نے بہت سے جرائم کا ارتکاب کیا تھا اسی لئے ان کو اتنی سخت سزا دی گئی، چنانچہ آگے کتاب میں آرہا ہے: وہم الذین اخبیر عنہم انس بن مالک الحجاج حین سألہ، یعنی حجاج بن یوسف نے کسی موقع پر حضرت انس سے یہ سوال کیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو سزائیں دی ہیں ان میں تمہارے نزدیک سب سے شدید ترین عقوبت کون سی ہے؟ تو انہوں نے اس پر قصہ عنین ہی کو بیان کیا تھا آگے روایت میں آرہا ہے فقطح ارجلہم و ایدیہم و ما حسہم کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں قطع کرنے کے بعد ان کو داغ نہیں دیا تھا، اسلئے کہ سارق کو قطعید کے بعد جو داغ دیا جاتا ہے وہ تو اس لئے کہ سارا خون بہہ کر وہ ہلاک نہ ہو جائے حالانکہ اس کو ہلاک کرنا مقصود نہیں بخلاف عنین کے کہ ان کو ہلاک کرنا ہی مقصود تھا۔

عن انس بن مالک بہذا الحدیث فانزل اللہ تعالیٰ فی ذلک، انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادا۔ اس بارے میں روایات اور علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ آیت محاربہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، ایک قول تو اس میں یہ ہوا کہ عنین کے بارے میں نازل ہوئی، حسن اور عطا وغیرہ کا قول بھی یہی ہے اور امام بخاری کی رائے اس میں یہ ہے کہ یہ مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ آگے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں آرہا ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ عنین کی تخصیص نہیں بلکہ مطلقاً قطاع الطریق اور مفسدین فی الارض کے بارے میں ہے، حافظ فرماتے ہیں: قول محمد یہ ہے کہ آیت کا نزول تو عنین ہی کے بارے میں ہوا اولاً جو کہ مرتد تھے لیکن یہ آیت اپنے عموم الفاظ کی وجہ سے مسلمان مفسدین اور قاطعین طریق کو بھی شامل ہے لیکن سزا دونوں کی الگ الگ ہوگی۔

۱۔ یعنی سیرابی کی ناشکری میں یہ سزا دی گئی کہ ان کو پیسا مارا گیا، اور سیراب نہیں کیا گیا۔

۲۔ و کتابہ شیخ فی، الابواب والترجمہ ص ۲۱۱، ذکر فی ہامش اللامع اختلاف العلماء فی تعیین من نزلت ہذہ الآیۃ فی حقہم باہسط و اہبطہ من فی البخار الساس من، الاوجزہ فقد ذکر فیہ ان فی آیۃ المحاربتہ ثلاثہ مسائل الاوی ان فی کفرہ او فی المسلمین، الثانیۃ فی تعریف المحارب الثالثۃ ان الاوکام الاربعۃ فی الآیۃ علی التخییر اور التویح اہ نیز اس میں لکھا ہے، و جمہور علی انہما نزلت فی قطاع الطریق، اور قطع طریق کی چار قسمیں بدائع سے آگے آرہی ہیں۔

قطاع الطريق کی عقوبت اور اس میں علماء کا اختلاف بالتفصیل

اگر یہ قطاع الطريق اور مفسدین کفار ہوں گے اس میں تو امام کو اختیار ہوگا جب ان پر قابو پالے کہ جو چاہے سزا دے، اور اگر وہ مسلم ہوں تو امام مالک کی رائے تو یہ ہے کہ وہاں بھی امام کیلئے تخییر ہے، اور جمہور علماء حنفیہ شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ نوعیت جرم

کو دیکھا جائیگا اور اسکے اعتبار سے پھر ان کو سزا دی جائے گی، لہذا آیت کریمہ ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدہم وارجلہم من خلاف اوینفون الارض میں لفظ "او" تفصیل اور تنويع کے لئے ہے بخلاف امام مالک کے کہ ان کے نزدیک للتخییر ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں حنفیہ کے مسلک کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ قطع طریق کی چار صورتیں ہیں، باقتدال مال فقط، بالقتل فقط، باقتدال مال والقتل یا بالتخویف فقط، پہلی صورت میں صرف قطع ید اور رجل ہوگا، اور دوسری صورت میں صرف قتل اور دونوں کو جمع کرنیکی صورت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ چاہے توجیع بین العقوبتین کر دے یعنی قطع ید و رجل کیساتھ قتل یا صلب بھی، اور اگر چاہے تو صرف قتل یا صلب کی سزا دے اور قطع نہ کرے، اور صاحبین کے نزدیک جمع بین الجناہتین

قطع طریق کی تعریف

لے اب یہ کہ قطع طریق کی حقیقت کیا ہے (جو کہ سرقہ کی ایک بڑی قسم ہے) زلیعی علی الکفر میں باب قطع الطريق کے شروع میں

لکھا ہے: شرائط قطع الطريق فی ظاہر الروایۃ ثلاثۃ یعنی لمختص بہ دون السرقۃ الصغری ثلاثہ، ان یكون من قوم لهم قوۃ وشوکہ منقطع بهم الطريق وان لا یكون فی مصر ولا فی ما بین القری ولا بین مصرین وان یكون بینہم وبين المصیرۃ سفر لان قطع الطريق انما یكون بانقطاع المارة ولان منقطعون فی ہذہ المواضع عن الطريق لانہم یحکم الفوت من جہۃ اللام والمسلمین ماعدا بعد ساعۃ فلا یرک المرور والاستطراق، وکن ابی یوسف انہم لو کانوا فی المریلا او فیما بینہ وبين المصراقل من مسیرۃ سفر تجری علیہم احکام قطع الطريق وعلیہ الفتوی لمصلوۃ الناس وہی دفع شر المتغلبۃ المتکسبۃ اہ یعنی قطع طریق کی حقیقت یہ ہے کہ لیٹروں اور مفسدین کی اتنی بڑی جماعت یا قوت و شوکت ایسی ہو جو قطع طریق کر سکے یعنی راستہ چلنا بند کر سکے اور یہ جہی ہو سکتا ہے جب یہ کام شہر میں یا دو شہروں کے بیچ میں ہوں، ایسے ہی چند دیہاتوں کے بیچ میں بھی ہو نیز یہ کہ ان قطاع الطريق اور شہر کے درمیان فاصلہ مسافت سفر کے بقدر ہو اسلئے کہ یہ مواضع ایسے ہیں جہاں حکومت کی طرف سے اور ایسے ہی عام پبلک کی طرف سے مدد پہنچ سکتی ہے اور مردہ منقطع نہیں ہو سکتا، اسی لئے یہ قیود لگائی گئیں کہ ایسے مواضع ہوں۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر یہ لوگ شہر میں ہوں اور وقت رات کا ہو یا ان کے اور شہر کے درمیان مسافت سفر سے کم فاصلہ ہو تب بھی ان پر قطاع الطريق کے احکام جاری کئے جائیں گے لوگوں کی منسوت اور ان باغیوں کے دفع شر کیلئے۔ لے اور زلیعی علی الکفر ص ۱۲۶ میں بھی اس مسئلہ کی کافی تفصیل مذکور ہے جمع بین الجناہتین یعنی قتل اور اقتدال کا حکم اس میں اس طرح لکھا ہے:

والحالة الرابعة ان یؤخذ وقد قتل النفس واقتدال المال فان اللام فیہ مخیر ان یشار قطع یدہ ورجلہ وقتلہ، وان یشار قتله وصلبہ، وان یشار قطعہ وصلبہ، وان یشار قتله، وان یشار قطعہ من خلاف وقتله وصلبہ، منراکی یہ چھ صورتیں ہوتیں جن میں امام کو اختیار ہے اور صاحبین کا مذہب یہ لکھا ہے: وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقتل او یصلب ولا یقطع، والیوسف معنی المشہور لان القطع حد علی حدۃ والقتل کذلک بالنص فلا یجمع بینہما بجناية واحدة وہی قطع الطريق، اذ لا یجوز الجمع بین الحدین بجناية واحدة ولابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ انه وجد الموجب

کی صورت میں سزا صرف قتل ہے بدون القلع، اور جس شخص نے نہ اخذ مال کیا اور نہ قتل بلکہ صرف تخویف کی تو اس کی سزا نفی من الارض ہے۔ الی آخریابی البذل ۱۳۲۔ نفی سے کیا مراد ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے قال الحافظ قال مالک و الشافعی یہ تخرج من بلد الجناية الی بلدة اخرى۔ زاد مالک فیحبس فیہا۔ و عن ابی عینفہم یحبس فی بلده، و تعقب بان الاستمرار فی البلد ولو کان مع الحبس اقامة و هو ضد النفی، فان حقیقۃ النفی الاخراج من البلد و حجة انه لا یؤمن من استمرار المحاربة فی البلدة الاخری، فان فصل عنه مالک بانہ یحبس بہا، یعنی امام مالک و شافعی کے نزدیک نفی سے مراد شہر بدر کرنا ہے، امام مالک کے نزدیک مع الحبس، اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً، اور امام صاحب کے نزدیک اس سے مراد صرف جس ہے شہر بدر کرنا نہیں، کیونکہ شہر بدر کرنے میں یہی خطرہ ہے کہ جو اس نے یہاں کیا وہی وہاں جا کر کرے گا، اس پر امام مالک نے فرمایا کہ شہر بدر کرنے کے ساتھ وہاں قید بھی کر دیا جائے تاکہ یہ خطرہ نہ رہے، کیونکہ نفی کی حقیقت تو اخراج من البلد ہے جو صرف حبس سے حاصل نہیں ہوتی (غون)

وہم الذین اخبیر عنہم انس بن مالک الحجاج حین سألہ، اس کو ہم پہلے لکھ چکے۔

عن ابی الزناد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قطع الذین سرقوا لقاہ و سئل اعینہم بالنار

عائتہ اللہ فی ذلک فانزل اللہ تعالیٰ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الاية۔

یہ روایت مرسل ہے، قال المنذری ہذا مرسل واخرجه النسائی مرسلًا۔

ابو الزناد کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرینین کے ساتھ جو معاملہ فرمایا قطع اور سئل اعین کا تو اس پر آیت محاربه کا نزول ہوا بطور عتاب کے، بذل الجہود میں لکھا ہے کہ ایک قول اس تفسیر کی آیت میں یہی ہے، اگر یہ قول صحیح ہے تو اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے عدم انتظار الوحی و مسارعة الاجتہاد فی الحکم اور دوسرا قول اس میں یہ ہے عرینین اس آیت کریمہ میں داخل نہیں لان جرمہم فوق ما ذکر فی ہذہ الاية لہذا عتاب والا قول صحیح نہیں۔

عن محمد بن سیرین قال کان هذا قبل ان تنزل الحدود یعنی حدیث انس۔

عرینین کیساتھ جو مثلہ وغیرہ سے پہلے کا واقعہ ہے، ابن سیرین کا یہ قول امام ترمذی نے بھی ذکر فرمایا ہے، اور اس سے پہلے انہوں نے حضرت انس کی اس روایت کی تخریج کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں: انما سئل النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعینہم لاہم سئلوا اعین الرعاة، قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث غریب لان الغنم حد ذکرہ غیر ہذا الشیخ (یحییٰ بن غیلان)

بہارہو القتل واخذ المال فیستوفیان۔ الی آخریابسط۔ گویا صاحبین کی رائے یہ ہے کہ یہ قطع طریق جس کو سرتہ کبریٰ بھی کہہ سکتے ہیں ایک بہت جامع جنایت ہے جس میں کبھی صرف اخذ مال ہوتا ہے کبھی صرف تخویف ہوتی ہے اور کبھی اخذ مال اور قتل دونوں پائے جاتے ہیں، وفيہ ایضا، والحالة الثالثة ان یؤخذ وقد نس النفس ولم یاخذ المال فان الامام یقتلہ حد حتی لو عفا الاولیاء لم یلتفت الی عفوہم۔ الی آخریاذکر۔

عن یزید بن زریع وهو معنی قوله . وخرج قصاص . اس کا حاصل یہ ہوا کہ عربین کے ساتھ جو مشلہ وغیرہ کیا گیا وہ قصاصاً کیا گیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے راہی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، اور ابن سیرین کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ عربین کے ساتھ جو مشلہ کیا گیا وہ نزول حدود اور نسخ مشلہ سے پہلے کا واقعہ ہے بعد میں اس میں نسخ واقع ہو گیا لیکن پہلے جو اس کے بارے میں جس میں یہ ہے کہ یہ معاملہ ان کے ساتھ قصاصاً کیا گیا کیونکہ ان لوگوں نے بھی آپ کے راہی کیساتھ یہی کیا تھا، امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے کما تقدم انفا، میں کہتا ہوں یہ بات کہ ان لوگوں آپ کے راہی کیساتھ ایسا ہی کیا تھا صحیح بخاری کی روایت میں تو یہ نہیں ہے لیکن مسلم کی روایت میں ہے، قال العینی السؤال الثالث ما وجه تعذیبہم بالنار؟ الجواب انه كان قبل نزول الحدود رواية المحاربة والنهي عن المشلہ، فهو منسوخ وقيل ليس بمنسوخ وإنما فعل النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قصاصاً لانہم فعلوا بالرعایة مثل ذلك، وقد رواه مسلم فی بعض طرقہ (تحفة) حاصل یہ کہ عربین کیساتھ جو مشلہ کیا گیا یا تو قصاصاً کیا گیا اور یا یہ کہ یہ نسخ مشلہ سے پہلے کا واقعہ ہے اور منسوخ ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ نسخ کی دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ بخاری کی کتاب الجہاد میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز مشلہ ثم النہی عنہ، یہ دونوں چیزیں ان کے سامنے پیش آئیں رگویا اسلام ابو ہریرہ کے بعد پیش آئیں اور عربین کا قصہ اسلام ابو ہریرہ سے پہلے کا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال . انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً

ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدہم وارجلہم من خلاف او ینقوا من الارض . الی قوله . غفور رحیم، بیح کی آیت یہ ہے . ذلك لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم، الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم

نزلت ہذا الآیۃ فی المشرکین فمن تاب منهم قبل ان یتقدروا علیہ لم یمنعہ ذلك ان یقام فیہ الحد الذی احصاہ

حضرت ابن عباس کی رائے سے قطع نظر کرتے ہوئے جمہور نے جو معنی اس آیت کریمہ کے لئے ہیں اولاً ان کو سمجھا جائے، اس آیت کی تفسیر معارف القرآن اور لیسلی میں یوں ہے: گذشتہ

آیت میں فساد فی الارض اور قتل ناحق کی شناعت بیان فرمائی چونکہ فساد کی ایک صورت قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈکیتی بھی ہے اسلئے اب اس آیت میں فساد کے انسداد کے لئے اول قطع الطریق یعنی رہزنی کی شرعی سزا کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد کی آیت میں سارق (چور) کی سزا کو بیان کرتے ہیں جو اسی حکم سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے کیونکہ چوری بھی ایک قسم کا فساد ہے؛ جزا میں نیست کہ سزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں یعنی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں بارادۃ فساد دوڑتے پھرتے ہیں یعنی قتل اور قطع طریق (رہزنی) کرتے پھرتے ہیں ایسے

لہ حافظ کی عبارت یہ ہے: (یدل علیہ) ای علی النسخ (مدواہ البخاری فی الجہاد) حدیث ابی ہریرہ فی النہی عن التعذیب بالنار بعد الذن فیہ، وقد

حضر الذن ثم النہی عنہ، وقصۃ العربین قبل اسلام ابی ہریرہ۔



لوگوں کی سزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بائیں پیر یا جلاد طن کر دیئے جائیں۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت رہزنیوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر، اور الذین یحاربون میں محاربہ سے رہزنی مراد ہے، اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی اور آیت میں محاربہ سے مراد ارتداد ہے، اور ان یقتلوا اولیٰ صلبوا الیٰ آخرہ میں جو لفظ ادوارد ہوا ہے وہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک تخییر کیلئے ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان چار سزائوں میں سے بلحاظ نوعیت جرم جو نسبی مناسبت سمجھے دے، اور جمہور علماء کے نزدیک اور تقسیم اور ترویج کے لئے ہے، یعنی مختلف حالات میں اختلاف احکام کیلئے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں جس نوع کے جرم کا ارتکاب کیا ہے ایسی نوع کی سزا ہوگی، مثلاً اگر کسی نے کسی کو صرف قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی، اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہے تو وہ قتل بھی کیا جائیگا اور سولی بھی دیا جائیگا یعنی قتل کر کے عبرت کے لئے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو صرف ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر چھوڑ دیا جائیگا، اور اگر صرف راہ روں کو ڈرایا اور دمکایا ہے تو اسکو جلادوں کو دیا جائیگا جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں یا قید میں ڈال دیا جائے جیسا کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں امام شافعی کے نزدیک منغوا من الارض سے جلادنی مراد ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس سے مراد قید اور حبس ہے، کیونکہ ان لوگوں کو اگر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھیج دیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں گے، اور اگر کفار کے ملک میں بھیجا جائے تو مرتد ہونیکا اندیشہ ہے، ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرة عذاب عظیم۔ یہ حدیں اور سزائیں ان کے لئے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہیں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے، مگر جو لوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے، باقی حقوق عباد بغیر بندوں کے معاف کے ساقط نہیں ہوتے۔

**آیت کریمہ میں ایک اور مسئلہ فقہیہ** | مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو حد جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ تو معاف ہو جائے گا اور حدان سے ساقط ہو جائے گی، البتہ حق العباد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا، مگر اس ضمان اور قصاص معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا، اور ولی مقتول اگر اس کو قتل کرے تو وہ قتل بطور قصاص کے ہوگا نہ کہ بطور حد، خوب سمجھ لو۔

لہٰذا اذلال کی صورت میں قطعید درجل نہ ہوگا، اور قتل نفس کی صورت میں قتل صلہ نہ ہوگا تو قصاص مانا ہوگا اگر ولی مقتول چاہے، اور اگر گرفتاری سے پہلے توبہ نہ کریں تو یہ حد جو کہ حق اللہ ہے یعنی قطعید درجل اور قتل یہ لامحالہ ہوگا اور صاحب مال یا ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف نہ ہوگا۔



تنبیہ: اس حد کے سوا اور باقی حدوں مثلاً حد زنا اور حد خمر اور حد سرقہ اور حد قذف تو یہ سے ساقط نہیں ہوتے کذائی البتہ۔  
امام ابو بکر رازی اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قطاع الطريق یعنی رہزنوں کے  
بارے میں نازل ہوئی خواہ وہ فاسق و فاجر مسلمان ہوں یا کافر اور بعض علماء (جیسے امام بخاری) اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مرتدین  
کے بارے میں نازل ہوئی، مگر یہ قول شاذ ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے ان شاء اللہ

حضرت ابن عباس کی رائے کی تشریح | اس آیت کریمہ کی تفسیر سامنے آجانے کے بعد آپ سمجھتے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
کی یہ حدیث یہاں ابو داؤد میں مختصر ہے ابن عباس کی مفصل اور واضح روایت

سنن نسائی میں ہے، اس میں اس طرح ہے: نزلت هذه الآية في المشركين فمن تاب منهم قبل ان يقدر عليهم لم يكن عليه سبيل، وليست هذه  
الآية للرجل المسلم من قتل وانفسد في الارض وحارب الله ورسوله ثم لم يبال الكفار قبل ان يقدر عليهم يمسعه ذلك ان يقيم فيه الحد الذي اصابه  
اسن نسائی کی روایت کے پیش نظر حضرت ابن عباس کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت کریمہ میں جو وارد ہے الا الذين  
تابوا من قبل ان تقدروا عليهم الآية کہ ان قطاع الطريق میں جو ایسے ہونگے کہ وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں گے تو ان سے حد یعنی حق اللہ  
معاف ہو جائے گا یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ قاطع طریق مشرک ہو کیونکہ یہ آیت شریفہ مشرکین ہی کے بارے میں ہے لیکن اگر  
وہ قاطع طریق مسلمین میں سے ہو اور گرفتاری سے پہلے قطع طریق کر کے درالحرب بھاگ جائے تو اس کا حکم یہ نہیں ہے اس پر اگر حد  
جاری کرنے کا موقع نکل آئے باس طور کہ وہ پھر دارالاسلام میں کسی وقت آجائے تو اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی یعنی وہی سزا جو  
قطاع الطريق کی ہو اگر نہ ہے ایک صورت میں صرف قطعید ورجل اور ایک صورت میں قتل یا دونوں، وہ اس پر جاری کی جائے گی،  
وانت تعلم ان هذا ليس هو مسلك جمهور فان عندهم هذه الآية والحكم المذكور فيها ليس مختصا باهل الشرك بل هو عام سواء كانوا اى  
قطاع الطريق مسلمين او مشركين، لیکن بدل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے ابن عباس کے اس قول کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ حضرت  
ابن عباس کے قول لم يمسعه ذلك ان يقيم فيه الحد الذي اصابه میں اس حد سے مراد شرعی نہیں بلکہ حق العبد مراد ہے،  
مثلاً وہ مال جو اس قاطع طریق نے لیا ہے یا جان ہی سہی، لیکن اس صورت میں یہ قتل قصاص کے طور پر ہو گا حد کے طور پر نہیں ہو گا کا اقدم

لہ اس لئے کہ قتل مرتد ہر حال میں واجب ہے محاربہ اور اظہار فساد پر موقوف نہیں، دوم یہ کہ مرتد کا قتل ہی واجب ہے مرتد کا فقط ہاتھ کاٹ دینا یا اس کو  
جلا وطن کر دینا کافی نہیں، سوم یہ کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اس وقت ساقط ہو جاتی ہے کہ جب مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اگر گرفتاری  
کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی سو یہ حکم قاطع طریق کا تو ہے مگر مرتد کا یہ حکم نہیں اس لئے کہ مرتد کی حد ہر حال میں توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے مرتد چاہے  
گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا بعد گرفتاری کے اس پر حد جاری نہ ہوگی، چہاں یہ کہ مرتد کا حکم قتل ہے نہ کہ صلیب (سولی) پنجم یہ کہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو ارتداد  
اور رہزنی اور ناحق قتل سب کو شامل ہیں، غایت بانی الباب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مرتد کے بارے میں نازل ہوئی تو اعتبار عموم الفاظ کا ہو گا نہ کہ  
خصوص مورد کا، دیکھو تفسیر کبیر جلد ۲، واحكام القرآن للجصاص جلد ۲ (معارف قرآنی ادبی)

عن معارف القرآن، لیکن نسائی کی روایت مفصلہ سامنے آنے کے بعد حضرت کی یہ توجیہ توجیہ القول بالایضی بالانکال کے قبیل سے ہو جائیگی بلکہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس مسئلہ میں ابن عباس کا مسلک جمہور کے خلاف ہے جیسا کہ خود بذیل الجہود میں نسخہ احمدیہ کے حاشیہ سے مولانا شاہ اسحاق صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے لعلمہ مذہب ابن عباس، والله تعالیٰ اعلم بالصواب وهذا جهد المقل فی توضیح هذا المقام۔  
والحدیث اخرجہ النسائی، قال المتذری۔

### باب فی الحد یشفع فیہ

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان قریشا اہمہم شان المرأة المخزومیة التي سرت فقالوا من یکلم فیہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، قالوا ومن یجتري الا اسامة بن زید حب النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

**مضمون حدیث** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش کی ایک عورت نے چوری کر لی جس کی وجہ سے قریش نے فکر مند تھے کہ اسکے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کون سفارش کرے۔ کیونکہ چوری کے ثبوت کے بعد اس کی سزا قطع ید لازمی ہے اور خاندان قریش کے لئے یہ بات بڑی باعث عار ہوگی کہ ایک قرشیہ کا ہاتھ کاٹا جائے اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب خادم اسامہ بن زید کو آمادہ کیا اس پر کہ وہ اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کریں چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں جا کر اس کے بارے میں سفارش کی، آپ کو اس پر بہت ناگواری ہوئی چنانچہ آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: انما هلك الذين من قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد، کہ گذشتہ امتیں بہت سی اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ اگر ان میں کوئی معزز گھرانے کا آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور اگر کم درجہ کا آدمی کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اور آپ نے فرمایا:

وايم الله وان فاطمة بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم سرت لقطع يدها، اس موقع پر اعاذھا اللہ من ذلک پڑھنا چاہیے، بذیل میں لکھا ہے، ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے جس کے اخیر میں یہ ہے: قال محمد بن ریح شيخ المصنف سمعت الليث بن سعد يقول قد اعاذها الله عز وجل ان تسرق، وكل مسلم ينبغي له ان يقول هذا۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت كانت امرأة مخزومية تستعير المتاع وتجدده فامر النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بقطع يدها وقص نحو حدیث الليث، قال ابو داؤد وروی ابن وهب هذا الحدیث عن یونس عن الزهري وقال فیہ كما قال الليث ان امرأة سرت۔

لہ دیکھیں اس روایت ابو داؤد کی روایت محمد کے پیش نظر دیکھا جا تو یہ ایک عمدہ توجیہ تھی حضرت کے طبع لطیف کے موافق اس لئے کہ حضرت کا ذوق اس قسم کے مواقع میں تنقید کا نہیں بلکہ توجیہ کا ہے۔

باب کی پہلی روایت جس کے راوی لیث ہیں اس میں قطع ید لاجل السرقة کا ذکر ہے، اور یہ حدیث کا دوسرا طریق یعنی معمر بن الزہری اس میں قطع ید لاجل محمود العاریۃ مذکور ہے، اسی اختلاف روایت کو مصنف یہاں ذکر فرما رہے ہیں، لیکن انکار عاریۃ پر قطع ید کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاث اور جمہور اس کے قائل نہیں البتہ امام احمد اس کے قائل ہیں، چنانچہ چند باب کے بعد ایک باب آ رہا ہے "باب فی القطع فی العاریۃ اذا حرجت" اور وہاں مصنف نے اسی ترجمہ کے مطابق روایات ذکر کی ہیں، بظاہر حنا بلہ کے مسلک کی تائید میں کیونکہ خود مصنف حنبلی ہیں علی ما هو المشہور لہذا جمہور اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اس امر آۃ مخزومیہ کو جہاں یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں کے نام پر گھروں میں جا کر زیورات وغیرہ عاریۃ لے لیا کرتی تھی اور پھر بعد میں انکار کر دیا کرتی تھی تو جہاں اسکی یہ عادت تھی وہیں وہ کبھی سرقت بھی کر لیا کرتی تھی جیسا کہ حدیث الباب میں موجود ہے، لہذا آنے والے باب کا جواب جمہور کی طرف سے یہی دیا جائے گا، کہ اس کا قطع ید لاجل السرقة تھا نہ کہ محمود عاریۃ کی بنا پر۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: اقیلوا ذوی المہیئات

عشر اثمهم الا الحدود۔

**شرح الحدیث** آپ نے ارشاد فرمایا احکام اور امر اور کو خطاب کرتے ہوئے کہ اچھے اور بھلے لوگوں کی لغزشوں کو درگزر کر دیا کرو۔ مگر حدود، کہ اس میں کسی کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ذرا ہیبت وہ شخص ہے جس کی حالت غیر مشکوک ہو، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو لوگ شرارت میں محروف نہ ہوں تو ایسے شخص سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس کو درگزر کرو، یا اس سے مراد با حیثیت لوگ ہیں، اور عشرات سے مراد کہا گیا ہے کہ صفار ذنوب ہیں، اس صورت میں الا الحدود استثناء منقطع ہوگا، یا ذنوب سے مراد مطلق ذنوب، اور حدود سے مراد وہ ذنوب جو موجب حد ہیں، اس صورت میں استثناء متصل ہوگا، لیکن اس حدیث کو بعض علماء جیسے سراج الدین قرظوی نے موضوع کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور اس کے دوسرے طرق بیان کئے ہیں اس کی سند میں ایک راوی ہیں عبد الملک بن زید جن کے بارے میں کلام ہے کسی قدر تفصیل اس پر ہذا الجوز میں دیکھی جائے۔ والحدیث اخرہ النسائی، قال المنذری۔

## باب یعنی عن الحدود ما لحر تبلیغ السلطان

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال تعافوا

الحدود فیما بینکم، فما بلغت من حد فقد وجب۔

یعنی جو معاصی اور امور موجب حد ہیں تو ان کو قاضی تک پہنچنے سے پہلے واپس لیں تم لوگ معاف کر سکتے ہو لیکن جب مسئلہ قاضی

۱۰ دسیاتی ۱۵۶ من البذل فی باب الخمس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہم فیہ انا ہینا علی الخمس انتہی۔

تک پہنچ جائیگا تو پھر اس وقت معافی کی گنجائش نہیں بلکہ حد واجب ہو کر رہے گی یہی ضابطہ سفارش کا بھی سمجھ لیا جائے کہ بلوغ الی السلطان سے پہلے آپس میں ایک دوسرے سے سفارش کی جا سکتی ہے بعد میں نہیں۔ والحديث اخرجه النسائي، قال المنذرى۔

## باب الستر علی اهل الحدود

یعنی جس شخص سے ایسے فعل کا صدور ہو جو موجب حد ہے شرعاً، اس میں اخفار اور پردہ پوشی ادنیٰ ہے جیسے زنا اور شرب خمر بذل میں لکھا ہے: ای استجابہ، ولعلہ مقصود فیما فیہ حق اللہ تعالیٰ فقط اھ جس کی مثال ہم نے اوپر دی، اور جہاں حق العبد ضائع ہو رہا ہو وہاں ستر ادنیٰ نہیں چنانچہ کتاب الجہاد میں حدیث گذر چکی، من کتم غالا فهو مشلہ۔

وقال لہزال لو ستوت بشوبك كان خيرا لك، حضرت معا بن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جکے بارے میں یہ حدیث ہے اور جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جا کر اقرار بالزنا کیا تھا یا انہوں نے ہنزال کے مشورہ سے کیا تھا جیسا کہ آگے روایت میں اس کی تصریح آرہی ہے، اسلئے آپ ہنزال ہی سے فرما رہے ہیں کہ اگر تو معا بن مالک کے بارے میں پردہ پوشی کرتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔ والحديث اخرجه النسائي، قال المنذرى۔

## باب فی صاحب الحدیثی فیکر

عن بلقمة بن وائل عن ابيه ان امرأة اخرجت على عهد النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تريد

الصلوة فلتقاها رجل نتجلمها فقضى حاجته منها الخ۔

**مضمون حدیث** | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت گھر سے نکلی مسجد میں جانے کے لئے نماز کی غرض سے راستہ میں ایک اجنبی شخص اس کو بل گیا پس وہ اس پر چھا گیا اور اپنی حاجت اس سے پوری کر لی، وہ عورت اس پر چینی لیکن وہ شخص اپنا کام کر کے چلا گیا، اس کے بعد کوئی اور شخص اس عورت کے پاس کو گذرا تو اس عورت نے اسی شخص کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ اسی نے میرے ساتھ یہ فعل کیا ہے، ایک مہاجرین کی جماعت کا وہاں کو گذر ہوا ان سے بھی اس عورت نے یہی کہا، یہ لوگ اس شخص کو پکڑ کر اس عورت کے قریب لائے، عورت نے کہا کہ ہاں یہی شخص ہے، یہ لوگ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لیکر آئے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اب اصل صاحب واقعہ مجلس میں سے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! صاحب واقعہ تو میں ہوں، اس کے بعد یہ ہوا کہ آپ نے اس عورت سے توبہ فرمایا کہ تو توبہ لی جا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو تو معاف کیا، کیونکہ وہ تو مجبور تھی جو کچھ اسکے ساتھ ہوا وہ بغیر اسس کے

لہ بالجیم نوکنا یہ عن الجماع قالہ السیوطی، وقال القاری فی غیبہا ثوبہ فصلہا کما یجلی علیہ اھ (مخون)

ارادہ اور رضا کے ہوا اور اس شخص کے بارے میں جو بری تھا اچھی بات ارشاد فرمائی، اس کی دلداری کیلئے، صحابہ نے آپ سے عرض کیا اس شخص کے بارے میں جو صاحب واقعہ تھا کہ اس کا رجم کرادیجئے۔ لیکن ترمذی کی روایت میں یہ ہے کہ خود آپ نے لوگوں کو رجم کا امر فرمایا و لفظ: وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا رَجْمًا۔

**تحقیق نفیس واجب التنبیہ** یہاں بذل الجہود میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے: فامر بوجہ فرجم۔ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس صاحب واقعہ کے رجم کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اس کا رجم کر دیا گیا۔ حضرت کی یہ رائے ترمذی کی روایت کے سیاق کے تو موافق ہے لیکن ابوداؤد کی روایت جس کا سیاق، سیاق ترمذی کے خلاف ہے اس میں آپ کی جانب سے امر بالوجہ کی تصریح نہیں ہے لہذا ابوداؤد کی روایت کے پیش نظر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے اس شخص کا رجم کرایا بلکہ اس کا تعاضا تو یہ ہے کہ آپ نے اس شخص کا رجم نہیں کرایا اس لئے کہ لوگوں نے جب آپ سے درخواست کی اس کے رجم کے بارے میں تو آپ نے اس پر فرمایا لقد تاب توبۃ لوتابہا اهل المدينة اتبیل منہم، حضرت شیخ کی رائے بھی یہی ہے اور ترمذی کی روایت کے بارے میں حضرت نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے ہوعندی وہم کمافی ہاشم الکوکب الدری، حاشیہ کوکب میں حضرت شیخ نے سیاق ابی داؤد ہی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ اس شخص کا رجم نہیں کیا گیا گو بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا تھا رجم کے بارے میں حضرت شیخ لکھتے ہیں، وروالتح سیاق ابی داؤد سیاق الذہبی فی التذکرۃ بلفظ فقالوا انزجرہ؛ فقال لقد تاب توبۃ الخ، وکذابی مسند احمد نقیل یا نبی اللہ انزجرہ؛ فقال لقد تاب توبۃ الخ اھ وھذا تحقیق نفیس لم یعرض لہ الشراح، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ تمام اہل مدینہ بھی اپنے معاصی کیلئے کریں تو سبھی کی قبول ہو جائے۔

یہاں ایک چیز اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس روایت میں یہ آیا ہے، فلما امر بہ قام صاحبہا، اس پر یہ اشکال ہے کہ ابھی تک تو اس شخص نے زنا کا اقرار نہیں کیا تھا اور نہ باقاعدہ کوئی بیعت تھا تو پھر آپ نے اس رجل بری کے رجم کا ارادہ کیسے فرمایا اسلئے شرح نے اس کی تاویل کی ہے کہ شاید راوی کی مراد یہ ہے فلما قارب ان یامر بہ، یعنی ظاہر حال سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ بس اب آپ اس پر حد کا فیصلہ فرمادیں گے، کیونکہ لوگوں نے اس شخص کو آپ کے سامنے حاضر کیا تھا، اور آپ اس کے بارے میں تفتیش فرما رہے ہوں گے، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں یہ ہے: الظاہر ان الامر لم یکن الا باخراجه وابعادہ حیث راہ اختل عقدہ وشتت امرہ ولم یشبت علیہ شیء الخ یعنی آپ کا یہ امر حد جاری کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ اخراج عن المجلس سے متعلق تھا اس لئے کہ وہ شخص اس تہمت کی وجہ سے حواس باختہ اور پریشان ہو گیا تھا کچھ بول ہی نہیں رہا تھا اس لئے آپ نے اس کو مجلس سے نکالنے کا حکم فرمایا لیکن وہ صاحب واقعہ یہ سمجھا کہ اس کو قاتلہ حد کے لئے لیجا یا جا رہا ہے اسلئے اس نے فوراً اپنے نعل کا اقرار کر لیا اس شخص بری کو بچانے کیلئے۔ الخی آخر ما فی البذل۔ والحديث اخرجه الترمذی، وابن ماجہ بنحوہ، قالہ المنذری۔

## باب فی التلقین فی الحد

تلقین فی الحد کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر ثبوت حد کا بطریق اقرار ہو رہا ہو تو وہاں قاضی کا یہ کوشش کرنا کہ حد کا ثبوت نہ

ہو تو بہتر ہے گویا وہ اپنے اقرار سے پھر جائے، وھذا التلقین مستحب لدر الحد۔ لاسقاط حق المسروق لمنہ، فیعطی لاحقہ وان اندرا الحد کذا فی البذل، یعنی اس تلقین سے مقصود حق العبد کو ضائع کرنا نہیں ہے لہذا مسروق منہ کو اس کا حق تو دلایا جائے اگرچہ حد ساقط ہو جائے مثلاً کوئی شخص قاضی کے پاس آکر زنا کا اقرار کرے تو اس سے کہے کہ ارے بیوقوف تجھے خبر بھی ہے کہ زنا کے کہتے ہیں اور بھلا مسلمان بھی کہیں زنا کر سکتا ہے، اور ایسے ہی قاضی کا اس کے اقرار بآزنا کے وقت میں اعراض کرنا اس کی طرف سے رخ موڑ لینا، اور جیسا کہ یہاں حدیث الباب میں ہے کہ آپ نے اس چور سے جس نے آپ کے سامنے چوری کا اقرار کیا آپ نے اس سے فرمایا: یا اخیالک مسرقت، کہ تمہارا خیال تو نہیں کہ تو نے چوری کی ہوگی۔

قال بلی، فاعاد علیہ مرتین، اعتراف سرقتہ عند الجہور ثبوت سرقتہ کے لئے ایک مرتبہ کافی ہے اور امام احمد و ابو یوسف کے نزدیک اقرار مرتین ضروری ہے۔

فقال استغفر اللہ وتب الیہ، فقال استغفر اللہ واتوب الیہ۔

**حدود صرف زواجر ہیں یا کفارات بھی** یعنی قطع ید کے بعد جب اس سارق کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو توبہ اور استغفار کا حکم فرمایا، اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حد مکفر نہیں بلکہ زاجر ہے چنانچہ بذل الجہود میں ہے: وہذا یدل علی ان الحد یس بکفارة للذنب، الکفارة ہی التوبہ ہے اس مسئلہ پر صحیح بخاری میں مستقل باب ہے، باب الحد و کفارة۔ اور اسی طرح ترمذی میں، باب ما جاء ان الحد و کفارة لا صلہا۔ اس میں انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے: کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال تب یا یعونى علی ان لا تشکوا بالحد ولا تسرقوا ولا تزنا، قرأ علیہم الآیة فمن ونی منکم فاجرو علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئاً فعتوب علیہ فهو کفارة له الخ، اور عرف الشذی، میں ہے: فی کتاب اصولنا ان الحد و زواجر عند الشافعیہ سوا ترک کفارات، ولم اجد عن ائمتنا و مشایخنا ان الحد و زواجر فقط لا کفارات، لکن المحقق ان الحد و کفارات بعض الکفارات، و علی هذا عندی نقول، شاہ حسینیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات، حد و کفارة نہیں ہیں حنفیہ کے نزدیک یہ نقل صحیح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک بھی حدود میں تکفیر کو دخل ہے یعنی فی الجملہ وہ مکفر ہیں، اور پھر اس کے موافق بعض ائمہ احناف بھی عبادتیں نقل کی ہیں، فارحج الیہ لوشنت۔ اور حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے فریقین کے دلائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے لہ۔ والحدیث الخرج للنسائی وابن ماجہ۔ قال الامت مذی۔

لہ نقلی ہامش البذل: قال القاری فی المرتبۃ ص ۱۰۰ فی حدیث عبادہ من اصاب من ذلک شیئاً فعتوب فی الذنبا ہو کفارة۔ ومنہ اذ اکثر العلماء ان الحد و کفارات، و حدیث لا ادری الحد و کفارات ام لا، قبل العلم بذلک ام، و منظر النووی ص ۱۰۰ ذکر العینی ص ۱۸۰ المیزان حدیث عبادہ ان الحد و کفارات، قلت ولویا کھنزیہ حدیث الباب و قولہ تعالیٰ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الآیة و فیہا عذاب الآخرة مع عذاب الدنیا، ولذا انظر صاحب تفسیر الجمل بتاویل الآیة بالکافر الذین لہ نعم علیہ کما ہ ما فی اہامش۔



## باب فی الرجل یعترف بحد ولا یسمیہ

حدثنی ابو امامة ان رجلا اتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال يا رسول الله انى اصبت حدنا فاقم

علي قال توضأت حين اقبلت قال نعم ائذ

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے گناہ کا صدور ہو گیا ہے مجھ پر حد قائم کیجئے آپ نے فرمایا تو نے آتے وقت وضو کی تھی، اس نے عرض کیا کی تھی، پھر آپ نے اس سے نماز کے بارے میں سوال کیا کہ کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی تھی جب ہم نماز پڑھ رہے تھے اس نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا جا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو معاف کیا۔

شرح نے لکھا ہے۔ کافی البذلہ کہ بظاہر اس شخص نے صفائے میں سے کسی صغیرہ کا ارتکاب کیا ہوگا، لیکن اس کا گمان یہ تھا کہ یہ موجب حد ہے اور شاید آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا ہوگا کہ اس کا وہ فعل صغائر میں سے ہے اسی لئے آپ نے اس سے وضاحت طلب نہیں کی، جس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ نماز اور وضو صغائر کے لئے مکفر ہیں نہ کہ کبائر کے لئے۔ والحديث اخرجه مسلم والنسائي مختفرا مطولا، قال المتذري۔

## باب فی الامتحان بالضرب

حدثنا اذهر بن عبد الله الحرزى ان قوما من الكلاعيين سرق لهم متاع فانهم انا سامن الحاکة ائذ

بعض لوگ جو کلاعیین میں سے تھے یعنی قبیلہ ذی کلاع میں سے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے، ان کا سامان چوری ہو گیا، ان کو کچھ لوگوں پر شک و شبہ تھا جو کہ کپڑا بننے والوں میں سے

تھے، حاکہ جمع ہے حاکہ کی یعنی جلاہا، تو وہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے جو اس وقت امیر کو نہ تھے، ان سے جا کر اپنا واقعہ بیان کیا اور اپنا شک و شبہ ظاہر کیا انہوں نے ان ہتھم لوگوں کو چند روز نظر بند رکھا، جب کچھ ثبوت نہیں ملا تو ان کو چھوڑ دیا، وہ کلاعیین ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے ان کو بغیر ثبوتی اور امتحان کے چھوڑ دیا انہوں نے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان کی پٹائی کروں، میں ایسا کر سکتا ہوں اگر تم چاہو، اس کے بعد تمہارا سامان اگر ان کے پاس سے نکل آیا تو فیہا در نہ تمہاری کمر پر بھی اتنی ہی لگاؤں گا جتنے ان کے لگے، اس پر وہ کہنے لگے کہ کیا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرا نہیں بلکہ اللہ و رسول کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رجل ہتھم کو برائے تحقیق و تقشیش قید تو کیا جاسکتا ہے لیکن ضرب جائز نہیں، چنانچہ کتاب القضا میں ایک باب گذرا ہے باب فی الدین هل یحبس بہ و تقدم هناك فی الواجد یحل عرضه و عقوبته، قال ابن المبارک یحل عرضه یغلظله و عقوبته یحبس لہ، و فی روایة من هذا الباب ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حبس رجلا فی ہتھم۔

بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا ہے: الا ان العلماء جو زوائی ایسا متاہذہ الامتحان بالفرب و بما شار من التہدید  
لما روا من تقویت الحقوق و اتلافها لولا ذلك، وكان فيما مضى من الزمان كيتفى باليسير من التہديد في اعتراف السارق اھ یعنی ہمارے  
موجودہ زمانہ میں علماء کرام نے امتحان بالفرب وغیرہ کی اجازت دی ہے ورنہ بغیر اس کے حقوق ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، ہاں  
گذشتہ زمانوں میں تہدید یسیر کافی تھی، والحديث اخرجه النسائي، قاله المتذري۔

## باب ما يقطع فيه السارق

یعنی کتنے مال کی چوری میں قطع یہ کیا جائیگا، یعنی نصاب سرقہ کیا ہے؟

سرقہ کی تعریف اور نصاب سرقہ میں مذاہب ائمہ | سرقہ باب ضرب یضرب سے ہے اور سرق بھی اسی معنی میں ہے، اس کی  
تعریف فقہار نے یہ کی ہے، اخذ مال محرز خفیة، یعنی دوسرے سے کا  
ایسا مال جو محفوظ ہو چکے سے لے لینا، نصاب سرقہ کے بارے میں، بذل الجودہ میں علامہ شوکانی سے نقل کرتے ہوئے گیارہ مذاہب ذکر  
کئے گئے ہیں، علامہ شوکانی فرماتے ہیں اس میں اصل مذاہب تو یہی ہیں یعنی گیارہ مذاہب جو ہم نے ذکر کئے ہیں، اور فتح الباری میں  
ان مذاہب کو بیس تک پہنچا دیا ہے لیکن ان گیارہ کے علاوہ جو باقی مذاہب ہیں ان کو مستقل مذاہب نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ  
ان ہی گیارہ کی طرف راجع ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ربع دینار ہے، امام مالک و احمد کے نزدیک ثلاثة دراهم حنقیہ کے  
نزدیک دس درہم، داؤد ظاہری اور حسن بصری کے نزدیک مطلق مال بلیل ہو یا کثیر۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان يقطع في ربع دينار فصاعداً۔

یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہوئی جن کے نزدیک نصاب سرقہ ربع دینار ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قاله المتذري۔

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قطع في مجون ثمنه ثلاثة دراهم  
یعنی آپ نے چور کا ہاتھ کاٹا ہے ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی، آگے بھی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت  
میں یہی آرہا ہے یہ امام مالک و احمد کی دلیل ہوئی اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ ہے:

قطع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يدرجل في مجون قيمته ديناراً وعشراً دراهم۔

یعنی آپ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی، بذل میں لکھا ہے کہ جمہور کا استدلال  
باب کی شروع کی احادیث سے ہے اور حنقیہ کا اس آخری حدیث ابن عباس سے،

اصل اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مال کی چوری میں قطع ید کیا ہے جو قیمت میں ثمن مجن کے برابر ہو۔ اب قیمت مجن کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ربیع دینار، ثلاثہ درہم اور عشرہ درہم، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جب قیمت مجن اس میں اصل ہے اور اس کی تعیین میں چونکہ روایات مختلف ہیں لہذا اس میں احتیاطاً وہ مقدار لی جائے گی جس پر سب روایات صادق آتی ہوں اور چونکہ ایک روایت اس کی قیمت کے بارے میں عشرہ درہم کی بھی ہے لہذا اسی کو اختیار کیا جائے گا، کیونکہ یہ مقدار توجیح علیہ ہے اور جو اس سے کم ہے وہ غیر مستحق علیہ مقدار ہے، بذل الجہود میں ہے: استدلال الطحاوی للحنفیۃ بحديث ابن ابي شيبة قال قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لادنی ما یقطع فیہ السارق ثمن المجن۔ و فی روایت: عن ام ایمن قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یقطع ید السارق الا فی حنفیۃ۔ حنفیہ کے اور مزید دلائل، بذل الجہود میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

## باب ما لا قطع فیہ

عن محمد بن یحییٰ بن حبان ان عبد اسرق و دیا من حائل و جبل فغرمه فی حائل سید کا فخرج

صاحب الودی یلتبس و دینہ فوجدہ فاستعدی علی العبد مروان بن الحکم۔ وهو امیر المدینہ۔

**شرح الحدیث** مضمون حدیث یہ ہے کہ کسی آدمی کے غلام نے۔ یہ غلام واسع بن حبان کا تھا یعنی راوی حدیث محمد بن یحییٰ کا چچا اور غلام کا نام قیل لکھا ہے۔ کسی کے باغ سے پودا چوری کیا، اور چوری کرنے کے بعد اس نے اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا، صاحب ودی اس کی تلاش میں نکلا چنانچہ اس کو پالیا اور اس عبد کے خلاف مروان بن الحکم کے پاس جو کہ امیر مدینہ تھا، استغاثہ کیا، مروان نے اس پر غلام کو قید کر لیا اور قطع ید کا ارادہ کیا، غلام کا آقا یعنی واسع بن حبان رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا، اور ان سے جا کر مسئلہ معلوم کیا، انہوں نے اس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کی۔ لا قطع فی شمر ولا کثین۔ یہ سنکر واسع بن حبان نے کہا کہ امیر مدینہ نے تو میرے غلام کو کپڑا رکھا ہے اور قطع ید کا ارادہ کر رہا ہے، لہذا براہ کرم آپ میرے ساتھ مروان کے پاس چلیں، اور اس کو یہ حدیث سنادیں، چنانچہ حضرت رافع بن خدیج اس کے ساتھ مروان کے پاس گئے اور جا کر اس کو یہ حدیث سنائی، مروان نے حدیث سن کر غلام کو چھوڑ دینے کا حکم صادر کر دیا۔

قال ابو داؤد: اکثر الجمار۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھل اور جمار کی چوری میں قطع ید نہیں ہے جمار کھجور کے تنے کے بیج میں جو گودا ہوتا ہے سفید سفید اس کو کہتے ہیں، اور اس میں قطع ید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کے لینے میں سرقہ کے معنی نہیں پائے جاتے عدم حرز کی وجہ سے کہ یہ چیزیں محفوظ نہیں ہیں امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ جو شجر مکان محفوظ میں ہو اس کے ثمر کی چوری میں قطع ید ہے۔ اور ثمر میں قطع ید نہ ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ وہ مایتسارع الیہ الفساق کے قیل سے ہے جس کی چوری میں ہمارے یہاں قطع ید نہیں ہے، چنانچہ جو طعام مہیا لاکل ہو اس کی

جوری میں بھی قطع نہیں ہے، بعد والی روایت میں یہ اضافہ ہے، فجلاہ مروان جلدات وختی سبیلہ یعنی مروان نے اس غلام کو تعزیراً چند کوڑے لگوا کر چھوڑ دیا۔

والحدیث اخرجه النسائی تحقراً... واخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ موصولاً مخمراً كذلك. قاله المنذری۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنهما عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انه سئل

عن الشمر المعلق فقال من اصاب بفيه من ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شئ عليه، ومن حصرج بشئ منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ سے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر حاجت مندا اس کو توڑ کر منہ میں رکھے بشرطیکہ ساتھ نہ لیجائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں اور جو توڑ کر ساتھ لیجائے، اس پر اس کا تاوان اور ضمان ہے اور سزا بھی یعنی تعزیر۔

یعنی قطعید تو دونوں صورتوں میں نہیں ہے عدم حرز کی وجہ سے جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور صرف توڑ کر کھالینے میں تو مضائقہ نہیں اور ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں، اس میں تعزیر ہوگی اور ضمان، ضابطہ میں تو ضمان اتنا ہی برابر برابر لیا جائیگا لیکن یہاں روایت میں نسخے مختلف ہیں بعض میں ہے غرامة مثله اور بعض میں غرامة مثليه، دو گنا ضمان کا حکم اب نہیں وہ منسوخ ہے

**ما استفيد من الحدیث** اس حدیث میں مسافر کے لئے پھل توڑ کر کھانے کی اجازت مذکور ہے، امام ترمذی نے اس حدیث پر کتاب البیوع میں یہ ترجمہ قائم کیا ہے، باب ما جاز فی الرخصة فی اکل الثمار للمار بها۔ غلام طیبی

فرماتے ہیں علمائے اس کو مجامع اور ضرورت پر محمول کیا ہے اس لئے کہ یہ حدیث ان نصوص کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو تحریم مال مسلم کے بارے میں وارد ہیں اہ اور کوکب الدری ص ۳۳ میں یہ ہے کہ یہ عرف الثمار پر محمول ہے ان کے یہاں ثمر ساقط کے کھانے کی اجازت تھی اور جائع کے لئے ثمر معلق کی بھی پس اس کا مدار عرف پر ہے اگر کسی جگہ معلق کی اجازت بھی عام ہو جائے اور غیر جائع دونوں کے لئے تو وہاں دونوں کے لئے جائز ہوگا اہ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ مطلقاً اجازت نہ ہو تو کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔

ومن سرق منه شيئاً بعد ان يؤويه الجربى قبل ان يبلغ ثمنه وجن فعليه القطع۔

اور اگر کوئی شخص اس پھل (بجور وغیرہ) کی جوری، اس وقت کرے کہ جب اس کو کھلیاں میں پہنچا دیا گیا، جو حفاظت کے لئے اور اس کی مقدار ہو بھی اتنی جو ثمن مبن کو پہنچتی ہو تو اس صورت میں قطع ید ہوگا۔

غیر متخذ خبنة، یعنی کپڑے میں چھپا کر نہ لیجائے، صرف وہیں کھالے، خبنة کہتے ہیں معطف الازار کو، یعنی لنگی کا

لہ یا معلق سے مراد کبجور کا وہ خوشہ ہے جس کو درخت سے توڑ کر چند روز کیلئے کھلیوں میں پہنچانے سے پہلے لٹکادیتے ہیں فی الجملہ خشکی کے لئے اس لئے کہ اگر اس خوشہ کو ویسے ہی کھلیاں میں جمع کر دیں تو سڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

وہ سراجس کو موڑ کر لنگی باندھتے ہیں جیسے پا جامہ میں نیقا ہوتا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، وقال الترمذی حسن، قال المنذری۔

## باب القطع فی الخلسة والخیانۃ

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یسر علی المنتہب

قطع ومن انتہب نہبۃ مشہورۃ فلیس منا، ولیس علی الخائن قطع۔

آپ نے فرمایا کہ لوٹ مار کرنے والے پر قطع ید نہیں ہے اور جو اس طرح تلافیہ دوسرے کا مال چھینے وہ ہم میں سے نہیں۔

ترجمۃ الباب میں خلسۃ کا لفظ تھا اور حدیث میں نہبہ کا، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اور اس میں قطع نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انتہاب اور سرقہ دونوں کی حقیقت مختلف ہے، کیونکہ انتہاب میں اخذ خفیۃ نہیں ہوتا بلکہ علانیہ، اور خیانت میں اسلئے نہیں کہ وہاں حرز کے معنی مفقود ہیں اور یہ دونوں سرقہ کی حقیقت میں داخل ہیں۔

حضرت گنگوہی کی تقریر میں تحریر ہے کہ چونکہ حدود سے مقصود زجر ہے اور زجر کی زیادہ احتیاج ان جنایات اور گناہوں میں ہوتی ہے جن کا شیوع اور عموم ہو بخلاف خلسہ اور نہبہ کے کہ اس پر اقدام کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہو سکتا، مگر وہی شخص جو انتہابی بے باک اور جری ہو، ہاں تعزیر اس میں ہے جو حاکم مناسب سمجھے۔

قال ابو حافض: وهذا الحدیثان لم یسمہما ابن جریر عن ابی الزبیر ویبلغنی عن احمد بن حنبل انہ

قال انما سمیہما ابن جریر عن یاسین الزیات۔

قال ابو داؤد کی تشریح | مصنف ان دونوں حدیثوں پر کلام کر رہے ہیں پہلی محمد بن بکر کی اور دوسری عیسیٰ بن یونس کی، وہ یہ کہ ابن جریر نے یہ دونوں حدیثیں ابو الزبیر سے نہیں سنی ہیں، اور نہ ہی رائے امام نسائی کی بھی

ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن جریر سے ان کے بہت سے تلامذہ نے روایت کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی حدیث ابو الزبیر نہیں کہا ہے (یعنی تحدیث کا لفظ جو کہ سماع پر دلالت کرتا ہے) والا احسبہ سمعہ من ابی الزبیر گویا ان دونوں کی رائے متفق ہے، اور امام ابو داؤد نے اپنی رائے کی تائید اپنے استاد امام احمد بن حنبل کے کلام سے فرمائی کہ انہوں نے فرمایا انما سمیہما ابن جریر عن یاسین الزیات، گویا ابن جریر اور ابو الزبیر کے درمیان واسطہ یاسین زیات کا ہے، حافظ منذری اس سب کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وقد صحیح الترمذی من حدیث ابن جریر عن ابی الزبیر وهذا یدل علی انه تحقق اتصالہ، یعنی امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث متصل ہے کوئی انقطاع اس میں نہیں ہے، حاشیہ نسائی میں نیل الاوطار سے اس انقطاع فی السند کی رائے کی تضعیف اس طرح کی ہے: اجیب بان سوید بن نصر روی عن ابن المبارک عن ابن جریر فی ابو الزبیر، وقد اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ الی آخریانی الحاشیۃ، والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی: حسن صحیح۔

لہ فی المسائل البذل: قال ابن البہام صحیح الترمذی وسکت عنہ ابن القطان وعبد الحق فی احکامہ فیہ تصحیح لہنہما فتعلیل ابی داؤد مر جرح ابی۔

## باب من سرق من حرز

سرقہ میں حرز جمہور علماء کے یہاں شرط ہے، ورنہ بغیر اس کے سرقہ سرقہ نہیں ہے، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک شرط نہیں، یہی وجہ ہے کہ نباش پر قطع ید نہیں، کیونکہ کفن غیر حرز ہے، بعض شراح نے امام احمد کا مذہب بھی مثل ظاہریہ کے لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، چنانچہ او جز ص ۵۵ میں ہے: الشرط الرابع كون المسروق في حرز عند جمہور العلماء خلافا لداؤد الظاہری اذ لا يعبر بالحرز، ثم قال الموفق: اذا ثبت اعتبار الحرز والحرز ما عند حرزاني العرف الخ۔

عن صفوان بن امية رضي الله تعالى عنه قال كنت ناشئا في المسجد على خميسة في ثمن ثلاثين درهما فجاء رجل فاخذها مني فاخذ الرجل الخ۔

شرح الحديث والكلام عليه من حيث الفقه

صفوان بن امية رضي الله تعالى عنه فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا (مسجد المدینہ اور مسجد مکہ۔ قولان کما فی الاو جز ص ۵۵۔ ہاشم البذل) میرے اوپر ایک چادر یا کبیل پڑا ہوا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی ایک شخص آیا جو اس چادر کو مجھ سے اچک لے گیا، وہ شخص پکڑا بھی گیا اور اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ نے ثبوت سرقہ کے بعد اس کے قطع ید کا حکم فرمایا، صفوان کہتے ہیں آپ کے اس فیصلہ پر میں آپ کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ صرف تیس درہم کی وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ اس کا قطع ید کیا جائے (اسلئے اس کے لئے میں یہ حیلہ اختیار کرتا ہوں کہ میں) اس چادر کو اسکے ہاتھ نسبتاً فروخت کرتا ہوں، یعنی بعد میں اس سے پیسے لیتا رہوں گا بلکہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: فهذا كان هذا قبل ان تاتي به کہ تو نے یہ صورت چور کو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ اختیار کر لی، مطلب یہ ہے کہ قاضی کے پاس مسئلہ پہنچنے کے بعد سفارش یا ترک حد کی گنجائش نہیں رہتی۔

یہ چادر ان کے بدن پر تھی یا کہاں تھی اسکے بارے میں روایات مختلف ہیں جس کو مصنف آگے خود بیان فرما رہے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے فسرق خميسة من تحت رأسه اور دوسری روایت میں ہے فنام في المسجد وتوسد روايته۔ باب کی پہلی روایت مطلق تھی، علی خميسة اور ان دونوں سے معلوم ہوا کہ سر کے نیچے تھی، سر کے نیچے ہونے کی صورت میں تو حرز بالاتفاق پایا جا رہا ہے لیکن اگر چادر سونے والے کے برابر میں رکھی ہو تب بھی صحیح قول کی بنا پر حرز میں شمار ہوتی ہے، چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے: وفي الهداية بعد ما ذكر الحرز بالمكان وبالمحافظة. ولا فرق بين ان يكون المحافظ مستيقظا او نائما والمتاع عنده او تحته هو الصحيح لانه يعد النائم عند متاعه حافظا له في العادة، یعنی جو شخص اپنے سلمان کے پاس پڑا سو رہا ہو تو اس صورت میں وہ اپنے مال کی حفاظت اور نگرانی کرنے والا عرفاً سمجھا جاتا ہے، قال ابن الهمام قوله هو الصحيح احتراز عن قول بعضهم باشرط كون المتاع تحت رأسه او تحت جنبه اه۔

یعنی ان کے پاس ہونا صحیح ہے کیونکہ ان کے پاس ہونا صحیح ہے۔

یعنی ان کے پاس ہونا صحیح ہے۔

یعنی ان کے پاس ہونا صحیح ہے۔



حدیث الباب میں ایک اور مسئلہ | اس واقعہ میں ایک اختلافی مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ قاضی کے قطع ید کا فیصلہ کرنے کے بعد اگر مسروق منہ یعنی مالک شئی سارق کو شئی مسروق کا مالک بنا دے یا اس کے بدست بیع کر دے تو قطع ید ہو گا یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے یہاں قطع ید نہیں ہو گا، شافعیہ حنابلہ والیوسف کے نزدیک قطع ید ہو گا حدیث الباب، طرفین کی جانب سے اس حدیث کا جواب بذیل الجہود میں اور اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اور جز میں دیا گیا ہے فارح الیہ لوشنت، مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سارق کے لئے ثبوت ملک کہاں ہوا ہے اسلئے کہ مسروق منہ تملیک بطریق بیع چاہتا تھا اور بیع کا تحقق صرف ایجاب سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ قبول نہ پایا جائے لہذا یہ حدیث ان کے خلاف نہیں، والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### باب فی القطع فی العاریۃ اذا جحدت

یعنی مستعیر کوئی چیز عاریتہ پر لینے کے بعد عاریتہ پر لینے کا انکار کر دے تو اس صورت میں قطع ید ہو گا یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے جو ہمارے یہاں "باب فی الی شقیع فیہ" میں گزر چکا اور وہاں اس باب کا حوالہ بھی گزر چکا، دنی ہاشم البذل، قال ابن الہمام: بذلک قال اسحاق بن راہویۃ وهو روایت عن احمد، والجمہور علی انہا لا تقطع الخ۔

وزاد فیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قام خطیباً فقال هل من امرأۃ تاشبه انی اللہ ورسولہ؟ ثلاث صرات وتلك مشاہدۃ فلم تقم ولم تکلم۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس امرأۃ مخزومیہ کے قطع ید کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اس میں بغیر اس عورت کا نام لئے تو بہ کی ترغیب فرمائی اور تین بار فرمائی اسی مخزومیہ کی موجودگی میں لیکن وہ نہ کھڑی ہوئی اور نہ کچھ زبان سے بولی، اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اقلمت حد کے بعد بھی تو بہ کی احتیاج باقی رہتی ہے لیکن جو علماء حد کو مکفر مانتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ اس تو بہ کا تعلق آئندہ سے ہے کہ آئندہ یہ حرکت نہیں کروں گی۔

کان عروۃ یحدث ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت استعارت امرأۃ - یعنی حلیاء - علی السنۃ اناس یعرفون ولا تعرف ہی فباعته فأخذت۔

یہ حدیث بھی اسی امرأۃ مخزومیہ کے بارے میں ہے کہ اس نے ایک مرتبہ ایسا کیا بلکہ یہ تو اس کی عادت ہی تھی، کہا ہو مہرح فی الروایۃ الآتیۃ) کہ کسی کے گھر جا کر ان سے عاریتہ انکار پورے لیا ایسے لوگوں کے نام پر جو معروف گھرانے کے تھے، دوسرے کے نام پر اسلئے لیا کہ یہ خود تو اس لائق نہ تھی کہ اس کو لوگ پہچانتے ہوں اور اس پر اعتماد کرتے ہوں، اسی لئے دوسروں کے نام پر جا کر لیا کہ فلاں گھر والوں نے تمہارا ذراں زیور عاریتہ پر منگایا ہے، آگے راوی کہتا ہے کہ اس نے لینے کے بعد اس کو فروخت کر دیا پھر بعد میں وہ پکڑی بھی گئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کو لایا گیا، آپ نے اس کے قطع ید کا حکم فرمایا۔ آگے راوی کہتا ہے کہ یہ وہی عورت

تھی جس کے بارے میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے سفارش کی تھی اور آپ نے وہ سخت بات ارشاد فرمائی تھی جو کہ فرمائی تھی۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا منشا ان روایات کو اس باب میں لانے سے یہ ہے کہ انکار عاریہ حکم میں سرقہ کے ہے جس طرح سرقہ میں قطعید ہوتا ہے اسی طرح اس میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے اور امام احمد کی ایک روایت: وقد تقدمت المسئلة قبل ذلك مرارا واجواب عنها ايضا من جانب الجمهور والحدیث اخرجه النسائي، قال المنذري۔

## باب في المجهون يسرق او يصيب حداً

ان مجنون آدمی اگر چوری کرے یا ایسا خرم کرے جس کی سزا حد ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال رفع القلم عن ثلاثة عن الناس حتى يستيقظ وعن المبتلى حتى يبرأ وعن الصبي حتى يكبر۔

رفع القلم کنایہ ہے عدم تکلیف سے، آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ تین آدمی مرفوع القلم اور غیر مکلف ہیں اور قابل مؤاخذہ نہیں، ایک سونے والا جب تک کہ بیدار نہ ہو، اور ایک وہ جو جنون میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اسے افادہ نہ ہو دوسرے نابالغ بچہ یہاں تک بالغ ہو جائے۔

حدیث سے ترجمہ الباب والے مسئلہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ اس پر حد جاری نہیں کی جائیگی اور نہ اس کو اس میں کچھ گناہ ہوگا، یعنی حقوق اللہ کے اعتبار سے، لیکن حقوق العباد میں ان سے مطالبہ ہوگا پناچہ یہ تینوں کسی کا کوئی مالی نقصان کر دیں تو ان کے مال میں ضمان واجب ہوگا (بذل) حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن میں نائم بمنزلہ مستیفظ کے ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ والحدیث اخرجه النسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

عن ابی ظبيان عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال اتى عمر بن الخطاب قد زنت فاستشار في جأناها فامر بها عمر۔ رضي الله تعالى عنه۔ لان ترخيم النود

شرح الحدیث مضمون حدیث یہ ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ان کے پاس ایک مجنون عورت کو لایا گیا جس نے زنا کیا تھا، حضرت عمر نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور پھر انہوں نے اس کے رجم کا حکم دیدیا، جب اس عورت کو لیجا جا رہا تھا تو راستہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے اس کا گذر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ اس کا کیا معاملہ ہے، اس کو کہاں لیجا رہے ہو، دگوز نے صورت حال

لہ لکن ذکر الحموی فی الاشباہ والنظائر ان التائم کالمستیفظی فی خمس وعشرين مسئلة۔ ثم بسطها۔ وکذا بسط الکلام فی احکام الصبيان بما لا مزيد علیہ۔

وحدیث الباب تکلم علی صاحب العون ص ۲۴۱ والحدیث فی الفتح ص ۱۱۶ و ص ۹۸ والعینی ص ۵۶ و ص ۱۵۱ (باشئ البذل)

بیان کردی اس پر انہوں نے فرمایا کہ اس کو لوٹا کر لے چلو اور حضرت عمر سے جا کر عرض کیا کہ اسے امیر المؤمنین کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں شخص مرفوع القلم ہوں (جن میں ایک مجنون بھی ہے) حضرت عمر نے فرمایا۔ بلی۔ یعنی ان کی تصدیق کی، حضرت علی نے پوچھا کہ پھر اس کو رجم کیوں کرایا جا رہا ہے تو انہوں نے فرمایا، نہیں کچھ بات نہیں، انہوں نے فرمایا پھر اس کو چھوڑ دیجئے، اس پر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، قال فجعل یکتب، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاملہ کی نزاکت کو سمجھ کر تکیہ بڑھنے لگے۔

اس واقعہ کی توجیہ میں خطاب فرماتے ہیں کہ دراصل جنون کی دو قسمیں ہیں مطبق اور غیر مطبق، یعنی ایک وہ جس میں کبھی کبھی افاتہ بھی ہو جاتا ہے اور ایک وہ جس میں کبھی افاتہ نہیں ہوتا، ہر وقت جنون ہی کی حالت رہتی ہے حضرت عمر کا یہ امر بالرحم قسم اول کے لئے نہیں تھا بلکہ قسم ثانی کے لئے تھا اور ان کا نشانہ یہ تھا کہ اگر کوئی مجنون افاتہ کی حالت میں زنا کرے اور پھر بعد میں اس پر جنون طاری ہو جائے تو اس کا یہ جنون اقامت حد سے مانع نہیں ہونا چاہیے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زلت کا حاصل یہ ہے کہ جنون یہ ایسا شبہ ہے کہ جس کی وجہ سے حد کا دوا کیا جانا چاہیے اس لئے کہ ضابطہ ہے الحدود تندراً بالشبهات۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس عورت مجنونہ نے جو زنا کیا تھا وہ کامل افاتہ کی حالت میں نہ کیا ہو بلکہ ایسے وقت میں کیا ہو جب جنون کا اثر کچھ باقی ہو، حضرت علی کی اس رائے کے سامنے آنے کے بعد حضرت عمر نے اس کی موافقت فرمائی اور حد کو اس عورت سے ساقط کر دیا۔

اس کے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر سے عرض کیا ہذا معتوہ بنی فلان لعل الذی اتاہا اتاہا وہی فی بلاء ثہا، قال۔ فقال عمر لا ادری، فقال علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وانا لا ادری، یہ وہی بات ہے جو خطاب کی کلام میں گذر گئی کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ زنا افاتہ کی حالت میں نہ ہو، حضرت عمر نے افاتہ کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے امر بالرحم فرمایا تھا، اور حضرت علی نے شبہ اور تردد کی حالت ظاہر فرما کر عدم رجم کو ترجیح دی جس کو اخیر میں حضرت عمر نے بھی مان لیا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قال المتذری۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ زاد فیہ۔ والخرف

یعنی ایک روایت میں مجنون کے ساتھ، خرف، کا بھی اضافہ ہے، خرف فتح خا اور کسر راء کے ساتھ ماخوذ ہے، خرف، سے وهو فسار العقل من الکبر، یعنی بڑھاپے کی وجہ سے جو اس باختم ہونا، وهو غیر المجنون فان المجنون من الامراض السوداویۃ یقبل العلاج، والخرف بخلاف ذلک، ولہذا لم یقبل فی الحدیث حتی یعقل لان الغالب انہ لا یرأمنہ الی الموت۔ (بذل)

حدیث الباب کے بعض طرق میں ہے عن المجنون اور بعض میں ہے عن المجنون المغلوب علی عقلہ، اور ایک میں ہے عن المعتوہ، حضرت نے بذل میں تویہ لکھا ہے۔ المعتوہ۔ ای المجنون، لان العتہ نوع من المجنون اور کوکب دری ۲۵ میں کل طلاق جائز الاطلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ یہ لکھا ہے: المراد بالمعتوہ هنا المجنون (اس لئے کہ حدیث میں المعتوہ کیساتھ، المغلوب علی عقلہ مذکور ہے) الا المعنی المشہور وهو الذی لیس برشید و لیس لہ کثیر تجربہ و خبرۃ و بصیرۃ فی الامور اھ یعنی معتوہ کے معنی تو دراصل اناری اور بے وقوف کے ہیں مگر وہ یہاں مراد نہیں، حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے: اختلف فی ان المعتوہ فی حکم المجنون او الصبی او البالغ، کما فی الارشاد ۳۲۲

## باب في الغلام يصيب الحد

یعنی نابالغ لڑکا کوئی ایسا جرم کرے جو موجب حد ہو بالغ کے حق میں، اسکے بارے میں حاشیہ بذل میں شرح اشباہ و نظائر سے نقل کیا ہے کہ ایسے لڑکے کی تعزیر کی جائے گی تا دیبنا، اور ایسے ہی جس وہ بھی تا دیبنا لا عقوبتہ۔

حدثني عطية القرظي قال كنت من سبي بني قريظة فكانوا ينظرون فمن ابنت الشعر قتل ومن لم يثبت

لم يقتل، فكننت فيمن لم يثبت -

عطیہ قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ صحابی ہیں یہود بنو قریظہ میں سے تھے، بنو قریظہ کے بارے میں کتاب الجہاد میں گذر چکا کہ آپ نے ان میں سے رجال کو قتل اور نساء اور صبیان کو قید فرمایا تھا، اور جس کے بارے میں شبہ تھا بلوغ اور عدم بلوغ کا تو اس کے بارے میں فیصلہ زیر ناف بالوں پر رکھا گیا تھا، جس کا انبات ہو چکا تھا اس کو قتل کر دیا گیا اور جس کا نہیں ہوا تھا اس کو قتل نہیں کیا، تو یہ عطیہ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ چونکہ میرا بھی اس وقت تک انبات نہیں ہوا تھا اسلئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس کے بعد حدیث ابن عمر آ رہی ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تھا غزوہ احد کے موقع پر جنگ میں شرکت کے لئے مگر آپ نے اجازت نہیں دی تھی جبکہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی، پھر اسکے بعد آئندہ سال غزوہ خندق میں شرکت کے لئے پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے اجازت دیدی، یہ حدیث کتاب الخراج میں۔ باب منی یفرض للرجل فی المقاتلۃ، میں گذر چکی۔ حدیث عطیہ القرظی أخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، وقال الترمذی، حسن صحیح، قال المنذرى -

## باب السارق يسرق في الغزو ويقطع؟

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول: لا تقطع الايدي في السفر ولو لاذ لك لقطعه .  
مضمون حدیث یہ ہے جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ میں بسر بن ارطاة کے ساتھ تھا دریائی سفر میں تو ایک چور کو لایا گیا جس کا نام بھدر تھا جس نے ایک بختی اور مٹی چوری کی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ سفر میں قطع ید نہیں کرنا چاہیے، اور اگر یہ سفر کی حالت نہ ہوتی تو میں اس کا قطع ید کرتا۔

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے مختصراً اس کے لفظ یہ ہیں، سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول لا تقطع الایدی فی الغزو۔  
الکلام علی الحدیث من حدیث القمہ | بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام اوزاعی نے اختیار کیا ہے، اکثر فقہاء اس کے قائل نہیں، بعض نے جواب دیا کہ حدیث ضعیف ہے، اور بعض نے کہا کہ اس سے

مال غنیمت میں چوری کرتا مراد ہے اور چونکہ غنیمت میں اس کا بھی حصہ ہے اسلئے قطع بد نہ ہوگا اور اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کے قطع بد کی وجہ سے حقوق بدار الحرب کا اندیشہ ہوا اور جمہور کی دلیل حضرت نبیادہ کی یہ حدیث ہے جاحد والناس فی اللہ القریب والبعید ولا تبالوا فی اللہ لومة لائم، واقیموا حدود اللہ فی اللہ والحق والعدل، رواہ عبد اللہ بن احمد فی مسند ابیہ، یعنی زوائد مسند احمد کی روایت ہے، قال فی مجمع الزوائد الشہد لصحة عمومات الکتاب والسنة واطلاقا ہما لعدم الفرق فیہما بین القریب والبعید والمقیم والمسافر اتہی (عون) امام ترمذی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم منہم الاوزاعی، لایرون ان یقام الحد فی الغزو بحضرة العدو مخافة ان یلحق من یقام علیہ الحد بالعدو، فاذا خرج الامام من ارض الحرب ورجع الی دار الاسلام اقام الحد علی من اصاب کذا قال الاوزاعی اہ

**دار الحرب میں حد جاری کیجائے یا نہیں؟** اور اس میں حضرت شیخ کی رائے جس کو حضرت نے حاشیہ بزل میں لکھا یہ ہے

والظاهر عندی اخذہ بالحنفیة، والمعنی ان الحدود لا تقام فی دار الحرب کما فی البدائع طبع، وهو یخالف ما فی الکوکب ص ۴۰۲، وفی المغنی ص ۵۲۶ لایقام الحد فی دار الحرب وہ قال الاوزاعی، یقام اذا رجع، وقال الحنفیة، ولا اذا رجع، وقال مالک والشافعی یقام فیہ ایضا، واستدل مذہبہ بحیث الیاب، یعنی چونکہ یہ واقعہ دار الحرب کا تھا، اسلئے ان صحابی نے حد جاری نہیں کی، اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ دار الحرب میں حد جاری نہ کی جائے جیسا کہ بدائع وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، اور امام احمد کا مذہب جیسا کہ مغنی میں ہے یہ ہے کہ دار الحرب میں تو نہ قائم کی جائے لیکن واپسی کے بعد قائم کیجائے اور یہی مذہب انہوں نے امام اوزاعی کا قرار دیا ہے، اور حنفیہ کا مذہب یہ لکھا ہے انہوں نے کہ ان کے نزدیک رجوع کے بعد بھی نہ قائم کی جائے گی، اور امام مالک و شافعی کا مسلک یہ ہے کہ دار الحرب ہی میں قائم کی جائے۔  
والحدیث اخرہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی غریب، قال المنذری۔

## باب فی قطع النباش

نباش وہ شخص جو نبش قبور کرتا ہو یعنی قبر کھود کر کفن چوری کرتا ہو، مسئلہ مختلف فیہ ہے، طرفین (امام ابو حنیفہ امام محمد) کے نزدیک اس میں قطع نہیں ہے وہ قال الثوری والنزہری، اور ائمہ ثلاث اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں قطع بد ہے کذا فی المرقاة (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۹) واحکام القرآن للبخاری (بائش البزل) حنفیہ کے نزدیک عدم قطع اسلئے ہے کہ قبر حرز نہیں ہے، اور جمہور کا استدلال حدیث الباب سے ہے جس میں یہ ہے، یا اباؤ قلت لبیاء یا رسول اللہ وسعدیک! قال کیف انت اذا اصاب

اے یعنی صاحب کوکب کی رائے یہ نہیں ہے جو حضرت شیخ فرما رہے ہیں، کوکب میں تو یہ لکھا ہے کہ عدم اقامہ حد اگر خوف بھوک سے ہو تو پھر یہ عدم اقامہ حد ثبوت بگوئی وقت العود الی دار الاسلام علی ہذا فانتہی علی الاستیجاب، اہل بدائع یجاز اقامہ الحد وھناک اھ من الکوکب۔

الناس موت يكون البيت فيه بالوصيف يعق القتيوب، یہ حدیث کتاب الفتن میں گزر چکی، اس حدیث میں قبر پر چونکہ بیت کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے ظہور نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے، بذیل میں اس پر یہ لکھا ہے کہ اگرچہ حدیث میں قبر پر بیت کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن جب گھر خالی ہو اس پر کوئی ننگراں اور محافظ نہ ہو تو وہ حرز نہیں ہوتا، والحدیث الخرج ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب السارق يسرق موراً

مسئلہ البیاب میں مذاہب ائمہ | یعنی اگر کوئی شخص بار بار چوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں حنفیہ جنابہ ایک طرف ہیں اور مالکیہ و شافعیہ ایک طرف، ہمارے یہاں سرقہ اولیٰ میں دایاں ہاتھ اور ثانیہ میں بایاں پاؤں، اسکے بعد اگر چوری کرے تو قطع کی سزا نہیں ہے بلکہ تعزیر اور حبس دائم ہے یہاں تک کہ تائب ہو اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پاؤں کاٹا جائے گا، اس کے بعد اگر کرے تو تعزیر اور حبس ہے، اور حدیث البیاب میں ان سب کے خلاف ہے:

عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما قال جئني بسارق الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال

اقتلوه فقالوا يا رسول الله انما سرق فقال اقطعوه، قال فقطع، ثم جئني به الثانية اذ

یعنی ایک چور کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے صرف چوری ہی تو کی ہے (پھر قتل کا حکم کیوں) آپ نے فرمایا اچھا قطع ید کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پھر دوسری بار اسی چور کو لایا گیا اور تیسری بار بھی اور چوتھی بار بھی، ہر بار آپ قتل کا حکم فرماتے اور صحابہ کے عرض کرے پر بجائے قتل کے قطع کا حکم فرماتے، حتیٰ کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے پھر اس کو پانچویں بار لایا گیا، آپ نے فرمایا، اقتلوه، قال جابر فانطلقنا به فقتلناه، ثم اجترنا ه فالقتناه في بئر ورمينا عليه الحجارة، اس کو قتل کر دو حضرت جابر فرماتے ہیں ہم نے اس کو بچا کر قتل کر دیا اور پھر کھینچ کر اس کو کنویں میں ڈال دیا اور اوپر سے اس پر پتھر مارے پس انجام اس شخص کا وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ شانہ نے لسان نبوت سے شروع ہی میں جاری کرایا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرقہ میں چاروں ہاتھ پاؤں کا قطع کیا جائے گا جیسا کہ شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے لیکن اس حدیث میں پانچویں بار میں سارق کے قتل کا حکم دیا گیا ہے جس کے یہ دونوں امام قائل نہیں بلکہ کوئی بھی ائمہ اربعہ میں سے قائل نہیں، البتہ ابو مصعب مالکی اس کے قائل ہیں،

حدیث ائمہ اربعہ کے خلاف سے اسکے جوابات | لہذا یہ حدیث ان دونوں اماموں کے بھی خلاف ہے، اس حدیث کی توجیہ میں مختلف آراء ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ قتل اس کے ارتداد کی وجہ سے تھا

ولذا جرّوه ولم يصلوا عليه ولم يدفنوه، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے حدیث لا یجل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث، اور امام نسائی کی رائے یہ ہے کہ الحدیث منکر غیر صحیح مصعب بن ثابت راوی غیر قوی ہیں، قال النسائی ولا اعلم فی هذا الباب حدیثاً صحیحاً،



یعنی قتل سارق کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اور حافظ ابن القیم کی رائے اس کے بارے میں یہ ہے کہ قتل شارب فی الرابعة کا حکم اور ایسے ہی قتل سارق کا حکم۔ ان صحیح الحدیث مصلحت اور تعزیر پر محمول ہے، علامہ شامی کی رائے بھی یہی ہے کہ قتل سیارۃ تھا۔ (کذافی ہاشم البذل)

اصل مسئلہ مترجم بہا جو کہ اختلافی ہے، کما سبق بیان الاختلاف اس میں کوئی صحیح حدیث مرفوعہ نہیں، شافعیہ مالکیہ کا استدلال حدیث الیاب سے ہے جس پر کلام اوپر گزر چکا کہ وہ تو ان کے بھی خلاف ہے، نیز حدیث منکر ہے کما قال النسائی۔

اسی طرح اختلاف کا استدلال بھی اس بارے میں آثار صحابہ سے ہے چنانچہ ہدایہ ص ۵۴

**مسئلۃ الیاب میں حنفیہ کی دلیل** میں ہے: ولنا قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ انی لاستیجی من اللہ تعالیٰ ان لا ادع لہ یداً یا کل بہا وستیجی بہا، درجلا یشی علیہا، وبہذا حاج بقیۃ الصحابہ نجھم فانعدوا جماعاً، ولانہ اھلاک معنی لما فیہ من نفوس المنفقۃ، والحد زاجر (ای لا متلف) ولانہ نادر الوجود، والزجر فیما یغلب، بخلاف القصاص لانہ حق العبد فیستوفی ما امکن جبراً الحق، والحدیث طعن فیہ الطحاوی، او تحکم علی السیارۃ اھ اس حدیث سے مراد وہ ہے جو شروع میں امام شافعی کی جانب سے صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے، ولفظہ: من سرق فاقطعہ، فان عاد فاقطعہ فان عاد فاقطعہ۔

اور موطا محمد شافعی ہے، وقد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہما لم یریدا فی لقطع علی قطع الید الیمنی، والرجل الیسری، فان اتی بہ بعد ذلک لم یقطعاه وضمناہ، وهو قول ابی حنیفہ والعامۃ من فقہائنا رحمہم اللہ یہ روایت بلاغات موطا میں سے ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عمر و علی سے چور کے حق میں صرف پہلی اور دوسری مرتبہ قطع کرنا ثابت ہے اس کے بعد نہیں اس کے بعد ان دونوں سے تضمین ثابت ہے یعنی سارق سے مال مسروق کا ضمان لیا جائیگا، اور پہلی اور دوسری مرتبہ میں قطع ید ورجل ہوگا تضمین نہ ہوگی، وھذا عند ابی حنیفہ فلا قال شافعی وغیرہ والمسئلۃ مبرھنۃ فی کتب الاصول (کذافی التعلیق المجد) و حدیث الباب الخرجہ النسائی وقال ھذا منکر، قالہ المنذری۔

لہ یعنی حنفیہ کی دلیل اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے حیاہ اتی ہے اللہ تعالیٰ سے اس بات سے کہ میں سرقہ کی سزا میں سارق کا نہ ہاتھ چھڑوں جس سے وہ کھائے اور استنجا کرے اور نہ پاؤں چھڑوں جن سے وہ چل پھر سکے، یہی دلیل انہوں نے صحابہ کے سامنے پیش فرمائی جس کی وجہ سے وہ ان پر غالب آگئے، پس گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سزا (چاروں ہاتھ پیر قطع کر دینا) تو درحقیقت آدمی کو بالکل ہلاک ہی کر دینا ہے جس منفعت کے فوت ہو جائیگی وجہ سے حالانکہ حد سے مقصود زجر ہے نہ کہ تلف کرنا، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹنے کے بعد بھی پھر تیسری اور چوتھی مرتبہ کوئی چوری کرے ایسا تو بہت تلیس اور نادر ہے حالانکہ زجر (جو کہ مقصود بالحد ہے) وہ تو ان جرائم میں ہو کر رہتا ہے جو کثیر الوجود ہوں، آگے ایک دفع دخل مقدر ہے۔ ۲۷ یہ دفع دخل مقدر ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ میں اس جنایت کرنے والے کے بھی چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں، واصل الجواب ان القصاص حق العبد ولا قطع الید فی السرقة فہو من قبیل حق اللہ تعالیٰ۔

## باب فی السارق تعلق یدہ فی عنقہ

یعنی چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے، حدیث الباب میں بھی یہی ہے۔

أبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بسارق فقطعت یدہ لشم امر بہا فعلق فی عنقہ۔

شافعیہ وحنابلہ کے یہاں تعلق الید مستون ہے چنانچہ معنی میں ہے: ویسن تعلق الید فی عنقہ لما روی فضالہ بن عبید الخ یعنی حدیث الباب، رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ، وفعل ذلک علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ، قال ابن الہمام ص ۲۴۸ المنقول عن الشافعی و احمدانہ یسن تعلق یدہ فی عنقہ لانه علیہ الصلوٰۃ والسلام امر بہ، وعندنا ذلک مطلق للامام ان راہ، ولم یشیت عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی کل من قطع لیکون سنتہ۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق الید ہر سارق کے بارے میں ثابت نہیں تاکہ اس کو سنت کہا جائے، لہذا علی راوی الامام ہے اگر چاہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب بیع المملوک اذا سرق

اذا سرق المملوک فبعہ ولو بفش۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کا غلام چوری کرے تو اس کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے اگرچہ کتنی ہی کم قیمت میں ہو، شش کہتے ہیں نصف اوقیہ کو یعنی بیس درہم، حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ مصنف یہ حدیث یہاں لائے اس لحاظ سے کہ یہ اس کو کم قیمت پر فروخت کر دینا بھی ایک طرح کی تعزیر ہے۔

والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی الرجم

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: واللاق یا تین الفاحشۃ من نساءکم فاستشهدوا عنہن اربعۃ

منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت او یجعل اللہ لہن سبیلاً۔

(ترجمہ) جو عورتیں تمہاری بیویوں میں سے فاحشہ یعنی زنا کا ارتکاب کریں تو تم ان پر چار گواہ قائم کر لو پس جب گواہ قائم ہو جائیں تو تم فی الحال ان عورتوں کو گھروں میں، دک کر رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور صورت تجویز کرے یہ ابتدائی حکم ہے حد زنا کے نازل ہونے سے پہلے، چنانچہ جب حد زنا شروع ہوئی تو آپ نے فرمایا جیسا کہ باب کی دوسری حدیث میں آرہا ہے: فذوا عنی فذوا عنی قد جعل اللہ لہن سبیلاً۔ مجھ سے ایسی عورتوں کا حکم لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فیصلہ فرمادیا ہے۔

وذكر الرجل بعد المرأة ثم جمعهما فقال - والذان ياتيانها منكم فاذوهما، فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما -  
 پہلی آیت میں - ف عورتوں کا ذکر تھا اور اس دوسری آیت میں - والذان یا تیا نھا، مرد اور عورت دونوں کا ذکر جمع کر دیا گیا، اسی کو  
 ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا مرد کو عورت کے بعد اس طور پر کہ دونوں کو جمع کر دیا، اس آیت میں بھی  
 کوئی خاص حد زنا مذکور نہیں بلکہ یہ ہے - آذوهما کہ جو مرد عورت زنا کریں ان کو اذیت پہنچاؤ، اسی لئے ابن عباس فرما رہے ہیں  
 فنسخ ذلك بآية الجلد فقال الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة، اس آیت شریفہ میں وہ سبیل  
 مذکور ہے جس کا وعدہ پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا۔

الثيب بالثيب جلد مائة رعي بالحجارة، والبكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة، آیت شریفہ میں صرف بکر کا حکم مذکور  
 ہے اور اس حدیث میں بکر اور شیب دونوں کا، شیب سے مراد شادی شدہ بلکہ محض ہے، اس کی سزا اس حدیث میں رجم اور جلد مائے  
 اور بکر یعنی غیر محض کی سزا جلد مائے یعنی سو کوڑے اور نفی سنت یعنی ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا جس کو تغریب عام بھی کہتے ہیں  
 بیان کی گئی ہے، جمع بین الرجم والجلد یعنی رجم کے ساتھ سو کوڑے بھی لگانا یہ امام احمد اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے  
 اور ائمہ ثلاث اور ایک روایت میں امام احمد رجم کے ساتھ جلد کے قائل نہیں ان کے نزدیک یہ جمع کا حکم منسوخ ہے اور نسخ اس کیلئے  
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے ما عزمنا لک اسلمی کے ساتھ کہ آپ نے ان کا صرف رجم کیا بغیر جلد کے اور بکر میں جلد مائے  
 یعنی سو کوڑے کے ساتھ تغریب عام یعنی ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا یہ ائمہ ثلاث کا مسلک ہے، حنفیہ نفی سنت کے قائل نہیں  
 یعنی اس کو جزرہ قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو سیاست پر محمول کرتے ہیں، بیدل میں ان اختلافات پر تفصیل سے کلام مذکور ہے  
 اور اخیر میں - بدائع سے نقل کیا ہے: ولنا قوله عز وجل - الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة - والاستدلال بمن وھن  
 احدھما ان عزوجل امر بجلد الزانية والزاني ولم يذكر التعزيب، فمن اوجبہ فقد زاد علی کتاب اللہ عزوجل والزانية علیہ نسخ ولا يجوز نسخ النص  
 بنحو الواحد، والشان ان سبحانہ وتعالیٰ جعل بجلد جزاء والجزاء اسم ما يقع به الکفایة، ما خز من الاجترار وهو الاکتفار فلو  
 اوجبتا التعزيب لالتفح الکفایة بالجلد وهذا خلاف النص، یعنی خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں جیسا کہ اصول فقہ کا مشہور  
 مسئلہ ہے، اور تغریب عام کو جزرہ قرار دینے سے خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے۔

لے ای اذانی الثيب بالثيب وذا قوله البكر بالبكر، لكن هذا القيد ليس باحترازي بل اذانی الثيب بالبكر اذانی البكر بالثيب منہما و بجلد البكر  
 زانی اور مزنیہ اگر دونوں شیب میں تب دونوں کا رجم ہوگا اور اگر دونوں بکر میں تو دونوں کے لئے جلد مائے ہوگا اور اگر ایک شیب اور دوسرا بکر ہو تو  
 جو شیب ہوگا اس کا حکم رجم ہوگا اور جو بکر ہوگا اس کا حکم جلد مائے ہوگا۔

تھ یہ تسمیہ اہل باسم الجزر کے تسمیہ ہے کہ بولا تو گیا شیب اور مرد اس سے محض ہے، اصناف چند صفات کے مجموعہ کا نام ہے جن میں ایک صفت تیرتہ بھی  
 ہے یعنی شیب ہونا، محض جن صفت کے مجموعہ کا نام ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

آگے انہوں نے ایک اور عقلی وجہ بیان کی کہ تعزیر تو خلاف مصلحت ہے اور گویا اس کو اور مزید موقع دینا ہے اس ناجائز کام کا، اسلئے کہ اگر اپنے ہی شہر میں رہے گا تو چونکہ وہاں اسکے اور بہت سے اعزہ اور اہل تعلق موجود ہیں ان کی وجہ سے شرمائے گا دوبارہ ارتکاب جرم سے، بخلاف دوسرے شہر کے کہ وہاں یہ مانع نہ ہوگا، باقی مطلقاً عدم تعزیر کے ہم قائل نہیں، اگر امام تعزیر ہی میں مصلحت سمجھے تو بطور تعزیر کر کے کر سکتا ہے نہ بطریق حداد۔ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ شیب میں زنا کی سزا رجم ہے اور سب میں زنا کی سزا جلد متہ، شیب سے مراد وہ مرد یا عورت ہے جو محسن ہو اور بکر سے مراد غیر محسن ہے۔

**احسان کن صفات کے مجموعہ کا نام ہے** | رجم کے لئے صفت احسان کا ہونا بالاجماع ضروری ہے، اب یہ کہ شرائط احسان کیا کیا ہیں اس کو دیکھنا ہے، بخاری کا ترجمہ ہے: "باب رجم المحسن"

قال الحینی: والمحسن: یفتح الصاد من الاحسان وهو المتع فی اللغة، وجاریہ کسر الصاد معنی الفتح احسن نفسه بالتزوج عن عمل الفاحشة ومعنی الکسر علی القیاس وهو ظاہر، والفتح علی غیر القیاس، قال اصعبنا شروط الاحسان فی الرجم سبعة: الحریة والعقل والبلوغ، والاسلام، والوطی، والسادس الوطی بنکاح صحیح، والسابع کونہما محصنین حالہ الدخول بنکاح صحیح، وقال ابو یوسف والشافعی وحمد الاسلام لیس بشرط، لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجم یہودین قلنا کان ذلك بحکم التوراة قبل نزول آیة الجلد فی اول ما دخل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المدینة، فكان متسوقاً بہا، قال ابن المنذر: واجمعوا علی انہ لا ینکح الا احساناً بالنکاح الفاسد ولا الشبهة وخالفہم ابو ثور فقال ینکحون محصناً، واختلفوا اذا تزوج الحرمة هل تحسن؟ فقال اکثرہم نعم، وعن عطاء وحسن والثوری والکوفیین واحمد اسحاق لا، معلوم ہوا شرائط احسان سات ہیں، ان میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، چنانچہ معنی میں ہے: الرابع الحریة دہی شرط فی قول

اهل العلم کلہم الا ابو ثور، قال العبد والامة ہما محصنان یرجمان اذا زنی، وقال الاوزاعی فی العبد تحمہ حرمة محسن یرجم اذا زنی، وان کان تحمہ لمة لم یرجم اسی طرح صفت اسلام میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرائط احسان میں سے ہے، حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک نہیں ہے، کی سیاتی فی باب رجم یہودین اور در مختار میں ہے شرائط احسان الرجم سبعة الحریة والتکلیف ای عقل، البلوغ والاسلام والوطی وکونہ بنکاح صحیح حال الدخول، وکونہما بصفة الاحسان المذكور وقت الوطی، فاحسان کل واحد منہما شرط لصیورہ الآخر محصناً، تلویح ائمہ او الحرمة عباداً فلا احسان الا ان یطأھا بعد العتق فیحصل الاحسان بہ لا بما قبلہ الی آخرہ۔ قال ابن عابدین قولہ شرائط احسان الرجم قیدہ بہ لان احسان القذف غیر هذا، وقولہ بنکاح صحیح، فرج الفاسد کنکاح بغير شہود، فلا ینکحون بہ محصناً، وقولہ حال الدخول احراز عمال ووطی فی نکاح موقوف علی الاجازة ثم اجازت المرأة العقد اولى الصغیرة، فلا ینکحون بہذا الوطی محصناً وان کان العقد صحیحاً لانه وطی فی عقد لم یصح الا بعدہ لاحال الوطی، وفي الكنز والدخول بالنکاح الصحیح وکونہما محصنین حالہ الدخول، قال الزلیعی اما الدخول فلقولہ علی الصلاة والسلام الشیب بالشیب الحدیث، والشیب لا یتكون بغير دخول، ولانه باصابتہ الحلال تنکس شہوتہ ویسبح فیستغنی بہ عن الزنا، واما احصانہما حالہ الدخول فلان هذه النعمة بہ تکامل، اذا الطبع ینفر عن صحبة المجنونة وقلما یرغب فی الصغیرة لقلہ رغبتہا فیہ، وفي المملوكة حدرا عن رقی الولد

علامہ زبلی نے ان شرائط احسان میں سے ہر ہر شرط کی بلم اور علت بھی ذکر کی ہے لہذا اس کو دیکھا جائے کہ مفید اور موجب بصیرت ہے واللہ تعالیٰ الموفق، وفي الاوجز عن الموفق السابع: ان يوجد الكمال فيهما جميعا حال الوطى فيط الرجل العاقل الحر امرأة عاقلة حرة، وهذا قول ابى حنيفة وصحابه الخ موفوق چونکہ حنبلی ہیں لہذا یہی مسلک حنابلہ کا ہوا، اس کے بعد انہوں نے اس میں امام مالک اور شافعی کا اختلاف نقل کیا ہے جو اوجز میں مذکور ہے فارجع اليه لوشئت،

**مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ** | اس سب کا حاصل یہ ہے کہ زنا فاحشہ عظمیٰ ہے اسی لئے اس کی سزا عقوبت شدیدہ یعنی رجم رکھی گئی ہے، لیکن زنا کی یہ سزا یعنی رجم مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت میں ہے جبکہ زانی میں صفت احسان بھی پائی جا رہی ہو، اسلئے کہ صفت احسان سے زنا کی وقاحت اور شناعیت اور بیڑھ جاتی ہے اس لئے کہ صفت احسان ان اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے جو زنا کے ارتکاب سے مانع ہے لیکن وہ شخص اسکے باوجود زنا کا ارتکاب کر رہا ہے جس کی وجہ سے اس کا یہ جرم بہت شدید ہو جاتا ہے اور وہ صفات عند الجمهور سات ہیں حریت، عقل، بلوغ، اسلام نکاح صحیح، وطی بنکاح صحیح دخول کے وقت واطی اور موطورہ دونوں میں ان مذکورہ بالا صفات کا پایا جانا (جن کو احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے) لہذا اگر کسی حر نے باندی سے نکاح کیا اور اسی حالت میں وطی کی اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی سے زنا کا صدور ہو گیا اور اسکے بعد پھر وہ باندی آزاد بھی کر دی گئی تو چونکہ یہاں پر صفت احسان وقت الدخول نہیں پائی گئی وطی کے وقت موطورہ کے باندی ہونے کی وجہ سے اسلئے اس صورت میں اس زنا کا حکم رجم ہوگا الا یہ کہ اس باندی کے آزاد ہونے کے بعد دوبارہ اس سے وطی کی گئی ہو اور اسکے بعد زنا پایا گیا تو اس صورت میں اس کا حکم رجم ہوگا یا ایسے ہی کسی حر نے غلام سے نکاح کیا اور پھر وہ اوپر وہی صورت پائی گئی اس کا بھی یہی حکم ہے، الحاصل جس مرد اور عورت میں مذکورہ بالا صفت احسان پائی جائے گی اور پھر اسکے بعد وہ مرد یا عورت زنا کرے گا تب اس کا رجم ہوگا ورنہ نہیں۔

**رجم کے ثبوت میں بعض فرق کا اختلاف** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ رجم کے مسئلہ میں بعض فرق کا اختلاف ہے قال حافظ

قال ابن بطال: اجمع الصحابة وائمة الامصار على ان المحسن اذا زنى عامداً عالماً مختاراً فعليه الرجم ودرج ذلك الخوارج وبعض المعتزلة واعتلوا بان الرجم لم يذكر في القرآن، وحكاه ابن العربي عن طائفة من اهل المغرب لقيهم وهم من بقايا الخوارج، واحتج الجمهور بان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجم وكذا لك الائمة بعده وثبت في صحيح مسلم عن عبادة رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال فخذوا عني قد جعل الله لهن سبيلاً الشيب بالشيب الرجم اه كلف من الابواب والتراجم، وادجز المسالك بزيادة من الزبلي، والحدیث ان رجمه سلم والترندی والتسائی قال المنذرى۔

عن عبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنهما ان عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه خطب فقال ان الله بعث محمداً صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بالحق وانزل عليه الكتاب فكان فيما انزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها ورجم رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ورجمنا من بعده، والى خشيت ان طال بالناس الزمان ان يقول

قائل ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله -

### مضمون حدیث

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجم کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ رجم کا حکم برحق ہے قرآن کریم میں اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی جس کو ہم نے شروع میں پڑھا۔ یعنی گو بعد میں منسوخ التلاوة ہو گئی۔ اور اسکے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زانی کا رجم کیا اور آپ کے بعد ہم لوگوں نے بھی، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ کچھ مدت کے بعد لوگ رجم کا انکار نہ کرنے لگیں یہ کہہ کر کہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہیں ہے اور پھر گمراہ ہوں، لہذا جان لینا چاہیے کہ زانی محسن اور مجھنے کے لئے رجم کا حکم برحق ہے، اذ اقامت البیتة او کان حمل او اعتراف۔

**ثبوت زنا کے اسباب** ثبوت زنا کی صورت بیان فرما رہے ہیں کہ یا تو بذریعہ شہود کے یا اعتراف زنا کے یا وجود حمل کے ذریعہ۔ یعنی غیر شادی شدہ عورت میں حمل کا پایا جانا، اعتراف زنا اور شہادت شہود ان دونوں سے ثبوت زنا تو متفق علیہ ہے لیکن ظہور حمل والا مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ میں سے امام مالک اس کے قائل ہیں، بndl میں ہے شوکانی سے: وهو مروی عن عمر و مالک و اصحابہ، قالوا اذا حملت ولم يعلم لها زوج ولا عرفنا اكرهها لزمها الحد الا ان تكون غریبة وتدعی انه من زوج اوسید، وذهب الجمهور الى ان مجرد الحمل لا یثبت به بل لا یزمن الاعتراف او البینة، واستدلوا بالاحادیث الواردة فی رد الحدود بالشبهات۔ الی آخر ما فی البندل۔ والحدیث اخریة البخاری و سلم والترندی والنسائی مختصراً مطولاً، قال المنذری۔

حدثني يزيد بن نعيم بن هزال عن ابيه قال كان ماعز بن مالك يتيما في حجر ابي فاصاب جارية من الصبي

فقال له ابي انت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاخبروا بما صنعت لعله يستغفر لك، وانما يزيد بذلك رجاء ان يكون له مخرج اخر۔

یہ ماعز بن مالک سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے یعنی ان کے زنا سے متعلق جس کو مصنف نے متعدد طرق سے اور مختلف الفاظ سے ذکر کیا ہے، اس روایت میں یہ ہے کہ نعيم بن هزال کہتے ہیں کہ ماعز بن مالک ایک یتیم لڑکے تھے جنہوں نے میرے باپ کی گود میں پرورش پائی تھی وہ قبیلہ کی ایک باندی کے ساتھ مبتلا ہو گئے۔ حاشیہ بndl میں ہے کہ اس کا نام قاطمہ تھا اور ہزال کی باندی تھی کمانی ایلیق لابن ابجوزی، وقيل اسمها ميرة كمانی تہذیب اللغات للنووی ۳۴۶، نعيم کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میرے والد ہزال نے ماعز سے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور جو کچھ تم سے ہوا اس کی خبر آپ کو کرو، شاید وہ تمہارے لئے دعا اور استغفار کر دیں، اور تمہارا اس سے چھٹکارا ہو جائے، چنانچہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے اور جا کر زنا کا اقرار کیا اور یہ بھی کہ مجھ پر حکم شرعی جاری کر دیجئے، آپ نے ان کی بات سن کر اعراض فرمایا، ان کا اقرار اور آپ کی جانب سے اعراض اس کی چار بار نسبت آئی۔

**ثبوت زنا بالاقرار میں تعدد اقرار اور اس میں کما اختلاف** اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ ثبوت زنا بالاقرار کیلئے چار بار اقرار



ضروری ہے، مختلف مجالس میں، اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی اگرچہ چار بار اقرار ضروری ہے لیکن اختلاف مجلس ان کے یہاں ضروری نہیں، اور بیانی دو امام یعنی امام مالک و شافعی ان کے یہاں اقرار مرہ واحدہ کافی ہے۔ آگے روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: قد قلتها اربع مرات فبمن؟ قال بفلانة. قال هل ضا جعتها؟ ان یعنی آپ نے خوب ٹھوک بجا کر ان سے سوالات کئے جس کا وہ صاف صاف جواب دیتے رہے اس کے بعد آپ نے ان پر رجم جاری کرنے کا حکم فرمادیا۔

قال فامربه ان یوجہ: یہاں پر ایک اختلافی مسئلہ ہے جس کو حضرت شیخ نے حاشیہ بدل میں لکھا ہے وہ یہ کہ مجلس رجم میں امام اور شہود کا حاضر ہونا ضروری ہے یا نہیں، امام شافعی اور احمد کے نزدیک واجب نہیں، اور امام ابوحنیفہ اور مالک کے نزدیک واجب ہے، امام نووی نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے و استدلال صاحب الہدایۃ بانہ منصوص عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیما لا یدرک بالقیاس، اس کے بعد حضرت شیخ نے اپنی رائے احتمالاً یہ لکھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی رجم کی ابتدا آپ ہی نے کی ہو جیسا کہ غامدیہ کے قصہ میں آئے ہے جس کے لفظ یہ ہیں ثم رماھا بحصاة مثل الحصاة ثم قال ارموا یعنی اس واقعہ میں رمی کی ابتداء آپ نے فرمائی ایک چھوٹی سی کسکری کے ذریعہ اور پھر آپ نے دوسروں سے فرمایا کہ اب تم اس کی رمی کر دو۔ روایت میں ہے کہ جب ان کو رجم کیا جا رہا تھا تو یہ جزع فزع کرنے لگے اور بھاگنے دوڑنے لگے جس کی وجہ سے رجم کرنا مشکل ہو رہا تھا، لہذا میں عبد اللہ بن انیس آگئے تو انہوں نے اونٹ کا کھراٹھا کر باراجس سے ان کا کام تمام ہو گیا، پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے فرار وغیرہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہلا ترکتموہ لعدا ان یتوب فیتوب اللہ علیہ۔

**رجوع عن اقرار الزنا کا حکم** | آپ کے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جس صورت میں زنا کا ثبوت اقرار سے ہوا ہو، اور پھر وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، جمہور علماء کا مسلک یہی ہے حنفیہ شافعیہ حنبلیہ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور کے نزدیک رجوع عن الاقرار معتبر نہیں، اس سے حد ساقط نہیں ہوگی، اور یہی ایک روایت امام مالک اور امام شافعی کی ہے، حاشیہ بدل میں ہے: وحکی صاحب الہدایۃ فیہ خلاف شافعی، لکن قال ابن الہمام ان المسطور فی کتبہم انہ لورجوع قبل الحد اذ بعد ما اتم علیہ بعضہ سقط۔ وبسط الحافظ فی الفتح ص ۱۱۱ الاختلاف فیہ۔

عن محمد بن اسحاق قال ذكرت لعاصم بن عمرو بن قتادة قصة ما عزمين مالك فقال لي حدثني حسن بن

محمد بن علي بن ابي طالب قال حدثني ذلك من قول رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فها لا تركتموه

من شئتم من رجال اسلم ممن لا اتهم قال ولم اعرف هذا الحديث قال فحدثت جابر بن عبد الله ان

**حدیث کی شرح** | عاصم بن عمر کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن محمد بن علی یعنی محمد بن الحنفیہ کے بیٹے حسن نے یہ کہا کہ مجھ سے

لہ اختلاف مجالس سے مقرر کی مجلسیں مراد ہیں نہ کہ قاضی کی اور وہ یہاں پائی گئیں مسئلہ کہ آپ جب اپنا رخ بدلتے تھے تو وہ اسی طرف جا کر پھر اترار کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد۔ فہلا تترکتہوا۔ قبیلاً اسلم کے اتنے لوگوں نے بیان کیا جتنے تم چاہو یعنی بہت سوں نے  
یہ لفظ من شتم ترکیب میں فاعل واقع ہو رہا ہے۔ حدیثی ذلک کا۔ حسن بن محمد کہتے ہیں کہ یہ جملہ اگرچہ مجھ سے بیان تو بہت  
سے لوگوں نے کیا تھا مگر حدیث کے اس جملہ کا مطلب میں نہیں سمجھا تھا کہ کیا ہے (کیونکہ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ رجوع عن الاقرار  
سے حد ساقط نہیں ہوتی، اسلئے میں حضرت جابر بن عبد اللہ کے پاس گیا اور ان کی خدمت میں جا کر ان سے حدیث کے اس جملہ  
کا مطلب دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! میں اس سارے قصہ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں کیونکہ میں خود رجم  
کرنیوالوں میں تھا، بات یہ پیش آئی تھی کہ جب ہم ماعز کو رجم کے لئے لے گئے تو وہ چلا کر کہنے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے پاس واپس لے چلو اسلئے کہ میری قوم نے مجھے مروایا ہے اور مجھے دھوکہ دیا ہے، اور انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ حضور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تجھ کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لیکن ہم نے اس کے اس قول کی پرواہ  
نہیں کی بلکہ ان کا رجم ہی کر ڈالا، پھر جب ہم نوٹ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اور ماعز کے حال کی  
آپ کو خبر کی تو آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا اور میرے پاس اس کو لے آئے، تو یہ آپ نے اس لئے  
فرمایا تھا کہ آپ اس کا سبب فرامعلوم کریں کہ آخر کیا کہنا چاہتا ہے، فاما لتراعد فلا اور آپ کا مقصد اس سے یہ نہ تھا کہ اس  
سے حد ساقط کر دی جاتی، حسن بن محمد کہتے ہیں فعرفت وجه الحدیث کہ اب یعنی حضرت جابر کے بیان سے حدیث کا مطلب  
میرے سمجھ میں آیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور وغیرہ کے مذہب کے تو موافق ہے کہ رجوع عن الاقرار سے  
حد ساقط نہیں ہوتی، لیکن جمہور علماء نے اس کا یہ مطلب نہیں لیا، اور بڑی انجود میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے اس مقام کی شرح  
اور طرح کی ہے جو جمہور کے مسلک کے موافق ہے وہ یہ کہ حسن بن محمد کو تو یہ تردد ہو رہا تھا کہ حد کے فیصلہ کے بعد تو وہ ساقط نہیں  
ہوا کرتی تو پھر آپ نے جو یہ فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا، یہ آپ نے کیسے فرمادیا، تو حضرت جابر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی  
مراد یہ بیان کی کہ آپ کی مراد ویسے ہی مطلقاً چھوڑ دینا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ہم اس سے معلوم کرتے بھاگنے کا نشانہ کہ ویسے ہی تکلیف  
کی وجہ سے بھاگ رہا ہے یا یہ کہ مقصود رجوع عن الاقرار ہے، اگر وہ اپنی غرض رجوع عن الاقرار بیان کرتا تو اس پر ہم اس کو چھوڑ  
دیتے، واللہ تعالیٰ اعلم یہ مطلب جمہور کے مسلک کے موافق ہے۔

**صلوۃ علی ماعز میں اختلاف روایات** | اس کے بعد والی حدیث میں آرہا ہے فانطلق بہ فرجہ ولم یصل علیہ۔  
اگے چند حدیث بعد بھی یہی آرہا ہے فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لہ  
خیر ولم یصل علیہ، اور بخاری کی روایت میں ہے۔ وصلی علیہ۔ لیکن اسکے بعد امام بخاری فرماتے ہیں ولم یقل یونس وابن جریج عن الزہری  
فصلی علیہ، سئل ابو عبد اللہ هل قولہ فصلی علیہ یصح ام لا، قال رواہ معمر قسیل لہ حل رواہ غیر معمر، قال لا۔ اس پر حافظ نے فتح الباری  
میں کافی اختلاف رواہ بیان کیا اور کثرت ان ہی رواہ کی بیان کی جنہوں نے اس حدیث میں یہ لفظ فصلی علیہ ذکر نہیں کیا، اور پھر

آگے چل کر حاقظ نے فرمایا ہے کہ بظاہر امام بخاری کا میلان اس لفظ کے ثبوت کی طرف دوسرے ثبوت کی وجہ سے ہے اور پھر انہوں نے سنن ابی قرہ کی روایت ذکر کی ہے۔ لیکن سنن ابی قرہ کی حدیث ابی امامہ میں اس طرف سے فقہیل یا رسول اللہ الصلی علیہ وآلہ وسلم قال فلما کان من الغد قال صلوا علی صاحبکم فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والناس، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے روز آپ نے نماز ان پر نہیں پڑھی دوسرے روز پڑھی پس حاصل یہ کہ بخاری کی روایت صلاۃ علی ماعز کے بارے میں بطریق اثبات ہے، اور سنن کی روایات ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں صلاۃ کی نفی ہے اور صحیح مسلم میں صلاۃ یا ترک صلاۃ سے کوئی تعرض ہی نہیں جہاں تک ہمارا امتیاع ہے، لیکن امرآۃ جہنیہ کے بارے میں بلا اختلاف روایت نماز پڑھنے کا ثبوت ہے، اس کے بارے میں ایک خاص نکتہ بھی ہم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے کتاب الجنائز میں نقل کر چکے، اب یہ کہ مرہوم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس میں امام مالک اور احمد کی رائے یہ ہے کہ خود امام اندر دوسرے اہل فضل و علم اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں ان کے حق میں مکروہ ہے اور جمہور علماء و متہم ابو حنیفہ و انشائی کے نزدیک اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی بلکہ ہر کلمہ گوئی اہل قبلہ میں سے من غیر فصل بین اہل الفضل وغیرہ، اس مسئلہ پر کلام کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی من قتلہ الحدودہ میں گذر چکا۔

حدیث محمد بن اسحاق اخرجہ النسائی، و اخرج البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی من حدیث ابی سلمۃ بن عبد الرحمن عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرفاً منہ بنحوہ، قالہ المنذری۔

عن جابر بن اسمعيل رضي الله تعالى عنه قال رأيت ماعز بن مالك حين جئني بالي النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم رجل قصيرا عضلا، ليس عليه وداء، وفي نسخة رجلا قصيرا وهو الموافق للقواعد.

**مضمون حدیث** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ پستہ قد اور گٹھے ہوئے جسم کے تھے، اور ان کے

بدن پر اس وقت چادر بھی نہ تھی، جب انہوں نے آپ کے سامنے چار بار اقرار کیا تو آپ نے ان سے فرمایا فلعلک قبلتہا، قال لا واللہ انہ قد ذنی الآخر یعنی آپ نے ان سے فرمایا شاید کہ تم نے اس کی تقبیل کی ہوگی، یعنی اس سے آگے اور کچھ نہ کیا ہوگا (یہ ہے وہ جس کو تلقین فی الحد کہتے ہیں جس کا باب پہلے گذر چکا) اس نے کہا کہ واللہ اس ذلیل و خوار نے تو زنا ہی کیا ہے۔

آخر بروزن کسبہ اور اس کو آخر یا آخر بالمدنہ پڑھا جائے۔ چنانچہ ان کا جرم کر دیا گیا، شہ خطب فقال الا کلمنا نفرنا فی سبیل اللہ خلف احدہم لہ نبیب کنبیب التیس یمتخ احداهن الکثبۃ اما ان اللہ ان یمکتی من احد منہم الا نکلتہ عنہن۔

نہ حادثہ کی رائے یہی ہے کہ امام بخاری کی رائے اس لفظ کے ثبوت کی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ قرآنہ خلف الامام کے مسئلہ میں لاصلوۃ لمن لم یقرأ بقائتہ الکتاب والی حدیث میں جو فصحاء کی زیادتی ہے جو تنفیہ فی پیش کی ہے تو اس کا جواب امام بخاری سے یہ مقول ہے کہ یہ زیادتی ثابت نہیں تفریباً معرفۃً اہل۔

قصہ رجم ماعز کے پیش آجانے کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس طرح صحابہ میں جو بعض قصے زنا کے پائے گئے وہ اس وقت جبکہ اس گھر کے مرد جہاد میں نکلے ہوئے ہوتے تھے اور پھر آپ نے زانی کے زنا کے وقت کی کیفیت اور ہیئت کی قیاحت کو ایک بکرے کی کیفیت اور ہیئت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے جب وہ مادہ پر بڑبڑاتا ہوا اچھل کر سوار ہوتا ہے، بیان فرمائی آپ فرماتے ہیں۔ يمنع احداهن الكشيبة۔ کہ یہ شخص (جو زنا کر رہا ہے) ان میں سے کسی ایک کو یعنی عورتوں میں سے کسی ایک کو کشتہ عطا کرتا ہے، کشتہ کی تفسیر راوی نے لیل قبیل کشتا کی ہے جس سے مراد منی ہے، اور پھر آپ نے بڑے جلال سے فرمایا دیکھو اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ قدرت عطا فرمائے ان میں سے کسی پر یعنی ان بد فعلی کرنے والوں میں سے کسی ایک پر تو میں اس کو خوب اچھی طرح سزا دوں۔ والحدیث اخرجه مسلم والنسائی، قال المتذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لما عن ابن مالک احمق ما بلغنی عنک الخ۔  
**شرح الحدیث** یعنی آپ نے ماعز سے پوچھا کیا وہ بات صحیح ہے تیری جو مجھ کو پہنچی ہے انہوں نے پوچھا میری کیا بات پہنچی ہے آپ کو آپ نے فرمایا وہ یہ کہ تو نے فلاں قبیلہ کی باندی سے ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں صحیح پہنچی ہے بات، یہ روایت روایت مشہورہ کے خلاف ہے جس میں یہ گزرا ہے کہ ماعز نے آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر خود زنا کا اقرار کیا تھا، علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ماعز کے آپ کے پاس آنے سے پہلے یہ واقعہ پہنچ چکا ہو، پھر جب ماعز آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تاکہ وہ انکار کر دے اس چیز کا جو اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہے تاکہ اس سے حد ساقط ہو جائے لیکن اس نے بجائے انکار کے اقرار ہی کر لیا جس پر آپ نے اعراض فرمایا لیکن وہ بار بار اقرار کرتا رہا، لہذا اس روایت میں اختصار ہوا۔  
والحدیث اخرجه مسلم والترمذی والنسائی، قال المتذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لما عن ابن مالک لعلک قبلت او غمزت۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ان کے اقرار بالزنا کے وقت کہ شاید کہ تو نے صرف اس کی تقبیل کی ہو یا اس کو بھیجی اور دیا یا ہو۔  
بذل میں بعض شروع سے نقل کیا ہے، الغمز، الکیس بالید وبالعین وباللحاجب، یعنی غمز کے معنی ہاتھ سے دبانے کے بھی ہو سکتے ہیں اور آنکھ سے اشارہ اور ابرو کے ذریعہ سے بھی کہ اس کو اوپر نیچے حرکت دے اپنی طرف مائل کرنے کیلئے، دیجمل الحدیث ہذہ المعانی کلہا، قلت ویکمل ان یکون معنی الغمز الکیس بالذکر بان لا یدخل حتی یتحقق الزنا، اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ ذکر کے ذریعہ چھو نامراد ہو، اور مطلب یہ کہ تو نے صرف اپنا ذکر اس کو لگایا، جو جس سے زنا کا تحقق نہیں ہوتا۔  
انظرت ای الی فرجہا قال لا، قال أفیکتھا، نکت بروزن بعوت تاک ینیک نیکاً یہ لفظ مقصود میں بالکل صریح ہے جس کو اردو میں چودنا کہتے ہیں، قال نعم قال فعند ذلك امر برجمہ۔

اقرار بالزنا کیلئے صریح الفاظ ضروری ہیں | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود کے ثبوت میں صریح الفاظ درکار ہونے

طالب حدیث کے ذیل میں گزرا ہے کہ ہمارے حضرت شیخ نور اللہ رحمہ اللہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کتاب الحدود کی کسی حدیث میں جب کوئی فحش اور گالی کا لفظ آتا تو اس لفظ کا ترجمہ اردو میں صاف صاف فرمادیتے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ عربی کی گالی ہے جب ضرورتاً اور مصلحتاً سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنی زبان مبارک سے ادا فرما سکتے ہیں تو ہماری کیا حیثیت ہے چنانچہ کتاب الحدود میں یہ لفظ انکبتہا اور بخاری شریف ص ۲۷۷ پر صریح حدیبیہ والی حدیث میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں یہ لفظ آتا، اَمْضُصْ لِقْر اللات، تو ان لفظوں کا اردو میں ترجمہ صریح کراتے،

والحدیث اخرجه ایضاً مسلماً، واخرجه البخاری والنسائی مستداً قالہ المتذری۔

کما یغیب المرود فی المحکلة والرشاء فی البین، جیسے سلانی سرمد دانی میں جا کر غائب ہو جاتا ہے اور ڈول کی رسی کنویں میں جا کر۔

فسمع نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجلیین من اصحابہ الخ۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو شخصوں کا آپس میں کلام سنا کہ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ دیکھو اس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ نے تو اسکے عیب کو چھپایا تھا یعنی اس گناہ

کی کسی کو خبر نہیں تھی پھر اس نے کیا حماقت کی کہ ایسا کام کر بیٹھا یعنی آپ کے سامنے اقرار یہاں تک کہ کتے کی موت مرا، آپ سستہ خاموش رہے پھر تھوڑی دور چل کر آپ کا گزر ایک مردار حمار پر ہوا جس کی ایک ٹانگ بھی (اکڑ کر) اوپر اٹھ رہی تھی، تو آپ وہاں پر رکے اور ان دو شخصوں کا نام لیکر پوچھا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں، انہوں نے عرض کیا جی ہم حاضر ہیں، آپ نے فرمایا اپنی سواری سے اترو اور اس مردار حمار کا گوشت کھاؤ، انزلہ اس لئے فرمایا کہ یا تو وہ سوار ہوں گے یا پھر یہ کہ وہ مردار شیب میں گڈھے وغیرہ میں پڑا ہوگا،

اس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! اس مردار میں سے کون کھا سکتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا، فلما تلتما من عرض اخیكما انقاشد من اکل منه، لہذا میں لام تاکید کے لئے ہے اور ماہ و مہولہ ہے کہ بیشک وہ چیز جو تم نے خراب کی ہے اپنے بھائی کی

آبرو سے ۵۹ اس مردار کھانے سے زیادہ سخت ہے، والذی نفسی بیدة انہ الا ان لفی انہار الجنة ینغمس فیہا، تم سے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ مرحوم! اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

والحدیث اخرجه النسائی، وقال فیہ انکبتہا (ای مکان انکبتہا) قالہ المتذری۔

فرجم فی المصلی، مصلی سے مراد مصلیٰ انجناز والعیذ ہے یعنی اسکے آس پاس جو کہ بقیع الغرقہ کی جانب ہے، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے فالنظفناہ الی بقیع الغرقہ اور قاضی عیاض نے یہ سمجھا کہ راوی کی مراد یہ ہے کہ رجم خاص مصلیٰ میں واقع ہوا اور پھر اس پر تفریح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ مصلیٰ مسجد کے حکم میں نہیں ہے ورنہ رجم اس میں نہ کیا جاتا تلویث کے

خوف سے۔ بخلاف اسکے جس کو دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ مصلی مسجد کے حکم میں ہوتا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کا یہ استنباط درست نہیں لان الرجم وقع عنده لاقية، ولم يصل عليه گذشتہ روایت میں اس پر کلام گذر چکا۔  
والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

فوالله ما اوثقنا ولا حقونا له ولكننا قام لنا، قال ابو كامل: فرمينا بالاعظام والمدر والحنف الخ۔  
یعنی ماعز بن مالک کو رجم کے وقت نہ باندھا جوڑا گیا اور نہ ان کے لئے گڈھا کھودا گیا بلکہ وہ ہمارے سامنے ہی کھڑے تھے تو جب ہم نے ان کا رجم شروع کیا اعظام اور مدر وغیرہ سے تو وہ دوڑے تو ہم بھی ان کے پیچھے دوڑے، یہاں تک کہ حرمہ کی ایک جانب میں آکر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے، ہم نے مقام حرمہ ہی کے پتھر اٹھا کر ان کا اس سے رجم کر دیا۔  
والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی بمعناه، قال المنذری۔

قال فما استغفره ولا سبه، یعنی آپ نے رجم پورا ہونے کے بعد ان کے بارے میں سکوت فرمایا نہ دعا فرمائی نہ بددعا، اور اسکے بعد کی روایت میں ہے کہ بعض لوگ ان کو لعن طعن کرنے لگے تو آپ نے ان کو اس سے روکا وہ پھر ان کے لئے استغفار کرنے لگے تو آپ نے استغفار سے بھی روک دیا، قال هو رجل اصاب ذنبا حسيبه الله، آپ کے استغفار نہ کرنے کی مصلحت ظاہر ہے تاکہ لوگوں کے لئے عبرت ہو اور لوگوں کے دل میں اس جرم کی شناعیت و نحوست پیدا ہو۔

آگے روایت میں ہے: ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم استنكه ماعزا، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز کے اقرار کے وقت نکتہ نہ فرمایا یعنی ان کے منہ کو سونگھا تاکہ معلوم ہو کہ سکران تو نہیں، کیونکہ سکران کا اقرار معتبر نہیں۔  
والحدیث اخرجہ مسلم بطوله، قال المنذری۔

كنا اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نتحدث ان الغامدية وما عن ابن مالك لورجعا بعد

اعترافهما او قال لولم يرجعا بعد اعترافهما لم يطلبهما، وانما رجمهما عند الرابعة۔

الفاظ حدیث کی شرح | یہ لفظ شک راوی کے ساتھ ہے کہ استاذ نے "لورجعا" کہا تھا یا "لومہ رجم" لیکن جزا دونوں کی ایک ہے "لم یطلبها" لہذا یہ جملہ محتاج تشریح و توجیہ ہے، اگر "لورجعا" ہے تب تو مطب

یہ ہے کہ گویا دونوں زنا کا اقرار کرنے کے بعد اس سے مطلقاً رجوع کر لیتے تو پھر آپ ان کو طلب نہ فرماتے بلکہ چھوڑ دیتے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے خلافاً لابن ابی لیلیٰ و ابی ثور۔ اور اگر یہ "لومہ رجم" ہے تو اس صورت میں مطب یہ ہو گا کہ اگر یہ ایک یا دو مرتبہ اقرار کرنے کے بعد آپ کی مجلس سے چلے جاتے اور اس کے بعد لوٹ کر نہ آتے تیسری اور چوتھی بار اقرار کے لئے تو آپ ان کو تکمیل اقرار کے لئے طلب کے لئے نہ فرماتے، کیونکہ اقرار جو معتبر ہے وہ چار مرتبہ کا اقرار ہے اور گویا آپ اور االسعد و استغفم پر عمل فرماتے۔

والحدیث اخرجہ النسائی بنحوه، قال المنذری۔



ان اللجلج ابابا اخبرہ انه كان قاعداً يعتمل في السوق فموت امرأة تحمل صبياً فثار الناس معها وشرت

فمن ثاروا نتميت الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انـ

**مضمون حدیث** خالد بن الجلاج کہتے ہیں کہ مجھ کو میرے باپ نے خبر دی کہ وہ بازار میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے، ایک عورت جس کے گود میں بچہ تھا گذری، لوگ اسکے ساتھ چل دیئے میں بھی اس کے پیچھے جانے والوں میں تھا یہاں

تک کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ آپ اس عورت سے دریافت فرما رہے ہیں کہ تیرے ساتھ جو یہ بچہ ہے اس کا باپ کون ہے؟ وہ خاموش رہی اس کے برابر میں ایک جوان بیٹھا تھا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ہوں اس کا باپ، اس کے بعد پھر آپ نے اس عورت کی طرف متوجہ ہو کر دوبارہ پوچھا کہ اس بچہ کا باپ کون ہے پھر وہی جوان بولا یا رسول اللہ! اس بچہ کا باپ میں ہوں، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ارد گرد جو لوگ تھے ان کی طرف دیکھ کر اس جوان کے بارے میں سوال کیا یعنی یہ کہ وہ صحیح العقل ہے مجنون تو نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک یہ ٹھیک ہی ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جوان سے پوچھا کہ تو محسن ہے؟ اس نے محسن ہونے کا اقرار کیا، آپ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم اس جوان کو لے کر چلے اور اس کے لئے گڈھا کھودا یہاں تک کہ ہم اس کے رجم پر قابو پا گئے، پس اس کا ہم نے رجم کر دیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا، کچھ دیر بعد ایک شخص اس مرتوم کے بارے میں دریافت کرتا ہوا آیا ہم اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور ہم نے عرض کیا کہ یہ اس خبیث کے بارے میں دریافت کر رہا ہے، اس پر آپ نے فرمایا۔

لهوا طيب عند الله عز وجل من ربيح المسك، کہ بخراہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے، فاذا هو ابوء، یعنی معلومات کرنے سے پتہ چلا کہ یہ اس مرتوم کا باپ ہے پس ہم نے اس کی مدد کی اس مرتوم کے غسل اور اس کی تکفین اور دفن میں، نماز کے بارے میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ روایت میں اس کا ذکر ہے یا نہیں۔

اس حدیث میں مرد کے رجم کے لئے حفر کا ذکر ہے، حاشیہ بذل میں ہے: فیه الحفر للرجل، وقال الموفق ۱۲۲ لا یحفر للرجل اجماعاً، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہ بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا ہوگا۔ والحدیث اخبرہ النسائی، قال الملت ذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً زنی بامرأة فامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فجلد

الحد، ثم اخبرته محسن فامر به فرجم،

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جلد رجم کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، ہاں اس کا عکس ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس صورت میں جلد متہ کفارہ ہو سکتا ہے تو رجم بطریق ادلی ہوگا مع زیادہ۔

**حدیث پر ایک اشکال** بذل میں اس حدیث پر ایک اشکال کیا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زانی کا جلد کرایا اور اس کا جواب

اسکا محسن ہونا معلوم نہ ہو سکی بنا پر پھر جب آپ کو خبر دی گئی کہ وہ محسن ہے تو آپ نے اس کا رجم فرمایا،

جس کا تقاضا یہ ہے کہ بدلہ کا وقوع خطا ہوا حالانکہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطا کے صدور کے بعد اس پر تمام اور برقرار نہیں رہتے (لایقر علی الخطا) وھذا اقرار علی الخطا، اور یہ اشکال علی مذہب الجھور ہے، اور جن علماء کے نزدیک جمع بین الجلد والرحم جائز ہے ان کے مسلک کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں، حضرت نے اس اشکال کا کوئی جواب نہیں تحریر فرمایا، بذل کی عبارت، وھذا اقرار علی الخطا پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: فیہ نظر لانه علیہ الصلاۃ والسلام علم خطاہ باخبار الناس اھ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطا پر قائم کہاں رہے، آپ تو اپنی خطا پر مطلع ہو گئے تھے لوگوں کے خبر دینے سے احمق کہتا ہے کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات اپنی جگہ درست ہے لیکن صاحب البذل کی مراد تو خطا سے تحقق الجلد مع الرحم ہے وھو خطا نلی مسلک الجھور لیکن اس کو اقرار علی الخطا نہیں کہا جائے گا اقرار علی الخطا تو تب ہوتا اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے محسن ہونے کی اطلاع نہ ہوتی اور اس زانی کا رجم نہ ہوتا تھا۔

## باب فی المرأة التي امر النبي صلى الله عليه وآله وسلم برجمها من جهين

کتاب حدیث میں زنا سے متعلق دو قصے زیادہ مشہور ہیں ایک ماعز بن مالک سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، دوسرا یہ واقعہ جس پر مصنف نے یہ مستقل ترجمہ قائم کیا ہے یعنی امراة جهينہ کا، احادیث میں اس عورت کی صفت غامدیہ بھی آتی ہے اور بارقیہ بھی، چنانچہ آگے کتاب میں آرہا ہے، قال الغسانی جہینہ وغامد وبارق واحد، اور حاشیہ بذل میں ابن الجوزی کی تفسیر ص ۳۶۲ سے نقل کیا ہے اسمہا سبیہ، قبیل اہیہ بنت فرج۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان امرأة من جہینۃ اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالت انھا زنت وھی حبلی الخ۔

**مضمون حدیث** یعنی اس امراة جہینہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے زنا اور پھر اس سے حمل کا اقرار کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے ولی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور جب اس کا وضع حمل ہو جائے تب اس کو لے کر آنا، چنانچہ وہ وضع حمل کے بعد اس کو لیکر آیا، آپ نے رجم سے پہلے ہدایت فرمائی کہ اسکے بدن کے کپڑوں کو اس پر اچھی طرح لپیٹ دینا جائے اور پھر آپ نے اس کا رجم کرا دیا، پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس پر نماز پڑھی جائے چنانچہ لوگوں نے اس پر نماز پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم اس پر نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ اہل مدینہ میں سے ستر آدمیوں پر (جہنوں نے کیا نیک کار تکاب کیا ہو) تقسیم کر دیجاتے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، اور بھلا اس سے افضل اور عمدہ بات کیا ہوگی کہ اس نے اپنے اختیار سے اپنی جان بخش دی۔

مصنف نے اس واقعہ کو متعدد طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ کہیں بتا ہوا اور کہیں اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، یہ پہلی روایت جس کے راوی عمران بن حصین ہیں تو مجمل تھی، اس کے بعد والی روایت میں تفصیل ہے جس کے راوی بريدة بن الحبيب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، چنانچہ اس کا مضمون یہ ہے کہ:

قبیلہ غامد کی ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی آکر اس نے اپنے زنا کا اقرار کیا آپ نے اس کو لوٹ جانے کا حکم فرمایا وہ اس وقت چلی گئی اور اگلے روز پھر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ شاید آپ مجھ کو لوٹاتے رہیں گے اسی طرح جس طرح ماعز بن مالک کو لوٹایا تھا میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں تجلی من الزنا ہوں، آپ نے اس وقت یہی فرمایا کہ لوٹ جا، چنانچہ وہ لوٹ گئی اور اگلے روز پھر تیسری مرتبہ آئی، اس مرتبہ آپ نے اس کو یہ فرما کر لوٹا دیا کہ وضع حمل کے بعد آنا چنانچہ وہ چلی گئی اور جب کچھ روز بعد وضع حمل ہو گیا تو وہ بچہ کو لیکر آپ کے پاس آئی آپ نے اس وقت یہ فرما کر لوٹا دیا کہ اسکو رودھ پلاتی رہ مدت رضاعت پورا ہونے کے بعد آنا، چنانچہ وہ فطام کے بعد اس کو لیکر پھر آئی جبکہ اس بچہ کے ہاتھ میں کوئی چیز کھانے کی تھی آپ نے بچہ کے بارے میں فرمایا کہ کوئی اس کو اپنی گود میں لے لے۔ فامربھا فحضرت لہا، وامربھا فرجمت، آپ نے پہلے اس کیلئے گٹھا کھودنے کا حکم فرمایا اور پھر اس کے بعد رجم کرنے والوں میں خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، رجم کرتے وقت خون کا ایک قطرہ ان کے چہرے پر پڑا اس پر انہوں نے اس کو کچھ سخت سست کہا، آپ نے سن کر فرمایا، مہلایا خالد فوالذی نفسی بیدہ لقد تابت توبیة لوتابہا صاحب مکس لغفرلہ، کہ اے خالد رکو، خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ صاحب مکس بھی کرے تو اس کی بھی بخشش ہو جائے اور پھر آپ نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس کے بعد دفن کر دی گئی۔

صاحب مکس سے مراد وہ عشار ہے جو ناجائز طریقہ سے عشر وصول کرے، یعنی ناجائز ٹیکس، کتاب الخراج کے شروع میں حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث مرفوعہ گندی ہے لایدخل الجنة صاحب مکس۔

والحدیث: اخرجہ سلم والنسائی وحدیث مسلم اتم من هذا، قال المنذری۔

عن ابی بکرۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رجم امراة فحضرت لہا انی اللہ ذوالا۔

یعنی آپ نے ایک عورت کے رجم کے لئے ایک گڈھا کھدوایا آدمی کے سیدہ تک۔ اور اس کے بعد کی روایت میں ہے۔

ثم، ما حایحصانہ مثل الحمصۃ ثم قال ارموا واتقوا الوجه، یعنی آپ نے اس کے رجم کی ابتداء کی چنے کے برابر کنکری سے اور پھر دوسرے لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ اب تم اس کا رجم کر دو یعنی رجم کے ذریعہ ہلاک کر دو، اور آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ چہرہ پر نہ مارا جائے۔

رجم جبلی سے متعلق چند اختلافی مسائل | ان احادیث میں چند مسائل ہیں اول یہ کہ حاملہ کا رجم وضع حمل کے بعد ہی کیا جائے یہ تو متفق علیہ ہے اب یہ کہ وضع حمل کے بعد رجم کب کیا جائے؟

امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ امام شافعی و احمد اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ جب تک رضاعت کا انتظام نہ ہو تو

رجم نہ کیا جائے، اور اگر کوئی پلانے والی نہ ہو تو پھر وہ عورت خود اس کو دودھ پلاتی رہے مدت رضاعت میں اور پھر فطام کے بعد اس کا رجم کیا جائے، اور امام ابوحنیفہ و مالک فی روایت یہ فرماتے ہیں کہ وضع حمل کے بعد رجم کیا جائیگا اور کسی مرضہ کے حصول کا انتظار نہیں کیا جائیگا۔ الی آخر ما ذکر۔ فی الہدایۃ: واذ ازنت الحامل لم تحض حتی تضع کیلا یؤدی الی ہلاک الولد ونفس محرمة وان کان حدھا الجلد لم یجلد حتی تتعالی من نفاسھا، وعن ابی حنیفۃ انه یؤخر الی ان یتغنی ولدھا عنھا اذا لم یکن احد لقیوم برسیۃ، لان فی التاخیر صیانة الولد عن الضیاع، وقد روی انه علیہ الصلاۃ والسلام قال للغامدیۃ بعد ما وضعت ارجعی حتی یتغنی ولدک اھ فی الدر المنثور ویقام علی الحامل بعد وضعھا الا قبلہ اصلاً، فان کان حدھا الرجم رجعت حین وضعت الا اذا لم یکن للمولود من یرسبہ، قال ابن عابدین قولہ الا اذا لم یکن الخ ہذہ روایت عن الامام اقصی علیہا صاحب المختار قال فی البحر ظاہرہ انھا صلی المذہب فی النہر ولعمری انہا من الحسن بمرکان، معلوم ہوا کہ حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں متن ہدایہ میں تو اسی کو اختیار کیا ہے جو حنفیہ کا مذہب امام نووی نے نقل کیا ہے، دوسری روایت اس میں جہور کے موافق ہے علامہ شامی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح قول یہی ہے یہ تو ہیں مذاہب ائمہ اور یہاں کتاب میں غامدیہ کے بارے میں دو مختلف روایتیں ہیں عمران بن حصین کی ظاہر روایت معلوم ہوتا ہے کہ رجم بعد الوضع فوراً کیا گیا اور بریدہ کی روایت میں فطام کی تصریح ہے، امام نووی اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فوجب تاویل الاولی الی الثانیۃ لتسققا، کذا فی البذل، اور اسکے برخلاف ابن البہام کی رائے ترجیح کی ہے کہ انہوں نے پہلی روایت کو اصح کہا ہے وقال لان فی الثانیۃ بشیرا فیہ مقال اھ من ہامش البذل۔

دوسرا مسئلہ یہاں پر حنفیہ کا ہے مجرم کے لئے، حافظ لکھتے ہیں: وعند الشافعیۃ لا یحفر للرجل، فی وجہ یتخیر الامام وهو ارجح لثبوتہ فی قصۃ ماعز، والمثبت مقدم علی النافی، فی المرأة اوجہ، ثابہا الاصح ان ثبت زناھا بالبیۃ استحب، لا بالاقترار، وعن الائمة الشافعیۃ فی المشہور عنہم لا یحفر: قال ابو یوسف والیٰ یؤخر یحفر للرجل والمرأۃ، اور ابن قدامہ نے امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مرد کیلئے حفر نہیں کیا جائے گا اور عورت کے بارے میں امام احمد کا ظاہری کلام یہ ہے کہ اس کے لئے بھی حفر نہ کیا جائے، اور پھر دوسرا قول وہی لکھا جو شافعیہ کے یہاں اصح ہے، فی الہدایۃ الرجل والمرأۃ فی ذلک سوار لان النفوس تشاہما، وان حفر لہا فی الرجم جائز لانہ علیہ السلام حفر للغامدیۃ الی شذوذہا، قال الباجی قال مالک لایحفر نمر جوم ولا سمحت احد ممن یشی یحب ذلک، وقال الشافعی یحفر للمرأة۔ الی آخر ما فی الا جزویہ، ان نقول سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حفر مطلقاً نہیں لا للرجل ولا للمرأة اور شافعیہ کے نزدیک مرد کے حق میں دو قول ہیں اثبات و نفی، والارجح الاول، اور عورت کے بارے میں تین روایتیں ہیں اثبات اور نفی تیسری روایت جو اصح ہے وہ وہی ہے جو اوپر گزری الفرق بین ثبوت الزنا بالاقترار وبالبیۃ۔ والحديث اخرجہ النسائی، قال المنذری

عن ابی ہریرۃ وزید بن خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما اخبراہ ان رجلیین اخصما الی رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہما وسلم فقال احدهما یا رسول اللہ افض بیننا بکتاب اللہ وقال الآخر۔ وكان افضھما اجلی یا رسول اللہ

فافض بیننا بکتاب اللہ وأذن لی ان اتکلم، قال تکلموا۔

## مضمون حدیث

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ وہ شخص۔ جن کا آپس میں جھگڑا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ، ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرما دیجئے، دوسرے نے کہا۔ جو ان میں زیادہ سمجھدار تھا۔ ہاں یا رسول اللہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے، اور مجھ کو اجازت دیکھئے کہ میں واقعہ بیان کروں۔

راوی نے ان دونوں میں سے ایک کو واقعہ قرار دیا یا تو اپنے علم سابق کی بنا پر کہ وہ ان دونوں کو پہلے سے جانتا تھا یا اس کے طرز کلام وغیرہ باتوں سے اندازہ لگایا اسلئے کہ اس نے اجازت طلب کی واقعہ بیان کرنے کی اور قاعدہ میں پورا واقعہ بیان کیا، واقعہ اس نے یہ بیان کیا کہ میرا بیٹا اس کے یہاں مزدوری پر لگا ہوا تھا کام کرتا تھا اس کو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کی نوبت آگئی، بعض لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کا رجم ہو گا تو میں نے رجم کے بدلہ میں بطور فدیہ کے اس شخص کو (مزنہ کے شوہر کو) سو بکریاں اور ایک باندی دیدی پھر میں نے دوسرے اہل علم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مجھے یہ بتلایا کہ میرے بیٹے کی حد تو جلد مرتہ اور تعزیر نام ہے اور رجم تو فی الواقع اس شخص کی بیوی پر ہے یہ سب کچھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ بخدا میں کتاب اللہ ہی کے مطابق فیصلہ کروں گا پھر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تیری بکریاں اور باندی تجھ کو واپس کی جاتی ہیں، اور آپ نے اسکے بیٹے کو سو کوڑے لگائے اور اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کیا، وامر انیساً الاسلامی ان یافت امرأۃ الاخذوا۔ اور آپ نے اپنے خادم انیس اسلمی کو حکم دیا کہ اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جلتے اگر وہ بھی اعتراف زنا کرے تو اس کا رجم کیا جلتے، چنانچہ اس نے اعتراف کر لیا اور اس کا رجم کر دیا گیا۔

## ایک اشکال مع جواب

یہاں پر ایک شہورہ اشکال ہے کہ آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا کہ اگر وہ اقرار زنا کرے تو اس کا رجم کیا جائے حالانکہ زنا کے بارے میں تو تجسس نہیں کیا جاتا بلکہ اسکے برخلاف تلقین مستحب ہے کہ جہاں تک ہو سکے حد کا ثبوت نہ ہو، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس واقعہ میں اس عسیف یعنی مزدور کے والد نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں یا آپ کے سامنے یہ کہا کہ میرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، اس کا یہ قول قذف اور تہمت کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا بغیر بیعت کے تھا لہذا اس صورت میں اس عورت کو معلوم ہونے کے بعد (کہ مجھ پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے) حد قذف کے مطالبہ کا حق پہنچتا تھا بشرطیکہ وہ زنا کا اقرار نہ کرے تو یہ آپ کا بھیجنا اس اعتبار سے تھا نہ اس اعتبار سے جو اعتراض میں مذکور ہے (کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کا رجم کر دیا جائے) انیس کو بھیجئے پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ تو کیل فی الحدود جائز نہیں حنفیہ کے نزدیک فنی الہدایۃ: وجوز الوکالۃ بالخصوصۃ فی سائر الحقوق وکذا بایا فایہا واستیفایہا الا فی الحدود والقصاص فان الوکالۃ لا تصح باستیفایہا مع غیبتہ الموکل عن المجلس



اس لئے کہ جو تو کیل ناجائز ہے وہ تو وہ ہے جو خود خصم کی جانب سے ہو، یعنی احد انحصار میں حد کے معاملہ میں دوسرے شخص کو کیل بنا کر قاضی کے پاس بھیجے استیفا کیلئے کیونکہ یہاں پر یہ صورت نہیں ہے، یہاں تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یعنی والی اور حاکم نے اپنے ایک آدمی کو حد کے بارے میں حاکم بنا کر بھیجا ہے اور یہ جائز ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی رجم الیہودیین

یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے امام شافعی و احمد اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام شرائط احسان سے نہیں، بخلاف حنفیہ و مالکیہ کے کہ ان کے نزدیک اسلام شرائط احسان میں داخل ہے اور حدیث الباب یعنی رجم الیہود میں کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیصلہ بحکم التوراة تھا یعنی حکم تیراۃ کے پیش نظر، یعنی اس وقت تک اسلام میں رجم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور توراة میں رجم کا حکم علم ہے محسن اور غیر محسن پر اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کے بارے میں آپ پر کوئی حکم نازل نہ ہوا ہوا اتباع بمافی التوراة کے مامور تھے، کذا فی البذل نقلاً عن الحافظ، چنانچہ آگے روایت میں تصریح آرہی ہے کہ فقال البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فانی احکم بمافی التوراة فامر بہا فرجما، قال الزہری قبلنا ان هذه الآیة نزلت فیہم انا انزلنا التوراة فیہا ہدی و نذیر بحکم بہا النبیین الذین اسلموا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منہم اور کوئی کتاب میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے: قوله رجم یہودی و یہودیہ، وكان تعزیر الشیوع الفخار فیما بینہم والا فالاحسان منتفہ ہوتا فلم یبق الا الجلد، وقد روئی فی الروایۃ من اشرك باللہ فلیسن محسن اہ اس صورت میں یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ یہ واقعہ ابتداء کا ہے اسلام میں حکم رجم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال ان الیہود جاؤ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فذكروا لہ ان رجلا منہم وامرأتا زنیا فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ماتجدون فی التوراة فی شأن الزناہ قالوا نفضحہم و یجلدون الخ۔

یعنی ایک مرتبہ کچھ یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور اگر ایک یہودی اور یہودیہ کے زنا کا ذکر کیا، آپ نے پوچھا کہ توراة میں زنا کا حکم کیا لکھا ہے! انہوں نے جواب دیا یہ ہے کہ انکو روکا گیا جائے اور کوڑے لگائے جائیں اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، توراة میں تو رجم کا حکم موجود ہے، وہ توراة اٹھا کر لائے اور اس کو کھولا ایک یہودی نے اس میں جس جگہ رجم کا ذکر تھا اس پر ہاتھ رکھ لیا اور آیت رجم کو چھوڑ کر اسکے ماقبل مابعد کو پڑھنے لگا، حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی، بعد میں کہنے لگے صدق یا محمد یا آیت رجم، آپ نے ان کے رجم کا حکم صادر فرمادیا، قال عبد اللہ بن عمر: فرأیت الرجل یحیی علی المرأة یقیہا الحجارة، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس مرد یہودی کو دیکھا کہ جھکا جا رہا ہے۔ یعنی رجم کے وقت۔ اس یہودیہ پر رجم سے بچانے کیلئے



کہ اس پر پتھر نہ پڑے۔ والحدیث اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیہودی

محمم فدعاهم فقال هكذا تجدون حد الزانی، قالوا نعم، فدعا رجلا من علمائہم الخ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کو ایک یہودی گذرا جس کا منہ سیاہ کیا گیا تھا، آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں زانی کی حد یہی ہے انہوں نے کہا ہاں یہی ہے اس پر آپ نے نکلے ایک عالم کو بلایا، یعنی عبدالرشید بن صوریہ کو، آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھ سے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر توراہ نازل کی کہ کیا توراہ میں زانی کی حد یہی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں نہیں، اور کہا کہ اگر آپ مجھ کو اتنی بڑی قسم نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتلاتا، بات یہ ہے کہ ہماری کتاب میں زنا کی حد توجم ہی ہے لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہو گئی تو ہوتا یہ تھا کہ اگر کوئی شریف (موزنا) آدمی زنا میں پکڑا جاتا تو اس کو ہم چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور اور کم حیثیت آدمی پکڑا جاتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ فقلنا

تعالوا لنتجمع علی شیء نقیمہ علی الشریف والوضیع فاجتہنا علی التحمیم والجلد وتوکننا الرجم،

بہارا مشورہ بعد میں یہ ہوا کہ آپس میں اتفاق رائے سے کوئی ایسی رجم کا جو بدل یہود نے اپنی طرف سے تجویز کیا

تو ہمارا اتفاق تحمیم اور جلد پر ہو گیا، یعنی زانی اور زانیہ دونوں کے منہ سیاہ کر دینا اور سو کوڑے لگانا۔ اور آگے روایت مفصلہ میں تجبیہ کا بھی ذکر آ رہا ہے اور اس کی تفسیر بھی وہ یہ کہ زانی اور زانیہ دونوں کو ایک گدھے پر سوار کیا جائے اور اس پر اس طرح بٹھایا جائے کہ دونوں کی پشت سے پشت مل جائے ایک کا چہرہ سواری کے رخ پر ہو اور دوسرے کا دوسری جانب، اور اس طرح ان کو گدھے پر سوار کر کے پورے شہر میں ان کو گھمایا جائے، اور جلد کے بارے میں ایک اور روایت میں اس طرح آ رہا ہے۔

یضرب مئة بحیل مطلی بقار، یعنی کوڑے کو تار کول میں تر کر کے مارا جائے، آپ نے اس کی یہ بات سن کر فرمایا: اللہم الخ اول من احیا امرک اذا ماتوہ کہ یا اللہ بیشک میں نے سب سے پہلے تیرے اس امر کو زندہ اور جاری کیا جس کو ان یہود نے ختم کر دیا تھا، اور پھر آپ نے رجم کا حکم فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: یا ایہا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر۔ الآیۃ والحدیث اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المنذری۔

اتی نفر من یہود فدعوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی القف فاتاھم فی بیت الیدرس،

یعنی چند یہودی آپ کے پاس آئے اور آپ کو دعوت دی وادی قف کی طرف جانے کی، چنانچہ آپ ان کے ایک مدرسہ میں گئے جس میں وہ توراہ پڑھتے پڑھاتے تھے، یہود نے آپ سے عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک مرد اور عورت کے زنا کا قصہ پیش آ گیا ہے اس میں فیصلہ فرمادیجئے اس موقع پر انہوں نے آپ کے لئے تکیہ بھی متگایا آپ کے ٹیک لگانے کے لئے، آپ نے وہاں بیٹھنے کے بعد فرمایا کہ میرے پاس توراہ لے کر آؤ چنانچہ اس کو لایا گیا، جب توراہ آپ کے سامنے آئی تو آپ نے اپنے نیچے

سے تکیہ نکال کر سامنے رکھ کر اس پر بڑے احترام کے ساتھ توراہ رکھی اور توراہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور اس ذات پر جس نے تجھ کو نازل کیا ہے اور پھر فرمایا آپ نے کہ اپنے کسی بڑے عالم کو میرے پاس لیکر آؤ، چنانچہ ایک جوان عالم کو لایا گیا، یعنی عبداللہ بن مہر یا۔

فقال بعضهم لبعض اذهبنا الى هذا النبي فانه نبى بعث بالتخفيف او۔

یعنی یہود میں ایک زنا کا واقعہ پیش آنے کے بعد آپس میں بعض نے بعض سے کہا کہ ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو کیونکہ ان کی شریعت میں تخفیف ہے، پس اگر وہ ہمیں رجم کے علاوہ کسی دوسری چیز کا فتویٰ دیں گے تو اس کو قبول کر لیں گے اور بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عذر پیش کر دیں گے کہ یہ بھی تیرے ایک نبی کا فتویٰ تھا چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں آئے جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرماتے اور اگر زنا کا حکم دریافت کیا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور کوئی کلام نہیں فرمایا بلکہ سیدھے ان کے مدرسہ پر پہنچے اور دروازہ پر سے ہنچکر ٹھہر گئے، امدان کو قسم دیکر پوچھا کہ توراہ میں زنا کا حکم تم کیا پاتے ہو جبکہ زانی محض ہو؟ انہوں نے تمیم اور تجبیہ اور جلد متہ کا ذکر کیا (یہاں روایت میں تجبیہ کی صورت بھی مذکور ہے جس کو ہم پہلے لکھ چکے) لیکن ایک نوجوان ان میں سے خاموش رہا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خاموش دیکھا انظیبه التشددة تو آپ نے اس کو قسم دیکر پوچھا، اس نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھ کو قسم دیکر پوچھا ہے (تو اب مجھے بتانا ہی پڑے گا اور پھر) اس نے بتلایا کہ توراہ میں رجم کا حکم ہے، تو آپ نے پوچھا کہ سب سے پہلے تم نے اس حکم کو کب ہلکا اور معمولی سمجھ کر چھوڑا، فما اول ما ارتد خصم امر الله تعالى، ای جعلتموه رخيصاً وسهلاً (تو ان) اس نوجوان نے اس کا منشاء یہ بتلایا کہ شروع میں ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ ہمارے بادشاہ کے کسی رشتہ دار نے زنا کیا تھا تو اس بادشاہ نے اس پر رجم جاری نہیں کیا، اس کے بعد عام لوگوں میں سے کسی شخص نے زنا کیا بادشاہ نے اس کے رجم کا ارادہ کیا اس پر اس کی قوم اگر حائل ہوگئی اور وہ لوگ کہنے لگے کہ جب تک تم اپنے آدمی کا رجم نہیں کرو گے ہمارے آدمی کا بھی رجم نہیں ہوگا، تو اس وقت میں رجم کے بجائے اس سزا پر باہمی اتفاق ہو گیا تھا، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم فاني احكم بما في التوراة فامر بهما فرجما۔

عزالي هريرة رضي الله عنه قال زني رجل وامرأة من اليهود وقت احصائهم۔

اس حدیث میں تجبیہ اور سو کوڑے تار کول میں الت پت کر کے لگانے کے اور تجبیہ کی صورت مذکور ہے، قال فیہ: قال ولم

یکونوا من اهل دينه فيحكم بينهم فحين في ذلك، قال (فان جائى لك فاحكم بينهم او اعرض عنهم) اس حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے اس پر مصنف مستقل ترجمہ قائم کر چکے ہیں کتاب القفار میں باب الحکم بین اهل الذمہ اور وہاں پر یہ لکھا جا چکا ہے

لہ اس سے استفادہ ہوا ہے کہ رجم کے لئے احسان یہود کے یہاں بھی شرط تھا، اس سے قبل حافظہ کے کلام میں گزرا ہے کہ ان کے یہاں شرط نہ تھا لیکن جہاں حافظ نے کہا ہے وہاں اسلام کی بحث چل رہی تھی ممکن ہے حافظ نے اسی لحاظ سے نفی کی ہو بلکہ یہی متعین ہے اور یہاں احسان سے بظاہر نکاح مراد ہے فلا تخالف۔

یعنی مسلمان قاضی کو دارالاسلام میں ذمہوں کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیے یا نہیں، امام مالک کی رائے اس میں تخییر کی ہے اور حنفیہ کے نزدیک مرافعہ کی صورت میں فیصلہ کا حکم ہے ویسے نہیں، اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہی یعنی وجوب عند المرافعہ، دوسرے یہ کہ مطلقاً واجب ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔۔۔ قال ائتونی باعلم رجلین منکم فاقوہ بابنی صوریاً۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ گذشتہ روایات میں جو لفظہ شباب یا بلقظہ اعلم رجل منکم آیا ہے اس سے مراد ابن صوری ہی ہے جیسا کہ وہاں شرح نے لکھا ہے، اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ ثبوت زنا کے لئے توراہ میں بھی چار آدمیوں کی شہادت معتبر تھی جس طرح ہمارے یہاں ہے، اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ توراہ میں بھی ثبوت زنا کیلئے صریح الفاظ کا ہونا مذکور ہے قال فما یمنعکما ان ترجموهما، قال لا، ذهب سلطاننا فکرمنا القتل، آپ نے پوچھا کہ تم نے رجم کو کیوں ترک کر دیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہماری حکومت اور زور کیونکہ ختم ہو گیا اسلئے قتل کی سزا کو ہم نے پسند نہیں کیا کہ اور قلت اور پس ماندگی کی طرف آجائیں گے۔ والحدیث اخرجه ابن ماجہ مختصراً، قال المتذری۔

### باب فی الرجل یزنی بحریبہ

اور اسکے بعد باب آرہا ہے "باب الرجل یزنی بحاریبہ امرئہ" ہر دو باب کے ذیل میں مصنف جو حدیث لائے ہیں وہ حنا بلہ کا مستدل ہے، مصنف بھی جنہلی ہیں۔

مذاہب ائمہ اگر کوئی شخص اپنی محرم عورت سے نکاح کرے تو امام احمد کے نزدیک یہ ہے انہ لقتل کما فی حدیث الباب، اور شافعیہ مالکیہ کے یہاں اس پر حسب ضابطہ عدہ جاری ہوگی (محسن ہونی کی صورت میں رجم اور غیر محسن ہے تو جلد) اور یہی رائے ہے ما جمین کی، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں تعزیر ہے اشد التعزیر لاجل الشبہ بسبب النکاح، اگرچہ نکاح صحیح نہیں، والحدیث محمول عندنا بحیث علی المستحل، فلذا قتل لاجل الارتداد۔

من البرام بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینما انا اطوف علی اہل لی ضلت اذا قبل ركب او فوارس معهم لواء اہل  
مضمون حدیث حضرت برابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اونٹ جو کہ گم ہو گئے تھے ان کو تلاش کرتا ہوا پھر رہا تھا اچانک سامنے سے ایک جماعت سواروں کی آتی ہوئی نظر آئی جن کے ساتھ جھنڈا بھی تھا جس سے معلوم ہوا کہ یہ دستہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا ہے کیونکہ جھنڈا امارت کی علامت ہے) بہت سے اعراب اور بدری میرے ارد گرد جمع ہو گئے میرے اس مرتبہ اور قرب کی وجہ سے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تھا، اچانک وہ دستہ گھوڑ سواروں کا ایک قبہ میں پہنچا اور اس میں سے ایک مرد کو نکال کر لایا اور اس کی گردن مار دی، یہاں اس روایت کے سیاق میں کچھ تقدیم و تاخیر معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ نجل الاعراب کا تعلق جملہ سابقہ اذا قبل ركب سے کچھ نہیں ہے اسی طرح آگے اذا تواقتہ۔

میں ضمیر فاعل اقرب یعنی اعراب کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے بلکہ اس کا تعلق رکب سے ہے،  
اس روایت کے سیاق اور الفاظ میں کافی اختلاف ہے ترمذی نسائی وغیرہ کی روایات میں جیسا کہ بذیل میں مذکور ہے  
فساکت عنہ۔ حضرت برابر فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے اس قتل کا سبب معلوم کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اس شخص نے  
اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا تھا، یعنی زمانہ جاہلیہ کے دستور کے مطابق کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اپنی مادر سے  
نکاح کر لیتا تھا، غالباً اس نے بھی ایسا جائز اور حلال سمجھ کر کیا جس کی وجہ سے مرتد ہو گیا، وفي اللباب والترجم ۲۲۲۔  
فی باب رجم المحسن قال الحافظ واشهر حدیث فی الباب حدیث البراء لقیث عالی ومع الراية فقال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم الی رجل تزوج امرأة ابیه ان اضرب عنقه۔ اخرجه احمد واصحاب السنن وفي سننه اختلاف کثیرا قال ابن قدامة وان  
تزوج ذات محرم فالنکاح باطل بالاجماع، فان وطئها فعليه الحد فی قول اکثر اهل العلم منهم الحسن و مالک والشافعی وابویوسف  
ومحمد واسحاق، وقال ابو حنیفة والثوری لا حد علیه لانه وطئ تمکن الشبهة منه فلم یوجب الحد، ثم قال واذ اثبت هذا فاختلف  
فی الحد فروی عن احمد انه یقتل علی کل حال والروایة الثانية حده حد الزانی وبه قال الحسن و مالک والشافعی بعموم الآیة والخیر والقول  
فیمن زنی بذات محرمه من غیر عقد كالقول فیمن وطئها بعد العقد۔ الی آخریابسط۔ وفي الهدایة: ومن تزوج امرأة لا یكمل له نکاحا فوطئها  
لا یجب علیه الحد عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ۔ لکنه یوجب عقوبة اذا کان علم بذلك، وقال ابو یوسف ومحمد والشافعی علیه الحد اذا کان  
عالمًا بذلك لانه عقد لم یصادف محله فیلغواہ، معلوم ہوا اس مسئلہ میں تین مذہب ہوئے ایک امام احمد کا یعنی تثل جیسا کہ حد الباب  
میں ہے، دوسرا امام مالک شافعی اور صاحبین کا کہ اس پر حد زنا ہے، اور تیسرا امام صاحب کا کہ اس میں تعزیر ہے، اور موثق  
کے کلام میں یہ بھی گند چکا کہ اس مسئلہ میں نکاح اور عدم نکاح سب برابر ہے، یعنی خواہ یہ وطئ عقد کے بعد ہو یا بغیر عقد کے  
لیکن یہ موثق کے کلام میں ہے جو منسل ہیں لیکن ہمارے یہاں یہ اسی صورت میں ہے جب وطئ بعد العقد ہو اسلئے کہ مشہد تو عقد ہی  
کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اسی لئے حد ساقط ہوتی ہے، اور اگر بغیر عقد کے اس سے وطئ کی تو حد جاری ہوگی چنانچہ شاہی میں ہے تزوج  
امرأة ممن لا یكمل له نکاحا فوطئ بہا لا حد علیہ وان فعله علی علم یحد ایضا ویوجب عقوبة فی قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ، وقال  
ان علم بذلك فعليه الحد فی ذوات المحارم اھ اسی طرح در مختار میں ہے ولا حد ایضا بشبهة العقد ای عقد النکاح عند الامام  
کو طئ محرم نکحہا، وقال ان علم المحرمه حد وعلیہ الفتوی۔

جمہور کی طرف سے حدیث کا جواب اوپر گند چکا کہ ان کے نزدیک یہ مستعمل پر محمول ہے، اور جمہور کے مذہب کی دلیل آیت کریمہ  
ہے۔ الزانیة والزانی فاجلدوا الآیة، اور ایسے ہی وہ حدیث جو شروع میں گند چکی الشیب بالشیب جلد مائة والرحم الحدیث  
کیونکہ یہ نکاح باطل اور کالعدم ہے لہذا زنا ہونا اس پر صادق آیا۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی ولکن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب في الرجل يزوج بجارية امرأته

عن حبيب بن سالم ان رجلا يقال له عبد الرحمن بن حنين وقع على جارية امرأته فزجج الى النعمان بن

بشير رضي الله تعالى عنه - وهو امير على الكوفة فقال لا قضين فيك بقضية رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم  
يعني جس شخص نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی تھی اسکے بارے میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے فیصلہ کے مطابق اپنا یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی سے معلوم کیا جائے اگر وہ یوں کہے کہ میری طرف سے اس وطی کی اجازت ہے تب تو  
جلد مہر اس کی سزا ہوگی اور اگر اس کی طرف سے اجازت نہ ہو تو پھر اس کی سزا رجم ہے، چنانچہ اس کی بیوی سے معلوم کیا گیا تو اس نے  
کہا کہ میری طرف سے اجازت تھی چنانچہ اس کے سزا کوڑے لگائے گئے۔

**مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ** | اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ یہ ہیں کہ امام احمد کا مسلک تو وہی ہے جو حدیث الباب میں ہے  
یعنی ایک صورت میں صرف جلد اور ایک صورت میں رجم، اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک

حسب ضابطہ حد جاری ہوگی تحلیل اور عدم تحلیل کا اعتبار نہیں، اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے اس کو طالی سمجھ کر کیا ہے تب  
تو حد ساقط ہو جائیگی لاجل الشبهة، البتہ تعزیر کا مستحق ہوگا اور اگر وطی حرام سمجھنے کے باوجود کی ہے تب اس پر حد ہوگی،  
جمہور کی جانب سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی فرماتے ہیں اس کی سند میں اضطراب ہے، نیز خطابی فرماتے ہیں کہ

یہ حدیث غیر متصل ہے، وفي الاوجز ص ۱۰۵ حدیث النعمان بن بشیر ضعف الحدیث، قال الترمذی فی اسنادہ اضطراب سمعت محمدا  
یعنی البخاری۔ يقول لم يسمع قتادة من حبيب، و ابو البشر لم يسمع ايضا من حبيب بن ابی ثابت، و سألت محمد بن اسماعيل عنه  
فقال انا اتفق هذا الحديث (وفي المنذرى، انا اتفق هذا الحديث) وقال النسائي هو مضطرب كما حكاه عنه ابن القيم في الهدى وكذا ضعفه  
البيهقي وغيره، والحديث الذي ذكره ابن عبد البر اخبره ابو داود عن سلمة بن الجحج، قال النسائي لا يصح هذا الحديث، وقال ابو داود سمعت  
احمد بن حنبل يقول الذي رواه عن سلمة بن الجحج لا يعرف - الى آخره في الاوجز ص ۱۰۵، یہ سلمة بن الجحج کی حدیث آگے کتاب میں آ رہی ہے

عن سلمة بن المحبق ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قضى في رجل وقع على جارية امرأته: ان

كان استكرهها فهي حرة وعليه لسيدتها مثلها، وان كانت طوعته فهي له وعليه لسيدتها مثلها،

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر اس نے اس  
باندی کے ساتھ وطی جبڑا کی ہے تب تو وہ باندی آزاد ہو جائے گی اور اس وطی کے ذمہ اس جاریہ کی سیدہ کے لئے ضمان میں اس  
جیسی باندی واجب ہوگی، اور اگر اس نے اس جاریہ کے ساتھ وطی اس کی رضا مندی سے کی ہے تو وہ باندی وطی کے لئے ہو جائے گی  
اور اس وطی پر اس جیسی باندی واجب ہوگی سیدہ کے لئے، اس حدیث کے بارے میں خطابی فرماتے ہیں لا اعلم احد من الفقهاء يقول  
به، وفيه امور مخالف للاصول الی آخره فی البذل۔ یعنی اس حدیث کا کوئی فقہی قائل نہیں، اور اس میں بہت سی چیزیں اصول کے خلاف



پائی جا رہی ہیں، اور حاشیہ بذل میں ہے: واما ابن القیم فی الہدی ص ۱۱۱ الی تصحیح ہذا الحدیث وقال قواعد الشرع تقتضیہ وضعف حدیث سلمۃ بن الجحیم الآتی ولبسط الکلام علیہا۔

حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث سلمۃ بن الجحیم اخرجہ النسائی وقال لا یصح هذه الاحادیث وحدیث الحسن اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فیمن عمل عمل قوم لوط

**مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ**  
 لواطت عند الجہور زنا کے حکم میں ہے لہذا اس پر حد زنا جاری ہوگی، پس اگر محسن ہے تو رجم ہوگا اور اگر غیر محسن ہے تو جلد، امام شافعی اور صاحبین کا مسلک یہی ہے، اور امام مالک کے نزدیک اس کی حد مطلقاً رجم ہے، اور امام احمد کی اس میں دو روایتیں ہیں ایک مثل امام مالک کے یعنی مطلقاً رجم، اور دوسری مثل شافعی کے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک لواطت زنا کے حکم میں نہیں اسی لئے ان کے نزدیک اس میں صرف تعزیر ہے، و فی حاشیہ الترمذی من عمل قوم لوط فلا حد علیہ عند ابی حنیفہ ولکن یعزر و یسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطہ قتله الامام مصنفان کان او غیر محسن سیاستہ، وقالوا ای الصحابہ انہم لیسوا بکفار بل لیسوا بکفار لان الصحابہ اختلفوا فی وجوبہ و منہم من اوجبہ التحریق بالنار و منہم من قال یمہدم علیہ بجدارہ و منہم من نکسہ من مکان یرتفع مع اتراح الحجارة، فلو کان زنا او فی معناه لم یختلفوا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من وجد تبواً یعمل عمل

قوم لوط فاقتلوا الظاعن والمفعول بہ، اور اسکے بعد والی روایت میں اس طرح ہے: عن ابن عباس فی البکر یوجد علی اللوطیۃ

قال یوجہم، پہلی حدیث مرفوعہ تھی اور یہ موقوف، نیز پہلی روایت میں قتل کا لفظ تھا اور اس میں رجم، قال ابو عوف حدیث

عاصم یضعف حدیث عمرو بن ابی عمرو، یہ عبارت یہاں بے محل ہے، عمرو بن ابی عمرو اور عاصم دونوں کی حدیثیں آئندہ

باب باب من اتی بہیمۃ میں آ رہی ہیں، حافظ منذری نے بھی اس پر یہ اشکال کیا ہے، عمرو بن ابی عمرو کی حدیث تو یہ ہے۔

عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اتی

بہیمۃ فاقتلوا وقتلوا معہ، اور عاصم کی حدیث اس طرح ہے:

عن ابی رزین عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لیس علی الذی یاتی البہیمۃ حد۔

دونوں میں مخالفت ظاہر ہے کہ پہلی حدیث میں اتیان بہیمہ کی سزا مذکور ہے یعنی قتل اور دوسری حدیث میں مطلقاً حد کی

نفی ہے، نیز یہ دوسری ابن عباس کی حدیث موقوف ہے گویا ان کی اپنی رائے اور فتویٰ ہے، اسی لئے مصنف نے فرمایا کہ حدیث

عاصم سے حدیث عمرو کی تضعیف ہو رہی ہے، ہماری یہ بات حافظ منذری کی تو رائے کے موافق ہے لیکن حضرت گنگوہی کی تفسیر یہ



میں کچھ اور ہے اور ان کی رائے میں یہ قال ابو داؤد بے محل نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل عمرو بن ابی عمرو کی دو حدیثیں ہیں ایک پہلے باب میں جس میں لواطت کا ذکر ہے اور ایک عمرو بن ابی عمرو کی حدیث وہ ہے جو آئندہ باب . باب لعین اتی بہیمہ میں آ رہی ہے تو حضرت نے مصنف کے کلام میں عمرو بن ابی عمرو کی حدیث سے پہلے باب والی حدیث مراد لی جس کا مضمون یہ ہے کہ لواطت میں فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دیا جائے، اور عاصم کی حدیث کا مضمون یہ ہے جو ابن عباس کا اپنا قول ہے لیس علی الذی یاتی البہیمہ حد، تو حضرت فرماتے ہیں کہ جب ابن عباس کے نزدیک اتیان بہیمہ کی صورت میں حد نہیں ہے تو پھر ان کے نزدیک لواطت میں بھی حد نہ ہونی چاہیے اسلئے کہ قضاۃ الشہوۃ فی غیر محل المحرث دونوں جگہ پایا جا رہا ہے، لہذا پہلے باب کی حدیث ابن عباس کی رائے کے خلاف ہوئی اور گویا اس دوسری حدیث نے اگر پہلے باب کی حدیث کی تضعیف کر دی، لیکن ہمارے نزدیک ظاہر شرح کی ہی رائے ہے، منذری وغیرہ کی اور اس کتاب میں یعنی سنن ابی داؤد میں اور بھی بعض جگہ ایسا ہوا ہے کہ قال ابو داؤد کا ذکر فی غیر محل ہو ہے ہمارے ذہن میں اس کی نظائر ہیں ایک جگہ کتاب الحج میں ایسا ہوا ہے اور ایک جگہ کتاب الصلاۃ میں . ابواب صلاۃ الخوف واللہ تعالیٰ اعلم۔

### باب من اتی بہیمۃ

اس باب کی دونوں حدیثیں اس سے پہلے والے باب میں نقل ہو چکیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص کسی حیوان کیساتھ بد فعلی کرے اس کو اور اس جانور دونوں کو قتل کر دو، اور پھر شاگرد کے دریافت کرنے پر قتل حیوان کی مصالحت حضرت ابن عباس نے یہ بیان فرمائی کہ شاید اسلئے کہ آپ کو یہ پسند نہیں کہ ایسے جانور کا لحم کھایا جائے جس کے ساتھ یہ گندہ فعل کیا گیا ہے۔ شرح نے اسکی اور بھی مصالحت لکھی ہیں مثلاً یہ کہ کہیں ایسا نہو اس فعل کے بعد اس جانور کے اس قسم کا بچہ پیدا ہو جو اس جانور کے مشابہ ہو، اور کہا گیا ہے اسلئے کہ اگر وہ جانور زندہ رہا تو جب بھی اس پر نظر پڑے گی تو اس فعل کا تصور اور ذکر تذکرہ ہوا کہتے گا۔ اور اس فاعل کی شرمندگی کا باعث ہوگا۔

اسکے بعد جانتا چاہیے کہ اتیان بہیمہ میں جہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مذہب صرف تعزیر ہے کسی کے نزدیک اس میں حد نہیں، چنانچہ بذل میں ہے، فذهب الائمة الاربعۃ الی ان ابن اتی بہیمۃ یعزرو لایقتل، والحدیث جمول علی الزجر والتشدید لیکن حاشیۃ بذل میں ہے کہ امام احمد کی ایک روایت میں اس کا حکم مثل لواطت کے ہے کافی الہدی للابن القیم

لہ اسلئے کہ حضرت قدس سرہ عمرو بن ابی عمرو کی حدیث سے پہلے باب والی حدیث مراد ہے یہ ہے تو مصنف اس کی تضعیف کیسے کر سکتے ہیں اسلئے کہ مصنف عمرو بن ابی عمرو کی پہلی حدیث کی تو اس کے متابعات اور دوسرے طرق کے ذریعہ پہلے باب میں تقویت بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ مصنف دہاں کہہ چکے ہیں قال ابو داؤد رواہ سلیمان بن بلال عن عمرو بن ابی عمرو مثلاً، ورواہ عمار بن منصور عن حکمر بن عمار بن عباس رقعہ، ورواہ ابن جریر عن ابن ابراہیم عن داؤد بن الحصین عن حکمر بن عمار بن عباس رقعہ۔ معین نظر احکام القرآن ص ۲۳۲

## باب اذا اقر الرجل بالزنا ولم تقرر المرأة

ان رجلاً اتاه فاقرب عنده انة زنى بامرأة سمعها له الخ۔

یہ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوعہ ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر ایک عورت کا نام لے کر اس کے ساتھ زنا کا اقرار کیا، آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کرایا اس نے زنا کا انکار کیا تو اس پر آپ نے اس زانیہ مقررہ جلد کی حد جاری کرانی (وہ غیر محض ہوگا) اور عورت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کوئی تعرض نہیں فرمایا، بظاہر اس لئے کہ اس نے حد قذف کا مطالبہ نہ کیا ہوگا، اگر مطالبہ کرتی تو اس زانیہ پر حد قذف بھی جاری کی جاتی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے قذف کا مطالبہ کیا ہو اور اس شخص پر حد قذف بھی جاری کی گئی ہو لیکن راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا (بذل، بدل میں تو صرف اتنا ہے،

لیکن حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں ترجمہ الباب والے مسئلہ میں جمہور اور حنفیہ کا مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ

اختلاف نقل کیا ہے وہ یہ کہ اس صورت میں اقرار کرنے والے پر حد جمہور اور صاحبین کے نزدیک ہے اور امام صاحب کے نزدیک حد نہیں، چنانچہ درمختار میں ہے: وثبت ایضاً باقرارہ صریحاً صاحباً ولم یکن ذہب الاخر، قال ابن عابدین <sup>صلی</sup> فلو اقر بالزنا یقلانہ فکذبہ درى الحدیث سوار قالت تزوجتی، اولاً اعرفه اصلہ.... وان اقرت بالزنا یقلان فکذبہا فلا حد علیہا ایضاً عندہ خلافاً لہما فی المسئلین (محر) اور دوسرے مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ عورت کے انکار کے بعد حد قذف مرد پر جاری ہوگی یا نہیں تو اوپر بذل الجمہور سے گذر چکا کہ یہ اس کے مطالبہ پر موقوف ہے کہ اگر مطالبہ کرے گی تو حد قذف بھی جاری ہوگی ورنہ نہیں، اس میں دوسرے ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے: قال ابن القیم فی الحدیث امر ان احدہما وجوب الحد علی الرجل وان کذبہ المرأة خلافاً لابن حنیفہ انہ لا یحد، والثانی لا یوجب علیہ حد القذف، وحدیث ابن عباس الا انی منکر ان اس سے معلوم ہوا کہ حنا بلہ کے نزدیک اس صورت میں مرد پر حد قذف نہیں ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو روایت

یہاں کتاب میں آگے آرہی ہے اس میں یہ ہے ان رجلاً سمع بئیی مکن بن لیث اقی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

فاقرانہ زنی بامرأة اربع مرات، فجلدها مثقہ وكان یکرہ۔ ثم سألہ البینة علی المرأة فقالت کذب والله ینا رسول الله فجلده حد الفریقة ثمانین، حنا بلہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں حد قذف نہیں ہے اس لئے ابن قیم نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث منکر ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، دوسرے ائمہ کے مذاہب اس میں باقی ہیں، امام نووی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے

لہ یعنی اگر مرد یہ اقرار کرے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر حد زنا جب جاری ہوگی جب وہ عورت اس کی تصدیق کرے ورنہ نہیں، اسی طرح عورت کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرے کہ فلاں مرد کیساتھ میں نے زنا کیا ہے لیکن مرد اس کی تکذیب کرتا ہے تو عورت پر بھی حد زنا جاری ہوگی، اور صاحبین جمہور کے نزدیک دونوں مسئلوں میں اقرار کرنے والے پر حد جاری ہوگی۔ خواہ دوسرے اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔

کہ شافعیہ کے یہاں بھی اس صورت میں حد قذف ہے اس لئے کہ امام نووی نے "وامرانیس الاسلمی ان یاتی امرأة الآخر کی شرح میں جو اشکال نقل کیے ہیں کہ حد زنا میں تحس نہیں ہوتا اور پھر اس کا جو جواب دیا ہے کہ یہ بھی جتنا اقامت حد کے لئے نہیں تھا بلکہ اس صورت کو یہ بتلانے کے لئے کہ فلاں شخص نے تجھ پر زنا کی بہمت لگائی ہے تو اگر تو اسکا انکار کرتی ہے تو تیرے لئے حد قذف کے مطالبہ کا حق ہے، اور پھر اسکے بعد وہ فرماتے ہیں: وقد اخرج ابو داؤد والنسائی عن ابن عباس الخ۔ یعنی وہی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی، اسکے بعد کہتے ہیں: وقد سکت علیہ ابو داؤد وصحیح الحاکم واستنکرہ النسائی، اس سے شافعیہ کا مذہب بھی معلوم ہو گیا، کہ ان کے نزدیک بھی اس صورت میں حد قذف ہے جس طرح حنفیہ کے نزدیک ہے لیکن حنابلہ کے نزدیک نہیں ہے۔

### باب فی الرجل یصیب من المملکة ما دون الجماع فیتوق قبل ان یاخذہ الاما

قال عبد الله جاز رجل الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال اني عالجت امرأة من اقصى المدينة فاصبت

منها ما دون ان أمتها الخ۔

**مضمون حدیث** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے منہلتے مدینہ پر یعنی یہاں مسجد نبوی سے بہت دور فاصلہ پر ایک عورت کو

چھیڑا اور سوائے جماع کے میں اسکے ساتھ سب کچھ کر گزارا، لہذا میں حاضر ہوں جو سزا آپ مجھے کو دینا چاہیں وہ دیں، وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے وہ فرماتے لگے کہ اگر تو اس معاملہ کو راز ہی میں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فاش نہیں کیا تھا

تو زیادہ بہتر تھا، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور وہ آدمی چلا گیا (اسی اشار میں آپ پر وحی نازل ہوئی) تو آپ نے ایک آدمی کے ذریعہ اس شخص کو بلایا اور اسکے آنے کے بعد آپ نے اس کو یہ آیت سنائی "اتم الصلوة طرفی النهار ورتقا

من اللیل، ان الحسنات یذہبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین" جس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا یہ گناہ اس کے اعمال حسنہ کے طفیل میں معاف ہو گیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ حکم یعنی معافی کی بشارت صرف

اسی شخص کے لئے ہے یا سب لوگوں کے لئے؟ آپ نے فرمایا "بل للناس كافة" کہ سب کے لئے۔

اس صاحب واقعہ کے نام میں "بذل" میں لکھا ہے قیل هو ابو الیسر، وقیل نبهان التمار، وقیل عمر بن غزیرہ، اور حاشیہ

بذل میں ہے: وہ جرم صاحب التلیق ۳۶۷ اذ قال هو ابو الیسر کعب بن عمرو النصارى وقال النووی فی الاسمار واللغات ۳۱۱ ابو الیسر

او عمر بن غزیرہ، وبسط الحافظ الاختلاف فی اسمہ وجملة علی التعدد، وكذا ذکر اختلاف الفاظ الروایة فی ذلک، انہ نیز بذل میں ہے۔

فقال رجل من القومہ کی شرح میں وہی روایت البخاری قال رجل اتی ہذا، وظاہرہ ان صاحب القصة هو السائل، وہی

روایت عند مسلم: فقال یا رسول اللہ آلہ وحدہ وللدراقطنی مثله ویحمل علی تعدد السائلین، قالہ الحافظ۔

والحدیث اخرہ مسلم والترمذی والنسائی، قالہ المذری۔

## باب فی الامۃ تزنی ولم تحصن

جاتا چاہیے کہ عبد اور امہ کی حد پچاس کوڑے میں خواہ وہ بکر ہوں یا شیب عند الامۃ الاربعۃ، کیونکہ حریتہ شرائط احصان میں سے ہے لہذا ان کا رحم کسی حال میں نہ ہوگا، اور بعض علماء جیسے ابو ثور کا اس میں اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں غیر شادی شدہ ہیں تب تو ایسا ہی ہے اور اگر شادی شدہ ہوں تو رجم ہوگا ان دونوں کا بھی، اسلئے کہ حریتہ ان کے نزدیک شرائط احصان سے نہیں ہے کما فی الاوجز، یا یہ کہئے کہ غلام اور باندی کا احصان ابو ثور کے نزدیک یہی ہے کہ وہ شادی شدہ ہوں اسکے بعد اب آپ حدیث الہاب کو لیجئے۔

عن ابی ہریرۃ وزید بن خالد الجهنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سئل عن الامۃ اذا زنت ولم تحصن، قال ان زنت فاجلدوها ان

شرح الحدیث من حیث الفقہ | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس باندی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے زنا کیا اور حال یہ کہ وہ محصنہ نہیں تھی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ زنا کرے تو اس کے کوڑے لگائے جائیں، اور اگر پھر زنا کرے تب بھی کوڑے لگاؤ، روایت میں اسی طرح تین مرتبہ ہے اور آگے یہ ہے کہ اگر اس کے بعد بھی زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے ہی کے بدلہ میں ہو۔

ضمیر یعنی شعر مضمون، بٹے ہوئے بال جس سے رسی کا کام لیا جاتا ہو، یہاں پر یہ مشہور اشکال ہے کہ اس باندی کی بیع اس حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ ہے لایون احدکم حتی یرضی لاضیہ ما یرضی لنفسہ، کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے تو جب وہ اس باندی کو اپنے لئے پسند نہیں کر رہا ہے تو جس کے ہاتھ اس کو فروخت کر رہا ہے اس کے لئے کیوں پسند کر رہا ہے، اس کا اولاً جواب تو یہ ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ دوسرا خود اس کو اپنے لئے پسند نہ کرے اور جب مشتری خود اس کو پسند کر رہا ہے باوجود اس عیب کے، اسلئے کہ بیع میں بیع کے عیب کا اظہار ضروری ہے کما یرشیر الی قولہ ولو یضیر، تو پھر اس میں اس حدیث کی مخالفت نہیں، اور دوسرا حجاب اس کا یہ دیا گیا ہے ان لتبدل الایدی وغلانی ازالۃ ہذہ الخصال کہ یہ ضروری نہیں کہ اگر اس جا رہے تو اس فاحشہ کے ارتکاب کی جرأت اس مالک کے یہاں ہو ہی ہے تو دوسرے مالک کے یہاں جا کر بھی اس کی جرأت ہو، کذا فی ہامش البذل عن الکوکب الدردی، وفيہ ایضاً: واجاب عنہ الحافظ ۱۳۴۔ بوجہ اخر۔

عہ اس میں اور دوسرے علماء کا اختلاف ہے ینظر التفصیل فی الاوجز ص ۲۔

لہ یہ امر با بیع عند مجہور استحباب کے لئے ہے وذلک من الزمۃ انہ للوجوب وکن تسخیر (کذا فی البذل) و فی ہامش: و بالوجوب زعم داؤد کما قال

النووی ص ۲۔

اس حدیث میں اذانت ولم تعصن ہے، اس لم تعصن کی قید سے معلوم ہوتا ہے بطور مفہوم مخالف کہ اگر باندی محصنہ ہو تو پھر اس کا یہ حکم یعنی جلد نہیں ہے بلکہ رجم ہوگا، اور یہ بات ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف ہے ہاں ابو ثور کی اس سے تائید ہوتی ہے جن کا اس مسئلہ میں قبہور سے اختلاف ہے، اس کے قبہور کی طرف سے متعدد جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ لفظ اس حدیث میں شاذ ہے صرف امام مالک کی روایت میں ہے قالہ شرح الموطا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں اور یا یہ کہا جائے کہ احصان سے مراد اس جگہ عتق ہے یا عفت، اس لئے کہ احصان چار معنی میں مستعمل ہے، العفة، التزوج، العتق، الاسلام والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ الممتذی۔

اگے بعد والی حدیث میں یہ زیادتی ہے، قال فی کل مرة فلیضی بها کتاب اللہ ولا یثرب علیہا، یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ ہر مرتبہ اس کے زنا کے بعد کتاب اللہ کے مطابق اس کی پٹائی کرے یعنی حد اس پر جاری کی جائے، قال تعالیٰ فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ اور اس سے پہلی روایت میں ولا یثرب علیہا مکمل ہے، ولا یعیرھا ہے، بذل میں لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس کو سزا دینے میں صرف تعیر اور سب شتم پر اکتفا نہ کرے، بلکہ حد قائم کرے، وقیل المراد الہنی عن التثریب بعد الجلد فان الجلد صارت كفالة (بذل) والحدیث اخرجه البخاری وسلم والنسائی بخ، قالہ الممتذی۔

**حدیث الباب میں ایک اور اختلافی مسئلہ** | اس حدیث میں جو یہ آیا ہے۔ اذانت امة احدکم فلیحدھا علی ما ملکت ایمانک من ائمة ثلاث نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مولیٰ کو اپنے مملوک پر حد قائم کرنے کا حق ہے، حنفیہ کے نزدیک غیر امام کو اقامت حد کا حق نہیں ہے اسی لئے وہ اس حدیث کو تسبیب پر محمول کرتے ہیں ای لیکن سبباً بجلدھا رافعال اللام یعنی یہ مطلب نہیں کہ خود حد جاری کرے بلکہ حسب قاعدہ حد جاری کرنا مراد ہے، حنفیہ کا استدلال اس روایت سے ہے جو ابو موسیٰ اور ابن عباس اور ابن زبیر سے موقوف اور مروی ہے، اربع الی الولاة المحدود والصدقات والجمعات والقی (من البذل)

## باب فی اقامة الحد علی المریض

یعنی جو شخص حد کا مستحق ہے اگر وہ مریض ہو تو اس پر اسی حالت میں حد جاری کی جائے گی یا بعد البر والصحۃ؟ جواب یہ ہے کہ اگر مریض کی حد لسی ہے جس میں اس کو تلف کرنا ہی مقصود ہے جیسا کہ رجم میں ہوتا ہے اس میں تو انتظار صحت کی ضرورت نہیں، اور اگر

لہ فی الادرج عن العینی قوله ولم تعصن مفہوم ہذا اذا احصنت لا تجلد بل رجم كالحرة لكن الامة تجلد محصنة كانت او غیر محصنة ولا اعتبار للمفہوم صحت نطق القرآن مرسیاً بخلاف فی قوله تعالیٰ فان احصن فان اتین بطاحۃ لعلیہن نصف ما علی المحصنات قالہ الحدیث دل علی جلد غیر المحصن والآیۃ دل علی جلد المحصن لان الرجم لا ینصف فیجلدان عملاً بالذلیلین۔ الی آخر فی الادرج ص ۳۳۳

مریض کی حد جلد ہو تو اس میں صحت کا انتظار ضروری ہے تاکہ اس کی ہلاکت کی نوبت نہ آئے کذا فی الہدایہ ص ۲۹۳

اخبرنی ابو امامۃ بن سہل بن حنیف انہ اخبروا بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

من الانصار انہ اشتكى رجل منہم حتى اضرني فعا د جلد اعلیٰ عظم فرصد خلت علیہ جاریۃ لبعضہم فہش  
لہا فوق علیہا الخ۔

ابو امامہ جن کا نام سعد بن سہل بن حنیف ہے وہ بعض انصاری صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان میں ایک شخص بیمار ہو گیا اور بیماری سے اتنا لاغر اور کمزور ہو گیا کہ ہڈی اور کھال کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا لیکن اسکے باوجود کوئی جاریہ ان کے پاس چلی گئی تو اس کو دیکھ کر ان میں نشاط پیدا ہو گیا اور اس کے ساتھ دہلی کر لی، اس کے بعد جب کچھ لوگ ان کے پاس ان کی عیادت کے لئے آئے تو اس مریض صحابی نے ان سے کہا کہ میرے بارے میں جو کچھ مجھ سے ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استفتار کرو، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان صحابی کے ضعف اور لاغری کا حال بیان کر کے ان کے بارے میں آپ سے استفتار کیا، اور یہ بھی کہا کہ اگر ہم اس کو آپ کے پاس لیکر آئیں گے تو انکی وہ ہڈیاں بھی صحیح سالم نہیں رہیں گی، آپ نے ان کے لئے یہ فیصلہ فرمایا ان یاخذوا لہ مئۃ شموخ یضویوہا ضویوۃ واحدۃ کہ کھجور کے خوشہ کی سوشاخیں لیکر ان کو ایک ہی مرتبہ ان کے بدن پر مار دیں، یعنی اس طور پر کہ ان سب شاخوں کا اس کے بدن پر لگتا معلوم ہو جائے۔

حیلۃ مذکورہ فی الحدیث پر کس امام کا عمل ہے؟  
حنفیہ اس کے قائل نہیں، ان کے نزدیک حد میں صحیح اور مریض یکساں ہیں

جمہور کی جانب سے خطابی فرماتے ہیں کہ اگر مریض میں یہ صورت جائز ہوتی تو عالمہ میں بھی یہی صورت جائز ہو سکتی تھی، لیکن حاملہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں یہ صورت کافی نہیں، کذا فی السبذ عن المخطابی۔

لیکن صورت مذکورہ میں یعنی جب مریض کے اندر جلد کے تحمل کی طاقت نہ ہو اور صحت کی بھی توقع نہ ہو اس صورت میں حنفیہ بھی امام شافعی کے ساتھ ہیں کما قال ابن الہمام، علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ عمل ان حیلوں میں سے ہے جو شرعاً جائز ہیں اور اس جیسے حیلہ کی اجازت اللہ تعالیٰ نے بھی دی ہے چنانچہ ارشاد ہے: "وقد بیدک ضغثا، الایۃ اھ، یہ آیت حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں سورہ ص میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کی ایک بات پر ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں تجھ کو سوچیاں ماروں گا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا یہ حیلہ بیان فرمایا وحذ بیدک ضغثا قاضوب بہ ولا تحنث، کہ اسے ایوب تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا دو۔ یعنی جس میں سو سینکیں ہوں اور اپنی بیوی کو اس سے مار لو، اور اپنی قسم نہ توڑو، چنانچہ اس آیت کی روشنی میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو سوچیاں مارنے کی قسم کھائے اور بعد میں سوچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام چیموں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مارے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، لیکن اس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ کما قال ابن الہمام۔ ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قسم کی طویل یا عرضاً ضرور لگ جائے، دوسرے یہ کہ اس سے کچھ نہ کچھ



تکلیف ضرور ہو، اور اگر اتنے ہلکے سے بدن کو لگائیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (مخفاً من معارف القرآن)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فحجرت جاریة لذل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا علی انطلق فاقسم علیہا الحد فانطلقت فاذا بہادہم یسئل الخ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی ایک باندی نے زنا کا ارتکاب کر لیا، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسے علی جاؤ اور اس پر حد قائم کرو، میں اس کو لے کر چلا تو دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے، میں لوٹ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا اس کام سے فارغ ہو گئے؟ میں نے عرض کیا کہ میں اس باندی کے پاس گیا تھا لیکن اسکے خون بہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اس کو فی الحال چھوڑو، بعد میں حد جاری کر دینا اور یہ بھی فرمایا آپ نے۔ اقسام الحد ود علی مملکت ایما نکح۔ حدیث کے اس آخری ٹکڑے پر کلام ابھی گذر چکا اور اختلاف علماء بھی۔ والحدیث اخریہ النسائی، مسلم والترذی معناه۔

### باب فی حد القاذف

قذف کی تعریف اور احصان قذف کا مصداق | قذف کے لغوی معنی رمی کے ہیں و فی الشرع نسبة من احصن الی الزنا صریحاً اور دلالۃ (بما مش الہدایۃ) یعنی شخص محصن کو منسوب کرنا زنا کی طرف، نسبت صریحاً ہو یا دلالۃ، لہذا غیر محصن پر تہمت زنا لگانے سے قاذف پر حد قذف جاری نہیں ہوگی اور احصان کے معنی آگے ہدایہ سے آرہے ہیں جس طرح رجم کے لئے زانی کے اندر صفت احصان کا پایا جانا ضروری ہے بغیر اسکے رجم نہیں ہوتا اسی طرح حد قذف کے لئے بھی مقتوف میں صفت احصان کا پایا جانا ضروری ہے، و فی الہدایۃ ص ۵۲۹: ولذا قذف الرجل رجلاً محصناً او امرأة محصنة بصریح الزنا، وطالب المقذوف بالحد حده الحاکم ثمانین سوطاً ان کان حراً لقوله تعالیٰ: والذین یرمون المحصنات۔ الی ان قال۔ فاجلدوہم ثمانین جلدۃ۔ الایۃ ویشرط مطالبة المقذوف لان فیہ حقہ من حیث دفع العار واحصان المقذوف لما تلونا، والاحصان ان یکون المقذوف حراً عاقلاً بالغاً مسلماً عقیفاً عن فعل الزنا اھ یہ جو احصان کی تعریف یہاں مذکور ہے یہ احصان القذف ہے، اور وہ احسان جو باب الرجم میں گذرا وہ احصان الرجم تھا اسی لئے دونوں میں فرق ہے وقد سبقت الاشارة الیہ ہناک۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لما نزل عذری قام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر فذکر ذلک وتلا۔ تعنی القرآن۔ فلما نزل من المنبر امر بالرجلین والمرأة فضوبوا حدہم، اور اسکے بعد الی روایت میں ہے: ممن تکلم بالفاحشۃ حسن بن ثابت ومسطح بن اثابۃ۔ قال المنذیل: ویقولون المرأة حمنة بنت جحش۔

حدیث الافک | اس باب میں مصنف اس امرت میں جو سب بڑا قذف اور تہمت کا واقعہ ہو سکتا ہے اس سے متعلق حدیث کا

ایک جزلانے ہیں، حدیث الافک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی ص ۵۹۳ اور صحیح مسلم کتاب التوبہ باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف، اور ترمذی کی کتاب التفسیر فی تفسیر سورۃ النور میں چھتہ صفحات میں مذکور ہے، افک کا یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا ہے۔ میں کمانی تاریخ الخمیس ص ۴۴، وفی التلخیص لابن الجوزی ص ۶، اور حدیث الافک کا ذکر ابوداؤد میں باب من لم یراجع بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بھی اشارہ آیا ہے، ولفظہ: عن عائشہ و ذکر الافک قالت جلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وکشف عن وجہہ وقال اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ان الذین جاؤا بالافک عصبة منکم الآیۃ، یہاں اس باب میں یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری برادرہ کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ان آیات کے نزول کا ذکر فرمایا اور ان آیات کو تلاوت فرمایا (جو دس آیتیں ہیں جو سورۃ نور میں) اور پھر منبر پر سے اترے کہ بعد از مرد اور ایک عورت پر حد قذف جاری کرنے کا حکم فرمایا یعنی حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ، اور حمزہ بنت محش۔

اس روایت میں عبد اللہ بن ابی کا ذکر نہیں آیا حالانکہ اسی کے بارے میں قرآن میں یہ ہے  
**عبد اللہ بن ابی پر حد قذف جاری کی گئی یا نہیں؟**

والذی تولى كبره منه قوله عذاب عظيم۔ کتب صحیح میں تو عبد اللہ بن ابی پر نہ حد جاری کرنے کا ذکر ہے اور نہ تہمت لگانے کا، قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ اس سے قذف ثابت نہیں، ہاں وہ اس مسئلہ کو اچھا لٹا ضرور تھا اور ریشہ ودانیاں کرتا تھا ابل الذی ثبت انہ کان یستخرجہ ویستوشیر لیکن حافظ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا قلت وقد ورد ان قذف صریحا و قد وقع ذلك فی مرسل سعید بن جبیر عند ابن ابی جاتم وغیرہ، وفی مرسل مقاتل بن حیان عند الحاکم فی الاکلیل، بلفظہ: فرماہا عبد اللہ بن ابی، اور حافظ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعض روایات مرسلہ میں وارد ہے کہ اس پر حد جاری کی گئی، اخرجہ الحاکم فی الاکلیل، اور حافظ کے کلام میں یہ بھی ہے کہ ابن تیم ان ہی میں سے ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی پر حد قذف جاری نہیں کی گئی، اور پھر انہوں نے اس کی ایک حکمت بھی بیان کی، پھر حافظ نے اس رائے کا رد کرتے ہوئے وہ لکھا جو اد پر گذر گیا (من الہذل)

## باب فی الحد فی الخمر

حدزنا میں ایک صورت میں جلد اور ایک صورت میں رجم ہے اور یہ دونوں حکم قرآن کریم میں موجود ہیں، لیکن آیت رجم منسوخ التلاوة ہے، حدزنا سو کوڑے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں اسکی تصریح ہے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدۃ۔ اسی طرح حد قذف اسی کوڑے ہیں جس کی قرآن کریم میں تصریح ہے۔ والذین یسوءون المحصنات ثم لم یأتوا بربعة شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ۔ لیکن حد شرب خمر جس کا یہ باب شروع ہو رہا ہے اس کی کوئی حد اور سزا قرآن کریم میں مذکور نہیں صرف خمر کی تحریم مذکور ہے۔ انما الخمر والمیسر والالزام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوا لعلکم تفلحون۔

البتہ حد شرب احادیث سے ثابت ہے لیکن احادیث مرفوعہ میں اس کی کوئی خاص مقدار معین طور پر ثابت نہیں جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں آرہا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ لعریقت فی الخمر حدا۔

**شرح الحدیث** یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خمر میں حد کی مقدار معین نہیں فرمائی۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے آپ نے کوئی حد ہی مقرر نہیں فرمائی جیسا کہ بعض لوگوں کو اس سے یہی وہم ہوا اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ خمر میں کوئی حد واجب نہیں بلکہ اس میں صرف تعزیر ہے لیکن یہ غلط ہے اسلئے کہ صحابہ کرام سے اس میں وجوب حد پر اجماع منقول ہے، اور یہ جو آگے حدیث ابن عباس میں آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے شراب پی جس سے اس کو نشہ چڑھ گیا اور راستہ میں اُدھر اُدھر گرتے ہوئے اور جھکتے ہوئے اس کو دیکھا گیا، لوگ اس کو پکڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لیجانے لگے، جب راستہ میں حضرت عباس کے گھر کے سامنے کو گذرا تو لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر حضرت عباس کے گھر میں داخل ہو کر ن سے چمٹ گیا، لوگوں نے اس چیز کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، آپ اس پر ہنسیے اور مسکرائے اور فرمایا کہ کیا واقعی اس نے ایسا کیا ہے، اور مزید اسکے بارے میں کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا۔

اس قصہ سے عدم الحدیثی الشرب پر استدلال صحیح نہیں، بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ امام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ محض لوگوں کے خبر دینے سے کسی شخص پر حد جاری کرے یا اس کے بارے میں بحث اور تفتیش کرے جب تک کہ وہ خود امام کے سامنے موجب حد کا اقرار نہ کرے یا شہادت شہود سے ثابت ہو جائے اور اس واقعہ میں یہ چیز بانی نہیں گئی۔

**حد خمر میں ائمہ کے مذاہب** اب یہ کہ حد شرب خمر کی مقدار شرعاً کیا ہے؟ سو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ و امام مالک کے نزدیک اتنی کوڑے ہیں، اور امام شافعی و احمد کے نزدیک چالیس کوڑے، دونوں روایات مختلف آگے کتاب میں آرہی ہیں۔

والحدیث سکت علیہ المنذری، وقد رواہ النسائی کما فی تعلق ای شیخ محمد عوالہ۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی بوجیل قد شرب،

فقال اضربوہ الی۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شارب خمر کو لایا گیا آپ نے فرمایا اس کی پٹائی کرو،

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ پس بعض نے ہم میں سے اس کی پٹائی اپنے ہاتھ سے کی اور کسی نے جوتے سے، بعضوں نے اپنے کپڑے سے، یعنی اس کو لپیٹ کر اور کوڑے کی طرح بنا کر، جب وہ شخص جانے لگا تو بعض لوگوں نے کہا اخزاک اللہ اللہ تعالیٰ تجھے رسوا کرے تو آپ نے ایسا کہنے سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ اس کے بارے میں شیطان کی اعانت مت کرو، اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا تو اسی طرح تو کہ وہ معاصی میں مشغول ہوگا جو شیطان کا عین مقصود ہے، لہذا اس میں شیطان کی اعانت ہے۔

والحدیث الخمرہ البخاری، قالہ المنذری۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضرب کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اس کو زجر دو تو بیخ کرو، اس پر لوگوں نے اس کو کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، تجھ کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی شرم نہیں آئی، پھر اخیر میں آپ نے فرمایا: قولوا اللهم اغفر له اللهم ارحمه۔

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم جلد في الخمر بالجويد والنعال ووجد ابو بكر اربعين، فلما ولي عمرو عا الناس نقل لهم ان الناس قد نوا من الريف. وقال مسدد. من القوي والريف فماترون في حد الخمر، فقال له عبد الرحمن بن عوف نرى ان تجعله كأحد الحدود فجلد فيه ثمانين۔

### مضمون حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضرب خمر کی سزا میں جرید اور نعال سے پٹائی کی (اس روایت میں اس کی مقدار مذکور نہیں) اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس کوڑے لگائے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے صحابہ کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ اب لوگ باغ اور کھیتوں کے قریب ہو گئے ہیں یعنی فتوحات کی وجہ سے، یہ اس وقت کی بات ہے جب شام اور عراق جو سرسبز علاقے ہیں وہ فتح ہو گئے تھے، مقصد یہ ہے کہ اب پھلوں اور انگوروں کی کثرت کی وجہ سے شراب نوشی بڑھ گئی، تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ اب تمہاری رائے حد خمر کے بارے میں کیا ہے تو اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ حد دو ثابتہ میں جو سب سے خفیف حد ہے وہ طے کر دی جلتے، چنانچہ اس پر اسی کوڑے سے طے ہو گئے والحدیث، الخمر جہلسم بتمامہ، واخرج البخاری المسند وفعل الصديق فقط واخرجه ابن ماجه المسند منة فقط قاله المتذري۔

قال ابو داود رواه ابن ابى عروبة في، او پر ہشام کی روایت میں قتادہ سے یہ آیا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں انہ جلد فی الخمر بالجريد والنعال، بغیر ذکر تعداد کے، مصنف فرما رہے ہیں کہ ابن ابی عروبة کی روایت میں اس کی تعداد مذکور ہے یعنی اربعین، اور شعبہ کی روایت میں قتادہ سے ضرب بجوید ستین نحو اربعین ہے، تو گویا اب تین طرح کی روایتیں ہو گئیں ایک مطلق بغیر ذکر عدد کے، اور ایک میں جلد بالجريد اربعین، اور تیسری میں بجوید ستین نحو اربعین، اس تیسری روایت میں ضرب کی تعداد اسی بار ہو جائیگی اسلئے کہ ہر ضرب متضمن ہوگی دو ضربوں کو دو شاخوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے، اس حدیث میں آیا۔ کاخف الحدود۔ یعنی جو حد و قرآن کریم میں منصوص ہیں اور وہ تین ہیں ایک حد السرقة قطعید، اور حد الزنا جلد منة، اور حد القذف ثمانون جلدہ ایہ حدیث حد خمر کے بارے میں حنفیہ مالکیہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک حد قذف اسی کوڑے ہیں۔

حدیث ابی عروبة مرسل و حدیث شعبہ الخمر جہلسم والترندی واخرجه البخاری ولم يذكر اللفظ، قاله المتذري۔

عن حصين بن المنذر ابوساسان، قال شهدت عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه، واتي بالوليد بن عتبة فشهد عليه حرمان ورجل آخر فشهدا هما انه راها شرها، یعنی الخمر و شهد الآخر انه راها يفتياها فقال عثمان انه لم يفتياها حتى شرها۔

## مضمون حدیث

ابو ساسان کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھا میرے سامنے ان کے پاس ولید بن عقبہ کو لایا گیا جس پر عمر بن حضرت عثمان کے غلام اور ایک دوسرے شخص نے شراب کی گواہی دی، ایک نے گواہی دی کہ میں نے اس کو شراب پیئے ہوئے دیکھا ہے دوسرے نے کہا کہ میں نے اس کو شراب کی قی کرتے ہوئے دیکھا ہے حضرت عثمان نے فرمایا کہ شراب پیئے بغیر تو اس کی قی نہیں کر سکتا، گویا اس شہادت کا اعتبار فرمایا، اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس پر حد جاری کرو، انہوں نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا کہ تو اس پر حد قائم کر، انہوں نے اس پر بہت کراہا جواب دیا، ولید حارہا من توتی قارہا کہ خوشگوار چیزوں پر آپ جن کو امیر بناتے ہیں ناگوار امور پر بھی ان ہی کو بنائیے، اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر اپنے بھتیجے سے فرمایا کہ اچھا حد تم قائم کرو، انہوں نے کوڑا اٹھایا اور مارنا شروع کیا اور حضرت علی شمار کرتے رہے، پس جب چالیس پر پہنچے تو حضرت علی نے ان کو روک دیا اور فرمایا حسبک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس ہی کوڑے لگائے ہیں اور ایسے ہی ابو بکر صدیق نے اور عمر نے انہی لگائے، اور دونوں ہی مشروع ہیں لیکن میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے یعنی چالیس، اور صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے یعنی اربعین۔

جمع بین الروایات المختلفہ | امام نووی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے ولید بن عقبہ کو چالیس کوڑے لگوائے اور صحیح بخاری میں ہے عبد اللہ بن عدی بن النخیر کی روایت ہے کہ حضرت علی نے اس کے اسی کوڑے لگوائے حالانکہ قصہ ایک ہی ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت علی کا مشہور مذہب شرب خمر میں انہی کوڑوں کا ہے، لہذا جمع بین الروایتین اس طرح کیا جائے کہ وہ جو ایک روایت میں آتا ہے، اتنے جلد کا بسوط لہ راسان فضیہ برأسیہ اربعینا۔ یعنی ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے جس کوڑے کو استعمال کیا تھا اور چالیس لگوائے تھے اس کے دوسرے تھے، لہذا ایک مرتبہ میں دو کوڑے لگے پس مجوعہ انہی ہو گیا اور اس صورت میں، وهذا احب الی سے اشارہ فعل عمر یعنی ثمانین کی طرف ہوگا۔

یہ ولید بن عقبہ جس کا یہ واقعہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اخیانی بھائی تھا، فتح مکہ کے دن اسلام لایا، حضرت عثمان ہی کے پاس پرورش پائی، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزل کے بعد کوفہ کا والی بنا دیا، وقصہ صلاۃ بالناس اربعا وھو سکران مشہورہ، وقصہ عزلہ بعد ان ثبت علیہ شرب الخمر ایضا مخرجة فی الصحیحین، وعزلہ عثمان بعد جلدہ عن الکوفہ، ولما قتل عثمان اعترل الولید الفتنۃ فلم یشهد مع علی ولا مع غیرہ، دلکنہ کان یحرض معادیۃ علی قتال علی بکتابہ ولبشورہ (من البذل) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خمر کی قی کرنا ثبوت حد کے لئے کافی ہے جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے

لہ وئی ہاشم البذل، مثل معروف وقد قتال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لابی مسعود انہ سألہ انا یبطنی انک تقضی ولست ہایر فقتال نعم ول حارہا من توتی قارہا، کذاتی ازالتہ الخفاصہ ۱۱۹۔



امام لادوی فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ محض اس سے حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ اس میں مختلف احتمال ہیں مثلاً یہ کہ ہو سکتا ہے اس نے بے خبری میں اس کو پسیا ہو، شراب پیم کر نہ پسیا ہو، یا کسی کے اکراہ کی وجہ سے پسیا ہو وغیر ذلک من الاعذار المسقطہ للحد، اور آگے وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک کی دلیل یہاں پر قوی ہے لان الصحابة اتفقوا على جلد الوليد بن عقبة المذكور في هذا الحديث، اور ہمارے اصحاب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شراب ولید کا علم تھا فقضی بعلمه و هذا تاویل ضعیف اھ (بذل) حاشیہ بذل میں لکھا ہے اس میں جو مذہب شافعیہ کا ہے وہی تنفیہ کا ہے کما فی الہدایہ۔

والحدیث اثر محمد مسلم وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جلد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی الخمر والیوبکر اربعین وکملها عمر شمانین وکل سنة، اس حدیث کا مضمون پہلے آچکا۔

## باب اذا تتابع فی شرب الخمر

عن معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا

شربوا الخمر فاجلدوهم ثم ان شربوا فاجلدوهم ثم ان شربوا فاقتلوهم۔

یعنی تین بات تک شراب خمر کے کوڑے لگائے جائیں پھر چوتھی بار اگر پیئے تو اس کو قتل کر دیا جائے اس کے بعد ابن عمر کی

روایت ہے جس میں یہ ہے واحسبہ قال فی الخامسة ان شربها فاقتلوا، آگے بھی مصنف طرق کا اختلاف خامس اور

رابع میں بیان کر رہے ہیں، آگے قبیسہ بن ذویب کی روایت میں آ رہا ہے، قاتی یوحی قد شرب فجلده شرابی بہ فجلده

شرابی بہ فجلده شرابی بہ فجلده ووقع القتل فكانت دحمة، یعنی چوتھی مرتبہ بھی آپ نے شراب خمر کے کوڑے ہی

لگائے، لہذا قتل کا حکم جو آپ کی جانب سے قولا تھا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے منسوخ ہو گیا،

قتل شراب فی الرابعة کے نسخ کی بحث | منذری امام شافعی سے نقل کرتے ہیں: والقتل منسوخ بہذا الحدیث

وغیرہ، اور امام خطاب فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے حدیث الامر بالقتل سے

مقصود زجر و تہدید ہو جیسے اس حدیث میں ہے "من قتل عبدا قتلناه ومن جلد عبدا جلدناه" وہ فرماتے ہیں

اور یہ بھی احتمال ہے کہ قتل فی الخامسة واجب ہو اور پھر اجماع امت سے منسوخ ہو گیا، لیکن ایک طائفہ شاذہ قتل کا قائل ہے

چار مرتبہ کے بعد خامسہ میں (بذل عن المنذری) امام ترمذی نے بھی نسخ کے قول کو اختیار کیا ہے اسی قبیسہ بن ذویب کی حدیث

کے پیش نظر، اور اسی مضمون کی دوسری حدیث جس کے راوی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اس کے بعد امام ترمذی

لہ قال الحافظ وكانه اشار الى بعض اهل الظاهر فقد نقل عن بعضهم واستمر عليه ابن حزم منهم واجتج له وادى ان لا اجماع الیہ۔



فرماتے ہیں و مما یقویٰ هذا ما روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من اوجہ کثیرة انه قال لا یحبل دم امری مسلم یشہدان لالا الا اللہ والی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس، والشیب الزانی، والتارک لیدنہ اہ اور حاشیہ بذل میں ہے، وانکر الذم منی علی الترمذی ص ۲۶ نسخ القتل وبسط الکلام ورتج القتل اہ یہ ذم منی یعنی علی بن سلیمان الذم منی المالکی ہیں انہوں نے علامہ سیوطی کے جو حواشی ہیں کتب ستر پر ہر ایک کی الگ الگ تلخیص کی ہے، سیوطی کا حاشیہ جو ترمذی پر ہے اس کا نام قوت المغتذی ہے اور تلخیص ذم منی کا نام نفع قوت المغتذی ہے اسی طرح ابوداؤد پر جو حاشیہ ہے سیوطی کا مرقاة الصعود، اس کی جو تلخیص ذم منی نے کی اس کا نام رکھا، درجات مرقاة الصعود، ان علامہ ذم منی نے اپنے اس حاشیہ میں متعدد روایات قتل شارب بعد الرابعہ کے ثبوت میں ذکر کی ہیں اور پھر اخیر میں لکھتے ہیں: فہذہ بضعة عشر حدیثا کلہا صحیحہ صریحہ فی قتلہ بالرابعہ ولیس لہا معارض صریح وقول من قال بالنسخ لا یعضدہ دلیل، وقولہ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی برجل قد شرب، والرابعہ فصر بہ ولم یقتلہ لا یصلح لردھذہ الاحادیث بوجہ، الاول انہ مرسل۔ الی آخرہ ببسط فی ذلک، حافظ نے فتح الباری میں منکرین نسخ کے اشکالات کے جوابات دیئے ہیں بذل میں خطاب سے نقل کیا تھا، وجموعا علی انہ لا یقتل اذا تکرر منہ، اس پر حاشیہ بذل میں ہے فقد ذکر الحافظ ص ۱۵۱ ان النیعمان جلد فی الخمر اکثر من خمسين مرة، نیز حاشیہ میں یہ بھی ہے: وبدلالة الاجتماع استدلال فی تدریب الراوی ص ۱۹۶ علی النسخ وبسطہ قرآن اہ اس نعیمان کے بعض واقعات فتح الباری میں مذکور ہیں اس باب کے تحت، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، جس میں امام بخاری یہ حدیث لائے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا کان علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان اسمہ عبد اللہ وكان یلقب حمرا وكان یضحک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وكان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قد جلدہ فی الشراب فأتی بہ یوما فامر بہ فیجلد، فقال رجل من القوم اللهم لعنة ما کثر ما یلوتی بہ، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تلغوزہ فواللہ ما علمت انہ یحب اللہ ورسولہ، یہ عبد اللہ جن کا لقب حمرا ہے یہ اند نعیمان یہ دونوں ایک ہی ہیں یا الگ الگ اس پر کلام فتح الباری میں دیکھا جائے وہاں یضحک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے اپنی عجیب اور نادر باتوں سے، اسکے بعض دلچسپ واقعات فتح الباری میں مذکور ہیں،

قال سفیان: حدثنا الزهوی بهذا الحديث وعند منصور بن المعتمر ومغول بن راشد قتال

لہما: کونوا فدی اهل العراق بهذا الحديث۔

یعنی امام زہری نے جب یہ حدیث بیان کی اوپر والی تو ان کے پاس اس وقت منصور اور مجول بیٹھے تھے تو زہری نے ان سے فرمایا کہ میری طرف سے یہ حدیث اہل عراق کو جا کر سنادو، اور وفدین کران کے پاس چلے جاؤ، اس کی وجہ بذل میں لکھی ہے کہ عراق میں کچھ خوارج تھے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کا فر ہے اب ظاہر ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ شارب خمر کو پہلی ہی مرتبہ میں قتل کر دیا جائے حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پانچویں مرتبہ پیسنے پر بھی قتل نہیں کیا۔

عن علي رضي الله تعالى عنه قال لا أدري - او ما كنت أدري - من اقامت عليه حدا الا شارب الخمر الخ -  
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں (یعنی حد الجلد جس میں اہلک مقصود نہیں ہوتا) اور  
 پھر حد جاری کر نیکی وجہ سے وہ مر جائے تو میں اس کی دیت ادا نہیں کروں گا، سوائے شراب خمر کے کہ اگر وہ حد جاری کرنے کی وجہ سے  
 مر جائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا کیونکہ شرب خمر کی حد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے متعین نہیں تھی، وہ ہم  
 لوگوں نے آپس میں باہمی مشورہ سے طے کی تھی، وہ جو اس سے پہلے اس سلسلہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا ذکر آیا تھا کہ  
 انہوں نے اس بارے میں اخف الحدود کا مشورہ دیا تھا بعض روایات میں اس جگہ بجائے عبدالرحمن بن عوف کے حضرت علی کا نام  
 مذکور ہے جیسا کہ مؤطا کی روایت میں ہے، امام نووی فرماتے ہیں وکلاهما صحیح واثباتا جمیعا، کہ دونوں ہی کا ذکر یہاں پر صحیح ہے  
 کہ ان دونوں حضرات نے یہ مشورہ دیا تھا۔

عن عبد الرحمن بن ازهر قال كآني انظر الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الآن وهو  
 في الرحال يلتبس رجل خالد بن الوليد - اور ایک دوسری روایت جو بعض نسخ ان واؤد میں ہے، بذل کے حاشیہ  
 پر بھی ہے اس میں یہ زیادتی ہے، روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غدا الفتح وانا غلام شاب يتخلل الناس يسأل  
 عن منزل خالد بن الوليد، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سفر کا واقعہ ہے فتح مکہ والے دن کا۔

عبدالرحمن بن ازہر فرماتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیموں میں حضرت  
 خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمہ کو تلا تے پھر رہے تھے اور یہ منظر گویا اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے، اسی  
 اشار میں آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا تھا جس نے شراب پی تھی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو، چنانچہ لوگوں نے  
 اس کو مارنا شروع کر دیا، بعض اس کی پٹائی جوتے سے کر رہے تھے اور بعض ڈنڈے سے اور بعض کھجور کی تر شاخ سے اور پھر  
 اخیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زمین سے مٹی اٹھا کر اس کے چہرے پر ماری۔

اس حدیث کا شروع کا ٹکڑا ضمنا واستظر ادا راوی نے ذکر کیا ہے اپنے حفظ کی پختگی بیان کرنے کے لئے چنانچہ بذل  
 میں ہے والمقصود بهذا الكلام بيان شدة حفظه

اور اس کے بعد جو روایت آرہی ہے اس میں حنین کا ذکر ہے کہ آپ کے پاس ایک شراب خمر کو لایا گیا جب آپ حنین میں  
 تھے اور اس میں یہ زیادتی ہے، فتوفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثم جلد ابو بکر فی الخمس اربعین

ثم جلدء مر اربعین صدر امن امارتہ ثم جلد ثمانین فی اخر خلافة - ثم جلد عثمان الحدین کلیہما  
 ثمانین واربعین، ثم اثبت معاویة الحد ثمانین، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں تو یہی  
 ہوتا رہا کہ باقاعدہ شراب خمر کے کوڑے نہیں لگائے جاتے تھے متعین طور سے بلکہ مختلف چیزوں سے، اس کی پٹائی کر دی جاتی تھی  
 جس کے ہاتھ میں جو ہوا مشنڈا جوتا، ڈنڈا، کھجور کی شاخ، لیکن آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس میں کوڑے کو

استعمال کیا گیا گو تعداد میں اختلاف رہا، حدیث اکبر نے اربعین اختیار کئے اور عمر فاروق نے شروع میں اربعین اور اخیر میں ثمانین اور حضرت عثمان غنی نے دونوں، لیکن پھر اخیر میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں اس کا استقرار ثمانین پر ہو گیا۔

## باب فی اقامة الحد فی المسجد

عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یتقتاد

فی المسجد وان تنشد فیہ الاشعار وان تقام فیہ الحدود۔

یعنی آپ نے منع فرمایا مسجد میں قصاص لینے سے اور (نامناسب) اشعار اس میں پڑھنے سے اور یہ کہ اس میں حدود قائم کی جائیں، کیونکہ اس میں تلویح مسجد کا قوی احتمال ہے تلویح بالدم وغیرہ (بنک) ہمارے یہاں کتاب الایمان والندور میں باب ماجاء فی تعظیم الیمین عند منبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں یہ گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عموماً فیصلے مسجد منبر میں منبر کے قریب ہوا کرتے تھے خواہ وہ فیصلے حدود اور قصاص ہی سے متعلق کیوں نہ ہو، لیکن ان حدود اور قصاص کا اجراء اور استیفاء یہ خارج مسجد ہونا چاہیے جس کو مصنف نے اس باب میں بیان کیا۔

## باب فی ضرب الوجه فی الحد

اس باب میں مصنف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوع ذکر کی ہے، "اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه یعنی مارتے وقت چہرے سے بچا جائے اس پر نہ مارا جائے، یہ حکم عام ہے حد کو بھی شامل ہے جیسا کہ مصنف کے ترجمہ سے ثابت ہوتا ہے والحدیث الخرجہ مسلم، قال المنذری۔"

لہ یہاں تک حدود کا بیان تھا اب مصنف تعزیر کو شروع کرتے ہیں مصنف نے کتاب الحدود میں کل چھ قسمیں حدود کی بیان کیں سب سے پہلے ردة اس کے بعد حرابة، اسکے بعد سرقة، حد زنا حد قذف حد شرب خمر اور قصاص کو مصنف نے آگے کتاب الديات کے ذیل میں بیان کیا ہے کن کن چیزوں میں شریعت میں حد ثابت ہے اسکے بارے میں اوخر میں حافظ سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے اس کو سترہ چیزوں میں منحصر کیا ہے جن میں سے بعض حدود متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ، فمن المتفق علیہ الردة والحراة مالم یشب قبل الفسدة، والزنا والقذف بالزنا وشرب الخمر سوار اسکر اولم یسکر والسرقة، ان چھ کا بیان کتاب میں گذر چکا، من المختلف فیہ حد العایة وشرب مایسکر کثیرہ من غیر الخمر، والقذف بغير الزنا، والتولیف بالقذف، واللواط ولوبس یکل لکاحہا، واتیان البہیمۃ، والسحاق، وتمکین المرأة القرد وغیرہ من الدواب من وطیہا، والسحر، وترک الصلاة ککاسلاً، والقطر فی رمضان، وھذا کلمہ خارج عما تشریح فیہ المقاتلۃ کما لو ترک قوم الزکاۃ وتصیوا الذلک الحرب اھ ان مختلف فیہ حدود میں سے مصنف نے حد العاریۃ کو بھی ذکر کیا ہے اور اسی طرح لواطت کو اور اتیان البہیمۃ کو۔

## باب فی التعزیر

تعزیر کی تعریف اور اس کا ثبوت و مشروعیت | فقہائے کرام بھی کتاب الحدود کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد تعزیر کے لئے مستقل فصل قائم کرتے ہیں، تعزیر کے بارے میں لکھا ہے

والتعزیر تادیب دون الحدود کہ تعزیر اس منرا اور تادیبی کارروائی کا نام ہے جو حد شرعی سے کم ہو، یہ ماخوذ ہے عزر سے بمعنی الرد والردع یعنی روکنا اور ٹوکتنا، قال الباری رحمہ اللہ والاصل فی هذا ان من قدف غیره بکبیرة لیس فیہا حد مقدر یجب التعزیر، یعنی جو شخص کسی شخص کی طرف ایسے کبیرہ گناہ کی نسبت کرے جس کے لئے کوئی شرعاً حد مقرر نہیں تو وہاں پر تعزیر واجب ہوتی ہے، ابن الہمام فرماتے ہیں وهو مشروع بالکتاب قال اللہ تعالیٰ یعظونہن وایجر وھن فی المضاجع واضربونہن، فان اطعتکم فلا تبغوا علیہن سبیلاً امر بضرب الزوجات تادیباً و تہذیباً، و فی الکافی قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ترفع عصاک عن اھلک الی آخر ما ذکر۔

عن ابی بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یقول لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ۔

تعزیر کے بارے میں ائمہ کے مذاہب کی تحقیق | خطاب فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ آدمی کو حق ہے اس بات کا کہ وہ اپنے غلام کی پٹائی کرے ترک صلاۃ وغیرہ معصیت

پر لیکن دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے، اور یہی قول ہے اسحاق ابن راہویہ کا، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ تعزیر چالیس کوڑوں تک نہیں پہنچنا چاہیے، اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ اور محمد کا، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ تعزیر جرم کی حیثیت کے اعتبار سے ہے جس درجہ کا جرم ہو اور اس کے لئے جو سزا حکم مناسبت سمجھے اسی کوڑوں سے کم کم، اور امام مالک سے مروی ہے کہ تعزیر جرم

لہ وروی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عزربہا قال یغیرہ یا یخنث، و فی المحیط روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال رحم اللہ امرأ علق سوط حیث یراہ اھلہ، و اقوی من ہذہ الا حدیث قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یجلد فوق عشر الا فی حد، وقولہ واضربوھم علی ترکہا لعشر فی الصبیان، فہذا دلیل شرعیہ التعزیر و اجمع علیہ الصیابہ، و بالمعنی وھو ان الزجر عن الافعال السیئۃ کیساتفیر ملکات فیفسد ویستدرج الی ماھو اقع و افحش، فہو واجب، و ذکر التمر تاشی عن السرخسی انہ لیس فیہ شیء مقدر بل مفوض الی رأی القاضی لان المقصود من الزجر و التوال الناس مختلفہ فیہ، فمنہم من ینزجر بالصیوۃ ومنہم من یتحاج الی اللطۃ و الی الضرب، ومنہم من یتحاج الی الخمس، و فی الشافی التعزیر علی مراتب تعزیر اشرف الاشراف ہم العلماء و العلویۃ بالاعلام، وھو ان یقول لہ القاضی انک یفعل کذا و کذا فیمنزجر بہ، و تعزیر الاشراف و ہم الامراء و الدھاقین بالاعلام البحر الی باب القاضی و خصوصۃ فی ذلک، و تعزیر الاوصاف و ہم السرقۃ بالبحر و الخمس، و تعزیر الاخصار بہذا الکلمہ، و بالضرب، و عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال، و عندھما (الطرفین) و باقی الائمۃ الشمامۃ لا یجوز۔

کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس اگر اس کا جرم قذف سے بھی بڑا ہو تو سو اور سو سے بھی زیادہ کوڑے لگائے جاسکتے ہیں لہ۔  
 اس میں امام شافعی کا مذہب وہ ہے جس کو علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ ادنی الحدود تک نہ پہنچا جائے اس سے کم رہے،  
 اور ادنی الحدود ان کے یہاں حد شرب ہے چالیس کوڑے، اب یہ کہ حد حمر کا اعتبار ہے یا حد عبد کا، قسطلانی فرماتے ہیں کہ اس  
 میں ان کے دونوں قول ہیں، اگر حد الحمر کو لیا جائے گا تو تعزیر کی زائد سے زائد مقدار ان کے نزدیک اتالیس کوڑے ہوں گے، اور  
 اگر حد العبد کو لیا جائے گا تو انیس کوڑے ہوں گے، اور درمختار میں ہے کہ زائد سے زائد اس کی مقدار اتالیس کوڑے ہے  
 یعنی حد العبد سے کم، اور کم سے کم تین کوڑے، اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے، اور اس میں امام ابو یوسف کا قول یہ لکھا ہے کہ  
 تعزیر کی مقدار پچھتر کوڑے تک ہو سکتی ہے۔ آگے اس میں ہے کہ طرفین نے حد العبد فی القذف کا اعتبار کرتے ہوئے جو کہ چالیس  
 ہے، اس سے ایک کم کر دیا اور امام ابو یوسف نے حد الحمر کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے ایک کوڑا کم کیا ایک روایت میں دھو قول  
 زفر و هو القیاس، اور دوسری روایت میں پانچ کوڑے کم کر کے اس کی مقدار پچھتر کوڑے قرار دی اور درمختار میں یہ بھی ہے  
 والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل هو مفوض الی رأی القاضی لان المقصود منہ الزجر و احوال الناس فیہ مختلفہ، اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں  
 ای لیس فی الواقع تقدیر یعنی زائد سے زائد تو اس کی مقدار متعین ہے کہ مادون الحد ہونی چاہیے، لیکن کس نوع کی تعزیر ہو مثلاً  
 ضرب جس یا فرک الاذن؟ اس لحاظ سے اس میں تعین نہیں (من الابواب التراجم ص ۲۳۱) اور حدیث الباب امام احمد و من و انقہ  
 کی دلیل ہے، اور جمہور کی جانب سے اس حدیث کا جواب بدل میں لمعات سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اسلئے  
 کہ صحابہ کرام سے تجاوز عن العشرة ثابت ہے، اور بعضوں نے یہ جواب دیا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے اعتبار  
 سے ہے۔ (کیونکہ وہ خیر القرون تھا)۔ والحدیث اخبرہ البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

### اختر کتاب الحدود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اول کتاب الدیات

امام بخاری نے کتاب الحدود کے بعد اور کتاب الدیات سے پہلے کتاب الحارمین من اهل الکفر والردۃ، مستقلاً ذکر کی ہے  
 اور امام ابو داؤد نے ردۃ اور حرایہ کو کتاب الحدود میں ذکر کیا ہے۔

دیت کی تعریف | قال القسطلانی والدیۃ ہی المال الواجب بالجناۃ علی الحر فی نفس او فیما دونہا۔ وہی ما خوزۃ من الودی

۱۔ خلاصۃ المذہب اسکے بارے میں یہ ہے۔ امام احمد۔ ۱۰ کوڑے۔ امام شافعی۔ انیس یا اتالیس کوڑے۔ طرفین (ابو یوسف و محمد) اتالیس کوڑے۔  
 ابو یوسف ایک کم اتنی یا پانچ کم اتنی۔ امام مالک علی رأی الامام بحسب الجرم وان تار علی المائۃ۔

وہو دفع الدیۃ اہ و قال لحافظ: وہی ما جعل فی مقابله النفس وہی دیتہ تسمیۃ بالمصدر یعنی دیتہ اصل میں ددی تھا جو کہ مصدر ہے و ددی یدی کا یعنی دیتہ ادا کرنا اور دیتہ وہ مال ہے جو نفس کے بدلہ میں ہو، اور ایک ہوتا ہے آرش یعنی وہ مال جو مادون النفس کا بدلہ ہو ففی الدر المختار الدیۃ فی الشرع اسم للمال الذی ہو بدل النفس، والارش اسم للواجب فی مادون النفس اہ لیکن قسطلانی نے دیتہ کی تعریف میں نفس اور مادون النفس دونوں کو ذکر کر دیا ہے۔ کما تقدم قریباً لیکن انہوں نے دیتہ کی تعریف میں ایک قید بڑھائی وہ یہ کہ جنائیۃ علی الحر سے جو مال واجب ہوتا ہے اس کو دیتہ کہتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ جنائیۃ علی العبد سے جو مال واجب ہوتا ہے وہ دیتہ نہیں ہے، اس لئے کہ حر کی دیتہ تو متعین ہے بخلاف عید کے کہ اس کی دیتہ متعین نہیں بلکہ عید کی جو قیمت ہوگی وہ اس کی دیتہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ غلاموں کی قیمت کم زیادہ ہوتی حسب المنافع، چنانچہ فقہار نے جنائیۃ علی العبد کی فصل علیہ منعقد کی ہے، تویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے: دیتہ العبد قیمتہ فان بلغت ہی دیتہ الحر و بلغت قیمتہ الامۃ دیتہ الحرۃ نقص من کل من دیتہ عبد و ائمة عشرۃ دراهم اظہار الاخطا رتبۃ الرقیق عن الحر و تعیین العشرۃ باثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ و عنہ من الامۃ خمسۃ، یعنی جس عید پر جنایت کی گئی ہے اور اس کو تلف کر دیا گیا ہے تو اس کی دیتہ اس کی بازاری قیمت ہوگی اس غلام کی بازار میں جو بھی قیمت ہو بشرطیکہ وہ قیمت حر کی دیتہ مقررہ سے کم ہو اور اگر اس کے برابر ہو یعنی دس ہزار درہم تو اس میں سے دس درہم کم کر دیئے جائیں گے مرتبہ عید کے اخطا کو ظاہر کرنے کے لئے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ مصنف نے دیات کے ذیل میں قصاص کو بھی بیان کیا ہے اسی طرح امام بخاری نے بھی، حافظ فرماتے ہیں:

و اورد البخاری تحت هذه الترجمة (کتاب الدیات) ما يتعلق بالقصاص لان كل ما يجب فيه القصاص يجوز العفو عنه علی مال فستكون الدیۃ اشمل، یعنی جن چیزوں میں قصاص واجب ہوتا ہے تو چونکہ وہاں قصاص معاف کر کے مال لینا جائز ہے، اور دیتہ کی حقیقت بھی مال ہی ہے اس لئے دیتہ کا عنوان اعم اور اشمل ہے، اگے فرماتے ہیں حافظ: و ترجم غیرہ کتاب القصاص و ادخل تحتہ الدیات بنا علی ان القصاص هو الاصل فی العمداء یعنی عمدہ جنایت کرنے کی صورت میں اصل حکم قصاص ہی ہے، قصاص معاف کر کے مال لینا وہ امر آخر ہے، و فی البدائع: و الاصل فیہ نفس الکتاب العزیز و هو قوله تبارک و تعالیٰ "ومن قتل مؤمناً خطأ فتحرير رقبة مؤمنة و دیتہ مسلمۃ الی اہلہ و النفس و ان ورد بلفظ الخطأ لکن غیر ملحق بہ (من ابواب التبریم ۱)

## باب النفس بالنفس

یعنی قصاص فی النفس کا بیان۔

مذ حاصل یہ کہ بعض مصنفین نے کتاب الدیات کا عنوان ذکر کر کے قصاص کو اسکے تحت ذکر کیا ہے اس حیثیت سے کہ دیتہ میں عموم و شمول ہے اس لئے کہ قصاص کے بجائے دیتہ لے سکتے ہیں و لا عکس (دیتہ کے بجائے قصاص نہیں لے سکتے) اور بعض مصنفین نے اسکے برعکس قصاص کا عنوان اختیار کر کے دیتہ کو اسکے تحت ذکر کیا ہے، اس حیثیت سے کہ قصاص ہمیشہ اصل ہوتا ہے و دیتہ کا بدلہ نہیں ہو سکتا، بخلاف دیتہ کے کہ وہ کبھی اصلی ہوتی ہے اور کبھی قصاص کا بدلہ ہوتی ہے لہذا دیتہ کو قصاص کے تابع کرنا چاہئے ذکر اس کا عکس۔



عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال كان قريظة والنضير وكان النضير اشرف من قريظة، فكان اذا قتل

رجل من قريظة رجلا من النضير قتل به، واذا قتل رجل من النضير رجلا من قريظة فودي بمئة وسق من تمر،  
يعني مدية من تمر في يهود کے دو قبیلے قریظہ اور بنو نضیر تھے، جن میں بنو نضیر شریف سمجھے جاتے تھے بنو قریظہ کے مقابلہ میں، پس اگر  
کوئی قرظی شخص بنو نضیر میں سے کسی کو قتل کر دیتا تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا جاتا تھا، اور اگر بنو نضیر میں سے کوئی قرظی کو قتل  
کرتا تو اس صورت میں بجائے قصاص کے سو دست سجور کے اس کے فدیہ میں دیدئے جاتے، شروع میں اسی طرح ہوتا تھا، پھر جب  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری ہوئی تو ایک نصیری یہودی نے ایک قرظی کو قتل  
کر دیا، تو اب ان یہود نے قریظہ نے یہ کہا بنو نضیر سے کہ اپنے اس قاتل کو ہمارے حوالہ کیجئے تاکہ ہم اس کو قصاص میں قتل کریں، انہوں  
نے یہ کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم ہوں گے ان سے فیصلہ کرایا جائے چنانچہ یہ دونوں آپ  
س خدمت میں آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط، کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ عدل  
کے ساتھ کریں۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ قسط جو ہے وہ یہی ہے کہ نفس کے بدلہ میں نفس لیا جائے، ثم نزلت، اف حکم الجاہلیۃ  
یبغون، یعنی جب ان یہود نے اس حکم آیت کو پسند نہیں کیا اور آپس میں نزاع کرنے لگے تو اس پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی کہ  
کیا جاہلیت ہی کے قانون کو تلاش کرتے ہیں۔

اس حدیث میں ایک مسئلہ قصاص بنی اہل الذمہ کا ہے کہ مسلمان قاضی اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے جس میں  
علماء کا اختلاف، باب الرجم میں گذر چکا۔

یہاں بعض نسخوں میں یہ ہے، قال ابو داؤد: قريظة والنضير جميعا من ولد هارون النبي على نبينا وعليه الصلوة  
والسلام، کہ یہود کے یہ دونوں قبیلے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
بھی ان ہی میں سے ہیں جیسا کہ باب ہم الصفی میں گذر سیدۃ قریظہ والنضیر والحديث اثرہ النساء قال المنذری۔

## باب لا یؤخذ الرجل بجریرۃ ابيه او اخیه

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انطلقت مع ابی نعوالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شم ان النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا بی: ابنک هذا؟ قال: ای وریہ لکعبۃ قال حقا قال: اشہد بہ الخ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت  
میں گیا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم دونوں کی طرف دیکھا تو آپ نے میرے بارے میں میرے

والد سے پوچھا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں، رب کعبہ کی قسم، آپ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں  
میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہنسی آئی جس کی وجہ وہ خود بیان کرنے میں کہ

دو وجہ سے ایک تو میری اپنے باپ کے ساتھ کھلی مشابہت کی وجہ سے، دوسرے میرے والد کے اس قسم کھانے کی وجہ سے اس موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے والد سے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ نہ تو تجھ پر تیرا بیٹا جنایت کرتا ہے اور نہ تو اپنے بیٹے پر جنایت کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم دونوں میں سے کسی ایک کی جنایت کو دوسرا نہیں بھگتے گا، بلکہ جو بھی جنایت کرے گا باپ یا بیٹا، اس کا قصاص یا ضمان وہ خود بھگے گا، یعنی اسلامی قانون یہ ہے اور زمانہ جاہلیت والا طریقہ اسلام میں جائز نہیں ہے کہ اس زمانہ میں یہ ہوتا تھا کہ جنایت کی سزا صرف جانی کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ جانی کا جو بھی مل جائے باپ یا بھائی یا اس کا بیٹا یا اس کے قبیلہ ہی کا کوئی فرد، اور اسلام میں یہ ہے، ولا تزر وازرة وزر اخری، اور ایسے ہی روئے دمکم فی القصاص حیاة۔

یہ حدیث اس سے پہلے بھی گذر چکی، باب فی الخفایب، میں لیکن مختصراً اور اس سے پہلے بھی، باب فی الخفایب، میں، اس حدیث پر حاشیہ بذل میں ہے کہ ابن قدامہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عمد جنایت کی دیت خود جانی پر ہے، عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی اہ مسئلہ ہمارے یہاں بھی یہی ہے، چنانچہ در مختار میں ہے: واعلم انہ لا تعقل عاقلہ جنایۃ عبد ولا عمد، قال ابن عابدین رحمہ اللہ قولہ، جنایۃ عبد من اضافة المصدر الى فاعله، واما اذا جنى حر على نفس عبد فسياتي، قوله ولا عمد اي في النفس او الطرف، فان العمد لا يوجب التحقير، تحمل العاقلہ فوجب القودیه اہ یہ مسئلہ دراصل کتاب الديات کا ہے وہاں بھی آ رہا ہے۔ والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی مختصراً ومطولاً، وقال الترمذی: حسن غریب لا تعرفه الا من حدیث عبد اللہ ابن زیاد، قاله المنذری۔

## باب الامام یأمر بالعفو فی الدم

یعنی جس صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے خواہ اس قصاص کا تعلق نفس سے ہو یا طرف سے تو اس صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دلی دم کو جس کو قصاص لینے کا حق پہنچتا ہے ہمیشہ عفو اور ترک قصاص کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ اس باب میں پہلی حدیث کے علاوہ جتنی بھی احادیث ہیں اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قصاص کے بجائے مطلقاً عفو یا عفو باقتالدیۃ کی ترغیب مذکور ہے، البتہ باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے جو ابو شریح خزاعی سے مروی عام وہی ہے من اصیب بقتل او خبیل فاندہ یختار احدی ثلاث الخ۔ قتل کا تعلق نفس سے ہے اور خبیل کا طرف سے یعنی قطع عضو، یعنی جو جنایت عمد ہو خواہ اس کا تعلق جان سے ہو یا عضو سے تو وہاں پر مجنی علیہ یا اس کے ولی کو تین اختیار حاصل ہیں یا تو قصاص لے اور یا مطلقاً معاف کر دے یا دیت لے، فان اراد الرابعة فخذوا علی یدیه، کہ اگر وہ ان تین چیزوں کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرے تو اس کو روک دو، اس حدیث میں تو گویا آپ نے حسب قاعدہ وضابطہ ولی مقتول کو جو شرفاً حق حاصل ہے اس کو میان فرمایا کہ اس کو اختیار ان تین میں سے کسی ایک کا ہے جس کو وہ اختیار کرے ان تین کے علاوہ اور کوئی چوتھی چیز یہاں نہیں ہے، اب یہ کہ ان تین میں سے اولیٰ کیا ہے اس کا ذکر بعد والی روایت میں آ رہا ہے وہ یہ کہ آپ ان

تین میں سے اولاً عفو کو اور ثانیاً دیتے کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ مصنف کے ترجمہ الباب میں ہے۔

**قتل عمد میں بجائے قصاص کے دیتے لینے کا حق ولی مقتول کو کب ہے؟**  
 اس کے بعد جانتا چاہیے کہ اس حدیث میں ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، وہاں ان یاخذ الدیۃ کے بارے میں وہ یہ کہ قتل عمد کی صورت میں اصل حکم تو قصاص کا ہے کہ ولی مقتول قاتل سے قصاص لے، اور قتل عمد میں دیت لینے

کا اختیار دو اماموں کے نزدیک تامل ہے یعنی امام شافعی و احمد، وھو روایت عن مالک، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ولی مقتول کو اخذ دیتے کا حق اس صورت میں ہے جبکہ قاتل دیت دینے پر راضی ہو، اور اگر وہ راضی نہ ہو تو اخذ دیتے کا حق نہیں ہے۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں شافعیہ و حنبلیہ کے موافق ہے، اور اس مسئلہ پر مستقل باب آگے آ رہا ہے، باب ولی العمد یاخذ الدیت، حنفیہ کی دلیل وہاں آئے گی، یہاں حدیث الباب میں ہے۔ ومن امتدی بعد ذلك فله عذاب الیم، یعنی جو شخص ان امور ثلاثہ سے جو تھے کی طرف تجاوز کرے بعد اس کے یعنی یہ بات اس کو پہنچ جانے کے بعد کہ اختیار صرف تین امور میں ہے، وہ جو تھی چیز کیا ہو سکتی ہے مثلاً معاف کرنے کے بعد یا دیت لینے کے بعد پھر قتل کرے یا شروع میں مطلقاً معاف کر دیا بغیر دیت کے پھر دیت بھی طلب کرنے لگے۔ والحدیث اخرجہ ابن ماجہ و حدیث انس الآتی اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المستذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قتل رجل علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرجع ذلك

الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی کا قتل ہو گیا تو اس واقعہ کو آپ تک پہنچایا گیا اس پر آپ نے اس قاتل کو ولی مقتول کو سونپ دیا، اس قاتل نے آپ سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں تھا (صرف پٹائی کا تھا) مگر وہ مر گیا، تو اس پر آپ نے ولی مقتول سے فرمایا کہ یہ قاتل اگر اپنے قول میں سچا ہے اور پھر بھی تو نے اس کو قتل کر دیا تو تو جہنم میں جائیگا، ولی مقتول نے آپ کی بات سنا کر اس کو چھوڑ دیا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص ایک چمڑے کے تسمب کے ساتھ مکتوف تھا، وہ نکل کر بھاگا اس کے بھاگنے کے ساتھ تسمبہ بھی کھینچتا ہوا جا رہا تھا اس لئے ان کا نام ہی ذوالنسعہ رکھ دیا گیا (تسمبہ والا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس قاتل پر بظاہر قتل عمد کی تعریف صادق آتی ہو تو وہاں قاتل کا یہ کہنا کہ میرا ارادہ قتل کا نہیں تھا یا قضا معتبر نہیں، لیکن اگر وہ قاتل اپنے قول میں صادق ہو تو اس کا یہ قول دیا نہ قابل قبول ہے، ورنہ اس کا وبال ولی مقتول پر پڑے گا (بذل)

والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المستذری۔

لہ مکتوف کہتے ہیں اس شخص کو جس کے دلوں ہاتھ پیچھے کی طرف لپکا کر دی وغیرہ سے باندھ دیئے جائیں اس زمانہ کی ہتھ کڑی کا طریقہ یہی تھا۔

حدثني وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه قال كنت عند النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذ جئ

برجل قاتل في عنقه النسعة الخ-

### مضمون حدیث مع الشرح

وائیل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پاس تھا، ایک قاتل کو آپ کے پاس لایا گیا جسکے گلے میں چمڑے کا تسمہ پڑا ہوا تھا تو آپ نے ولی مقتول کو بلا کر

ترتیب وار اس کے سامنے تین ہاتھیں رکھیں اول عفو کی بات کہ کیا تو معاف کر سکتا ہے، اس نے اس سے انکار کیا، اس کے بعد

آپ نے دیت لینے کو فرمایا، اس نے اس سے بھی انکار کیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو قتل ہی کرنا چاہتا ہے اس نے کہا ہاں، آپ نے

فرمایا اچھا تو لے جا اس کو، اسی طرح سوال و جواب کی نوبت آپ کے اور اس قاتل کے درمیان تین مرتبہ آئی آپ نے فرمایا اما انک

ان عفوت عنه یبوء بانتمہ وانشہ صاحبہ کہ اگر تو اس کو معاف کر دیتا تو وہ لوٹتا اپنے سابقہ گناہوں کے ساتھ، اور اس صاحب واقعہ

یعنی مقتول کے گناہ کیساتھ یعنی اسکے قتل کے گناہ کیساتھ اثم صاحبہ سے مراد اثم قتل صاحبہ ہے اور خود مقتول کے گناہ مراد نہیں یعنی یہ مطلب نہیں

کہ اگر تو اس قاتل کو معاف کر دے گا تو وہ مقتول کے گناہوں کے ساتھ لوٹے گا۔ یعنی مقتول کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے،

کیونکہ یہ مطلب.. ولا تزوروا زرة و زرا آخری کے خلاف ہے، یہ سنگرونی مقتول نے اس قاتل کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا، وہ اپنے

تسمہ کو کھینچتا ہوا بھاگ نکلا، اس جملہ کا یہ مطلب بزل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہی نقل کیا ہے، اور حضرت نے یہ بھی تحریر

فرمایا ہے کہ مراد تو آپ کی یہ ہے جو ہم نے لکھی لیکن عبارت آپ ایسی لائے جو موہم ہے دوسرے معنی کو جو غیر مقصود ہے (مقتول کے گناہوں

کو قاتل پر ڈال دینا) ولی مقتول کو عفو پر ابھارنے کے لئے، اور علامہ سندھی نے بھی اس حدیث کے معنی مراد یہی لکھے ہیں اور اس کے ساتھ

یہ بھی لکھا ہے کہ اس مطلب میں ترغیب عفو کا کوئی خاص پہلو نہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں، وهذا المعنى لا يصلح للترغيب الا ان يقتال

الترغيب باعتبار ايها م الكلام بالمعنى الظاهر، ويجوز الترغيب بمثلہ توسلاً به الى العفو واصلاح ذات البين، كما يجوز التعريض في محله

اور یہ بات یعنی ایہام کلام والی حضرت کی تقریر میں بھی گزر چکی، الحاصل اس حدیث کے جو ظاہری معنی ہیں اس میں تو واقعی ترغیب

عفو خوب ظاہر ہے لیکن وہ معنی اصول کے خلاف ہیں لہذا ظاہری معنی کو چھوڑ کر اس کی تاویل ضروری ہے، اور تاویل کے بعد حدیث

کے معنی وہی ہوتے ہیں جو اب پر لکھے گئے، رہی بات ترغیب کی تو وہ ایہام کلام سے حاصل ہو سکتی ہے، اور صحیح مسلم اور نسائی کی ایک

روایت کے لفظ یہ ہیں۔ ان یبوء باثمک وانشہ صاحبک، ابی اثم قتل صاحبک، صاحبک سے مراد تو مقتول ہی ہے جیسا کہ

یہاں ابو داؤد کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس روایت میں بجائے باثمک کے باثمک ہے جس سے مراد ولی مقتول ہے اسلئے کہ خطاب

اسی کو ہے اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ چونکہ اس قتل ناحق کی وجہ سے ولی مقتول کو صدمہ و رنج پہنچا ہے، اور اسکے باوجود

اس نے معاف کر دیا جس سے اس ولی مقتول کے گناہ معاف اور زائل ہو گئے تو اس ازالہ معاصی میں قاتل کے قتل کو بھی فی الجملہ

دخل ہوا تو اس حیثیت سے کہا گیا ہو کہ باثمک یعنی قاتل کا یہ قتل اور پھر تیری طرف سے اس کا عفو تیرے معاصی کے ازالہ کا

ذریعہ ہوگا

جاء رجل الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بحبشي فقال ان هذا قتل ابن اخی، قال كيف قتله قال ضربت رأسه بالفأس ولم ارد قتله، قال هل لك مال تؤدى ديته؟ قال لا ائو۔

روایت میں جو لفظ "حبشی" آیا ہے اس کو بذل الجہود میں ضم حار اور سکون با کے ساتھ ضبط کیا ہے اور یہ کہ حبشی ایک جگہ کا نام ہے جبل باسفل مکہ، بینہ و بین مکہ ستمہ امیال ائو لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر یہ لفظ منسوباً یعنی یائے نسبت کے ساتھ واقع ہے یعنی برجل حبشی، لہذا یہ نسبت حبشہ کی طرف ہوئی اور حبشہ کی طرف نسبت الحبشی لفظتین مشہور ہے جیسے بال حبشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) چنانچہ نسخہ مندری مطبوعہ میں حبشی ہی مشکل کر کے لکھا ہے۔

**شرح الحدیث** مضمون حدیث یہ ہے: وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص ایک حبشی کو پکڑ کر لایا اور کہا کہ اس نے میرے بھتیجے کو قتل کیا ہے، آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اس کو کیسے قتل کیا اس نے کہا کہ میں نے اس کے سر پر کھاری مار دی تھی لیکن میرا ارادہ اس کو ہلاک کرنے کا نہیں تھا۔ اور سلم کی روایت میں ہے کہ اس نے یہ کہا کہ میں اور وہ ہم دونوں ایک درخت سے پتے وغیرہ چھاڑ رہے تھے اسی نے مجھے کسی بات پر گالی دی جس سے مجھے غصہ آ گیا، اس پر جو کھاری میرے ہاتھ میں تھی اس کی گردن پر مار دی جس سے وہ مر گیا آپ نے پوچھا کہ تیرے پاس اتنا مال ہے کہ جس سے تو اس کی دیت ادا کر سکے؟ اس نے کہا نہیں (اس پر حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی قتل عمد کے اندر دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے نہ کہ عاقلہ پر، وھو جمع علیہ) پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تجھ کو چھوڑ دوں تو تو لوگوں سے مانگ مانگ کر اس کی دیت جمع کر سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ تیرے موالی اور آقا تجھ کو اس کی دیت دے سکتے ہیں؟ اس نے اس سے بھی انکار کیا، آپ نے ولی مقتول سے فرمایا جو اس قاتل کو لیکر آیا تھا کہ پکڑ اس کو اور لے جا قتل کرنے کے لئے، جب وہ لیجانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے اس کو قتل کر دیا تو یہ بھی قاتل ہی جیسا ہو جائے گا، اس جملہ کے شرح نے دو مطلب لکھے ہیں ایک یہ کہ مرتبہ کے لحاظ سے دونوں یکساں ہو جائینگے اور ولی مقتول کو قاتل پر کوئی فوقیت اور فضیلت نہ ہوگی، اپنا حق وصول کر لینے کی وجہ سے، دوسرا مطلب یہ کہ گناہ اور ظلم میں دونوں برابر ہو جائیں گے، کیونکہ قاتل نے یہ بات کہی ہے کہ میرا مقصود اس کو ہلاک کرنا نہیں تھا، پس یہ قتل قتل خطا ہوا یا مشبہ عمد جس میں قصاص نہیں ہے، ذکر الوجہین الامام الخطابی، لیکن بذل میں پہلے ہی معنی اختیار کئے ہیں اور حاشیہ بذل میں لکھا ہے وہ جرم فی احکام القرآن ص ۱۵۱۔

فبلغ به الرجل حیث یسمع قوله، یعنی ولی مقتول اس قاتل کو اس جگہ لے گیا جہاں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی تھی اور آپ کے سامنے پہنچ کر عرض کیا لیجئے یہ قاتل حاضر ہے اس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمادیجئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دے، اپنے گناہوں کو لے کر لوٹے گا، اور جہنم رسید ہوگا، اس پر اس نے قاتل کو چھوڑ دیا۔

یہ وائل بن حجر کی حدیث ہے جس کو مصنف نے چند طرق سے اختلاف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، بظاہر یہ ایک ہی واقعہ ہے،

امام نسائی کے طرز سے بھی یہی کچھ میں آتا ہے کیونکہ یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ والحدیث اخرجہ سلم والنسائی قال المنذری۔  
**محلّم بن جثامۃ اللیثی کا واقعہ قتل اور اسکی تشریح**  
 دو طریق سے ذکر کیا ہے پہلے طریق میں مصنف کے استاد موسیٰ بن اسماعیل ہیں اور دوسرے میں وہب بن بیان، اور دونوں طریق محمد بن جعفر بن الزبیر ہر جا کر مل جاتے ہیں، اور محمد بن جعفر

روایت کرتے ہیں زیاد بن سعد سے اور زیاد بن سعد روایت کرتے ہیں اپنے باپ سعد بن ضمیرہ سے (جیسا کہ وہب کی روایت میں ہے) اور موسیٰ کی روایت میں عن ابیہ کے بعد عن جدہ بھی ہے جس سے مراد ضمیرہ ہیں جسکا مطلب یہ ہوا کہ زیاد اس حدیث کو اپنے باپ سعد اور دادا ضمیرہ دونوں روایت کرتے ہیں، یہ حدیث عمرو بن الزبیر و یحییٰ بن خالد کا قائل زیاد اور عمروہ ترکیب میں مفعول بہ ہے اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے زیاد بن سعد سے اس وقت سنی جبکہ وہ اس کو عروہ سے بیان کر رہے تھے

یعنی تصدیقاً تو وہ عروہ کو سنا رہے تھے مگر میں نے بھی سنی، وکانا شہدا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 حنیناً موسیٰ کی روایت میں یہ ہے کہ یہ دونوں یعنی سعد اور ضمیرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حنین میں شریک تھے شام  
 رجعتنا الی حدیث وہب، مصنف یہاں ان دو طریق میں سے طریق ثانی یعنی وہب بن بیان کے الفاظ نقل کر رہے ہیں،  
 یعنی گو روایت تو مصنف کو موسیٰ اور وہب دونوں سے پہنچی ہے لیکن یہاں مصنف جو الفاظ ذکر کر رہے ہیں وہ وہب کی روایت  
 کے ہیں (یہاں تک حل سند اور اس کی تشریح تھی) ان محلّم بن جثامۃ اللیثی قتل رجلا من اشجع فی الاسلام وذلك

اول غیر قضی بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قتلہ غیر غینۃ فی قتل الاشجعی لانہ من غطفان وتکم  
 اقرع بن حابس دون محلّم لانہ من خندف فلرقتت الاصرات وکثرت الخصومة واللغظ،

راوی واقعہ بیان کر رہا ہے کہ محلّم بن جثامۃ اللیثی نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر دیا جس کا نام عامر بن الاضبط الاشجعی ہے  
 اور ہجرت میں جمع الزوائد میں ذکر القصة یہ قتل کا قصہ ابتداء اسلام کا ہے جیسا کہ آگے اسی روایت میں آ رہا ہے۔ حسین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
 دیت کا فیصلہ فرمایا تھا چونکہ واقعہ قتل کا یہ پہلا تھا، لہذا دیت کا فیصلہ بھی پہلا ہوا، جیسا کہ راوی کہہ رہا، وذلك اول غیر غیر کدیہ لفظاً ومعنی۔

اس پر عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کھڑے ہوئے، اول الذکر مقتول کی جانب سے کہ اس کے قبیلہ کا تھا اور مؤخر الذکر قاتل  
 یعنی محلّم کی جانب سے، کیونکہ وہ محلّم کے قبیلہ کا تھا، مطلب یہ کہ جو شخص قاتل کے قبیلہ کا تھا یعنی اقرع بن حابس وہ تو یہ چاہتا تھا  
 کہ فیصلہ بجائے قتل اور قصاص کے دیت ہی پر ہو جائے، اور جو شخص مقتول کی جانب سے تھا یعنی عیینہ بن حصن، وہ فیصلہ بجائے  
 دیت کے قصاص کا چاہتا تھا، دونوں فریق میں گریبا گری اور مجلس میں شور ہو گیا، سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر جبکہ آپ مقام حنین میں تھے ایک درخت کے سایہ کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور وہاں یہ بات چیت فریقین  
 میں ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عیینہ سے فرمایا کہ کیا تو دیت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں؟ اس نے کہا نہیں بخدا جب تک  
 میں قاتل کے گھر والوں پر وہ غم اور مصیبت نہ واقع کر دوں جو اس نے ہمارے گھر والوں پر ڈالی ہے، اس پر پھر شور ہوا اور جھگڑا بڑھا



آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خمینیہ سے پھر وہی بات فرمائی اس نے ہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ الی ان قام رجل من بنی لیث یقال لہ مکیتل علیہ شکة وفی یدہ لادرقۃ ایہاں تک کہ ایک شخص لیث یعنی جو قاتل کے قبیلہ کا تھا جس کا نام مکیتل تھا جس کے بدن پر بھتیاں تھے اور ہاتھ میں ایک ڈھال تھی اس نے مجلس میں کھڑے ہو کر یہ کہا یا رسول اللہ انی لم اجد لہما فعل ہذا فی غسرة الاسلام مثلاً الاغتما ووردت فرجی اولہا فنغزناخرجنا اسکن الیوم وغیر غنڈا، اس شخص نے کھڑے ہو کر تقدیر کے انداز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے یہ عرض کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ وہ قاتل کے قبیلہ کا تھا لیکن اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قصاص ہی لینے کا مشورہ دیا اور اپنی اس رائے کی تائید اور تقویت کے لئے دو مثالیں پیش کیں پہلی مثال میں قصاص لینے کا فائدہ بھایا اور دوسری مثال میں ترک قصاص کی مضرت، پہلی مثال یہ ہے جیسے کوئی بکریوں کا ریوڑ جو پانی کی طرف جا رہا ہو جس میں ایک بکری آگے آگے چل رہی ہو اور اس کا کوئی شکار شکار کر لے تو ظاہر ہے کہ پچھلی ساری بکریاں جان بچا کر بھاگ جائیں گی، یہ مثال تو ہوتی قصاص لینے کے فائدہ میں اس طرح پر کہ یہ واقعہ قتل اسلام میں قتل کا پہلا واقعہ ہے اب اگر اس میں قاتل سے قصاص لے کر اس کو قتل کر دیا گیا تو دوسرے لوگ جو اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں قتل و غارت وہ اس سے عبرت پکڑیں گے اور پھر آگے ان کو اس قسم کے واردات کی ہمت نہیں ہوگی۔

اور دوسری مثال جس سے ترک قصاص کی مضرت بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے اسن الیوم وغیر غنڈا، کہ اگر آپ نے اس مرتبہ بچائے قصاص کے دیت قبول کر لی اور پھر اس کے بعد کوئی اور قصہ قتل کا پیش آیا وہاں بھی اولیائے قاتل اسی پر اصرار کریں گے کہ اس موقع پر بھی دیت ہی کا فیصلہ کر دیا جائے اور قصاص نہ لیا جائے، اور اگر آپ قصاص لینا چاہیں گے بھی تب بھی وہ لوگ اس پر تیار نہ ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اس مرتبہ تو دیت ہی قبول کر لیں اور آج کے بعد کوئی اور قتل کا قصہ پیش آئے گا اس میں آپ قصاص لے لیجئے گا، حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ اس مرتبہ ترک قصاص اور دیت لینے سے آئندہ دیت ہی کا فتح باب ہو جائے گا اور پھر یہی سلسلہ چل پڑے گا، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسکی اس تقریر سے کچھ متاثر نہیں ہوتے بلکہ اسکے بعد بھی آپ نے دیت ہی کا فیصلہ فرمایا اور اس کی تقریر کو قطعاً نظر انداز کر دیا، چنانچہ روایت میں ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فمسون فی نورنا ہذا وفسون اذا رجعنا الی المدینۃ وذلك فی بعض اسفاسۃ، یعنی آپ نے فرمایا کہ دیت میں سوادنٹ لے جائیں گے سچاس فی الحال اور سچاس مدینہ واپسی پر آگے روایت میں ہے: وحلم رجل طویل ادم ہونی طرف الناس یعنی وہ قاتل یعنی محل ایک لائے قد کا آدمی تھا گندمی رنگ مجلس کے کنارے پر تھا، آپ کے ارد گرد چونکہ لوگوں کا مجمع تھا تو وہ محل اپنی جگہ سے اٹھ کر گویا لوگوں کو چیرتا ہوا آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا، اسکے آنسو بہ رہے تھے اس نے اپنے اس جرم کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے توبہ کی اور آپ سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ

عہ آج تو یہی طریقہ اختیار کر لیجئے جو شروع میں کیا تھا یعنی دیت، آئندہ اس میں جو آپ چاہیں وہ تغیر کر لیں۔

تو نے ابتدائے اسلام میں اپنی تلوار سے اس کو ناحق قتل کیا ہے، اور پھر آپ نے ناراض ہوتے ہوئے اس کے لئے بجائے استغفار کے باواز بلند یہ فرمایا اللهم لا تغفر لہم اسے اللہ محکم کی مغفرت نہ کیجئے، اس پر وہ محکم اپنی چادر کے سر سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا کھڑا ہو گیا، راوی حدیث ابن اسحاق کہتا ہے کہ محکم کے قبیلہ ولے یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کے بعد محکم کے لئے استغفار فرمائی۔ آپ کی اس بددعا اور واقعہ کا ذکر اور خواہ ہمارے یہاں ابواب المرورین یدی المصلیٰ میں ایک حدیث کے ذیل میں جس میں آپ نے آپ کی نماز کے سامنے سے گزرنے والے سے فرمایا تھا اللهم اقطع اثرہ وہاں گزر چکا کیستل نے اپنی تقریر میں جو دو مثالیں بیان کیں اس کے بارے میں حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے لکھا ہے ذکر فی حاشی ابی داؤد عدۃ معانی نقول کیستل، فارح الیہ، یعنی ان جملوں کی تشریح میں اور بھی اقوال ہیں جو حاشیہ ابوداؤد میں لکھے ہیں۔

اور یہ جو روایت میں آیا ہے راوی کے کلام میں وذلك اول غیر کہ یردیت کا پہلا فیصلہ ہے، اس میں تسامح ہے اس لئے کہ یہ واقعہ تو غزوہ حنین میں پیش آیا تھا ۸ھ میں، جیسا کہ اوپر گزر چکا، لہذا یہ اولیت اضافی ہو سکتی ہے کسی لحاظ سے، یا زائد سے زائد یوں کہہ لیجئے کہ اول کا مطلب یہ کہ شروع شروع کا قصہ ہے۔ والحدیث اخیرہ ابن ماجہ مختصراً، قالہ المنذری۔

## باب ولی العمد یاخذ الدیۃ

یعنی قتل عمد کی صورت میں ولی مقتول اگر دیت لینا چاہے تو لے سکتا ہے، یعنی بجائے قصاص کے، لیکن یہ دیت لینا حنفیہ اور امام مالک کے مشہور قول میں فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، لہذا بغیر قاتل کی رضامندی کے ولی مقتول کو اخذ دیت کا حق نہیں ہے بلکہ قصاص کا ہے، اور تیسرا حق یعنی عفو وہ تو بہر حال ہے ہی کہ نہ قصاص لے نہ دیت، اور امام شافعی اور احمدی اور مالک فی روایت اور داؤد ظاہری ان کے نزدیک ولی مقتول کا اختیار ہے مطلقاً، قاتل چاہے یا نہ چاہے، یہ مسئلہ اور اس میں اختلاف پہلے بھی گزر چکا، اور یہ تو اس مسئلہ کا اصل محل ہے ہی۔

الا انکم معشر خزاعۃ قتلتم هذا القتیل من ہذیل وانی عاقلہ الخ۔

شرح الحدیث من حیث الفقہ | جس قتل کے واقعہ کا ذکر اس روایت میں ہے وہ قتل فتح مکہ والے سال پیش آیا جس کا ذکر ہمارے یہاں مقدمۃ العلم میں کتاب الحدیث کی بحث میں بھی گذرا ہے، صحیح بخاری

کی روایت ہے کتاب العلم میں ان خزاعۃ قتلوا رجلاً من بنی لیت عام فتح مکہ۔ بقتیل منہم قتلوہ فاخیر بذاک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرکب راحلہ فخطب الحدیث جس کے اخیر میں وہ ہے جو یہاں روایت میں مذکور ہے، اس پہلی روایت میں بھی اور اسکے مابعد والی میں بھی، حاصل یہ کہ ایک خزاعی شخص نے ایک ہذلی شخص کو ان ہی ایام میں مکہ مکرمہ میں قتل کیا زمانہ جاہلیت کے ایک قتل کے انتقام میں جو ہذیل نے کیا تھا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی طرف سے اس کی عقل یعنی دیت ادا کرتا ہوں، اور پھر آپ نے قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا کہ اگر کسی قوم کا آدمی عداقت میں قتل کر دیا جائے تو ولی مقتول کو دو اختیار ہیں

یادیت لے لے یا قصاص، بین ان یاخذ والعقل او یقتلوا۔ اور بعد والی روایت میں بھی یہی ہے اسکے لفظیہ میں اما ان یودی  
واما ان یقتاد یعنی ولی مقتول کو دیت دیجائے اور یاخذ قصاص لے، یہ حدیث اپنے اطلاق اور عموم کے پیش نظر امام شافعی و احمد کی دلیل  
ہے، مذکورہ بالا اختلافی مسئلہ میں، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اخذ دیت کا حکم مقید ہے یعنی بشرطیکہ قاتل دیت دینے پر راضی  
ہو، اکثر روایات کے الفاظ تو ایس طرح ہیں اور ترمذی کی ایک روایت میں اس طرح ہے جو اس میں باب کی پہلی روایت ہے۔

ما جاء فی حکم ولی القتل فی القصاص والعفو، بروایت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من قتل لہ قتیلاً فہو خیر النظرین اما ان یعفو واما  
ان یقتل، اس میں صرف عفو یا قصاص مذکور ہے، اور دوسری روایت وہی ابو شریح کی ہے جس کے الفاظ وہی ہیں جو ابوداؤد میں گذرے  
ہیں قتل لہ قتیلاً بعد الیوم فاحلہ بین خیرین اما ان یقتلوا او یاخذوا العقل ساور تیسری روایت اس طرح ہے: من قتل لہ قتیلاً  
قلہ ان یقتل او یعفو او یاخذ الیوم۔ اس میں تینوں اختیار مذکور ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: ذهب الی هذا (ای الاختیار بین الامور  
الثلاثہ) بعض اہل العلم وهو قول احمد واسحاق اسکے حاشیہ میں لمعات سے لکھا ہے: وهو مذہب الشافعی و احمد و عند ابی حنیفہ و مالک  
لا یشبہ الیدیۃ الابریضا القاتل، وهو احد قولی الشافعی لان موجب القتل عمد هو القصاص لقولہ تعالیٰ: کتب علیکم القصاص فی القتل،  
الا ان تعدد کذا فی الاصل والظاهر ہر ہر مقید) بوصف العمد لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم العمد قود، ای موجبہ قایب المال زیادۃ فلا  
یکون للولی اخذ الیدیۃ الابریضا القاتل، والمسئلۃ مختلفۃ فیہا بین الصحابۃ ومن بعدہم، ویکون حمل الحدیث علی ذلک ایضاً، فافہم۔

بہذاں میں حنفیہ کی طرف سے امام طحاوی کا جواب نقل کیا ہے قال الطحاوی وایضاً ہم حدیث  
مسئلۃ الباب میں حنفیہ کی دلیل انس فی قصۃ الریح عمۃ، فقال البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتب اللہ القصاص، فانہ  
حکم بالقصاص ولم یخیر، ولو کان الخیار للولی لا علم البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی آخر فی البہذاں، یہ حدیث جو امام طحاوی کے کلام میں ہے  
یہ آگے کتاب میں۔ باب القصاص من السنن میں آ رہی ہے ولفظہ: کسرت الریح اخت انس بن النضر ثنیۃ لمرأۃ قالوا البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم فقضى بکتاب اللہ القصاص، فقال انس بن النضر والذی بعثک بالحق لا تکر ثنیۃ الیوم، قال یا انس کتاب اللہ القصاص الحدیث  
اور اس حدیث کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث مقید ہے دوسری احادیث کی بنا پر۔

## باب من قتل بعد اخذ الیدیۃ

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا اعفی من قتل بعد  
اخذ الیدیۃ۔

اس۔ لا اعفی۔ میں علامہ سنہدی نے دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے بروزن اگر تم، یا مضارع  
معروف واحد مکمل، اعفار سے (لا اعفی) پہلی صورت میں یہ معنی لکھے ہیں ای لا کثر مالہ ولا استغنی، یعنی خدا  
کرے اس شخص کے مال میں کثرت اور برکت نہ ہو جس نے دیت لینے کے بعد قتل کر دیا، اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ میں

نہیں معاف کر دیں گا اس شخص کو (بلکہ لامحالہ سزا دیں گا) جس نے زیت لینے کے بعد قصاص لیا، اور اسی طرح بعینہ بذل الجہود میں بھی ہے اور صاحب نہایہ نے اس میں صرف ایک ہی احتمال لکھا ہے اور ہمارے پاس جو نہایہ کا نسخہ ہے اس میں اس کو لا اصفحاً ماضی معروف کے طور پر لکھا ہے، اور لکھا ہے: هذا على اي لاكثر مال ولا استغنى به۔

یہ مضمون حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے قریب میں گذر چکا " فان اراد الرابعة فخذوا على يديه ومن اعتدى بعد ذلك فله مناب اليم۔"

## باب فیمن سقی رجلا سماً او اطعمه فمات ايقاد منه؟

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه ان امراً قايه يهودية اتت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم بشاة مسومة فاكل منها فجنى بها الى رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم اور باب کی تیسری روایت میں ہے: فاخذ رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم الذراع فاكل منها وكل رطط من اصحابه معه۔

آپ کو لحم مسموم کھلانے کا قصہ | یہ واقعہ سب سے کافی ہاشم البذل عن التلغیح چنانچہ ایک روایت میں ہے اسی باب کی اہدات لہ یهودیۃ بخین اس سے معلوم ہوا غزوہ خیبر کے موقعہ کا قصہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک یہودی عورت جس کا نام زینب بنت الحارث لکھا ہے جو سلام بن مشکم کی بیوی تھی اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری کا بھنا ہوا گوشت زہر آلود کر کے آپ کو بطور صدیہ پیش کیا، آپ نے اس کا دست اٹھا کر کھانا شروع کیا اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب نے بھی کھایا اور پھر ایک دم آپ نے کھانے والوں کو کھانے سے روک دیا، اور اس یہودیہ کے پاس ایک شخص کو بھیجا بلانے کے لئے جب وہ حاضر ہو گیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے اس گوشت میں زہر ملا یا ہے، اس نے کہا آپ کو کس نے خبر دی تو آپ نے اس ذراع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو آپ کے ہاتھ میں تھی کہ مجھ کو اسی نے خبر دی ہے، یہ سن کر اس نے اعتراف کیا، آپ نے پوچھا کہ تیرا مقصود اس سے کیا تھا؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو ان کو کچھ نقصان نہ ہوگا، اور اگر واقع میں نبی نہیں ہیں (تو اچھا ہے مر جائیں گے ہمیں ان سے خلاصی ملے گی) آپ نے اس کا جواب سن کر درگزر فرمادیا۔ اور پھر آگے باب کی آخری حدیث میں ہے: فسأت بشر بن البراء بن معرور کہ چونکہ اس کے کھانے والوں میں بشر بن معرور انصاری صحابی بھی تھے وہ اس زہر کے اثر سے مر گئے تب آپ نے اس یہودیہ کو قصاصاً قتل کر دیا، روایت میں ہے راوی کہتا ہے فما زلت اعرفها في لهوات رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم کہ اس لحم مسموم کا اثر ہم آپ کے حلق میں ہمیشہ ہی محسوس کرتے رہے "لهوات" جمع ہے "لهات" کی جو حلق کے بالکل اخیر میں گوشت کا ذرا سا ٹکڑا لٹکا ہوا ہوتا ہے جس کو کوا کہتے ہیں، اور بعد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس زہر کے اثر سے بچنے کے لئے علاجاً اپنے موندھے کے قریب پر بچھنے بھی لگوائے تھے، یہاں اس باب میں ابو داؤد کے بعض نسخوں میں چند روایات زائد ہیں جو "بذل الجہود کے حاشیہ پر لکھی ہوئی ہیں ان میں سے ایک روایت میں یہ ہے، ثم قال في وجهه الذي مات فيه ما زلت اجد من الاكلة

التي اكلت بغيبر فهذا اوان قطعت ابهرى، اور ایک روایت میں ہے ان ام بشر قالت للنبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في مرضه الذي مات فيه ما اهتم بك يا رسول الله! فاني لا اهتم بابني شيئا الا الشاة المسمومة التي اكل معك بخير فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وانا لا اهتم بنفسى الا ذلك فهذا اوان قطع ابهرى، یعنی بشر بن البراء کی والدہ آپ کی خدمت میں آئیں آپ کے مرض الوفاۃ میں اور پوچھا کہ آپ اپنی اس بیماری کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں؟ میں تو اپنے بیٹے کے بارے میں یہی وہم اور خیال کرتی ہوں کہ اس کو اس شاة مسمومہ ہی کا اثر ہے جو اس نے آپ کے ساتھ کھائی تھی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے اور بس اب یہ میری شہ رگ کے انقطاع کا وقت ہے، صحیح بخاری میں بھی کتاب المغازکہ باب مرض النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ووفاته میں اس مضمون کی روایت ہے: قالت عائشة رضي الله تعالى عنها كان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول في مرضه الذي مات فيه يا عائشة ما زال اجد الم الطعام الذي اكلت بغيبر فهذا اوان وجدت انقطاع ابهرى من ذلك السم،

**مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ** | مصنف کی غرض ان احادیث کو ذکر کرنے سے اس مسئلہ کو بیان کرنا ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو زہر کھائے یا پلائے اور وہ مر جائے تو اس صورت میں قصاص ہے یا نہیں اس مسئلہ میں مذاہب بڈل الجہود میں امام خطابی سے یہ نقل کئے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے کھانے میں زہر ملا دے اور وہ اس کو کھالے اور کھا کر مر جائے تو امام مالک کے نزدیک اس میں بہر صورت قصاص ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اگر زہر ملا کر اس کو کھلائے یا پلائے بغیر بتائے اور وہ مر جائے تو اس صورت میں تو قصاص ہے اور اگر کھانے میں زہر ملا کر اس کے سامنے رکھ دے اور یہ نہ کہے کہ تو اس کو کھالے بلکہ وہ از خود اس کو کھالے یا پیئے اور مر جائے تو اس صورت میں قصاص نہیں، یہ امام شافعی کا ایک قول ہے، اور اگر بالجبر پلائے تو اس صورت میں امام شافعی کے یہاں بھی قصاص متعین ہے اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف پلانے کی صورت میں تو قصاص نہیں ہاں ایجار کی صورت میں دیت واجب ہوگی یعنی کسی کو لٹا کر اپنے ہاتھ سے اسکے حلق میں زہر ٹپکانے تب دیت ہے ورنہ نہیں، بدائع میں بھی حنفیہ کا مذہب یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے سامنے کھانے یا پینے کی چیز زہر ملا کر رکھ دے اور وہ دوسرا شخص خود اٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھالے یا پی لے، اس صورت میں دیت نہیں ہے بلکہ تعزیر اور تادیب ہے، اور اگر ایجار کی صورت اختیار کرے تو اس میں دیت واجب ہوگی، پس حاصل یہ کہ امام مالک کے نزدیک اس مسئلہ میں مطلقاً قصاص ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر اہ کی صورت میں تو قصاص ہے اور بدون اگر اہ کے دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسکے سامنے رکھ دے اور کچھ نہ کہے تو اس صورت میں قصاص نہیں ہے اور اگر سامنے رکھ کر کھانے یا پینے کا امر کرے تو اس صورت میں ان کا ایک قول یہ ہے کہ قصاص واجب ہوگا، دوسرے قول میں نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک قصاص تو کسی صورت میں نہیں، اور عرض کی صورت میں صرف تعزیر ہے اور ایجار کی صورت میں ان کے نزدیک دیت ہے۔

حدیث الباب میں چونکہ قصاص لینا مذکور ہے جو حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے بلکہ شافعیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک قصاص اگر اہ کی صورت میں ہے غالباً اسی لئے خطابی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان روایات میں جن میں قصاص مذکور ہے



اختلاف واضطراب ہے اور بعض میں انقطاع، اور دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر اس یہودیہ کا قتل قصاصاً نہ تھا بلکہ تعزیراً۔  
حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری و مسلم قالہ المنذری۔

## باب من قتل عبداً او مثلہ ایقادمتہ؟

یعنی جو شخص اپنے غلام کو جان سے مار دے یا اس کا کوئی عضو ضائع کر دے تو اس میں قصاص ہے یا نہیں؟

عن الحسن عن سمرة رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من قتل عبداً قتلناك  
ومن جلد عبداً جلدناك۔

حدیث کی شرح اور مذاہب ائمہ کی تفصیل | جرد کے معنی ہیں ناک یا کان کاٹ دینا، اور زیادہ تر اس کا استعمال قطع الانف میں ہوتا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں

کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کی ناک کان کاٹے گا ہم اس کی ناک کان کاٹیں گے۔

غلام اور اس کے مولیٰ کے درمیان قصاص کہ غلام کا مولیٰ سے قصاص لیا جاتے جیسا کہ اس حدیث میں ہے ایسا ائمہ اربعہ

میں سے کسی کے یہاں نہیں ہے، البتہ بعض علماء اس کے قائل ہیں جیسے سفیان ثوری، قال الثوری اذا قتل عبداً او عبداً غیرہ قتل

به كذا في البذل عن الخطاب، حنفیہ کے نزدیک تو یہ حکم یعنی ترک قصاص کا اپنے غلام کے بارے میں ہے لیکن اگر غلام دوسرے کا ہے

تو حر اور عبداً غیرہ کے درمیان حنفیہ قصاص کے قائل ہیں اور ائمہ ثلاثہ اور بعض دوسرے علماء مطلقاً قصاص بین الحر والعبد کے قائل نہیں

خواہ اپنا غلام ہو خواہ دوسرے کا، لیکن یہاں حدیث میں خود مولیٰ اور اسکے عید کے درمیان قصاص کا ثبوت ہے جو ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔

اس کی تائید یہ کی جاتی ہے کہ یہ حدیث زجر و توجیح پر محمول ہے تاکہ لوگوں کو اس پر اقدام کی

ہمت نہ ہو جیسا کہ شارح خمر کے بارے میں آتا ہے کہ اس کو پانچویں مرتبہ میں قتل کر دیا جائے،

اور دوسری تاویل اس حدیث کی یہ کی گئی ہے کہ اس عید سے اپنا آزاد کردہ مراد ہے یعنی جو پہلے

جمہور اور ائمہ اربعہ کی طرف سے  
حدیث الباب کی توجیہ

لہ اور اصل خطابی میں اسکے بعد یہ ہے: وقد اختلف عنه (ای عن الثوری) فی ذلک، وکل انہ قال مثل قول ابی حنیفہ واصحابہ۔

کہ یعنی قصاص فی النفس اور قصاص فی ابدان النفس بین الحر والعبد کے حنفیہ بھی قائل ہیں فقی الہدایہ ص ۵۳۳ ولا قصاص بین الرجل والمرأة فی ابدان النفس ولا بین الحر والعبد

ولا بین العبدین (ای فی ابدان النفس) مع علماء سنن فرماتے ہیں یہ جو تاویل و توجیہ شرح کیا کرتے ہیں کہ اس لفظ سے مقصود زجر و توجیح ہے اس کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ

اس لفظ کے سوائے زجر کے اور کوئی معنی مراد نہیں اس لئے کہ پھر تو وہ لفظ جعل ہو جائیگا اور نہ یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ مستعمل تو معنی حقیقی ہی میں ہے لیکن مقصود زجر ہے

کیونکہ اس کا تو گویا مطلب یہ ہوا کہ مصلحت کذب جائز ہے بلکہ اس توجیہ کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ یہ لفظ مقام کے مناسب معنی مجازی میں مستعمل ہے مثلاً مطلق سزا اور

سخت لفظ استعمال کیا گیا زجر و توجیح کیلئے اھ۔ بہت بہتر تشریح ہے فقہ درہ۔ ایک مرتبہ فقہ شیعہ نے منایا تھا کہ میں نے اپنے والد صاحب کے سامنے کہہ دیا کہ بار

میں یہ کہا کہ یہ تو تغلیظ پر محمول ہے تو شیخ فرماتے تھے کہ میری اس بات پر والد صاحب کو بہت ہی غصہ اور ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ تغلیظ کی توجیہ اخبار میں نہیں چلتی۔



اس کا عید تھا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں، والذین یؤفون عنکم ویذرون ازواجہم الا یتیم۔ اس آیت میں بیوہ عورت پر یعنی اسکے شوہر کے انتقال کے بعد زوج کا اطلاق کیا گیا ہے یعنی ماکان کے اعتبار سے، اور ایک جواب نسخ کا کیا گیا ہے کہ یہ حدیث سمرہ منسوخ ہے، اس حدیث میں قتل کے بعد دوسرا جزر جدرع ہے اول یعنی قتل یہ تو ہوا قصاص فی النفس اور ثانی یعنی جدرع یہ ہوا قصاص فی مادون النفس اس جزر ثانی میں علماء کا اتفاق ہے کہ قصاص فی مادون النفس بین العید والحرم مطلقاً نہیں ہے خواہ اپنا عید ہو یا عید غیر اگر بعض علماء کا اختلاف ہے بھی تو صرف جزر اول یعنی قصاص فی النفس میں ہے بعض سے مراد سفیان ثوری کا تقدم آقا۔ اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ جب یہ حدیث جزر ثانی کے اعتبار سے منسوخ ہے تو جزر اول کے اعتبار سے بھی منسوخ ہے، لما ثبتا ثبتا معاً فلما نسخا نسخا معاً، کذا فی البذل عن الخطابی امام ترمذی حدیث الباب کے بعد فرماتے ہیں: هذا حدیث حسن غریب وقد ذهب بعض اهل العلم من التابعین منہم ابراہیم النخعی الی هذا، وقال بعض اهل العلم منہم الحسن البصری وعطار بن ابی رباح لیس بین الحرم والعید قصاص فی النفس ولا فی مادون النفس، وهو قول احمد واسحاق وقال بعضهم اذا قتل عبده لایقتل به واذا قتل عبداً غیرہ قتل به وهو قول سفیان الثوری اھ امام ترمذی نے اس حدیث پر عمل ابراہیم نخعی کا ذکر کیا ہے اور ثوری کا مذہب حنفیہ کے موافق لکھا ہے بخلاف خطابی کے کہ انہوں نے اس پر عمل ثوری کا لکھا ہے اور نخعی کا مذہب حنفیہ کے موافق لکھا ہے لیکن خطابی سے گذر گیا کہ سفیان ثوری کے اس میں دو قول ہیں، پس ہو سکتا ہے کہ نخعی سے بھی دونوں روایتیں ہوں مثل سفیان ثوری کے والله تعالیٰ اعلم۔

ائمہ ثلاث کا استدلال جو مطلقاً قصاص بین الحرم والعید کے قائل نہیں ہیں اس آیت کریمہ سے ہے، کتب علیکم القصاص فی القتل الحرم بالحرم والعید بالعید اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ تخصیص الشیء بالذکر لا ینفی الاحکام عما عداه۔

بعد والی روایت میں یہ ہے: زاد شہان الحسن نسى هذا الحدیث فكان یقول لایقتل حر بعید، قتارہ جو حسن بصری کے شاگرد ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے استاد اس حدیث کو بیان کر کے بھول گئے چنانچہ وہ کہتے تھے لایقتل حر بعید، خطابی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث مآول ہو اور زجر و توبیخ پر محمول ہو جیسا کہ جمہور کہتے ہیں، یا کوئی اور تاویل وہ اس کی کرتے ہوں، اھ۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء رجل مستصحب الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقتل:

جاریۃ لہ یا رسول اللہ، فقال ریحک، ما لہ؟ فقال شہن ابصر لسیدۃ جاریۃ لہ فغار علیہا، فحبت مذاکیرۃ الخ۔

**مضمون حدیث** یعنی ایک شخص چلاتا ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور یہ کہتا ہوا جاریۃ لہ یا رسول اللہ کہ اسکی باندی یا رسول اللہ یعنی شہت تکلیف کو مجھ سے پورا حملہ وہ ادا نہ کر سکا بس اتنا ہی کہا کہ اس کی باندی، آپ نے فرمایا کہ تیرا ناس ہو تجھے کیا ہوا، یعنی آگے تو بات کہو، اس پر اس نے کہا کہ بہت برا ہوا میں نے اپنے آقا کی باندی کو دیکھ لیا تھا جس پر اس کو غیرت آئی اور میرا ذکر اس نے کاٹ دیا، آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو میرے پاس لایا جائے، اس کو تلاش کیا گیا مگر ملا نہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام سے کہا تو جو آزاد ہے، اس نے عرض کیا کہ میری مدد اور حمایت کون کرے گا یعنی اگر میرا

مولیٰ مجھ پکڑنے لگے، تو آپ نے فرمایا کہ تیری مدد ہر مسلمان پر واجب ہے۔

بذل میں لکھا ہے کہ یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے اور اس میں اس چینی والے غلام کا جواب یہ مذکور ہے: سیدی را آنی اُقبل جاریۃ لہ فجب مذکیری، اور ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ہے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس غلام کے مولیٰ کا نام زینب ع ہے ابو روح، اور حاشیہ بذل میں ابن ابی جوزی کی تعلق سے منقول ہے کہ اس غلام کا نام سند ہے۔

## باب القسامة

**قسامة سے متعلق مباحث اربعہ** | یہاں پر چار بحثیں ہیں (۱) لفظ قسامة کے لغوی و شرعی معنی (۲) قسامة کی مشروعیت اور اس میں علماء کا اختلاف (۳) قسامة کی کیفیت اور طریقہ (۴) القصاص بالقسامة، یعنی قسامة

سے قصاص کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے یا نہیں، یا صرف عیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

بحث اول: کہا گیا ہے کہ قسامة اہم مصدر ہے بمعنی القسم، اور کہا گیا ہے کہ یہ مصدر ہے، يقال اقسم يقسم قسامة، نیز اس کا اطلاق اس جماعت پر بھی ہوتا ہے جو قسمیں کھاتی ہے، امام الحرمین سے منقول ہے کہ قسامة عند الفقہاء تو نام ہے ایمان کا، اور اہل لغت کے نزدیک حالفین کی جماعت کا، اور شرعاً قسامة نام ہے ان قسموں کا جن کو اولیاء مقتیل کھاتے ہیں استحقاق دم پر (هذا علی قول الجمهور) یا ان قسموں کا جن کو مدعی علیہم کھاتے ہیں نفی قتل پر (علی قول الحنفیة)

بحث ثانی: قسامة ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں پائے جاتے تھے اور پھر اسلام نے بھی ان کو برقرار رکھا، ابن عبد البر فرماتے ہیں، کانت فی الجاہلیۃ فاقرا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی ما کانت علیہ فی الجاہلیۃ، رواہ عبد الرزاق، اور صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جاہلیت میں اولاً جو قسامة پائی گئی وہ ہمارے میں یعنی بنو ہاشم میں پائی گئی، کان رجل من بنی ہاشم استاجرہ رجل من قریش من فخذ اخری۔ الی آخر القصة۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر عنوان قائم کیا۔ القسامة فی الجاہلیۃ، اور اس سے پہلا باب ہے۔ باب ایام الجاہلیۃ۔ اور یہ دونوں باب ابواب المناقب کے ضمن میں ہیں اس کے بعد پھر امام بخاری نے کتاب الحدود کے بعد کتاب الریات کے ضمن میں دوبارہ باب القسامة کا باب قائم کیا جس میں انہوں نے اسلام میں آپ کے زمانہ میں جو قسامة پیش آئی اس کو ذکر فرمایا، اور امام نسائی نے کتاب البیوع کے بعد متصلاً کتاب القسامة والقود والریات کو ذکر کیا اور اس میں شروع میں ہی ابن عباس والی روایت قسامة فی الجاہلیۃ کی ذکر کی، اسکے بعد متصلاً قسامة کا دوسرا باب قائم کیا جس میں یہود خیر والی قسامة کو ذکر کیا قسامة فی الجاہلیۃ والا قصہ ہمارے یہاں ابو داؤد اور ترمذی میں نہیں ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ قسامة اصول شرع میں سے ایک اصل ہے، تقریباً تمام ہی علماء صحابہ اور تابعین اسکے قائل ہیں اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، لیکن بعض علماء اسکے قائل نہیں جیسے سالم و سلیمان بن یسار قتادہ، و ابن حلیہ، اور امام بخاری، اور عمر بن عبد العزیز سے اس میں دو روایتیں ہیں اور ابن رشد نے بھی یہی بات لکھی ہے، اور اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ جمهور علماء

کا استدلال وہ حدیث ہے جو حویصہ اور حیحصہ کے قصہ سے ثابت ہے وہو حدیث متفق علی صحیحہ من اهل الحدیث الا انہم مختلفون فی الفاظہ اور اسکے بعد لکھتے ہیں: اور دوسرا فریق جو اس کا منکر ہے وہ یہ کہتا ہے کہ قسامت شریعت کے اصول مجمع علیہا کے خلاف ہے اور پھر انہوں نے ان کو ذکر کیا، کمافی الا وجزء ۵۱۔

**قسامتہ کے بارے میں امام بخاری کا مسلک** | حضرت شیخ حاشیہ لامع الدراری اور الابواب والتراجم میں لکھتے ہیں کہ قاضی غیاث نے جو بات فرمائی کہ امام بخاری قسامتہ کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح ابن المیز اور علامہ کرمانی کے کلام میں بھی ہے اور علامہ قسطلانی نے کتاب القسامتہ کے شروع میں تو یہی فرمایا لیکن آخر باب میں ان لوگوں پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری قسامتہ کے قائل نہیں، اسی طرح حافظ نے بھی یہی بات فرمائی کہ یہ کہنا کہ امام بخاری نفس قسامتہ کے قائل نہیں صحیح نہیں، نفس قسامتہ کے تو وہ قائل ہیں البتہ قصاص بالقسامتہ کے قائل نہیں، نیز اس بات کے بھی قائل نہیں کہ ابتداء ایمان کی مدعی سے ہو بلکہ اس میں ان کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں قصہ انصار میں، یعنی بعض سے معلوم ہوتا ہے ابتداء ایمان بالمذنبین، اور بعض سے ابتداء ایمان بالمذنب علیہم، لہذا اس اختلاف کی صورت میں انہوں نے امر متفق علیہ کو اختیار کیا یعنی الامین علی المدعی علیہ (والبینۃ علی المدعی) الی آخر یاد کر۔ اور یہی بات علامہ عینی نے بھی فرمائی ہے کہ امام بخاری قصاص بالقسامتہ کے منکر ہیں نہ کہ اصل قسامتہ کے، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہی رائے میری عمر بن عبدالعزیز کے ہارے میں ہے کہ وہ بھی قصاص بالقسامتہ کے منکر ہیں نہ کہ مطلق قسامتہ کے۔

بحث ثالث: قسامت کی کیفیت اور طریقہ، اور اس میں علماء کا اختلاف، نیز حنفیہ اور جمہور کی دلیل و منشا اختلاف یہ من حیث الفقہ ایک اہم بحث ہے، حافظ کے کلام میں اوپر گزر چکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں انصار اور یہود خیر کے درمیان جو قسامت کا قصہ پیش آیا اس میں روایات مختلف ہیں، وہ اختلاف یہ ہے کہ آپ نے ابتداء ایمان کی انصار کو کہ مدعی تھے ان سے فرمائی یا یہود جو مدعی علیہم تھے ان سے؟ چنانچہ امام ابو داؤد نے یہاں اس سلسلہ میں دو باب قائم کئے اور دونوں میں سہل بن ابی حشمہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ذکر فرمائی، پہلے باب کی حدیث بطریق یحییٰ بن سعید عن بشیر بن یسار ہے، اس طریق میں تو ابتداء ایمان کی مدعیین سے ہے چنانچہ اس کے لفظ یہ ہیں: یقسم خمسون منکر علی

رجل منہم فیدفع برمتہ، قالوا امر لم نشہدہ کا کیف نعلف؟ قال فتبرکھم یہود یا ایمان خمسين منہم اذ یعنی آپ نے انصار سے فرمایا کہ تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں یہود میں سے کسی ایک شخص پر تو پھر وہ شخص پورا تمہارے حوالہ کر دیا جائے گا، انصار نے عرض کیا کہ ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں جبکہ ہم نے قتل کا مشاہدہ نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ بس تو پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم کو اس قسم کھانے کی کلفت سے بری کر دیں گے (قصہ کی تکمیل ہم بعد میں ذکر کریں گے) اور دوسرے باب میں مصنف نے

لہ گویا جو رائے حنفیہ کی ہے اس میں اسی کو انہوں نے اختیار فرمایا ہے۔

اس حدیث کو بطریق سعید بن عبید عن بشیر بن یسار ذکر کیا ہے جو اس پہلی روایت کے خلاف ہے اس میں اس طرح ہے کہ جب انصار آپ کی خدمت میں پہنچے اور اس قتل کے واقعہ کو آپ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تَأْتُونِي بِالْبَيْتَةِ عَلَيَّ مِنْ قَتْلِ؟ قَالُوا مَا لَنَا بِبَيْتَةِ؟ قَالَ فِيحْلِفُونَ لَكُمْ، قَالُوا لَا نَرْضَى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ، دیکھئے اس میں انصار جو کہ مدین تھے ان سے آپ نے بیعت کا مطالبہ کیا، جب انہوں نے بیعت پیش کرنے سے عذر کر دیا تب آپ نے فرمایا کہ اب یہود قسمیں کھائیں گے۔ الی آخر القصة۔ یہ دو مختلف روایتیں ہیں یحییٰ بن سعید اور سعید بن عبید کی، ان میں سے جمہور نے یحییٰ بن سعید کی روایت کو لیا اور حنفیہ نے سعید ابن عبید کی، اور حضرت امام بخاری نے باب القسامہ میں اسی دوسری روایت کو ذکر فرمایا ہے، اسی لئے شرح کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، اسی طرح نسائی میں ایک روایت ہے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے جس میں اس طرح ہے: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَقِمِ شَاهِدِينَ عَلَيَّ مِنْ قَتْلِهِ أَدْفَعُهُ إِلَيْكَ بَرْمَتَهُ، قال یا رسول اللہ ابن اصیب شاہدین، حافظ ابن قیم نے مختصر سنن ابی داؤد کی شرح تہذیب السنن میں جمہور کی طرف سے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: قال النسائی لا نعلم هذا تابع عمرو بن شعيب على هذه الرواية ولا سعید بن عبید علی روایت عن بشیر بن یسار والله تعالیٰ اعلم۔ وقال سلم روایت سعید بن عبید غلط، و یحییٰ بن سعید حافظ منہ (لیکن اوپر آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ امام بخاری نے قسامت کے باب میں سعید بن عبید ہی کی روایت کو لیا ہے، یعنی جو اصل اس مسئلہ کا محل ہے وہاں پر اور یحییٰ بن سعید کی روایت کو بھی اگرچہ انہوں نے ذکر کیا ہے لیکن دوسرے مقام پر یعنی ابواب الجزیہ میں اچنانچہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یحییٰ بن سعید والے طریق کو باب القسامہ میں قصداً ذکر نہیں فرمایا تاکہ کوئی شخص مسئلہ قسامت میں اس سے نہ استدلال کرے بیٹھے) ایک بعد حافظ ابن قیم نے ان دونوں مختلف روایتوں میں امام بیہقی کی طرف سے تطبیق اس طرح دی یحییٰ بن سعید کی روایت کو اصل قرار دیتے ہوئے کہ ممکن ہے سعید بن عبید کی روایت میں بیعت سے مراد اس کے متبادر معنی نہ ہوں یعنی گواہ بلکہ اس سے مراد ایمان المدین ہی ہوں جس کی تفسیر اور بیان یحییٰ بن سعید کی روایت میں آگیا، اور یا یہ کہا جائے کہ سعید بن عبید کی روایت میں بیعت سے متبادر معنی ہی مراد ہیں لیکن جب انہوں نے بیعت نہ ہونے کا عذر پیش کیا تو آپ نے ان پر ایمان کو پیش کیا جیسا کہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں ہے (اس دوسری توجیہ کا حاصل یہ ہوا کہ ان دونوں روایتوں میں اختصار واقع ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف سے دونوں چیزیں پائی گئی تھیں اور مجموعہ روایتیں سے یہی ثابت ہوا کہ اولیائے مقتول کے پاس اگر بیعت نہ ہو تو ان ہی سے قسمیں لی جائیں گی، و ہذا ہو مسلک الجمہور)

جاننا چاہیے کہ علماء کی ایک جماعت نے جیسا کہ بحث ثانی میں گذر چکا قسامت کا سر سے ہی سے انکار کیا ہے یہ کہہ کر کہ یہ مجمع علیہا اصول کے خلاف ہے، اور ان اصول میں ایک اصل مجمع علیہ یہ بھی ہے البیعت علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ، حنفیہ نے جو

معہ کیونکہ مسئلہ قسامت میں ایمان مدین ہی بیعت کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

صورت قسامتہ کی اختیار کی ہے اس میں کم از کم اس اصل کلی کی مخالفت نہیں ہے وہ طریقہ اسکی مخالفت سے محفوظ ہے، لہذا حنفیہ کا مسلک اس میں متعدل ہوا، فتاویٰ و تدبیر و لا تکن المستعجلین۔

آگے روایت میں یہ ہے کہ صحابہ نے جب آپ سے یہ عرض کیا کہ ان یہود کی قسموں کا کیا اعتبار ہے تو جھوٹی قسم کھالیں گے تو اسکے بعد یہ ہے: فودا لا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من قبلہ، جب انصار نے یہود کی قسموں کے بارے میں کہا کہ وہ ناقابل اعتبار ہیں تو یہ اب مقدمہ فاجع ہو گیا تھا اسلئے کہ انصار کو تو یہی دو اختیار تھے (علی مسلک الجہود) کہ یا تو وہ خود قسمیں کھائیں یا پھر مدعی علیہم سے قسمیں لی جائیں، مگر وہ دونوں کیلئے تیار نہ ہوئے لہذا مقدمہ خارج لیکن چونکہ وہ شکستہ دل تھے قتل کی وجہ سے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبراً لحاظ ہم یعنی ان کی دیکھوئی کے لئے اور قطع منازعت اور اصلاح ذات البین کے طور پر اپنے پاس سے سواونٹ دیتے ہیں ان انصار کو عطا فرمادینے۔

**من عنده اور من ابل الصدقہ کی توجیہ** | ایک روایت میں تو ہے من عنده اور ایک میں ہے من ابل الصدقہ جمع بن الرواہین

اس طرح کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ اونٹ صدقہ کے اونٹوں میں سے اپنے پاس سے خرید لئے (اشترھا من ابل الصدقہ بمال دفعہ من عنده) اور یہاں کہا جاتے کہ من عنده سے اپنا ذاتی مال مراد نہیں ہے بلکہ اس سے بیت المال ہی مراد ہے جس کا انتظام آپ کے ہاتھ میں تھا مصلحت میں خرچ کرنے کے لئے (تحفہ)

ان کلی اختلافات کو جاننے کے بعد اب آپ جمہور علماء اور حنفیہ کے نزدیک قسامت کی پوری صورت سمجھتے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قاتل کسی محلہ میں پایا جائے (جس میں قاتل وغیرہ کا اثر و نشان ہو) اور قاتل معلوم نہ ہو تو ان اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں جن کا انتخاب ولی مقبول کرے گا وہ اس طرح قسم کھائیں: باللہ ما قتلناک ولا علمناک قاتلاً، جب وہ یہ قسمیں کھائیں تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائیگا، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان کے قسم کھانے کے بعد ان پر دیت واجب نہیں ہوگی کیونکہ آپ نے فرمایا تھا تبرئکم یہود بایمانہا، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیت اور قسامت کے درمیان جمع فرمایا تھا جیسا کہ حدیث پہل میں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تبرئکم یہود یہ محمول ہے ہمارے نزدیک برابر عن القصاص پر، (یعنی یہود قسمیں کھائیں کی وجہ سے تم کو مطالبہ قصاص سے بری کر دیں گے نہ کہ دیت سے) اور پھر آگے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ ان پچاس میں سے جو قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو جس کی جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے گا

اور جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قسامت کی صورت یہ ہے کہ اولاً یہ دیکھا جائے گا کہ فریقین کے درمیان لوٹ ہے یا نہیں لوٹ کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا قرینہ پایا جا رہا ہو جو مدعیین کے صدق پر دلالت کرے کہ ہاں ان کا خیال صحیح ہے قاتل یہی لوگ ہوں گے، مثلاً عداوت ان دونوں کے درمیان پس اگر لوٹ نہیں ہے تب تو اس دعویٰ اور مقدمہ کا حکم وہی ہے جو اور دعاوی کا ہوتا ہے کہ اگر مدعی بیٹہ پیش کرے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا والا فالقول قول المنتکر، لیکن اگر ان کے درمیان عداوت اور لوٹ ہے تو اس صورت میں اولاً اولیائے دم یعنی مدعیین سے پچاس قسمیں لی جائیں گی، اگر وہ قسمیں کھالیں



تو ان کے حق میں دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ قسمیں کھانے سے انکار کریں تو پھر مدعی علیہم سے قسمیں لی جائیں گی اور قسمیں کھا کر وہ بری ہو جائیں گے، متناہی شجاع جو فقہ شافعی میں ہے اس میں قسامت کے بارے میں صرف اتنا ہے کہ جب دعویٰ دم کیساتھ لوٹ پایا جا رہا ہو جس سے صدق مدعی کا گمان غالب ہو تو مدعی پچاس قسمیں کھائے اور اس پر وہ دیت کا مستحق ہو جائے گا اور اگر وہاں پر لوٹ نہ ہو تو پھر ہمیں مدعی علیہم پر عائد ہوگی، اور شرح اقتناع سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اگر مقتول کا وارث ہو کہ مدعی وہ ایک ہی ہو تو تنہا وہی پچاس قسمیں کھائے گا اور اگر چند وراثت میں تو یہ پچاس قسمیں ان پر تقسیم کر دی جائیں گی ان کے حق وراثت کے اعتبار سے، تفصیلات خود ان کی کتابوں میں دیکھی جائیں، اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ قسامت میں قسمیں کن پر لائیں گی امام مالک و شافعی اور جمہور کے نزدیک ورثہ قتل قسم کھائیں گے یعنی مدعیین، اور ان کی پچاس قسمیں کھانے سے ان کا حق ثابت ہو جائے گا۔ الی آخر ما ذکر من الکلام علی الدلائل۔ گذشتہ عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ قسامت کے لئے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لوٹ کا ہونا ضروری ہے محض کسی حکم میں قتل کا پایا جانا موجب قسامت ان کے نزدیک نہیں ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے یہاں صرف قتل کا پایا جانا کافی ہے اور اس میں ان کے نزدیک لوٹ کی احتیاج نہیں اس کے علاوہ حنفیہ اور جمہور کے مذہب میں دو اختلاف اور نمایاں ہیں اول یہ کہ جمہور کے نزدیک ایمان کی ابتداء مدعیین سے ہے بجائے بیعت کے اور حنفیہ کے نزدیک مدعیین کے پاس بیعت نہ ہونے کی صورت میں ہمیں صرف مدعی علیہم پر عائد ہوتی ہے اور دوسرا اختلاف یہ کہ مدعی علیہم کے قسموں کے بعد جمہور کے نزدیک دیت ساقط ہوتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہوتی ہے، پہلی بات جمہور کی خلاف قیاس ہے اور دوسری بات حنفیہ کی خلاف قیاس ہے، پیش نظر دونوں ہی فریق کے مقصود اتباع حدیث ہے، شکر اللہ تعالیٰ مسامحہم۔

بحث رابع: یعنی قسامت سے قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام مالک و احمد اور شافعی فی القیم قصاص بالقسامتہ کے قائل ہیں جبکہ دعویٰ قتل عمد کا ہو، اور حنفیہ اور امام شافعی فی الجرید۔ وهو الاصح عندہم۔ قسامت کے قصاص کے قائل نہیں صرف وجوب دیت کے قائل ہیں، کذا قال نووی ص ۵۵ اور ابن رشد فرماتے ہیں: وهل یجب بہا الدیۃ او الدم اور رفع مجرد الدعوی؟ فقال مالک و احمد لستحق بہا الدم فی العمد والدیۃ فی الخطأ، وقال الشافعی والثوری وجماعۃ لستحق بہا الدیۃ فقط، وقال بعض الکوفیین لستحق بہا الادفع الدعوی، یہ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ امام مالک و احمد کے نزدیک قسامت سے قصاص کا ثبوت ہو جاتا ہے قتل عمد کی صورت میں یعنی اگر قتل عمد کا دعویٰ ہے، اور قتل خطا کی صورت میں دیت کا ثبوت ہوتا ہے، 'بناام شافعی اور ایک جماعت کے نزدیک صرف دیت کا ثبوت ہوتا ہے، اور تیسرا قول اس میں بعض کوفیوں کا ہے (غیر حنفیہ) کہ قسامت یعنی مدعی علیہم کی قسموں کے ذریعہ صرف دعویٰ مدعی کا رفع ہوتا ہے، نہ اس سے قصاص کا ثبوت ہوتا ہے نہ دیت کا اور

اب احادیث الباب کو لیجئے۔

۱۔ مطلقاً امام شافعی کے نزدیک علی قول الاصح اور امام مالک و احمد کے نزدیک قتل خطا کی صورت میں دیت اور قتل عمد کی صورت میں قصاص کا فیصلہ بشرطیکہ معین شخص پر دعویٰ ہو



عن سهل بن ابی حشمہ و رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان محیصہ بن مسعود عبد اللہ بن سهل

انطلقا قبل خیبر ففتروا فی النخل فقتل عبد اللہ بن سهل الخ۔

سهل بن ابی حشمہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ محیصہ بن مسعود اور عبد اللہ بن سهل یہ دونوں مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف گئے، وہاں کسی باغ میں پہنچے، وہاں جانے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، پھر جس جگہ سے جدا ہوئے تھے وہاں آکر محیصہ نے اپنے ساتھی عبد اللہ بن سهل کو جب لوٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے مقتول پڑے ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہاں یہود کے علاوہ کون قائل ہو سکتا ہے لہذا ان ہی کے ہارے میں شک کیا گیا چنانچہ مقتول کا بھائی عبد الرحمن بن سهل اور ان کے دو چچیرے بھائی حویصہ اور محیصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، عبد الرحمن جو کہ مقتول کے بھائی اور اسکے ولی تھے انہوں نے آپ سے بات کرنی شروع کی، لیکن عمر میں یہ سب سے چھوٹے تھے اس لئے آپ نے فرمایا: **الکبیر الکبیر** جو تم میں بڑا ہے اس کو مقدم کرو چنانچہ ان کے دونوں ساتھیوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ولی مقتول اور اصل مدعی تو عبد الرحمن ہی تھے لہذا دعویٰ اور مطالبہ ان ہی کی طرف سے ہونا چاہیے تھا قاعدہ اور ضابطہ میں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ نہیں کہ دعویٰ بڑے کی جانب سے ہو، دعویٰ تو اصل اور ولی ہی کی جانب سے ہوگا، بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ واقعہ جو پیش آیا اس کی صورت حال جو بڑا ہو وہ بیان کرے، چنانچہ آپ نے پوری بات سننے کے بعد یہ فرمایا: **یقسم خمسون منکم** کہ تم میں سے پچاس آدمی قسمیں کھائیں، یہ مضمون بحث ثالث میں گذر گیا، یہ پورا قصہ اوپر گذر چکا، آگے آخر قصہ میں یہ ہے **قال سهل دخلت مرید الہدیومافر کضتی ناقۃ من تلک الابل رکضۃ برجلبھا، سهل بن ابی حشمہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان اونٹوں کے بارے میں داخل ہوا کسی ضرورت سے، تو ان اونٹنیوں میں سے (جو دیت میں ملی تھیں) ایک اونٹنی نے میرے بہت زور سے لات ماری، بظاہر اس کے ذکر کرنے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ مجھے یہ قسامت کا قصہ پورا اچھی طرح یاد ہے یہ ایک بات رہ گئی تھی اس کو بھی کیوں چھوڑوں،**

قال ابو داؤد: رواه بشور بن الفضل ومالك عن يحيى بن سعيد قال نبيه اتخلفون خمسين يمينا۔

پہلی روایت حماد بن زید کی تھی یحییٰ بن سعید سے، ان کی روایت کے لفظ دوسرے تھے اور ان دو یعنی بشر اور مالک کے لفظ یہ ہیں جو یہاں ذکر کیے، اختلاف الفاظ کو بیان کرنا مقصود ہے، یہ روایت جیسا کہ پہلے گذر گیا تنفیہ کے خلاف ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء ایمان کی مدین سے ہوگی، اس پر تفصیلی کلام تو پہلے گذر چکا، اس کا ایک جواب تنفیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ اس بارے میں روایات کے الفاظ مختلف ہیں ایک میں ہے **یقسم خمسون منکم** اور اس روایت میں ہے **استفہام** کیساتھ **اتخلفون خمسين يمينا** حضرت فرماتے ہیں کہ یہ استفہام انکاری ہے، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ انصار سے فرما رہے ہیں کہ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ ہم تم ہی سے قسمیں لے کر تمہارے حق میں فیصلہ کر دیں، ان انصار کا طرز کلام اس طرح ہوگا کہ گویا یہ یقینی امر ہے کہ قتل یہودی نے کیا ہے لہذا ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں، اور ہمارا حق ان سے دلوایا جائے تو اس پر آپ نے

فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تم ہی سے قسمیں لیکر تمہارے حق میں فیصلہ کر دیں اس پر وہ چونکے کہ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر دیکھے قسمیں کھالیں، اس کے بعد آپ نے جو اصل حکم تھا وہ بیان کیا کہ جب تمہارے پاس بیٹہ نہیں ہے تو پھر یہودی کے قسموں پر فیصلہ ہوگا، اس پر وہ لوگ تیار نہیں ہوئے کہ ان کی قسمیں قابل اعتبار نہیں، لہذا مقدمہ خارج، لیکن پھر آپ نے انصار کی دلداری میں اپنی جانب سے دیت ادا فرمادی، یہ جواب وہاں بھی آنا چاہیے جہاں ہم نے شروع میں حنفیہ کی دلیل بیان کی ہے اس کے بعد مصنف ایک اور اختلاف بیان کر رہے ہیں: ورواكا ابن عیینة عن یحییٰ بن یزید بقوله تبرکتم یہود بخصمین یعیینا یحلفون ولم یدکر الاستحقاق، قال ابو داؤد: وهذا وهم من ابن عیینة۔

اس سے پہلے بھی مصنف یحییٰ بن سعید کے تلامذہ کا اختلاف الفاظ حدیث میں بیان کر چکے ہیں جو ابھی قریب میں گذرا، یہاں یحییٰ بن سعید کے ایک اور شاگرد سفیان بن عیینہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ ان کی روایت کا سیاق ہی دوسرا ہے، ان کی روایت میں ابتداء ہی سے ایمان یہود کا ذکر ہے، بجائے ایمان مدین کے جس کے حنفیہ قائل ہیں لیکن مصنف نے اس کو ابن عیینہ کا وہم قرار دیا ہے کیونکہ ابن عیینہ کے علاوہ باقی تینوں راوی حماد بن زید اور بشر بن المفضل اور مالک نے ان کے خلاف روایت ذکر کی ہے اور حدیث یہ ایمان مدین سے کلام کی ابتداء کی ہے، اسکے بعد مصنف نے یہی حدیث بالتفصیل بجائے بشر بن یسار کے بطریق ابولیلی عن سہل بن ابی حمزہ ذکر کی ہے جس میں بعض الفاظ زائد بھی ہیں چنانچہ اس میں ہے: اخرجنا الی خیبر من جہد اصحابہم کہ یہ دونوں خیبر کی جانب محض سیر کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری کے تحت گئے تھے مثلاً فقر، اور اس میں ہے قد قتل و طرح فی فقیروا وعین کہ عبدالرحمن سہل کو قتل کر کے ایک گڑھے میں یا درخت کے چاروں طرف جو پانی کیلئے حوض سا کر دیتے ہیں یا کسی چشمے میں ڈال دیا گیا شک راوی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ صحابی محیصہ یہود کے پاس پہنچے اور ان سے کہا انتم والله قتلتموه، قالوا والله ما قتلنا، نیز اس میں ہے فذهب محیصہ لیستکلمہ ان مقتول صحابی کیساتھ جو صحابی خیبر میں تھے یعنی محیصہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں کلام کرنے لگے، اس پر آپ نے فرمایا کہ پتہ کپڑا، یعنی بڑے کی تعظیم کر یہ آپ نے دوبار فرمایا مطلب یہ کہ کلام کرنے میں اس کو مقدم کر، پھر اس پر آپ سے ان کے بڑے بھائی حویصہ نے بات شروع کی، لیکن اس سے پہلی روایت میں یہ گذر چکا کہ ابتداء کلام کی عبدالرحمن بن سہل نے کی، ولم تعرض له فی البذل ولا فی عون المجرور ہو سکتا ہے عبدالرحمن کے بعد محیصہ نے بات شروع کی ہو ان سے بھی آپ نے یہی فرمایا ہو، اور محیصہ نے پیش قدمی عبدالرحمن کے بعد اس لئے کی ہو کہ اصل واقعہ کے وقت وہی موجود تھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ والحدیث الخرجہ البخاری وسلم والترندی والنسائی، قال المنذری۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده عن رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قتل بالقسامۃ رجلا من

بنی نصر بن مالک بہجرة الرعاء علی شطی البصرة۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قسامت کے ذریعہ ایک شخص کو جو قبیلہ نصر بن مالک سے تھا مقام بحرة الرغار میں جو لئیہ البصرة کی جانب واقع ہے قتل کیا، قاتل اور مقتول دونوں ایک ہی قبیلہ تھے بحرة الرغار طائف کے مضافات میں لیہ کے

قریب ایک جگہ کا نام ہے، بذل میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ حنین سے واپسی پر طائف کا ارادہ فرما رہے تھے تو وہاں راستہ میں بحر الرقار میں ایک شخص کا قصاص لیا۔

وهذا اللفظ محمود، مصنف کے اس حدیث میں کئی استاذین محمود کے علاوہ تو مصنف کہہ رہے ہیں کہ علی شطالیۃ البحر یہ محمود کا لفظ ہے اور دوسرے اساتذہ نے لفظ بحرہ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف علی شطالیۃ ذکر کیا۔

اس حدیث میں قصاص بالقسامۃ کا ثبوت ہے جس کے امام مالک و احمدیہ دو قائل ہیں، حنفیہ اور شافعیہ کی طرف سے یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کی تفصیل ہمارے علم میں نہیں، ہو سکتا ہے یہاں قتل کا ظہور بیعت یا قسامت کے بعد قاتل کے اقرار کے بعد ہوا ہو، کذا فی البذل۔

### باب فی ترک القود بالقسامۃ

یہ ترجمہ الباب صرف حنفیہ اور امام شافعی کے قول اصح کے مطابق ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کا بیان پہلے گذر چکا۔

سعید بن عبد الطائی عن بشیر بن یسار عن عم ان رجلاً من الانصار یقال له سهل بن ابی حثمۃ الخیرۃ ان نفرًا من قومہ انطلقوا الی خیبر فمضوا فیہا الخ۔

اس روایت کے اخیر میں ہے: قال فقال لهم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تا تونی بالبیتۃ علی من قتل قالوا مالنا ببیتۃ، قال فی جلفون لکم الخ..... فوادا مئة من ابل الصدقة۔

اس باب کی روایت پر کلام پہلے باب کے تحت گذر چکا، حضرت امام بخاری نے بھی سهل بن ابی حثمہ کی اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ اسی طریق سے ذکر فرمایا ہے، اور یہ حنفیہ کے مسلک کے عین مطابق ہے، جمہور اس روایت کا جو جواب دیتے ہیں وہ پہلے باب میں گذر چکا۔

عن ابی حیمان التیمی ناعبایۃ بن رفاعۃ عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال اصبح رجل من الانصار مقتولاً بخیبر فانطلق اولیاءہ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذکروا ذلک لہ فقال لکم شاہدان یشہدان علی قتل صاحبکم! الحدیف۔ وفي آخرہ۔ فوادا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من عندہ۔

پہلے باب میں سهل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیج دونوں کی حدیث ایک ہی طریق سے اور ایک ہی مضمون کی گزری ہے اور اس باب میں دونوں حدیثوں کی سند مختلف ہے مگر مضمون متحد دونوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدعیین سے بیعت کا مطالبہ فرمایا، اوپر والی حدیث میں من ابل الصدقة تھا اور اس دوسری حدیث میں من عندہ اس اختلاف کی توجیہ پہلے باب میں گذر چکی۔

عن عبد الرحمن بن بجد قال ان سہلاً واللہ اوہم الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتب الی یہود انہ قد وجدین اظہرکم قتیل فدوة فکتبوا یحلفون باللہ خمین یمیناً الخ۔

باب اول کی حدیث جو مستدل | عبد الرحمن بن بجد فرماتا ہے میں کہ۔ واللہ۔ یا تحقیق سہل بن ابی حمزہ کو حدیث القسامہ بیان کرنے میں وہم ہو گیا (جس طرح انہوں نے بیان کیا یعنی ابتدائے ایمان مدین سے جمہور ہے اس کا وہم ہونا | اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے) کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (قصہ قتل

پیش آنے اور انصار کے دعویٰ قائم کرنے پر یہود خیبہ کی طرف لکھوایا کہ تمہارے درمیان ایک قاتل پایا گیا ہے لہذا اس کی دیت ادا کرو، انہوں نے اسکے جواب میں پچاس قسموں کے ساتھ یہ مضمون لکھ کر بھیجا ماقتلناہ وما علمنا قاتلاً الخ عبد الرحمن بن بجد پہلے باب کی حدیث جس سے جمہور استدلال کرتے ہیں اس کو وہم قرار دے رہے ہیں، عبد الرحمن بن بجد کا قول نقل کرنے والے سند میں محمد بن ابراہیم ہیں، حافظ نے اصابت میں محمد بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں وما کان سہل بن ابی حمزہ باکثر منہ علماً و لکنہ کان اس منہ اھ کہ سہل بن ابی حمزہ ہمارے استاد عبد الرحمن بن بجد سے علم میں بڑھ کر نہ تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ عمر میں ان سے بڑے تھے، عبد الرحمن بن بجد کے بارے میں عون المعبود میں اصابت وغیرہ کتب رجال سے ان کی صحبت کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے، بعض حضرات نے ان کے لئے صحبت ثابت کی ہے اور بعض نے تردد کا اظہار کیا ہے، اور ابن عبد البر فرماتے ہیں:

ادرك النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لم يسمع منه فيما احسبه، وفي صحبته نظر الا انه روى، فمنهم من يقول ان حديثه مرسل، وكان يذكر بالعلم اور حافظ منذری نے امام شافعی کا جواب نقل کیا کہ جب کسی سائل نے ان سے سوال کیا کہ آپ ابن بجد کی حدیث کو کیوں اختیار نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ابن بجد کے ثبوت سماع میں ہمیں تردد ہے، اگر ان کا سماع ثابت نہیں تو ان کی حدیث مرسل ہوئی بخلاف سہل بن ابی حمزہ کے کہ ان کی صحبت اور ثبوت سماع معلوم ہے۔

اسکے بعد مصنف نے اس باب میں ایک اور حدیث ذکر کی۔

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن وسليمان بن يسار عن رجال من الانصار ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال لليهود وابدأ بهم: يحلف منكرو خمسون رجلاً۔ الحديث۔

پس معلوم ہوا کہ اس باب ثانی کی جملہ روایات میں ابتداء ایمان کی یہود سے ہے۔

## باب يقاد من القاتل

اور ایک نسخہ میں ہے۔ "أيقاد من القاتل بجر أو بمثل ما قتل، يقاد، قود سے ماخوذ ہے بمعنی قصاص اس دوسرے نسخہ سے معلوم ہوا کہ مصنف کی غرض اس باب سے قصاص بالمثل کو بیان کرنا ہے یعنی جس طرح اور جس آلہ سے قاتل نے قتل کیا ہے قصاص میں قاتل کو بھی اسی طرح قتل کرنا جس کے جمہور قاتل ہیں، بخلاف تنفیہ کے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ۔ لا قود الا بالسيف۔ یہ ایک حدیث مرفوعہ کے الفاظ ہیں جس کو امام طحاوی نے روایت کیا بسندہ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما واخرجه ابو داؤد الطيالسی، ولفظه: لا قود الا بحدیة، کذا فی البذل۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جاریۃ وجدت قد روضت رأسها بین حجرین فقیل لہا من فعل ہک هذا فلان افلان؟ حتی سعن الیہودی، فأومت برأسها، فأخذ الیہودی فاعترف، فأمر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان یروض رأسہ بالبحارۃ۔

**مضمون حدیث** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی راستہ میں اس طرح پانی گئی جس کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر کچل دیا گیا تھا۔ لیکن ابھی اس میں کچھ رقیق باقی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی اطلاع کی گئی، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور چند لوگوں کا نام الگ الگ لیکر اس سے پوچھا کہ کیا فلاں نے تجھ کو قتل کیا ہے وہ بولنے کی طاقت نہ ہونیکی وجہ سے سر کے اشارے سے انکار کرتی رہی، یہاں تک آپ نے اس کے سامنے ایک یہودی کا نام لیا تو اس کے نام پر اس نے سر کے اشارہ سے ہاں کیا۔ باب کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے، کان علیہا اوضاح جو وضع کی جمع ہے چاندی کے زیور کو کہتے ہیں یعنی جس نے چاندی کے زیور پہن رکھے تھے، اور اس یہودی نے اس لڑکی کو ان زیورات کے لالچ ہی میں مارا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا کہ اس کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اس نے اس لڑکی کو قتل کیا، فقطل بین حجرین۔

**اس حدیث میں دو مسئلے ہیں** اس حدیث سے قصاص بالمثل کا ثبوت ہوا جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، لہذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہوئی اس لحاظ سے، اور ایک دوسرے لحاظ سے یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے خلاف ہے دون صاحبین جیسا کہ حضرت علامہ نور شاہ صاحب کی تقریر ترمذی عرف الشذی میں ہے وہ یہ کہ جو قتل متعل کیر سے ہو وہ امام صاحب کے نزدیک مشبہ عمد میں داخل ہے اور ائمہ ثلاثہ و صاحبین کے نزدیک قتل عمد میں داخل ہے، پس ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک تو یہ قتل قتل عمد تھا جس میں قصاص ہے، اور امام صاحب کے نزدیک یہ قتل مشبہ عمد تھا جس میں دیت ہے نہ کہ قصاص حالانکہ یہاں پر قصاص لیا گیا، ان دونوں باتوں کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ اس یہودی کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ تعزیراً اور سیارہ تھا، اور قتل مشبہ عمد والے اشکال کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس قاتل یہودی نے قطع طریق بھی کیا تھا لہذا قطع الطریق میں سے ہوا، اور قطع طریق میں قتل کی سزا وہ جس طرح بھی ہو قتل ہی ہے۔

**ایک تیسرا مسئلہ** اس حدیث کے بعض طرق سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس یہودی کا قتل صرف لڑکی کے اقرار قتل پر کیا گیا اسلئے بعض مالکیہ نے اس سے اس پر استدلال کیا کہ ثبوت قتل کے لئے صرف مقتول کا اقرار کافی ہے لیکن یہ استدلال عدم واقفیت پر مبنی ہے اسلئے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اس بات کی کہ اس یہودی نے قتل کا اقرار کیا، کذا فی تقریر شیخ البندر حمہ شہ تعالیٰ علی جامع الترمذی، اور بذل المجہود میں یہ تیسرا مسئلہ اور اس میں مالکیہ کا اختلاف اس کا ذکر نہیں کیا گیا البتہ یہ ہے کہ: ادعی بعض المالکیۃ ان زیارۃ قتادۃ ہذہ (اس زیادتی سے مراد اقرار یہودی ہے جو قتادہ کی روایت میں مذکور ہے) غیر مقبولۃ قال محفظہ ولا یحییٰ فساد ہذہ الدعوی فقطادۃ مافظا، زیادتہ مقبولۃ الخ۔

حدیث الباب الاول اخرجہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، و الحدیث الثانی اخرجہ مسلم و النسائی، و الحدیث الثالث اخرجہ البخاری و مسلم و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

تنبیہ: باب کی دوسری حدیث ہے قال ابو داؤد: رواه ابن جریج عن ایوب نحوہ، او پر سند میں اس طرح آیا ہے: عبد الرزاق عن معمر عن ایوب، اس قال ابو داؤد سے کچھ میں آتا ہے کہ ابن جریرج براہ راست ایوب سے روایت کرتے ہیں جس طرح اوپر سند میں معمر ایوب سے روایت کرتے ہیں، حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں اس پر یہ نقد کیلئے ہے کہ ابن جریرج کی روایت طحاوی اور دارقطنی میں بھی ہے اور وہاں پر سند اس طرح ہے: ابن جریرج عن معمر عن ایوب، اور اسی طرح صحیح مسلم میں بروایت محمد بن بکر عن ابن جریرج، فالظاهر سقوط لفظ معمر من روایت ابی داؤد، لہذا ابن جریرج عبد الرزاق کے عدیل ہیں نہ کہ معمر کے کما توہم من هذه العبارة۔

## باب ایقاد المسلمون من الکافر

عن قیس بن عباد قال انطلقت انا والاشترالی علی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فقلنا هل عهد الیک رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شیثاً لم یعهد الی الناس عامۃ؟ فقال لا الا ما فی کتابی هذا الخ

اس حدیث کا شروع کا حصہ الدر المنثور کے مقدمہ میں کتابت حدیث کی بحث میں گزرا ہے اور آخری حصہ المؤمنون تک قادم و ہم یہ کتاب الجہاد باب فی السریۃ ترد علی اهل العسکر میں گزرا گیا، اس کی شرح وہاں دیکھی جاسکتی ہے، اور وہاں یہ بھی گزر گیا کہ لا یقتل مؤمن بکافر

ذمی کا قصاص مسلم سے  
اور اسمیں حنفیہ کی دلیل

ولا ذو عہد فی عہدہ۔ مسئلہ الباب میں حنفیہ کی دلیل ہے، وہ یہ کہ کافر ذمی کے بدلہ میں مسلم کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک ذمی کا قصاص مسلم سے نہیں لیا جائے گا۔ بخلاف حنفیہ کے، ان کے نزدیک لیا جائے گا۔ مسئلہ قصاص میں ان کے نزدیک کافر ذمی اور مسلم دونوں برابر ہیں، اس حدیث میں یہ بھی ہے: من احدث حدّاً فاعلیٰ نفسه، ومن احدث حدّاً او آویٰ محدّاً او کہ جو شخص دین میں کوئی نئی بات جاری کرے یعنی بدعت تو اس کا وبال اسی پر ہے اور جو شخص کوئی بدعت جاری کرے یا کسی مبتدع کی حمایت اور اعانت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ و الحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

## باب فیمن وجد مع اہلہ رجلاً یقتلہ؟

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ! الرجل یجد مع اہلہ رجلاً یقتلہ

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا، قال سعد بنی والذی اکرمک بالحق الخ۔

شرح الحدیث اور مسئلہ الباب کی تحقیق حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا ہے



نویا وہ دیکھنے والا یعنی شوہر اس زانی کو قتل کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں، یعنی قتل کرنا جائز نہیں، تو اس پر انہوں نے عرض کیا، کیوں نہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو عزت بخشی، یعنی وہ اس زانی کو ضرور قتل کرے گا اور اس کو ذرا اس میں تامل نہیں ہوگا اس پر آپ نے فرمایا دوسرے حضرات کو خطاب کرتے ہوئے (غالباً وہ ان ہی کے قوم کے ہوں گے کیونکہ یہ رئیس الخزرج تھے) دیکھو تو سہی یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں، بذل میں لکھا ہے کہ شرح یہ کہتے ہیں کہ نرت سعد کی مراد - والعیاذ باللہ - آپ کے کلام کی تردید نہیں اور نہ ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کو قتل کرنا جائز ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ باغیرت آدمی کی طبیعت اس معاملہ کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتی اور وہ اس کو بغیر قتل کئے نہیں رہ سکتا، اسی لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انکی تردید یا اسس پر تنبیہ نہیں فرمائی بلکہ اظہار تعجب فرمایا یعنی ان کی حمیت اور غیرت پر، اور بہر حال مسئلہ وہی ہے جو حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قتل کرنا جائز نہیں، چنانچہ مسئلہ الدر المنصوٰۃ میں کتاب اللعان میں گزر چکا، بذل الجہود ہی سے نقل کرتے ہوئے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے اور وہ اس زانی کو قتل کر دے تو اس صورت میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس قاتل کو بھی قصاصاً قتل کر دیا جائیگا کیونکہ یہ قتل بغیر شہود کے ہے، ہاں اگر عینہ قائم ہو جائے یا زانی کے ورثا اعتراف کر لیں زنا کا تو پھر اس صورت میں قصاص نہیں، یہ حکم تو قضاء تھا اور دیانتہ فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اس پر قتل کا کوئی گناہ نہیں اس کے صادق ہونے کی صورت میں اہ اور یہی بات محل المفہم میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کی گئی ہے لیکن حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں باب اللعان میں در مختار سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے: دخل رجل بیتہ فرآی رجلاً مع امرأۃ اوجاریتہ فقتلہ حل لہ ذلک ولا قصاص علیہ اھ جس میں تصریح ہے اس بات کی کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک جمہور کے خلاف ہے جو بذل میں مذکور ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی نے اس میں دو قیدیں ذکر کی ہیں بعض فقہار سے ایک یہ کہ وہ اجنبی شخص محسن ہو، دوسرے یہ کہ صاحب فائتہ یعنی عورت کے شوہر کے شوہر کرنے پر بھی وہ شخص زنا سے نہر کے، لیکن پھر انہوں نے احصان کی قید پر اشکال کیا ہے اسلئے کہ یہاں پر یہ جواز قتل زانی بطور حد کے نہیں ہے تاکہ احصان کی قید لگائی جائے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیلہ سے ہے اور پھر آگے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ عورت اس اجنبی کے اس فعل پر راضی ہو اور روکنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو پھر دونوں کو قتل کر سکتا ہے (شامی ص ۳۵۹)

وحديث الباب الاول اخرج مسلم وابن ماجه، والحديث الثاني اخرج مسلم والنسائي، قال المنذري -

### باب العامل يصاب على يديه خطأ

یعنی عامل جو کہ صدقات وغیرہ وصول کرنے پر حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں اگر کسی بات پر وہ رعایا میں سے کسی کو کوئی گزند اور نقصان پہنچا دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ حدیث الباب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عامل اور غیر عامل دونوں کا حکم برابر ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بعث ابا جهرا بن حذيفة مصداقا

فلاجه رجل في صدقة فضربه ابو جهر فشق قلبه الخ-

**مضمون حدیث** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جہم بن حذیفہ کو صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا تو صدقہ وصول کرنے کے سلسلہ میں ایک شخص سے ان کا جھگڑا ہو گیا انہوں نے اسکے

کوئی چیز ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے قصاص یعنی بدلہ لینے کے لئے، تو آپ نے ایک مقدار مال کی ان کے سامنے رکھی کہ وہ اس کو لے لیں مگر وہ راضی نہ ہوئے، آپ نے اس مقدار میں اور اضافہ کیا اس پر بھی راضی نہ ہوئے پھر اور اضافہ فرمایا اس پر راضی ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم سب لوگ شام کو آنا میں مجلس میں سب لوگوں کے سامنے اس معاملہ کو اور تمہاری رضامندی کو رکھ دوں گا، انہوں نے کہا بہتر ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام کو سب لوگوں کے سامنے یہ بات رکھ دی یعنی یہ کہ یہ لوگ اتنا مال لیتے پر راضی ہو گئے، آپ نے دوبارہ لوگوں کے سامنے ان سے اقرار کرانا چاہا رضامندی کا، مگر وہ اپنی بات سے پھر گئے، اس پر ہاجرین نے ان کی اصلاح کا ارادہ کیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس سے روک دیا وہ رک گئے، پھر ایک دوسری مجلس میں آپ نے ان لوگوں کو پھر بلایا اور مال کی سابق مقدار میں اور اضافہ فرمایا ان کو راضی کرنا چاہا وہ اس پر راضی ہو گئے، اس پر آپ نے ان سے پھر وہی فرمایا کہ میں تم لوگوں کی رضامندی سب لوگوں کے سامنے رکھوں گا انہوں نے اس کو منظور کر لیا، چنانچہ آپ نے لوگوں کے سامنے ان کی رضامندی کا ذکر فرمایا اور پھر سب کے سامنے ان سے پوچھا کہ بتاؤ تم راضی ہو؟ قالوا نعم، اس پر وہ معاملہ رفع دفع ہوا، یہ عامل ابو جہم وہی ہیں جن کے بارے میں کتاب النکاح میں گذر چکا: اما ابو جہم فلا یضع عصاه عن عاتقه، ان کے مزاج میں تیزی اور غصہ تھا اسی لئے یہ قصہ بھی پیش آیا تھا۔ والحدیث، اخرجه النسائی وابن ماجہ، قال المستذری۔

### باب القود بغیر حدید

اس باب میں مصنف نے رض رائس جاریہ والی حدیث ذکر کی ہے جو قریب میں گذری ہے، بذل میں بھی لکھا ہے کہ: وهذا الحدیث مکرر بسندہ و متنہ، تقدم قریب، تکرار کا کوئی فائدہ کچھ میں نہیں آیا اسی لئے بہت سے نسخوں میں یہ باب اور حدیث نہیں ہے

### باب القود من الضربة، وقص الامیر من نفسه

یعنی معمولی سی پٹائی پر بھی کوئی قصاص اور ضمان ہوتا ہے؟ اور دوسرا جزو ترجمہ کا یہ ہے کہ اگر امیر رعایا میں سے کسی شخص پر کوئی جنایت کرے تو اس کا اپنے نفس سے بدلہ لینا۔

عن ابی سعید الحدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بیننا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقسم قسمًا قبل

رجل فأكب عليه فطمعته رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بعرجو وكان معه فجرح بوجهه فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تعال فاستقد فقال بل عفت يا رسول الله.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ لوگوں کے درمیان کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے تو اسی اثنا میں ایک شخص آگے بڑھا جو مال لینے کے لئے آپ پر گرا جا رہا تھا اور جھک رہا تھا، اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، آپ نے سنبھلا وہ چھڑی اس کے ماری (وہ اتفاق سے لسکے چہرے پر لگ گئی) جس سے اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس پر آپ نے اس سے لہریا کہ اگر اپنا ہاتھ مجھ سے لینے اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ بلکہ میں نے معاف کیا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المتذری۔

عن ابی قریب قال خطبنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال انی لم ابعث عتالی لیضربوا بشارکم ولا لیاخذوا اموالکم، فمن فعل به ذلك فلیرفعه الی اقصاه منه الا۔

ابو قریب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا کہ ممکن ہے کسی عامل کی زیادتی اور تشدد کی شکایت آپ تک پہنچی ہو جس پر انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے عمال کو اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری پٹائی کریں یا واجب سے زیادہ مال لیں، پس جس شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے کسی عامل کی طرف سے تو وہ اپنے معاملہ کو میرے سامنے پیش کرے میں اس کو اس کا قصاص اس عامل سے دلاؤں گا، اس پر حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ماتحت کے ساتھ تادیباً کوئی کلام کرے ماری پٹائی کا تو کیا آپ اس سے اس کا بدلہ دلاؤں گے؟ تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا ہاں بخدا میں اس سے اس کا قصاص دلاؤں گا، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے اپنے نفس سے قصاص دلا لیا غالباً مطلب یہ ہے کہ آپ نے قصاص لینے کی دوسرے شخص سے درخواست کی جیسا کہ اوپر والی حدیث میں گذرا۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قالہ المتذری۔

## باب عفو النساء عن الدم

**مسئلہ الباب کی توضیح** مسئلہ یہ ہے کہ قتل عمد میں اگر اولیاء مقتول میں سے ایک شخص کی رائے ترک قصاص اور معاف کر نیکی ہو تو پھر قصاص لینا جائز نہیں، اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان اولیاء میں کوئی عورت ہو اور وہ قصاص لینا نہ چاہے تو اس کا عفو کرنا معتبر ہو گیا یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک معتبر ہے، خطابی فرماتے ہیں قال اکثر اهل العلم عفو النساء عن الدم جائز كعفو الرجال، وقال الاوزاعي وابن شبر ليس للنساء عفو، یعنی جمہور کے نزدیک تو معتبر ہے، امام اوزاعی وغیرہ کے نزدیک معتبر نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: علی المقتتلین ان ینحجزوا

الاول فالاول وان كانت امرأة، قال ابو داؤد۔ ینحجزون بکفوا عن القود۔

**شرح الحدیث** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اولیاء قاتل اور اولیاء مقتول ملجب، آپس میں جھگڑا ہو جائے یعنی اولیائے قاتل اصرار کر رہے ہیں ترک قصاص اور عفو پر اور اولیائے قاتل قصاص لینے پر تو آپ فرما رہے ہیں کہ اس جھگڑے کو ختم کیا جائے جس کی شکل آپ یہ بتلا رہے ہیں، ان ینحجزوا کہ اولیائے مقتول ہی کو چاہیے کہ وہ قصاص لینے سے رکیں، اور یا مراد مقتتلیں سے یہ ہے کہ اولیائے مقتول میں آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا بعض عفو چاہتے ہیں اور بعض قصاص، اور چونکہ ولی اقرب کے ہوتے ہوئے بعد کا قول ساقط ہے لہذا آپ اولیاء میں جو اقرب الی القتیل ہے اسی کو آپ قصاص طور سے عفو کی ترغیب اور پیش قدمی کا حکم دے رہے ہیں اگرچہ وہ جو اقرب ہے عورت ہی کیوں نہ ہو، اس حدیث میں تصریح ہے عفو النساء کے معنی ہونے کی جیسا کہ جہور کا مسلک ہے، امام اوزاعی کا قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ والحدیث اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

حدثنا محمد بن عبیدناحماد، ح وثابن السرح ناسفیان وهذا حدیثہ عن عمرو بن طاؤس قال من

قتل وقال ابن عبید: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

**شرح السند** اس حدیث میں مصنف کے دو استاذ ہیں محمد بن عبید اور ابن السرح، محمد بن عبید کے استاذ حماد ہیں اور ابن السرح کے سفیان، اور یہ دونوں روایت کرتے ہیں، سفیان اور حماد، عمرو سے اور وہ طاؤس سے، ابن السرح کی سند تو ہمیں اگر ختم ہوگئی، لہذا یہ روایت موقوف بلکہ مقطوع ہوئی اور محمد بن عبید کی روایت میں طاؤس روایت کر رہے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لہذا یہ حدیث مرفوع مرسل ہوئی، متن حدیث یہ ہے:

من قتل فی عمتی فی رمی یكون بینہم بحجارة او بالسیاط او ضرب بعضا فہو خطأ وعقلہ عقلہ الخطا۔

**شرح الحدیث** یعنی جو شخص اندھا دھند لڑائی میں مارا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ دو جماعتوں میں لڑائی ہوتی لاشھی ڈنڈے پتھر استعمال ہوئے جانیں سے اور پھر اس میں کوئی شخص مارا گیا جس میں یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ قاتل کیسے ہو اس چیز سے ہوا مثل کبیر سے ہوا یا صغیر سے ہوا تو اس قاتل کو قاتل خطا قرار دیا جائے گا لہذا قاتل خطا والی دیت ہی واجب ہوگی۔ ومن قتل عمدا فہو قود یعنی جس قاتل کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ قاتل عمد ہے یا اس طور کہ قاتل عمد کی تعریف وہاں پر صادق آتی ہو تو اس کا حکم قصاص ہے، اور ابن عبید کی روایت میں ہے، "قود یدید۔ ید سے مراد نفس یعنی قصاص فی النفس۔ ثم اتفقا: ومن حال دونہ فعلیہ لعنة اللہ وغضبہ، اب تک حدیث کے الفاظ جو گزرے ہیں وہ ابن السرح کی روایت سے تھے اور یہ اخیر کے الفاظ ابن السرح اور ابن عبید دونوں کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص قاضی کی جانب سے قصاص کے فیصلہ کے بعد اس قصاص لینے سے مانع بنے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور لعنت کا مستحق ہوگا، نہ اس کی نفس عبادت قبول ہوگی نہ فسوس۔

وحدیث سفیان اسہ یعنی حماد کے مقابلہ میں سفیان کی روایت اتم ہے، شروع میں مصنف نے فرمایا تھا، وهذا حدیثہ

کہ ہم سفیان کی حدیث روایت کر رہے ہیں، تو گویا سفیان کی روایت اختیار کرنے کی یہ وجہ ترجیح ہوئی۔

عمر بن دینار عن طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما الخ۔

یہ روایت عمر بن دینار کی بروایت سلیمان بن کثیر مستند ہے۔ والحدیث الخرجہ النسائی دامن ماجہ مدفوعاً، قال المنذری۔

## باب فی الدیۃ کمرہی

کتاب الدیات کے شروع میں گزر چکا کہ دیت کا اطلاق عرف فقہاء میں بدل النفس پر اور بدل الاطراف پر ارشاد کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ویسے تو سفا ارشاد پر دیت کا بھی اطلاق ہو جاتا ہے

قتل کے اقسام اور تعریفات | جب یہ معلوم ہو گیا کہ دیت کا استعمال قتل نفس میں ہوتا ہے اور مصنف کی غرض یہاں مقدار دیت کو بیان کرنا ہے جس کا مدار قتل کی نوعیت پر ہے، کیونکہ قتل کی ائمہ ثلاث اور صاحبین

کے نزدیک تین قسمیں ہیں قتل عمد اور قتل مشبہ عمد اور قتل خطا اور ہر ایک کا حکم اور دیت الگ الگ ہے لہذا اب احتیاج اس کی ہے کہ قتل کی ان قسموں کو جانا جائے اور ان کی تعریف معلوم کی جائے اسکے بعد ہر ایک کی دیت معلوم کی جائے۔ پس جاننا چاہیے کہ آلات قتل تین ہیں متحدہ، مشغل کبیر، مشغل صغیر قتل عمد وہ ہے جو سلاح یعنی ہتھیار کے ذریعہ سے ہو یا اس چیز سے جو جاری بجزی السلاح ہو یعنی متحدہ (پر دھار دار چیز) اور مشبہ عمد وہ ہے جو مشغل صغیر سے ہو یعنی وہ غیر دھار دار چیز جس سے عامۃ ہلاکت واقع نہیں ہوتی جیسے معمولی سا ڈنڈا، چھوٹا پتھر اور قتل خطا عام ہے خواہ کسی آلہ سے ہو پھر خطا کی دو قسمیں ہیں ایک خطا فی الفعل، ایک خطا فی النطن (سیاتی بیانہ) اور جو قتل مشغل کبیر سے ہو یعنی وہ غیر دھار دار چیز جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہے اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ قتل عمد میں داخل ہے یا مشبہ عمد میں، امام صاحب کے نزدیک مشبہ عمد میں، اور صاحبین اور جہود کے نزدیک قتل عمد میں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مشغل کبیر امام صاحب کے نزدیک ملحق ہے مشغل صغیر کیساتھ، اور عند الجہود والصابحین ملحق ہے عمد کے ساتھ، اور جو اوپر گذر رہا ہے کہ خطا کی دو صورتیں ہیں خطا فی الفعل یہ ہے کہ کوئی شخص مارنا چاہتا تھا کسی جانور کے لیکن نشانہ نے خطا کھائی اور لگ گیا انسان کے، اور خطا فی النطن یہ ہے کہ دور سے کسی شخص نے کسی انسان کو کھیل اڑھے ہوئے دیکھا اور یہ سمجھ کر کہ شیر یا چیتا ہے اس کو مار ڈالا، یہ خطا فی النطن ہے قصاص صرف قتل عمد میں ہے اور قتل مشبہ عمد و خطا میں صرف دیت ہے، مشبہ عمد میں دیت مغلظہ اور خطا میں غیر مغلظہ نیز قسمیں اخیر میں دیت کیساتھ کفارہ بھی ہے بخلاف قتل عمد کے کہ ایسے کفارہ واجب نہیں۔

اہل دیت کی تفصیل | دیت اگر اونٹ سے دی جائے تو اس کی تعداد بالاتفاق سو ہے قتل خطا کی دیت بالاتفاق اٹھاسا ہے یعنی سواونٹ پانچ قسم کے، ہر ایک بیس بیس، جس میں چار قسمیں تو متفق علیہ ہیں، بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ، پانچوں کی تعیین میں اختلاف ہے، حنفیہ و حنابلہ کے یہاں وہ ابن مخاض ہے اور شافعیہ و مالکیہ

لہ اور امام مالک کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں ہیں وہ مشبہ عمد کے قائل نہیں۔

کے نزدیک ابن لبون، اور شہرہ عمد کی دیت، امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک اثنا عشر ہے حقہ، جذمہ، قلفہ، پہلے دو تیس تیس اور خلفہ چالیس، قلفہ یعنی حاملہ، اور شحین (الوصیفہ والیوسف) اور امام احمد کے نزدیک شہرہ عمد کی دیت ارباعاً ہے یعنی سواونٹ چار قسم کے ہر ایک پچیس، بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذمہ، اور پہلے گزر چکا کہ امام مالک شہرہ عمد کے قائل نہیں۔

**دیت کا مصداق کیا کیا چیزیں ہیں** | یہ مذکورہ بالا تفصیل تو اس صورت میں ہے جب دیت میں اوٹ دیتے جائیں، اب یہ کہ دیت میں کیا کیا چیزیں دی جاسکتی ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعی؟

کے نزدیک دیت میں اصل اہل ہے، امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے اگر اوٹ ملتے ہوں تو وہ دیتے جائیں فان لم توجد فقیمۃ بالغت، یعنی سواونٹوں کی قیمت دی جائے گی جہاں تک بھی وہ پہنچ جائے، اور امام ابوحنیفہ اور مالک کے نزدیک دیت کا مصداق تین چیزیں ہیں الابل، الدرہم، الدنانیر، امام صاحب کے نزدیک تینوں میں اختیار ہے اور امام مالک کے نزدیک گاؤں والوں کے حق میں اہل متعین ہے اور سونے چاندی والوں کے حق میں سونا چاندی، اور حنابلہ کے قول راجح میں دیت کا مصداق پانچ چیزیں ہیں تین وہ جو اوپر مذکور ہوئیں اور دو اس کے علاوہ بقر اور شاة، اور جو تھا مذہب اس میں صاحبین کا ہے، ان کے نزدیک دیت کا مصداق چھ چیزیں ہیں، پانچ اوپر والی اور چھٹی چیز حلال اہل کے بارے میں تو گند چکا کہ وہ بالاتفاق سو ہیں، اور بقر کی تعداد دو سو ہے اسی طرح حلال کی بھی اور شاة کی دو ہزار، کنانی ہاشم البذل عن الاوجز آگے ایک حدیث میں ان چھ چیزوں کا ذکر آ رہا ہے۔ درہم کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، امام ترمذی نے ابواب الدیات میں پہلا باب باندھا ہے۔ باب ما جاء فی الدیۃ کم ہی من الابل۔ دوسرا باب ہے۔ باب ما جاء فی الدیۃ کم ہی من الدرہم۔ دوسرے باب میں انہوں نے یہ حدیث ذکر کی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ جعل الدیۃ اثنی عشر الفا، اس کے بعد فرماتے ہیں والعمل علی هذا الحدیث عند بعض اهل العلم، وهو قول احمد واسحاق، ورأى بعض اهل العلم الدیۃ عشرة آلاف وهو قول سفیان الثوری واهل الکوفۃ، وقال الشافعی لا اعرف الدیۃ الا من الابل وصھی مئة من الابل، درہم کی تعداد جمہور کے نزدیک بارہ ہزار ہے اور حنفیہ کے نزدیک دس ہزار، روایات دونوں طرح کی ہیں اور جمع بین الروایتین یہ ہے کہ درہم کی دو قسمیں ہیں وزن سستہ اور وزن سبعمہ، وزن سستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار، اور وزن سبعمہ کے لحاظ سے دس ہزار، وزن سستہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر دس درہم چھ مثقال کے برابر ہوں اور وزن سبعمہ میں یہ ہے کہ ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں۔

نیز امام ترمذی نے پہلے باب میں فرمایا ہے: وقد جمع اهل العلم علی ان الدیۃ تؤخذ فی ثلاث سنین فی کل سنۃ ثلث الدیۃ، وروا ان دیتہ الخطأ علی العاقلۃ الخ یعنی دیت پوری دفعہ نہیں لی جاتی بلکہ تین قسطوں میں تین سالوں میں، اور یہ کہ قتل خطا کی دیت قائل کے عاقلہ پر یعنی عصبہ پر واجب ہوتی ہے، اور پھر اسکے بعد انہوں نے عاقلہ کا مصداق اور اس میں علماء کا اختلاف لکھا ہے اور ہمارے یہاں اس سے پہلے گزر چکا کہ قتل عمد کی دیت قائل کے مال میں واجب ہوتی ہے یہ اجماعی مسئلہ ہے۔  
وفي الهدایۃ ص۔ والدیۃ فی الخطا مئة من الابل اخصراً، ومن العین الف دینار ومن الودق عشرة آلاف درهم، وقال الشافعی



من الورق اثنا عشر الفا، ولا تثبت الدية الا من هذه الا انواع الثلاثة (الابل والذهب والفضة) وقال ابنه اوزن بالقرمست باقسمة ومن الغم الفاشاة ومن الحلال من كل حلة ثوبان، لان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ هكذا جعل على اهل كل مال منها، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان مذکورہ بالا اشیاء سے اسی طرح دیت لینا ثابت ہے جو جس کا اہل تھا اس سے وہی لیا، اہل اہل سے اہل اور اہل دراهم سے دراهم، اور اہل ذہب سے دنانیر و هكذا، اور امام صاحب کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ یہ اشیاء ثلاثہ باقیہ جو ہیں جن کے صاحبین قائل ہیں ان کا ثبوت آثار مشہورہ سے نہیں ہے، اسی لئے امام صاحب نے ان تین کو نہیں لیا۔  
اب احادیث الباب کو لیجئے۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جداه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قضى ان من قتل خطأ اثم - اس حدیث میں قتل خطا کی دیت سواونٹ اس ترتیب سے مذکور ہے بنت لبون بنت مخاض اور حقہ ہر ایک تیس تیس اور دس ابن لبون، بذل میں خطابی سے نقل کیا ہے لا اعرف احد قال به من الفقهاء، کہ میرے علم میں نہیں کہ اسکو کسی فقیہ نے اختیار کیا ہو، اس پر حضرت شیخ حاشیہ بذل میں لکھتے ہیں کہ ابن قدامہ نے اس کو طاؤس کا مذہب قرار دیا ہے اسی حدیث کی بنا پر۔  
والحدیث اخرجه النسائي وابن ماجه، قاله المتذري۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جداه قال كانت قيمة الدية على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

وسلم ثمان مئة دينار وثمانية الاف درهم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ دیت کی قیمت یعنی دیت کے سواونٹوں کی قیمت، کیونکہ دیت میں اصل اہل ہی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، اور دیت اہل کتاب یعنی ذمیوں کی اس وقت یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کی دیت سے نصف تھی، پس دیت کی یہی مقدار چلتی رہی یعنی آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اونٹ اب گراں ہو گئے، اس پر اب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: چنانچہ انہوں نے (خلیفہ ثانی نے) دینار بجائے آٹھ سو کے ایک ہزار مقرر کر دیئے اہل ذہب کے حق میں اور درہم بارہ ہزار مقرر فرمادیئے چاندی والوں کے حق میں، اور اہل بقر پر دو سو بقر اور اہل شاة پر دو ہزار شاة اور اہل حلل پر دو سو حلے، آگے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے اہل ذمہ کی دیت کو نہیں بڑھایا بلکہ اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا اہل ذمہ کی دیت کا باب آگے مستقل آرہا ہے اس پر کلام وہیں آئے گا، دیت میں جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ کل چھ ہیں اس حدیث میں وہ سب مذکور ہیں۔

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في دية الخطأ

دية الخطأين حنفية وحنابلة في دليل | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں قتل خطا کی دیت

میں سوانح اس تفصیل سے مذکور ہے، حقہ، جذعہ، بنت مخاض، بنت لیون اور ابن مخاض، ہر ایک بیس بیس، اس حدیث میں پانچویں چیز ابن مخاض ہے، یہی مذہب حنفیہ و حنابلہ کا ہے، اور امام مالک و شافعی کے نزدیک بجائے ابن مخاض کے ابن لیون ہے۔  
والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ للمتذری۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خطب يوم الفتح بمكة

فكبر ثلاثا ثم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له، وحده لا يلد ولا يولد ولا يخلق ولا يستبد له ولا يظلم له ولا يحاط به، الا ان كل ما اترقا كانت

في الجاهلية تتذكر وتتدى من دم او مال تحت قدمي الاما كان من سقاية الحاج وسدانة البيت۔

یعنی جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور بعد والی روایت میں ہے کہ یہ خطبہ آپ نے بیت اللہ کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر دیا جس میں تین بار تکبیر کہی اور پھر یہ جملے بھی ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود

نہیں، جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی نصرت فرمائی۔ وعدہ سے مراد یہی مکہ مکرمہ کا فتح ہونا اور اسلام کا غلبہ۔ اور آگے سے اور جس نے کفار کی جماعتوں کو شکست دی، اشارہ ہے غزوة احزاب یعنی غزوة خندق کی طرف، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بیشک جو امور زمانہ جاہلیت میں عزت اور فخر کے سمجھے جاتے تھے اور وہ حقوق جن کو اپنا حق واجب سمجھتے تھے، مثلاً خون بہا، یا سود کار پیسہ یا سودی قرضہ، وہ سب میرے پاؤں کے نیچے ہیں، یعنی میں ان کو باطل قرار دیتا ہوں، یعنی اسلام نے ان کو باطل کر دیا، البتہ بعض امور جاہلیہ اس سے مستثنیٰ ہیں (جن کا ذکر آگے ہے) یعنی سقایۃ الحاج حج کے زمانہ میں حاجیوں کے لئے سبیل لگانا اور ان کو پانی پلانا، اور بیت اللہ کی خدمت اور درباری، پھر آگے حدیث میں قتل خطا جو مشبہ عمد ہو اس کی دیت مذکور ہے کہ وہ سوانح ہیں جس میں چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجہ، واخرجه البخاری فی التاريخ الکبیر وساق اختلاف الرواة فیہ، واخرجه الدر القطنی فی سننہ وساق ایضا اختلاف الرواة فیہ، قالہ للمتذری۔

عن ابن ابي نجیح عن مجاهد قال قضی عمر رضي الله تعالى عنه فی شبه العمد ثلاثین حقة وثلاثین

جذعة واربعةین خلفه۔

امام شافعی و امام محمد کی دلیل | شبہ عمد کی یہ دیت جو اس حدیث میں مذکور ہے یہی امام شافعی و محمد کا مسلک ہے یعنی اثلاثا، اور شیعین اور امام احمد کے نزدیک ارباعا ہے و تقدم بیان الاختلاف قبل ذلک

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ اونٹ تینہ اور بازل عام کے درمیان ہونے چاہئیں، تینہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ سال کی ہو کر چھٹے میں داخل ہو، اور بازل وہ ہے جو آٹھ سال کی ہو کر نو میں داخل ہو، بازل اونٹنیوں کے ناموں میں جو عمر کے لحاظ سے ہیں

لہ بیت اللہ شریف کا دروازہ زمین کی سطح سے کافی اونچا ہے آدمی کے قدم سے بھی زیادہ، اسی لئے بیت اللہ میں داخل ہونے کیلئے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے

یہ آخری نام ہے یعنی جو نویں سال میں داخل ہو، اسکے بعد جب دسویں سال میں داخل ہو تو اس کو مخلف کہتے ہیں، اور یہ دونوں نام اپنے مادہ کے اعتبار سے آخری ہیں چنانچہ اسکے بعد اس طرح کہا جاتا ہے۔ بازل عام بازل مایین، مخلف عام، مخلف مایین دھکڑا۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال فی شبہ العمدا اثلا ثانیاً۔

اس روایت میں شبہ عمد کی دیت ہے تو اثلا ثانیاً ہی لیکن اعداد میں فرق ہے چنانچہ اس میں تینتیس حقہ اور جذعہ تینتیس اور خلفہ چونتیس ہے، یہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں۔

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فی الخطا ارباعاً۔

یعنی قتل خطا کی دیت ارباعاً ہے اس تفصیل کے ساتھ حقہ، جذعہ، بنت لبون، بنت مخاض، ہر ایک پچیس پچیس۔

عن علقمة والاسود قال عبد اللہ فی شبہ العمدا اثلاً۔

اس حدیث میں شبہ عمد کی دیت ارباعاً مذکور ہے اس تفصیل کے ساتھ جس کو شیخین اور امام احمد نے اختیار کیا ہے وقد تقدم

عن عثمان بن عفان وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی المخلطة اثلاً۔

اس روایت میں بھی شبہ عمد کی دیت اثلاً ثانیاً ہے اس تفصیل کے ساتھ، چالیس جذعہ جو خلفہ ہوں یعنی حاملہ اور تیس حقہ اور تیس بنت لبون، اور قتل خطا کی دیت اس میں ارباعاً ہے حقہ اور بنت لبون تیس تیس، اور ابن لبون اور بنت مخاض بیس بیس۔

قال ابو عبدید عن غیر واحد، بعض نسخوں میں اس عبارت سے پہلے "باب اسنان الابل" مذکور ہے، اور اس سے قبل

کتاب الزکاة میں، "تفسیر اسنان الابل" کے عنوان سے ایک مفصل باب گذر چکا جس میں یہاں سے زیادہ تفصیل مذکور ہے متذکر لیکن وہاں یہ جملہ نہیں گذرا فاذا بلغ عشرة اشهر فی عشار، باقی چونکہ سب گذر گیا اس لئے یہاں لکھنے کی حاجت نہیں

## باب دیات الاعضاء

اس باب کے شروع کی متعدد روایات میں اصابع اور اسنان کی دیت یعنی ارش مذکور ہے، وہ یہ کہ ہر اصبع میں من اصابع الید والرجل دس اونٹ ہیں اور اسنان میں سے ہر سن کے بدلہ میں پانچ اونٹ ہیں، لہذا دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کی دیت سو اونٹ ہوں گے، اسی طرح اصابع الرجلین میں بھی، اور اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں میں پچاس اونٹ ہیں اسی طرح صرف ایک پاؤں کی انگلیوں میں بھی پچاس اونٹ ہیں، یہ اور رجل ہر ایک کی جنس لگ ہے اور دیت کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اس میں جنس منفعت کا اعتبار ہوتا ہے اور جنس منفعت پوری ضائع کر دی گئی تو پوری دیت ہوگی اور نصف میں نصف دیت ہوگی، اسی طرح عینین میں یہ قاعدہ جاری ہوگا، اور ناک چونکہ اپنی جنس میں ایک ہی ہے لہذا اسکو ضائع کرنے میں پوری دیت واجب ہوگی، یہاں پر حدیث میں ہے: هذلا وهذلا سواء یعنی الالبہام والنخضر دوسری روایت میں ہے الاسنان سواء والاصابع سواء، اصابع الیدین والرجلین سواء، قال الخطابی والتفق عامة اهل العلم علی ترک التفصیل وان فی کل سن خمسة البعرة و فی کل اصبع

عشر عشر من الابل، خناصرها و اباہما سوار۔ الی آخر ما ذکر فی البذل۔ یعنی مسئلہ بھی بالاتفاق یہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ شروع میں انگلیوں کے درمیان فرق کیا کرتے تھے ففی البذل عن الخطاب انہ کان یجعل فی الابیہام خمس عشرة و فی السبایہ عشر و فی الوسطی عشر و فی البصر تسعا و فی الخف ستا۔ حتی وجد کتابا عند عمرو بن حزم عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الاصابع کلہا سوار فاخذہ۔

**اعضار کی دیت کا ضابطہ و قاعدہ** | اعضار کی دیت میں فقہار نے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ جس صورت میں جنس منفعت کی تفویض علی وجہ الکمال ہوگی، یا جمال مقصود کی تفویض ہوگی وہاں پوری دیت

واجب ہوگی، ففی الہدایۃ: و فی المارن الدیۃ و فی اللسان الدیۃ و فی الذکر الدیۃ، و الاتصال فی الاطراف انہ اذا خوت جنس منفعتہ

علی الکمال او ازال جمالا مقصودا فی اللاد می علی الکمال یجب کل الدیۃ لا تلافہ النفس من وجہ و هو ملحق بالاتلاف

من کل وجہ تعظیما للاد می یعنی جنس منفعت کو فوت کر دینا یہ فی الجملہ اتلاف نفس ہی ہے اور فی الجملہ اتلاف نفس کا حکم بھی وہی تکرار

دیا گیا ہے جو اتلاف من کل وجہ کا ہے تعظیما للاد می اور جمال مقصود کی مثال میں لمحیہ کو بھی لکھا ہے ففی الہدایۃ ضابطہ و فی اللحیۃ اذا حلفت

فلم تنبت الدیۃ لانه یفوت بہ منفعتہ الجمال، یعنی اگر کسی نے کسی کی ڈاڑھی کو اس طرح مونڈ دیا کہ جس سے وہ دوبارہ نہ اگے تو

وہاں بھی کامل دیت واجب ہوگی اسلئے کہ ڈاڑھی مرد کے حق میں ایسا جمال ہے جو مقصود ہے، بخلاف عورت کی ڈاڑھی کے کہ

اگر اس کے چہرے پر بال نکل آئیں اور ان کا کوئی حلق کر دے تو اس میں کچھ واجب نہیں اسلئے کہ ڈاڑھی عورت کے حق میں نقص ہے

نہ کہ جمال، کذا فی الشامی ص ۲

جاننا چاہیے کہ اعضار کی دیت بعض مرتبہ دیت نفس سے بڑھ جاتی ہے چنانچہ فقہار نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کسی کے تمام

دانت توڑ دے تو چونکہ ایک دانت میں پانچ اونٹ منصوص ہیں اس اعتبار سے تمام دانتوں میں ایک سو ساٹھ اونٹ واجب

ہونگے جیسا کہ بذل الجہود میں درمختار سے نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے: ولا بأس فیہ لانه ثابت بالنس علی خلاف القیاس

حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الثانی اخرجہ النسائی وابن ماجہ، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما الاول

اخرجہ البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، و حدیث الشاقی اخرجہ الترمذی، وابن ماجہ (بالفاظ مختلفہ) و حدیث عمرو بن شعیب

الاول اخرجہ النسائی وابن ماجہ، والثانی اخرجہ النسائی، قالہ المنذری۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقوم دیۃ الخطا

علی اهل القری اربع مئۃ دینار و عدلہا من الورق و یقویہا علی اشمان الابل، فاذا غلت رفع فی قیمتہا و اذا حاجت

رخضا نقص من قیمتہا الخ۔

**شرح الحدیث** | یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قتل خطا کی دیت کی قیمت اہل قری کے حق میں چار سو دینار متعین

فرماتے تھے یا اس کی قیمت کے برابر چاندنی، اور دیت کی مقدار متعین کرنے میں اونٹوں کے بھاؤ کا اعتبار

کرتے تھے، جب اونٹ گراں ہوتے تھے تو قیمت دیت آپ بڑھا دیتے تھے اور جب وہ سستے ہوتے تھے تو قیمت گھٹا دیتے تھے اور دیت کی قیمت آپ کے زمانہ میں چار سو دینار سے آٹھ سو دینار تک رہی ہے یا اس کے برابر آٹھ ہزار درہم، حاصل یہ کہ دیت میں اونٹوں کی تعداد تو متعین ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں، اور اگر کوئی شخص بجائے اونٹوں کے درہم اور دنانیر دے تو وہ اونٹوں کی قیمت کے اعتبار سے ہی دی جائے گی۔

آگے روایت میں یہ ہے: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان العقل ميراث بين ورثة القاتل فما فضل فللعصبة، یعنی مقتول کی دیت اسکے ترکہ میں شمار کی جائے گی، اور قاتل کے ورثہ میں اور دوسرے ترکہ کے ساتھ تقسیم کی جائیگی حسب قرابت جس کا جتنا حصہ ہوگا، جس میں ذوی الفروض کو مقدم رکھا جائے گا، ان سے جو بچے گا وہ عصبہ کے لئے ہوگا۔ اور آگے روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ الف کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ جڑ سے کاٹ دی جائے تو پوری دیت ہوگی، اور اگر اس کا اوپر کا نرم حصہ کاٹ دیا جائے تو پھر نصف دیت ہے، پچاس اونٹ یا ان کی قیمت کے برابر سونا یا چاندی، یا سولہ یا ایک ہزار بکریاں، اور ایک ہاتھ کے کاٹے جانے میں نصف دیت، اور اسی طرح ایک پاؤں میں۔ وفي المامونة ثلث العقل، مامونہ سر کا وہ زخم جو ام الدماغ تک پہنچ جائے اس میں آپ نے ثلث دیت مقرر فرمائی یعنی تینتیس اونٹ اور ایک اونٹ کا ایک تہائی، اور جائفہ میں بھی ثلث دیت، جائفہ وہ زخم جو جوف بطن تک پہنچ جائے، اس حدیث میں شیعہ نے کہا کہ یہ یا مامونہ اور جائفہ، کتر میں کتاب الدیات کے ذیل میں شجاج کے بارے میں مستقل ایک فصل ہے اسکے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے شجاج کے لئے مستقل فصل منعقد کی انکے مسائل کی کثرت کی وجہ سے، نیز اس میں لکھا ہے کہ شجاج جمع ہے شجہ کی اور وہ لفظ اس جرح کا نام ہے جو چہرے میں یا سر میں ہو، اور جو اسکے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصہ میں ہو اس کو جراحت کہتے ہیں، لہذا جو زخم چہرے یا سر میں ہوگا اس کی دیت کی مقدار تو متعین ہوگی، اور عام جراحت میں دیت کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ وہاں حکومت عدلی کا اعتبار ہے، نیز اس میں لکھا ہے کہ شجاج کی دس قسمیں ہیں پھر ان کی تفصیل لکھی ہے، اسی طرح حاشیہ بذل میں ہے: قال ابن رشد قال اهل اللغة والفقه الشجاج عشرة اولها الدامية وهي التي تدمي ثم الحارمة هي التي تشق الجلد ثم الماضعة الخ۔

آگے اسی حدیث میں ہے: وقضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان عقل المرأة بين عصبتها

من كانوا لا يرثون منها شيئا الا ما فضل عن ورثتها۔

**شرح الحدیث** یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جو دیت کسی عورت کے قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے وہ عصبة القاتلہ (اس عورت کے عصبہ) پر واجب ہوگی وہ جو بھی ہوں، اور حسب قاعدہ مائلہ یعنی عاقلہ المقتول اس کے وارث نہیں ہوں گے بلکہ ورثہ المقتول اس دیت کے وارث ہوں گے، ہاں جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بچے گا وہ بیشک عصبہ کو ملے گا، مطلب یہ ہے جس طرح مرد کی جنایت کا قاعدہ ہے کہ اس کی دیت جانی کے عصبہ پر واجب

ہوتی ہے اور مکنی علیہ کے ورثہ کو ملتی ہے یہی حکم عورت کی جنایت کا بھی ہے، جب بات یہ ہے کہ جو حکم مرد کی جنایت کا ہے وہی عورت کی جنایت کا ہے تو پھر اس پر تشبیہ کیوں کی گئی، دھماستے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ شاید عورت اس مسئلہ میں مرد کی طرح نہ ہو بلکہ عبد کی طرح ہو جس کی جنایت کے اس کے عاقلہ متحمل نہیں ہوتے، اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ تصریح کی گئی۔

اگے ہے: فان قتلت فعقلها بين ورثتها وهم يقتلون قاتلهم، یعنی اور اگر عورت پر جنایت کی جائے اور اس کو قتل کر دیا جائے تو اب اس کی جو دیت حاصل ہوگی جانی کے عاقلہ سے وہ عورت کے ورثہ میں تقسیم کی جائے گی، اگر حاصل ہونے والی شئی دیت ہو، اور اگر دیت کے بجائے قصاص کا مسئلہ ہو تو قصاص لینے کا حق بھی عورت کے ورثہ کو ہوگا۔

وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ليس للقاتل شئ وان لم يكن له وارث فوارثه اقرب

الناس اليه ولا يرث القاتل شيئاً.

یعنی اگر کوئی شخص اپنے رشتہ دار کو قتل کرے اور حال یہ کہ وہ قتل کرنے والا مقتول کے ورثہ میں سے ہو تو اس قتل کی دیت میں اس قاتل وارث کا حصہ نہ ہوگا بلکہ دوسرے ورثہ کو ملے گا، اور اگر اس مقتول کے کوئی اور وارث نہ ہو سوائے اس قاتل کے تو پھر یہ کریں گے کہ قاتل کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ دار جو باقی رشتہ داروں میں اقرب الی المقتول ہو اسکو دی جائیگی، مثلاً بیٹے نے باپ کو قتل کیا اور اس مقتول کا کوئی وارث نہ تھا سوائے اس بیٹے کے، لیکن اس مقتول نے ایک پوتا بھی چھوڑا ہے تو اب اس مقتول باپ کی میراث بجائے قاتل بیٹے کے اس بیٹے کے بیٹے کو دیدی جائے گی کہ بیٹے کے بعد پھر اقرب الناس الی المقتول وہ پوتا ہی ہے، کذا قالوا فی شرح هذا الحدیث،

والحدیث اخرجه النسائی وابن ماجه، قال المنذرى۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال عقل شبه العمدة

مغلظ مثل عقل العمدة ولا يقتل صاحبه، وذلك ان ينز والشيطان بين الناس فتكون دماء في عتية

في غير ضغينة ولا حمل سلاح۔

یعنی شبہ عمد کی دیت قتل خطا سے زیادہ سخت ہے اور مغلظ ہے جس طرح کہ قتل عمد کی دیت مغلظ ہے، اور شبہ عمد والے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا یعنی لی تو جائیگی دیت ہی اور قتل نہیں کیا جائے گا لیکن دیت مغلظہ لیجائیگی۔

قتل عمد کی دیت کا مسئلہ اور اسکی تحقیق | اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ قتل عمد میں بھی دیت ہوتی ہے، جنفیہ کے یہاں تو اس کا کوئی ضابطہ ہے نہیں بلکہ جس چیز پر بھی مصالحت

ہو جائے طریق کی رضامندی سے قصاص نہ لینے کی صورت میں، لیکن کتب شافعیہ میں اس کی تصریح ہے کہ قتل عمد میں دیت ہوتی ہے اور وہ مغلظ ہوتی ہے، چنانچہ یہ اختلاف پہلے گذر چکا کہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک قتل عمد میں اولیائے مقتول کو اختیار ہے، قصاص کا تو ہے ہی دیت کا بھی اختیار ہے خواہ قاتل راضی ہو یا نہ ہو، اسی لئے ان کے یہاں اس کا مصداق بھی



متعین ہے، انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ قتل عمد کی دیت اثلاً ثلاثہ ہے حقہ و جذعہ تیس تیس اور قلفہ چالیس، یہی ان کے یہاں شبہ عمد کی بھی دیت ہے، مگر اس میں یعنی عمد میں مزید تغلیظ و اعتبار سے اور ہے وہ یہ کہ یہ دیت قاتل پر واجب ہوگی نہ کہ عاقلہ پر دوسرے یہ کہ حالاً ہوگی اور مؤجل نہ ہوگی، بخلاف شبہ عمد کی دیت کے کہ وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور مؤجل ہوتی ہے تین سال میں تین قسطوں میں لی جاتی ہے مگر تقدیم فی حملہ ہے۔

آگے روایت میں ہے: وذلك ان يتردوا آپ شبہ عمد کی صورت بتلا رہے ہیں کہ اس میں کیا ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان شیطان آگود پڑتا ہے اور معمولی سی بات بڑھتے بڑھتے خون کی توبت آجاتی ہے اور اندھا دھند لڑائی کا کام شروع ہو جاتا ہے بغیر کینہ اور عداوت کے اور بغیر ہتھیار استعمال کئے، حاصل یہ کہ قتل عمد کی تو ایک معقول وجہ اور بنیاد ہوتی ہے عداوت اور کینہ وغیرہ، اور اس میں تصداً آدمی سلاح استعمال کر کے قتل کرتا ہے، بخلاف شبہ عمد کے کہ وہ خواہ مخواہ کسی معمولی سی بات کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے بات بڑھتے بڑھتے اس میں قتل کی توبت آجاتی ہے، قتل کرنا وہاں مقصود نہیں ہوتا، اسی لئے اس کو شبہ عمد کہتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال في المواضع خمس  
يعني اپنے نے فرمایا کہ شیعہ موضع میں یعنی اسکی دیت میں پانچ اونٹ ہوتے ہیں، موضع وہ زخم ہے جو گوشت اور پوست سے  
تجاوز کر کے ہڈی کو ظاہر کر دے اور اس کے بعد والی حدیث میں ہے۔

قضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في العين القائمة المأذاة لكانها بثلاث الدية۔

شرح الحدیث من حیث الفقہ و بیان المذاهب | یعنی اپنے نے فیصلہ فرمایا اس آنکھ کے بارے میں جو اپنی جگہ پر قائم  
اور باقی ہو یعنی صرف روشنی اس کی منالغ ہوئی ہو ثلاث دیت کا

ایک تہائی دیت، یہ حدیث جمہور علماء اور ائمہ ثلاث کے خلاف ہے صرف امام احمد کی ایک روایت اس کے موافق ہے ورنہ سب  
علماء کی رائے اس میں یہ ہے کہ اس صورت میں حکومت عدل ہے یعنی ایک عادل شخص کا فیصلہ، اس حدیث کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے

۱۔ چنانچہ شافعیہ کی کتاب فیض الالہ المالک ص ۲۹ میں ہے فصل اذا كان القتل خطأ او عمد خطأ (شبه العمد) او آل الامر في العمد بالعفو الی الدیۃ  
وجبت الیۃ و دیتہ المحرم المسلم الذکر من الابل، فان کان عمد فی مغلظہ من ثلاثہ او عمد کو نہا حالہ و علی الجانی و مثلثہ ثلاثین حقہ و ثلاثین جذعہ و الی عین  
خلفہ ای خوامل، وان کان شبہ عمد فی مغلظہ من دوہ رواہا کو نہا مثلثہ مخففہ من دوہ عین کو نہا مؤجلہ، و علی العاقلہ الخ یعنی قتل عمد کی دیت مغلظہ ہے تین  
لحاظ سے اور شبہ عمد کی دیت مغلظہ ہے صرف ایک لحاظ سے اور مخفف ہے دو حیثیت سے، اور پھر آگے اس میں یہ ہے کہ قتل خطا کی دیت تینوں لحاظ  
سے مخفف ہے فارح الیہ لوشنت۔

۲۔ ہا یہ ص ۵۵ میں ہے: و فیما رون المونحة حكومة العدل لانه لیس فیہا ارض مقدر ولا یکن اصدارہ فوجہ اعتبارہ بحکم العدل، یعنی موضع میں چونکہ

کہ آپ کا یہ ارشاد یعنی ثلث دیت بطور معیار اور قاعدہ کلیہ کے نہیں بلکہ کسی خاص واقعہ میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا، اور ہو سکتا ہے اس واقعہ میں حکومت عدل یہی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔  
حدیث المواضع الخرجہ الترمذی والتسانی وابن ماجہ، و حدیث العین الخرجہ التسانی قال المنذری۔

## باب دية الجنين

عن المغيرة بن شعبه رضي الله تعالى عنه. ان امرأتين كانتا تحت رجل من هذيل فضويت احداهما الاخرى بعمود فقتلتها فاخصما الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال احد الرجلين كيف ندى من لاصاح ولا اكل ولا شرب ولا استهل فقال اسجع كسجع الاعراب وقضى فيه بغرة وجعله علي عاقلة المرأة  
شرح الحديث | حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک ہذلی شخص کے تحت میں یعنی نکاح میں تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کے ایک لگڑی اٹھا کر مار دی اور اس کو ہلاک کر دیا، دونوں عورتوں کے اولیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا قصہ لے کر گئے، دونوں میں سے ایک کے ولی نے کہا، یعنی قاتلہ کے ولی نے کہ کیسے دیت ادا کریں ہم اس بچہ کی جو پیدا ہو کر نہ چیخا اور نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا، اس روایت میں ایک لفظ نہیں ہے جو دوسری روایت میں ہے: ومثل ذلك يطل، اور یہ تینوں جملے اس نے مسیح طریقے سے کہے وقف کے ساتھ، جس پر آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہائیتوں کی طرح گارہا ہے، اور آپ نے اس کے ان جملوں کا کوئی اثر نہیں لیا اور اس میں ایک غرہ کا آپ نے فیصلہ فرمایا اور اس کو جنایت کرنے والی عورت کے عاقلہ کے ذمہ قرار دیا، اس روایت میں کافی اختصار ہوا اس واقعہ سے متعلق کئی اجزاء اس کے اندر رہ گئے جو اس کے بعد آنے والی روایات میں مذکور ہیں، اول تو اس روایت میں جنین ہی کا ذکر نہیں ہے ان عورتوں کا نام جو آپس میں سوکنیں تھیں ایک کا ملیکہ تھا اور دوسری کا ام غطیف، یہ دونوں قبیلہ ہذیل سے تھیں۔

→ دیت منعموں ہے اس میں وہی واجب ہوگی اور جن زخم کا اثر اس سے کم ہو اس میں حکومت عدل واجب ہے، اور حکومت عدل کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ حرکت بجائے اس شخص کو غلام فرض کر کے یہ دیکھا جائے کہ اس کی قیمت بغیر زخم کے کتنی ہے بازار میں اور جراحت کے ساتھ کتنی ہے تو اس جراحت کی وجہ سے قیمت میں جتنا نقصان پایا جائیگا مثلاً عشر قیمت تو اس میں عشر دیت واجب قرار دی جائیگی، یہ تفسیر امام محمدی سے منقول ہے ہر ایسے ایسے اور بھی ایک قول ہے جس کو اس میں امام کرخی سے نقل کیا ہے۔

لہ یعنی باب کی اس پہلی روایت کے پیش نظر جس کے راوی مغیرہ بن شعبہ ہیں، اور آگے چند روایات کے بعد حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں یہ آ رہا ہے ان امرأتين من هذيل قتلت احداهما الاخرى ولكن واحدة منها زوج وولد، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دونوں ایک شخص کے نکاح میں نہیں تھیں بلکہ الگ الگ شوہروں کے نکاح میں تھیں، فیکن تعدد الواقعة واللہ تعالیٰ اعلم، ولم يتعرض له صاحب البذل ولا صاحب العون فليفتش۔

نیز آگے اس جنین کے بارے میں یہ ہے، فاسقطت غلاماً وقت نیت شعراً میتاً کہ جس بچہ کا اسقاط ہوا تھا وہ اس وقت میں مردہ تھا اور اس کے بال آگ اُسے تھے۔

باب کی اس پہلی حدیث میں اس مقتولہ عورت یعنی ام الجنین کی دیت کا ذکر نہیں ہے، بعد کی روایات میں مذکور ہے، فجعل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دية المقتولة على عاقلة القاتلة کہ مرنے والی عورت کی دیت حسب قاعدہ آپ نے قاتلہ کے عاقلہ کے ذمہ میں رکھی، نیز اس روایت میں غرہ کی تفسیر مذکور نہیں، بعد کی روایت میں ہے قضی فیہا بغرة عبد اوامة، نیز اس روایت میں ہے ضربت اهدا جال الاخری بجمود، اور اس کے بعد ایک روایت میں ہے بسطح، اور پھر مصنف نے لفرین شیل سے نقل کیا، السطح هو الصوبج، صوبج وہ چیز ہے جس سے روٹی بنائی جاتی ہے جس کو اردو میں میلن کہتے ہیں، اور ابو عبید سے سطح کی تفسیر عود من امواد الخباء سے نقل کی ہے یعنی خیمہ کی لکڑی۔

**جنین کی دیت کا مصداق** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے جنین کی دیت غرہ یعنی غلام یا باندی یا باندی قرار دی، غلام یا باندی کوئی معیاری چیز نہیں ہے فقہار نے اس کا مصداق نصف عشر الیہ قرار دیا ہے یعنی مرد کی کامل دیت کا بیسواں حصہ، اور اگر عورت کی دیت کو دیکھا جائے تو اس کا دسواں حصہ ہوگا، کیونکہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہوتی ہے، لہذا مرد کی دیت کا بیسواں حصہ اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ دونوں برابر ہیں، جنین میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں اس کا کوئی فرق نہیں، اس مسئلہ میں کافی تفصیل ہے جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے مثلاً اگر بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ نکلا ہے تب تو دیت ہے جو مذکور ہوئی اور اگر زندہ پیدا ہو کر پھر مرے تو اس میں کامل دیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح ام الجنین کے بھی مرنے نہ مرنے کی تفصیلات ہیں، ہدایہ میں دیکھی جائیں۔

عن انس بن مالک عن ابي عبد الله رضي الله تعالى عنه ان عمراً استشار الناس في املاص المرأة فقال المغيرة بن شعبه

شهدت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قضى فيها بغرة، عبد اوامة۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنین کے بارے میں یہ مذکورہ بالا حدیث کا علم جس میں جنین کا حکم مذکور ہے نہیں تھا اسلئے انہوں نے لوگوں سے اسکے بارے میں مشورہ فرمایا اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میری موجودگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غرہ یعنی عبد یا امۃ کا فیصلہ فرمایا تھا، حضرت عمر نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس بارے میں کوئی شاہد ہو تو اس کو لاؤ، انہوں نے محمد بن مسلمہ کو پیش کر دیا، یعنی ضرب الرجل بطن امراته، یہ کسی راوی کی طرف سے املاص کی تفسیر ہے یعنی کسی شخص کا اپنی بیوی کے پیٹ پر مار دینا (جس سے بچہ باہر آجائے) اس تفسیر پر بذل میں اشکال لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اگر مقصود اس سے حکم شرعی کو بیان کرنا ہے تب تو اسلئے صحیح نہیں کہ شوہر کے اپنی بیوی کے پیٹ پر مارنے سے اگر اسقاط جنین ہو جائے تو اس سے شوہر پر کچھ واجب نہیں ہوتا، اور اگر اس سے مقصود نفی معنی بیان کرنا ہے تو پھر اس میں زوج کے مارنے کی کیا قید ہے اھ قلت اللهم الا ان يقال ان الحصر غیر مقصود بل هو تمثیل ای مثلاً۔

قال ابو داود، بلغني عن ابي عبيد: انما سمي املاص لان المرأة تزلقه قبل وقت الولادة۔

ادپر روایت میں املاص المرأة کا ذکر آیا تھا جس سے مراد اسقاط تھا اسکے بارے میں مصنف مشہور امام لغت ابو عبید قاسم بن سلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ جزا اس نیست کہ اسقاط جنین کو املاص اسلئے کہتے ہیں کہ چونکہ وہ عورت اس میں اپنے بچہ کو قبل از وقت پھسلا دیتی ہے۔

قال فقال عمر: الله اكبر لو لم اسمع بهذا لقضينا بغير هذا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ بہت اچھا ہوا کہ میں نے اس مسئلہ میں مشورہ کر لیا تھا اگر مشورہ نہ کرتا تو میں اسکے خلاف فیصلہ کر دیتا، معلوم نہیں کیا فیصلہ فرماتے، ویسے فقہاریہ لکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ جنین میں دیت کا واجب ہونا خلاف قیاس ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بچہ واجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس جنین کا پیٹ میں زندہ ہونا کوئی یقینی بات نہیں ہے، ممکن ہے وہ پہلے ہی سے مردہ ہو۔

عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ہذہ القصة۔ قال ثم ان المرأة التي قضی علیہا بالثرة توفیت فقضی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بان میراثھا لبتھا وان العقل علی عصبھا۔

**حدیث کی شرح اور اس پر اشکال و جواب** یعنی جس عورت کے خلاف اپنے دیت کا فیصلہ فرمایا تھا یعنی جانہ، قتل کرنے والی اس کی وفات ہو گئی تو اپنے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے

بیٹوں کے لئے ہے (اسکے وراثہ بھی ہوں گے) اور یہ کہ دیت اس عورت کے عصبہ پر واجب ہوگی، یعنی جیسا کہ قاعدہ اور ضابطہ ہے دیت کا کہ وہ عصبہ القائل پر ہی واجب ہوتی ہے، اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وفات اس عورت کی ہوئی جس کے خلاف دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا، اور جس کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا تھا وہ وہ عورت ہے جو قاتلہ ہے لیکن یہ بات ظاہر ہی معلوم ہوتی ہے، ظاہر تو یہ ہے کہ جو عورت مضر وہ تھی جس پر ضرب واقع ہوئی تھی اور جس کے بچہ کا اسقاط ہوا تھا اس کی وفات ہونی چاہیے اسکے علاوہ یہ روایت ان روایات کے بھی خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات پانے والی عورت وہ مضر وہی تھی جس کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا، علامہ طیبی نے اسکی توجیہ یہ کی ہے الی قضی علیہا سے مراد قضی لہا لیا جائے یعنی علی کو لام کے معنی میں لیا جائے، اس صورت میں اس کا مصداق بجائے قاتلہ کے امرأة مقتولہ ہو جائے گی جس کے بچہ کا اسقاط ہوا تھا، لیکن اس صورت میں آگے چل کر ہاں میراثھا لبتھا، یہ دونوں ضمیر میں تو اسی مقتولہ ہی کی طرف راجع ہونگی اور علی عصبھا کی ضمیر قاتلہ کی طرف مانتی پڑے گی، گویا اس توجیہ سے اصل اشکال تو ہٹ جائیگا لیکن تشتت ضمائر لازم آئے گا، لہذا فی حاشیۃ الترمذی عن اللغات۔

ملحوظہ: ترمذی میں یہ روایت باہم الفاظ یعنی جس پر اشکال واقع ہو رہا ہے کتاب الفرائض باب ما ہار ان المیراث للورثة والعقل علی العصبۃ میں مذکور ہے، اور ابواب الدیات جو اصل محل ہے وہاں ترمذی میں یہ روایت مذکور نہیں، اس میں تو روایت اسی طرح ہے جس طرح ہونی چاہیے، یہ تو شرح کی رائے تھی لیکن ہمارے حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر میں جس کو حضرت

سہارنپوری نے بزل میں نقل فرمایا ہے یہ ہے کہ شرح کو تو اس روایت پر اشکال ہو رہا ہے کہ قاتلہ کی موت خلاف ظاہر ہے مقتولہ کی موت کا ذکر ہونا چاہیے، حضرت فرماتے ہیں کہ اشکال کی کوئی بات نہیں والامرہل بنو حضرت کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ قاتلہ ہی کی موت کا ذکر ہے اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ جب گذشتہ واقعہ پیش آچکا یعنی جنین اور ام الجنین دونوں کا انتقال ہو چکا اور اس میں قاتلہ کے خلاف یہ فیصلہ ہو چکا کہ مقتولہ کی دیت عصمتہ القاتلہ کو دینی پڑے گی تو اس کے کچھ عرصہ بعد قاتلہ کا بھی انتقال ہو گیا تو اب مسئلہ سامنے آیا اس مرنے والی قاتلہ کی میراث کا، اب ظاہر ہے کہ اسکے مستحق اسکے اپنے ورثہ تھے اور ان کو ملنی چاہیے تھی لیکن اس موقع پر اس مرنے والی کے عاقلہ نے یہ کہا کہ جب اس کی جانب سے دیت ہم نے ادا کی تھی تو اس کی میراث بھی ہمیں ہی ملنی چاہیے، مگر ان کی بات چونکہ دیت اور میراث کے قاعدہ کے خلاف تھی اسلئے آپ نے ان کی بات کو رد فرماتے ہوئے اس مرنے والی کی میراث کا فیصلہ اسکے ورثہ کے لئے اور دیت کا فیصلہ اسکے عاقلہ ہی پر برقرار رکھا، قلشہ در الشیخ نور اللہ مرقدہ، حضرت کو احادیث مشککہ میں توجیہ و تطبیق کا بڑا ملکہ تھا وہ روایت کی تغلیط اور رواۃ کا تخطیہ جلدی سے نہیں فرماتے تھے، اس اشکال و جواب پر کلام نصب الراية میں علامہ زینبی نے بھی کیا ہے کافی ہاشم البذل۔

عن عبد اللہ بن بویدۃ عن ابیہ ..... فجعل فی ولدہ ا خمس مئة شاة ونبھی یومئذ عن الحدف، قال

ابو اؤدۃ کذا الحدیث: خمس مئة شاة، والصواب مئة شاة۔

اس روایت میں غرہ کا مصداق یعنی دیتہ الجنین کی مقدار پانچ سو بکری قرار دی گئی ہے، حالانکہ پہلے گذر چکا کہ غرہ سے مراد نصف عشر الذرہ ہے دیت کا بیسواں حصہ، اب اگر وہ بکریاں ہیں تو ایک سو ہوں گی کیونکہ دیت کی کل بکریاں دو ہزار ہیں، اور دو ہزار کا بیسواں حصہ ایک سو ہے، اور اگر درہم لئے جائیں وہ دس ہزار ہیں اور دس ہزار کا بیسواں حصہ پانچ سو ہوتا ہے، لہذا یہاں پر روایت میں صحیح لفظ یا تو مئة شاة ہے مگر قال المصنف یا خمس مئة درہم کافی البذل۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی الجنین بقرۃ عبد اواسۃ

اور فرس اور بغل۔

اس روایت میں فرس اور بغل کا اضافہ ہے جس پر مصنف نے آگے کلام کیا ہے، خطاباں کہتے ہیں کہ یہ عیسیٰ بن یونس کا وہم ہے

اور یہ بتی فرماتے ہیں: ذکر البغل والفرس فیہ غیر محفوظ (بذل)

## باب فی دية المكاتب

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی دية المكاتب یقتل

یودی ما ادی من کتابتہ دية الحر وما یقی دية المملوک، یودی مضارع مجہول ہے، ودی یدئی دیتہ سے، جیسے

وَعَدَّ عِدَّةً۔

## حدیث کی شرح اور اس پر تفصیلی کلام

یعنی مکاتب کو اگر قتل کر دیا جائے (تو اب اس کی دیت کیا ہوگی اس کے بارے میں آگے یہ ہے کہ) جتنا بدل کتابت اس نے ادا کر دیا ہے مثلاً نصف تو نصف دیت حرکی واجب ہوگی اور نصف دیت عبد کی، تو گویا نصف مکاتب میں حرکات معاملہ کیا جائے گا کیونکہ نصف بدل کتابت ادا کر چکا ہے اور نصف میں اس کے ساتھ غلام کا معاملہ کیا جائے گا کیونکہ نصف بدل کتابت ادا کر چکا ہے، لہذا مثال مذکور میں اس کی دیت پچھتر اونٹ ہوں گے کیونکہ غلام کی دیت حر سے نصف ہوتی ہے اس روایت کا تقاضا یہی ہے لیکن یہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں ہے وہ تو یہ فرماتے ہیں: المکاتب عبد مالم یقلیہ درہم، جب تک مکاتب پورا بدل کتابت ادا نہ کرے وہ غلام ہی رہتا ہے کیونکہ حریت اور رقیقت متجزی نہیں ہے، البتہ ابراہیم نخعی کا اس حدیث پر عمل ہے جیسا کہ حاشیہ کو کتب میں ملاحظی قاری سے نقل کیا ہے، اسی طرح اس کے بعد جو حدیث آ رہی ہے: اذا اصاب المکاتب حد المورث مینرا شایرث علی قدر ما عتق منه، اس حدیث میں شرط کی جانب میں دو مسئلے مذکور ہیں ایک حد کا دوسرا میراث کا لیکن جزاہ کی جانب میں صرف ایک مسئلہ کا جواب مذکور ہے یعنی میراث کا، اور مسئلہ اولیٰ کی جزاہ مقدم ہے یعنی اذا اصاب المکاتب حد المورث بقدر ما ادى، و حد العبد بقدر ما بقی، مسئلہ اولیٰ کی تشریح یہ ہے: ایک مکاتب جو نصف بدل کتابت ادا کر چکا تھا اور نصف باقی تھا، اس نے کسی موجب حد امر کا ارتکاب کیا مثلاً زنا کیا تو اس پر نصف حد حر جاری کی جائے گی اور نصف حد غلام کی یعنی پچھتر کوڑے لگائے جائیں گے، اور مسئلہ ثانیہ کی صورت یہ ہوگی کہ ایک مکاتب ہے جس کا صرف ایک بھائی ہے پس اس مکاتب کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اگر اس مکاتب نے کچھ بھی بدل کتابت ادا نہ کیا ہوگا تو اس صورت میں صرف اس کا بھائی وارث ہوگا اور اگر پورا بدل کتابت ادا کر دیا ہوگا تو دونوں بھائی برابر کے وارث ہوں گے، اور اگر اس مکاتب نے صرف نصف بدل کتابت ادا کی ہوگی تو حدیث الباب کی رو سے بجائے نصف میراث کے نصف النصف کا مستحق ہوگا، حضرت نے الکوکب الدرۃ ص ۳۹ میں اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے ولکنہم لم یأخذوا بہذہ الروایۃ، اور اس کے حاشیہ میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ صرف ابراہیم نخعی نے اس کو اختیار کیا ہے، اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں: المکاتب عبد مالم یقلیہ درہم، وکان فیہ الاختلاف فی السلف، بسطہ فی التعلیق المجد عن البنیۃ اھ یہ حدیث سنن ترمذی میں فی غیر محلہ ہے یعنی کتاب البیوع ص ۳۹ کے اندر باب ما جار فی المکاتب اذا کان عمدہ مایودی، اور اس میں یہ روایت اس طرح مذکور ہے: عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اذا اصاب المکاتب حد او میراثا ورث بحساب ما عتق منه، وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لودی المکاتب بحصۃ ما ادى ویت حر ما بقی ویت عبد و فی الباب عن ام سلمہ حدیث ابن عباس حدیث حسن، اور پھر اسکے بعد اس میں رواۃ کا اختلاف ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض نے اس کو روایت کیا عکرمہ عن ابن عباس مرفوعاً اور بعض نے عکرمہ عن علی قولہ (یعنی موقوف علیہ) والعمل علی هذا الحدیث عند بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیرہم، وقال اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وغیرہم المکاتب عبد مالم یقلیہ درہم، وهو قول سفیان الثوری والشانعی واحمد واسحاق۔



## حدیث الباب کی توجیہ بلسان المحدث الکنگویی

جانتا چاہیے کہ تمام شراح قاطبۃ اس حدیث کے بارے میں یہی لکھ رہے ہیں کہ جمہور علماء کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے اور حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اس کی ایک توجیہ فرمائی ہے اور اس صورت میں یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں رہتی، حضرت نے اس

پہلی حدیث کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ ما اذنی من کتابہ میں مامولہ نہیں ہے بمعنی مقدار بلکہ یہ ما بمعنی مادام یا ما مصدریہ ہے اور مصدر ہونے کی صورت میں اس کو ہم ظرف قرار دیں گے کقولہم آتیک حقوق النعم (ای وقت خفوقہ) والمعنی یودی الکاتب صین ادی بدل کتابہ دیتہ حر، و صین لقی علیہ یودی دیتہ العبد، حضرت نے جو فرمایا ہے کہ اس ما کو مصدریہ قرار دیا جائے اور ظرف مانا جائے، یہ بات بالکل صحیح ہے اسلئے کہ شرح جامی بحث فعل میں کسی جگہ لکھا ہے: و تقدیر الزمان قبل المصادر کثیر، لہذا اب اس حدیث کا ترجمہ یہ ہوا کہ مکاتب مقول کی دیت دی جائیگی بوقت اسکے بدل کتابت ادا کر چکنے کے حوالی دیت اور بوقت باقی رہنے بدل کتابت کے مملوک والی دیت، اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ سبحان اللہ، بشرہ در شرح الکنگویی والمحدث آخرہ النسائی مستدا ومرسلا، قال المتذری۔

قال ابو داؤد اور رواہ وہیب عن ایوب عن عکرمۃ عن علی بن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زار سلہ

حماد بن زید و اسماعیل بن ایوب، عن عکرمۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وجعلنا اسماعیل بن علیۃ قول عکرمۃ۔

مصنف نے اس حدیث کی سند میں رواۃ کا اختلاف واضطراب بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں ایک اختلاف تو یہ ہے کہ یہ حدیث مستند ہے یا مرسل؟ حماد بن زید نے تو اس کو مرسل قرار دیا ہے اور وہیب نے مستند، دوسرا اختلاف یہ کہ یہ حدیث مسانید ابن عباس سے ہے یا مسانید علی سے، حماد بن سلمہ نے تو اس کو مستند ابن عباس قرار دیا اور وہیب نے مستند علی، اور اسماعیل بن علیہ نے اس کو قول عکرمۃ قرار دیا ہے، اس اختلاف رواۃ کا ذکر اوپر ترمذی سے بھی آچکا ہے، لیکن مصنف نے یہ اختلاف زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور گویا جمہور کی جانب سے اس حدیث کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔

## باب فی دیتہ الذمی

عن عمرو بن شعیب عن ابيه عن جدك عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: دية المعاهد نصف

دية الحر۔

مسئلہ الباب میں مذاہب ائمہ مع الدلیل | اس باب کا حوالہ اس سے پہلے ہمارے یہاں گذر چکا ہے باب فی الدیتہ کم ہی کے شروع میں جس کے لفظ یہ ہیں: ودیتہ اهل الكتاب یومئذ

النصف من دیتہ المسلمین الحدیث، ذمی کی دیت میں اختلاف ہے امام مالک و احمد کے نزدیک اس کی دیت نصف دیتہ المسلم اور امام شافعی کے نزدیک ثلث دیتہ المسلم کے برابر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ذمی کی دیت دیتہ مسلم کے برابر ہے، لیکن امام احمد کے

یہاں یہ اس وقت ہے جب قتل خطاً ہو اور اگر اس ذمی کا قتل قتل عمد ہے یعنی کسی مسلمان نے اس کو عمدتاً قتل کیا ہے تو قصاص تو البتہ نہیں ہے ان کے نزدیک لیکن دیتہ المضاعف ہوگی یعنی پوری بارہ ہزار درہم، کذا قال الخطابی، اور حنفیہ کے مسلک کے بارے میں خطابی فرماتے ہیں: وقال اصحاب الراى وسفيان الثوري دية ذية المسلم، وهو قول الشعبي والنخعي ومجاهد وروى ذلك عن عمر وابن مسعود رضي الله تعالى عنهما قلت والذليل للحنفية ما قال في الهداية: ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: ودية كل ذی عهد فی عهدہ الف دینار، قال الزبلی اخرجہ ابو داود فی المراسیل عن سعید بن المسیب قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم دية كل ذی عهد فی عهدہ الف دینار انتہی، واخرج الترمذی بسندہ عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وذی العامرین بدية المسلمين، وكان لهما عهد من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. الی آخر ما فی البذل۔ یہ روایت ترمذی امام ترمذی نے اس کو ایک مستقل باب بلا ترجمہ میں ذکر کیا ہے، اور جن عامرین کی دیت کا اس میں ذکر ہے اس کے بارے میں تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ ان دونوں شخصوں کو عمر بن امیہ الضمری نے قتل کر دیا تھا ان کو ان کا ذمی ہونا معلوم نہ تھا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دیت وہی دلوانی جو مسلمانوں کی ہوتی ہے، نیز ظاہر قرآن سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے قال تعالیٰ: وان کان من قوم بینکم وبينہم ميثاق فدية مسلمة الی اہلہ، اس آیت میں ذمی کے لئے مطلق دیت فرمایا گیا اور دیتہ مطلقہ ظاہر ہے کہ وہ وہی ہے جو دیت مسلم ہے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ الترمذی۔

### باب فی الرجل یقاتل الرجل فیدفعہ عن نفسه

عن صفوان بن یعلی عن ابيہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قاتل اجیری رجلاً فعض یداً فاشتزمها فندرت

ثنیتہ فاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فاھدرھا وقال اترید ان یضع یداً فی فیک تقضیھا کالفحل۔

**مضمون حدیث** | یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک اجیری یعنی خادم کا جھگڑا ہو گیا ایک شخص سے تو میرے اجیر نے اسکی انگلی کو اپنے دانتوں میں دبایا اس شخص نے اپنی انگلی کو زور سے کھینچا، اجیر کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا جس سے (بار کھا تھا) وہ اجیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا یعنی ضمان اور قصاص کے مطالبہ کے لئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی اس دانت پر کچھ واجب نہیں فرمایا اور اس اجیر سے فرمایا کہ کیا تو یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی انگلی کو تیرے منہ میں دینے رہے اور تو اس کو چباتا رہے اونٹ کی طرح، یعنی جس طرح جانندگھاس چباتا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اگر تو چاہے تو اس کا قصاص اس طرح ہو سکتا ہے کہ تو اپنی انگلی کو اس کے منہ میں رکھ کر اس کو چبانے کا موقع دے اور پھر تو اپنی انگلی اسی طرح زور سے کھینچ لے (تاکہ اس کا دانت بھی اسی طرح ٹوٹ جائے) یہ سن کر مزدور خاموش ہو گیا، یعنی اس طرح کرنے کیلئے وہ تیار نہیں ہوا، اور اس کا سارا اشتعال ختم ہو گیا، اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے اپنی انگلی کو کھینچنے سے اس کا دانت ٹوٹ جائے اور انگلی کا زخمی ہونا الگ رہا۔

یہ جو عرضید کا واقعہ اس روایت میں مذکور ہے اس میں روایات حدیثیہ مختلف ہیں عارض اور معروض کی تعیین کے اعتبار سے مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اجیر یعلیٰ کے ساتھ پیش نہیں آیا بلکہ خود یعلیٰ کے ساتھ پیش آیا، اختلاف روایات کی تفصیل بذیل میں مذکور ہے اس میں امام نووی سے یہ بھی منقول ہے: کتمل انہما قضیتان جر تالیعلیٰ واجیرہ فی وقت او وقتین اھ۔

**مسئلہ الباب میں مسلک جمہور** | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے واقعہ میں ضمان اور قصاص نہیں ہے کیونکہ یہاں پر مقصود مدافعت عن نفسه ہے نہ کہ اضرار الغیر، حاشیہ بذیل میں ہے: وبذلك

قالت المشائخ، وقال مالک فیہ الدیۃ، کذا فی المغنی ۲۵۲، وفصل فیہ الدرر ۲۵۶، بانه ان اراد قطع اسانہ ففیہ الدیۃ وان اراد تخلص یدہ فلا اھ، صحیح بخاری ۱۸۱۰ کی روایت میں عارض یا معروض کی کوئی تعیین نہیں ہے اس کے لفظیہ میں: عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا عرض یدرجل فترع یدہ من فیہ فوعدت ثنیۃ اھ اور دوسری روایت ہے عن صفوان بن یعلیٰ عن ابیہ قال خرجت فی غزوة فعض رجل فانترع ثنیۃ فابطلها البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، ولیس فیہ قضیۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قالہ المستذری۔

### باب فیمن تطیب ولا یعلم منه طب فاعنت

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من تطیب

ولا یعلم منه طب فهو ضامن۔

یعنی جو شخص کسی کا علاج معالجہ کرے اور واقع میں وہ طبیب نہ ہو (تو اگر ایسے شخص سے کسی کو ضرر پہنچے) تو وہ طبیب ضامن ہوگا، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے۔

عن عبد العزیز بن عمرو بن عبد العزیز حدثنی بعض الوفد الذین قدموا علی ابی قال قال رسول اللہ

صلی: لہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایما طبیب تطیب علی قوم لا یعرف لہ تطیب قبل ذلك فاعنت فهو ضامن۔

**شرح الحدیث** | عمر بن عبد العزیز کے بیٹے جن کا نام عبد العزیز ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا بعض ان بہانوں نے جو میرے والد کے پاس آئے تھے انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس

کا مضمون وہی ہے جو اوپر آچکا، اسکے بعد ہے: قال عبد العزیز اما انہ لیس بالنعتم انما هو قطع العروق والبط والکلی،

عبد العزیز یہ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث میں جس علاج معالجہ کا ذکر ہے اس سے مراد صرف دوا تجویز کر دینا نہیں، زبانی بتا دیا ہو یا لکھ کر دیدیا ہو کہ فلاں دوا لیکر کھالو، بلکہ یہاں پر مقصود عملاً جو علاج معالجہ کیا جائے اس کا حکم بیان کرنا ہے مثلاً کوئی علاج کسی کی رگ کا منہ کھولے جیسے فصد میں ہوتا ہے، یا بدن کے کسی حصہ میں شگاف دے یا علاج بالگی کرے، لوہا وغیرہ گرم کر کے داغ دینا

**مسئلہ الباب میں فقہاء کی رائے** | حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فن طب سے ناواقف ہو اور پھر علاج کرے تو ایسی صورت

میں اگر اس کے علاج سے کوئی ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہو گا لیکن قصاص اس میں نہیں ہے کیونکہ وہ طیب اپنے اس عمل میں منفرد نہیں ہے بلکہ مریض کی اجازت اس میں شامل ہے، اس کی طلب پر اس نے علاج کیا ہے، کذا فی البذل عن الخطابی، حاشیہ بذل میں ہے ابن قدامہ صیۃ سے نقل کرتے ہوئے حجام (پچھنے لگانے والا) اور ختمان (ختہ کرنے والا) اور اس کے علاوہ دوسرے علاج کرنے والا پر ضمان نہیں ہے دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ وہ اپنے فن میں بہارت رکھتا ہو اور دوسرے یہ کہ اسکے ہاتھوں نے کوئی جنایت نہ کی ہو، یعنی حد سے تجاوز اور کوئی فحش غلطی نہ کی ہو، ان دو شرطوں کے ساتھ ضمان نہیں ہے ورنہ ہے، وھذا مذہب الشافعی واصحاب الرأی ولا نعلم فیہ خلافاً، اس مسئلہ کی نظر مفتی کے غلط فتویٰ پر عمل کی وجہ سے کسی چیز کا ہلاک ہو جانا ہے، یہ مسئلہ ہمارے یہاں ابواب الیتیم باب فی المجرع الیتیم میں گذر چکا، فاربع الیہ لوشنت۔

الحدیث أخرجه النسائی مسنداً ومنقطعاً، وأخرجه ابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب القصاص من السن

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کسرت الربیع اجت انس بن النضر ثنیۃ امرأة فأتوا النبی صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقضی بکتاب اللہ القصاص الخ۔

اس حدیث کا حوالہ اس سے پہلے "باب ولی العمد یاخذ الیرۃ" میں گذر چکا۔ مضمون حدیث یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انس بن النضر کی بہن ربیع نے کسی عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے، یہ انس بن النضر چچا ہیں حضرت انس بن مالک کے کیونکہ حضرت انس کا نسب یہ ہے انس بن مالک بن النضر، لہذا ربیع جو کہ انس بن النضر کی بہن ہیں ان کی بھو بھی ہوئیں، تو بہر حال جس عورت کا دانت انہوں نے توڑا تھا اس کے اولیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے کتاب اللہ کے موافق قصاص کا فیصلہ فرمایا یعنی السن بالسن، مطلب یہ ہوا کہ ربیع کا بھی دانت توڑا جائے گا، اس پر ربیع کے بھائی انس بن النضر نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میری بہن کا دانت آج نہیں توڑا جائے گا، مطلب یہ تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی نوبت نہیں آئے گی، آپ نے فرمایا کہ اسے انس قرآن کا فیصلہ تو قصاص ہی کا ہے وہ اس پر خاموش رہے مگر پھر انجام کار اس عورت کے اولیا، ارش لینے پر راضی ہو گئے، گویا قصاص معاف کر دیا اور جو بیات انس بن النضر نے اعتماداً علی اللہ تعالیٰ کہی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا، راوی کہتا ہے کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تعجب ہوا

لہ جانتا چاہیے کہ ضمان فی السن کے مسئلہ میں فقہار نے سفیر اور کبیر کا فرق کیا ہے وہ یہ کہ بچہ کا دانت اگر دوبارہ نکل آئے جیسا کہ ظاہر ہے دوبارہ نکلنا ایک سال کے بعد تو وہاں پر ارش واجب نہ ہوگا، بخلاف کبیر کے کہ اس کے اندر اول تو تا جمیل سنہ اور عدم تا جمیل ہی میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اگر بعد میں نکل آئے تو اس وقت امام صاحب کے نزدیک ضمان ساقط اور صاحبین کے نزدیک ارش واجب ہوتی ہے، شامی ص ۲۴۵۔

کیونکہ شروع میں تو عورت کے اولیاء قصاص پر مہر تھے (اور آپ نے فرمایا ان من عباد اللہ من لو اتسعد علی اللہ لا یتبرأ، کہ واقعی بعض بندے اللہ تعالیٰ کے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی قسم میں حانت نہیں کرتے بلکہ بار بار بنا کر دیتے ہیں اس حدیث کی نظیر سعد بن عبادہ کا کلام قال سفذ بلی والذی اکومک بالحق، اس سے پہلے باب فیمن وجد مع اهلہ رجلا اذ قتله میں گذر چکی۔

قال ابو داؤد اسمعت احمد بن حنبل قیل له کیف یقتض من السن؟ قال تبرؤ۔

مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم حضرت امام احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ جب ان سے سوال کیا گیا کہ قصاص من السن کی کیا صورت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو میری ذریعہ یعنی ریتی سے گھسا جائے، ریتی سے گھسنے کا طریقہ اس صورت میں اختیار کیا جائے گا جب جنایت کسر سن ہو یعنی کوئی شخص کسی کے دانت کا کچھ حصہ توڑ دے تو اب اس میں قصاص کی صورت یہ ہے کہ ریتی کے ذریعہ اس کا بھی اتنا ہی گھس دیا جائے، لیکن اگر قلع سن کیا گیا ہو یعنی پورا دانت اکھاڑ دیا ہو تو پھر وہاں اس کی ضرورت نہیں ہوگی کما هو ظاہر کذا فی البذل عما نقلہ مولانا محمد یحییٰ من تقریر شیخہ رحمۃ اللہ علیہا۔ والحدیث الخرجہ البخاری والنسائی وابن ماجہ۔

## باب فی الدابة تنفج برجلها

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال الرجل جبار۔

اور اس سے بعد والی حدیث اس سے زیادہ مفصل ہے جس میں ہے: العجماء جرحھا جباراً والمعدن جباراً والنبت جباراً، فی الرکاز الخمس۔

پہلی حدیث اور دوسری حدیث کا جز اول یہ دونوں تو ہم معنی ہی ہیں دونوں کا تعلق جانور کے نقصان پہنچانے سے ہے یعنی کسی کا جانور کسی کے لات مار دے یا کسی کا جانور جو کھلا پھر رہا ہے وہ کسی کے کھیت کا نقصان کر دے مثلاً اس کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ اس جنایت کا کوئی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ جانور کی طرف سے ہے جو غیر مکلف ہے اسکے بارے میں مصنف یہاں پر یہ فرما رہے ہیں العجماء المنقلبة التي لا یكون معها احد، وتكون بالنهار، اس مسئلہ پر کلام ہمارے یہاں کتاب الاجارۃ کے بالکل آخری

لہ حاشیہ بذل میں ہے کہ شامی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ لکھا ہے: حدیثی عبد اللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری عن جده قال کان اهل الجاهلیۃ اذا عطبا رجل فی القلیب جعلوا القلیب عقلہ، واذا قتلہ دابة جعلوا عقلہ، واذا قتلہ معدن جعلوا عقلہ، نسئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال: العجماء جبار الحدیث، یعنی زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو جائے تو اس کو زین ہی کو اسکی دیت قرار دیدیتے تھے اور اسی طرح اگر دابہ کسی کو ہلاک کر دے تو اس دابہ ہی کو اسکی دیت قرار دیتے تھے اور اسی طرح معدن کو اسکی دیت قرار دیتے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب اسکے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

باب۔ باب المواشی تفسد زرع قوم۔ میں گزر چکا، فلما حجتہ الی الاعلایۃ، اسکے بعد حدیث میں ہے المعدن جبار والبرج جبار ان کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور سے کان میں کام کر رہا ہو اس کو کھورنے وغیرہ کا اور اس میں دپ کر وہ کام کرنے والا یا کوئی اور گھر کر یاد بکرم جائے تو یہ ہدر اور معاف ہے، ایسا ہی کنوئیں کا مسئلہ ہے کوئی شخص اپنی ملک میں کنواں کھودے اور اس میں گھر کر کوئی مر جائے تو یہ بھی ہدر ہے، اور اسکے بعد ہے حدیث میں: وفي الرکاز الخمس، اس مسئلہ پر مستقل مصنف کا ترجمہ "باب ماجاء فی الرکاز وما فیہ" احیاء الموات کے بعد کتاب الجنائز سے پہلے گزر چکا، نیز اس سے بھی پہلے "باب اقطاع الارضین" میں معادن قبلیہ والی حدیث کی شرح میں تفصیل سے گزر چکا۔

الحديث الاول اخرجہ النسائی، والثانی اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب فی النار تعدی

یعنی جو آگ کہ متعدی ہو جائے اور پھیل جائے، یہ لفظ اصل میں "تعدی" تھا احدی التائین کو حذف کر دیتے ہیں اختصاراً۔

عن حماد بن منبہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "النار جبارت ہام بن منبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں اور ان کا ایک صحیفہ بھی ہے اسی نام سے یعنی صحیفہ ہام بن منبہ جس کا تعارف ہمارے یہاں کتاب الخراج "باب فی ایتان أرض السواد" میں گزر چکا۔ اس حدیث کا ترجمہ تو یہی ہے کہ آگ معاف ہے لیکن مطلب کیا ہے اس کا، کوئی کسی کے گھر میں آگ لگا دے یہ تو معاف نہیں ہو سکتا ہے، اسلئے بہت سے محدثین کی رائے تو اس میں یہ ہے کہ اس میں کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے اور صحیح "البرج جبار" ہے جو مشہور حدیث ہے، لیکن اگر حدیث کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کی توجیہ اور صحیح مطلب یہ ہو گا کہ کوئی شخص اپنی زمین میں مثلاً کھیت پر کھلی جگہ میں اپنی کسی ضرورت سے آگ جلائے یا بلا ضرورت ہی کے ہسی، اور پھر ہوا چل پڑے جس کی وجہ سے اسکے شعلے اڑ کر دوسرے کے مال کا نقصان کر دیں تو اس کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ اس نقصان کا وہ آگ جلائے والا ذمہ دار نہیں، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس آگ جلائے والے کی طرف سے تعدی اور بے احتیاطی نہ پائی جائے، وہ یہ کہ اس نے ایسے وقت میں یہ کام کیا ہو جب ہوا ساکن ہو، آگ پھیلنے کا کوئی خطرہ نہ ہو، اور اگر تعدی پائی جائیگی تو پھر ضمان واجب ہو گا، کذا فی البذل، والحدیث اخرجہ النسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

## باب جنایۃ العبد یكون للفقراء

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غلاما لانا من فقراء قطع اذن غلام لانا من اغنیاء فاقی اہلہ النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذالوا یا رسول اللہ انا ناس فقراء فقم یجعل علیہ شیئا۔



## مسئلہ مترجم بہا اور حدیث ہر ایک کی تشریح

ترجمہ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا غلام کسی پر جنابت کرے جس کی وجہ سے ضمان واجب ہو رہا ہو لیکن اس غلام کا مولیٰ تادار اور فقیر ہے تو اس صورت میں کیا ہوگا؟ اس کا جواب تو یہ ہے کہ عید کے جنابت کرنے کی صورت میں اس کے مولیٰ کے غنی

یا فقیر ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ چاہے جو ہو اس لئے کہ جنابت عید کا ضمان رقبۃ العبد اور اس کی ذات پر ہوتا ہے، غلام کو فروخت کر دیا جائے گا اور پھر اس کی قیمت کے ذریعہ ضمان ادا کر دیا جائے گا، لیکن حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک غلام یعنی نابالغ حر جس کے گھر والے فقیر اور تادار تھے اس نے ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ دیا جو اغنیاء کا تھا تو اس غلام جانی کے گھر والے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ تادار اور فقیر ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضمان ادا کرنے کی استطاعت نہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کوئی ضمان واجب نہیں فرمایا، امام خطابی کی رائے یہی ہے وہ فرماتے ہیں: لانه لو كان عبد المملوك لاعتذر ارحله بالفقر معنى لان العاقلة لا تحمل عبدا كما لا تحمل عمرا ولا اعترافا.

وذلك في قول اكثر اهل العلم، فاما الغلام المملوك اذا جنى على عبد او حر فجنابته في رقبته في قول عامة الفقهاء، واختلافوا في كيفية اخذ ارض الجنابة من رقبته الخ. اور یہی رائے اس میں بذل المجرور میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کی ہے، اور پھر حضرت نے یہ معنی لکھے کہ مصنف پر اشکال کیا ہے کیونکہ مصنف نے اس پر عید کا ترجمہ قائم کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اگر مصنف نے "غلام" کو جو حدیث میں ہے عید کے معنی میں لیا ہے پس ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں اور اگر ایسا نہیں بلکہ "غلام" کو نابالغ حر ہی پر محمول کیا اور پھر عید کو نابالغ حر پر قیاس کرتے ہوئے اس کا حکم اس میں جاری کیا ہے اس لحاظ سے کہ دونوں یعنی عید اور نابالغ حر یہ دونوں مجرور عن التصرفات ہوتے ہیں تو یہ قیاس بھی صحیح نہیں کیونکہ عید بہر حال مکلف ہے اور غلام حر نابالغ ہونے کی وجہ سے غیر مکلف ہے فلا یصح قیاسہ علیہما اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں اس حدیث سے اشارہ کیا ایک اور اختلافی مسئلہ کی طرف وہ یہ کہ جنابت جرح (جنابت فیما دون النفس) میں اگر جارج و مجروح دونوں عبید ہوں تو اس میں قصاص ہے یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے، حضرت

شیخ فرماتے ہیں کہ ابن رشد نے اس میں علماء کے تین قول لکھے ہیں ایک یہ کہ ان کے درمیان قصاص مطلقاً ہے فی النفس و فیما دون النفس دونوں، دھو قول الشافعی و مالک، قول ثانی یہ کہ ان میں مطلقاً قصاص نہیں و انہم کالبہائم، وھو قول الحسن و ابن شبرمہ و جماعة، تیسرے قول یہ کہ عبید کے درمیان قصاص فی النفس تو ہے البتہ قصاص فیما دون النفس نہیں، و یہ قال ابو حنیفہ و الثوری اور پھر حنفیہ کی دلیل میں یہی عمر ابن حصین والی حدیث انہوں نے ذکر کی ہے مگر انہوں نے حدیث جو نقل کی ہے لفظ غلام کیساتھ نہیں بلکہ لفظ عید کیساتھ ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غلام سے مراد اس حدیث میں عید ہی ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے سقوط قصاص بین العبید فی الجرح کے مسئلے میں، اور اس رائے کی تائید کہ حدیث میں غلام سے مراد مملوک ہی ہے امام نسائی کے طرز سے بھی ہوتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس حدیث پر ترجمہ قائم کیا ہے، سقوط القود بین المسالیك فیما دون النفس، لیکن اب اس پر یہ اشکال ہوگا کہ اگر یہ مسئلہ بین العبید پیش آیا تھا تو اس صورت میں یہ تو

صحیح ہے کہ قصاص نہیں حنفیہ کے نزدیک لیکن ارش تو واجب ہوتی ہے اور اس کا تعلق غلام کی ذات سے ہے نہ کہ مولیٰ سے تو پھر آپ نے ارش کا فیصلہ کیوں نہیں فرمایا؟ تو یا تو اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ مراد یہ ہے فی الفور اس پر کچھ واجب نہیں قرار دیا مطلقاً ضمان کی نفی مراد نہیں، اور یا اس کو خصوصیت پر محمول کیا جائے۔ واقعہ حال لا عموم لہا، یا پھر اس کا تسخیر تسلیم کیا جائے، ذکر مشلہ فی حاشیۃ النسائی و هذا بتوفیق اللہ تعالیٰ غایۃ تنقیح فی هذا المقام فقللہ الحمد۔ والحدیث أخرجه النسائی، قالہ اللتذری۔

## باب فیمن قتل فی عیاء بین قوم

حدثنا عن سعید بن سلیمان..... من قتل فی عیاء اور میاء الخ۔

یہ حدیث اس سے پہلے "باب فی غزو النساء عن الدم۔ میں گزر چکی، وہاں پر مصنف کے استاد اسمیں محمد بن ابی غالب تھے اور باقی سند وہی ہے جو یہاں پر مذکور ہے، اور یہاں پر مصنف نے بجائے استاد کا نام ذکر کرنے کے "حدثنا بصیغہ مجہول کہا پس ہو سکتا ہے یہاں پر "حدثنا" کے فاعل وہی ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرے ہوں، فاشتر تعالیٰ اعلم۔

## آخر کتاب الديات

## باب شرح السنة

اور بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے یہ عبارت ہے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم، اول کتاب السنۃ اور ہمارے نسخہ میں اگرچہ بلفظ "کتاب" نہیں ہے لیکن بندہ کے ذہن میں پہلے سے ہی ہے کہ باب شرح السنۃ مستقل کتاب ہی ہے صرف ایک باب نہیں اور اسکے ذیل میں جو مصنف حدیث لائے ہیں وہ گویا اس کتاب کی اساس اور بنیاد ہے اور اسکے بعد جتنے ابواب آ رہے ہیں کتاب الادب تک وہ سارے ابواب اسی شرح السنۃ کے تحت ہیں۔

اب تک مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ سیر فرما رہے تھے اصل موضوع کتاب میں یعنی احادیث احکام اور ابواب فقہیہ میں، اور اب یہاں سے مصنف دوسرے نوع کے مضامین بیان کرتے ہیں، یعنی فالص احکام فرعیہ کا بیان تو ختم ہوا اب بعض چیزیں عقائد و ایمانیات اور آداب کے قبیل سے بیان فرماتے ہیں چنانچہ سنت اور بدعت کا فرق، سنت کی ترغیب اور بدعت سے ترہیب اور اسکے علاوہ مسئلہ تقدیر نیز صفات یاری تعالیٰ اور پھر کتاب الادب پر کتاب کو ختم فرما رہے ہیں، شرح السنۃ یعنی سنت کا بیان، سنت یہاں فرض اور سبب کا مقابل نہیں ہے بلکہ بدعت کے مقابلہ میں، گویا اہل سنت و جماعت کے عقائد کا اثبات اور فرق باطلہ کی تردید بیان کرنا چاہتے ہیں

لہ شرح السنۃ کے نام سے فقہ الحدیث میں علامہ بیڑی ثنائی کی مشہور تصنیف بھی ہے مشکاۃ کی اصل یعنی المصابیح کے مؤلف بھی یہی علامہ بیڑی ہیں۔

صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ مصنف نے چھیڑا، قدر یہ اور معتزلہ وغیرہ پر مدد کرنے کیلئے، اور اسی طرح مناقب صحابہ کو ایک خاص ترتیب سے بیان کیا رد اعلیٰ الروافض والنحوارج، اور مسئلہ زیادت ایمان و نقصان ایمان کو بھی رد اعلیٰ المرجمۃ۔

**مشروعات کے اقسام خمسہ** | سنیت کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: جانتا چاہئے کہ مشروعات کی چار قسمیں ہیں فرض، واجب، سنت، نفل اور دلیل حصر اس کی یہ ہے کہ جس چیز کا کرنا اولیٰ ہے اس کے ترک سے، اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا ترک ممنوع ہو گیا یا غیر ممنوع اگر پہلی صورت ہے تو پھر اس کی دو قسمیں ہیں یا اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو گیا یا ظنی سے پہلی صورت میں اس کو فرض کہا جائیگا اور دوسری صورت میں واجب، اور غیر ممنوع ترک ہونے کی صورت میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ کام ایسا ہو گا کہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا خلفاء راشدین نے آپ کے بعد اس پر مواظبت فرمائی ہوگی یا نہیں، مواظبت کی صورت میں اس کو سنت کہا جائیگا اور بدون اس کے مندوب اور نفل، اور پھر فرماتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں، سنن الہدیٰ اور سنن الزوائد، اول جیسے جماعت کی نماز اور اذان اور اقامت، اس کا ترک مکروہ اور موجب اسارت ہے، اور ثانی یعنی سنن الزوائد کی مثال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لباس میں قیام و قعود وغیرہ میں، اور نفل اور مندوب کا حکم ہے یشاب فاعلہ ولا یسی تا کہ کہ اگر کرے تو ثواب ہے اور چھوڑے تو اس میں کوئی برائی نہیں، سنت کی تعریف ہمارے یہاں مقدمۃ العلم میں گذر چکی ہے، اور الدر المنثور کی کتاب الصلوات، ابواب الجماعۃ میں سنت کی دو قسمیں سنن الہدیٰ اور سنن الزوائد کا ذکر آیا ہے سنت کا مقابل بدعت ہے۔

**تعریف البدعة** | اور بدعت کی تعریف علامہ شامی نے یہ لکھی ہے: ما احدث علی خلاف الحق المتعلق عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبيهة واستحسان وجعل دینا قویما وهو اطمینان، یعنی بدعت وہ چیز ہے جس کو ایجاد کیا جائے اس حق بات کے خلاف جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے خواہ وہ علم ہو یا عمل یا کوئی حال، کسی دلیل سے نہیں بلکہ شبہہ کی وجہ سے اور اس کو دین اور صراط مستقیم قرار دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بدعت ہوتی ہے وہ دلیل پر نہیں بلکہ شبہہ دلیل پر مبنی ہوتی ہے، اور یہ بھی نہیں کہ عناد اور مکابرہ پر مبنی ہو، اسلئے کہ جو امر مبتدع عناد پر مبنی ہو گا وہ کفر بھی ہو سکتا ہے جیسے ضروریات دین کا انکار (من الشامی) فتاویٰ رحیمیۃ ۳ میں بدعت کی تعریف بہت سی مستند کتابوں سے نقل کی ہے اس کو دیکھا جائے، اور اسی میں تفسیر عثمانی سے نقل کیا ہے کہ بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہور لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے، اور فتح الباری میں ایک جگہ اس طرح ہے کہ بدعت لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سابق مثال اور نمونے کے ایجاد کی گئی ہو، اور شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے لہذا وہ مذموم ہی ہوگی، اور مجمع البحار ۱ میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیام رمضان یعنی تراویح کے بارے میں فرمایا۔ نعمت البدعة، وہ لکھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت ہدیٰ اور بدعت ضلالت، بدعت ہدیٰ وہ کام ہے کہ جن چیزوں کی طرف شارع علیہ السلام نے دعوت اور ترغیب دی ہے وہ

اسکے عموم کے تحت ہیں آجائے، لہذا وہ بدعت مذموم نہیں ہو سکتی، اسلئے کہ ایسی بدعت پر اہل کفر کا وعدہ ہے، من سن سنة حسنة الحمدش اور بدعت سینه وہ ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امر کے خلاف ہو۔ اور سید شریف جرجانی کے رسالہ تعریف الاشیاء میں ہے البدعة هي الفعلة المخالفة للسنة. سميت بدعة لان قائلها ابتدعها من غير مثال، یعنی بدعت ہر وہ فعل ہے جو خلاف سنت ہو، اور بدعت کو بدعت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کو اس کے قائل نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے بغیر اس کے کہ شریعت میں اسکی مثال ہو۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اصطلاحی معنی میں معنی لغوی ملحوظ ہوتے ہیں، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے واما البدعة فالمراد به اعتقاد امر محدث علی خلاف ما عرف فی الدین ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ بنوع شبهة وتاویل لا یطریق وجود انکار فان ذلك کفر

**بدعت کے اقسام خمسہ** اور علامہ شامی نے بدعت کی پانچ قسمیں لکھی ہیں، اول ترم (جیسے وہ بدعتیں جن کو فرق باطلہ خوارج روافض وغیرہ نے اختیار کر رکھا ہے) دوم واجبہ، جیسے فرق باطلہ کی تردید کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو و صرف کا سیکھنا جس سے قرآن و حدیث سمجھا جاسکے، اور متدبہ، جیسے بدعت قائم کرنا اور رباطین بنوانا اور ہر وہ بھلا کام جو صدر اول میں نہ ہو، اور مکروہہ جیسے مساجد کو زیادہ آراستہ اور مزین کرنا، اور بدعت مبصرہ جیسے عمدہ عمدہ اور لذیذ کھانے پینے کی چیزیں اور نفیس کپڑے پہننا اھ یعنی ان چیزوں کا اہتمام ورنہ نفس ثبوت تو ان چیزوں کا حدیث شریف سے بھی ہے یعنی کبھی آپ نے عمدہ سے عمدہ لباس بھی پہنا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اختلفت اليهود علی احدى او ثنتین و سبعین فرقة و تفرقت النصارى علی احدى او ثنتین و سبعین فرقة و تفرقت امتی علی ثلاث و سبعین فرقة۔ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، اور اسکے بعد یہی حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے آ رہی ہے اس میں بغیر شک کے ثنتین و سبعین ہے اور حدیث کے آخر میں یہ زیادتی ہے ثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة وہی الجماعت، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ترمذی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس طرح مروی ہے لیا تین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل ضد النعل بالنعل حتی ان کان منہم من اتی امره علانیة لکان فی امتی من یصنع ذلک، اور اسکے آخر میں ہے الاملة واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ؟ قال ما انا علیہ واصحابی، اس سے معلوم ہوا کہ ابو داؤد کی روایت میں لفظ جماعت سے صحابہ کرام کی جماعت مراد ہے، اور بظاہر یہ اہل السنہ والجماعة کا لقب انہی سے ماخوذ ہے ما انا علیہ واصحابی، اور باب کی حدیث ثانی میں یہ زیادتی بھی ہے: وانه سيجزى في امتی اقوام تجاری بہم تلك الاھواء كما یتجاری الکلب لصاحبہ لایسقی منه عرق ولا مفصل الادخلہ۔

**شرح الحدیث** اب حدیث کا ترجمہ اور شرح ہم ملاحظہ فرمائیے، فرمایا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے البتہ آئیگا اور پرامت میری کے یعنی زمانہ، جیسا کہ آیا اور بنی اسرائیل کے، مانند برابر پاپوش کے ساتھ پاپوش کے،

یہاں تک کہ اگر ان میں سے وہ ہے کہ آیا تھا ماں اپنی کے پاس یعنی بد فعلی کی ظاہر میں۔ البتہ ہوگا بیچ امت میری کے وہ شخص کہ کرے گیارہ اور تحقیق بنی اسرائیل متفرق ہو۔ تے اوپر بہتر گروہ کے اور متفرق ہوگی امت میری اوپر بہتر گروہ کے، سب وہ بیچ دوزخ کے مگر ایک گروہ صحابہ نے عرض کیا کہ کون سا ہوگا وہ گروہ اسے رسول خدا کے۔ فرمایا جس پر جوڑ میں اور میرے اصحاب، روایت کی یہ ترمذی نے اور بیچ روایت احمد کے اور ابی داؤد کے روایت ہے معاویہ سے کہ بہتر گروہ بیچ دوزخ کے اور ایک گروہ بیچ بہشت کے، اور وہ گروہ ہے جماعت اور تحقیق نکلیں گی بیچ امت میری کے کئی قومیں، سرایت کریں گی بیچ ان کے خواہشیں، یعنی بدعتیں عقائد میں اور اعمال میں، جیسے کہ سرایت کرتی ہے ہڑک ہڑک والے کو، نہیں باقی رہتی اس سے کوئی رنگ، اور نہ کوئی جوڑ مگر کہ داخل ہوتی ہے اس میں، قائدہ مانند برابر پا پوش کے ساتھ پا پوش کے، یعنی پا پوش جیسے پا پوش کے برابر ہوتی ہے، اسی طرح اس امت کے لوگ مطابق ہونگے بنی اسرائیل کے، اور مرد ماں سے باپ کی بیوی ہے، یعنی سوتیلی ماں، والا سگی ماں سے کسی سے یہ حرکت ہوتی ہے کہ مانع طبعی اور شرعی دونوں جمع ہیں، اور مرد امتی سے اہل قبلہ ہیں یعنی جو مسلمان گئے جاتے ہیں، پس اس صورت میں معنی، کلمہ فی الناد کے یہ ہیں کہ بسبب گناہ کے اور بد اعتقادی کے دوزخ میں داخل ہوویں گے، پھر جس کا عقیدہ حد کفر کو نہ پہنچا ہوگا نکلے گا بسبب رحمت پروردگار کے، اور جماعت سے مراد اہل علم اور اہل فقہ، جماعت ان کو اسلئے کہا کہ جمع ہیں کلمہ حق پر۔

**تہتر فرقوں کا مصداق** اور تہتر فرقوں کی تفریق یوں ہے کہ بڑے فرقے اہل اسلام کے آٹھ ہیں معتزلہ اور شیعہ اور خوارج اور مرجئہ اور نجاریہ اور جبرئہ اور مشبہہ اور ناجیہ، پھر معتزلہ کے بیس فرقے ہیں اور شیعہ کے بائیس اور خوارج کے بیس اور مرجئہ کے پانچ اور نجاریہ کے تین اور جبرئہ اور مشبہہ کے ایک ایک فرقہ ہیں کئی نہیں، اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں، سب یہ تہتر ہوتے۔

اب عقائد ان کے سننے چاہئیں، معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے عمل آپ ہی پیدا کرتے ہیں اور انکار رویت کا کرتے ہیں، اور قائل ہیں درجوب ثواب و عقاب کے اللہ پر، اور مرجئہ کہتے ہیں کہ گناہ ساتھ ایمان کے کچھ ضرر نہیں کرتا جیسے کہ ساتھ کفر کے طاعت نہیں نفع دیتی، اور نجاریہ نفی صفات کی کرتے ہیں اور کلام الہی کو حادث کہتے ہیں، اور جبرئہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال میں کچھ اختیار نہیں رکھتا اور مشبہہ خالق کو ساتھ خلق کے مشابہ کرتے ہیں، اور جمییت اور حلول کے قائل ہیں، باقی فرقوں کے عقائد مشہور ہیں اس لئے نہیں بیان کئے۔

آگے لکھتے ہیں: اب حدیث میں ان کو مشابہت ہڑک والوں کے ساتھ اسلئے دی کہ جیسے ہڑک والوں پر ہڑک غالب ہوتی ہے اور پانی سے بھاگتا ہے اور پیاسا مرنے والے جھوٹے مذہب والوں پر خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے اور علم حق سے بھاگ کر جنگل گراہی میں وہ ہلاک ہوتے ہیں عیاذ باللہ منہ، مظاہر حق میں یہاں ایک اشکال اور اس کا مفصل جواب لکھا ہے، اشکال یہ ہے وہ فرماتے ہیں: لیکن یہاں عوام کو ایک بڑا شبہ آتا ہے کہ مثلاً ایک شخص جاہل مسلمان ہوا اور اس نے روافض اور اہل سنت و جماعت کو دیکھا کہ دونوں اپنے کو حق جانتے ہیں اور استدلال سے، اب یہ بے چارہ نہایت

حیران ہے کہ حقیقت ایک کی دونوں میں سے کیوں کر معلوم کرے، اس کے بعد اس میں اس کا جواب مذکور ہے ہم خوف اطالہ نہیں لکھتے وہیں دیکھا جائے۔ (مظاہر حق ص ۸۶)

بذل الجہود میں، تفرق امتی کی تفسیر امت اجابت سے ساتھ کی ہے (جس طرح مظاہر حق میں) اور پھر آگے اس میں تحریر ہے کہ اس تفرق سے مراد وہ تفرق مذموم ہے جو اصول دین میں واقع ہو، اور جو اختلاف فروع دین میں ہو وہ مذموم نہیں بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت ہے، تم دیکھتے ہی ہو کہ فروع دین میں اختلاف کرنے والی جو جماعتیں ہیں وہ سب اصول دین میں متحد ہیں، ان میں سے بعض بعض کی تفضیل نہیں کرتے، اور جو جماعتیں اصول دین میں مفرق ہیں وہ بعض بعض کی تکفیر اور تفضیل کرتے ہیں اس کے بعد بذل میں عدد مذکور فی الحدیث پر کلام ہے یعنی بہتر اور تہتر کہ یہ تحدید کے لئے ہے یا تکثیر کے لئے فارغ الیہ لوشنت۔

اس حدیث میں ہے: کما یتجارى الکلب کلب، کاف اور لام کے فتح کے ساتھ ہے مجزون کتاب جس کو کلب کہتے ہیں (فتح کاف اور کسر لام کے ساتھ) اس کے کاٹنے کی وجہ سے آدمی میں جو مرض اور بزرگ پیدا ہوتی ہے اس کو کلب کہتے ہیں، وہ آدمی کے رگ دریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور مدت مدیدہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اس آدمی کی ہلاکت کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح بدعت کا ذریعہ انسان کے اندر ایسا پیوست ہوتا ہے کہ اس کے دین کو تباہ و برباد کر کے رہتا ہے، بدعت کے علاوہ جو اور دوسرے معاصی ہیں لوگ ان کو باوجود ارتکاب کے معصیت ہی سمجھتے ہیں اسلئے کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو سکتی ہے اور صاحب بدعت چونکہ بدعت کو دین سمجھ کر اختیار کرتا ہے اسلئے عامۃً نہ اس کو توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور نہ وہ اس کی ضرورت سمجھتا ہے، وہ جو فتن کی حدیث میں گذرا ہے "انما اخاف علی امتی الا شتۃ المضلین، اس سے یہی مبتدعین مراد ہیں اور ان کے سربراہ۔

**سوال و جواب** | اس حدیث میں، امتی سے مراد اکثر علماء کے نزدیک امت اجابت ہے یعنی اہل قبلہ، لیکن اس حدیث میں ان تمام فرقوں پر فی النار کا حکم لگایا گیا ہے سوائے ایک فرقہ کے، یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ فی النار سے مراد کیا ہے، اگر خلود فی النار مراد ہے تو یہ خلاف اجماع ہے اسلئے کہ وہ دوسرے فرقے بھی اسلامی فرقے ہیں اور مسلمان ہیں، اور اگر مراد نفس دخول ہے تو یہ سب کے حق میں مشترک ہے، اہل سنت میں بھی اس قسم کے لوگ موجود ہیں؛ جواب یہ ہے کہ مراد تو نفس دخول فی النار ہے مگر دخول سے وہ دخول مراد ہے جو اختلاف عقائد کی وجہ سے ہو، اور جس جماعت واحدہ کے بارے میں فرما رہے ہیں "فی الجنة" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلاف عقائد کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائیں گے گو اور دوسرے معاصی کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں، اور یہ یہ کہا جائے بہتر فرقوں کے بارے میں جو فرمایا ہے "فی النار" اس سے مراد طول مکث ہے، اور جس فرقہ کے بارے میں کہا گیا ہے "فی الجنة" اس سے مراد عدم طول مکث فی النار ہے کہ وہ زیادہ دن جہنم میں نہیں رہیں گے، و غیر عنہم بکنہم فی الجنة ترغیباً فی تصحیح العقائد۔ الی آخر ما ذکر العلامة السندی فی ہامش ابن ماجہ ص ۱۰۱ اور مظاہر حق سے یہ گذر چکا ہے کہ ان بہتر فرقوں میں جس کا عقیدہ مذکور نہ پہنچا ہو گا وہ آخر میں جہنم سے نجات پا جائیں گے۔

والحدیث اخرہ الترمذی وابن ماجہ، و حدیث ابن ماجہ مختصر و قال الترمذی حسن صحیح، قالہ المتذکر۔



## باب النهی عن الجدل واتباع المتشابه من القرآن

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم هذه الآية: «هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات - إلى - أولی الباب» قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فإذا رأيتهم الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمي الله، فاحذروهم.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے جس کا بقیہ یہ ہے: «من أم الكتاب وأخر متشابهات فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله، وما يعلم تأويله الا الله والراسخون في العلم يقولون أمانابه، كل من عند ربنا، وما يذكر الا أولوالباب»

**شرح الحدیث** وہ فرماتی ہیں کہ یہ آیت آپ نے تلاوت فرما کر یوں فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابهات قرآن کا اتباع کرتے ہیں یعنی ان کے درپے ہوتے ہیں، ان کے معنی اور تفسیر کی کھود کرید کرتے ہیں تو یہ لوگ وہی ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمایا ہے بڑے اور قبیح لقب کے ساتھ یعنی یہ کہ وہ اصحاب زیغ ہیں ان کے قلوب میں کجی ہے لہذا تم ان سے بچو اور احتیاط رکھو یعنی ان کے پاس جانے آنے سے اور تعلقات رکھنے سے۔

جانتا چاہیے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ علماء راہنہین کو متشابهات کے معانی کا علم ہے یا نہیں،، لہذا انوار میں یہ لکھا ہے کہ حنفیہ کی رائے اس میں یہ ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے، ان کے معانی کا انکشاف قیام قیامت کے بعد ہی ہوگا، اور امام شافعی اور اکثر معتزلہ کی رائے انہوں نے یہ لکھی ہے کہ علماء راہنہین بھی ان کی تاویل سے واقف ہیں، اور منشأ اختلاف یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں «اللاشر» پر وقف ہے یا اس کے بعد «والراسخون فی العلم» پر ہمارے نزدیک «اللاشر» پر وقف واجب ہے، اور اسکے بعد «والراسخون فی العلم» پر جملہ متائف ہے، پس مطلب یہ ہوگا کہ راہنہین کا حصہ اتباع المتشابهات ہے اور راہنہین کا حصہ تسلیم و انقیاد ہے، اور دوسرے فرقے کے نزدیک آیت میں وقف «اللاشر» پر نہیں بلکہ «والراسخون فی العلم» پر ہے، اسکے بعد وہ فرماتے ہیں: لیکن یہ نزاع لفظی ہے اس لئے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ راہنہین کو ان کی تاویل کا علم ہے ان کی مراد تاویل سے تاویل ظنی ہے جو حضرات علم کی نفی کرتے ہیں ان کی مراد تاویل سے تاویل مجزومہ اور یقینی ہے، لہذا انوار کے معنی کی عبارت جس کی شرح یہ لکھی گئی ہے یہ ہے: «والما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد منه، وحكمه اعتقاد الحقيقة قبل الاصابة، كالمقطعات في أوائل السور مثل الم، حم اه اور اسکے حاشیہ میں مقطعات کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اس میں دو قول ہیں بعض کے نزدیک یہ متشابهات کے قبیل سے ہیں، اور بعضوں نے اس کا انکار کیا ہے اور یہ کہل ہے کہ یہ متشابهات میں سے نہیں ہیں بل ہی من جنس التکلم بالمرمز فی علم تاویلہ، كما قيل ان الالف رمز الى انا، واللام رمز الى الله، والميم رمز الى اعلم فمعنى الم - انا الله اعلم، وكما قيل ان - حم، رمز الى الرحمن اه۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی، قاله الممتزکی۔

## باب بجانب اهل الاهواء وبغضهم

الاهواء جمع ہے ہوئی کی بمعنی خواہش نفس اور یہاں مراد اس سے سوور عقیدہ اور بدعت ہے۔

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم افضل الاعمال المحی فی اللہ والبغض فی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اسی کے لئے بغض کرنا یہ افضل ترین عمل ہے، اب جب افضلیت کا مدار اس پر ہے کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں تو جو محبت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی تو وہ ان ہی لوگوں سے ہوگی جو اس کے مطیع اور فرماں بردار ہیں، اسی طرح جب بغض صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا تو وہ ان ہی سے ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے باغی اور نافرمان ہیں، اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب بندہ سے بغض رکھنا وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہو سکتا، علیٰ ہذا القیاس۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندہ سے جو محبت ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہو سکتی، بندہ نے کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک شخص نے کہا انا احبک فی اللہ کہ مجھے تم سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا انا ابغضک فی اللہ اور مجھے تم سے اللہ تعالیٰ کے لئے بغض ہے اس نے کہا یہ کیسے؟ تو انہوں نے فرمایا لانک تلمن فی الاذان کہ تو اذان غلط دیتا ہے اس کے حروف صحیح ادا نہیں کرتا، اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس اخلاص اور لہیت کا یہ اخلاص ہی صحابہ کرام کا ایک جو ہرے جس کی وجہ سے سب پر فوقیت لے گئے۔

بجانب اہل الاهواء وبغضہم

نیز جاننا چاہیے کہ جب اور بغض دونوں اعمال قلب میں سے ہیں دونوں کا تعلق قلب سے ہے، اور اعمال قلب میں جو اخلاص ہو سکتا ہے وہ اعمال جوارح میں نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کی ترجمہ الباری سے مطابقت بھی ظاہر ہے، اس لئے کہ اصل اصول عند اللہ تعالیٰ بغض کے مستحق ہیں۔

ان عبد اللہ بن کعب بن مالک۔ وكان قاضد كعب بن بنیہ حین عمی۔ قال سمعت كعب بن مالک و ذكوان السرح

قصه تخلفه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في غزوة تبوك، قال ونهين رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

المسلمين عن كلامنا. ايها الثلاثة. الخ.

کعب بن مالک مشہور صحابی کے بیٹے عبد اللہ بن کعب جن کے بارے میں راوی کہتا ہے کہ یہ کعب کے بیٹوں میں جب وہ نابینا ہو گئے تھے، قائد تھے یعنی ان کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر لے چلنے تھے، درمیان میں یہ جملہ معترضہ ہے، بہر حال وہ عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوة تبوک میں اپنے تخلف کا قصہ سنایا، جس کا ایک جز یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ہم تینوں سے یعنی امرارة بن الربیع کعب بن مالک بلال بن امیہ سے کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ پر لوگوں کے ترک کلام کا سلسلہ دراز ہو گیا تو ایک دن میں اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے مکان کی دیوار پر چڑھا اور ان کو سلام کیا بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، مصنف نے اس واقعہ کا صرف ایک

ملکہ اذکر کیا ہے ترجمہ الباب کی مناسبت کی وجہ سے یعنی اہل اہوار سے ترک سلام و کلام، مگر یہ ظاہر ہے کہ ان صحابی پر بلکہ کسی بھی صحابی پر اہل اہوار کا لقب صادق نہیں آتا، اب یا تو یہ توجیہ کی جائے کہ اثبات ترجمہ بطریق اولیت ہے کہ جب ایک صاحب لغزش صحابی سے ترک سلام و کلام ہو سکتا ہے تو اہل اہوار (مبتدعین) جو فاسق و فاجر ہیں ان سے بطریق اولیٰ ہونا چاہیے اسی توجیہ کی طرف اشارہ ہے بذل میں کہ ان صحابی کی مصیبت کا تعلق عمل سے تھا اور اہل اہوار کی خطا کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے جو مصیبت فی العمل سے زیادہ سخت ہے اور یا کہیے کہ یہ صحابی تو یقیناً اہل اہوار میں سے نہیں تھے لیکن یہ جو کچھ کوتاہی اور لغزش وقتی طور سے ان سے صادر ہوئی تھی وہ ہوائے نفس پر مبنی تھی یہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بخاری کی کتاب المغازی باب غرۃ بؤک کے بعد ایک مستقل باب میں پوری تفصیل کے ساتھ کئی صفحات میں مذکور ہے، اور اسی طرح مسلم میں کتاب التوبہ میں باب حدیث توبہ کعب بن مالک و صامیہ۔ و الحدیث اخرجه البخاری و سلم و الترمذی و النسائی مطولاً و مختصراً، قالہ اللہ ذری۔

### باب ترک السلام علی اہل الاہواء

عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قدمت علی اہلی وقد تشقت یدای فخلقونی بزعفران الخ  
یہ حدیث کتاب الترجل میں گذر چکی، یہ ترجمہ الباب تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے پہلا باب مطلقاً مجانبہ میں تھا یعنی ترک تعلق، اور ترک سلام اس کا ایک فرد ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انما اعتل بعدی لصفیۃ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وعند زینب فضل ظہرائ  
حضرت عائشہ اپنے سفر حج کا قصہ نقل کرتی ہیں کہ راستہ میں حضرت صفیہ کی سواری کا اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب کے پاس ایک سواری ضرورت سے زائد تھی، آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ ان کو دیدو تو انہوں نے کہا انا اعطی تلك الیہود یتہ، کیا اپنی سواری اس یہودیہ کو دیدوں (حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں) تو ان کی اس بات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر ناراض ہو گئے اور تقریباً ڈھائی ماہ تک ان سے کلام نہیں فرمایا، ذی الحجہ محرم اور بعض حصہ صفر کا۔

### باب النہی عن الجدل فی القرآن

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال الجراء فی القرآن کفر۔

شرح الحدیث | مراد کے معنی شک کے بھی آتے ہیں اور جھگڑا اور جدال کے بھی، اگر یہاں مراد پہلے معنی ہیں تب تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے اور اگر مراد سے دوسرے معنی یعنی جدال مراد ہے تو پھر اس میں دو احتمال ہیں یا اس سے مراد اسکی

تاویل اور تفسیر میں جھگڑنا ہے اور یا الفاظ اور قرات میں تاویل اور معنی میں اختلاف تو وہی ہے جو اہل سنت اور دوسرے فرق کے درمیان ہے قدریہ جبریہ وغیرہ میں، اور قرات میں اختلاف مشہور ہے صحابہ کرام کے درمیان بھی ہو چکا جیسے حضرت عمر اور

حکیم بن ہشام بن حکم کے درمیان مشہور ہے، ان دونوں صورتوں میں کفر سے مراد انصار الی الکفر ہو گا کہ یا اختلاف مفسی الی الکفر ہو سکتا ہے



حاصل ہوا، تو وہ اپنے اس نظریہ کے تحت اپنی دوکان چلانے کے لئے دین میں کوئی بدعت اور نیا طریقہ جاری کرے گا، اسکے باسے میں حضرت معاذ آگے فرماتے ہیں فایاکم وما ابتدع فان ما ابتدع ضلالة، کہ میں تم کو اس شخص کی بدعت سے ڈراتا ہوں، یعنی اس کے تابع نہ ہونا اسلئے کہ جو بدعت وہ نکلے گا وہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہوگی، واحذروکم زیفة العیلم فان الشیطان قد یقول کلمة الضلالة علی لسان العیلم وقد یقول المناق کلمة الحق، فرماتے ہیں کہ میں تم کو عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں اسلئے کہ شیطان کبھی گمراہی کا کلمہ اور اس کی بات حکیم کی زبان سے نکلا دیتا ہے، اور اسکے بالمقابل کبھی منافق اپنی زبان سے کلمہ حق کہہ دیتا ہے، قال قلت لمعاذ ما یدرینى - ورحمک اللہ - ان العیلم قد یقول کلمة الضلالة وان المناق قد یقول کلمة الحق اس پر شاگرد نے حضرت معاذ سے دریافت کیا کہ آپ نے ابھی جو یہ بات ارشاد فرمائی کہ عالم کبھی گمراہی کا بول بول دیتا ہے اور منافق کبھی کلمہ الحق کہہ گزرتا ہے تو اس کو ہم کیسے پہچانیں، یعنی یہ کہ یہ بات عالم کی گمراہی کی بات ہے اور منافق کی یہ بات حق بات ہے تو اس پر انہوں نے فرمایا: بلی اجتنب من کلام العیلم المشتمات التي یقال لها ما هذبة، تو انہوں نے فرمایا ہاں تمہارا سوال درست ہے میں اس کی علامت بتلاتا ہوں کہ عالم کا کون سا کلام گمراہی کا ہے وہ یہ کہ اگر عالم کی زبان سے ایسی بات نکلے جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو جائے اور لوگ یہ کہنے لگیں کہ بھائی یہ کیا بات کہی اس عالم نے، لوگوں میں اس کے بارے میں چرچا اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں اس کی مثال میں یہ دیا کرتا ہوں سبق میں کہ جیسے کچھ دن پہلے یہاں کی حکومت کی طرف سے تسبندی پر زور دیا گیا تھا جو شرمناک جانتے ہیں علمائے کبار کے مابین بھی یہ مسئلہ اٹھا بعض اس کے منکر اور خلاف تھے لیکن بعض علماء حقہ کے کلام میں لچک آگئی اس کے بارے میں کافی شور اس وقت سننے میں آیا کہ فلاں علامہ نے یہ کیا کہہ دیا، آگے فرماتے ہیں ولا یتینک ذلك عنده،

اور ایک راوی نے کہا ولا یتینک، پہلا شنی شنی ثنی سے ہے جس کے معنی مائل کرنا اور موڑنا اور دوسرا باب افعال سے ایتا یعنی ازار یعنی دور کرنا ہے جس کا مجرد قرآن میں بھی ہے، وثناؤ بجا نبیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عالم دین اور عالم برحق سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے اور کوئی غلط بات اس کی زبان سے نکل جائے تو اس لغزش میں تو اس کا اتہام نہ کیا جائے لیکن بالکل یہ اس سے اعراض بھی نہ کیا جائے اور رخ نہ موڑا جائے، یعنی اور دوسرے امور حقہ میں اس کی بات مانی جائے فانہ لعلہ ان یراجع اسلئے کہ ہو سکتا ہے یا امید ہے کہ وہ عالم اپنی لغزش سے رجوع کرے وتلق الحق اذا سمعته فان علی الحق نورا، غالباً یہ اس کا جواب ہے کہ منافق کے کلمہ حق کہنے کو ہم کیسے پہچانیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ جو بات حق ہوتی ہے اس میں ذرا نیت ہوتی ہے جس کا پتہ خود چل جاتا ہے غالباً حضرت شیخ نے اپنی تصنیف، الاعتدال فی مراتب الرجال، میں بھی حضرت معاذ کی اس تقریر کے بعض جملے نقل فرمائے ہیں۔

حدثنا ابو الرجال عن ابی الصلت قال کتب رجل الی عمر بن عبد العزیز یسأله۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایک یہ مصنف نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مکتوب گرامی نقل کیا ہے مشکل و دقیق مکتوب کی تشریح جو عقیدہ تقدیر سے متعلق ہے، ان کے زمانہ میں فرقہ قدریہ کا زور ہوگا جو تقدیر کا

لے آگے آ رہا ہے کہ بعض راویوں نے اس کوہ المشبہات، کہا یعنی مخدوش اور مشتبہ باتیں۔



انکار کرتے ہیں تو گویا اس وقت کی فضا اور ماحول کی وجہ انہوں نے کسی شخص کے جواب میں اپنا یہ خط لکھا، اما بعد! اوصیک بتقوا اللہ

والاقتصاد فی امرہ واتباع سنتہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وبتروا ما لحدث المحدثون بعد ما جرت بہ سنتہ وکفوا مؤنتہ، بعد حمد و صلوة کے میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں تقویٰ اختیار کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر میں اعتدال اور میاں رومی کی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کی، اور بدعت عین نے جو بدعات جاری کی ہیں ان کے ترک کرنیکی (یہ بدعتیں ان لوگوں نے کب جاری کی ہیں) بعد اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں جاری و ساری ہو چکی ہیں اور من جانب اللہ تعالیٰ لوگ اس احداث فی الدین کی مشقت کی کفایت کئے جا چکے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں سامنے آجانے کے بعد جو ہر لائن اور شعبے میں پائی جاتی ہیں، اس احداث بدعات کی مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی، جب سنت کا ایک صاف اور واضح طریقہ سامنے آ گیا تھا، اس احداث سے زیادہ تراشہ انکار تقدیر کی طرف سے جو ایک بہت بڑا فتنہ ہے اسی فتنہ کو مٹانے کی فکر ان کو دامن گیر تھی جیسا کہ اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے، فعلیک بلزور السنة فانها لک باذن اللہ عصمة یعنی جب یہ بات ہے جو ہم نے اوپر لکھی تو تم کو چاہیے کہ سنت کا طریقہ ہی اختیار کرو، یعنی تقدیر وغیرہ کے بارے میں جو کچھ حدیثوں سے ثابت ہے، اسلئے کہ یہ سنت کا اختیار کرنا تمہارے لئے باذن اللہ تعالیٰ

عصمت اور سلامتی کا ذریعہ ہوگا، شر اعلم انه لم یبتدع الناس بدعة الا قدم مضی قبلها ما ہود لیل علیہا او عبوة فیہا، فرما رہے ہیں، جاننا چاہیے کہ یہ گمراہ لوگ اپنی طرف سے جو بھی بدعت نکالتے ہیں تو اس بدعت کا حال یہ ہے کہ اس بدعت کے خلاف یعنی اس کے بطلان پر گذشتہ زمانہ میں اس سچے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں دلیل قائم ہو چکی ہے اور عبوة فیہا اسکا یا تو مطلب یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں بطلان بدعات پر عبرت پائی جاتی ہے یا مطلب یہ ہے کہ خود بدعات میں عبرت پائی جاتی ہے اس بات کی کہ ان سے اجتناب رکھا جائے، فان السنة انما استہامن قد علم ما فی خلافها من الخطار والزلزل والحق والتمق، اسلئے کہ سنت جاری کرنے والا ایسا عظیم اور باخبر شخص ہے جو جانتا ہے کہ اس خلاف سنت طریقہ میں کیا خطا اور لغزش ہے اور کیا حماقت اور بے تکاپی ہے اس شخص سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، خلاف سنت طریقوں میں جو خرابیاں تھیں ان کو خوب آپ جانتے تھے۔ فارض لنفسک ما رضی بالقوم لانفسہم، اپنے لئے تو اسی چیز کو پسند کر جس کو سلف صالحین نے اپنے لئے پسند کیا یعنی وہی اقرار بالقدر، تضاد و درکوت تسلیم کرنا اور برحق سمجھنا، فانہم علی علم وقفا و بیصرون اذ کفوا، اسلئے کہ وہ سلف صالحین علوم سے واقف تھے کیونکہ انہوں نے مشاکاة نبوت سے علم حاصل کیا تھا اور ان حضرات نے اپنی بصیرت کاملہ سے اس چیز سے روکا ہے، یعنی قدریہ کے عقیدہ سے، ولہم علی کشف الامور کما نوا القوی، یہ ہم صمیم مجرور نہیں ہے بلکہ یہ لام مفتوح ہے برائے تاکید یعنی البتہ یہ حضرات سلف صالحین امور دین کی تحقیق اور تشریح میں بڑے مضبوط تھے، وفضل ما کافوا فیہ اولی اور یہ حضرات جن علوم و بصیرت کو اپنے اندر رکھتے تھے اس کی وجہ سے واقعی اس کشف اور تحقیق کے زیادہ اہل تھے، فان کان الہدی ما انتم علیہ لقد سبقتموہم الیہ فرما رہے ہیں کہ اگر ہدایت کی بات وہ ہے جس پر تم ہو یعنی بجائے اشبات تقدیر کے انکار تقدیر



تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بارے میں تم سلف صالحین پر سبقت لے گئے، اور گویا وہ تم سے پیچھے رہ گئے، حاشا وکلا پیچھے لوگ  
انگلوں پر کیسے سبقت لیا سکتے ہیں والسا بقون السال بقون اولک المقربون۔

ولئن قلتم انما حدث بعدہم ما احدثہ الامن اتبع غیر سبیلہم و رغب بنفسہ عنہم اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر  
کوئی شخص ان سبقت میں کی جانب سے یہ عذر پیش کرے کہ انہوں نے جو بدعت جاری کی ہے وہ اس وجہ سے کی ہے کہ ان  
کی لائن ہی دوسری ہے سلف صالحین والی ان کی لائن ہی نہیں ہے تو اس مہمل اعتذار کا آگے جواب دے رہے ہیں  
ناہم ہر السال بقون فقد تکلموا فیہ بما یکفی و وصفوا منہ ما یشقی یعنی لائن بدلنا درست کہاں ہے اس لئے کہ خیر کی جانب  
سبقت لے جانے والے تو وہی حضرات ہیں سلف صالحین، سو ظاہر ہے کہ ان ہی کی لائن درست ہوگی بعد والوں کی لائن کیسے  
درست ہو سکتی ہے، یہ اعتذار اسی قسم کا تھا کہ تم دیکھ لیں، آگے فرماتے ہیں کہ یہ سلف صالحین اس مسئلہ تقدیر کے  
بارے میں اتنا کچھ کہہ چکے اور بیان کر چکے ہیں جو کافی و شافی ہے فساد و نہر من مقصر و ما فوقہم من نحس، یعنی تقدیر  
کے بارے میں جتنی وضاحت سلف صالحین کر چکے ہیں اب نہ تو اس سے پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہے اور نہ آگے بڑھنے کی، یعنی تقدیر  
کا مسئلہ بہت نازک ہے سلف صالحین نے اس کے بارے میں جتنی بحث و تمحیص کی ہے نہ اس سے پیچھے ہٹنا چاہیے نہ آگے  
بڑھنا چاہیے، یعنی تقدیر کے مسئلہ میں اگر اور مزید بحث کی جائے گی تو اس میں گمراہی کا اندیشہ ہے، مقصر اور محسر دونوں  
کے بارے میں لکھا ہے کہ یا تو مصدر مہمی ہے یا ظرف مکان، مقصر کے معنی روکنا یا روکنے کی جگہ اور محسر کے معنی ہیں کشف، تو محسر  
کے معنی ہوتے کشف کے یا کشف کی جگہ، وقد قصر قوم دونہم فجفوا و طمع عنہم اقوام فغلوا یعنی بعضوں نے جس حد پر  
جا کر سلف صالحین رکے تھے انہوں نے اپنے آپ کو اس سے ور سے روکا اور تعصیر کی تو وہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکے یعنی نیچے  
گر گئے، اور بعض لوگ سلف صالحین کا حد سے آگے بڑھے تو وہ حد سے تجاوز کر گئے، یعنی کشف میں، پہلے جملہ میں تفریط کا ذکر ہے، دوسرے جملہ میں افراط  
کا، وانہم بین ذلک لعلی ہدی مستقیم اور بلا ریب و شک یہ حضرات سلف صالحین اس افراط و تفریط کے درمیان  
اور صراط مستقیم پر تھے، کتبت تسأل عن الاقرار بالقدر تو نے مسئلہ تقدیر کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کوئی واقعی شئی  
ہے یا نہیں، فعلى الغیب: باذن اللہ۔ وقعت پس تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے یا خیر شخص کے پاس آیا یعنی ایک واقف شخص  
سے تو نے سوال کیا جس سے کرنا چاہیے، ما اعلم ما احدث الناس من محدثہ ولا ابتدعوا من بدعہ ہی ابین اشرا  
ولا اثبت امر من الاقرار بالقدر، میں نہیں جانتا ہوں کہ جو لوگ یہ شئی نئی باتیں نکال رہے ہیں اور بدعات ایجاد کر رہے ہیں  
وہ زیادہ ثابت اور قوی ہیں اسرار بالقدر سے، یعنی اسرار بالقدر سے زیادہ کوئی صحیح اور ثابت بات نہیں،

لہ ہمارے ایک عزیز ہیں پڑوسی بھی ہیں ہم سے عقیدت بھی رکھتے ہیں، تعلیم ان کی اسکول کی اور انگریزی ہے مگر کاماتول اور لباس، میز کرسی پر کھانا وغیرہ، ایک  
روز بندہ نے ان کی ان چیزوں پر اعتراض کیا کہ ہم تو ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے، کہنے لگے آپکو تو واقعی یہ چیزیں ناپسند ہی ہونی چاہئیں لیکن ہماری تو لائن ہی  
دوسری ہے۔

اس کلام میں اقرار بالقدر کو بھی بدعات میں سے شمار کر لیا گیا ہے نصیب اولیٰ کے اعتبار سے، کیونکہ متکلمین نے اس پر جو دلائل قائم کئے ہیں وہ بعد کے ہیں (بنا) آگے اسی اقرار بالقدر کا ثبوت پیش کر رہے ہیں، لہذا ان ذکرة في الجاهلية الجاهلية يتكلمون به في كلامهم وفي شعرهم يعززون به انفسهم على ما فاتهم، یعنی تقدیر کا ذکر اور اس کا ثبوت زمانہ جاہلیت میں تھا اس وقت سے چلا آ رہا ہے وہ لوگ اس کا ذکر کرتے تھے اپنے کلام منثور میں بھی اور منظوم میں بھی اور اسی تقدیر کے ذریعہ سے اپنی فوت شدہ چیز پر اپنی تعزیر کرتے تھے اور اپنے آپ کو صبر دلاتے تھے، یعنی کسی چیز کے فوت ہونے پر اپنے آپ کو اس طرح تسلی دیتے تھے کہ چلئے اسی طرح تقدیر میں تھا، ثم لم يزدوا الاسلام بعد الاشداء اور پھر اسلام نے اگر اس مسئلہ تقدیر کو پہلے سے بھی زائد مضبوط کیا ہے، ولقد ذكروا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في غير حديث واحد يثني، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تقدیر کا ذکر صرف ایک دو ہی حدیثوں میں نہیں کیا بلکہ بے شمار حدیثوں میں اس کو ذکر فرمایا ہے، وقد سمعنا من المسلمين فتكلموا به في حياته وبعد وفاته اور عام مسلمان بھی آپ سے اس کا ذکر سن کر اپنے کلاموں میں اس کو لاتے رہے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی، اسکے بعد آگے جموں میں حقیقت تقدیر کی طرف اشارہ ہے یقیناً وتسلياً لهم وتضعيفا لانفسهم ان يكون شئ لم يعط به علمه ولم يه به كتابه ولم يفيض فيه قدره، تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی صفت یقین کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے اور اپنی اس رائے کی تضعیف و تردید کرتے ہوئے کہ کوئی شئی ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ کے احاطہ علمی سے باہر ہو یا لوح محفوظ نے اس کا احصاء نہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہو، وانه مع ذلك لفي محكم كتابه من اقتبسوه، ومنه تعلموا، اور تحقیق یہ تقدیر اس حدیث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں ہے یعنی شعراء جاہلیت کے کلاموں میں اور احادیث میں ہونے کے علاوہ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے اور اسی قرآن کریم سے علمائے اسکو سیکھا ہے اور اخذ کیا ہے، ولئن قلتم لئن انزل الله آية كذا، ولم قل كذا، اب یہاں سے منکرین تقدیر کے بعض شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں کیونکہ بعض آیات کے مضمون سے اور بعض تعبیرات سے وسوسہ گذرتا ہے اور شبہ ہوتا ہے نفی تقدیر کا (مگر اس قسم کی آیات کو انہوں نے یہاں اپنے اس کلام میں ذکر نہیں کیا صرف ان کا جواب دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں) لقد قرؤوا منه ما قرأتهم وعلما من تاوليه ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله بكتاب وقدر وكتب الشقاوة، وما يقدر يمين، وما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن، کہ دیکھو سلف صالحین نے بھی تو ان آیات کو پڑھا تھا اور انہوں نے بھی تو ان کی تفسیر کو جانا تھا جس کو تم نہیں جان سکتے، یہ حضرات تو ان آیات کو جاننے کے باوجود تضرع و قدر کے قائل ہوتے ہیں، اور آدمیوں کی شقاوت، یعنی اور سعادت۔۔۔ دونوں طے شدہ ہیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں اور جو چیز تقدیر کے تحت میں ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے، الحاصل جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا، گویا تمام کائنات عالم کا وجود تقدیر کے مطابق ہے، ہم لوگ نہ اپنے نقصان کے مالک ہیں نہ نفع کے، یعنی ہمارا نفع اور نقصان ہمارے اختیار میں نہیں ہے، شعر رغبوا بعد ذلك ورهبوا، یعنی قائلین قدر نے عقیدہ تقدیر سے یہ اثر نہیں لیا کہ تقدیر پر پھر و سر کر کے بیٹھ جائیں، خوف و رغبت سے ہاتھ دھو بیٹھیں بلکہ خائف بھی رہے اللہ تعالیٰ کے

عذاب سے اور رغب بھی اس کے ثواب میں، فقط الحمد للہ مکتوب پورا ہوا مع الشرح۔

عن نافع قال كان لابن عمر رضي الله تعالى عنها صدوق من اهل الشام يكتب اليه ابن عمه بلغنى  
انك تكلمت في شيء من القدر فيا لك ان تكتب الي، فاني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم يقول  
انه سيكون في امتي اقوام يكذبون بالقدر۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک دوست تھا اہل شام میں سے جو ان سے خط و کتابت رکھتا تھا  
ایک روز انہوں نے اس کی طرف یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں کچھ ایسی ایسی بات اور شک و شبہ  
کرتا ہے لہذا سن لے کہ آئندہ مجھے لکھنے سے پرہیز کرنا یعنی تجھ سے ترک تعلق کرنا ہوں، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
سے سنا تھا آپ فرماتے تھے کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے۔

عن خالد العذاء قال قلت للحسن يا ابا سعيد اخبرني عن آدم السماء وخلق ام للارض قال لا بل للارض

قلت ارايت لو اعتمهم فلم ياكل من الشجرة قال لم يكن منه بيد۔

حضرت حسن بصری جو کبار تابعین میں سے ہیں اور سلوک و تصوف کے بڑے امام اور مرجع  
ہیں ان کے بارے میں بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ کیسے یہ قدری تو نہیں، چونکہ بہت  
سوالاں اور ان کے جوابات بڑے خطیب تھے تو ممکن ہے ان کی زبان سے بعض خطبات میں بعض ایسے لفظ نکل گئے ہوں

جس سے سامعین کو شبہ پیدا ہو گیا تو اسی بنا پر بعض لوگوں نے اس معاملہ کی وضاحت چاہنے کے لئے ان سے مختلف مجالس میں  
اس قسم کے سوال کیے تاکہ ان کے جواب سے واضح ہو جائے کہ کیا وہ واقعی انکار تقدیر کی طرف مائل ہیں، یا لوگوں کا یہ خیال غلط ہے  
چنانچہ اس روایت میں یہ ہے کہ خالد حذار نے ایک مرتبہ ان سے سوال کیا کہ یہ بتائیے آدم علیہ السلام کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے  
ان کو آسمان پر رکھنے کے لئے پیدا کیا تھا یا زمین میں بھیجنے کے لئے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، آسمان کے لئے نہیں بلکہ زمین ہی کیلئے  
یعنی ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے طے تھا اسکی بنا پر ایسا ہوا اور یہی تقدیر ہے پھر سائل نے سوال  
کیا کہ اچھا یہ تو بتائیے کہ اگر وہ گہروں کا درخت نہ کھاتے تب کیا ہوتا؟ انہوں نے جواب دیا کیسے نہ کھاتے، کھانا طے ہو چکا تھا۔

سوال ثانی اسکے بعد سوال کیا اخبرني عن قوله تعالى ما انتم عليه بقاتين الا من هو صال الجحيم، سائل نے اس

آیت کریمہ کی تفسیر ان سے دریافت کی، جو اس طرح ہے: "فانكم وما تعبدون، ما انتم عليه بقاتين الا من هو صال الجحيم  
اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے مشرک تم اور تمہارے وہ سب معبود تم کی تم عبادت کرتے ہو کسی شخص کو مگر ابی میں مبتلا نہیں کر سکتے مگر  
اسی کو جو جہنم میں جانے والا ہے، اس آیت سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ مشرکین اور ان کے یہ باطل معبود بعضوں کو گمراہ کر سکتے ہیں وہ  
بعض جو جہنم میں جانے والے ہیں، چنانچہ انہوں نے یعنی خواجہ حسن بصری نے ان لوگوں کے سامنے اس آیت کریمہ کی تفسیر ایسی بیان کی  
جو بالکل صاف ہے جس کے بعد کوئی شک شبہ پیدا نہیں ہوتا، انہوں نے فرمایا کہ صال الجحيم سے مراد یعنی جہنم میں جانے والوں

سے مراد یہ نہیں کہ جو خود جہنم میں جانا چاہتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں جانا لکھ دیا ہے۔

اخبرنا حميد قال كان الحسن يقول لان يسقط من السماء الى الارض احب اليه من ان يقول الامر بيده  
کہ ایک موقع پر حسن بصری نے فرمایا (ایسے لوگوں کے سامنے جو ان پر شبہ کرتے تھے انکار قدر کا) البتہ یہ بات کہ میں آسمان سے زمین  
پر گر پڑوں مجھ کو زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں یوں کہوں کہ میرے کام اور میرا انجام میرے ہاتھ میں ہے، آگے بھی حمید ہی کی روایت  
آ رہی ہے۔

قال قدم علينا الحسن مكة فكلمني فقهاء اهل مكة ان اكلمه في ان يجلس لهم يوما يعظهم فيه فقال نعم فاجتمعوا  
فخطبهم فمارأيت اخطب منة الا-

سوال ثالث :- یعنی ایک مرتبہ حضرت حسن بصری مکہ مکرمہ تشریف لائے حمید کہتے ہیں کہ مجھ سے علماء مکہ نے کہا کہ میں حضرت حسن  
سے درخواست کروں اس بارے میں کہ وہ کسی روز اپنی مجلس وعظ قائم فرمائیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے درخواست کی جس کو  
انہوں نے منظور فرمایا چنانچہ وقت مقررہ پر لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو خطاب فرمایا، حمید کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑا  
خطیب کوئی نہیں دیکھا، مجلس وعظ میں ایک شخص نے آپ سے یہ سوال کیا کہ اے ابوسعید! شیطان کو کس نے پیدا کیا ہے، انہوں  
نے فرمایا سبحان اللہ عجیب بات ہے کیا اللہ کے سوا بھی کوئی خالق ہے، شیطان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ہر خیر و شر کا،  
ان کا یہ جواب سکر سائل کہنے لگا خدا ناس کرے ان ناقین کا کیسے ہمت باندھتے ہیں ان بزرگ پر۔  
معتزلہ اور قدریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں۔

عن حميد الطويل عن الحسن: كذبت نسلك في قلوب المجرمين قال الشريك،

سوال رابع :- یعنی نسلک کی ہنیر کا مرجع انہوں نے شرک کو قرار دیا اور آیت کی یہ تفسیر کی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کے دل میں  
عقیدہ شرک ہم ہی ڈالتے ہیں وہ کفار جن کے لئے مجرم ہونا مقدر ہو چکا ہے، تفسیر جلالین میں ہے: کذک ای مثل ادخالنا التکذیب  
فی قلوب الاولین نسلک ای ندخل التکذیب فی قلوب المجرمين ای کفار مکہ اہ عون۔

عن حميد الصياد عن الحسن في قول الله عز وجل وحيل بينهم وبين ما يشتهون، قال بينهم وبين الايمان۔  
سوال خامس :- کفار بروز قیامت ایمان لانے کو پسند کریں گے حالانکہ وہ وقت ایمان لانے کا نہیں ہے تو اس کے بارے میں  
اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمایا ہے میں کہ جس چیز کو یہ کفار قیامت میں اختیار کرنا چاہیں گے یعنی ایمان، اس کے اور ان کے درمیان حیلوت  
کر دی جائیگی یعنی دنیا میں تو ہم واقع کر ہی چکے تھے، آخرت میں بھی ان کو ایمان سے دور رکھا جائے گا، حضرت حسن نے مایشتہون کی تفسیر  
اپنے صاف لفظوں میں ایمان کے ساتھ فرمائی، یعنی کفار کے ایمان سے مانع یہی تقدیر الہی تھی۔

عن ابن عرون قال كنت اسير بالشام فناداني رجل من خلفي فالتفت فاذا رجاء بن حيوة فقال يا ابا عرون

ما هذا الذي يذكرون عن الحسن؟ قال قلت انهم يكذبون عن الحسن كثيرا۔

یعنی رجاء بن حیوة نے ابن عون سے یہ دریافت کیا کہ یہ کیسا ہے جو لوگ حضرت حسن کی طرف سے نقل کرتے ہیں یعنی وہی انکار قدر تو انہوں نے جواب دیا کہ لوگ ان پر غلط الزام لگاتے ہیں۔

سمعت ایوب یقول: کذب علی الحسن ضربان من الناس: قوم القدر رأیہم وهم یریدون ان ینفقوا

بذلک رأیہم، وقوم لہ فی تلویہم شنان وبنض، یقولون الیس من قولہ کذا، الیس من قولہ کذا۔

**روایت کی تشریح** | ایوب سفیریانی فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی طرف غلط نسبت کرنے والے دو قسم کے آدمی ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ خود ان کا عقیدہ انکار قدر ہے، تو وہ حسن بصری کی طرف اس عقیدہ کو منسوب کر کے اپنی رائے کی ترویج اور تقویت چاہتے ہیں کہ دیکھو اتنے بڑے امام بھی تو یہی کہتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جن کے دلوں میں ان کی طرف سے بغض و عداوت ہے تو وہ ان کی تنقیص اور تردید میں ایسا کرتے ہیں اور ان کے بعض اس قسم کے جملوں کو اچھلتے ہیں یعنی جن جملوں کی تاویل ہو سکتی ہے لیکن وہ ان کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے ان کی طرف ان کو منسوب کرتے ہیں کہ دیکھو انہوں نے فلاں موقع پر یوں کہا اور فلاں موقع پر یوں کہا۔

کان قرۃ بن خالد یقول لنا یا فتیان لا تغلبوا علی الحسن فاذا کان رأیہ السنۃ والصواب،

قرۃ بن خالد ہم سے کہا کرتے تھے: اے لڑکے! حسن کے خلاف لوگوں کے بہکاوے میں نہ آجانا اسلئے کہ ان کی رائے سنت کے

موافق اور درست تھی۔

عن ابن مومن قال لو علمنا ان کلمۃ الحسن قبلہ ما بلغت لکتبا بر جوعہ کتابا را شہدنا علیہ شہودا و لکننا قلنا کلمۃ

خرجت لا تحمل۔

وہ جو اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت حسن سے بعض تقریروں میں ایسے لفظ زبان سے نکلے تھے جن سے شبہ ہو سکتا تھا تقدیر کے خلاف اسی کا ذکر ہے اس روایت میں، ابن عون فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں اس قسم کے جملوں کے بارے میں یہ خبر ہوتی کہ لوگ ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے اور کچھ کا کچھ مطلب لیں گے تو ہم ان سے ان الفاظ کے بارے میں ان کا رجوع لکھوا لیتے کہ میں اپنے ان لفظوں کو واپس لیتا ہوں (جن کو تم غلط محمول کر رہے ہو) اور رجوع لکھوانے کے بعد اس پر گواہ بھی قائم کر لیتے، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ایک جملہ روانی میں ان کی زبان سے نکل گیا ہے کون اسے نقل کرے گا اور شہر کرے گا۔

عن ایوب قال قال لی الحسن ما انا بعاشد الی شیئ منہ ابدا۔

یعنی جب حضرت حسن کو یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ ان کے اس قسم کے لفظوں کو اچھا لے رہے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ آئندہ میں اس قسم کا لفظ ہرگز نہیں بولوں گا۔

عن عثمان البقی قال ما فسر الحسن آیتہ قط الا عن الاثبات۔

یعنی حضرت حسن بصری نے ہمیشہ آیات کی تفسیر اثبات تقدیر کے عقیدہ کے تحت ہو کر ہی بیان کی ہے، بذل میں تو اسی طرح ہے



یعنی اثبات کو باب افعال کا مصدر قرار دیا ہے، اور استاد محترم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ فتح کے ساتھ ہے ثبوت یعنی ثقہ کی جمع، اور ثقہ لوگوں سے مراد یہاں وہی لیا جائے جن کا عقیدہ ایمان بالقدر ہے، یہ لفظ کتاب میں دو طرح منقول ہے ہمارے نسخہ میں تو اس طرح ہے "الاعن الاثبات اور ایک نسخہ جس کا حوالہ ماشیہ پر موجود ہے اس میں ہے "الاعلی الاثبات، ظاہر ہے کہ یہ غلطی کی صورت میں یہ لفظ اثبات بالکسر یعنی مصدر ہے حضرت شیخ ماشیہ بذل میں لکھتے ہیں ہکذا شرح هذا الكلام الحافظ في التهذيب ص ۲۴ وهو اختار اللفظ عن حميد قرأت القرآن عن الحسن ففسره على الاثبات یعنی علی اثبات القدر لیکن عن کی صورت میں وہی ظاہر ہے جو حضرت ناظم صاحب نے فرمایا ہے۔

عن عبید اللہ بن ابی رافع عن ابیہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لا الفین احدکم متکفرا علی اریکۃ  
یہ حدیث بروایت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب کے شروع میں گذر چکی۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من احدث فی امرنا مالیس

فیہ فہورد، اور دوسری روایت میں ہے: من صنع امر اعلیٰ غیر امرنا فہورد۔

یعنی جو دین میں نیا کام نکالے گا جس کی اصل پہلے سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اور اسکے بعد والی روایت میں ہے۔

عن العریاض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذات یوم شہا قبل

علینا فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرقت منها العیون ووجلت منها القلوب فقال قائل یا رسول اللہ کان ہذا موعظۃ مودع

فماذا اتعهد علینا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسبع والطاعة وان کان عبدا عبثا فانہ من یعش منکم بعدی فیری

اختلافنا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المہدیین تسکوا بہا وعضوا علیہا بالتواجد، وایا حکم

ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعة وکل بدعة ضلالة۔

شرح الحدیث | حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا موثر و عطا فرمایا جس سے آنکھیں پہنے لگیں اور قلوب

دہل گئے، ایک صحابی نے اس سے متاثر ہو کر جاں نثاری کے انداز میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ وعظ اور بیان تو ایسا ہے جیسا

رخصت کرنے والے کا ہوتا ہے، آپ ہم سے کس چیز پر عہد لینا چاہتے ہیں اور خاص طور سے اس کی وصیت فرماتے ہیں، اس پر آپ

نے فرمایا کہ میں تم کو اولاً اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور دوسرے امیر کی بات سننے اور ماننے کی اگرچہ وہ امیر حبشی اور

سیاہ غلام ہی کیوں نہ ہو۔ آگے آپ نے فرمایا کہ جو لوگ تم میں سے میرے بعد زندہ رہیں گے وہ آگے چل کر بہت اختلاف پائیں گے

(یعنی دین میں، لہذا اس اختلاف کے وقت تم میری خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، خوب قوت سے اسکو پکڑنا، اور اپنے دانتوں کے نیچے دبانا،

لہ تجمل وجمین الحقیقۃ لعلم فہوا بالقراۃ انہا موعظۃ التودیع اعلی التشیبای کی بعض اصغر عند الوداع کذا فی الکوکب وھامشہ (ہامش بذل)



یہ کنایہ ہے لزوم سنیت میں کوشش کرنے سے اور بچانا اپنے آپ کو نئی باتوں سے اسلئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت سراسر گمراہی ہے، بدعت سے مراد بدعت سینہ ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ بدعت لغتہ دو قسم کی ہے سینہ اور حسنہ، اور یہاں بدعت سے بدعت سینہ ہی مراد ہے جو قبیح ہی ہوتی ہے۔ والحدیث الخرجہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال الاهلك المتطعون ثلاث مرات متطعين سے مراد مستمعین ہیں یعنی جو لوگ بحث مباحثہ میں قلو کرنے والے ہیں اور لایعنی فضول باتوں میں الجھنے والے ہیں، یا ایسی چیزوں میں بحث کرنے والے ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں جیسا کہ مسئلہ تقدیر و صفات، آپ فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنا شدید نقصان کیا، اور یہ بات آپ نے تین بار فرمائی، والحدیث الخرجہ مسلم، قالہ المنذری۔

### باب من دعا الى السنة

اس سے پہلے باب باب لزوم السنۃ ہے اور یہ دعوت الی السنۃ ہے دونوں میں فرق ظاہر ہے، پہلے باب کا مضمون لازم ہے اور اس کا متعدی۔

عن ابی ہریرۃ رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال من دعا الى هدى كان له

من الاجر مثل اجور من تبعه الا

جو لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دے تو اس کی دعوت پر جتنے لوگ اس کا اتباع کر کے اعمال صالحہ کریں گے ان سب کا ثواب اس داعی کو بھی ملے گا اور اس ملنے کی وجہ سے خود عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ آئے گی، اور دوسرا جزو اس حدیث کا اس کا مقابل ہے کہ جو شخص لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے گا تو جتنے لوگ اس کی دعوت کے اتباع میں اعمال سینہ کریں گے تو ان سب کا گناہ اس داعی کو بھی ملے گا اور اصل عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ آئے گی، اس جزو ثانی پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ باری تعالیٰ کا قول، ولا تزر وازرة اخري، کے خلاف ہے اسلئے کہ ان دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ یہاں پر اصل عمل کرنے والے اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھا رہے ہیں، اور داعی کو جو گناہ ہوا ہے وہ اسکے سبب ضلالت پنسنے کی وجہ سے ہے اور سبب ضلالت ہونا خود گناہ ہے (بذل) والحدیث الخرجہ مسلم والترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن عمر بن سعد عن ابیہ رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان اعظم

المسلمين في المسلمين جرم من سأل عن امر لم يحرم فحرم على الناس من اجل مسألة۔

اس حدیث کے مضمون کا تعلق عہد نبوی سے ہے جو نزول وحی اور تحلیل و تحریم کا زمانہ تھا۔

الاصل في الاشياء الاباحة | اور اس حدیث سے یہ بھی کچھ میں آرہا ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے جب تک دلیل تحریم نہ پائی جائے۔ لہذا آپ فرما رہے ہیں کہ اگر کسی شخص کے فضول اور بلا ضرورت سوال کرنے پر

کسی شئی کی تحریم کا حکم نازل ہو جائے تو یہ اس نے بہت بڑے جرم کا کام کیا کہ اسکے سوال کی وجہ سے لوگ تنگی میں مبتلا ہوئے اور وہ ایک حلال چیز کے حرام ہونے کا ذریعہ بنا جس طرح دوسرے لوگوں کو نفع اور سہولت پہنچانے کا ثواب عظیم ترین ہے، اسی طرح تنگی میں مبتلا کرنے کا گناہ عظیم ہوگا، خیر الناس من یفیع الناس۔ والی ریت اخراج البخاری و مسلم، قالہ المنذری۔

## باب فی التفضیل

**غرض المصنف بالترجمہ** سنن ابوداؤد میں کتاب المناقب یا ابواب المناقب کے عنوان سے کچھ نہیں ہے گو اس میں مناقب صحابہ کی کسی قدر روایات ہیں لیکن مصنف کی غرض چونکہ ان سے نفس منقبت کو بیان کرنا نہیں ہے

اسلئے اس عنوان کو مصنف نے اختیار نہیں کیا، اسلئے کہ مصنف کا مقصود ہے، صحابہ کرام میں ترتیب بیان کرنا یا اعتبار فضیلت کے اسی لئے عنوان یہ قائم کیا یعنی التفضیل، کیونکہ اس مسئلہ تفضیل میں اہل سنت اور مبتدعین کا اختلاف مشہور ہے، اہل سنت کے نزدیک اس میں جو ترتیب ہے مصنف اسی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں چنانچہ بدل المجرود میں ہے "باب فی التفضیل ای طریقہ السلف فی التفضیل بین اصحابہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقد خالف فیہ اہل البدع السلف، ومن ہما شرع المصنف المراد علی طوائف المبتدعین من الروافضیہ"

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنا نقول فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا تعدل بانی بکواحد اشرف عمر شر عثمان۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرما رہے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کی حیات میں آپس میں یہ کہا کرتے تھے (اور یہی عقیدہ رکھتے تھے) کہ صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا اور پھر دوسرے درجہ میں عمر فاروق کو رکھتے تھے اور تیسرے درجہ میں حضرت عثمان کو، پھر باقی صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑتے تھے اور ان کے درمیان مرتبہ کے اعتبار سے کوئی ترتیب قائم نہیں کرتے تھے، یعنی تعیین کے ساتھ، گویہ تو سمجھتے تھے کہ بعض کو بعض پر فوقیت ہے جو کہ بدیہی امر ہے، اہل سنت و جماعت کے درمیان حضرات شخین میں تو یہی ترتیب ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے اور اسکے بعد پھر حضرات ختین کے درمیان میں بھی عند الجہود یہی ترتیب ہے کہ حضرت علی کا مرتبہ حضرت عثمان کے بعد ہے، ویسے اسیں بعض علماء کا اختلاف منقول ہے جس کو ہم نے "الفیض السمانی" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے فارح الیہ لوشنت۔

**مسلسلات نامی کتاب کا تعارف** موجودہ مسلسلات کے نام سے جو مشہور کتاب ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وہ تین رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے "الفضل المبین فی السلسل من حدیث النبی الامین" اس حصہ میں

تصرف احادیث سلسلہ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں اور دوسرا رسالہ "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے یا اپنے والد کے بعض منامات اور مکاشفات ذکر فرمائے ہیں اور تیسرا حصہ اس کا جس میں وہ احادیث نادرہ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنے بعض اساتذہ سے پہنچیں جن کا نام انہوں نے النوادر من احادیث سنیہ الاولی والاولیاء خیر رکھا ہے۔

**حضرت شاہ صاحب دہلوی کا ایک مکاشفہ** | یہ پوری بات تو ضمناً آگئی لکھنا یہ تھا کہ اس کتاب کا جو درمیانی حصہ ہے۔  
الدر الثمین اس میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا ایک مکاشفہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی طور سے حضرت علیؑ پر تفضیل شیخین کا راز معلوم کیا، حالانکہ حضرت علیؑ بہت سے اوصاف میں شیخین سے فائق ہیں، اس روحانی سوال کے بعد حضرت شاہ صاحب کے قلب پر اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو فیضان ہوا ہے اس کو ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ ہم یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دور رخ ہیں ظاہر اور باطن، حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو آپ کے وجہ ظاہر کے لئے بمنزلہ جوارح (دست و پا) کے ہیں اور وجہ باطن جس کا تعلق مراتب فنا و یقاسے ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے دست راست ہیں، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علوم جو مروی ہیں ان کا منبع وجہ ظاہر ہے اور ظاہر شریعت کا مدار ان علوم ہی پر ہے، پس اسی لئے حضرت شیخین کا رتبہ ان سے (علیؑ) بڑھ کر ہے۔ والحدیث اخراجہ البخاری والترمذی، قالہ المتذری۔

عن محمد بن الحنفیۃ قال قلت لابی ای الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ابو بکرؓ۔  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیۃ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز اپنے والد سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باقی لوگوں میں سب سے افضل کون ہے، انہوں نے فرمایا ابو بکرؓ میں نے پوچھا پھر کون؟ انہوں نے فرمایا اس کے بعد درجہ ہے عمر کا، وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے سوال کا رخ بد لکر کہ کبھی بیعت کہیں کہ اسکے بعد عثمانؓ ہیں اس لئے میں نے اس طرح سوال کیا کہ پھر یعنی عمر کے بعد تو آپ ہی ہیں تو انہوں نے جواب دیا: ما انا الا رجل من المسلمین، کہ میرا درجہ ان کے بعد کہاں سے ہوتا، میں تو عام مسلمانوں کی طرح ایک فرد ہوں۔

سمعت سفیان یقول من زعم ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان احق بالولاية منهما فقد خطا ابا بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والہما جبرین والانصار وما اراد ان یرتفع لہ مع ہذا عمل الی السماء۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو یہ خیال کرے کہ حضرت علیؑ خلافت کے زیادہ مستحق تھے، شیخین سے تو اس نے شیخین اور تمام ہماجرین و انصار کا تحفظ کیا، اور میں نہیں خیال کرتا، ہوں کہ اس کا کوئی عمل آسمان پر پہنچے گا اس عقیدہ کے ساتھ، اس لئے کہ یہ شخص مبتدع ہے، اس کا عقیدہ عقیدہ سلف کے خلاف ہے۔

سمعت سفیان یقول الخلفاء خمسة ابو بکر وعمر وعثمان وعلي وعمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔  
حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ خلفاء پانچ ہیں، یعنی جن کی خلافت علیؑ منہاج النبوة اور خلافت راشدہ ہے وہ پانچ ہیں خلفاء اربعہ اور پانچویں عمر بن عبد العزیز جو عمر ثانی کے ساتھ معروف ہیں، اور پہلی صدی کے مجدد ہیں۔

### باب فی الخلفاء

یعنی خلفاء راشدین کے مناقب کے بیان میں اور ان کے علاوہ بھی بعض خلفاء بنی امیہ کا ذکر جیسے حجاج، یعنی ان کی سیرت سیدہ

اور کردار کے بیان میں۔

احادیث الباب سے بھی خلفاء راشدین کے درمیان ترتیب مستفاد ہو رہی ہے اور وہ وہی ترتیب ہے جو ان حضرات کی خلافت میں پائی گئی جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے، لہذا واقعہ پر رد ہو جائیگا۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان ابوہریرۃ یحدث ان رجلا اتی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم فقال انی اری اللیلۃ ظلمۃ ینطف منها السمن والعسل فاری الناس ینکفون بایدیہم فالمستکثر والمستقل۔

**شرح الحدیث بالبسط** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آکر اس نے

اپنا یہ خواب بیان کیا کہ آج رات میں نے دیکھا کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا ہے جس سے گہی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ زمین پر کھڑے ہوئے وائے اس کو اپنے ہاتھوں پر لے رہے ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ (خواب کا ایک جز تو یہ ہوا، آگے دوسرے جز کا

بیان ہے) اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک آ رہی ہے، پس میں نے دیکھا آپ کو یا رسول اللہ کہ آپ نے اس رسی کو پکڑا اور اس کو پکڑ کر اوپر پہنچ گئے پھر آپ کے بعد ایک اور شخص نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی اس کو پکڑ کر اوپر

چڑھ گیا، پھر ایک اور شخص نے پکڑا وہ بھی اس کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا، پھر ایک تیسرے شخص نے اس کو سنبھالا مگر وہ رسی ٹوٹ گئی مگر پھر چڑھ گئی پس وہ بھی اس کے ذریعہ اوپر پہنچ گیا، جو رسی آپ کے ہاتھ میں تھی اس کا مصداق تو آپ کی نبوت ہے اور جو رسی

دوسرے حضرات کے ہاتھ میں پہنچی اس کا مصداق خلافت نبوت ہے، آپ کے بعد جو دوسرے شخص آئے وہ صدیق اکبر ہیں وہ اپنی مدت خلافت کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ سے جا ملے، علیٰ هذا القیاس جو صاحب ان کے بعد تشریف لائے یعنی حضرت عمر، اور پھر جو ان کے بعد آئے ان سے مراد حضرت عثمان غنی ہیں، مگر ان کی رسی ٹوٹ گئی اور پھر یہ ہے روایت میں کہ وہ چڑھ گئی، یعنی خلافت کا

تسلسل قائم رہا کہ وہ خلافت ان کے مابعد کی طرف منتقل ہو گئی، اور اس تسلسل کی تمامیت سے وہ تیسرے صاحب بھی اوپر پہنچ گئے، خواب پورا ہوا، قال ابو بکر یابی وامی لند عنی فلا عبرتھا قال اعبرھا، یعنی خواب سننے کے بعد تسلسل اسکے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کوئی تعبیر بیان فرمائیں حاضرین مجلس میں سے صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجھے چھوڑ دیجئے یعنی مجھے اس بارے میں پیش قدمی کی اجازت دیدیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں حضرت

صدیق اکبر نے خواب کی تعبیر میں رغبت اور شوق ظاہر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت کیوں لی، ممکن ہے اس کا منشا یہ ہو کہ یہ خواب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں موجب بشارت ہے کہ آپ منصب نبوت پر فائز ہو کر

درجہ کمال کو پہنچ گئے اور یہ چیز خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تو موجب فخر ہے ہی لیکن آپ کی امت جو آپ پر جاں نثار ہے جس میں سب سے بڑھ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کے لئے بھی موجب فخر ہے اس لئے

بطور بیان منقبت کے صدیق اکبر نے اس میں حصہ لینا چاہا، اور اس حیثیت سے بھی کہ آپ اپنے لئے فخر کو پسند نہیں فرماتے تھے

ایک شخص نے آپ کو کہا یا خیر البریہ تو آپ نے فرمایا ذاک ابراہیم، اور گوکہ بیان واقع کے طور پر اپنے اوصاف جو موجبات فخر ہو سکتے ہیں ان کو آپ نے امت کے سامنے بیان فرمایا اظہار حقیقت کے لئے لیکن ساتھ ہی فخر کی نفی بھی فرماتے رہے جیسے میدی لواد الحمد یوم القیمۃ ولا فخر وانا سید ولد آدم ولا فخر وخذک من الاوصاف، فقال واما الظلة فظلة الاسلام واما ما ینطف من السمون والعسل وهو القوان لینہ وحلاوتہ، صدیق اکبر نے یہ خواب کی تعبیر فرمائی کہ سائبان کا مصداق تو اسلام ہے اور اس میں سے جو بھی اور شہد شپک رہا ہے اس کا مصداق قرآن کریم ہے، قرآن کریم کی طراوت اور حلاوت، ممکن ہے ان دو صفوں میں سے ایک کا تعلق قرآن کریم کے مضمون اور معانی سے ہو اور دوسری چیز کا تعلق اس کے کمال بلاغت اور حسن تعبیر سے، وہ جو بھی ہو لیکن صدیق اکبر نے سمن اور عسل دونوں کے مصداق کو قرآن کریم میں ہی مخمر فرمادیا، واما المستکثر والمستقل اسکے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ دو شخص وہی ہیں جو قرآن کریم سے فائدہ اٹھانے والے ہیں ایک زیادہ ایک کم، اور آگے فرمایا کہ سبب واصل من السماء الى الارض سے مراد وہ حق اور نبوت ہے جس پر آپ قائم ہیں آپ اس کو مضبوطی سے سنبھالے ہوئے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی اور فوقیت عطا فرمائیں گے، پھر اس کام کو آپ کے بعد یعنی خلافت نبوت کو ایک شخص پکڑے گا اور اس کی وجہ سے وہ فوقیت لے جائیگا اس کے بعد دوسرا شخص آئے گا جو اس کام کو سنبھالے گا اور اس کی وجہ سے بلندی حاصل کرے گا، پھر ایک تیسرا شخص اس کو سنبھالے گا پھر اس پر آکر اس سلسلہ کی رسی منقطع ہو جائے گی، پھر اس کو جوڑ دیا جائے گا، پھر وہ بھی ادھر چڑھ جائے گا، یہ تعبیر عرض کرنے کے بعد صدیق اکبر نے عرض کیا: ای رسول اللہ لتحدثنی اصبت ام اخطات الا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ سے بیان فرمائیں کہ میں نے صحیح کہا یا غلط، آپ نے فرمایا کہ کچھ صحیح کہا کچھ غلط، انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دے کر عرض کرتا ہوں یا رسول اللہ آپ مجھ سے ضرور بتائیں کہ میں نے کیا غطا کی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اصبت بعضا و اخطات بعضا کہ قسم کیوں کھاتے ہو، یعنی میں بتاؤں گا نہیں۔

اس خطا کی تعیین میں جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو ظاہر نہیں فرمایا، شرح حدیث کی آراء مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ خطا سے مراد آپ کی موجودگی میں تعبیر میں پیش قدمی کرنا اور اس کی اجازت لینا اور بعض نے کہا کہ تعبیر کے بعض اجزاء میں خطا مراد ہے، اب یہ کہ وہ خطا کیا ہے اس میں بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سمن اور عسل دونوں کی تعبیر قرآن کریم سے دی ایک کی تعبیر قرآن سے اور دوسری کی حدیث سے یہی چاہیے تھی، اور حضرت نے ان کو کب الوریٰ میں تعیین خطا میں ان اقوال کو غلط قرار دیا ہے اور اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ خواب کا ایک حصہ جو محتاج تعبیر و تشریح تھا اور وہ اپنے ظاہر پر نہیں تھا، صدیق اکبر کو اسکی تشریح کرنی

۱۰ حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین نے تو گویا اپنے بعد خلافت کے مسئلہ کو اشارۃ یا امراتہ طے ہی فرمادیا تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اختلاف کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں تھی تا آنکہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش گیا اور پھر اس پر بھی چند دن گزرنے کے بعد خلیفہ کا تعیین ہوا اسلئے اس خواب میں اس کیفیت کو انقطاع سے تعبیر کیا گیا اور اسکے بعد جب خلیفہ کا تعیین ہو گیا تو اس انقطاع تسلسل کے بعد اس کا وصل ہو گیا اسی فرق کو اس خواب میں ظاہر کیا گیا ہے۔



چاہئے تھی انہوں نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو انہوں نے اپنے ظاہر پر محمول رکھا یعنی خواب کا ایک جزو یہ تھا شراخذبہ رجل فقطع بہ شعر وصلہ فعلا بہ، اسکے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر رسی ٹوٹے گی اسی کے لئے اس کو دوبارہ جوڑا جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے واقع میں یعنی مقطوع لہ ہی موصول نہ نہیں ہے بلکہ اس کا نائب اور خلیفہ ہے یعنی جو اس کے بعد آئے گا اور خواب میں دونوں کو ایک ہی سے تعبیر اس حیثیت سے کر دیا گیا تھا کہ نائب کا فعل گویا اصل کا فعل ہے، اور صدیق اکبر نے اس کی تشریح کی نہیں بلکہ خواب کے اس جزو کو اسکے ظاہر پر محمول کیا اہ حضرت کے نزدیک خطا کا مصداق یہ ہے، اسی قسم کی بات ابن القیم کے کلام سے بھی مستفاد ہوتی ہے والشر تعالیٰ اعلم، حاشیہ کو کب میں بھی تعیین خطا پر فاصلا کلام ہے گویا شارح کے اقوال کی تلخیص ہے فارح الیہ لوشنت، یہ حدیث مختصراً کتاب الایمان والزندہ میں باب القسم حل یكون یمناً میں گذری ہے اور وہاں اس بارے میں ایک اختلافی مسئلہ بھی گذرا ہے کہ لفظ قسم سے قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

والحدیث أخرجه سلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ذات یوم من رأی منکم رؤیا؟

فقال رجل انارایت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت و ابوبکر فرجحت انت بابی بکر و وزن ابوبکر و عمر فرجح

ابوبکر و وزن عمر و عثمان فرجح عمر شعور رفع المیزان فرأینا الکراہیة فی وجه رسول اللہ صلو اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

شرح الحدیث | یعنی ایک روز آپ نے حاضرین مجلس سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی نے رات خواب دیکھا ہے؟ تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ جیسے ایک ترازو ہے جو آسمان سے اتری تو اس میں آپ اور ابوبکر تلے

آپ کا پلٹا بھاری رہا، اس کے بعد ابوبکر اور عمر تلے، اس میں ابوبکر کا بھاری رہا، پھر عمر اور عثمان تلے اس میں عمر کا بھاری رہا، خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ پھر وہ ترازو اوپر چلی گئی، صحابہ کہتے ہیں کہ اس خواب کو سنکر ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ناپسندیدگی کا اثر دیکھا۔

بظاہر اس لئے جیسا کہ بعض شارح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ موازنہ اشیاء متقاربه کے درمیان ہوتا ہے یعنی جہاں

دو چیزوں کے درمیان معمولی سی کمی زیادتی ہو وزن میں، اور جن دو چیزوں کے درمیان فرق بہت اور ظاہر ہو ان کا موازنہ کون

ہم کرتا ہے، وہاں تو خود ہی نظر آ رہا ہے کہ کون کب ہے کون زائد، تو گویا رفع میزان سے اشارہ ہوا، یون بعید کی طرف یعنی عثمان

اور علی کے درمیان فرق زیادہ ہو گا اسی لئے نہیں تو لایا گیا، تو اسی سے آپ کو رنج ہوا، لیکن حضرت گسگوسی نے اس کو جیہ کو

پسند نہیں فرمایا، الکو کب الدرہیہ میں اس بنا پر کہ ابوبکر و عمر کے درمیان بھی یون بعید تھا، حضرت فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک

ظاہر یہ ہے کہ آپ کو رنج رفع میزان اور ترک موازنہ بن عثمان و علی کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اس پورے خواب کو سن کر آپ کا ذہن

امت میں جو اخطا آئے گا اور فتن و مصائب پیش آئیں گے اس طرف ذہن منتقل ہونے سے ہوا، اس کے بعد جو روایت آ رہی ہے

اس میں یہ زیادتی ہے؛ فقال خلافة نبوة شر یؤتی اللہ الملک من یشاء، یعنی میرے بعد شروع میں تو خلافت علی منہاج النبوة



ہوگی اور اس کے بعد پھر بادشاہت آجائے گی جس کے ہاتھ میں آنا مقدر ہے۔

یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ چونکہ اس حدیث میں جو خواب مذکور ہے اس میں خلافت عثمان تک کا ذکر ہے آگے نہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ علی کے زمانہ ہی سے بجائے خلافت کے ملک اور بادشاہت شروع ہو جائے گی، حالانکہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت علی ہنہاج النبوة میں حضرت علی بھی داخل ہیں اس کا جواب بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل کیا ہے کہ یہاں پر لفظ "ثم" تراخی اور فصل بالمہلتہ کے لئے ہے یعنی اس کے بعد آگے چل کر بادشاہت شروع ہوگی، حضرت عثمان کے بعد متصلاً مراد نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کی خلافت اور اسکے بعد حضرت حسن بن علی کی بھی خلافت ایسی ہی ہے اس کے بعد ملک و بادشاہت ہے۔ والحدیث اخرہ الترمذی، قالہ المتذری۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کلن یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال

أُرِیَ اللَّیْلَةَ رَجُلًا صَالِحًا ابْنًا بَكْرًا نَسِطَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَنَسِطَ عُمَرُ ابْنُ بَكْرٍ وَنَسِطَ عُثْمَانُ بَعْدَهُ  
قال جابر فلما قمنا من عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قلنا ان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آج رات ایک صالح مرد کو خواب میں یہ دکھایا گیا کہ ابوبکر چمپے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ کی مجلس سے باہر آئے تو آپس میں کہنے لگے یعنی اس خواب کی تعبیر میں کہ رجل صالح سے مراد تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ بعض کا بعض سے چمٹنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس دن کو لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا ہے تو یہ حضرات جو خواب میں مذکور ہیں اس دن کے اسی ترتیب سے ذمہ دار ہوں گے، آپ کے بعد ابوبکر ان کے بعد عمر ان کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً قال یا رسول اللہ رأیت کان دلو اذنی من السماء فجاء ابوبکر

فاخذ بعرا قیہا فشرب شرباً ضعیفاً ثم جاء عمر فاخذ بعرا قیہا فشرب حتى تضلع ثم جاء عثمان فاخذ بعرا قیہا فشرب حتى تضلع ثم جاء علی فاخذ بعرا قیہا فانتشطت وانتضج علیہ منها شیء۔

شرح الحدیث بالبسط | حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور ان کو اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈول آسمان کی طرف سے نیچے کی طرف لٹکا کچھ دیر بعد صدیق اکبر آئے انہوں نے اس ڈول کی دونوں جانب کے حلقے پکڑ کر اٹھایا اور اس سے پانی پیا معمولی سا، پھر حضرت عمر تشریف لائے انہوں نے بھی اسکے حلقے پکڑ کر اس کو اٹھایا اور پیتے رہے یہاں تک کہ خوب سیراب ہو گئے، پھر حضرت عثمان آئے انہوں نے بھی اس کو اسی طرح پکڑ کر اٹھایا اور خوب سیراب ہو کر پیا پھر علی تشریف لائے انہوں نے بھی اس کو اسی طرح پکڑ کر اٹھایا اور پینا شروع کیا تو اس ڈول کا پانی چھلکا اور ان کے اوپر بھی چھلک کے کچھ گرا۔

اس خواب کے بارے میں کتب حدیث میں الفاظ مختلف ہیں، بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے: ۱۰۱، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیثہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بینا اننا علی بئر انزع منہا اذ جاری الی بکر و عمر فاخذ ابو بکر الدلو فزر ذنوبا و اذ نوبین و فی نزعہ ضعف تغفر اللہ، ثم اخذها ابن الخطاب من ید ابی بکر فاستحالت فی یدہ غرابا فلم ارع بقر یا من الناس یغزی فریحی حتی ضرب الناس بعطن، حافظ فرماتے ہیں: و فی حدیث ابی ہریرۃ فی الباب الذی یلیہ رأیتی علی قلب و علیہما دلو فزرعت منہما اشارۃ، اس کے بعد حافظ نے الوداد کی یہ حدیث جو حضرت سمرۃ بن جندب سے مروی ہے اس کو ذکر کیا ہے: ان رجلا قال یا رسول اللہ رأیت کان دلوادی من السماء، ان دونی حدیثوں میں فرق ظاہر ہے، ابن عمر کی حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور الوداد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والا وہ شخص ہے جس نے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا، قال ابن العربی حدیث سمرۃ یعارض حدیث ابن عمر، او صحابہ ان، قلت انما الثاني هو المعتمد فی حدیث ابن عمر مخرج بان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم هو الرائی، و حدیث سمرۃ فیہ ان رجلا اخبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ رای، و من المتأیمة بینہما ایضا ان فی حدیث ابن عمر نزع الماء من البئر، و حدیث سمرۃ فیہ نزول الماء من السماء فیما اقتتان تشد احدھا الاخری، و کان قصہ حدیث سمرۃ سابقہ فنزل الماء من السماء وھی خزائنه فاسکن فی الارض کما یقتضی حدیث سمرۃ ثم اخرج منہا بالدلو کما دل علیہ حدیث ابن عمر، و فی حدیث سمرۃ اشارۃ الی نزول النضر من السماء علی الخلفاء، و فی حدیث ابن عمر اشارۃ الی استیلاءہم علی کنوز الارض بایدیہم و کلاھا ظاہر من الفتح الی آخر ما ذکرہ اور ترمذی کی روایت کے الفاظ اور ہی طرح ہیں: عن عبد اللہ بن عمر عن روای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و ابی بکر و عمر قال رأیت الناس اجتمعوا فزرع ابو بکر ذنوبا و اذ نوبین فیہ ضعف و اللہ یغفر لہ۔ الحدیث۔ حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ خواب کے دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں ایک میں صاحب رؤیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دوسرے قصہ میں خواب دیکھنے والے کوئی صحابی ہیں اور خوابوں کے مضمون کے مناسب ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ اولاً خواب دیکھا کسی صحابی نے جس میں یہ ہے کہ آسمان سے پانی کا ڈول اترا اور بعد میں قصہ پیش آیا خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خواب دیکھنے کا جس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا اپنے آپ کو کہ میں کنوئیں سے ڈول کے ذریعہ پانی کھینچ رہا ہوں، اس لئے کہ پانی کا اصل مخزن آسمان ہے پھر وہاں سے اتر کر زمین پر پہنچا پھر زمین پر اترنے کے بعد یعنی کنوئیں میں، اس کو ڈول سے کھینچا گیا جیسا کہ حدیث ابن عمر میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کے بارے میں ہے اور پھر اسکے بعد بعض روایات میں جن میں صدیق اکبر سے پانی کھینچنے کی اہمیت مذکور ہے ان میں اہمیت کا یہ ہے، پانی کھینچنے کی اہمیت دار خود

لہ و هو هذا و فی حدیث سمرۃ زیادۃ اشارۃ الی ما وقع لعلی من الفتن و الاختلاف علیہ فان الناس جمعوا علی خلافۃ ثم لم یلبث اصل الجمل ان خرجوا علیہ و امتنع معاویۃ فی اهل الشام ثم جار بصرہین ثم قلب بعد ہکلیل علی مصر و خرجت الحوریرۃ علی علی نہ فلم یحصل لہ فی ایام خلافۃ راحۃ ففرب المنام المذكور مثلا لا حوالہ ہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (فتح الباری ص ۴۲۰)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور اس کے بعد پھر صدیق اکبرؓ نے اور انہوں نے کھینچنا شروع کیا، بہر حال خواب کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ڈول کے ذریعہ کنویں سے پانی کھینچ رہے تھے تو صدیق اکبرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں سے ڈول لے کر خود پانی کھینچنا شروع کیا۔ چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے فَاخَذَ الْوَكْرَ مِنْ الدَّلْوِ لِيَرْحِي (فتح ص ۳۲) اور انہوں نے صرف ایک یا دو ڈول پانی کھینچے جن کے کھینچنے میں کمزوری تھی، اسکے بعد بخاری اور ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے بخاری میں: فَخَضَّ اللَّهُ لَهُ. اور ترمذی کے لفظ ہیں: وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ. اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انہوں نے خوب میرا لب ہو کر پیا، اور ایک روایت میں ہے: فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرِيْبًا. کہ ان کے ہاتھ میں اگر وہ بڑا ڈول ہی گیا پس نہیں دیکھا میں نے کسی مضبوط شخص اور پہلوان کو جو محنت اور کام کر رہا ہو ان جیسا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے زبردست پہلوان کی طرح اس کنویں میں سے پانی کھینچا، بخاری کی روایت میں اس کے بعد ہے: عَتِيَ غَرِيْبُ النَّاسِ بَعْطَنَ، یہاں تک کہ لوگوں نے یعنی اونٹ والوں نے وہاں پر یعنی اس کنویں کے قریب جس سے پانی نکالا جا رہا تھا اونٹوں کے باندھنے کی جگہ بنالی کہونکہ اونٹ والے اونٹوں کو پانی کے چشمے کے قریب ٹہراتے ہیں)

حافظ فرماتے ہیں کہ قوت اور ضعف کے ساتھ پانی کھینچنے سے مراد جیسا کہ حضرات شیخین کے بارے میں ہے فتوح اور غنائم ہیں جن کی نوبت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں بہت کم آئی ان کی مدت خلافت کے مختصر ہونے کی وجہ سے اور فاروق اعظم کے زمانہ میں ان فتوح کی بہت کثرت ہوئی ان کی مدت خلافت کے طویل ہونے کی وجہ سے تقریباً دس ساڑھے دس سال بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ ان کی کل مدت خلافت دو سو اور دو سال ہوئی، اور اسی طرح اس خواب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بھی خوب کثرت سے پانی کھینچا ان کی مدت خلافت تو حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ ہوئی تقریباً بارہ سال، اسکے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانی کھینچنے کا ذکر ہے اور ان کے کھینچنے میں پانی کے پھٹکنے کا ذکر ہے جس سے اشارہ اس اختلاف اور انتشار کی طرف ہے جو ان کے ساتھ ان کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا جنگ جمل صفین وغیرہ، اور اوپر حافظ کے کلام میں یہ بھی گزر چکا کہ اس خواب میں اشارہ ہے خلفاء پر آسمان سے نفرت کے نزول کا، اور نیز اشارہ ہے ان حضرات کے زمین کے خزانوں پر غالب آنے کی طرف جیسا کہ آپ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا: يَسْتَفِجُ عَلَيْكُمْ كُنُوزُ كِسْرَى دَقِيصِرَ -

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو آیا ہے: وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ. امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے اشارہ ان کے کسی گناہ یا تقصیر کی طرف نہیں ہے اور نہ اس میں ان کے بارے میں کوئی نقص ہے انما ہی کلمۃ کان المسلمون یزینون بہا کلامہم، وقد جاری صحیح مسلم انہا کلمۃ کان المسلمون یقولونہا فعل کذا واللہ یغفر لک، کہ اس جملہ کو بعض مرتبہ ترمین کلام کے لئے لایا جاتا ہے اور بعض مرتبہ کسی کام کی ترغیب کے وقت کہ اس کام کو محنت سے کر ان شاء اللہ تعالیٰ تیری معفرت کا ذریعہ ہوگا اھ کلام النووی ہامش کو کب۔

یہ خواب دان حدیث صحیحین میں بھی ہے دوسرے طرق سے اور اسی طرح ترمذی میں بھی، جیسا کہ مضمون بالا سے معلوم ہوا۔

عن مکحول لبتخزن الروم الشام اربعین صباحاً لا یجتمع منها الا دمشق وعمان۔

المخز المشق از باب فتح و تفر کہا جاتا ہے محضت للسفينة جب وہ پانی کو چیرتی ہوئی جائے مکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل روم شام کو چیرتے ہوئے پھر میں گئے چالیس دن تک، نہیں بچے گا یعنی نہیں محفوظ رہے گا بلاد شام میں سے کوئی مقام سوائے دمشق اور عمان کے، یعنی اس لڑائی میں جو رومیوں کی طرف سے ہوگی شامیوں سے بلاد شام میں سے صرف یہ دو جگہ محفوظ رہ سکیں گی بڈل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں جس قنتہ اور لڑائی کا ذکر ہے اور اسی طرح اس کے بعد والی حدیث میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس کی تاریخ وقوع کیا ہے یہ کب ہوا یا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انہ سمع ابا الاییس عبد الرحمن بن سلمان یقول سیاتی ملک من ملوک العجم ینظر علی المدائن کلھا الا دمشق یعنی عجمی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نکلے گا جو تمام شہروں پر غالب آئے گا سوائے دمشق کے اسکے بارے میں اوپر حضرت گنگوہی کی تقریر سے کچھ آچکا اور حضرت نے بڈل میں اسکے بارے میں لکھا ہے ولعلہ اشارة الی ما وقع من تیمور علی بلاد الاسلام اہ یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب تیمور لنگ نے بلاد شام پر آٹھویں صدی کے شروع میں حملہ کیا تھا اور دمشق کا بھی محاصرہ کر لیا تھا

عن مکحول ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال موضع نسطاط المسلمین فی الملاحہ ارض ینظر لہا الغوطۃ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کا خیمہ اور جائے پناہ لڑائیوں کے زمانہ میں وہ زمین ہوگی جس کا نام غوطہ ہے، جو دمشق کا ایک نہایت سرسبز علاقہ ہے، یہ حدیث کتاب الملاحم میں گندھ چکی کی باب فی العقل من الملاحم میں اسکے بارے میں وہاں بڈل میں گذر چکا، والغوطۃ کلہا اشجار وانہا متصلہ دھی بالاجام انزہ بلاد اللہ واحسنہا منظرًا، اور یہاں بڈل میں یہ بھی ہے کہ زمین کے مشہور اور بڑے باغات اور سرسبز علاقے چار ہیں جن میں ایک غوطہ بھی ہے اور باقی تین صغد، الابلہ، شعب بوان ہیں، غوطہ ان میں سب سے اعلیٰ ہے، بڈل میں لکھا ہے کہ شاید کہ غوطہ کا جائے پناہ ہونا جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں ہو، مسلمان اور ان کے لشکروں کے پڑاؤ کی جگہ ہو۔

ان روایات کے بارے میں جو یہاں مصنف نے ذکر کی ہیں علامہ سندی نے فتح الورد میں لکھا ہے کہ مصنف کا ان روایات کو یہاں لانا یعنی غلطی کے ذمہ ہے بعد اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ فتن کا ظہور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد ہوگا۔

عن عوف قال سمعت الحجاج یخطب وهو یقول ان مثل عثمان عند اللہ کمثل عیسیٰ بن مریم شرقاً أخذہ الایۃ ینقر وھا ویفسرھا۔ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک وراک علیک من الذین کفروا یشیر الینابید لا والی اہل الشام۔ یہاں (باب فی الخلفاء میں) مصنف نے چند روایات حجاج بن یوسف ثقفی کی سیرت سیدہ اور اس کے جبر و تشدد سے متعلق ذکر کی ہیں جیسا کہ شروع میں ہم نے لکھا تھا کہ مصنف نے یہاں خلفائے راشدین کے علاوہ اور بعض دوسرے خلفاء اور امرار جو حال بھی ذکر کیا ہے تعاقب کے طور پر مزید حجاج بن یوسف حضرت عثمان کے حامیوں اور حضرت علی کے مخالفین میں سے ہے، حضرت عثمان غلیفہ ثالث

لہ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ حجاج کی مختلف تعاریز اور خطبات کے چند اقتربات ذکر کئے ہیں تاکہ اسکے انکار و نظریات کا انداز ہو سکے۔

چونکہ بنو امیہ میں سے ہیں اور خلیفہ رابع حضرت علی بنو ہاشم میں سے ہیں اور بنو ہاشم اور بنو امیہ کا تقابل معروف ہے اس لئے یہ حجاج  
حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوقیت اور شرف حضرت علی پر بہت نامناسب انداز میں بیان کر رہا ہے۔  
اقتباس اول :- اور کہہ رہا ہے کہ عثمان کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی علی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی  
مثال یہود کے مقابلہ میں، جو آیت کریمہ اس نے تلاوت کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں تم کو  
ان کفار یہود سے نجات عطا فرما کر اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھانے والا ہوں اور ان گندے ناپاک یہود سے پاکی عطا کرنے والا ہوں  
تو اس آیت کو حجاج تلاوت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اور اس کی تفسیر میں واقعتاً الی سے اشارہ اہل شام کی طرف کرتا تھا یعنی بنو امیہ  
کی طرف اور من الذین کفروا کے وقت اشارہ کرتا تھا اہل عراق کی طرف جو علی اور اصحاب علی ہیں والعیاذ باللہ منہ، گویا یہ کہنا چاہتا ہے  
کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عزت اور فوقیت عطا فرمائی عیسیٰ علیہ السلام کو ان کو آسمان پر اٹھا کر یہود بے بہبود پر، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے  
فوقیت عطا فرمائی عثمان اور عثمانیوں کو ان کو خلافت عطا فرما کر علی اور اصحاب علی پر اس طرح کہ ان سے خلافت چھین کر بنو امیہ کی  
طرف منتقل فرمائی، "یشیر الینا، جس کے قائل عرف بن ابی جمیلہ ہیں یہ عراقی اور بصری ہیں اسی لئے کہہ رہے ہیں، "الینا، یعنی الی اصل العراق  
اور حضرت علی کا دار السلطنت عراق میں ہی تھا، جس طرح کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کا دار السلطنت ملک شام میں تھا، اسی لئے  
اس نے اہل شام اور اہل عراق کا تقابل بیان کیا ہے۔

سمعت الحجاج یخطب فقال فی خطبہ رسول احدکم فی حاجتہ اکرم علیہ ام خلیفۃ فی اہلہ۔

اقتباس ثانی :- ربیع بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حجاج کو اس کے خطبہ میں یہ کہتے ہوئے سنا، سوال کے طور پر خطاب کرتا تھا  
لوگوں کو کہ بتاؤ تو سہی تم میں سے کسی شخص کا کوئی قاصد جس کو اپنے کسی کام کے لئے باہر بھیجے وہ زیادہ معزز و مکرم ہوگا اس شخص کے  
نزدیک یا وہ شخص جس کو وہ اپنے اہل خانہ کی نگہداشت کے لئے ان پر چھوڑے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ جس کو اپنے گھر پر چھوڑے گا  
وہ اس کے نزدیک زیادہ مستند اور مکرم ہوگا اس کے مقابلہ میں جس کو کسی کام سے باہر بھیجا ہے، یہ اشارہ حضرات عثمان اور علی رضی اللہ  
تعالیٰ عنہما کی طرف ہے، حضرت عثمان غنی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے جاتے وقت اپنے گھر پر چھوڑا  
تھا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لئے، اور اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سہ میں  
صدیق اکبر کے ساتھ مکہ مکرمہ بھیجا تھا بعض مخصوص اطلاعات کرانے کے لئے، لہذا عثمان غنی بدر جہا اشرف ہوئے حضرت علی سے  
اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان دونوں کے ساتھ معاملہ اس کے برعکس بھی تو  
ثابت ہے، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے حضرت علی کو اپنے گھر پر چھوڑا تھا یعنی غزوہ تبوک میں جاتے وقت اور فرمایا تھا انت  
منی بمنزلہ ہارون بن موسیٰ، اور حضرت عثمان کو ایک موقع پر مکہ مکرمہ قاصد بنا کر بھیجا تھا یعنی عمرۃ الحدیسیہ کے موقع پر، لہذا اس کا یہ  
استدلال قابل التفات نہیں، گو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل سنت کے نزدیک فضیلت کے اعتبار سے ترتیب میں حضرت  
علی سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن حجاج کا مقصود تو صرف یہ نہیں بلکہ تنقیص علی مقصود ہے، اگے روایت میں ہے۔ نقلت فی نفسی لثہ



علی ان لا اصلی خلفه صلاۃ ایدادان وجدت قوما یجاہدوتک لاجاہدتک معہم ربيع بن خالد جو حجاج بن یوسف کا یہ خطبہ نقل کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس خطبہ کو سنتے وقت میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات پر معاہدہ کرتا ہوں کہ تیرے پیچھے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھوں گا، اور اگر میں کسی وقت لوگوں کو تجھ سے جہاد کرتا ہوا پاؤں گا تو ان کے ساتھ شامل ہو کر تجھ سے جہاد کروں گا، شرقالا: فقاتل فی الجماجرحی قتل، ربيع بن خالد کے شاگرد ربيع کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ یہ یعنی ربيع بن خالد ججاج کی لڑائی میں شریک ہوئے اور وہاں مارے گئے، جنگ ججاج کا ذکر اس سے پہلے بھی کتاب الجہاد باب فی التفریق بین السبی میں آیا ہے۔

عن عاصم قال سمعت الحجاج - وهو علی المنبر - وهو یقول - اتقوا اللہ ما استطعتم لیس فیہا مثنویۃ

واسمعوا واطیعوا الامیر المؤمنین عبد الملک، واللہ لو امرت الناس ان یخرجوا من باب من المسجد فخرجوا من باب اخر لجلت لی دماؤہم واموالہم، واللہ لو اخذت ربیعۃ بمضی لکان ذلک لی من اللہ حلال۔

**اقتباس ثالث :-** حجاج کی یہ تقریر اس وقت کی ہے جب کہ وہ عبد الملک بن مروان کی جانب سے اس کی خلافت میں وال عراق تھا، پہلے جملہ کا تو مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اس کا مامور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، تقویٰ اختیار کرے جس میں کسی کا استنثار نہیں، یہ بات تو واقعی درست ہے، اسکے بعد وہ اپنی تقریر میں خلیفہ وقت عبد الملک کی اطاعت قانونی طور پر ذکر کر رہا ہے کہ ان کا سمع اور اطاعت ہر شخص پر واجب ہے بلا کسی استنثار کے، اور صرف یہی نہیں کہ اس کی اطاعت صرف جائز امور میں واجب ہے بلکہ ہر کام میں، چنانچہ وہ آگے کہہ رہا ہے کہ اگر میں لوگوں کو اس بات کا حکم کروں (امیر المؤمنین کی جانب سے) کہ وہ مسجد کے صرف فلاں دروازہ سے نکلیں اور پھر وہ اسکے خلاف دوسرے دروازہ سے نکلنے لگیں تو ان کی اس حکم عدولی اور مخالفت امر کی وجہ سے) میرے لئے ان کی جان اور مال دونوں حلال ہو جائیں گے، آگے اور مزید ترقی کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ واللہ اگر میں قبیلہ مضریک جنایت میں ان کو سزا دینے کے بجائے ربیعہ کی گرفت کروں جو کہ دوسرا قبیلہ ہے تو یہ بات میرے لئے من جانب اللہ تعالیٰ حلال ہوگی، حضرت نے بزل میں لکھا ہے کہ یہ حجاج کے کفریہ اقوال ہیں کیونکہ تحلیل حرام اور تحریم حلال میں صریح ہیں، اور اس میں احکام شرع کا انکار ہے، حالانکہ امر اور سلاطین کی اطاعت صرف موافق شرع امور میں واجب ہے نہ کہ مطلقاً، ویاعذیری

من عبد ہذیل یزعم ان قراءتہ منا عند اللہ، واللہ ما ہی الا رجز من رجز الاعراب ما نزل اللہ علی نبی علیہ السلام **اقتباس رابع :-** اب یہ کہہ رہا ہے: اسے کون ہے وہ شخص جو مجھے معذور قرار دے عبد ہذیل کے بارے میں یعنی اگر میں اسکی تحقیر و تنقیص کروں یہ اشارہ ہے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جن کو وہ بطور تحقیر و اہانت کے قبیلہ ہذیل کے غلام سے تعبیر کر رہا ہے اور آگے ان کے ایک خاص فعل پر نکیر کر رہا ہے اور ان کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ وہ عبد ہذیل اپنے مصحف والی قرأت کو من عند اللہ سمجھتا ہے حالانکہ سنی راویہ کچھ بھی نہیں ہے سوائے گاودیوں کے ایک گیت اور گانے کے، نہ منزل من اللہ ہی نہیں ہے۔ بزل میں لکھا ہے کہ اس باب سے اس کا مقصود مصحف ابن مسعود سے لوگوں



کو نفرت دلانا ہے، جس کا منشا یہ ہوا کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مصاحف کو جمع فرمایا تھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اپنا مصحف دینے سے انکار کر دیا تھا جس کا قصہ ترمذی شریف کی روایت میں مذکور ہے سورہ توبہ کی تفسیر میں طویل روایت ہے جس کی ابتداء اس طرح ہے: عن انس ان حذیفۃ قدم علی عثمان بن عفان وكان یغازی اهل الشام فی فتح ارمینۃ واذربجان مع اهل العراق فرآی حذیفۃ اختلا فہم فی القرآن احدث، جس کے آخر میں ہے: قال عبد اللہ بن مسعود یا اهل العراق اکتوا المصاحف الی عندکم وغلوا فان اللہ یقول ومن یغلل یالی بما غل یوم القیامۃ۔ فاتقوا اللہ کذا فی المطبوعۃ، والصحیح فالقوال اللہ بالمصاحف۔ الی آخرہ۔ چونکہ حجاج حضرت عثمان اور امویوں کے حامیوں میں سے ہے اسلئے عبد اللہ بن مسعود پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے اور اس سے سری طرح کر رہا ہے کہ جس میں اس نے اپنے کفر کی بھی پرواہ نہیں کی کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اس وقت وہ کلمہ کفر ہے۔

**اقتباس خامس:** آگے کہہ رہا ہے وعذیری من ہذہ الحمراء یعنی یا عذیری، کیونکہ یہ عذیری پہلے عذیری پر معطوف ہے جس کے شروع میں۔ یا۔ حرف نداء ہے، من ہذہ الحمراء من عر احدھما ان یرعی بالحجر فیقول الی ان یقع الحجر قد حدث امر حمراء سے مراد عجم ہیں جن کو موالی سے بھی تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے یعنی الموالی، یہ لکھا ہے کہ اس زمانہ میں عراق وغیرہ میں تو زیادہ تر ترکی رومی اور فارسی تھے اور وہ رنگ میں سرخ ہوتے تھے اسلئے ان کو حمراء سے تعبیر کرتے تھے جیسا کہ عرب اسم ہوتے ہیں حجاج کہہ رہا ہے ارے ہے کوئی ایسا جو مجھے معذور سمجھے ان حمراء کے بارے میں یعنی اگر میں انہیں ماروں یا کچھ کہوں، آگے اس غصہ کا منشا خود ہی ظاہر کر رہا ہے: یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ عبد الملک کے زمانہ میں ایسے فتنے برپا ہوں گے اتنی کثرت سے اور جلدی جلدی کہ اگر ایک جگہ سے پتھر اٹھا کر دوسری جگہ پھینکا جائے تو اس پتھر کے اس جگہ پہنچنے سے پہلے کوئی نہ کوئی فتنہ پایا جائے گا، پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینکنے میں چند منٹ خرچ ہوتے ہیں، تو اس کے زمانہ میں اتنی جلدی جلدی فتنے پائے جائیں گے، عجمیوں کا یہ خیال حجاج جیسوں کو کہاں برداشت ہو سکتا ہے اسی لئے ان پر اظہار عقاب کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے فواللہ لادعنھم کالامس الدابر کہ بخدا میں ان کو تہس نہس اور کل گذشتہ کی طرح نیست و نابود کر دوں گا، قال مذکور تہ للاعش فقال انا واللہ سمعتہ منہ، عاصم جو اس حکایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حجاج کے اس خطبہ کا ذکر اعش سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ صحیح کہتے ہو میں نے بھی اس کو یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے، چنانچہ اسکے بعد روایت اعش ہی کی آ رہی ہے: عن الاعش قال سمعت الحجاج یقول علی المنبر ہذا الحمراء ہنبر ہنبر، ہنبر کے معنی ہیں قطع کے، کہہ رہا ہے کہ یہ حمراء اور عجمی اسکے مستحق ہیں کہ ان کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے، واللہ لو قد قرعت عصابنا لاذرنھم کالامس الذاہب، بخدا اگر میں لاشی پر لاشی چلا دوں یعنی لاشی استعمال کروں ان پر تو ان کو کل گذشتہ کی طرح کر چھوڑوں، یعنی مفقود کر دوں گا یعنی الموالی یہ تفسیر ہے لاذرنھم میں ضمیر منصوب کی، راوی کہتا ہے کہ حجاج کی مراد لاذرنھم سے ہی موالی اور مالیک ہیں۔

## باب فی الخلفاء

عن الحسن عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ذات یوم من رأی منکھدو یا فم۔ یہ حدیث بمسنہ و مسندہ مکرر ہے ابھی قریب میں گذری ہے اسی لئے بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

عن سفینۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یوتی اللہ الملك من یشاء۔ الی آخر الحدیث۔

سفینۃ جو کہ مشہور صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں جن کا کچھ حال باب فی العتق علی شرط میں گذر چکا۔ ان سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت کے طریقے پر اور آپ کی سیرت کے مطابق آپ کے بعد جو خلافت ہوگی وہ تیس سال تک چلے گی، پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ جس کو یا دشاہت عطا فرمائیں گے وہ بادشاہت کرے گا۔ اس کے بعد والی روایت میں ہے: قال سعید قال فی سفینۃ امسک علیک: ابا بکر ستین، وعمر عشر و عثمان اثنی عشر، و علی کذا۔

اس روایت میں ان تیس سال کا حساب مذکور ہے کہ وہ خلفاء اربعہ پر کس طرح تقسیم ہوئے، وہ یہ کہ سعید کہتے ہیں کہ مجھ سے سفینۃ نے کہا لو سنبھا لوی یعنی محفوظ رکھو میں

### خلفاء راشدین کی مدت خلافت

تفصیل بتاتا ہوں، اور پھر یہ تفصیل بتائی، ابو بکر کی خلافت دو سال تک اور عمر کی دس سال، اور عثمان کی بارہ سال، یہ کل چوبیس ہوئے اسکے بعد علی کا ذکر ہے مگر اسکے ساتھ سال نہیں شمار کرایا، صرف کذا کہدیا، گویا اشارہ ہے باقی سالوں کی طرف جو چھ ہیں، اس کی کسی قدر تفصیل حضرت شیخ نے حاشیہ بذیل میں لکھی ہے، تاریخ الخلفاء اور تقریب سے نقل کر کے، اس میں لکھا ہے، صدیق اکبر کی خلافت کی ابتداء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ تا وفات جمادی الاول ۱۳ھ کی کما فی التقریبہ اور تاریخ الخلفاء میں بجائے جمادی الاولیٰ کے جمادی الثانیہ، اس کے بعد حضرت عمر کی خلافت صدیق اکبر کی جانب سے الی آخر الوفاة والشہادۃ ذی الحجہ ۲۳ھ، کل مدت خلافت ہوئی ساڑھے دس سال، اس کے بعد خلافت اور بیعت پینچی حضرت عثمان کو الی آخر الوفاة والشہادۃ ذی الحجہ ۳۵ھ کل بارہ سال، اسکے بعد بیعت کی گئی حضرت علی کے ہاتھ پر الی آخر الوفاة والشہادۃ رمضان ۴۰ھ، اسکے بعد حضرت حسن کو خلافت ملی اپنے والد کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے، پھر چھ ماہ کے بعد حضرت معاویہ کے ساتھ صلح ہو گئی ربیع الاول یا آخر جمادی الاولیٰ ۴۰ھ، اسکے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور شہادت

زہر دینے کی وجہ سے ۴۱ھ و قیسل ۴۵ھ و قیسل بعد ما کذا فی التقریب، قال سعید قلت لسفینۃ ان ہولاء یزعمون ان علیا لربکون بخلیفۃ قال کذبت استاہ بنی الزرقاع یعنی بنی مروان، سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینۃ سے کہا کہ یہ لوگ یعنی بنو مروان تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ظلیفہ ہی نہیں تھے، انہوں نے جواب دیا کہ وہ جھوٹ بکواس کرتے ہیں، زرقار ایک عورت تھی جس کی نسل سے یہ بنو امیہ ہیں، اور لفظ استاہ۔ است۔ کی جمع ہے جس کی اصل ہشتہ تھی، ان کے اس جھوٹے

کلام کی نسبت۔ بجائے زبان کے سرین کی طرف کی، اس کی تفسیر اور تفسیر کے لئے، یعنی یہ کلام نہیں ہے جو زبان سے سرزد ہوتا ہے۔ یہ بدبودار رح ہے جو سرین سے خارج ہوتی ہے، افواہ کو استاء سے مجازاً تعبیر کیا۔ و الحدیث الخریج الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

ابن ادریس عن حصین عن ہلال بن یساف عن عبد اللہ بن ظالم المازنی وسفیان عن منصور عن ہلال بن یساف عن عبد اللہ بن ظالم المازنی۔

**شرح السند** | اس حدیث میں مصنف کے استاذ محمد بن العلاء میں اور محمد بن العلاء اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کرتے ہیں پہلی ابن ادریس سے عبد اللہ بن ظالم تک اور دوسری سند شروع ہوتی ہے سفیان سے عبد اللہ بن ظالم تک۔  
قال ذکر سفیان رجلاً فابینہ و بینہ عبد اللہ بن ظالم المازنی، یہ جملہ معترضہ ہے، محمد بن العلاء کہہ رہے ہیں کہ میرے دوسرے استاذ سفیان نے ہلال بن یساف اور عبد اللہ بن ظالم کے درمیان ایک واسطہ ذکر کیا تھا، مصنف کے آئندہ کلام سے اس واسطہ کی تعیین ہو رہی ہے کہ وہ ابن حیان ہے یہاں تک سند کی تشریح ہوتی۔

قال سمعت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قال لما قدم فلان الی الکوفة اقام فلان خطیباً فاخذ بیدی سعید بن زید فقال الاتری الی هذا الظالم فاشهد علی التسعة انہم فی الجنة۔

**شرح المتن** | عبد اللہ بن ظالم کہتے ہیں کہ جب فلان شخص کو فہ میں آیا اور اس کی آمد پر فلان شخص خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا (یہ دونوں یعنی عبد اللہ بن ظالم اور سعید بن زید بھی وہاں موجود تھے) تو عبد اللہ بن ظالم کہتے ہیں کہ سعید بن زید نے میرا

ل الظالم ان الضمیر الی محمد بن العلاء لکن فی البذل ارجح الضمیر الی ابن ادریس ۳

یہاں پر دو نسخے ہیں ایک نسخہ میں ہے فلانہ پہلی صورت میں۔ اقام۔ بمعنی قائم ہوگا اور دوسری صورت میں اقام متعدی ہوگا، اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جب معاویہ کو فہ میں آئے تو انہوں نے ایک شخص کو خطیب بنا کر کھڑا کیا اور خطیب کا مصداق بہر حال دونوں صورتوں میں میفرہ بن شعبہ ہی ہیں، اور یہ دونوں احتمال اسی طرح حضرت نے بدل میں تحریر فرمائے ہیں لیکن اس میں روایات حدیثیہ مختلف ہیں چنانچہ سنن کبریٰ للنسائی کی ایک روایت میں ہے سمعت سعید بن زید قال لما قدم معاویہ الی الکوفة اقام میفرہ بن شعبہ خطباً یتناولون علیاً فاخذ بیدی سعید بن زید فقال الاتری الی هذا الظالم الذی یامر بلعن رجل من اهل الجنة الخ اس صورت میں خطیب کا مصداق میفرہ بن شعبہ نہیں بلکہ ان کے قائم کرنے دوسرے لوگ، لہذا البذل کی اس روایت کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ جب معاویہ کو فہ میں تشریف لائے تو میفرہ بن شعبہ نے کسی خطیب کو کھڑا کیا خطبہ دینے کیلئے اور اسی کے ہم معنی روایت الضعفاء الکبیر للعقیلی میں ہے ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ خطیب غیر میفرہ تھے جس کو کھڑا کیا تھا میفرہ نے اور حدیث کی ایک دوسری کتاب مستدرک الشاشی میں اس طرح ہے سمعت عبد الرحمن بن الاضنفی یقول شہدت للمیفرہ بن شعبہ یخطب بالکوفة فذکر علیاً فقال سعید بن زید اشہد انہ اس صورت میں خطیب خود میفرہ ہو گئے لیکن اس روایت میں کلام ہے امام نسائی فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن الاضنفی لم یسمع سعید بن زید اور بعضوں نے ان کے بار میں لکھا ہے۔ مجہول، اور تفریب میں لکھا ہے مستودع سنن کبریٰ غیر کی روایت کے پیش نظر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہاں سنن البذل کی روایت میں بھی اقام فلان خطیباً کے بجائے خطباً ہی ہوگا کہ میفرہ بن شعبہ نے خطبہ کو کھڑا کیا خطبہ کیلئے اور اقام بمعنی قائم یہاں خطیباً اور خطباً، کتابت میں ایک سے ہی ہیں۔ والشر تعالیٰ اعلم۔

ہاتھ پکڑا اور مجھ سے کہا کہ تم اس ظالم کو دیکھ نہیں رہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ الا تری الی هذا الظالم یہ سمعت کا مفعول ہے جو شروع میں آیا تھا اور پھر سعید بن زید نے یہ بھی فرمایا کہ میں نو شخصوں کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں اور اگر میں دسویں کے بارے میں بھی گواہی دوں تو میں گنہ گار نہ ہوں گا میں نے پوچھا وہ نو شخص کون ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا جبکہ آپ حرار پہاڑی پر تھے (اور وہ ان حضرات کی وجہ سے حرکت میں آگیا تھا) ساکن ہو اسے حرار حرکت مت کر کیونکہ اس وقت تم پر نبی ہے اور صدیق اور شہید، یہ تو بظاہر شمار کے اعتبار سے کل تین ہی ہوئے، اسلئے عبد اللہ بن ظالم نے دوبارہ سوال کیا کہ نو کی تعیین کیجئے کہ وہ نو کون ہیں جو اس وقت حرار پہاڑی پر تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ یہ تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عبد الرحمن بن عوف یہ نو کی تعداد تو پوری ہو گئی اور دسویں کے بارے میں یہ کہا تھا کہ اگر اس کی بھی تعیین کر دوں تو کوئی گناہ نہیں، اسلئے انہوں نے پوچھا کہ وہ دسواں کون ہے؟ تو اس

پر ٹھٹکے اور متائل ہوئے اور پھر کہا کہ وہ میں ہوں اس روایت میں یہ آیا تھا: ولو شهدت علی العاصم لعلم ایشعرا قال ابن ادریس: والعرب تقول اشعر یعنی اصل تو آثم ہی ہے بر وزن اعلم۔ لیکن بعض مرتبہ امالہ کے ساتھ کہتے ہیں یعنی "ایشعرا"۔

**عشرۃ مبشرہ والی روایات** | اس کے بعد جانا چاہئے کہ اس حدیث میں عشرۃ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن الجراح مذکور نہیں حاشیہ بذل میں ہے کہ عشرہ مبشرہ کی احادیث میں وہ بھی مذکور ہیں، لیکن اس روایت میں

دس کا عدد جو پورا ہوا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے اور وہ جو عشرہ مبشرہ والی حدیث ہے جس کی طرف شیخ نے اشارہ فرمایا اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شامل نہیں اسلئے وہاں پر عاصم ابو عبیدہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں آپ کے علاوہ دس مذکور ہیں وہ حرار کا واقعہ نہیں ہے چنانچہ ترمذی کی روایت ہے عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحہ فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبد الرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن ابی وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و ابو عبیدہ ابن الجراح فی الجنة، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ سعید بن زید کی روایت ترمذی میں دونوں طرح ہے ایک مثل ابوداؤد کی روایت کے جس میں عشرۃ مبشرہ میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شامل ہیں اور ابو عبیدہ مذکور نہیں، اور ایک روایت سعید بن زید سے ترمذی میں وہ ہے جس میں دس کا عدد بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پورا ہو رہا ہے اور اس میں ابو عبیدہ ابن الجراح کو شمار کیا گیا ہے، سعید بن زید کی روایات مختلف ہیں بعض میں حرار کا ذکر ہے جیسا کہ یہاں ابوداؤد کی روایت میں اور اسی طرح ترمذی کی ایک روایت میں جو اسی طریق سے ہے یعنی عبد اللہ بن ظالم کے واسطے سے، اور بعض میں حرار کا ذکر نہیں ہے جو عبد الرحمن بن حمید عن ابیہ کے واسطے سے ہے اس میں حرار کا ذکر نہیں ہے، اور عاصم اس میں ابو عبیدہ ہیں بجائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسی لئے امام ترمذی نے بھی سعید بن زید کی روایات کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے وقد روی من غیر وجہ عن سعید بن زید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور سنن کبریٰ للنسائی میں سعید بن زید کی روایت

اس طرح ہے: عن عبد الرحمن بن الاخنس عن سعيد بن زيد قال اعتر حرار فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اثبت حرار قليس عليك الا نبى او صديق او شهيد وعليه رسول الله تعالى عليه وآله وسلم وابو بكر وعمر وعثمان وعلي طلحة والزبير وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص وانا۔

اب حدیث الباب کا مطلب سمجھئے جس میں اس طرح ہے لما قدم فلان الى الكوفة اقام فلان خطيبا، اس پہلے فلاں سے مراد حضرت معاویہ ہیں اور دوسرے فلاں سے میغرہ بن شعبہ، یعنی ایک مرتبہ حضرت معاویہ کو کوفہ میں تشریف لائے تو حضرت میغرہ بن شعبہ جو ان کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے وہ ان کی آمد پر خطیب بن کر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تعریفیں تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور تفصیل حضرت معاویہ کی۔ ان پر جس پر سعید بن زید کو غصہ آیا جیسا کہ یہاں روایت میں ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنی طرف متوجہ کر کے فرمایا الاتری الی هذا الظالم کہ یہ حضرت علی پر تعریفیں کی جا رہی ہے، ان کو برا بھلا کہا جا رہا ہے حالانکہ علی ان حضرات میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت دی ہے، علامہ سندی فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے بہت اچھا کیا کہ معاویہ اور میغرہ کے نام کی تصریح نہیں کی، کنایت بیان کیا، فی مثل هذا المحل لكونها صحاحی بین الامم من البذل۔ امام ابو داؤد کی یہ عادت شریفہ کہ ایسے مواقع میں نام کی تصریح نہیں کرتے اس سے پہلے باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اس عادت کا ذکر اور اس کے نظائر گزرے ہیں۔

كنت قاعدا عند فلان في مسجد الكوفة عند اهل الكوفة فجاء سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل فرحب به وحيلا واقعدا عند رجل على السرير فجاء رجل من اهل الكوفة يقال له قيس بن علقمة فاستقبله وسب فسب فقال سعيد من يسب هذا الرجل قال يسب عليا قال الا ترى اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يسبون عندك ولا تنكرو ولا تغير۔

**مضمون حدیث** | ریاح ابن الحارث کہتے ہیں کہ میں مسجد کوفہ میں فلان شخص یعنی حضرت میغرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اس وقت ان کے پاس اور بھی بعض اہل کوفہ بیٹھے تھے تو کچھ دیر بعد حضرت سعید بن زید صحابی تشریف لائے حضرت میغرہ نے ان کی آمد پر مرحبا حیاک اللہ کہا اور ان کو اپنے ہی تخت پر پائنتی کی جانب بٹھالیا اسی اشارے میں اہل کوفہ میں سے ایک شخص جس کا نام قیس بن علقمہ تھا وہ آیا اور حضرت میغرہ کی طرف متوجہ ہوا، یا یہ کہ میغرہ بن شعبہ اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ سب شتم کرتا رہا یعنی بغیر نام کے تو اس پر حضرت سعید بن زید نے پوچھا حضرت میغرہ سے کہ یہ شخص کس کو برا بھلا کہہ رہا ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ علی کو، اس پر حضرت سعید نے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ صحابہ کو آپ کی مجلس میں ایسا ویسا کہا جا رہا ہے اور تم اس پر نکیر وغیرہ نہیں کر رہے، حالانکہ یہ حضرت علی ان حضرات میں سے ہیں جن کے بارے میں میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا کہ یہ سب جنتی ہیں۔ ثم قال له شهد رجل من هجره رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بغير في وجهه خير من عمل احدكم عمرة ولو عمر عمر نوح۔ پھر حضرت سعید بن زید نے فرمایا کہ ان مذکورہ بالا حضرات صحابہ میں سے کسی ایک



شخص کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف ایک بار غزوہ میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ خیار آلود ہو جائے وہ بہتر ہے تم میں سے کسی کے عمر بھر کے عمل سے اگرچہ اس کو عمر نوح دیدی جائے یعنی ایک ہزار برس۔  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ سب شتم کرنے والا قیس بن علقمہ تھا، ہو سکتا ہے یہ ان ہی خطبا میں سے ہو جن کا ذکر اوپر والی روایت میں آیا۔

حدیث عبد اللہ بن ظالم اخرجہ الترمذی والنسائی (فی الکبریٰ) وابن ماجہ، وقال الترمذی حسن صحیح، وقد اخرجہ مسلم والترمذی والنسائی من حدیث اسمیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخوہ و حدیث عبد الرحمن بن الاخنس اخرجہ الترمذی والنسائی (فی الکبریٰ) و حدیث ریاح بن الحارث اخرجہ النسائی (فی الکبریٰ) وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن قتادة ان انس بن مالك فحدثهم ان نبى الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم سعد احداً فقتبه ابو بكر وعمر

وعثمان فرجف بهم فضر به نبى الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم برجله وقال أثبت احد نبى وصديق وشهيدان۔  
مضمون حدیث واضح ہے اور یہ واقعہ مدینہ منورہ کے پہاڑ احد کا ہے اور اس سے پہلے سعید بن زید کی جو روایت آئی تھی وہ واقعہ حرار مکہ کا ہے اور وہاں پر یہ گزر چکا کہ اس وقت وہاں ہزار پریرہ کی حضرات موجود تھے جن کے اسیار وہاں مذکور ہیں جیسا کہ سنن کبریٰ کی روایت سے گزر چکا اور احد والے واقعہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روایت میں صرف تین کا ذکر ہے ابو بکر و عمر و عثمان۔  
والحدیث اخرجہ البخاری والترمذی والنسائی، قال المنذری۔

عن جابر رضى الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انه قال لا يدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة۔

یعنی جو حضرات بیعتہ الرضوان میں شریک تھے آپ ان کے بارے میں بشارت دے رہے ہیں کہ یہ سب جنتی اور غیر معذب ہیں، یہ بیعت درخت کے نیچے ہوئی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے (لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة) والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی وقد اخرجہ مسلم من حدیث جابر بن عبد الله عن ام بشر او قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فلعن اللہ اطلع علی اهل بدر فقال اعسوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔

یہ حدیث کتاب الجہاد، باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلماً۔ میں گزر چکی اور اس کی شرح بھی وہاں کی گئی ہے فارغ الیہ لوشئت۔

عن المسور بن مخرمة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زمن الحدیبیۃ، فذکر الحدیب

قال فاتاه عروة بن مسعود فجعل یکلم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فکلمہ کلمہ اخذ بلحیته والمغیر بن شعبه

فانزع علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رمعہ السیف وعلیہ المغیر فضرب یدہ بنعل السیف وقال اخر یدک

عن لحيۃ الحدیث۔



یہ حدیث کتاب الجہاد کے اواخر میں، باب فی صلح العدو میں گزر چکی، اور اس کی شرح بھی، بذل میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ مصنف مغیرہ بن شعبہ سے متعلق یہ حدیث جس میں ان کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاں نثاری اور اسلام میں ان کی قربانی مذکور ہے اس مناسبت سے لائے ہیں کہ اوپر روایت میں مضمون آیا ہے جو سب علی سے متعلق اس سے کوئی شخص متاثر ہو کر ان کے بارے میں سوئے ظن میں مبتلا نہ ہو کہ ان حضرات کے یہ کارنامے ہیں ان کو سامنے رکھنا چاہیے، ہم بعد والوں کو انگلوں پر لب کشائی کا حق نہیں ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتانی جبرئیل علیہ السلام فاخذ

بیدی فارانی باب الجنة الذی تدخل منه امتی الخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت اس میں داخل ہوگی (یہ واقعہ یا تو شب معراج میں پیش آیا یا کسی اور وقت میں) اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش کہ اس وقت میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تاکہ اس دروازہ کو دیکھتا تو آپ نے فرمایا کہ (تم اس کو جلدی دیکھ لو گے اس لئے کہ) تم میری امت میں جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہو۔

عن الاقرع، مؤذن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بعثنی عمر الی الاسقف فدعوتہ فقال لہ عمر هل

تجدد فی فی الکتاب؟ قال نعم، قال کیف تجددی؟ قال اجدد لک قرنا، قال فرفع الیہ الدرۃ فقال قرن منہ؟ فقال قرن حدید

(امین شہید، قال کیف تجدد الذی یجئ بعدی؟ فقال اجددہ خلیفۃ صالحا غیر انہ یؤثر قرابۃ، فقال عمر یرحمہ

اللہ عثمان ثلاثا، فقال کیف تجد الذی بعدہ؟ فقال اجددہ صدأ حدید، قال فوضع عمر یدہ علی رأسہ فقال

یاہ فرج، فقال یا امیر المؤمنین انہ خلیفۃ صالح ولكنہ یتخلف عن یتخلف والمسیف مسلول والدم مہراق،

قال ابو داؤد والد فرانتن۔

**مضمون حدیث** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مؤذن جن کا نام اقرع ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو حضرت عمر نے ایک پادری

(عالم نصاریٰ جس سے مراد یہاں پر کعب احبار ہیں کہ وہ بھی عالم تو راق تھے) کے پاس بھیجا، میں ان کو بلا کر لایا،

حضرت عمر نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا تم میرا ذکر توراہ میں پاتے ہو، انہوں نے جواب دیا ہاں پاتا ہوں، انہوں نے پوچھا کہ تم مجھ کو اس میں

کیا پاتے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کو اس میں قلعہ کی طرح پاتا ہوں، حضرت عمر نے بطور خوش طبعی کے ان پر درہ اٹھایا اور پوچھا

کس چیز کا قلعہ، اس نے کہا لوہے کا بنا ہوا قلعہ، اور یہ کہ وہ بڑے لمبائت دار اور قوی ہوں گے، انہوں نے پھر پوچھا کہ جو خلیفہ میرے

بعد آئے گا اس کو تم کیسا پاتے ہو، انہوں نے کہا کہ میں اس کو ایک اچھا خلیفہ پاتا ہوں مگر ایک بات ہے کہ وہ اپنے دور خلافت میں اپنے

رشتہ داروں کو ترجیح دیں گے، یعنی مناصب اور عہدوں میں، اس پر حضرت عمر بولے اور تین مرتبہ یہ فرمایا اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرما

اسکے بعد انہوں نے یہ سوال کیا کہ اسکے بعد جو آئے گا اس کو کیسا پاتے ہو؟ کہا کہ لوہے کے زنگ کی طرح پاتا ہوں، اس پر حضرت عمر نے اپنا

ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے یہ لفظ فرماتے: یاد فراہ یاد فراہ دفر کے معنی جیسا کہ مصنف نے آگے فرمایا بد بول کے ہیں، گویا آپ نے اس پر اٹھا کر لہت

فرمایا، پھر اس اسقف نے مزید تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اسے امیر المؤمنین وہ بذات خود تو خلیفہ صراح ہوں گے لیکن جس وقت ان کو خلیفہ بنایا جائے گا وہ ایسے ہنگامے اور فتنے کا زمانہ ہوگا کہ تلواریں سستی ہوئی ہوں گی اور لوگوں کے خون بہہ رہے ہوں گے، اسقف کی یہ بات کہ وہ خلیفہ ایسے وقت میں بنائے جائیں گے جبکہ تلواریں چل رہی ہوں گی اور خون بہہ رہے ہوں گے، یہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہے اور قبل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ جس وقت حضرت عثمان غنی اپنے مکان میں محصور تھے اور یلو لوگوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت عبداللہ بن سلام اس وقت حضرت عثمان سے ملاقات کے لئے گئے انہوں نے پوچھا کہ کس لئے آئے ہو تو انہوں نے کہا کہ آپ کی نصرت کے لئے تو انہوں نے فرمایا کہ میری نصرت تو گھر کے اندر سے نہیں ہوگی، گھر سے باہر جاؤ اور جو لوگ مجھ پر چڑھ کر آئے ہیں ان کو ہٹانے کی کوشش کرو، چنانچہ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور باہر آنے کے بعد پہلے تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں کون ہوں اور ان کے بارے میں جو آیات قرآن میں نازل ہوئی ہیں جیسے: وشہد شاہد من بنی اسرائیل علیٰ ہشلہ اور ایسے ہی: قل کفی باللہ شہیداً بینکم ومن عندنا علیہ المکتاب کہ ان آیات میں میرا ہی ذکر ہے اور یہ آیات میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہیں اور پھر اس کے بعد انہوں نے ان کو سمجھانا شروع کیا کہ دیکھو ابھی تک تو قتلوں کے دروازے بند ہیں، اس مدینہ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ملائکہ تمہاری نگہبانی کر رہے ہیں لہذا اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان کو قتل کرنا گویا ملائکہ می نظمن کو اپنے سے ہٹانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تلوار جو اب تک منہ پر ہے اس کو نیام سے باہر کرنا ہے، اور جب وہ ایک ہار نیام سے باہر آجائے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی مگر ان لوگوں نے ان کی یہ ساری نصائح اور تقریریں سن کر یہ کہا افقتلوا الیہودی و اقتلوا عثمان، یہ روایت ترمذی شریف میں دو تین جگہ ہے عبداللہ بن سلام کے مناقب میں اور اسکے علاوہ بھی ایک دو جگہ ہے۔

### باب فی فضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر امتی القرن

الذی بعثت فیہم شر الذین یلونہم شر الذین یلونہم واللہ اعلم اذکر الثالث ام لا۔

امام بخاری اور ترمذی وغیرہ نے مستقل کتاب المناقب قائم کر کے اس کے اندر بہت سے صحابہ کے مناقب فرما دیے انکے الفاظوں میں بیان کئے ہیں، لیکن امام ابو داؤد نے ایسا نہیں کیا بس خلفاء راشدین کے درمیان ترتیب کی روایات بیان کی ہیں جو گذر چکی یا پھر اب مطلق صحابہ کے فضائل بیان کر رہے ہیں، کیونکہ ان کے پیش نظر زیادہ تر ان ابواب سے فرقہ باطلہ روافض وغیرہ کی تردید کرنا ہے، یہ روافض اہل بیت کے علاوہ کہاں صحابہ کو مانتے ہیں، اس باب کی حدیث کا مضمون یہ ہے جو بہت مشہور حدیث ہے، جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ میری امت کا سب سے افضل حصہ وہ ہے جن میں میں بھیجا گیا ہوں اور جو میرے زمانہ میں موجود ہیں، یعنی آپ کے اصحاب، اور پھر جو ان کے بعد متصلاً آئیں گے یعنی تابعین، اور پھر جو ان کے بعد آئیں گے یعنی تبع تابعین، قرن کا اطلاق ایک زمانہ

کے لوگوں پر ہوتا ہے جو کسی خاص وصف میں مشترک ہوں وہ خواہ صنعت و حرفت ہو یا کوئی اور فن، فی القسط لانی صہ والقرن اہل زمان واحد متقارب اشترکوا فی امر من الامور المقصودہ و یطلق علی مدۃ من الزمان، واختلفت فی تحدیدها من عشرۃ اعوام الی مئۃ وعشرین والمراد بہم هنا الصحابہ اہ و فی الجمع ۲۵۱ والقرن اہل کل زمان وهو مقدار التوسط فی اعمار اہل کل زمان، وهو اربعون سنۃ او ثمانون او مئۃ او مطلق من الزمان۔

**قرون ثلاثہ کی تحدید من حیث الزمان اور تحدید میں اختلاف روایات** اس حدیث میں قرون ثلاثہ مذکور ہیں، بذل میں علامہ سندھی سے نقل کیا ہے کہ قرن اول یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرن کی ابتداء آپ کی بعثت سے شروع ہوتی ہے اور وفات کے اعتبار سے جو سب سے آخری صحابی ہیں وہ اس کی انتہا ہے جس کی

مدت انہوں نے ایک سو بیس سال لکھی ہے، اور قرن تابعین کی ابتداء وہ لکھتے ہیں (تقریباً) سنہ سے ایک سو ستر سنہ تک ہے اور پھر اس کے بعد سے سنہ تک اتباع التابعین کا قرن ہے، اور پھر اس زمانہ میں لکھتے ہیں کہ بدعتیں خوب کھل کر ظاہر ہو گئی تھیں اور اہل علم مسئلہ خلق قرآن کی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور احوال میں تغیر ہوتا ہی چلا گیا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا شریفشو الکذب، اس حدیث کے آخر میں ہے: واللہ اعلم اذکر الثالث ام لا، یہ عمر ان بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

حدیث بخاری مؤسّم دونوں میں ہے، صحیح بخاری میں اس طرح ہے: خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، قال عمران فلا ادری اذکر بعد قرنہ قرنین او ثلاثا، عمران بن حصین کی مذکورہ بالا حدیث میں ابو داؤد اور بخاری دونوں کی روایت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرن کے بعد دو قرن اور مذکور ہیں (چنانچہ ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم دوبار ہے) لہذا یہ دو تو متیقن ہیں ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قرن اور دو اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے یہ کل تین ہوئے، اب اس کے بعد راوی کہہ رہا ہے، فلا ادری اذکر الثالث ام لا، یعنی ثم الذین یلونہم دوبار فرمانے کے بعد تیسری مرتبہ بھی فرمایا یا نہیں، اس میں راوی کو شک ہو رہا ہے، اگر اس کو بھی مان لیا جائے تو وہ قرن رابع ہوگا مجموع کے اعتبار سے، اس اختلاف کے اعتبار سے اس حدیث کا تجزیہ حافظ ابن قیم نے بہت اچھی طرح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عمران بن حصین عبد اللہ بن مسعود الوہبیرہ، عائشہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان پانچ صحابہ سے مروی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان میں سے عمران کی حدیث تو متفق علیہ ہے یعنی بخاری مؤسّم دونوں میں ہے اور اس کی اکثر روایات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرن کے بعد دو قرن مذکور ہیں اور اس کے بعض طرق میں صحیح میں، ثم الذین یلونہم، تین مرتبہ ہے، بظاہر یہ غیر محفوظ ہے لہذا کہ عمران بن حصین سے سوال کیا گیا تھا اللہ کے بارے میں

سے بظاہر ان کی مروی صحیح سے صحیح مسلم ہے کہ اس کی ایک روایت میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ثم الذین یلونہم تین مرتبہ ہے لیکن اس کے بعد پھر یہ جملہ بھی ہے: قال عمران فلا ادری اذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعد قرنہ مرتین او ثلاثا، اس جملہ کے بعد یہ روایت لوٹ کر پھر ان ہی روایات کی طرف آجاتی ہے جن میں صرف دو مرتبہ مذکور ہے، لہذا ہمارے خیال میں اس استدلال کی حاجت نہ تھی جو انہوں نے کیا۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دوبار فرمایا یا تین، اسکے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مجھ صحیحین میں مذکور ہے ولفظ: خیر امتی القرون الذی یلونی

شعر الذین یلوہم شعر الذین یلوہم، اور ایک روایت میں ان کی اس طرح ہے: سئل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ای الناس خیر قال قرنی، ثم الذین یلوہم ثم الذین یلوہم، وہ فرماتے ہیں اس عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں آپ کے بعد بلا اختلاف دو قرن مذکور ہیں لیکن صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث کے لفظ یہ ہیں: خیر امتی الذین بعثت فیہم شعر الذین یلوہم، واللہ اعلم اذکر الثالث

ام لا، وہ فرماتے ہیں اس حدیث ابو ہریرہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرن کے بعد صرف ایک ہی قرن مذکور ہے اور تیسرے میں راوی نے اظہار شک کیا، لیکن دوسرے حضرات عبد اللہ بن مسعود، عمران، عائشہ نے اس کو محفوظ رکھا اور شک نہیں کیا (یعنی آپ کے بعد دو قرن تو محفوظ اور متیقن ہیں) اس کے بعد حدیث عائشہ کے لفظ لکھے ہیں صحیح مسلم سے ای الناس خیر قال العترة الذی انا فیہ شعر الثالثی شعر الثالث، اور اسکے بعد نعمان بن بشیر کی حدیث صحیح ابن حبان سے نقل کی جس میں ثم الذین یلوہم دو مرتبہ ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ جملہ احادیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قرن کے بعد دو قرن پر متفق ہیں الا حدیث ابی ہریرہ فان شک فیہ، اسکے بعد فرماتے ہیں: واما ذکر القرن الرابع فلم ینکر الاتی روایۃ فی حدیث عمران لکن فی الصحیحین ذکرنا الصحیح، فی الصحیح، لہ شاهد من حدیث ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی غیر وقت من الناس فیقال ہم هل فیکم من رآی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فیقولون نعم فیفتح ہم الخ یہ حدیث صحیح بخاری میں، باب فی فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں مذکور ہے اس کو ہم نے دیکھ لیا، لیکن بخاری کی روایت سے تو استشہاد ہو نہیں سکتا جیسا کہ ابن قیم فرما رہے ہیں اس لئے کہ اس سے بھی آپ کے بعد دو قرن کا ثبوت ہوتا ہے گذشتہ احادیث کی طرح البتہ صحیح مسلم کی ایک طریق میں آپ کے بعد تین جماعتوں کا ذکر ہے جتنا چاہے اس کے اخیر میں ہے: ثم یكون البعث الرابع فیقال نظرنا اصل تروان فہم احدی رآی من رآی احدی رآی اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوجد الرجل فیفتح ہم، تو حافظ ابن قیم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث سے بجائے قرون ثلاثہ کے قرون اربعہ کی خیریت اور برکت مستفاد ہوتی ہے لہذا جس حدیث میں دو حدیث عمران عند مسلم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بجائے دو کے تین قرن مذکور ہیں اگرچہ وہ صرف ایک حدیث کا ایک طریق ہی ہے لیکن مسلم کی یہ حدیث اس کے لئے شاید بن کر اس کی تقویت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، اور علامہ عینی <sup>۲۳۸</sup> نے خیر القرون قرنی والی حدیث کو صحیحین وغیرہ سے ذکر کرنے کے بعد قرن رابع کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے، ووقع فی حدیث جعدہ بن ہبیرہ، ورواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی اثبات القرن الرابع، ولفظ: خیر الناس قرنی ثم الذین یلوہم، ثم الذین یلوہم، ثم الآخرون اردی، ورجالہ ثقات الا ان جعدہ بن ہبیرہ مختلف فی صحیحہ، یہ جعدہ بن ہبیرہ کی روایت قرن رابع کے ثبوت میں حافظ ابن قیم نے بھی بحوالہ مذکورہ ذکر کی ہے، بظاہر ابن قیم کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی اسی لئے انہوں نے بجائے اسکے ایک دوسری حدیث سے استشہاد کیا ہے۔

لہ اس پر اشکال ہم گذشتہ حاشیہ میں کر چکے ہیں۔

یہاں پر ابھی دو باتیں اور تشریح طلب باقی ہیں، اول: یہ کہ ان قرون ثلاثہ کی ابتداء و انتہاء اور اس میں علماء کی رائے، اس میں جمہور کی رائے تو شروع میں علامہ سندری کے کلام سے گزر گئی اسکے علاوہ اس کے بارے میں حاشیہ بذل میں ہے: وجزم صاحب ازالة الخفاہ ۱۵۴ و ۲۴۴ ان القرن الاول من الهجرة الى وفاة صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، والقرن الثاني من مطلع فداقة الصديق الى مقتل عمر، والثالث زمن خلافة عثمان، فكل قرن قريب من ثنتي عشرة سنة. اھ قرن کی تفسیر میں شروع میں کافی اختلاف و تفصیل مذکور ہے جس کو امام نووی نے بھی شرح مسلم میں لکھا ہے، اور پھر اخیر میں سنین کے اعتبار سے اس کی مقدار میں اختلاف لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: ذکر الحرجی الاختلاف فی قدره بالسین من عشر سنين الى مئة وعشرين ثم قال: وليس منه شيء واضح، ورآی ان القرن كل امة صك فلم يمت منها احد وقال الحسن وغيره القرن عشر سنين، وقتادة سبعون، والخنسار بعون، وزرارة بن ابی اوفی مئة وعشرون، وعبد الملك بن عمير مئة، وقال ابن الاعرابي هو الوقت - هذا آخر النقل القاضی، والصحیح ان قرنه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الصحابة والثاني التابعون والثالث تابعوهم اھ۔

ثانی: یہ کہ جن روایات سے قرن رابع کا ثبوت ہو رہا ہے اس کا مصداق کیا ہے؟ اسکے بارے میں حاشیہ بذل میں ہے: وجعل فی الاشاعة لا شرط الساعة، القرن الرابع زمان المهدی اھ چونکہ انہوں نے قرن رابع ہمدی کا زمانہ قرار دیا جو کہ ظاہر ہے کہ قرون ثلاثہ ماضیہ سے منفصل اور غیر مسلسل ہے اسلئے وہ لکھتے ہیں: وورد فی روایة: ثلاثہ تتری وواحد فرادی، فیکون قرنه الرابع المقرد الملحق بالثلاثہ تتری، یعنی ان قرون اربعہ میں شروع کے تین قرون تو مسلسل اور متواتر ہیں اور قرن رابع منفرد، لیکن جعدہ بن صبیہ والی حدیث اور مسلم کی حدیث فیغزو وتمام والی روایت، ان دونوں کا تقاضا ہے کہ قرون اربعہ علی التوالی ہیں۔

۱ گے اس حدیث میں یہ ہے: ثم یظهر قوم یشہدون ولا یشہدون ویبذرون ولا یوفون، ویخونون ولا یؤتمنون

ویفتون فیہم السمن۔

**شرح حدیث** یعنی قرون ثلاثہ کے بعد جس کے بارے میں اوپر ایک قول گذر چکا کہ اس کی انتہاء تقریباً ۲۲۲ھ تک ہے ایسے لوگ ظاہر اور پیدا ہوں گے جن کا حال یہ ہوگا کہ از خود لوگوں کے معاملات میں گواہی دیں گے اگرچہ ان سے گواہی طلب نہ کی جائے اور نذیرس مانیں گے اور ان کو پورا نہیں کریں گے اور طرح طرح کی خیانتیں کریں گے، اور اعتماد کے قابل نہ ہوں گے اور موٹاپا ان میں پھیل جائے گا اس آخری جملہ کی تفسیر میں امام نووی نے تین قول لکھے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد کثرت لحم ہے جو بکثرت لوگوں میں پایا جائے گا یعنی جائز ناجائز مال کھا کر فریب بدن ہو جائیں گے، اور ایک قول یہ کہ اس سے مراد فخر و تکبر ہے اور بڑائی کے دعوے، یہاں عرف میں فخر و تکبر کو پھولنے سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد دنیا کا مال و متاع جمع کرنا ہے شہادت قبل الاستشہاد کی اس حدیث میں مذمت کی جا رہی ہے حالانکہ اس کی ایک دوسری حدیث میں مدح بھی وارد ہے اس تعارض کی توجیہ ابواب الشہادات میں گذر چکی۔

والحدیث اخرجہ مسلم والترمذی، وقد اخرجہ البخاری ومسلم والنسائی من حدیث زهد بن مضر بن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قالہ الترمذی۔



## باب فی الزہمی عن سب صحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتاب الحدود کے شروع میں، باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، گزر چکا۔

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا تسبوا صحابی فوالذی نفسی

بیدی لو اتفق احدکم مثل احد ذہبا ما یبلغ مدۃ احدہم ولا نصیفہ۔

اس حدیث میں خطاب بعد میں آنے والے لوگوں کو ہے کہ میرے اصحاب کو برا نہ کہو ان میں عیب نہ نکالو، اور پھر آپ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے یعنی غیر صحابی کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے بقدر ایک مد بلکہ نصف مد سونا خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث ترک سب صحابہ پر تو دال ہے ہی لیکن اسکے ساتھ صحابہ کرام کی غایت درجہ فضیلت اور شرف پر بھی دال ہے، اور اس حدیث میں کسی مخصوص صحابی کا ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق صحابی کا یہ مرتبہ بیان کیا گیا ہے، جو کتاب میں احوال صحابہ اور معرفت صحابہ میں لکھی گئی ہیں جیسے «الاصحاب» حافظ ابن حجر کی اور «الاستیعاب» علامہ ابن عبد البر المالکی کی وغیرہ وغیرہ ان حضرات نے فضائل صحابہ میں بہت سی احادیث ان کتابوں کے شروع میں ذکر کی ہیں نوع بنوع، جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھنے، ان حضرات نے یہ دو حدیثیں بھی ذکر کی ہیں جو یہاں پہلے باب میں اور اس دوسرے باب میں مذکور ہیں، حافظ نے «الاصحاب» میں مستقل ایک فصل صحابی کی تعریف میں، اور ایک فصل صحابی ہونے کی علامت اور شناخت میں اور ایک فصل مستقل عدالت صحابہ کے بیان میں مستعمل کی ہیں، اس فصل ثالث کے شروع میں یہ لکھتے ہیں اتفق اهل السنة علی ان الجميع عدول، ولم یخالف فی ذلك الا شذوذ من المبتدعة، وقد ذکر الخطیب فی «الکفایۃ» فصلاً فی سفائی ذلك فقال: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعدیل اللہ تعالیٰ لہم واخبارہ عن ظہارہم وافتیاریہ لہم، فمن ذلك قوله تعالیٰ: «کنتم خیر امۃ اخرجت للناس» اور پھر اس کے بعد انہوں نے متعدد آیات و احادیث اس سلسلہ کی ذکر کی، اس کے بعد پھر خود حافظ نے

لہ حضرت شیخ کے حاشیہ ہزل میں ہے: اهل یفر من سب الصحابة؛ مختلفاً فیہ جدا کما بسطی لکتوب عزیز الرحمن الکنز گوئی اللہ تعالیٰ فی المکتوبات العلمیۃ، ورجع ابن عبدین ص ۳۲۱ عدم التکفیر ولا بن مابین رسالہ مستقلة فی ذلك فی رسالہ، اس کے بعد حاشیہ میں یہ ہے کہ کیا مشاجرات صحابہ میں بحث کرنا اور اور اس کا ذکر تذکرہ کرنا کیا بھی سب صحابہ میں شمار ہوگا، اور پھر صحابہ کے مشاجرات کے بارے میں لکھا ہے والجملة فیہ کما بسط صاحب الاشارة ص ۱۰۱ انہم مجتہدون فی ذلك لکن علیا مصیب فلذہ الحزان وغیرہ (مخطی) فلذہ اجزا الماطیۃ والزیر وعارضة فجتہدون قطعاً ولم یطعموا فی الخلافۃ، واما معاریۃ فمع طبعہ فی الخلافۃ لا یذکر الا بخیر لانه صحابی وصبر لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واخبرہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ یرتوی ودعاه اللہ لاجلہ صاویہا، فلما جازتہ الی الاعتذار عن الخوارج فانہم لعنہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اھ وکذا قال حافظ ص ۱۰۱ انہم مجتہدون مخطون، وقال المتفازانی (فی شرح العقائد) ما وقع بینہم من المحاربات لم یکن عن نزاع فی الخلافۃ بل عن خطائی الاجتهاد، وکذا فی مکتوبات المجدد دفتر اول البحر الرابع وبسط الکلام علیہ فی ذلك اھ



والاحادیث الواردة فی تفصیل الصحابة کثیرة۔ عنوان کے تحت بہت سی روایات ذکر کیں، اور امام نووی کی تقریب میں ہے: الصحابة کلہم عدول من لابس الفتن وغیرہم باجماع من یعد بہ۔ یعنی صحابہ سب کے سب عادل ہیں ان میں سے جو لوگوں میں شریک ہوئے وہ بھی اور جو نہیں ہوتے وہ بھی، ان علماء کے اجماع سے جن کا قول اجماع میں معتبر ہے، اور علامہ سیوطی نے اس کی شرح، تقریب میں اس بارے میں جو دوسرے اقوال ہیں ان کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن جمہور کا قول وہی ہے جس کو متن میں امام نووی نے ذکر کیا، اور حاشیہ تقریب میں عدالت کا مفہوم اور اس کا مفہود بھی اور اس میں علماء کی آراء لکھی ہیں تو سبق میں ہمیشہ ایک بات کہا کرتا ہوں کہ حضرات محدثین نے فن اسماء رجال میں جو کتابیں لکھی ہیں اور روانہ کے اقوال کی چھان بین اور تحقیق کی ہے تو جس صاحب کا بھی ترجمہ اور حالات لکھتے ہیں وہ خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ صوفی یا ولی کامل ہو اس کی ثقاہت اور عدالت پر ضرور رائے قائم کرتے ہیں اور اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اس میں ان کے یہاں کسی کا استثناء نہیں، لیکن کسی صحابی کے ترجمہ میں اس کی عدالت سے بالکل سکوت کرتے ہیں اور حوثقہ لکھنے کی وہ ہمت بھی نہیں کرتے۔ والحدیث اخرجہ البخاری والترمدی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المندری۔

عن عمرو بن ابی قرۃ قال کان حدیفة بالمدائن فکان یذکر اشیاء قالہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لا فاس من اصحابہ فی الغضب فیمنطلق ناس من سماع ذلک من حدیفة فیا تون سلمان ویذکرون له قول حدیفة فیقول سلمان حدیفة اعلہ بما یقول الخ۔

**مضمون حدیث** عمرو بن ابی قرہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حدیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی شہر مدائن میں رہتے تھے تو وہ لوگوں کے سامنے ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے تھے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کے بارے میں غصہ کی حالت میں فرمائی تھیں، تو بعض لوگ جو ان سے اس طرح کی باتیں سنتے تھے وہ ان کا ذکر حضرت سلمان فارسی سے جا کر کرتے تھے تو حضرت سلمان سن کر یہ فرمادیتے تھے کہ جو بات حدیفة نقل کر رہے ہیں اس کو وہی زیادہ جانیں گویا اپنی طرف سے اس کی تائید یا تصدیق نہ کرتے تھے جس سے لوگوں کو شک شبہ ہوتا تھا اس لئے وہ جا کر اس کا تذکرہ حضرت حدیفة سے کرتے کہ ہم نے جو آپ سے فلاں بات سنی تھی وہ جب ہم نے حضرت سلمان کو سنائی تو انہوں نے سکوت فرمایا، نہ تصدیق کی نہ تکذیب کی، اس پر حضرت حدیفة حضرت سلمان کے پاس گئے جو اپنے کھیت پر تھے اور جا کر ان سے یہ کہا کہ آپ میری بیان کردہ حدیث کی تصدیق کیوں نہیں کرتے جو کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، اس پر حضرت سلمان نے فرمایا کہ اے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بشرتے کبھی آپ کو کسی پر غصہ بھی آتا تھا اور غصہ میں اس شخص سے آپ کچھ فرمادیتے تھے اس وقت کے مناسب، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی بعض باتوں پر خوش بھی ہوتے تھے اور اس خوشی کی حالت میں کوئی بات ارشاد فرماتے تھے، یعنی لوگوں کے اپنے نئی معاملات میں آپ موقع کے مناسب ناراضگی یا خوشی میں کوئی بات فرماتے تو اس قسم کی ساری باتیں نقل کرنے کے لئے نہیں ہوتیں، لہذا تم اس طرح کی روایات لوگوں کے سامنے بیان نہ کیا کرو جن کو سن کر لوگوں کے قلوب میں بعض کی محبت اور بعض سے بغض پیدا ہو اور آپس میں اختلافات رونما ہوں، اور تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنی ایک تقریر میں جو لوگوں کے سامنے کی تھی سب کے

سنا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ میں نے اپنی امت میں سے اگر کسی شخص پر ناراض ہو کر اس کو سخت سست کہہ دیا ہو یا اس کے حق میں بددعا کر دی ہو غصہ کی حالت میں تو اے اللہ میں بھی آدم کی اولاد میں سے ہوں، جس طرح آدمیوں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی آجاتا ہے، اور اے اللہ جب تو نے مجھ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے تو میری اس بددعا کو ان لوگوں کے بارے میں نیک دعا اور رحمت بنا دینا قیامت کے روز، اور پھر آخر میں حضرت سلمان نے ان سے یہ فرمایا اللہ یا تو تم اپنی اس عادت سے باز آ جاؤ ورنہ تمہاری شکایت حضرت عمر کو لکھوں گا۔

مصنف کا ترجمہ تھا، النبی عن سب الصحابة کہ صحابہ کو برا نہ کہا جائے، حضرت سلمان کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی صحابہ سے غصہ کی حالت میں کوئی سخت بات فرمادی ہو تو اس کو بھی بلا ضرورت اور مصلحت نقل نہیں کرنا چاہیے۔  
 هذا الفصل الاخير قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قائما مؤمنا سبياً، قد اخرج البخاري ومسلم في صحيحهما من حديث سعيد بن المسيب عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال للتذري۔

## باب في استخلاف ابي بكر رضي الله تعالى عنه

عن عبد الله بن زمعة رضي الله تعالى عنه قال لما استخبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وانا عنده في نفر من المسلمين دعانا ليلال الى الصلاة فقال مروا من يصلي للناس فخرج عبد الله بن زمعة فاذا عمر في الناس وكان ابو بكر غائبا، فقلت يا عمر! قم فصل بالناس تقدم فكبر فلما سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم صوتة وكان عمر رجلا مجهرا، قال فابن ابو بكر، يا ابي الله ذلك والمسلمون، يا ابي الله ذلك والمسلمون، فبعث الى ابي بكر فجاء بعد ان صلى عمر تلك الصلاة فصل بالناس۔

**غرض لمصنف بالترجمة** ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مصنف کی اصل غرض ان ابواب سے کتاب شرح السنہ میں محض مناقب صحابہ کو بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ ان مسائل میں اہل سنت و جماعت کی راستے کی اور مسلک کی تائید مقصود ہے اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا مسئلہ ہے کہ آپ کے بعد خلیفہ اول صدیق اکبر ہی ہیں، اور پھر اس کے بعد عمر جن کی تعیین خود صدیق اکبر نے فرمائی تھی، بخلاف روافض کے کہ وہ خلافت کا سلسلہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت میں مانتے ہیں، اور خلیفہ اول علی حیدر کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں علی وصی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یہ مذکورہ بالا غرض مصنف کے لئے اس توہین کا منشا اور باعث بنی۔

**مضمون حدیث** عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض نے شدت اختیار کی اس وقت چند لوگوں کے ساتھ میں بھی آپ کے پاس تھا، معمول کے مطابق حضرت بلال نے آپ کو نماز کی اطلاع کی، تو آپ نے فرمایا کہ کسی اور شخص سے کہو کہ وہ نماز پڑھائے، عبد اللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ یہ سنکر میں باہر نکلا تو لوگوں میں حضرت عمر

تشریف فرما تھے۔ صدیق اکبر اس وقت وہاں نہ تھے میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ چلیے آپ ہی نماز پڑھا دیجئے وہ آگے بڑھ گئے اور تکبیر کہی، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سنی اور عمرؓ تھے ہی بلنداً واز، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کہاں ہیں اس بات کو نہ اللہ پستہ کرے گا نہ مسلمان یعنی صدیق اکبر کے علاوہ کسی اور کی لامت، یہ جملہ آپ نے دوبار فرمایا، چنانچہ صدیق اکبر کو آدمی بھیج کر بلا لایا گیا، کچھ ہی دیر بعد وہ تشریف لے آئے جبکہ عمر نماز پڑھا رہے تھے یا پڑھا چکے تھے، دونوں ہی احتمال ہیں، پس انہوں نے اگر نماز پوری کرائی، وہذا علی الاحتمال الاول، یا یہ کہ اسکے بعد نمازیں صدیق اکبر نے پڑھائیں، وہذا علی الاحتمال الثانی، والی الاحتمال الاول، صاحب البذل والی الثانی والد شیخنا مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ

## باب ما يدل على ترك الكلام في الفتنة

اس باب کو اس مقام سے کیا مناسبت ہے، ہماری سمجھ میں یہ آیا ہے کہ ابھی جو باب گذرا ہے استخلاف ابی بکر کا یہ باب اس کے پیش نظر ہے اسلئے کہ استخلاف مظنہ فتنہ و اختلافات ہوتا ہے، فللمذہب والاصناف رحمہ اللہ تعالیٰ۔

عن الحسن عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یصلح للاحسن بن علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ابی ہذا سید وانی ارجوان یصلح اللہ بہ بین فتنین من امتی۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لڑائے سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا متحمل مزاج ہے اور میں امید رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ اسکے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا، بذل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی چنانچہ وہ اپنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کا ذریعہ بنے اور اپنی خلافت کو اس مصلحت کی خاطر چھوڑ دیا، یہ حدیث مشکوٰۃ تشریف میں بھی ہے بروایت بخاری جس میں ہے عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی الی جنبہ وهو یقبل علی الناس مرۃ وعلیہ اخری ویقول انظر مظاہر حق میں ہے آنحضرت متوجہ ہوتے تھے لوگوں پر ایک بار اور حسن بن علی پر دوسری بار یعنی کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے تھے واسطے وعظ و نصیحت کے اور کبھی حسن کی طرف ازراہ شفقت و محبت کے اور کہتے تھے آنحضرت تحقیق یہ بیٹا میرا سید ہے۔

فائدہ: سید وہ کہ فائق ہو نیکی میں اور بعضوں نے کہا سید وہ کہ غالب نہ آوے اس پر غضب اس کا یعنی حلیم ہو اور اطلاق سید کا بہت معنوں پر آیا ہے مرنی اور مالک اور شریف اور فاضل اور کریم و حلیم اور متحمل قوم کی ایذا پر اور رئیس اور مقدم، اور امید ہے کہ خدا صلح کروادے بسبب اسکے درمیان دو جماعتوں بڑی کے مسلمانوں سے۔ فائدہ کا: یہ خبر دی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تفرق مسلمانوں کے سے دو فرقوں پر کہ ایک فرقہ حسن کے ساتھ ہوگا اور ایک فرقہ معاویہ کے ساتھ اور امام حسن اس دن حق تھے ساتھ خلافت اسلئے کہ چھ مہینے باقی رہے تھے تیس برس میں سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ساتھ قول اپنے کے

الخلافۃ بعدی ثلاثون ستمہ، لیس باعث ہوا امام حسن کو ورع ان کا اور شفقت ان کی اور امت جہان کے کے اس پر کہ ترک ملک اور دنیا کا کیا اور رغبت ملک اس جہان میں کی اور نہیں تھا یا امر بسبب قلت اور ذلت کے اس لئے کہ بیعت کی تھی ان سے موت پر چالیس ہزار آدمیوں نے اور آیا ہے کہ کہا امام حسن نے واللہ نہیں چاہتا میں کہ ایک قطرہ خون کا امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گرایا جاوے اور دشوار ہو یا یہ امر بعد ان کے ہوا خواہوں پر یہاں تک کہ باعث ہوئی ان کو حمایت اس پر کہ کہا وقت داخل ہونے کے ان کے پاس السلام علیک یا عار المؤمنین، پس کہا حضرت حسن نے العار خیر من النار اور اس حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ دونوں فرقے ملت اسلام پر تھے باوجود اسکے کہ ایک فرقہ مصیب تھا اور دوسرا مخطی اور اہل سنت و جماعت کے لئے صلح امام حسن کی دلیل ہے اور حقیقت امارت معاویہ کے اور اختیار کیا ہے سلف نے ترک کرنا کلام کا بیچ فتنے پہلے کے یعنی مشاجرات صحابہ میں اور کہہ ہے کہ ان خونوں سے اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا ہمارے ہاتھوں کو پس کیوں ملوث کریں ہم ساتھ اسکے اپنی زبانوں کے، اور حضرت امام حسن کے شرف و فضل میں کفایت کرتا ہے فرمانا آنحضرت کا ان کو سید الی آخر ما ذکر تمہ مظاہر حق ص ۱۳۸

والحدیث اخرہ الترمذی من حدیث الاشعث، واخرہ البخاری والنسائی من حدیث ابی موسیٰ اسرئیل بن موسیٰ عن الحسن قالہ المنذری

عن محمد قال قال حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ما احد من الناس تدركه الفتنة الا انا لما فاقها عليه الامام محمد

بن مسلمة، فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: لا تضرک الفتنة۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ نے یہ بات فرمائی، جن کو فتن کی روایات خوب یاد تھیں کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو فتنہ کا زمانہ پائے اور مجھے اس کے بارے میں خطرہ نہ ہو اس فتنہ سے متاثر ہونے کا، سوائے محمد بن مسلمہ کے، کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ بالکل نہیں ہے، کیونکہ ان کے بارے میں، میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا یہ فرماتے ہوئے کہ تجھ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

یہ محمد بن مسلمہ وہی صحابی ہیں جن کا ذکر کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کے قصہ میں گذر چکا، اسی موقعہ پر آپ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا تھا، چونکہ انہوں نے مسلمانوں کو کعب بن الاشرف کی اذیتوں اور فتنوں سے اس کو قتل کر کے بچایا تھا تو اس کے صلہ میں ان کو یہ بشارت ملی تھی، مگر اسکے باوجود وہ فتنوں سے بچنے کی بہت کوشش کرتے تھے جیسا کہ گلی روایت میں آرہا ہے۔

عن ثعلبۃ بن ضبیعة قال دخلنا علی حذیفۃ فقال انی لا عرف رجلا لا تضره الفتن شیئا الا

ثعلبۃ بن ضبیعة فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کے پاس گئے تو انہوں نے وہی اوپر والی بات فرمائی کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا (اس پر غالباً ثعلبہ نے حضرت حذیفہ سے یہ درخواست کی ہوگی کہ ایسے شخص کی زیارت ہمیں بھی کرادیجئے چنانچہ وہ آگے فرماتے ہیں کہ ہم نکلے ان کو دیکھنے کے لئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک خیمہ قائم تھا جب ہم اس میں داخل ہوئے تو اس میں محمد بن مسلمہ موجود تھے، ہم نے ان سے اس تہنائی اختیار کرنے کا متنا معلوم کیا (اس وقت کوئی فتنہ کھڑا ہوگا) تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ فتنہ زائل نہ ہو میں نہیں چاہتا کہ میرا وجود ان شہروں کے اندر ہو۔

بذل میں ان کا مختصر سماں لکھا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ یہ جنگ جبل اور صفین میں شریک نہیں ہوئے پہلے مدینہ میں قیام رہا، پھر اس کے بعد مقام ربذہ میں جا کر سکونت اختیار کر لی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصبہ کے بعد انتقال ان کا مدینہ ہی میں ہوا صفر ۳۲ھ میں۔

عن قیس بن عباد قال قلت لعلي رضي الله تعالى عنه اخبرنا عن مسيرك هذا، أجهدَّ عهدًا إليك رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أم رأي رأيتَه الخ

قیس بن عباد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ جو مدینہ کی سکونت ترک کر کے آپ عراق تشریف لیا ہے میں کیا اس بار سے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ہدایت یا وصیت تھی یا اپنی رائے سے آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میں اپنی رائے سے جا رہا ہوں، حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ اس روایت کو صاحب کنز العمال ۳۳۱ نے وقعہ الجبل کے ذیل میں لکھا ہے اس کا سیاق و سباق وہاں دیکھ لیا جائے۔

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: تمزق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها أولى الطائفتين بالحق۔

یعنی مسلمانوں کے ایک انفرقان اور اختلاف کے موقع پر ایک جماعت کٹ کر الگ ہو جائیگی اور اس وقت فریقین میں سے جو حق کے زیادہ قریب ہو گا وہی اس جماعت کو قتل کرے گا، اس جماعت کا مصداق خوارج ہیں جو اصحاب علی و اصحاب معاویہ کے اختلاف کے وقت علیحدہ ہو گئے تھے حضرت علی کی جماعت سے، قصبہ تحکیم کی بنا پر اور حضرت علی اور ان کی جماعت نے ان سے قتال کیا تھا لہذا وہی اقرب الی الحق ہوئے۔

## باب فی التخییر بین الانبیاء علیہم السلام

اہل السنۃ و الجماعت کے مسلک میں اعتدال ہے، افراط و تفریط سے محفوظ ہے اور تخییر بین الانبیاء میں چونکہ ایک کے حق میں افراط اور دوسرے کے حق میں تفریط کا احتمال ہے، اسی لئے اس کی ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اسی مناسبت سے مصنف نے یہ باب بظاہر یہاں قائم کیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا تخیروا بین الانبیاء کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک کی دوسرے پر فضیلت نہ بیان کرو۔ اس لئے کہ اس میں بسا اوقات شائبہ پیدا ہو جاتا ہے کسی ایک جانب میں سوادب اور تنقیص کا۔ والی حدیث الخرجہ البخاری و مسلم آئمہ، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل من اليهود والذي اصطفى موسى نرفع المسلم يده فلطم وجه اليهودي، فذهب اليهودي الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فاخبره فقال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

لا تخيروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا موسى باطش في جانب العرش فلا ادري اكان  
من صعق فافاق قبلي ام كان ممن استثنى الله تعالى۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے۔ مدینہ منورہ کا کہ کسی یہودی نے کسی بات پر یہ کہہ دیا  
۔ والذی اصطفى موسى، قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور فوقیت عطا فرمائی، یعنی مطلقاً تمام جہان والوں  
پر تو اس بات کو کسی مسلمان نے سن لیا، اس نے فوراً اس یہودی کے چہرے پر طمانچہ مارا کہ ہمارے نبی کے ہوتے ہوئے ایسی بات کہتا ہے۔  
وہ یہودی شکایت لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو فوقیت اور فضیلت مت دو، موسیٰ  
پر اسلئے کہ قیامت کے روز جب صعق کی وجہ سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے افاقہ مجھ کو ہوگا تو اچانک دیکھوں گا  
میں موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہونگے، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بھی اس صعق سے متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے اور  
مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہو گیا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا اور وہ بیہوش ہی نہیں ہوں گے۔  
یہ اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ "ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ۔"

**حدیث میں صعق سے کونسا صعق مراد ہے** | یہ صعق جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کونسا صعق اور نفخہ ہے؟ اس کے  
بارے میں حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ دو صعقے تو قیامت کے وقت  
ہوں گے پہلے صعق سے سارے لوگ فنا ہو جائیں گے بلکہ تمام اشیا، اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا اس سے سب زندہ ہو جائیں گے  
اور میدان حشر قائم ہو جائے گا، پھر اسکے بعد حساب کتاب کے لئے جب حق تعالیٰ تجلی فرمائیں اس وقت سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے  
الامن شاد اللہ یہ استثناء اسی نفخہ ثالثہ کے بارے میں ہے، اور یہ نفخہ اسلئے ہوگا کہ تاکہ لوگ بیہوش ہو جائیں۔ اور باری تعالیٰ  
کی تجلی کا مشاہدہ نہ کر سکیں، کیونکہ لوگوں میں اس تجلی کے مشاہدہ کا تحمل اور طاقت نہ ہوگی، اس کے بعد ایک چوتھا نفخہ ہوگا تجلی  
کے بعد جس سے سب ہوش میں آکر کھڑے ہو جائیں گے، کذانی حاشیۃ اللامع ص ۱۷۷ عن الکوکب الدری، نفحات کی تعداد اور ان کی  
کسی قدر تشریح۔ الدر المنصور۔ جلد ثانی، ابواب الجمعہ میں گذر گئی۔

اس حدیث کی شرح میں بڈل میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں  
یہ فضیلت جزئی ہے، اور کلی فضیلت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے، اور حضرت گنگوہی کی تقریر سے بڈل میں  
یہ نقل کیا ہے کہ چونکہ اس یہودی کے کلام میں جس نے "والذی اصطفى موسى" کہا تھا تاویل کی گنجائش تھی کہ اس کو فضل جزئی پر  
محمول کیا جائے نہ کہ فضل کلی پر، تو اسی تاویل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے کلام میں تشبیہ فرمائی کہ کلام عاقل کی جہاں تک  
ممکن ہو تاویل کرنی چاہیے اور جلدی جھگڑنا نہیں چاہیے۔ والحدیث اخراج البخاری وسلم والنسائی، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اناسید ولد آدم، واول من

تنتشق عن الارض واول شافع واول مشفع۔



مصنف اس حدیث کو تخریر کے باب میں لائے جس سے آپ نے منع فرمایا ہے غالباً اس سے مصنف نے اشارہ کیا کہ منع کا تعلق امت سے ہے کہ ان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ انبیاء کے درمیان اپنے طور سے فرق مراتب بیان کریں، کیونکہ اس میں افراط اور تفریط کا احتمال ہے، بخلاف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کا مقصود بیان واقع ہے جو آپ کا فرض منصبی ہے اور اس میں غلطی اور چوک کا احتمال نہیں ہے، اور جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی نبی کو اپنے اوپر بظاہر فوقیت دی ہے اس کے بارے میں یا تو یہ کہا جائیگا کہ آپ نے تواضعاً ایسا کیا، یا قبل العلم آپ نے وہ بات فرمائی، یعنی جب تک آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ فوق الكل ہیں یا فضیلت جزئی پر محمول کیا جائے گا یا کسی اور مصلحت پر جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما ینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس بن متی۔ اس کی ایک توجیہ بذل میں یہ لکھی ہے یعنی مطلق مرتبہ نبوت کے اعتبار سے، اور اس میں تخصیص حضرت یونس کی بظاہر اس لئے ہے کہ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں قرآن پاک میں اس طرح ہے: ولا تکن کصاحب النحت اذ نادى وهو مکظوم، تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ کوئی شخص ان کو کم مرتبہ سمجھنے لگے اس لئے آپ نے خاص ان کا ذکر فرمایا، اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے: وقال مولانا الرودی فیہ ما فیہ، بان لا تفضلونی بان معراج الی السما و معراجہ فی بطن النحت اذ دشنوی دفتر سوم، والیہ یشیر کلام امام الحرمین کسافی حیاء اکیوان ص ۲۳۲، یعنی مجھے اس لحاظ سے فضیلت امت دو یونس بن متی پر کہ میری معراج آسمان کی طرف ہوئی تھی اور حضرت یونس کی پھٹی کے پیٹ میں، مقصود بہر کیف تفصیل ہی سے منع کرنا ہے منشاء اس کا جو بھی ہو، یہ ہو یا وہ، اور اس کے بعد کی روایت کے لفظ یہ ہیں، ما ینبغی لنبی ان یقول انی خیر من یونس بن متی، اور ایک مطلب اس کا یعنی، انی خیر من یونس بن متی، کا بعض اساتذہ سے یوں سنا ہے کہ، انی سے مراد مکلم یعنی کوئی شخص خود اپنے بارے میں کہنے لگے کہ میں ان سے افضل ہوں۔

حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ مسلم، و حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری و مسلم قالہ المتذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا خیر البریۃ، فقال رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذاک ابراہیم علیہ السلام

اس کی توجیہ بذل میں یہ لکھی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ میں خیر البریۃ تھے اور ایسے ہی آئندہ زمانہ میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا استثناء کر کے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیر البریۃ ہیں مطلقاً، فضل کلی کے اعتبار سے۔

انبیاء اولو العزم کا مصداق | حاشیہ بذل میں انبیاء اولو العزم کی ترتیب، شرح اقتناع، سے نظماً اس طرح نقل کی ہے

محمد ابراہیم موسیٰ کلیمہ فعیسیٰ فموزحم اولو العزم فاعلم

قال دہم علیٰ هذا الترتیب، یعنی انبیاء اولو العزم کی ترتیب مرتبہ کے اعتبار سے اسی طرح ہے سب سے اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

لہ جسے موجودہ زمانہ کے تیس مارقال کو دوری نے ان پر نقد کیا ہے۔

اس کے بعد ابراہیم پھر موسیٰ پھر عیسیٰ پھر نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام، اولوالعزم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے سورہ احقاف میں، قاصبر کاصبر  
اولوالعزم من الرسل، والحديث اخرجه مسلم والترمذی، قال المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما ادری اُتبع لعیبٍ ہو  
ام لا، وما ادری اعزیر نبی ہوام لایہ

تبع یعنی کے بادشاہ کا لقب ہوتا ہے لان اهل الدنيا يتبعونه فهو في الجاهلية بمنزلة الخليفة في الاسلام فعلى هذا تبع بمعنى المتبوع  
وقيل لیسى بذلك لانهم يتبعون اباہم فی سیرتہم، فهو بمعنى التابع، کذا فی ہامش البذل عن الاکلیل ص ۳۱۰ اور حاشیہ بزل میں یہ بھی ہے کہ  
جلائین کا حاشیہ معروف بہ، جبل میں تبع کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں اور یہ کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی بعثت  
سے ایک ہزار سال پہلے ایمان لایا تھا، اور یہی تبع الاکبر ہے ابو کریب اسعد، دھوادل من کسا البیت، دھو ملک الیمن۔ الی آخر ایہ  
اور اسی نے اپنے ایک سفر میں مدینہ منورہ (اس وقت یشرب) سے گذرتے ہوئے جب اس کو بتا گیا کہ یہی جگہ نبی آخر الزماں کا مہاجر  
ہوگی، تو اس نے ایک مکان بتوایا اس نیت سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس میں قیام فرمائیں گے، اور وہ مکان وہی تھا  
جس میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شروع ہجرت میں چھ ماہ اسیں  
قیام فرمایا تھا، تاریخ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔

بذل میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ تبع ملعون تھا  
یا نہیں، یعنی غیر مسلم تھا یا اسلام لے آیا تھا، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب تک آپ پر وحی نہیں آئی تھی اس کے اسلام کے بارے  
میں، پھر آپ کو مطلع کر دیا گیا تھا اسکے بعد کہ وہ اسلام لے آیا تھا، چنانچہ مسند احمد میں بروایت سہل بن سعد الساعدی آپ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: لا تسبوا تبعاً فانہ کان قد اسلم، اور آگے ہے حدیث میں: نہیں جانتا میں کہ عزیز نبی تھے  
یا نہیں، اور شاید آپ کو متلادیا گیا تھا کہ وہ نبی تھے (بذل)

ان ابا ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: انا اولی الناس  
بابن مریم الانبیاء اولاد علات، ولیس بینی وبنیہ نبی بئہ

لہ قال الحافظ ابوالفضل العزاقی فی۔ المالیہ فی روایۃ المحکم فی المسند رک بدلہ۔ وما ادری ذالقرنین نبیا کان ام لا، وزاد فیہ وما ادری احمود کفارات لاہلبا  
ام لا، ورؤیناہ تمامہ بذكر تبع وبنیہ مرزوقی القرنین والحدود فی تفسیر ابن مردودہ من روایۃ محمد بن ابی السری عن عبد الرزاق قال ثم اعلم اللہ نبیہ ان الحدود کفارات وان  
تبعاً اسلم کذا فی، مرآة الصورہ (عون) و فیہ بعدہ زیارۃ علی زک فارجع الیہ لوشنت۔

سے اشکل علیہ بما ورد، بینہما نبیان، واجیب بانہ لیس نبی مشہور کذا فی الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر ص ۳۳ (ہامش البذل) اس میں اس طرح ہے، حدیث الباب  
کو لیکر کہ کسی شخص نے سوال کیا: نقل البیضاوی فی تفسیرہ انہ کان بنیہ وبنیہ عیسیٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام نبیان فما الجمع بینہما؟ فاجاب بقولہ خبر مسلم اصح۔

آپ فرما رہے ہیں کہ میں تمام انبیاء میں عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے زیادہ قریب ہوں، یعنی زمانہ کے اعتبار سے، چنانچہ آپ اور حضرت عیسیٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے درمیان صرف چھ سو سال کا فاصلہ ہے، چنانچہ بخاری جلد اول کی آخری روایت ہے عن سلمان قال قرأ قرآن عیسیٰ و محمد صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہ وسلم ستائے ستائے، اور وہ جو قرآن کریم میں ہے۔ ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوه و هذا النبی، جس میں یہ فرمایا گیا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ابراہیم علیہ السلام کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ قریب شریعت کے لحاظ سے ہے کہ شرع محمدی شرع ابراہیمی کے زیادہ قریب ہے دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں (بذل من فتح الود) آگے اس حدیث میں یہ ہے کہ تمام انبیاء آپس میں علائی بھائی ہیں، یعنی اصول دین کو احد وغیرہ میں متحد ہیں اور فروع دین میں مختلف، اصول دین کو آپ کے ساتھ اور احکام دین کو جو مختلف ہیں ماں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے علائی بھائی کہا گیا ہے (بذل) والحدیث اخبرہ البخاری و مسلم قالہ المنذری۔

## باب فی رد الارجاع

ارجار وہ عقیدہ ہے جس کے ملنے والوں کو مرجعہ کہا جاتا ہے، اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت مضر نہیں، لہذا اعمال صالحہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں، ارجار کے لغوی معنی پیچھے ہٹانا اور موخر کرنا ہیں، آپ جو حکم یہ لوگ اعمال کو پس پشت ڈالتے ہیں اسی لئے اس عقیدہ کا نام ارجار اور فرقہ کو مرجعہ کہا جاتا ہے، یہ عقیدہ بے شمار احادیث صحیحہ اور آیات صریحہ کے خلاف ہے، اسی لئے مصنف اس باب میں ایسی ہی احادیث لائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کو کمال ایمان میں بڑا دخل ہے بغیر ان کے ایمان ناقص ہے حتیٰ کہ بعض آیات میں بعض اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے جیسے: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اس آیت میں نماز پر ایمان کا اطلاق کیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: الایمان بضع وسبعون

افضلها قول لا الہ الا اللہ، وادناها ما طمۃ العطر من الطریق، والحیاء شعبۃ من الایمان۔

یعنی ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں یعنی اس کے متعلقات اور تقاضے، جس میں سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے، قول کا لفظ بڑھایا اس لئے کہ عقیدہ لا الہ الا اللہ تو عین ایمان ہے اور اس کا ذکر اور تعلق پر اعمال ایمان سے ہے، اور ادنیٰ شعبہ ایمان کا آپ نے راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان مختلف المرتبہ ہیں، اور حیار کو اس کی اہمیت کی وجہ سے الگ شمار فرمایا، اس لئے کہ وہ تمام نیک اعمال پر ابھارنے والی اور برائیوں سے روکنے والی ہے، حیار کی دو قسمیں ہیں طبعی اور

→ من هذا القول فلیقدم علیہ، وعلی السنن فی جمیع محل التفریق علی انہ لم یکن بینہما شیء لیس فیہ فرقہ بل اھد اور پھر آگے اس میں یہ ہے: رائی کے سوال میں چونکہ حدیث الباب کو مسلم کی طرف منسوب کیا تھا تو اسکے بارے میں یہ ہے کہ مسلم ہی کی تخصیص نہیں بلکہ یہ روایت تو بخاری مستند احمد اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

ایمانی، حیار ایمانی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ حیار اس خصلت کا نام ہے جو انسان کو ارتکاب قبیح اور ہر ذی حق کے حق میں تقصیر سے روکے، اور لغت حیار نام ہے اس شکستگی اور افسردگی کا جو انسان کو پیش آتی ہے، حقوق عیب و عار کے خوف سے، ہونی اللغۃ تغیر و انکسار یعنی انسان میں خوف، ایجاب ہونی الشرع خلق بیعت علی اجتناب القبیح و یمنع من التقصیر فی حق ذی الحق (عون) اسکے بعد وفد عبد القیس والی حدیث آرہی ہے بروایت ابن عباس مختصراً یہ حدیث اس نئے زیادہ تفصیل سے کتاب الاشریہ باب فی الادعیۃ میں گذر چکی اور اس کی شرح بھی اسی جگہ، والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بین العبد و بین الکفر ترک الصلاة  
**شرح الحدیث** اس کی شرح بذیل میں لکھی ہے: ای الموصل بین العبد و بین ترک الصلاة یعنی نماز کا ترک کرنا بندہ کو کفر سے ملا دینے والا ہے یعنی قریب کر دینے والا، بعض لوگ اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آدمی اور کفر کے درمیان فرق ترک صلاۃ سے ہے، یہ ترجمہ صحیح نہیں، اسلئے کہ فرق کرنے والی چیز تو صلاۃ ہے نہ ترک صلاۃ، بلکہ یہاں پر بین کا متعلق وصل ہے نہ کہ فرق۔

اس حدیث سے اعمال صالحہ خصوصاً نماز کا تعلق کمال ایمان سے ظاہر ہے کہ ایمان میں کمال اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے بلکہ الجہود میں لکھا ہے کہ تمام اہل سنت فقہاء محدثین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال حقیقۃ ایمان میں داخل نہیں کہ ان کے ترک سے آدمی کافر ہو جائے بلکہ اس پر اتفاق ہے کہ اعمال شرطیں کمال ایمان کے لئے، لہذا اگر کوئی شخص اعمال مفروضہ میں سے کسی عمل کو ترک کرے بغیر انکار کے تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فاسق اور  
 والحدیث اخرجہ مسلم والترندی والنسائی وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما توجه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی الکعبۃ قالوا یا رسول اللہ  
 فكيف الذین ما توہم یصلون الی بیت المقدس؟ فانزل اللہ تعالیٰ «وما کان اللہ لیضیع ایمانکم» یعنی جب مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تحویل قبلہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی اور بجائے بیت المقدس کے کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس پر بعض صحابہ نے آپ سے سوال کیا کہ جو لوگ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دنیا سے چلے گئے ان کی نمازوں کا کیا ہوگا، ان کی توڑ کوئی نماز کعبہ کی طرف ہوئی اور نہ کعبہ کا قبلہ ہونا ان کے علم میں آیا تو اس

لہ حاشیہ بذیل میں ہے کہ حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تارک صلاۃ کو مشرک اور تارک حج کو یہود کے ساتھ تشبیہ دی، اسلئے کہ مشرکین نماز نہیں پڑھتے اور یہود حج نہیں کرتے اور یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ترمذی نے روایت کیا کہ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں اسکے بارے میں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی اس حدیث میں تارک حج کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ باب میں آپ نے ترک صلاۃ کو شرک اور کفر قرار دیا ہے، اس کی وجہ شاہ صاحب نے یہ تحریر فرمائی ہے۔

پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو یعنی نماز کو ضائع نہیں فرمائیں گے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس طرح کے لوگوں کے حق میں تو قبیلہ بیت المقدس ہی تھا لہذا ان کی نماز قاعدہ کے مطابق ہوئی، پھر غیر معتبر کیوں ہو۔

تحویل قبلہ کی حدیث اور اس سے متعلق مباحث کتاب الصلاة کے ابواب الاذان میں احیلت الصلاة ثلاثة احوال، الحدیث کے ذیل میں گذر چکی۔ والحدیث اخرجه الترمذی وقال حسن صحیح، قال المنذری۔

عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انه قال من احب لله، وابغض

لله، واعطى الله، ومنع الله، فقد استكمل الایمان۔

پیلے دو عمل اعمال قلب میں سے ہیں اور دوسرے دو اعمال جوارج میں سے یعنی جس شخص کے اعمال قلب اور اعمال جوارج صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گے تو اس کا ایمان کامل ہوگا۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال: ما رأیت من

من ناقصات عقل ولادین اغللب لذی لب متکن۔

حدیث کا مطلب یہ ہے جو آپ عورتوں کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں کہ عورت جو کہ ناقص العقل والادین ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود سمجھدار آدمی کو جتنا اپنے قابو میں وہ کر سکتی ہے اتنا کوئی اور نہیں کر سکتا، اس پر کسی عورت نے پوچھا کہ عورت کا ناقص العقل والادین ہونا کیونکر ہے تو آپ نے فرمایا کہ نقصان عقل کی علامت تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہے یہ اس کے معاملہ فہمی کے ناقص ہونے کی وجہ سے تو ہے، اور دین کا نقصان یہ ہے کہ رمضان کے بعض حصہ میں روزہ نہیں رکھتی اور ہر ماہ چند روز نماز نہیں پڑھتی۔ ترجمہ الباب سے تعلق حدیث کے اس جز ثانی ہی کو ہے جس سے معلوم ہوا رہا ہے کہ اعمال سے ایمان میں کمال اور اس کے ترک سے نقصان پیدا ہوتا ہے، اگرچہ زمانہ حیض میں ترک صلاہ و صوم معصیت نہیں ہے بلکہ اسی کا حکم ہے لیکن ثواب میں تو کمی واقع ہوتی ہے گو غیر اختیاری ہے۔ والحدیث اخرجه مسلم وابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب الدلیل علی الزیادۃ والنقصان

ایمان کی حقیقت میں اہل سنت اور فرق باطلہ کا اختلاف

یعنی ایمان کی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ مصنف کی زیادتی قبول کرنے کے قائل ہیں اور اس پر دلیل قائم کر رہے ہیں جیسا کہ ترجمہ الباب میں تصریح ہے اور احادیث الباب میں اس کا ثبوت، اور یہی دعویٰ امام بخاری نے کتاب الایمان میں کیا ہے اور پھر بہت سے ابواب و تراجم سے اس کو ثابت کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کتاب الایمان کے شروع میں، وهو قول فعل یزید ینقص، ایمان میں کمی زیادتی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جو متفرع ہے ایک اور مسئلہ پر وہ یہ کہ ایمان بسیط ہے صرف تصدیق قلب کا نام ہے یا مرکب تصدیق اور اعمال سے، اگر بسیط ہے تب تو ظاہر ہے کہ نقصان اور زیادتی کو قبول نہیں کرے گا، اور اگر مرکب ہے تو قابل زیادہ و نقصان ہوگا، معززہ و خوار

اس کو مرکب مانتے ہیں تصدیق قلب اور اعمال جوارج سے، اور اعمال ان کے نزدیک حقیقتہ ایمان میں داخل ہیں، اور ظاہر ہے کہ اعمال قابل زیادہ اور نقصان میں اسلئے ان کے نزدیک ایمان بھی قابل زیادہ و نقصان ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان کی حقیقت تصدیق قلب ہے، اور تصدیق میں قلت و زیادہ کا احتمال نہیں ہے، چنانچہ امام صاحب سے یہی منقول ہے جیسا کہ شرح عقائد نسفی وغیرہ کتب میں یہ مسئلہ مشہور ہے۔

کیا امام اعظم کا اس مسئلہ میں  
جمہور فقہاء و محدثین سے اختلاف ہے؟  
لیکن مشہور یہ ہے جیسا کہ حاشیہ بخاری میں بھی لکھا ہے کہ جمہور فقہاء و محدثین اور  
ائمہ ثلاثہ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک وہ قابل زیادہ و نقصان  
ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایمان قابل زیادہ و نقصان نہیں ہے، لیکن ہمارے

اکابر و مشائخ یہ فرماتے ہیں جیسا کہ لامع الدراری وغیرہ میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اہل سنت و جماعت کے درمیان  
ایس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اصل تقابل اہل سنت اور دوسرے فرق اسلامیہ معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے  
کہ جمہور محدثین ایمان کے قابل زیادہ و نقصان ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور بڑی قوت کے ساتھ احادیث سے اس کو ثابت کرتے  
ہیں اور اسکے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے: الایمان لایزید ولا ینقص، یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں  
ہے دراصل یہاں ایک فرقہ اور ہے فرقہ مرجئہ کہ وہ بھی ایمان کو بسیط مانتا ہے مگر اس طور پر کہ اعمال کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں  
نہ اعمال ان کے نزدیک حقیقتہ ایمان میں داخل ہیں اور نہ ان کا تعلق کمال ایمان سے ہے جبکہ تمام اہل سنت و جماعت اس پر متفق  
ہیں نہ ایمان کا کمال اعمال پر موقوف ہے، امام ابوحنیفہ کو چونکہ زیادہ واسطہ پڑا تھا خوارج و معتزلہ سے جو اعمال کو حقیقتہ ایمان  
میں داخل مانتے ہیں اور اس حیثیت سے وہ زیادہ و نقصان ایمان کے قائل ہیں اسلئے امام صاحب نے ان کی تردید میں یہ تصریح  
فرمائی کہ ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول نہیں کرتا اور جمہور محدثین و فقہاء کو سابقہ پڑا تھا فرقہ مرجئہ سے جن کے نزدیک ایمان  
میں کمی و زیادتی کا خانہ ہی نہیں ہے اور اعمال کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو ان کی تردید میں ان حضرات نے یہ  
فرمایا کہ ایمان زیادتی و نقصان کو قبول کرتا ہے، یعنی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے سے اس کے اندر نقصان و کمال پیدا ہوتا ہے  
تو اس اختلاف ماحول کی وجہ سے امام صاحب اور جمہور محدثین کے درمیان فرق تعبیر میں پایا گیا مد مقابل کی وجہ سے، چنانچہ  
جس طرح جمہور محدثین تارک اعمال کو کافر نہیں قرار دیتے اسی طرح امام صاحب بھی، اور جس طرح تارک اعمال کو امام صاحب  
فاسق قرار دیتے ہیں اسی طرح جمہور فقہاء و محدثین بھی، بخلاف ان دوسرے فرق کے کہ ان میں معتزلہ و خوارج تو تارک اعمال  
کو حد ایمان سے خارج مانتے ہیں اور مرجئہ اس کو فاسق بھی نہیں قرار دیتے، تو اصل اختلاف ان فرقوں کے درمیان ہوا نہ کہ  
خود اہل سنت میں، جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا، یا سمجھا لیکن سجاہل عارقانہ سے یہ کہا امام صاحب کے بارے میں  
کہ وہ فرقہ مرجئہ میں سے تھے کہ جس طرح مرجئہ کے نزدیک ایمان قابل زیادہ و نقصان نہیں ہے اسی طرح امام صاحب کے  
نزدیک بھی اس کا الزامی جواب کسی نے یہ دیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر دوسرے حضرات جو اس کو قابل زیادہ و نقصان مانتے ہیں، ان کو



معتزلی کہنا چاہیے، امام صاحب کے بارے میں یہ الزام اور اس کی تحقیق و تردید مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب الرفیع والتکمیل فی الجرح والتعديل میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کما فی ہامش مقدمۃ الفیض السمانی ص ۱۷۰۔

یہاں ایک مذہب اور یہ گیا جس کے قائل کرامیہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت صرف نطق ہے نہ اس کا تعلق تصدیق سے ہے نہ اعمال سے، حاشیہ لامع میں مذکور ہے: قال لحافظ: السلف قالوا الایمان اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالارکان وارادوا بذلك ان الاعمال شرط فی کمالہ ومن ہہنا نشأ ہم القول بالزیادۃ والنقصان، والمرجۃ قالوا هو اعتقاد ونطق فقط والکرامیۃ قالوا هو نطق فقط، والمعتزلیۃ قالوا هو العمل والنطق والاعتقاد، والفارق بینہم وبين السلف انہم جعلوا الاعمال شرطاً فی صحۃ، والسلف جعلوها شرطاً فی کمالہ، شرح عقائد نسفی میں ہے: اعلم ان الایمان فی الشرع هو التصدیق بما جاء بہ من عند اللہ تعالیٰ ای تصدیق النبی بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیبہ بہ من عند اللہ تعالیٰ اجمالاً، والاعتقاد بہ، ای باللسان، الا ان التصدیق رکن لا یحتمل السقوط اصلاً، والاقرار قد یحتمل کما فی حالۃ الاکراہ فاما الاعمال ای الطاعات فہی تتزاید فی نفسها والایمان لا یزید ولا ینقص، چونکہ بہت سی آیات سے ایمان کا زیادتی قبول کرنا ثابت ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ والآیات الدالۃ علی زیادۃ الایمان محمولۃ علی ما ذکرہ ابو حنیفہ انہم كانوا آمنوا فی الجملة ثم یاتی فرض بعد فرض فكانوا یؤمنون بكل فرض خاص، وحاصلہ کان یزید بزیرادۃ ما یوجب بہ الایمان، یعنی جن آیات میں ایمان کی زیادتی کا ذکر ہے وہ مؤمن بہ کی زیادتی کے اعتبار سے ہے، یعنی جن احکام پر ایمان لانا واجب ہے وہ چونکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں تو جوں جوں احکام نازل ہوتے چلے گئے صحابہ ان پر ایمان لاتے چلے گئے، اس اعتبار سے ایمان میں زیادتی ہوتی رہی، اگے اس میں یہ ہے: وقال بعض المحققین لا تسلم ان حقیقۃ التصدیق لا تقبل الزیادۃ والنقصان بل تفاوت قوۃ وضعفا للقطع بان تصدیق احاد الامۃ لیس کتصدیق النبی علیہ السلام، ولہذا قال ابراہیم علیہ السلام: ولكن لیطمئن قلبی، ای بعض محققین نے یہ بات بھی کہی ہے کہ یہ تو صحیح ہے کما عمل حقیقۃ ایمان میں داخل نہیں بلکہ ایمان صرف تصدیق قلب ہے، لیکن یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ حقیقۃ تصدیق زیادہ و نقصان کو قبول نہیں کرتی بلکہ اس تصدیق میں قوت و ضعف کے اعتبار سے بڑا تفاوت ہوتا ہے کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ احاد امت کی تصدیق نبی کی تصدیق کے برابر نہیں ہو سکتی، لیکن بعض محققین کا یہ اشکال درست نہیں، اس لئے کہ وہ زیادہ اور نقصان کی بحث سے قوت و ضعف کی طرف چلے آئے، زیادہ اور نقصان مقولہ کم سے ہے اور ضعف و قوت مقولہ کیف سے، لہذا ان کا یہ استدلال درست نہیں، یا یہ کہیے کہ اختلاف صرف لفظی ہوا، اگر زیادہ و نقصان سے قوت و ضعف ہی مراد لینا ہے تو اسکے تو امام صاحب بھی منکر نہیں، شرح عقائد میں یہاں مزید سوال و جواب اور ایجابات میں ان کی طرف رجوع کیا جائے، مثلاً اس میں ایک یہ اختلاف بھی مذکور ہے کہ مصنف نے اقرار باللسان کو تصدیق کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ بعض علماء کا مذہب ہے جیسے شمس الائمہ اور فخر الاسلام اور جمہور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق بالقلب ہے، اور اقرار باللسان اجزاء احکام فی الدنیا کے لئے شرط ہے کیونکہ تصدیق قلب ایک باطنی امر ہے جس کے لئے ظاہر میں کوئی علامت ہونی چاہیے۔ الی آخر یاد کر۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکمل الیومین ایمانا احسنہم خلقا۔

یعنی جس مؤمن کا خلق جتنا اچھا ہوگا اس کا ایمان اتنا ہی کامل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حسن خلق سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے اور اسکی کمی سے نقصان پیدا ہوتا ہے، لہذا ایمان میں نقصان اور زیادتی پائی گئی۔ والحدیث اخرجه الترمذی وقال حسن صحیح، قال المتذری۔

من عامر بن سعد عن ابيه رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قسم بين الناس قسما نقلت اعط فلانا فانه مؤمن قال او مسلم اني لاعطى الرجل العطاء وغيره احب الي منه مخافة ان يكذب على وجهه۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی مال تقسیم فرما رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ فلاں شخص کو بھی دیکھئے کہ وہ مؤمن ہے، آپ نے فرمایا بلکہ مسلم ہے، یعنی مؤمن کے بجائے مسلم کہو، اسلئے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو باطنی شئی ہے، اور اسلام انقیاد ظاہری کو کہتے ہیں، اور ہمیں دوسرے کا ظاہری حال ہی معلوم ہے نہ کہ باطنی، پھر آپ نے فرمایا کہ میں بعض مرتبہ ایسے شخص کو عطا کرتا ہوں کہ اس کے مقابلہ میں دوسرا مجھ زیادہ محبوب ہوتا ہے مگر اس کو اسلئے دیتا ہوں کہ نہ دینے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں جہنم میں اونڈھے منہ نہ ڈال دیا جائے۔

اس حدیث میں بھی مسلمانوں میں آپس میں تفاوت کا پایا جانا باعتبار کمال ایمان و نقصان کے پایا جا رہا ہے۔  
والحدیث اخرجه البخاری و مسلم والنسائی۔

من معمر قال وقال الزهري قلتم توؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا قال تزي ان الاسلام الكلمة والايان العمل به۔

موجودہ سیاق اور ظاہر لفظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں معمر نے دوسرے علماء کے اقوال بھی ذکر کئے ہوں گے جن پر عطف کرتے ہوئے زہری کا کلام بھی ذکر کیا، مقصود اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔ قالت الاعراب اسما قلتم توؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام میں فرق ہے، اس فرق ہی کو زہری بیان کر رہے ہیں کہ اسلام نام ہے زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنے کا، اور ایمان نام ہے اس کلمہ کے مقتضی پر عمل کرنے کا، یعنی کلمہ شہادت کے لہذا ایمان اخص ہوا اسلام سے، پس اس آیت کریمہ میں خاص کی نفی اور عام کا اثبات ہوا۔

انه سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يحدث عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انه قال لا ترجعوا بعدي

كفار يضرب بعضكم رقاب بعض۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم میرے بعد آپس میں جنگ و جدال اور ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ ہو جانا یعنی کفار کے مشابہ کہ وہ آپس میں لڑتے ہیں، ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے۔ مخالف مؤمنین کے کہ ان کی شان یہ ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہتے ہیں۔

لہ فی ہامش البذل ویرد علیہ مانی کتاب التفسیر من الترمذی ص ۱۵۲ واذا رأیت من يتعاهد المسجد فاشهدوا له بالایمان الخ وجمع بینہما القاری ص ۱۲۷

محل الامر علی الظن والنہی علی القطع اھ تلت واصل الکلام القاری کہذا کل من حج وقد استشکل قوله فاشهدوا له بحديث عائشة الذي فيه انكار عليه السلام قولها في طفلي

النصاري مات طوبى له عصفور من عصايرة الجنة ويمكن ان يحج بحمل ما هنا على الامر بالشهادة له بالایمان فلان مانی ذلك على القطع بان في الجنة الخ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کی لڑائی جو کہ معصیت ہے اس سے ایمان میں نقصان واقع ہوتا ہے لہذا مرتبہ پر رز ہو گیا جو کہ مقصود بالباب ہے۔ والحدیث اخریہ البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ، مطرولاً و مختصراً، قال المنذری۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایما رجل مسلم ا کفر رجلاً

مسلماً فان کان کافراً والا کان هو الکافر۔

یعنی اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی تکفیر کرے پس وہ اگر واقع میں کافر تھا تو خیر ورنہ وہ کفر لوٹ کر کہنے والے ہی کی طرف آئیگا یعنی اس تکفیر کی نحوست اور اس کا وبال۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارجع من کن فیہ فہو منافق

خالص ومن کان فیہ خفۃ منہن کان فیہ خفۃ من نفاق حتی یدعھا اول حدیث کذب و اقا وعد اخلف و اذا عاهد غدروا اذا غامم فحز

شرح الحدیث | آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر وہ سب پائی جائیں گی تو وہ خالص

منافق ہوگا اور جس میں وہ سب جمع نہ ہوں بلکہ کوئی سی ایک پائی جائے تو اس کو یہ کہا جائیگا کہ اس شخص میں نفاق کی

خصلت ہے جب تک اس کو نہ چھوڑے، اور وہ خصلتیں یہ ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ کہے، اور جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف

کرے، اور جب کوئی معاہدہ کرے تو اس کو دھوکہ دے کر توڑ دے، اور اگر جب کسی سے کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو فحش گوئی پر اتر آئے۔

ہذلہ میں امام نووی سے اس حدیث پر اشکال و جواب نقل کیا ہے کہ بسا اوقات یہ خصلتیں تو مسلمان میں بھی پائی جاتی ہیں حالانکہ

وہ منافق نہیں ہے، اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ منافق سے مراد کالمناق، منافقوں جیسا کام کرنے والا، یہ توجیہ تو اس صورت

میں ہے جب نفاق سے نفاق کفر مراد ہو، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نفاق سے مراد نفاق عملی کہ یہ شخص عملاً منافق ہے گو اعتقاداً نہیں اہ

اور ایک جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

جس شخص کے اندر یہ چاروں خصلتیں ایک ساتھ پائی جائیں گی وہ منافق حقیقی ہوگا، اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ کسی مسلمان میں چاہے وہ کتنا

ہی نافرمان ہو یہ خصال اربعہ جمع نہیں ہو سکتیں، اسی لئے آگے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر اس میں یہ چاروں خصلتیں جمع نہیں تو پھر

اس کو منافق نہیں کہا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ اس شخص میں نفاق کی ایک خصلت ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کے ذیل میں یہ بات بھی

فرمائی ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی و عملی اور یہاں مراد نفاق سے نفاق عمل ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ

میں نفاق حقیقی یعنی نفاق تکذیب تو پایا جاتا تھا یعنی بہت سے لوگ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور دل میں ان کے کفر ہوتا تھا،

لیکن نفاق عمل آپ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ کیونکہ نفاق عمل تو فسق ہے آپ کے زمانہ میں تو

جو اسلام میں داخل ہوتا تھا تو وہ آپ کے فیض صحبت سے کمال ایمان کیساتھ متصف ہوتا تھا وہاں فسق کہاں تھا اہ امام ترمذی کی اس

رائے کا تقاضا یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق زمانہ صحابہ سے نہیں ہے بلکہ مابعد کے زمانہ سے ہے، اور ایک جواب اس حدیث کا یہ بھی دیا گیا ہے۔ کما فی ہامش الترمذی عن التور پستی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے یہ بات اپنے زمانہ کے بعض منافقین کے اعتبار سے فرمائی ہو جن کا منافی ہونا آپ کو نوروحی سے معلوم ہو گیا تھا اور ان میں یہ صفات پائی جاتی تھیں تو اسلئے آپ نے اپنے اصحاب کو ان منافقین کی یہ علامت بتادی تاکہ وہ ان سے بچ کر رہیں اور مصلحت ان کی تعیین نہیں فرمائی، مصلحت مثلاً یہ کہ آپ کو معلوم ہو کہ ان میں سے بعض کو توبہ کی توفیق ہو جائیگی اسلئے آپ نے ان کو سزا کرنا نہ چاہا (ترمذی ص ۱۰۰)۔

والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قاله المنذری۔

من ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یزنی الزانی حین یزنی وهو

مؤمن، ولا یسرق حین یسرق وهو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن۔

یعنی زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت مؤمن نہیں ہوتا، اسی طرح چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، اور ایسے ہی شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تب وہ مؤمن نہیں ہوتا۔

توجیہ الحدیث علی مسلك اہل السنۃ | اس حدیث کا مشہور جواب اہل سنت کی طرف سے یہ ہے کہ اس سے مراد نفس ایمان کی نفی نہیں ہے بلکہ کمال ایمان کی نفی مراد ہے، اسلئے کہ ایمان نام تصدیق قلب کا ہے

اور زنا وغیرہ معاصی اسکے منافی نہیں، نیز آپ کے زمانہ میں جن لوگوں سے زنا یا سرقہ کا صدور ہوا آپ نے ان پر حد تو جاری فرمائی لیکن اسکے بعد تجدید ایمان کا حکم نہیں فرمایا، ہنزل۔ میں اس کی دو توجیہ کی ہے ایک یہی کہ کمال ایمان کی نفی ہے یا یہ کہ یہ محمول ہے ستمل پر، ایک جواب یہ بھی منقول ہے کہ یہاں پر مؤمن بمعنی ذرا من، اکی ذوا من من العذاب، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون نہیں ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے: والتورۃ معروضۃ بعد یعنی زنا اور چوری اور شراب خمر کے بعد اگر بندہ توبہ کرے تو اس کا موقع ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔ والحدیث أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی، قاله المنذری۔

انہ سمع اباہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول یقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا زنی الرجل

خرج منه الایمان وكان علیہ كالظلمۃ، فاذا التلمع رجع الیہ الایمان۔

یعنی جب آدمی زنا میں مشغول ہوتا ہے اس کے اندر سے ایمان نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح سے آجاتا ہے، پھر جب وہ زنا سے فارغ ہو کر ہٹتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور جو حدیث گذری ہے۔ لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن۔ اسکی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے جو اس حدیث مرفوعہ میں ہے کہ جب تک زانی زنا میں مشغول رہتا ہے اس وقت اس کے اندر سے ایمان یعنی نور ایمانی نکل کر باہر آجاتا ہے اور پھر بعد میں اس میں داخل ہو جاتا ہے، گویا ایمان کی نفی ستم نہیں ہے، یہی بات حافظ نے اوپر والی حدیث میں ہی تھی کہ حدیث میں نفی ایمان کو مقید کیا گیا ہے، حین یزنی۔ کے ساتھ اور امام ترمذی نے امام محمد الباقی سے اس حدیث کی شرح میں یہ نقل کیا ہے: انہ قال فی ہذا خروج من الایمان الی الاسلام، حافظ کہتے ہیں کہ گویا انہوں نے ایمان کو اخص قرار دیا

اسلام سے، پس جب وہ ایمان سے خارج ہو گیا تو اسلام میں باقی رہا اس لئے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی، ہاں عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے اور بظاہر مطلب یہ ہے کہ ایمان تام ہے انقیاد ظاہر و باطن دونوں کے مجموعہ کا اور یہ صفت زانی میں بوقت زنا نہیں پائی جا رہی ہے۔ اور اسلام تام ہے صرف انقیاد ظاہر کا یعنی بس کلمہ گو ہونا، وہ ظاہر ہے کہ زنا کی وجہ سے منقذ نہیں ہوا، یہ شخص نام کا مسلمان تو ہے ہی اسی لئے کہا کہ ایمان سے شکل کر اسلام کی طرف آ گیا، اور ایک جواب اس کا یہ بھی منقول ہے کہ نفی ایمان سے مراد حیا کی نفی ہے جو کہ ایمان کا بہت بڑا شعبہ ہے۔

## باب فی القدر

قدر کی دال میں فتح اور سکون دونوں جائز ہیں کما فی المرقاة، لیکن راجح اس میں دال کا فتح ہے وعلیہ الاکثر شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ایمان بالقدر فرض لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ اعمال عباد (خواہ وہ خیر کے قبیلہ سے ہوں یا شر کے) کا خالق ہے، جس کو اس نے لوح محفوظ کے اندر لکھ رکھا ہے ان کے پیدا کرنے سے پہلے، اور وہ سب اعمال اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اسکے ارادہ اور مشیت سے ہیں، لیکن وہ ان میں سے پسند کرتا ہے ایمان اور طاعت کو اور اس پر ثواب کا وعدہ کیا ہے، اور پسند نہیں کرتا کفر اور معصیت کو اور اس کے لئے عقاب مقرر کیا ہے، اور تقدیر ایک سر ہے اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے جس پر اللہ تعالیٰ نے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع کیا ہے اور نہ نبی مرسل کو، اور اس میں غور و خوض اور عقل کی روشنی میں اس سے بحث کرنا جائز نہیں۔ بلکہ واجب ہے یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے جن کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے، بعضوں کو اپنے فضل سے نعمتوں کے لئے اور بعضوں کو اپنے عدل سے عذاب کے لئے، اور مرقاة مہمہ، شرح مشکوٰۃ میں ہے: اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جملہ افعال عباد خیر اور شر مخلوق للہ تعالیٰ ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مکتسب عباد بھی ہیں کیونکہ بندوں کے لئے فی الجملہ اختیار دیا گیا ہے کسب کا گوان کا کسب بھی تابع ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور خلق کے، بس بات یہ ہے کہ، لایسئل عما یفعل وہم یسألون، اور یہی مذہب اوسط و عادل ہے لخصوص سے زیادہ موافقت رکھنے والی ہے لہذا یہی حق اور صواب ہے بخلاف جبریہ کے جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندے مجبور ہیں اپنے افعال میں، اور بخلاف قدریہ کے جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں یعنی معتزلیہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق خود ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کا کوئی دخل نہیں، بندہ اپنے افعال کے ایجاد میں مستقل ہے۔ الیٰ آخر یاد کر۔ یہ سب حضرات تو افعال عباد کو لے کر بحث کر رہے ہیں بظاہر اس لئے کہ اہل سنت کا جو اختلاف زیادہ تر ہے قدریہ اور جبریہ وغیرہ فرقوں کے ساتھ وہ افعال عباد ہی کے اعتبار سے ہے اور زیادہ تر بحث مباحثہ ان کے ساتھ ان ہی میں ہوتا ہے، اور دوسرے اس وجہ سے

لہ چنانچہ قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر جو بمعنی قضاء ہے وہ محرکہ ہے یعنی لفتح الدال اور جو قدر (طاقات) اور مبلغ الشیء یعنی مقدار کے معنی میں ہے وہ دونوں طرح ہے بالفتح والکون۔ اسی طرح حافظ نے فتح الباری میں اس کو صرف لفتح القاف والہمکہ ہی ضبط کیا ہے اور سلطان میں ہے لفتح القاف والدال الہمکہ وقد تسکن، اور اسی طرح تحفۃ الاحوذی میں ہے۔



بھی کہ اس دنیا میں اعمال کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر اور بدیہی ہے ورنہ تقدیر کا تعلق صرف افعال عبادی سے نہیں بلکہ تمام کائنات عنم سے ہے کہ اسکے ایک ایک ذرہ کا وجود اور جو کچھ ہے۔ دنیا میں پیانگیا یا پیا جاز پتہ یا ہند پیا یا جائیگا وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اسکے ارادہ اور اس کی تخلیق سے اسکے علم ازلی کے مطابق ہے، اور جس کو اس میں تردد ہو۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ وہ مبتدع اور اہل سنت سے خارج ہے اور بعض صورتوں میں کفر بھی لازم آتا ہے، چنانچہ مرقاۃ میں ہے کہ جبر کے مسلک میں یہ بات لازم آتی ہے کہ انسان جب مجبور محض ہے تو پھر امتحان اور تکلیف کے معنی کچھ بھی نہ رہے، وہ لکھتے ہیں کہ جو اس لازم کا اعتراف کرے گا ان میں سے تو وہ کافر ہوگا، اور جو اس لازم کا اعتراف نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ ہمارا بندہ سے سلب قدرت کرنا وہ باری تعالیٰ کی قدرت کی تعظیم کی وجہ سے ہے کہ اصل قدرت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کا اس میں کوئی شریک نہیں تو اس صورت میں وہ مبتدع ہو گا نہ کہ کافر۔

**الفرق بین القضاء والقدر** اسکے بعد جاننا چاہیے کہ ایک تو ہے قضاء اور ایک ہے قدر، ہمارے دونوں میں فرق بیان کیا ہے فتح المستبصری میں ہے۔ نقل عن الکرمانی۔ المراد بالقدر حکم اللہ تعالیٰ، وقالوا ای العلماء

القضاء هو حکم الکی الاجمالی فی اللذل، والقدر جزئیات ذلک حکم وتفاصيله اور فتح الباری میں دوسری جگہ ہے ۱۵۳ القضاء حکم بالکلیات علی سبیل الاجمال فی الازل والقدر حکم لوقوع الجزئیات التي لتک الکلیات علی سبیل التفصیل اھ لیکن قسطنطینی ص ۲۳۲ میں امام راغب سے یہ نقل کیا ہے القدر هو التقدير والقضاء هو التفصیل والقطع، فالقضاء اخص من القدر لانه الفصل بین التقدير والقضاء كما لا ساس للقضاء هو التفصیل والقطع، وبنیذا لما قال ابو عبیدة لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما اراد الفرار من الطاعون بالشام ائفر من القضاء والشیء الی قدر اللہ تنبہا علی ان القدر ما لم یکن قضاء فمر جوان یدفعہ اللہ، فاذا قضی فلا مدفع له، ولشہد لذلك قوله تعالیٰ، وكان امر مقضیا، وكان علی ربک حتما مقضیا، تنبہا علی انه صار بحیث لا یکن تلافیہ اھ لیکن یہ فتح الباری سے جو گذرا اس کے برعکس ہے تقدیر اجماع اور بمنزلہ بنیاد کے ہے اور قضا اس بنیاد اور اجمال کے مطابق قطعی طور پر فیصلہ کر دینا ہے بالتفصیل اور پھر اسکے بعد جو انہوں نے حضرت عمر کی حدیث ذکر کی اور آیات قرآنیہ اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال القدریۃ مجوسیۃ ہذہ الامۃ

ان مرضوا فلا تعدوہم وانما توقلا تشہدوہم۔

تقدیر یہ اس امت کے مجوس ہیں اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو جنازہ میں شرکت نہ کرو، اس حدیث میں تقدیر کو مجوس کے ساتھ تشبیہ دی گئی اس لئے کہ وہ خالق خیر تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور خالق شر عبد کو گویا وہ تعدد خالق کے قائل ہوئے جس طرح کہ مجوس تعدد خالق کے قائل ہیں، کہا گیا ہے کہ وہ اصلین کے قائل ہیں کہ دو چیزیں اصل ہیں نور اور ظلمت، خیر کو منسوب کرتے ہیں نور کی طرف اور شر کو ظلمت کی طرف، اور اس طرح بھی مشہور ہے کہ وہ دو چیزوں کے قائل ہیں یزداں اور اہرمن، ایک کی طرف خیر کو منسوب کرتے ہیں یعنی یزداں کی طرف اور اہرمن کی طرف شر کو منسوب کرتے ہیں۔

اور اس کے بعد والی حدیث جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں یہ زیادتی ہے: وہم شیعة الدجال



و حق علی اللہ ان یلحقہم بالذجال، آپ فرما رہے ہیں تقدیر کے بارے میں کہ وہ دجال کی جماعت میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہے کہ خرد ج دجال کے وقت وہ ان کو اسی کے ساتھ ملائیں گے۔

حدثنا ابو موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لمران اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضہا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض جاء منهم الابيض والاحمر والاسود و بین ذلك، والسہل والحزن والخبیث والطیب۔

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا خاک کی ایک مٹھی سے ایسی خاک جس کو اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سے لیا تھا، اور چونکہ زمین کے حصے مختلف ہیں کسی جگہ کی مٹی کیسی ہے اور کسی جگہ کی کیسی، رنگ کے اعتبار سے بھی اور خاصیتوں کے اعتبار سے بھی، اسی لئے اولاد آدم بھی مختلف ہوئی، بعض بالکل سفید رنگ بعض سرخ بعض سیاہ، اور بعض بین بین، یہ تو رنگ کے اعتبار سے ہوا، اور مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بعض نرم مزاج اور بعض سخت مزاج، بعض نیک طبیعت اور بعض بد طبیعت، اور یہ سب کچھ چونکہ تقدیر الہی سے ہوا جس کی تقدیر میں جیسا ہونا لکھا تھا، اسی لئے اس حدیث کو مصنف «باب لقدز میں لائے۔  
والحدیث اخرہ الترمذی وقال حسن صحیح، قالہ المتذری۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا فی جنازۃ فیہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقع الغرق قد جاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فجلس ومعہ مخصرة فجعل یسکت بالمخصرة فی الارض ثم رفع رأسہ الخ۔  
**مضمون حدیث** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم ایک جنازہ میں تھے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے مدینہ منورہ کے قبرستان یقع الغرق میں۔ غرق ایک قسم کے درخت کا نام ہے جو اس وقت یقع میں تھا اسی اعتبار سے یقع کی اضافت اس کی طرف کر دی جاتی ہے، کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے، یعنی جس جگہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی تو آپ بیٹھے بیٹھے اس چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ جیسے کسی سوچ کے وقت عادتاً آدمی ایسا کر لیتا ہے، چنانچہ آپ نے کچھ دیر بعد سر اڈیرا اٹھایا اور سر اٹھانے کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا تقدیر سے متعلق، کہ نہیں تم میں سے کوئی متقس پیدا ہونے والا مگر یہ کہ اس کا ٹھکانہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لکھا ہوا ہے دوزخ یا جنت، اور یہ کہ وہ سعید یعنی نیک بخت ہو گا یا شقی، چونکہ صحابہ کرام کو آپ کی ہر بات کے سچا ہونے کا یقین کامل ہوتا تھا اور ہر بات سے ویسا ہی اثر لیتے تھے جس قسم کا وہ مضمون ہوتا تھا اس لئے ایک صحابی نے آپ سے تقدیر کے اس مضمون کو سن کر یہ سوال کیا کہ کیا ہم اپنی تقدیر اور نوشتہ خداوندی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور اپنی طرف سے عمل کرنا چھوڑ دیں، جس کی قسمت میں سعادت لکھی ہوگی وہ اپنا انجام دیکھ لے گا اور جس کی تقدیر میں شقاوت لکھی ہوگی تو وہ اپنے ٹھکانے پر خود ہی پہنچ جائے گا، یہ بات ان صحابی نے تقدیر پر کمال ایمان کی وجہ سے پوچھی، مگر چونکہ یہ بھی ذہن میں آیا کہ میری رائے غلط نہ ہو اس لئے آپ ہی سے سوال کر کے تشفی حاصل کروں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جن اعمال کے تم مکلف ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کرتے رہو، جس کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے

جو لکھا ہوگا جنت یا دوزخ اس کے لئے اللہ تعالیٰ اسی جیسے اعمال اختیار کرنا آسان فرمادیں گے، جن کی تقدیر میں جنت ہے ان کو اعمال جنت کی توفیق اور تیسیر ہوتی رہے گی اور جن کے مقدر میں جہنم ہے ان کو اسی طرح کے اعمال کی سوجھتی رہے گی، یعنی ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ ہماری تقدیر میں کیا ہے اسکو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے بلکہ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس چیز کے مکلف ہیں لہذا اپنی طرف سے اسی کی سعی کرنی چاہیے، انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ والحدیث الخرج البخاری وسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

عن یحییٰ بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصوۃ معبد الجہنی فانطلقت انا وحمید بن عبد الرحمن الحمیری حاجین ارمعہم بن فقلنا لولقینا احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فسالتنا عما یقول هولاء فی القدر فوفق اللہ تعالیٰ لنا عبد اللہ بن عمرو اخلاً فی المسجد فاكتشفته انا وصاحبی فظننت ان صاحبی سیکل الکلام الی، فقلت ابا عبد الرحمن انه قد ظهر قبلنا ناس یقرءون القرآن یتقفرون العلم ویزعمون ان لا قدر والامر انف، فقال اذ القیت اولک فابخرہم ارق یرئ متہم وھم براء منی الی۔

**فتنہ انکار تقدیر کا آغاز** | مشکوٰۃ شریف کے شروع میں جو حدیث جبریل مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس کو ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں، حضرت ابن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حدیث یحییٰ بن یعمر کے سوال پر بیان کی تھی جنہوں نے ان سے فرقہ قدریہ کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ یہاں روایت میں مذکور ہے، وہ یہ کہ یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ بصرہ میں سے پہلے انکار تقدیر کا مسئلہ اٹھانے والا معبد جہنی تھا۔ بذل میں اسکے بارے میں لکھا ہے: هو معبد بن عبد اللہ بن عکرم، ویقال ابن عبد اللہ بن عکرم، ویقال ابن خالد، اور پھر آگے لکھا ہے کہ یہ شخص اس فتنہ کا پیش رو تھا، یہ شخص بصرہ سے مدینہ آیا اور وہاں اگر اس عقیدہ سے لوگوں کو خراب کیا، حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے: ایاکم ومعبد فانہ ضال مضل، نیز لکھا ہے کہ یہ تابعی اور ثقہ ہے، روایت حدیث میں متہم نہ تھا یعنی گو عقیدہ غلط تھا لیکن روایت میں معتبر تھا، قتلہ الحجاج سنہ ثمانین او بعدھا صحیحین کی روایات میں بہت سے راوی عقیدہ کے اعتبار سے مبتدع تھے لیکن راست گو تھے، مبتدع کی روایت کا کیا حکم ہے، اصولی مسئلہ ہے اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے، مقدمہ مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے کم از کم وہاں دیکھ لینا چاہیے۔

یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے میں اور حمید بن عبدالرحمن حمیری حج یا عمر کے سفر میں نکلے، پہلے زمانہ میں حج اور عمرہ کا سفر سماع حدیث اور تحصیل حدیث کا بلکہ مطلق تحصیل علم کا بہت بڑا ذریعہ تھا، کیونکہ مکہ مدینہ میں حج و عمرہ زیارت کی غرض سے ہر ملک سے علماء فقہاء اور محدثین وہاں پہنچتے ہیں جس کی بدولت لوگوں کو ان حضرات سے استفادہ کا موقع میسر آتا تھا، یحییٰ کہتے ہیں کہ ہم یہ سوچ کر نکلے تھے کہ اگر کسی صحابی سے ہماری ملاقات ہوئی تو تقدیر کے بارے میں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں ہم ان سے سوال کریں گے، تو اس مقصد کے پورا ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو میسر فرمادیا جبکہ وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے (معلوم نہیں کون سی مسجد ملا ہے، ان کو دیکھتے ہی ہم لوگ ان کے برابر میں پہنچ گئے دائیں بائیں،

ایک طرف میں دوسری طرف میرا ساتھی، میرا خیال چونکہ یہ تھا کہ میرا ساتھی بات کرنے کا موقع مجھے ہی دے گا (ایک دوسرے کے مزاج سے واقف ہونگے) چنانچہ میں نے سوال میں پہل کی اور ان سے یہ سوال کیا کہ ہمارے علاقہ میں کچھ ایسے لوگوں کا ظہور ہوا ہے جن میں تلاوت قرآن کا بھی اہتمام ہے اور وہ علمی امور میں کھود کرید بھی کرتے رہتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں، اور یہ کہ ہر شخص کا معاملہ الٰہ کا اور نیا ہے، یعنی ہر شخص اپنے عمل اور کردار میں مکمل طور سے با اختیار اور مستقل ہے، تو انہوں نے سنکر یہ فرمایا کہ اگر تمہاری اس قسم کے لوگوں سے ملاقات ہو آئندہ تو ان کو میری طرف سے مطلع کر دینا کہ میں یعنی عبداللہ بن عمر ان سے بری اور بیزار ہوں ان سے واسطہ اور تعلق رکھنا نہیں چاہتا، اور ان کو بھی یہی چاہیے کہ مجھ سے وہ بری اور بیزار ہو جائیں کوئی تعلق نہ رکھیں، اور پھر حلقاً یہ بات کہی کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے والوں میں سے احد پہاڑ کے برابر موتا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو اس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی قبول نہ فرمائیں گے جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے گا۔

**حدیث جبریل کی تشریح** اور پھر اس کے بعد اس کی دلیل میں انہوں نے وہ حدیث بیان کی جو انہوں نے اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھی، یعنی وہی حدیث جو حدیث جبریل کے نام سے موسوم ہے

جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک ایسا شخص مجلس میں آ پہنچا جس کا حال یہ ہے بہت صاف سفید کپڑوں والا، اور بہت سیاہ بالوں والا، یعنی جوان، جس پر سفر کا کوئی اثر گرد وغبار وغیرہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور نہ جس کو حاضرین میں سے کوئی پہچانتا تھا، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ان کو اس کی کیسے خبر ہوئی کہ اس شخص کو کوئی نہیں پہچانتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ان کو کسی خارجی قرینہ سے معلوم ہو گئی ہوگی، چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس شخص کے آنے پر حاضرین مجلس ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے (منظر بعضنا لى بعض) ان حضرات کو تعجب یہ ہو رہا تھا کہ مقامی تو یہ شخص ہے نہیں اور ظاہر ہے کہ دوری سے آ رہا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ دور سے چل کر آنے کے اثرات گرد وغبار وغیرہ کا اثر اس کے لباس پر ہونا چاہیے حالانکہ وہ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں گھٹنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے ملائے اور دونوں بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے اور بایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رانوں پر، دھوا راجح لروایۃ النساء اور اس طرح بیٹھنے کے بعد اس شخص نے یکے بعد دیگرے چند سوال کئے، پہلا سوال اسلام کے بارے میں، تو آپ نے فرمایا: الاسلام

ان تشهد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ و تقیم الصلوة و تؤتی الزکاة و تصوم رمضان و تحج البیت ان

استطعت الیہ سبیلاً، قال صدقت، قال فعجینا لہ، یسألہ ویصدقہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اسلام کے

بارے میں بیان فرمادیا کہ اسلام کا مصداق یہ ہے تو اس نے سنکر کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا، اس پر راوی کہتا ہے کہ ہمیں اسکا اس طرز پر تعجب

ہوا کہ سوال بھی کرتا ہے اور اسی میں آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے تعجب اس لئے کہ تصدیق اس چیز میں کی جاتی ہے جس کو آدمی جانتا ہو اور

سوال کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو نہیں جانتا، تو گویا اجتماع ضدین ہو گیا، قال فلخبرنی عن الایمان، یعنی اسلام کے بعد ایمان کی

تعریف معلوم کی، قال ان تؤمن باللہ وملائکة و کتبه و رسله و الیوم الآخر و تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ، قال صدقت،

یہاں بھی یہی ہوا کہ ایمان کی تعریف سنتے کے بعد اس نے آپ کی تصدیق کی، یہاں پر ایک طالب علمانہ سوال یہ ہے کہ ایمان کی تعریف میں ایمان ہی کا لفظ لایا گیا ہے ان تو من یا اللہ الی آخرہ، تو یہ تعریف بالجمول ہوئی، جواب یہ ہے کہ ایمان جو کہ مُعَرَّف ہے وہ ایمان اصطلاحی ہے اور تعریف میں جو لفظ ایمان مذکور ہے اس سے اس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی تصدیق، قال فاخبرنی عن الاحسان تیسرا سوال اس شخص نے آپ سے احسان کے بارے میں کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں یعنی وہی احسان جس کا ذکر قرآنی آیات اور احادیث میں بکثرت آتا ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ویالوالدین احسانا، ان اللہ یحب المحسنین، وغیرہ وغیرہ، تو آپ نے فرمایا: ان تعبد الله كأنک فأن لکم ثمرات من الی، کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے یعنی بہت عمدہ، توجہ کے ساتھ، کیونکہ غلام آقا کو دیکھتے ہوئے جو کم کرتا ہے وہ بہت اچھی طرح کرتا ہے اس کو خوش کرنے کے لئے بخلاف اس کام کے جس کو غلام آقا کی غیبت میں کرے وہ اتنا عمدہ نہیں ہوتا، آگے آپ نے فرمایا: فان لم تکن تراه فانه یوالک، کہ اگر تو اسکو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھ کو دیکھ رہا ہے، اس جملہ کی تشریح میں شرح کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عبادت میں دو مقام ہیں، مقام مشاہدہ، اور مقام مراقبہ پہلے جملہ میں مقام مشاہدہ مذکور ہے جو زیادہ اونچا ہے اور جملہ ثانیہ میں مقام مراقبہ مذکور ہے جس کا درجہ پہلے سے کم ہے، کیونکہ مقام مشاہدہ تو یہ ہے کہ اس طرح عبادت کی جائے کہ گویا حقیقتہً معبود کو دیکھ ہی رہا ہے، اور دوسرا مقام یہ ہے کہ کم از کم یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے گو میں اس کو نہیں دیکھ رہا، یعنی پہلے آپ نے عبادت میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کو فرمایا اور پھر یہ کہ اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر کم از کم یہ دوسرا درجہ ہونا چاہئے اور دوسرا قول اس میں یہ ہے جس کو ہمارے مشائخ نے ترجیح دی ہے کہ اس حدیث میں دو مقام مذکور نہیں ہیں بلکہ پہلے ہی مقام کو حاصل کرنے کے لئے جملہ ثانیہ میں اس کی تائید اور تقویت کی گئی ہے وہ اس طرح کہ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو تو اس پر یہ سوال ہوا کہ جب ہم اس کو دیکھ نہیں رہے ہیں فی الواقع تو پھر ایسی عبادت کیونکر کر سکتے ہیں جو دیکھنے کے وقت میں ہوتی ہے تو آپ نے اس کی وجہ سمجھائی کہ مولیٰ کو دیکھنے کے وقت میں جو کام عمدہ اور بہتر ہوتا ہے اس کی وجہ کیلئے آیا ہمارا اس کو دیکھنا یا اس کا ہمیں دیکھنا، اس کا جواب ظاہر ہے کہ ہمارا دیکھنا اس عمدگی کا باعث نہیں ہے بلکہ مولیٰ کا ہمیں دیکھنا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا ہے ہیں کہ یہ بات تو ہر وقت حاصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ہمیں دیکھنا جس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مزدور کام کر رہا ہو مولیٰ کی غیبت میں یعنی جب کہ مولیٰ اسکے سامنے نہ ہو اور مزدور اس کو نہ دیکھ رہا ہو، لیکن مزدور کو یہ معلوم ہو کہ اوپر روشن دان میں سے میرا مالک مجھے کام کرتے ہوئے بار بار دیکھ رہا ہے تو اس صورت میں بھی وہ غلام کام اتنا ہی اچھا کرے گا جتنا اسکے دیکھنے کے وقت میں کرتا، اس مثال سے معلوم ہوا کہ مزدور کے کام کی عمدگی میں دخل مزدور کا مولیٰ کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ مولیٰ کا مزدور کو دیکھنا ہے، پس حدیث کا یہ جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ ہی کی تفسیر اور اسکی تاکید ہے، اور بعض صوفیہ نے اس حدیث میں ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے وہ یہ کہ .. فان لم تکن تراه .. یہ مستقل جملہ شرطیہ ہے جس میں جزا بھی مذکور ہے اور اس سے اشارہ ہے فتار کی طرف کہ اگر تو اپنی بستی کو مٹا دیکو تو اس کو دیکھ لے گا، اور اس کے بعد فان یراک .. یہ مستقل جملہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ عباد کے احوال سے واقف ہے لہذا جو اپنے کو

اس کے لئے فناء کر دینگا تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ مرتبہ مشاہدہ عطا فرمائیں گے، لیکن یہ مطلب قواعد عربیہ سے بالا ہو کر تو ہو سکتا ہے۔  
 قال فاخبرني عن الساعة، یہ جو تھا سوال قیامت کے بارے میں ہے یعنی اس کی تعیین وقت کے بارے میں جس کے بارے میں آپ نے لاشی ظاہر فرمائی اور فرمایا: ما المسئول عنها باعلم من السائل، ای لیس الذی سئل عن وقت قیام الساعة باعلم من السائل، کہ جس شخص سے وقت قیامت کی تعیین کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے وہ اس میں سائل سے زیادہ واقف نہیں ہے بلکہ دونوں اس کی عدم معرفت میں برابر ہیں، نست اعلم بذلك، کے بجائے آپ نے جو بڑا جملہ استعمال فرمایا ہے اس میں علمائے یہ نکتہ لکھا ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کا سائل جو بھی ہو اور اسی طرح مسؤل یعنی جس سے پوچھا جا رہا ہے جو بھی ہو گا سب جگہ جواب ایک ہی ہو گا یعنی عدم علم، کیونکہ قرآن کریم میں تصریح آگئی ہے کہ اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، مرقاة میں لکھا ہے کہ قیامت کے بارے میں اسی طرح سوال و جواب حضرت عیسیٰ اور جبریل علیہما السلام کے درمیان میں پیش آیا تھا لیکن اس میں سائل حضرت عیسیٰ اور مسؤل حضرت جبریل تھے تو حضرت عیسیٰ کے اس سوال پر انہوں نے اپنے بازو پھر پھڑپھڑائے اور فرمایا ما المسئول عنها باعلم من السائل، اس کو انہوں نے ضعیفی سے نقل کیا ہے۔

قال فاخبرني عن اماراتها، قال ان تلد الامة ربهما، جب آپ نے وقوع قیامت کے وقت کے علم کی نفی فرمادی تو اس نے عرض کیا کہ پھر کم از کم اسکی علامات ہی بتلا دیجئے، تو اس پر آپ نے یہاں اس کی دو علامتیں بیان فرمائیں، اور یہ وہ دو علامتیں ہیں جو کتاب الفتن میں امارات الساعة کے بیان میں مذکور نہیں ہیں، اول علامت یہ کہ باندیاں اپنے آقاؤں کو جنیں گی، یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے، کئی طرح اس کی شرح کی گئی ہے ایک یہ کہ اس سے اشارہ عقوق اولادین کی طرف ہے اور باندیوں سے مراد مائیں ہیں یعنی عورتیں ایسی اولاد جنیں گی جو ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جیسے مالک اپنی باندی کے ساتھ کیا کرتا ہے، تحفہ و تفتیح کا، ایک معنی یہ لکھے ہیں کہ اس سے کثرت سراری کی طرف اشارہ ہے، سراری جمع سریرہ کی سریرہ کہتے ہیں اس باندی کو جس کو آدمی اپنے پاس و طی کے لئے رکھے اور اس کو ام ولد بنائے، اور تشریح اس کی یہ ہے کہ اسلام میں کثرت سے فتوح پائی جائیں گی جس سے لوگوں کے حصے میں بکثرت باندیاں آئیں گی جن کو وہ ام ولد بنائیں گے اور ام ولد باندی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے تو چونکہ وہاں وہ بچہ اس کی حریت کا ذریعہ بنتا ہے اسلئے اسکے بچہ کو رب سے تعبیر کر دیا گیا اور چونکہ یہ کثرت سراری حاصل ہوگی اسلام میں کثرت فتوح اور اس کے کمال عروج اور ترقی کے وقت میں اور شئی کا اپنے کمال کو پہنچنا یہ علامت ہوتی ہے اس کے اپنے انتہاء کو پہنچنے کی، ہر کلمے رازوالے اور جیسا کہ سورہ نصر کے اندر ہے۔ درایت الناس یدخلون فی دین اللہ انوا جاہ، کہ روایات میں آتا ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے آپ کے قرب و فاقہ کی طرف کہ آپ کے کام کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے اشارہ ہے امہات الاولاد کی بیع کی طرف جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے گویا اشارہ ہے کثرت جہل کی طرف، اور یہ معنی اس حدیث کے اس طور پر ہوتے کہ جب آدمی اپنی ولد کی بیع کرے گا تو وہ ام ولد فروخت ہوتے ہوتے مختلف ہاتھوں میں پہنچے گی یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد اس کی بھی نوبت آجائے گی کہ اس ام ولد کا جو بچہ تھا جو اپنے باپ کے پاس رہ گیا تھا وہ بڑا ہو کر اس اپنی ماں کو ایک باندی سمجھ کر خرید لے گا، نہ اس باندی کو خیر ہوگی کہ یہ میرا بیٹا ہے اور نہ اس بیٹے کو کہ یہ



میری ماں ہے، تو جب بیٹے نے اس ماں کو خرید لیا تو اس خریدنے کی وجہ سے اس کا مالک اور رب ہو جائے گا، اور یہاں پر یہ بات صادق آئیگی کہ باندی نے اپنے رب اور مولیٰ کو جتنا۔

وان تری الحقاۃ العراۃ العالۃ رعاء النساء مطاولون فی البیان، دوسری علامت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ دیکھو گے تم نادار اور فقیر قسم کے لوگوں کو بکریوں کے چرانے والے کہ فخر کریں گے اونچی اونچی عمارتوں میں، حقاۃ جمع حافی یعنی جو ننگے پاؤں ہو اور جوتا اس کے پاس نہ ہو، عراۃ جمع عاری، یعنی برہنہ، یعنی جسکے پاس پورا لباس بھی نہ ہو، عالۃ جمع عائل بمعنی فقیر، رعاء کسر راء اور مد کے ساتھ جمع راعی، چرواہے، الشار جمع شاة کی، بیان عمارت، تطاول بمعنی تفاخر یعنی کم مرتبہ اور کم حیثیت کے لوگ دنیوی مناصب حاصل کر کے تو نگری اور ریاست حاصل کریں گے اور اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔

قال شرانطلق فلبثت ثلاثا، شر قال یا عمر هل تدری من السائل؟ قلت الله ورسوله اعلم، قال فانه جبریل

ا تا کہم یعلمکم دینکم۔

راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سوال و جواب کے بعد وہ سائل چلا گیا اور مجلس برخاست ہو گئی، پھر تین دن میں پھر رادھا یعنی تین دن اس قصہ کے بعد ہم لوگوں پر گزرتے اور اب تک آپ نے ہم سے اس سائل کا حال بیان نہیں فرمایا، کہ سائل کون تھا، تین دن گزرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عمر تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ سائل کون تھا، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانیں، تو آپ نے بتلایا کہ وہ جبریل تھے تم لوگوں کو تمہارا دین سکھلانے کے لئے آئے تھے، سوالات کا جواب دینے والے اور سکھلانے والے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے مگر چونکہ حضرت جبریل آپ کی اس تعلیم کا ذریعہ بنے اس لئے تعلیم کی نسبت آپ نے ان کی طرف فرمائی اور پھر یہ بھی ہے کہ انہوں نے اچھے اچھے سوال کئے، نیز آپ کے جوابات کی تصدیق فرمائی، اس حیثیت سے وہ بھی معلم ہوئے، اور اچھے اچھے سوال کرنا یہ بھی علم اور قابلیت کی بات ہے، مشہور ہے: "حسن السؤال نصف العلم، اس حدیث سے اس بات کی طرف بھی اشارہ مل رہا ہے کہ ایمان و اسلام واحد نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے، یہ بھی ایک مستقل بحث ہے جس پر علماء نے کلام کیا ہے، شرح حدیث نے بھی متکلمین نے بھی اور کسی کا استمرا کسی ایک رائے پر معلوم نہیں ہوتا، اسی لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

حاشیہ بذل میں یہاں ایک اور اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اسلام کا اطلاق صرف دین محمدی پر ہوتا ہے

وہ یہ کہ لفظ اسلام کا اطلاق تمام مل سماویہ سابقہ حقہ یعنی قبل التحریف پر ہو سکتا ہے یا دین محمدی کے ساتھ خاص ہے؟ اس پر تفصیل سے کلام، الفت اوی الیٰ یثیۃ، لابن حجر المکی میں مذکور ہے ۱۷۱ ابن الصلاح نے قول اول کو ترجیح دی اور دوسرے حضرات نے جس میں علامہ سیوطی بھی ہیں انہوں نے قول ثانی کو ترجیح دی، وہ یہ کہ اسلام کے ساتھ اہم سابقہ موصوف نہیں ہیں سوائے انبیاء کے، اور یہ اس امت کی خصوصیت اور شرف ہے کہ جو صفت انبیاء سابقین کی تھی

لہ یعنی دین محمدی کا نام اسلام تجویز کرنا۔



وہ اس کو عطا کی گئی، تشریفاً لہذہ الامۃ وتکریماً، اور علامہ سیوطی نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے یعنی اس کے دلائل میں، منجملہ ان کے یہ ہے۔ ہوسماکم المسلمین۔ اور اسی طرح باری تعالیٰ کا قول۔ ورضیت لکم الاسلام وینا۔ وہ لکھتے ہیں ہوظاہر فی الاختصاص بہم لان تقدیرہم استلزمہ، ولفیضانہ لم یرضہ لغیرہم، کما یقتضیہ کلام اہل البیان الخ یعنی لکم کی تقدیرم الاسلام پر تخصص کو مقتضی ہے کہ یہ لقب ہم نے صرف تمہارے لئے پسند کیا۔ والحدیث اخرجہ مسلم والترذی والنسائی وابن ماجہ قالہ للندری۔

حدثنا مسددنا یحییٰ بن عبد ریشہ اور اس کے بعد جو ابی ہے حدثنا محمود بن خالد یہ دونوں گذشتہ حدیث کے طریق ہیں ان دو طریق میں جو زیادتی تھی مصنف نے صرف اس کو ذکر کیا، پہلی میں یہ زیادتی ہے: وسأله رجل من مزینة او جہینة فقال یا رسول اللہ ایما نعمل فی شیء قد خلا ومضى، او فی شیء یستأنف الان؛ قال فی شیء قد خلا ومضى، یعنی ایک مزنی یا جہنی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کس طرح کے کاموں میں ہم گئے ہوتے ہیں، آیا ایسے کاموں میں جن کا فیصلہ ہو چکا، یا ایسے کاموں میں جو اب ہو رہے ہیں، یعنی بغیر کسی سابق فیصلہ کے، آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ایسے کاموں میں جو گذر چکے ہیں اور ان کا فیصلہ ہو گیا ہے، اور دوسرے طریق میں اسلام کی تعریف میں دوسری عبادات کے ساتھ اغتسال من الجنابة بھی مذکور ہے۔

اب ذر و ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یجلس بین

فہری اصحابہ فی حیث القریب فلا یدری ایہم ہو حق یسأل۔

یعنی شروع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ویسے ہی صحابہ کے درمیان مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، بغیر کسی استیاری جگہ کے، تو باہر سے کسی اجنبی اور مسافر آنے والے کو مجلس میں پہنچا کر اس کو پوچھنا پڑتا تھا کہ حاضرین میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں اسی لئے ہم نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے بیٹھنے کے لئے ایسی جگہ بنا دیں جس سے آنے والا آپ کو پہچان جائے آپ نے اس کی اجازت دیدی فہینالہ دکانا، اس پر ہم نے آپ کے لئے مٹی کی ایک اونچی سی جگہ بنا دی جس پر آپ بیٹھنے لگے اور صحابہ آپ کے ارد گرد اسکے نیچے۔

و ذکر نعوذنا الحشر، هذا الخبر سے مراد ہی حدیث جبریل ہے مگر یہاں پر راوی اسکے ابو ذر اور ابو ہریرہ ہیں، ان دونوں کی حدیث میں ایک تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشست گاہ کے ذکر کا اضافہ ہے جو پہلی حدیث میں نہیں تھا، دوسرے آگے چل کر اس میں سلام کی بھی زیادتی ہے کہ اس آنے والے سائل نے آپ کو اولاً سلام کیا، السلام علیک یا محمد جس کا آپ نے جواب دیا یعنی پھر اس کے بعد سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ والحدیث اخرجہ النسائی مختصراً، واخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ تمامہ من حدیث ابی ہریرۃ وحده قالہ للندری۔

عن ابن الدیلمی قال اتیت ابی بن کعب فقلت له وقع فی نفسی شیء من القدر حدثنی بشئ لعل اللہ تعالیٰ

ان ینذہبہ من قلبی۔

عبد اللہ بن فیروز دیلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شک شبہ پیدا ہو رہا ہے تو آپ مجھے کوئی ایسی بات سمجھائیے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے دل سے دوسرے کو دور کر دے تو انہوں نے فرمایا کہ لے! پھر صاف صاف من لے، بات یہ ہے کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ، تمام

آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دینے لگے تو وہ اس عذاب دینے میں ظالم نہ ہوگا، کیونکہ ظلم تو کہتے ہیں دوسروں کی ملک میں تصرف کرنے کو اور یہاں یہ بات ہے نہیں، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی اپنی بنائی ہوئی ہے، اس کی اپنی چیز ہے وہ اس میں جو چاہے کرے، اور اگر بجائے عذاب کے سبب کے ساتھ جرم و کرم کا معاملہ فرمائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اور اس کی رحمت ان کے اعمال خیر سے بدرجہا بہتر ہوگا، اور اگر تو یا اور کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرمائیں گے جب تک تو تقدیر پر ایمان نہیں لائے گا (اور ایمان بالقدر میں یہ بھی داخل ہے جو اگے آرہا ہے کہ) تو یہ جانے کہ جو بات تجھ کو پہنچی ہے مصیبت یا راحت، غم یا خوشی، ممکن نہیں تھا کہ وہ نہ پہنچی، اور جو چیز تجھ کو نہیں پہنچی اور نہیں حاصل ہوئی تو نہیں ممکن تھا یہ کہ وہ شئی تجھ کو پہنچی اور حاصل ہوتی، مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ تو ہونا ہی تھا، اگے فرماتے ہیں: ولو مت علی غیر هذا الدخلت النار اگر تو اس عقیدہ کے خلاف کسی دوسرے عقیدہ پر مرے گا تو سیدھا جہنم میں جائیگا، وہ یعنی ابن الدیمی فرماتے ہیں کہ میں مزید اپنے اطمینان اور ابی بن کعب کی بات کو پرکھنے کے لئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی گیا یہی سوال لے کر انہوں نے بھی بعینہ اس کا یہی جواب دیا، اور اسی طرح پھر میں حضرت حذیفہ کے پاس گیا انہوں نے بھی جواب میں یہی ارشاد فرمایا، پھر اخیر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے اسی طرح کی بات مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر کے فرمائی۔ والحدیث اخر جہ ابن ماجہ، قالہ المعتزلی۔

قال عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه لابنه يا بني انك لن تجد طمعا حقيقة الايمان حتى تعلم ان

ما صابك لو يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك۔

یعنی ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے میرے بیٹے تو ایمان کی حلاوت اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک کہ تو اس بات کا یقین نہ کرے کہ جو بات تجھ کو پہنچی ہے تو ممکن نہیں تھا کہ وہ نہ پہنچی اور جو چیز تجھ کو نہیں پہنچی تو ممکن نہیں تھا کہ وہ تجھ کو پہنچ جاتی۔

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان اول ما خلق الله تعالى القلم وقال له اكتب، فقال ربي

وماذا اكتب؟ قال اكتب مقادير كل شئ حتى تقوم الساعة۔

حضرت عبادہ نے جو بات اپنے صاحبزادہ سے فرمائی تھی تقدیر سے متعلق اسکے ثبوت اور اس کی دلیل میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مرفوعہ سنائی جس کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ تقدیر تو اول الواجبات میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس کے ذریعہ سے ہر چیز کی تقدیر اس کے پیدا ہونے سے بھی پہلے لوح محفوظ میں ثبت فرمائی۔ اسکے بعد جتنا چاہیے کہ اول ما خلق اللہ تعالیٰ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اس روایت میں تو قلم کے بارے میں ہے کہ وہ اول مخلوق ہے، ترمذی کے حاشیہ میں بحوالہ ابن العربی فی شرح المصابیح یہ ہے یعارض هذا الحدیث ما روى ان اول ما خلق الله العقل، ان اول

اول ما خلق الله کے بارے میں  
مختلف روایات اور تطبیق

ماخلق اللہ نورہ، اُن اول ما خلق اللہ الروح، اُن اول ما خلق اللہ العرش، پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اولیت امور اضافیہ میں سے ہے وہی یہاں ان احادیث میں مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جنس کے اعتبار سے اول مخلوق ہے، پس قلم جو کہ اشجار کی جنس سے ہے وہ اپنی جنس کے اعتبار سے اول مخلوق ہے، اور اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور باقی انوار کے اعتبار سے اول مخلوق ہے، اور عقل جو کہ اجسام لطیفہ میں سے ہے، وہ اجسام لطیفہ کے اعتبار سے اول مخلوق ہے اور عرش جو کہ اجسام کثیفہ میں سے ہے ان کے اعتبار سے وہ اول مخلوق ہے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث العقل موضوع ہے اہ اور اسی حاشیہ میں عرف الشذی سے یہ منقول ہے فی بعض الروایات ان اول المخلوقات نور النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذکرہ القسطلانی فی المواہب بطریق الجاکم، والترجیح لحدیث النور علی حدیث الباب اہ نشر الطیب میں حضرت تھانوی نے سب سے پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں ذکر فرمائی ہے، جس میں متعدد روایات ذکر کی ہیں جن کے بارے میں اسی کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے: روایات هذا الفصل کلہا من المواہب اور اس فصل کے شروع میں سب سے پہلے جو روایت نقل کی ہے وہ اس طرح ہے عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی، آپ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا تا کہ باہر سے معنی کہ نور الہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پھر وہ نور قدرت الہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا میر کر تار ہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھی اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا، اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ اگے طویل حدیث ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا با اولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ ائی آخر ما ذکر من الروایات، یہ روایت یہاں ابو داؤد میں مختصر ہے اور ترمذی میں روایت مفصل ہے جو اس کو دیکھنا چاہے دیکھے۔

سمعت ابا ہریرۃ ینبئ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال احتج آدم وموسى فقال موسى يا آدم انت

ابونا خيبتنا واخرجتنا من الجنة، فقال آدم انت موسى اصطفاك الله بكل ما وخط لك بيده التوراة تلومني

على امر قدوة على قبل ان يخلقني باربعين سنة فحج آدم موسى۔

یعنی حضرت آدم و موسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کے درمیان مجاہدہ واقع ہو یعنی مناظرہ اور طلب حجۃ، جس کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام

لہ الفاظ اس روایت کے یہ ہیں یا جابر! ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نیک من نورہ ۱۲ منہ

کی طرف سے ہوئی، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں آپ نے ہمیں نقصان اور خسارہ میں واقع کیا یعنی جنت سے نکلوا دیا اکل شجرہ کی وجہ سے، اگر آپ سے یہ تصور نہ ہوتا تو ہم خسارہ اور نقصان میں مبتلا نہ ہوتے، اس پر آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو وہ موسیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کیلئے منتخب فرمایا اور تیرے لئے تو رات اپنے ہاتھ سے لکھی (جس میں تقدیر کا ذکر اور اس پر ایمان لانے کا حکم مذکور ہے تو ایسے کام پر مجھ کو ملامت کر رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقدر فرمایا تھا مجھ کو سید کرنے سے چالیس سال قبل، جس پر موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس گفتگو میں آدم موسیٰ پر غالب آگئے، کیونکہ آدم علیہ السلام نے تقدیر کا حوالہ دیا، اور ایمان بالقدر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے تمام انبیاء اور ائمہ میں، اس مجاہدہ کے بارے میں شرح کے دونوں قول ہیں کہ یہ مجاہدہ روحانی ہوا، عالم برزخ یا عالم ارواح میں جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے حج آدم و موسیٰ عند ربہما، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے یہ مجاہدہ جسمانی ہو، یا اس طور کہ ان دونوں کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا ہو، یا موسیٰ کی حیات میں آدم کو زندہ کیا ہو، اور مجمع البحار میں ہے: کما فی حاشیۃ الترمذی، و کانت ہذہ المجاہدۃ من الوقت اذ جماعی الیہما، اور اسکے بعد دو احتمال وہی مذکور ہیں جو قاری سے گذرے، اس روایت میں یہ ہے: قبل ان یخلعتنی باربعین سنۃ اور اسی طرح مسلم کی روایت میں ہے، اور ترمذی کی روایت میں ہے: قبل ان یخلق السموات والارض، امام نوی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یعنی اربعین سنۃ والی روایت میں تقدیر سے مراد کتابت فی اللوح المحفوظ ہے، یا کتابت فی الواح التوراة، لہذا ماذ خلق آدم سے چالیس سال پہلے لکھا جانا ہے نفس تقدیر مراد نہیں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی تقدیر تو ازلی ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا کسی مجرم اور عاصی کے لئے ملامت کے وقت تقدیر کا حوالہ دینا اور اس کو عذر میں پیش کرنا جائز اور درست ہے، جواب یہ ہے کہ دنیا اور اس عالم میں تو جائز نہیں جو کہ دار التکلیف والاعمال ہے اور یہاں عصیان پر ملامت مفید بھی ہے اور یہ مجاہدہ چونکہ اس عالم میں پیش نہیں آیا بلکہ عالم علوی میں جو دار التکلیف نہیں وہاں تقدیر کو عذر میں پیش کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس گناہ کی معافی بھی ہو چکی ہو بلکہ اس وقت تو ملامت ہی بے محل ہے۔ اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے جرم اور قصور کی نفی کہاں کی ہے، انہوں نے تو اس واقعہ کے پیش آنے میں جو اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی اس کو پیش کیا ہے۔

حضرت شیخ کے حاشیہ بادل میں ایک اور بحث کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جس جنت سے آدم علیہ السلام کا اخراج ہوا یہ وہی معروف جنت ہے جس کا ذکر عام آیات اور احادیث میں ہے یا کوئی دوسری ہے؟ اور اس اختلاف کے ساتھ حضرت نے "الیواقیت والحوادث" کا حوالہ دیا ہے، اور حجۃ اللہ الباقیہ سے یہ مختصراً لکھا ہے کہ جنت دو ہیں حقیقیہ اور مثالیہ (اقول) اسکے بارے میں "معارف القرآن" اور یہی میں بھی کلام مذکور ہے، اور انہوں نے دلائل اور قرائن سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ وہی جنت ہے جو معروف ہے، اور یہ کہ اس جنت سے زمین کا کوئی باغ مراد نہیں جیسا کہ بعض کو غلط فہمی ہو گئی کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت میں رہنے کا

حکم دیا گیا تھا وہ دنیا ہی کے باغوں میں سے کوئی گھنا اور گنجان باغ تھا، یہ غلط ہے، باقی یہ اشکال کہ دخول جنت کے بعد پھر وہاں سے خروج نہ ہوگا سو یہ وہ دخول ہے جو قیام قیامت کے بعد ہوگا۔ اس دخول کے بعد البتہ خروج نہیں ہوگا اہلخصاً، عرفی لفظی میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ آدم علیہ السلام نے جو جواب موسیٰ علیہ السلام کو دیا تو وہی جواب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عتاب کے وقت کیوں نہیں عرض کیا؟ اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے وہ وقت وقت تکلیف تھا، اور پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک گفتگو وہ ہے کہ ایک بندہ دوسرے بندہ سے کہتا ہے، اور ایک گفتگو وہ ہے جو مخلوق کی خالق کے ساتھ ہو رہی ہے، دونوں میں یوں بعید ہے۔ والحديث اخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه، قال المنذري۔

ان عمودين الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسئل عن هذه الآية واذا اخذ ربك من بني ادم من ظهورهم، فقال

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسئل عنها فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ خلق ادم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں جو اوپر مذکور ہے یعنی اس کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا آپ نے ایک شخص کے سوال پر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب پیدا فرمایا تو اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا اور ان کی پشت میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے بارے میں یہ فرمایا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی سٹھی میں تھے کہ میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے، اور یہ اہل جنت ہی کے عمل کریں گے، اسکے بعد پھر دوبارہ ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اسی طرح کچھ اور اولاد نکالی اور فرمایا کہ ان کو میں نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے، اور جہنمیوں ہی کے عمل یہ لوگ کریں گے۔

واذا اخذ ربك من بني ادم من ظهورهم ذريةهم الآية کی تفسیر

اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں سورۃ الاعراف کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کیونکہ اسی میں یہ آیت ہے، واذا اخذ ربك من بني ادم من ظهورهم ذريةهم، لیکن آیت میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں آدم مع اولادہ مراد ہے، اور حدیث میں اکتفا کیا گیا آدم پر ان کے اصل ہونے کی وجہ سے، اور آدم کی پشت سے نکالنے کا مطلب یہ نہیں کہ تمام النسوان کو براہ راست آدم کی پشت سے نکالا گیا بلکہ جس ترتیب سے دنیا میں پیدائش ہوتی ہے اسی ترتیب سے واسطہ درواسطہ نکالا، یعنی آدم کی صلی اولاد کو خود آدم سے اور پھر اولاد آدم سے اولاد کی اولاد کو، اسی طرح الی آخرہ، ہر ایک ذریت کو مثل ذر کے یعنی چیونٹی کے برابر نکالا گیا جو سب کے سب آدم علیہ السلام کے سامنے موجود تھے، آگے آیت کریمہ میں یہ ہے "واشهدهم علی انفسهم الست بر بكم" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے اقرار اور گواہی لی اپنی ربوبیت پر اسی لفظ، الست، کی وجہ سے اس کو عہد الست کہا جاتا ہے، قالوا بلی، یعنی سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا، جلالین میں ہے کہ یہ واقعہ وادی نھان میں پیش آیا عرفہ کے دن، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنی ربوبیت پر دلائل قائم کئے اور باقاعدہ ان کو سمجھ بوجھ عطا فرمائی، حاشیہ جمل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سلف کا طریقہ ہے اور خلف نے اس میں



دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حقیقت یہاں پر نہ اخراج ہے نہ شہادت بلکہ یہ کلام علی سبیل المجاز اور تمثیل ہے۔ الی آخر یا ذکر کو کتبہ میں ہے: قولہ فاستخرج منه ذریرۃ ای علی الترتیب کلامن امیرہ اس کے حاشیہ میں ہے: ویدلک جزم عامۃ المفسرین اور یہ بھی لکھا ہے کہ صاحب جمل نے علامہ شرفانی سے اسکے اندر دس بحثیں نقل کی ہیں فارحج الیہ اھ۔

**آیت کریمہ سے متعلق دس سوالات و جوابات** | حاشیہ جمل ص ۲۹۲ میں اس آیت سے متعلق دس سوالات اور ان سب کے جوابات مذکور ہیں، ابتداءً اس طرح ہے: الأول این موضع اخذ الله تعالى هذا العبد،

اسکے بعد اس کا جواب مذکور ہے، اسکے بارے میں وہی بطن نعمان لکھا ہے انہوں نے حوادیر گزرا ہے جلالین سے، اور یہ کہ حوادیر مجنب عرفہ، وقیل اخذہ بمرئیب من ارض الهند وهو الموضع الذی صبط آدم فیہ من الجنة۔ الثانی کیف استخرجہم من ظہرہ؟ والجواب وردنی للصح انہ تعالیٰ مسح ظہر آدم واخرج ذریرۃ منہ کلہم کھیمۃ الذریرۃ۔ الثالث کیف اجابوہ تعالیٰ سبلی، حل کا تو احوار عقلاء ام اہا لوہ بلسان الحال، انکے بارے میں اوپر گزر چکا کہ اس میں دو قول ہیں ایک طریقہ السلف اور ایک طریقہ الخلف، الرابع فاذا قال الجبیل فلم قبل تعالیٰ تو ما ورد آخرین؟ والجواب کما قالہ النجاشی ان اللہ تعالیٰ تجلی للکفار بالھیبۃ فقالوا بی تخافہ منہ فلم یکف تنفعہم ایمانہم فكان ایمانہم کایمان المناقین، وتجلی للمؤمنین بالرحمۃ فقالوا بی مطیعین منتھارین فنفعہم ایمانہم الخ۔ الخامس اذا سبق لنا عهد وميثاق مثل هذا فلما شئنا ان نذكره اليوم، اسکے بعد اس کا جواب مذکور ہے السادس هل كانت تلك الذرات مصورة بصورة الانسان ام لا؟ یعنی یہ اولاد آدم جو مثل ذریعہ چینیٹی کے تھی یہ انسانی صورت میں تھی انکے ناک کان وغیرہ یا نہیں، اگے اس کا جواب مذکور ہے، السابع متى تعلقت الارواح بالذرات التي هي الذریرۃ، حل قبل خروجها من ظہرہ ام بعد خروجہا منہ، اسکے بعد اس کا جواب مذکور ہے، الثامن ما الحكمة في اخذ الميثاق منهم؟ والجواب ان الحكمة فی ذلك اقامۃ اللہ الحجۃ علی من لم یوف بذلك العہد الخ، التاسع هل اعادہم الی ظہر آدم ام استرداروا جہنم ثم اعادہم الیہ امواتا؟ یعنی نکالنے کے بعد جب دوبارہ اس ذریرۃ کو آدم کی پشت میں لوٹایا تو اس وقت وہ زندہ تھے یا ان کی ارواح قبض کرنے کے بعد اس میں لوٹایا گیا؟ والجواب ان الظاہر انہ لما ردہم الی ظہرہ قبض ارواحہم الخ، العاشر این رجعت الارواح بعد رد الذرات الی ظہرہ؟ والجواب ان ہذہ مسئلۃ غامضۃ۔ الی آخر ما ذکرہ۔ والحیدث اخرجہ الترمذی والنسائی وقال الترمذی هذا حدیث حسن، قال المنذری۔

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن ابي بن كعب رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الغلام الذي قتله الغضي طبع كافرا، ولو عاش لارهب ابوہ طغيانا وكفرا۔ یعنی جس بچے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا

لہ حفت خضر کے بارے میں حاشیہ بزل میں متعدد حوالے لکھے ہیں جو ان کے حالات دیکھنا چاہے ان کیلئے ہم ان حوالوں کو نقل کرتے ہیں: واختلف فی حیة خضر اثبتہ الصوفیۃ وقال السخاوی فی المقاصد الحسنۃ ص ۱۰۱ الخی الخضر لو کان حیاً لزارنی لا یشیت من فو عا بل مقولہ لبعض السلف، و ذکر ترجمۃ الیضاتی حیة الخوان ص ۲۳۲ وقال فی لسان المن ص ۲۱۰ بقارہ جمع عند الصوفیۃ اھ و بسط الیضاتی ص ۲۱۰ علی احوال الخضر من الاعم والزبان والمکان۔ و بسط الحافظ فی القسم الاول من الاصابۃ، فی الفتح ص ۲۰۲۔ و لفتاویٰ الحدیثیۃ ص ۱۳۱ و حاشیہ الکوکب ص ۲۳۱ و حاشیہ المسلسلات ص ۲۰۴۔



یعنی موسیٰ و خضر کے قصہ میں وہ پیدا نشی کافر تھا، اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین کو مبتلا کر دیتا کفر اور سرکشی میں، طبع کافرا کی تاویل یہ کی گئی ہے۔ تاکہ کل مولود یولد علی الفطرۃ کے خلاف نہ ہو کہ وہ اس صفت اور حالت کے ساتھ پیدا ہوا تھا کہ اگر زندہ رہا اور بڑا ہوا تو کافر ہو جائے گا۔ والحدیث اخرجه مسلم والترمذی، قال المنذری۔

حدثنا عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه قال حدثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان خلق احدكم يجتمع في بطن امه اربعين يوما، ثم يكون علقته مثل ذلك، ثم يكون مضغته مثل ذلك، ثم يبعث الله اليه ملكا فيؤمر بارج كلمات فيكتب رزقه واجله وعمله، ثم يكتب شقى او سعيدا، ثم ينفخ فيه الروح۔

**شرح الحدیث** آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ خلق (اس کی پیدائش کا مادہ یعنی لطفہ) اس کی ماں کے رحم میں جمع رہتا ہے چالیس دن تک، اسکے بعد اربعین ثانی میں علقہ یعنی خون بستہ ہو جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اربعین اول میں لطفہ لطفہ ہی رہا، کیا اس میں تغیر نہیں آیا؟ جواب یہ ہے کہ لطفہ پہلے چالیس روز تک لطفہ ہی رہا تاکہ اسکے اندر خمیر پیدا ہو یعنی آئندہ پیش آنے والے انقلابات اور تغیرات کے قبول کرنے کی صلاحیت ہو جائے پھر تیسرے چلہ میں اس کے اخیر تک وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے یعنی تین چلے گزرنے پر جن کے چار ماہ بنتے ہیں بچہ کے جسم و اعضا بن جاتے ہیں پھر چوتھے اربعین

تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتے ہیں جو چار باتیں اس کے بارے میں لکھتا ہے اس کا رزق، اور مدت عمر، اور اس کے اعمال، اور سستی ہونا یا سعید ہونا، اور اسی میں پھر نفع روح ہوتا ہے علماء نے لکھا ہے چوتھے چلہ میں دس دن گزرنے پر جب وہ چار ماہ دس دن کا ہو جاتا ہے اس وقت نفع روح ہوتا ہے، اربعین رابع میں فرشتہ کے بھیجنے کا مطلب بعض شراح نے لکھا ہے کہ بھیجنے سے مراد امر ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ ایسا کرے کیونکہ فرشتہ تو پہلے سے وہاں موجود ہوتا ہے محافظ حمل، اور بعض نے حدیث کو اسکے ظاہر پر رکھا کہ ممکن ہے یہ چیزیں لکھنے والا کوئی دوسرا فرشتہ ہو جو خاص اس کام کے لئے بھیجا جاتا ہو۔

آگے پھر حدیث میں یہ ہے کہ بعض لوگ شروع میں جنت کے اعمال کرتے ہیں لیکن جب ان کے اور موت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کے بقدر فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس شخص پر نوشتہ خداوندی اور اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور اہل جہنم کے عمل کرنے لگتا ہے اور پھر اسی میں داخل ہوتا ہے اور بعض کا حال اس کے برعکس کہ اول سے آخر عمر تک اہل نار کے عمل کرتا ہے اور جب ایک ہاتھ کے بقدر زندگی باقی رہ جاتی ہے تو تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور جنت کے اعمال میں لگ جاتا ہے اور پھر اسی میں داخل ہوتا ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ، قال المنذری۔

لے حضرت گنوجی کی تقریر ترمذی و ابوداؤد میں اربعین یوم صا پر لکھا ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام تحولات ایک ہی اربعین میں ہو جاتے ہیں اور مشاہدہ کبھی دونوں کے خلاف ہو جاتا ہے (نہ صرف ایک اربعین میں نہ چار میں) اور جواب یہ ہے کہ ہر ایک تغیر کا ایک اربعین میں ہونا اکثریت حمل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور صرف ایک اربعین والی روایت اقلیت حمل پر محمول کی جائے اور باقی روایات کو ان دونوں مدتوں کے درمیان پر محمول کیا جائے، اور اس کے حاشیہ میں ہے: وبسط الحافظ اشرف البسط فی اختلاف الفاظ هذا الحدیث مع التزیج لبعضها والجمع فی بعضها فارجع الیہ لوضعت التفصیل۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا رسول اللہ!

أعلم اهل الجنة من اهل النار؟ قال نعم، قال ففیم يعمل العاملون؟ قال كل میسر لما خلق له۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کیا جان لئے گئے جنتی ممتاز کرتے ہوئے اہل نار سے، یعنی جنت میں جانے والے اور جہنم میں جانے والے مستعین ہو چکے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں، ہو چکے ہیں، تو ان صحابی نے عرض کیا پھر کس لئے عمل کریں عمل کرنے والے، آپ نے فرمایا جس شخص کے لئے جو ٹھکانہ تجویز ہے اس کے لئے اسی ٹھکانہ والے عمل بھی کرنا آسان ہے، عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ثواب و عقاب کا مدار ظاہر و صورتہ اعمال پر رکھا ہے۔ والحدیث اخرجه البخاری وسلم قال المتذری۔

لا تجالسوا اهل القدر ولا تلقا تحوہم۔

یعنی فرقہ قدریہ کے ساتھ اپنا بیٹھنا اٹھنا مت رکھو، کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ یعنی ان کے ساتھ عقائد میں مناظرہ مت کرو، کہیں وہ تمہیں شک میں نہ ڈالیں اور تمہارا اعتقاد خراب نہ کر دیں، اور نہ ان کے ساتھ سلام اور کلام میں ابتداء کرو، اور کہا گیا ہے مفاخہ بمعنی حکومت اور فیصلہ ہے، یعنی اپنے معاملات کا ان سے فیصلہ مت کراؤ اور ان کو حکم مت بناؤ اہ

## باب فی ذراری المشرکین

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سئل عن اولاد المشرکین

قال اللہ اعلم بما کا لوا عاملین۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا اولاد مشرکین یعنی ان کے نابالغ بچوں کے بارے میں کہ ان کا کیا حکم ہے عذاب یا نجات تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ کیسا عمل کرنے والے ہیں یعنی بڑے ہو کر کیا کرتے ہیں۔

شرح الحدیث | خطابی فرماتے ہیں کہ ظاہر کلام سے دیکھتا ہے کہ آپ نے اولاد مشرکین کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم پر محول کر دیا، وہ کہتے ہیں: لیکن یہ مطلب نہیں بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ کافر ہی ہیں اپنے

آباء کے تابع ہیں کفر میں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر وہ زندہ رہتے اور بڑے ہوتے تو کفر ہی کے کام کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب کا قرینہ یہ ہے کہ حدیث عائشہ میں یہ ہے (جو آگے آرہی ہے) کہ میں نے آپ سے مسلمانوں کے بچوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے

فرمایا: من آباہم، یعنی اپنے ماں باپ کے حکم میں ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! بلا عمل، کہ بغیر ہی عمل کے آباء کے حکم میں ہیں تو اس پر آپ نے فرمایا: اللہ اعلم بما کا لوا عاملین، لہذا دونوں جگہ اللہ اعلم بما کا لوا عاملین کا مطلب ایک ہی ہوگا۔ اور

حضرت گسنگوی کی تقریر میں کل مولود یولد علی الفطرة جس کے اخیر میں بھی ہے یا رسول اللہ! افرأیت من یموت وهو صغیر؟ قال اللہ اعلم بما کا لوا عاملین، تو حضرت کی رائے اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے کہ اطفال مشرکین جنتی ہیں فطرة کا اعتبار کرتے ہوئے، اور پھر

سائل کے سوال کے جواب میں جو آپ نے فرمایا: اللہ اعلم بما کا لوا عاملین، اس سے مقصود ذراری مشرکین کے بارے میں اظہار تردد نہیں ہے

اور نہ تعلق علیٰ عمل جیسا کہ بعض شراح کی رائے ہے بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذراری مشرکین بڑے ہو کر کیا کرتے آباد کے اتباع میں کفر اختیار کرتے یا اصل فطرت پر قائم رہتے اس کو تو اللہ تعالیٰ جانیں کہ وہ کیا کرتے لیکن موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ خواہ مشرکین کا ہو یا مؤمنین کا وہ فطرت ہی پر پیدا ہو رہا ہے تو جب بلوغ سے پہلے وہ مر گیا تو گویا اصل فطرت ہی پر مرا جس کا تقاضا نجات اور جنت ہے، یہ حضرت کی رائے ہے جو کتب میں مذکور ہے اور یہاں باب کی حدیث اول یعنی حدیث ابن عباس کے ذیل میں، بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے طویل کلام نقل کیا ہے حضرت عائشہ کی حدیث سے متعلق جس میں دونوں جگہ ہے "ہم من آباہم۔"

**اطفال مشرکین کے بارے میں علماء کے اقوال** اسکے بعد جاننا چاہیے کہ ذراری مشرکین کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں حاشیہ بذل میں ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں اس میں دس مذاہب نقل

کئے ہیں اور بذل میں ملا علی قاری سے مندرجہ ذیل اقوال نقل کئے ہیں، اہم من اهل النار تبعاً للابوین، من اهل الجنة نظراً الی اصل الفطرة، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے اور چوتھا قول یہ کہ وہ بین الجنة والنار ہوں گے نہ معذب اور نہ منعم، یعنی اہل اعراف سے ہوں گے، اور پانچواں قول یہ ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہو گا کہ یہ اگر زندہ رہتا تو کفر اختیار کرتا تو وہ تو جہنمی ہے اور جس کے بارے میں یہ علم ہے کہ یہ بڑے ہو کر فطرت پر قائم رہتا تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور چھٹا قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے اور کوئی فیصلہ نہ کیا جائے اور اکثر اہل سنت کی رائے یہی ہے، لیکن ابن حجر یہ کہتے ہیں کہ یہ توقف تو اس وقت کی بات ہے جب ان کے بارے میں کچھ نازل نہیں ہوا تھا، اور اب صیح قول یہی ہے اہم من اهل الجنة، اور حاشیہ بذل میں ہے کہ حافظ نے امام مالک اور شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ اہم تحت المشیئة، اور امام نووی سے یہ نقل کیا ہے کہ جبور کا قول ان کے بارے میں جنتی ہونے کا ہے، والبسط فی الاوجز ۵۱۲، والفتاویٰ الحدیثیہ ۱۰۱، وفی شرح الاقناع ۲۱۰ ان الخلاف فی اولاد الکفرة من هذه الامم، واما من غیر ہم ففی النار شرح اقناع جو فقہ شافعی کی مشہور کتاب ہے اس میں یہ ہے کہ یہ مختلف اقوال اس امت کے کفار کی اولاد میں ہیں اور دوسری امتوں کے کفار کی اولاد جہنمی ہے یعنی بلا خلاف، اور اس میں اس امت کے کفار کی اولاد کے بارے میں ان کے جنتی ہونے پر حرم کیا ہے۔

عن عائشة ام المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اُتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بصبی مسن

الانصار یصلی علیہ، قالت قلت یا رسول اللہ طوبی لہذا لم یعمل شر او لم یدر بلہ فقال او غیر ذلک یا عائشة، ان اللہ

خلق الجنة وخلق لها اهلاً وخلقها لہم وھم فی اصلا بآباہم وخلق النار وخلق لها اهلاً وخلقها لہم وھم فی اصلا ب

آباہم۔

لہ لیکن چونکہ کتب کی عبارت زیادہ واضح اور سہل تھی اس لئے ہم نے اسی کو نقل کیا ہے۔

## شرح الحدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک انصاری بچہ کو لایا گیا اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے، وہ فرماتی ہیں کہ اس موقع پر میں نے عرض کر دیا کہ یا رسول اللہ اس بچہ کیلئے بہت خوشحالی ہے اسلئے کہ نہ کوئی بڑا کام اس نے کیا اور نہ برائی کو سمجھا، یعنی کرتا تو کیا اس کو جانتا بھی نہیں، اس پر آپ نے فرمایا کیا یہ کہتی ہو حالانکہ بات کچھ اور ہے، تقدیر عیارت اس لفظ کی یہ ہے، التعقیدین ما قلت والحق غیر ذلک، یعنی یہ ہمزہ استفہامیہ ہے اور واو عاطفہ جس کا معطوف علیہ مقدر ہے، اور وہ دوسری بات جو حق ہے وہ عدم الجرم بكونہ من اهل الجنة ہے کہ یقین کے ساتھ جنتی نہ کہا جائے، یہ حدیث اگرچہ اولاد مسلمین کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اجمالی طور پر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے: انہم من اهل الجنة، لیکن تعین کے ساتھ اور یقینی طور پر کسی خاص شخص کے بارے میں بچہ ہو یا بڑا جنتی ہونے کا فیصلہ کرنا اس سے آپ نے منع فرمایا کہ یہ بات احتیاط کے خلاف ہے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی، و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ارضاءھا، سکت علیہ المنذری، و حدیثہا الثانی اخرجہ مسلم والنسائی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کل مولود یولد علی الفطرۃ

فابوۃ یہودانہ وینصرانہ، کما تاتج الابل من بہیمۃ جمعاء هل تحس من جدعاء، قالوا یا رسول اللہ انرایت من یموت وهو صغیر قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔

یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، فطرت پر پیدا ہونے کی شرح میں دو قول ہیں:

(۱) دین اسلام پر پیدا ہونا یا قبول دین کی صلاحیت اور استعداد پر پیدا ہونا، آگے حدیث میں ہے کہ اگر پیدا ہونے والا بچہ یہودی کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو اس کے باپ اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں اور اگر نصرانی کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو اس کو نصرانی بنا لیتے ہیں، یعنی اس عارض کی کیوجہ سے وہ اپنی فطرت سے ہٹ جاتا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ اونٹنیاں جنتی ہیں کامل الخلقہ بچہ کو کیا اس میں سے تم کسی کو کن کٹا دیکھتے ہو، یعنی جس طرح اونٹ کے بچوں میں یہ تغیر اور نقص بعد میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح بعض بچے بھی اصل فطرت پر پیدا ہونے کے بعد بگڑ جاتے ہیں، اس پر صحابہ نے آپ سے جو بچہ بچپن میں مر جائے اس کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ اعلم بما کانوا عاملین، یہ اوپر گزر چکا کہ اللہ اعلم بما کانوا عاملین کا مطلب خطابی وغیرہ شرح کیدنے رہے ہیں، اور حضرت گنگوہی نے اس کا مطلب کیا قرار دیا۔

قال ابو داؤد: قرئ علی الحارث بن مسکین وانا شاهد (روئی نسخة: وانا اسمع) اخبرک یوسف بن عمرو قال

انا ابن رهب قال سمعت مالکاً قیل له: ان اهل الاهواء یحتجون علینا بهذا الحدیث قال مالک احتج علیہم بأخذہ، قالوا رأیت من یموت وهو صغیر؟ قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ یہ پہلے آچکا کتاب الخراج میں ایک جگہ کہ

لہ اس کے علان دو قول اور اس میں آگے آرہے ہیں۔ تہ فی باب ما جاز فی حکم رضی خیر۔

## شرح الحدیث

مسنف کا طریقہ حارث بن مسکین سے روایت کرنے کا یہی ہے جو یہاں اختیار کیا۔ سب جگہ اسی طرح ہے اسکے بارے میں وہاں کچھ اور بھی گذر چکا۔ امام مالک کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں کہ ہمارے استاد سے سوال کیا گیا کہ اہل اہواء یعنی مبتدعین، جس سے مراد قدریہ ہیں، ہم لوگوں کے سامنے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھئے اس سے ہماری تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے۔ فالواہ یہودانہ و نصرانہ، کہ بچہ پیدا تو ہوتا ہے فطرت اسلام پر پھر اس کو اس کے ماں باپ اور ماحول بگاڑ دیتا ہے، پھر تو ماحول ہی سب کچھ ہو گیا تقدیر کچھ نہ ہوئی، حضرت امام مالک نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر وہ لوگ اس حدیث کے اول یعنی شروع کے حصہ سے استدلال کرتے ہیں تو تم ان پر اس حدیث کے آخر سے استدلال کرو، اس سے اہل سنت کی تائید اور تقدیر کا اثبات ہوتا ہے، آخر سے مراد: اللہ اعلم بما کالوا ناعا ملین ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اگر وہ بڑے ہوتے تو کیا کرتے، یعنی وہی کرتے جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور ان کی تقدیر میں ہے، سبحان اللہ! کیا خوب جواب دیا کہ جس حدیث سے وہ استدلال کر رہے تھے اسی حدیث سے اس کا جواب نکال لیا۔

سمعت حماد بن سلمة يفسر حديث "كل مولود يولد على الفطرة" قال هذا عندنا حيث اخذ الله العهد عليهم

في اصلا بآبائهم حيث قال "الست برکم قالوا بلی"

## فطرت کے مصداق میں اقوال

یعنی حماد بن سلمہ نے "كل مولود يولد على الفطرة" اس حدیث کی شرح میں یہ بات کہی کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو عالم ذر میں لوگوں کے وجود کے دنیا میں آنے سے پہلے ان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر لیا گیا تھا، الست برکم قالوا بلی۔ تو فطرت کا مصداق ان کے نزدیک یہ عہد الست ہے جو ایک قدیم زمانہ کا عہد ہے کوئی تازہ خصلت نہیں جو سبھی سے لیا گیا تھا جو دنیا میں آنے کے بعد مسلمان ہوئے ان سے بھی اور جو کافر ہوئے ان سے بھی، امام خطابی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کی یہ تفسیر بہت عمدہ ہے اور گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احکام دنیا میں ایمان فطری کا اعتبار نہیں اصل اعتبار ایمان شرعی کا ہے جو اپنے ارادہ سے اختیار کیا جائے اور جس میں اپنے کسب و ارادہ کو دخل ہو، اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مولود کے بارے میں فالواہ یہودانہ و نصرانہ، تو دیکھئے باوجود ایمان فطری کے پائے جانے کے مولود کے اندر اس کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس پر اس کے کافر ماں باپ کا حکم جاری کیا گیا، اس کے بعد خطابی فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر کے بارے میں ایک دوسرا قول ہے جس کو عبد اللہ بن مبارک نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ فطرت سے مراد وہ سعادت یا شقاوت ہے جو جس بچہ کے حصہ میں آئی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے، یعنی کفر یا ایمان پس ہر پیدا ہونے والے بچہ کا انجام آخر کار وہی ہوتا ہے جس پر وہ پیدا ہوا تھا اور دنیا میں پھر وہ ویسا ہی کام کرتا ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے خواہ وہ فطرت سعادت ہو یا شقاوت اور بچہ کی شقاوت کے آثار و علامات میں سے یہ ہے کہ اس بچہ کے والدین یہودی ہوں یا نصرانی، تو اس کے ماں باپ یہودی و نصرانی اس بچہ کی شقاوت کی وجہ سے اس کو دین یہود و نصاریٰ پر ابھارتے ہیں اور یہودیت و نصراہیت ہی اس کو سکھلاتے ہیں اور یہ کہ وہ عقل و شعور پیدا ہونے سے پہلے ہی مر جائے تو وہ حکم میں اپنے والدین ہی کے ہوگا کیونکہ شرعاً والدین ہی کے تابع ہے، اور یہی مطلب ہے آپ کے قول

فالواہ یہودانہ وینصرانہ کا، اور اس رائے کی تائید اس حدیث عائشہ سے ہوئی ہے جس میں یہ ہے ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتی بصبی من الانصار یصلی علیہ، نقلت یا رسول اللہ طوبیٰ لہ، جس پر آپ نے فرمایا تھا اور غیر ذلک یا عائشہ ان اللہ خلق الجنۃ وخلق لہا اصلا وخلق لہم دہم فی اصلا ابابہم الحدیث، فطرت کی تفسیر میں دو قول یہ ہیں اور دو قول شروع میں گذر گئے۔

عن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الواثقة والمؤودة فی النار، قال یحییٰ قال ابی فحدثنی

ابو اسحاق ان عامرا حدثہ بذلک عن علقمہ عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

**شرح السند** یعنی بغیر واسطہ ابواسحاق کے عامر شعبی سے مرسلہ و معضلاً نقل کی اور دوسری مرتبہ یہ حدیث یحییٰ سے ان کے والد نے ابواسلمہ ابواسحاق کے متصلاً و مستلاً روایت کی، چنانچہ پہلی روایت میں عامر یعنی شعبی نے کہا تھا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور دوسری روایت میں جو ابواسلمہ ابواسحاق کے ہے اس میں عامر شعبی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان دو واسطے مذکور ہیں علقمہ اور ابن مسعود۔

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ وائدہ یعنی وہ دائی جو نو مولود بچی کو زندہ درگد کرنے والی ہے اور مؤودہ خوردہ نو مولود بچی دونوں کے دونوں جہنم کے مستحق ہیں، اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر رکھا جائے تو ذراری مشرکین کے بارے میں وہ جو ایک قول ہے انہم من اهل النار، تو یہ اس کی دلیل ہو جائے گی۔

**دو متعارض حدیثوں میں تطبیق** یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جو کتاب الجہاد میں، باب فی فضل الشہادۃ، میں گذر چکی جس کے آخر میں ہے المؤمنون فی الجنۃ والموؤدۃ فی الجنۃ اسکا جواب بھی وہاں گذر گیا، وئید اور مؤودہ دونوں ہم معنی ہیں، وہاں اس کو جنتی کہا گیا اور یہاں جہنمی، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ المؤمنہ کے بعد اس کا صلہ محذوف ہے یعنی اس کا متعلق، اصل میں تھا المؤمنہ لہا جس کا مصداق اس بچی کی کافروں میں ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً قال یا رسول اللہ ابن ابی ہ قال ابوک فی النار فلما قضا قال ان

ابی واباک فی النار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نجات کا مسئلہ اور اسمیں علامہ شامی کی رائے ایک شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے اور اس کا ٹھکانہ کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ تیرا باپ جہنم میں ہے، کیونکہ وہ کفر پر مرا ہے، راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ شخص جلے لگا تو آپ نے (اس کی طبیعت پر اثر دیکھ کر) فرمایا کہ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں، پس بئذی الجہود میں نجات کے مسئلہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی نجات کے قائل ہیں تو وہ اس حدیث میں لفظ اب کو عم پر محمول کرتے ہیں، اسلئے کہ اب کا اطلاق عم پر بھی ہوتا ہے (عم الرجل صنواً ابیہ) اور خصوصاً اسلئے بھی کہ آپ کی تربیت پچھن میں



آپ کے چچا ابوطالب ہی نے کی تھی، اس حیثیت سے اب کا اطلاق ان پر اور بھی موزوں ہے حضرت شیخ کے اس پر دو حاشیے ہیں، ایک یہ کہ تقدم الكلام عليه، یعنی کتاب الجنائز میں، جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سوال فاطمہ سے مروی ہے: ابلغت معهم الكدى قالت لا، فذکر تشدیداً کے ذیل میں، اور دوسرا حاشیہ یہ ہے کہ یا یہ محمول ہے قبل علمه علیہ السلام کما فی الشامی مؤیداً، وقال ایضاً ص ۴۱۸ ان الاحیاء کان فی حجة الوداع، یعنی یا اس حدیث کی تاویل یہ ہے بجائے چچا پر محمول کرنے کے کہ یہ بات آپ نے شروع میں فرمائی تھی جب کہ آپ کو اپنے والد کی نجات کا علم نہ تھا جیسا کہ شامی میں ہے اور ایک دوسری جگہ شامی میں یہ ہے کہ آپ کے والدین کا احیاء یعنی ان کو زندہ کرنا حجة الوداع کے موقع پر ہوا تھا انتہی مانی ہاشم البذل (قلت) شامی میں جہاں پر یہ مسئلہ مذکور ہے کہ توبۃ الیاس مقبول ہے نہ کہ ایمان الیاس، اس میں ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ اس قاعدہ سے یونس علیہ السلام کی قوم مستثنیٰ مانی جائے گی بقولہ تعالیٰ الا قوم یونس، استثناء کو اتصال پر محمول کرتے ہوئے، اور یہ کہ ان کا ایمان لانا معاینۃ العذاب کے وقت تھا جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے اور اس کو ان کے نبی کی خصوصیت اور کرامت قرار دیتے ہوئے تسلیم کیا جائیگا۔

**ایمان ابوی البنی صلی اللہ علیہ وسلم** اور اسکے بعد فرماتے ہیں: الاتری ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاء ابویہ لہم حتی امتابہ، کما فی حدیث صحیحہ القسری واہن ناصر الین حافظ الشام وغیرہا فانستغابا لایمان بعد الموت علی خلاف القاعدة اکراماً لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کما احی قتیل بنی اسرائیل لیجری قاتلہ، وکان عیسیٰ علیہ السلام یحیی الموتی وکذلک نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احی اللہ تعالیٰ علی یدہ جماعۃ من الموتی، وقد صح ان اللہ تعالیٰ رد سلیمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الشمس بعد مغیبہا حتی صلی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ العصر، نکما اکرم بعود الشمس والوقت بعد فواتہ فکذلک اکرم بعود الحیاء ووقت الایمان بعد فواتہ، وما قیل ان قوله تعالیٰ ولا تسأل عن اصحاب النجم نزل فیہما لم یصح، وخبر مسلم ابی وابوک فی النار، کان قبل علمہ لخصماً، اور شامی میں دوسری جگہ باب النکاح الکافر میں یہ ہے، کل نکاح صحیح بین المسلمین فهو صحیح بین اهل الکفر، اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: ولدت من نکاح لاسن سفاح، اسلئے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کے زمانہ جاہلیت کے نکاح پر جو قبیل الاسلام پایا گیا اس پر نکاح کا اطلاق فرمایا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے (اور چونکہ اس حدیث سے استدلال پر یہ لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا نکاح بحالت کفر پایا گیا تھا اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں) ولا يقال ان فیہ اسارة ادب لاقتضاء کفر الابویں الشریفین مع ان اللہ تعالیٰ احیاهما وامنابہ کما ورد فی حدیث ضعیف، لانا نقول ان الحدیث اعم بدلیل روایۃ الطبرانی والی نعیم وابن عساکر خرجت من نکاح ولم یرحم من سفاح من لدن آدم الی ان ولد فی ابی وامی لم یصیب من سفاح الجاہلیۃ شیء، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو نکاح کا اثبات اور سفاح کی نفی فرماتے ہیں وہ صرف آپ اپنے والدین ہی کے لحاظ سے نہیں فرماتے ہیں بلکہ آپ سفاح کی نفی فرماتے ہیں اپنے جملہ اصول سے آدم علیہ السلام تک۔ اور ظاہر ہے کہ جملہ اصول کا ایمان ثابت نہیں اور ابویں کا گو ثابت ہے لیکن عند النکاح نہیں بلکہ بعد النکاح والموت دوبار زندہ کر کے۔ پس استدلال اس حدیث (ولدت من

نکاح (لا من سفاح) سے اس مسئلہ (کل نکاح صحیح بین المسلمین فهو صحیح بین اهل الکفر) پر درست ہے۔

### حدیث الباب کی توجیہ

### اسی طرح فقہ اکبر والی نائے کا جواب

اور اسی طرح کی جو اور چیزیں منقول ہیں، مثلاً امام صاحب سے فقہ اکبر میں کہ آپ کے والدین کی موت کفر پر ہوئی اور ایسے ہی جو صحیح مسلم میں ہے،

استاذت ربی ان استغفر لای فلم یاذن لی اور ایسے ہی یہ حدیث یا رسول اللہ ابن ابی قالی فی النار الخ اسلئے کہ آپ کے والدین کا ایمان احیاء ہے ہو اور احیاء ان سب کے بعد حجۃ الوداع میں ہوا اسکے بعد علامہ شامی نے دوسرا قول نجات الوبین شریفین کے سلسلہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کے والدین کی وفات قرۃ کے زمانہ میں ہوئی، اسکے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ قول یہی ہے اصول اشاعرہ پر ان من مات ولم یبلغ الدعویۃ یموت ناجیا، اسکے بعد انہوں نے اس میں ماتریدیہ کا مسلک لکھا ہے کہ وہ اہل فترت کے بارے میں مطلقاً نجات کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے جس کو شامی نے ذکر کرنے کے بعد اخیر میں فرمایا، فالظن فی کرم اللہ تعالیٰ ان یکون ابواہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من احدھذین التسمین بل قیل اباؤہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلم مصدر۔

اولی یہ ہے کہ اس بحث کو چھیڑا نہ جائے اور پھر اختتام بحث پر لکھا ہے بعض محققین کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہ اس مسئلہ کو اگر ذکر کیا بھی جائے تو انتہائی ادب کے ساتھ در نہ اول تو ذکر کی ضرورت

ہی کیلئے کہ اس سے ناواقف ہونا کوئی مضر نہیں، نہ ہم سے اسکے بارے میں حشر میں یا قبر میں سوال ہوگا فحفظ اللسان عن التکلم فیہا الا یخبر لولیہ وسلم شایء بظاہر یہ کہہ ہے میں کہ اگر ضرورت اس میں کلام کیا بھی جائے تو خیر کے ساتھ کیا جائے اولی اور اسلم یہی ہے، اور اس سے پہلے کہہ چکے ہیں انتہائی ادب کے ساتھ، اور یہ دونوں باتیں تو قول یا ایما نہما ہی میں ہیں جیسا کہ اوپر سے اس کو ثابت کرتے چلے آئے ہیں، واللہ اعلم وهو الموفق للصدق والصلوٰۃ۔ والحدیث اخرہ وسلم، قال المنذری۔

لہ ماتریدیہ کا مسلک اس میں یہ لکھا ہے، اما لما تریدتہ فان مات قبل مضي مدة یمکنہ فیہا التامل ولم یعتقد ایمانا ولا کفرا فلما عقاب علیہ، بخلاف ما اذا اعتقد کفرا او مات بعد المدة غیر معتقد شیئا، یعنی ماتریدیہ کہتے ہیں اہل فترت کے بارے میں اگر اس کے بلوغ کے بعد اتنی مدت ہی نہیں گذری جس میں تامل کر سکے تو اور ناحق کے درمیان اور حال یہ کہ وہ نہ اعتقاد رکھتا ہو ایمان کا اور نہ کفر کا تو ایسی صورت میں اس پر عقاب نہیں وہ ناجی ہے، اور اگر کفر کا اعتقاد رکھتا ہو یا مدت تامل کے بعد مرالغیر کسی اعتقاد کے ذامیان کا نہ کفر کا، تو اس صورت میں ناجی نہیں، آگے اس میں یہ ہے کہ ماتریدیہ میں جو بخاری ہیں وہ اہل فترت کے بارے میں اشاعرہ کے موافق ہیں اور وہ جو امام صاحب سے منقول ہے لا عذر لاحد فی الجہل بحال کفر، اس کو انہوں نے بعد البعثہ پر محمول کیا ہے، لیکن بخاریوں کی یہ رائے اس شخص کے علاوہ میں ہے جو باعتقاد کفر مرے اسلئے کہ جو شخص اعتقاد کفر یعنی شرک کی حالت میں مرے گا اس کے جہنمی ہونے کی نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح کی ہے علیہ حمل بعض المالکیۃ ماصح من الاماویث فی تعذیب اهل الفترۃ، بخلاف من لم یشرک منہم ولم یوجد بل یبقی عمرہ فی غفلة من هذا کلہم الخلفان، وکفالات من احدثی منہم بعتلہ کفیس من ساعدا، وزید بن عمرو بن لقیل، فلا خلاف فی نجایہم، اسکے بعد وہ عبارت ہے جو شرح میں مذکور ہے لہ یعنی ایما نہما واما کو نہما من اہل الفترۃ۔

عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الشيطان يجرى من  
ابن ادم مجرى الدم-

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیطان انسان کی رگوں میں گھوم جاتا ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اندر اتنی طاقت اور مکت رکھی ہے کہ وہ انسان کے باطن میں اس کی رگوں تک میں پہنچ جائے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مجازاً کثرت اغوار اور القار الوسادس ہے، گویا ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے، اس سے جدا نہیں ہوتا، خون کی طرح، والحديث اخرجه مسلم بطوله، واخرجه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه من حديث صفية بنت حيمي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، وقد تقدم في كتاب الصيام، قال المنذرى-

### باب في الجهمية

اور ایک نسخہ میں ہے "في الجهمية والمعتزلة: جهمية وہ فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے جو اجبار واضطرار کا قائل ہے یعنی انسان اپنے اعمال میں باختیار نہیں بلکہ مجبور ہے اور یہ کہ انسان کے سب افعال حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں، بندہ کی طرف ان کی نسبت جازی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم کو حادث مانتا ہے، نیز وہ باری تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا ہے صفات مشترکہ یعنی جس صفت کا اطلاق انسان پر ہو سکتا ہو جیسے علم قدرت حیات، کلام کیونکہ یہ صفات انسان میں بھی پائی جاتی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ میں بھی یہ پائی جائیں گی تو شریک لازم آئے گی اور جو صفات غیر اللہ میں نہیں پائی جاتیں جیسے آجیاد و ماتہ اور خلق ان کا وہ انکار نہیں کرتا نیز کلام اللہ کو حادث مانتا ہے، سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں کہ جہمیتہ ایک جماعت ہے جو ارجح میں سے جو منسوب ہے جہم بن صفوان کی طرف جس کو قتل کیا گیا، بنو امیہ کے آخری دور میں، اور میزان الاعتدال میں ہے، جہم بن صفوان السمرقندی الفصیح المبتدع رأس الجہمیتہ، ہلک فی زمان صفار التابعین زرع شرعاً عظیماً، اور فتح الباری میں ہے کہ اس کا قتل ۱۲۸ھ میں ہوا، یہ تو جہمیتہ کے بارے میں ہوا، اور معتزلہ قدریہ ہی میں سے ایک جماعت ہے ان کا نام معتزلہ۔ ایک قول کی بنا پر اسلئے ہوا کہ رئیس المعتزلہ واصل بن عطاء جو کہ حضرت حسن بصری کی خدمت میں آیا کرتا تھا، جب واصل نے منزلتہ بین المنزلتین کا قول اختیار کیا، یعنی یہ کہ صاحب کبیرہ نہ مؤمن مطلق ہے نہ کافر مطلق، بلکہ بین المنزلتین ہے، تو اس پر حسن بصری نے فرمایا تھا اعتزل عننا واصل، اسی لئے ان کو معتزلہ کہا گیا (عون) معتزلہ نفی صفات کے قائل ہیں لیکن جبر واضطرار کے قائل نہیں، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ نفی صفات ہی توحید کا مقتضا ہے اسلئے کہ اگر صفات باری کو تسلیم کیا جائے تو درحال سے خالی نہیں، یا ان کو قدیم مانا جائے گا یا حادث، اگر قدیم مانتے ہیں تو تعدد قدام لازم آئے گا، اور اگر حادث مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے (کمانی شرح العقائد) کہ ممنوع تعدد الوجودیہ ہے نہ کہ تعدد القدماء مطلقاً، یعنی واجب لذاتہ کا تعدد ممنوع ہے تعدد قدیم ممنوع نہیں لہذا صفات اس میں دافعا نہیں، ان کا تعدد ہو سکتا ہے، و جواب آخر وہو ان الصفات لیست غیر الذات وان لم تکن عن الذات

ایضا، جیسا کہ عقائد نسفی میں ہے: وہی لاهو ولا غیروہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات میں اور نہ اس کا غیر، شرح عقائد دیکھئے معتزلہ اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں، اصحاب توحید تو اس لئے جو وہم اور پرگندری یعنی نفی صفات ورنہ اثبات صفات کی صورت میں تعدد و قدم لازم آتا ہے جو منافی توحید ہے اور اصحاب العدل اس لئے کہ وہ وجوب الحجج اور علی اللہ تعالیٰ کے قائل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر مطیع کو ثواب دینا واجب ہے، اور عاصی کو عقاب دینا، وہ کہتے ہیں عدل کا مقتضی یہی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا یزال الناس یتساءلون

حتى هذا: خلق الله الخلق فمن خلق الله، فمن وجد من ذلك شيئا فليقل امننت بالله۔

یعنی لوگ فضول سوالات و اسی تباہی کرتے ہی رہیں گے حتیٰ کہ بعض یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ ساری مخلوق کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اور اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا، پس جس شخص کو یہ دوسو سو آئے تو اس کو چلہ بیٹے کہہ لیں کہ: امننت باللہ، اور اس دوسو سو اور سوال کے جواب میں غور و خوض نہ کرے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے جیسا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت خلق ہے یعنی صفت خلق اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اسکے علاوہ کوئی حالت ہی نہیں لہذا یہ سوال باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس دوسو سو کے ازالہ کا جو جواب دیا ہے ان اشارات اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے سے یہ دوسو سو خود ہی زائل ہو جائے گا، اور اسکے بعد والی روایت میں یہ زیادتی ہے: فاذا قالوا ذلك فقولوا: اللہ احد اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد، ثم لیقفن عن یسارہ ثلاثا، ولیستغذ من الشیطان۔

الحديث الاول اخرجہ البخاری، ومسلم والنسائی، والثانی اخرجہ النسائی، قال المنذری۔

عن العباس بن عبد المطلب قال كنت في البطحاء في عصابة فيهم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

فمرت بهم سحابة فنظر اليها فقال ما تسمون هذه؟ قالوا السحاب، قال والمزن، قالوا والمزن، قال والمعان، قالوا والمعان، قال هل تدرين ما بعد ما بين السماء والارض؟ قالوا لا ندرى ابي۔

**حدیث الاوعال کا مضمون** حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بطحار مکہ میں ایک جماعت میں تھا جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے تو اسی اشار میں آسمان میں ایک بادل کا ٹکڑا اگڑا آپ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور حاضرین سے پوچھا کہ تم اس کا کیا نام رکھتے ہو تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اس کو سحاب کہتے ہیں، آپ نے پوچھا اور مزن بھی کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں مزن بھی کہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ عنان بھی کہتے ہو، انہوں نے عرض کیا جی عنان بھی کہتے ہیں، پھر آپ نے یہ سوال کیا کہ جانتے ہو آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے، آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ کہتر یا بہتر یا بہتر سال کا ہے۔ ثم السمار فوقہا کذک حتی عد سبع سنوات، پھر فرمایا آپ نے

اے اور متکلیں اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہر ممکن اور حادث کیلئے قائل اور موجود کا ہونا ضروری ہے نہ کہ واجب کیلئے ورنہ تو تسلسل لازم آئے گا جو عقلاً محال ہے۔

کہ اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے ان دونوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے، اور اسی طرح آپ نے سات آسمان شمار کر لئے اور فرمایا کہ ساتویں آسمان پر ایک سمندر ہے جسکی تکی اور اوپر کی سطح کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک شرفوق ذلک ثمانية اوعال بین اطلاقہم و درکہم مثل ما بین سماء الی سماء شعر علی ظہور ہم العرش، آپ نے فرمایا کہ پھر اس سمندر کے اوپر آٹھ بکرے ہیں یعنی فرشتے جو بکروں کی شکل میں ہیں جو اپنے جسم اور قد و قامت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کے پاؤں کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک، یعنی ان کی پٹلیاں اتنی بڑی اور لمبی ہیں، شعر علی ظہور ہم العرش، اور ان فرشتوں کی کمر پر عرش ہے جس گہرائی (اونچائی) اتنی ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک شعر اللہ تعالیٰ فوق ذلک، پھر اس عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہیں، یہ حدیث دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ فوق العرش ہے اور چھبہ جن کے رد میں یہ باب ہے وہ عرش کے بھی مستکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کے بھی، یعنی وہ صاف یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں بلکہ عرش ہی کا سر سے انکار کرتے ہیں، یہ تو الگ بات ہے کہ عرش پر ہونیکا مطلب کیا ہے، مگر وہ سر سے ہی سے اس چیز کا انکار کرتے ہیں، اور ہمارے سلف صالحین صحابہ اور تابعین وغیرہ اہل علم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ سے بنا تسلیم کرتے ہیں، اور عرش پر ہونکی تشریح اور کیفیت کچھ بیان نہیں کرتے الکی کیفیت کے بار میں وہ اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہیں کسی شخص نے حضرت امام مالک سے الرحمن علی العرش استوی کی تفسیر معلوم کی تھی، پوچھنے والا مبتدئین میں سے ہو گا، تو انہوں نے فرمایا الاستواء معلوم، والکیف مجہول، والسؤال عنہ بدعتہ، اخرجوا هذا المبتدع عن المجلس۔

**حدیث الادعال من حیث التندر؟** اس حدیث کو حدیث الادعال سے تعبیر کرتے ہیں، لفظ ادعال اس حدیث میں مذکور ہے جو اصل کی جمع ہے، یعنی تیس تین، پہلا ہی بکر، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے، انہوں نے

اس حدیث کے بارے میں فرمایا حسن غریب، وروی شریک بعض هذا الحدیث عن سماک فوقف، بعض محدثین نے اس حدیث پر کلام کیا ہے دو وجہ سے ایک اس وجہ سے کہ اس کی سند میں ولید بن ابی ثور ہیں، دوسرے یہ کہ اسی مضمون کی حدیث ترمذی میں حسن طاقی الحسن عن ابی ہریرة مذکور ہے جس میں یہ آخری کلمہ یعنی ثم اللہ تعالیٰ فوق ذلک نہیں ہے بلکہ اس کے بعد زمین کا تذکرہ ہے، هل تدرون ما الذی تحتکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم، قال فانہا الارض، ثم قال هل تدرون ما الذی تحت ذلک، قالوا اللہ ورسولہ اعلم، قال فان تجہتا ارض اخری بینہما سیرة خمس مئة سنہ حتی عد سبع ارضین الحدیث، حافظ ابن القیم نے مثبتین حدیث کی طرف سے دونوں کا جواب دیا ہے کہ ولید بن ابی ثور منفرد کہاں ہے خود ابو داؤد میں ان کے دو تابع موجود ہیں عمرو بن ابی قیس عن سماک، ابراہیم بن طہمان عن سماک، اور حدیث الحسن عن ابی ہریرة کے معارضہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ معارضہ فاسد ہے فان الترمذی ضعف حدیث الحسن هذا وقال فیہ، غریب، فقط رجحہ حدیث الباقی کے بارے میں کہا، حسن غریب، قال وروی عن ابی یونس بن عبد وعلی بن زید قالوا الم سبع الحسن عن ابی ہریرة (من تہذیب السنن لابن القیم) الحدیث اخرجہ الترمذی داہن ماجہ، وقال الترمذی حسن غریب، قال المنذری۔

عن جبیر بن محمد بن جبیر بن مطعر عن ابيه عن جده قال اتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم



اعرابی فقال يا رسول الله جهدت الانفس وضاعت العيال ونهكت الاموال وهلك الانعام فاستسق الله لينا،  
 فاناستشف بك على الله ونستشف بالله عليك. قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ويحك! اتدري  
 ما تقول، وسبح رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فما زال يسبح حتى عرف ذلك في وجوه اصحابه -

### حدیث الاطیط کا مضمون

جبریل مٹم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں  
 ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ سب لوگ مشقت میں پڑے ہوئے ہیں اور بچے ضائع  
 ہو رہے ہیں اور اموال میں بڑی کمی آگئی ہے اور جانور مرے جا رہے ہیں، یعنی خشک سالی کی وجہ سے، لہذا اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے  
 بارش کی دعا کر دیجئے، ہم آپ کو اللہ تعالیٰ پر سفارشیں بنا کر پیش کرتے ہیں (اس جملہ میں تو کوئی اشکال نہیں) اور اللہ تعالیٰ کو سفارشیں بناتے  
 ہیں آپ پر یا یہ قابل اشکال ہے چنانچہ آپ نے فرمایا تیرا ناس ہو تجھے خبر بھی ہے تو کیا کہہ رہا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی  
 تسبیح کرتے رہے، اور آپ تسبیح پڑھتے ہی رہے یہاں تک کہ اس کا احساس صحابہ کرام کے چہروں میں بھی معلوم ہونے لگا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم کو ناگواری ہونے کا، پھر آپ نے فرمایا تیرا ناس ہو، واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سفارشیں نہیں بنایا جاتا اس کی مخلوق میں سے  
 کسی پر اسلئے کہ سفارش کا درجہ کم ہوتا ہے اس سے جس کے پاس سفارش لیجائی جاتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کو سفارشیں بنانا بے محل ہے، اسکے  
 بعد آپ نے فرمایا: **ويحك اتدري ما الله ان عرشه على سنواته لهكذا، وقال يا صابعه مثل القبة عليه، وانه ليشط  
 به اطيط الرجل بالراكب-**

قال ابن بشار في حديثه: ان الله فوق عرشه بعرشه فوق سنواته -

کہ تیرا ناس ہو، تو جانتا بھی ہے اللہ تعالیٰ کو یعنی اس کی عظمت کو، بیشک اللہ تعالیٰ کا عرش اسکے پیدائش کے ہوتے آسمانوں پر اس  
 طرح ہے۔ اور پھر آپ نے اپنے دست مبارک کی انگلیوں کے اشارہ سے سمجھایا جیسے کسی چیز کے اوپر قبہ بنا دیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش  
 آسمانوں کو اس طرح گھیرے ہوئے ہے جیسے کسی چیز کے اوپر قبہ بنا دیا جائے جیسے کسی چھوٹی سی پلیٹ کے اوپر بڑا سر پوش رکھ دیا جائے،  
 اور آپ فرما رہے ہیں کہ عرش کے اتنے عظیم ہونے کے باوجود کہ تمام آسمانوں پر وہ محیط ہے پھر بھی وہ چرچر بولتا ہے اللہ تعالیٰ کی وجہ  
 سے یعنی اس کی عظمت کی وجہ سے جیسے بعض مرتبہ کجاہ اپنے منار کے وزن کی وجہ سے چرچراتا ہے۔

**حدیث اطيط الرجل کی تشریح** | امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اسکے ظاہری معنی کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کے عرش پر  
 ہونے کی کیفیت مذکور ہے حالانکہ استواء علی العرش کی جو کیفیت یہاں اس حدیث میں مذکور ہے

اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے معنی حقیقی پر محمول نہیں ہے اور اس کلام سے مقصود ظاہری معنی کا  
 اشبات نہیں ہے بلکہ مقصود تمثیلی اور تقریبی ہے یعنی حق تعالیٰ شانہ کی عظمت شان کو ایک حسی مثال سے سمجھانا، اس لئے کہ سوال کرنے  
 والا ایک ناواقف دیہاتی تھا، تو جہاں تک اس کی فہم کی رسائی ہو سکتی تھی اسی کے مطابق اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو اسکے  
 ذہن کے قریب کیا گیا ہے، پس معنی مراد اس کلام کے قولہ اتدري ما الله یہ ہیں اتدري ما عظمت الله وجلاله، یعنی اللہ سے



مراد عظمت اللہ ہے، و قوله انه ليمطبه معناه انه ليعجز عن جلاله وعظمته حتى ليمطبه اذا كان معلوما ان اطيظ الرجل بالراكب انما يكون لقوة ما فوقه وعجزه عن احتمال، فمقرب بهذا النوع من التمثيل عنده معنى عظمت اللہ و جلاله، و ارتفاع عرشه، ليعلم ان الموصوف بعد الشان و جلاله القدر و فخامة الذكر لا يجعل شقيقا الى من هو دونه في القدر و اسفل منه في الدرجة، و تعالى الشان يكون مشبها بشئ و كيفية بصورة خلق، او مدر كاجد ليس كمشكلة شئ وهو السميع البصير، کہ رہے ہیں کہ عرش کے چمچہ چراتے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی وجہ سے یہ ہے کہ وہ عرش باوجود اتنا عظیم ہونے کے کہ اس نے تمام آسمانوں کو ڈھانپ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت شان کے سامنے عاجز اور کمزور ہے جیسا کہ راکب کے وزن سے بعض مرتبہ کچا دہ آواز کرنے لگتا ہے، تو اس تمثیل کے ذریعہ سے اس اعرابی کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو اس کے ذہن کے قریب کیا گیا ہے، اور یہ کہ جو ذات اتنی بڑی عظمت شان کے ساتھ متصف ہو اس کو کسی ایسے شخص پر سفارشی نہیں بنایا جاسکتا جو اس سے مرتبہ میں کمتر ہو، اور بھلا حقیقتہ اللہ تعالیٰ کو کسی شئی کے ساتھ کیسے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور کیسے اس کی حد کا ادراک کیا جاسکتا ہے (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے غیر محدود ہے محدود ہونا تو ممکن کی صفت ہے، وہ تو واجب لذات ہے) لیس كمشكلة شئ وهو السميع البصير۔

اس کے بعد اس کی سند میں جو اختلاف ہے مصنف اس کو بیان کر رہے ہیں۔

وقال عبد الاعلى وابن المشنى وابن بشار عن يعقوب بن عتبة وجبير بن محمد بن جبير عن ابيه عن

جدة قال ابو داود، والحديث باسناد احمد بن سعيد هو الصحيح۔

**شرح السند** اور سند میں آیا تھا عن يعقوب بن عتبة عن جبير، مصنف کے اس حدیث میں چار استاذ ہیں ان چار میں احمد بن سعید نے سند اسی طرح بیان کی یعنی جبير بن محمد کو يعقوب کا استاد قرار دیا اور باقی تین استاذوں نے جو سند کے شروع میں مذکور ہیں انہوں نے بجائے عن جبير بن محمد کے، وجبير بن محمد عطف کے ساتھ کہا، یعنی جبير کو يعقوب کا رفیق بنا دیا، گویا محمد بن اسحاق يعقوب اور جبير دونوں سے روایت کرتے ہیں، پھر آگے مصنف نے جو سند انہوں نے اوپر ذکر کی ہے احمد بن سعید والی اس کی تصحیح کی ہے کہ صحیح اسی طرح ہے، اور وجہ ترجیح یہ بیان کی کہ اس میں احمد بن سعید کی موافقت کی ہے ایک جماعت نے جن میں یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی بھی ہیں، آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح احمد کی سند میں جریر بن محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں اسی طرح چند اور حضرات بھی محمد بن اسحاق سے اسی طرح روایت کرتے ہیں گویا احمد کی متابعت کرنے والے ان کے استاذ میں بھی ہیں اور استاذ الاستاذ میں بھی، پہلی متابعت اصولاً متابعت تامہ ہے اور دوسری متابعت قاصرہ، چنانچہ شرح منتخبہ میں ہے: والمتابعة على مراتب، لانها ان حصلت للراوى نفسه في التامة، وان حصلت لشخص من فوقه في القاصر، وليستفاد منها التقوية، مصنف نے چونکہ احمد بن سعید کی روایت کو ترجیح دی ہے متابعت اور کثرت کی وجہ سے تو کسی نے کہا کہ دوسری جانب میں بھی تو کثرت ہے چنانچہ تین راوی ہیں عبد الاعلى، ابن المشنى، ابن بشار، تو اس کا جواب دے رہے ہیں: وكان سماع عبد الاعلى اذ

دہ یہ کہ یہ اگرچہ تین راوی ہیں لیکن ان تینوں کا سماع اپنے استاد سے ایک ہی نسخہ سے ہے لہذا یہ تین حکم میں واحد کے ہیں۔

**حدیث الاطیط پر کلام جرحاً و تاویلاً** | اس کے بعد جانتا چاہیے کہ حدیث الاطیط کی تشریح اور تاویل میں ہم نے امام خطابی کا جو کلام نقل کیا ہے وہ "بذل الجہود سے لیا ہے گویا حضرت کی رائے بھی وہی ہے جو امام

خطابی کی ہے لیکن صاحب عون المعبود جو کہ منکرین تقلید میں سے ہیں (اور یہ منکرین تقلید اپنے آپ کو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اہل حدیث اور سلفی سے تعبیر کرتے ہیں) انہوں نے امام خطابی کے کلام پر نقد کیا ہے اور لکھا ہے کہ کلام الخطابی فیہ تاویل بعید خلاف للظاہر لاجابۃ الیہ، وانما الصحیح المعتمد فی احادیث الصفات امر اعلیٰ ظاہرہا من غیر تاویل ولا تکلیف ولا تشبیہ ولا تمثیل کی علیہ السلف الصالحون والشرائع علم اہم ہمارے خیال میں صاحب عون کی طرف سے یہ مغالطہ ہے امام خطابی کی یہ تاویل سلف صالحین کے مسلک کے خلاف نہیں ہے سلف صالحین نے جن احادیث صفات کے بارے میں یہ کہا ہے کہ امر اعلیٰ ظاہرہا، تو یہ ان احادیث صفات کے بارے میں کہا ہے جو مطلق ہیں، جن میں کیفیت مذکور نہیں جیسے الرحمن علی العرش استوی، اور نزل ربنا کل لیلۃ فی الثلث، الاخیر، وید اللہ علی الجماعۃ اس طرح کی احادیث صفات کے بارے میں ہم (متبعین سلف صالحین) ان کی حقیقت کے قائل ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ یہ احادیث اپنے ظاہر ہی معنی پر محمول نہیں، مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ید کے قائل ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں ایسے یہ کہ یدنا بل لانعلم حقیقتہا، ولہ سبحانہ وتعالیٰ ید تلیق بشانہ، اسلئے کہ سلف صالحین تشبیہ و تمثیل کے قائل نہیں لیکن اگر کسی حدیث میں احادیث صفات میں سے اس طرح کی باری تعالیٰ کی صفات کیفیت کے ساتھ مذکور ہوں جیسا کہ اس حدیث الاطیط میں تو اس طرح کی حدیث سلف کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، اسی لئے ہم نے کہا کہ صاحب عون کے کلام میں مغالطہ ہے بظاہر وہ خود بھی سمجھتے ہوں گے اس بات کو لیکن لکھ رہے ہیں، اور اسی طرح حافظ ابن قیم بھی تہذیب السنن میں اس حدیث کی تصحیح کے درپے ہیں انہوں نے اس پر بہت بسوط کلام کیا ہے، امام خطابی نے تو اس حدیث پر کلام من حیث التاویل کیا ہے انہوں نے اس کو مؤول قرار دیا ہے اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے صرف یہ لکھا ہے: و ذکر البخاری هذا المحدث فی التاریخ من روایۃ جبیر بن محمد بن جبیر عن امیر عن جدہ، ولم یدخلہ فی الجامع الصحیح، لیکن حافظ منذری نے اس حدیث کے ثبوت پر کافی جرح کی ہے، لہذا اس کی طرف رجوع کیا جائے، فلاصہ ان کی جرح کا یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں جو کہ مدلس ہیں اور وہ اس کو "عن" سے روایت کرتے ہیں اور عن عند مدلس کا معنی نہیں، ابن اسحاق کی روایت پر تو تصریح سماع کے بعد بھی محدثین کو کلام ہے چہ جائیکہ اس صورت میں جبکہ تصریح سماع ہی نہ ہو (کیف اذالم یصرح بہ) نیز ابن اسحاق اس کو یعقوب سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ یعقوب بن عتبہ متفرد ہے جبیر بن محمد سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں کی روایت صحیحین میں نہیں ہے اور تیسرا نقد یہ کیا ہے کہ لفظ "لیسط بہ" میں رواۃ کا اختلاف ہے بعض نے لفظ "بہ" اس میں ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن یسین وغیرہ نے لفظ "بہ" کو ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ زیادہ دخل اشکال میں لفظ "بہ" ہی کو ہے۔

صاحب انوار الباری مولانا سید احمد رضا صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۱۱ میں چند علمی حدیثی فوائد کے عنوان کے تحت قاعدہ ثانیہ میں کہتے ہیں: "بذل الجہود" اور انوار المحمود میں اطیط عرش والی حدیث مذکور پر کچھ کلام نہیں ذکر کیا گیا حالانکہ

ضروری تھا۔ اور فائدہ ثالثہ میں لکھتے ہیں: ابوداؤد باب فی الجہمیۃ میں حدیث اوعال بطریق سماک بن حرب روایت کی گئی ہے تو ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر حافظ ابن معین امام احمد امام بخاری، مسلم نسائی ابن جوزی حنبلی وغیرہ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے۔ حافظ ابن القیم نے تہذیب ابی داؤد میں کثرت طرق دکھا کر اس کی تصحیح و تقویت کی سعی کی ہے، حالانکہ انفراد سماک کے بعد کثرت طرق سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن القیم کا علم معرفت رجال میں ضعیف تھا جیسا کہ علامہ ذہبی نے بھی المعجم المختص میں اس کی تصریح کر دی ہے، اس حدیث کے بارے میں پوری تحقیق فصل المقال فی تجنیص احادیث الادعالہ میں قابل دید ہے۔ بذل الجہود میں یہاں بھی حدیث مذکور کے رجال کے بارے میں کلام بہت نا کافی ہے اور سماک پر تو کچھ بھی نہیں لکھا گیا، جس پر روشنی ڈالنی ضروری تھی اہ لہ

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذن لی ان احدث

عن منک من ملائکة اللہ من حملة العرش ان ما بین شحمة اذنه انی عاتقہ مسیرة سبع مائة عام

ابن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کچھ کو اوپر سے اجازت دی گئی ہے اس بات کی کہ جو فرشتے حملہ العرش میں ان میں سے

لہ مولانا سید احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے محفوظات محدث کشمیری نامی کتاب میں ایک جگہ منقحہ تقویۃ الایمان کے بارے میں حضرت مدنی کی یہ رائے کہ رسالہ تقویۃ الایمان میں حذف و الحاق ہوا ہے اسلئے اس کی نسبت حضرت شہید کی طرف صحیح نہیں ہے، پر لکھا ہے کہ احقر نے الوار الہاری میں عرض کیا تھا کہ میں اس نسبت میں اسلئے بھی متردد ہوں کہ یہ کتاب عقائد میں ہے جن کے لئے قطعیات کی ضرورت ہے جبکہ اس میں حدیث اطیط بھی مذکور ہے جو شاذ اور منکر ہے اگرچہ ابوداؤد کی ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے بقول علامہ ذہبی وغیرہ ایسی احادیث پر بھی سکوت کیا ہے جو واضح ضعیف روایہ کی وجہ سے ظاہر الضعف والنعاکہ تھیں اور یہ حدیث نیز ثمانیۃ اوعال والی حدیث بھی نہایت منکر و شاذ ہے، اگر یہ پوری تصنیف حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تو وہ ایسی ضعیف حدیث سے عقاید کے لئے استدلال نہ کرتے جس سے عقائد کو کیا احکام بھی ثابت نہیں ہو سکتے، اس پر مجھے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے خط لکھا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا جبکہ حافظ ابن القیم نے حدیث اطیط کی تصحیح کی ہے، میں نے حضرت کو لکھا..... پھر جب بذل الجہود کی طباعت مصر میں شروع ہوئی تو میں نے حضرت کو تو جہر دلائی کہ ان احادیث پر جو کلام محدثین نے کیا ہے وہ حاشیہ میں شائع کر دیا جائے، حضرت نے لکھا کہ جو حضرات طباعت کے لئے مہر گئے ہیں وہ یہ کام نہ کر سکیں اور ان پر جو کلام کیا گیا ہے وہ مدرسہ کے نسخہ پر یہاں قلمی موجود ہے اس کی نقل بھی جو ہا ہا ہوں، حضرت نے اس کی نقل کرنا کر کچھ رجسٹری ڈاک سے ارسال فرمادی تھی مگر وہ میرے پاس سے ضائع ہو گئی اس تحریر میں ابوداؤد کی حدیث اطیط اور حدیث ثمانیۃ اوعال دونوں کے رجال پر کلام اور شاذ و منکر ہونے کی تفصیل ہے چونکہ یہ ایک نہایت اہم حدیث تھیں ہے اور ان دونوں احادیث سے سلفی حضرات بھی برابر استدلال کرتے ہیں اسلئے اس کا بذل الجہود کے حاشیہ پر طبع ہونا نہایت اہم ضروری تھا مگر انہوں نے اسے نہ طبع نہ ہو سکا، واضح ہو کہ حدیث اطیط کی وجہ سے سلفی حضرات نفوذ باللہ حق تعالیٰ کے لئے دنیا کی تمام وزنی اشیاء کو بے پتھروں وغیرہ سے زیادہ ثقل مانتے ہیں اور درازی بھری نے اپنی کتاب التفضیل میں بھی اس کو نقل کیا ہے جس میں حق تعالیٰ کے لئے قیام اور صلوس وغیرہ بھی ثابت کیا ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ نے مواظع المعقول (حاشیہ منہج السنۃ) میں بھی نقل کیا ہے۔ الی آخر۔ اخیر میں مقالات کوثری ص ۳۴۸ کا حوالہ ہے۔

ایک فرشتہ کا حال بیان کر دوں لو گوند سے۔ وہ یہ کہ وہ جنت کے اعتبار سے اتنا عظیم ہے کہ اس کے مونڈھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے بقدر ہے، اس حدیث کی مناسبت بھی یاب سے وہی ہے جو پہلے گزر چکی کہ جہیمہ عرش کا انکار کرتے ہیں۔

سمعت اباہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقرأ هذه الآية: ان الله يامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها۔ الی قوله تعالیٰ۔

سمیعا بصیرا قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم یضع ابهامہ علی اذنه، والی تلہا علی عینہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس آیت کریمہ کو تلاوت فرماتے وقت ان اللہ کان بصر البصیرا پر جب پہنچے تو اپنا انگوٹھا اپنے کان اور شہادت والی انگلی آنکھ پر رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی صفت سمع والبصر کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے (مگر تشبیہ و تکلیف مقصود نہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے آنکھ کان بھی ایسے ہی ہیں) جہیمہ پر رد کرنے کیلئے جو صفا مشترکہ کا انکار کرتے ہیں جن میں سمع والبصر بھی داخل ہیں۔

## باب فی الرؤیة

یہ مسئلہ بھی اہل سنت اور دوسرے فرقوں کے درمیان مختلف فیہ ہے، اہل السنۃ و الجماعت اسکے قائل ہیں آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی وجہ سے، معتزلہ جہیمہ اس کا انکار کرتے ہیں، یعنی باری تعالیٰ کی رویت بندوں کے لئے برفہ قیامت، شرح عقائد میں ہے رؤیۃ اللہ تعالیٰ جائزۃ فی العقل واجبۃ بالنقل، وقد ورد الدلیل السعی بايجاب رؤیة المؤمنین اللہ تعالیٰ فی دار الآخرة، اما الكتاب فقوله تعالیٰ، وجوه یومئذ ناظرة ان رہبنا ناضرة، واما السنۃ فقوله علیہ الصلاۃ والسلام انکم سترون ربکم كما ترون القمر لیلة البدر وهو مشہور رواہ احد عشر من اکابر الصحابة رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، واما الایمان فہو ان الامۃ کافرا یجمعین علی وقوع الرؤیة فی الآخرة وان الآیات الواردة فی ذلک محمولة علی ظواہرھا،

منکرین رویت کی دلیل اور اس کا جواب | ثم ظہرت مقالۃ المنی الغین وشاعت شہیمہ و تاویلا ہتم، واقوی شہیمہ من العقلیات ان الرؤیة مشروطۃ بكون المرئی فی مکان وجہہ ومقابلۃ من الرائی وثبوت مسافتہ بینہما

بحیث لا یكون فی غایۃ القرب ولا فی غایۃ البعد واتصال شعاع من الباصرة بالمرئی، وكل ذلک محال فی حق اللہ تعالیٰ، والی جواب منع هذا الاشرط والیہ اشار بقوله فیردی لانی مکان ولا علی جہتہ من مقابلۃ واتصال شعاع او ثبوت مسافتہ بین الرائی و بین اللہ تعالیٰ۔

وقیاس الغائب علی المشاہد قاسد۔ الی آخر ما ذکر۔ یعنی رویت باری تعالیٰ عقلا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے اور شرعا ثابت ہے ان مذکورہ بالا آیات و احادیث کی بنا پر اور ایسے ہی اجماع امت سے، اور جو ذک اسکے منکر ہیں معتزلہ وغیرہ ان کا انکار عقل کی روشنی میں ہے

وہ یہ کہ رویت کے لئے جو شرائط ہیں جن کے بغیر ہم دیکھتے ہیں کہ رویت ممکن نہیں وہ باری تعالیٰ میں مفقود ہیں اور اس کی شان کے منافی ہیں، مثلاً رویت کے لئے عقلا یہ شرط ہے کہ شئی مرئی کسی جگہ اور جہت میں ہو اور رائی مرئی کا مقابلہ پایا جا رہا ہو اور یہ کہ رائی مرئی

کے درمیان کسی قدر مسافت اور فاصلہ پایا جا رہا ہو، نہ غایت قرب ہو اور نہ غایت بعد، غایت قرب بھی رویت سے مانع ہوتا ہے، جیسے وہ چیزیں جو آنکھ کے اوپر رکھ دی جائے آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی، غایت قرب کی وجہ سے اور غایت بعد

کا مانع ہونا بھی ظاہر ہے، لہذا جب یہ شرائط رویت باری میں موجود نہیں تو رویت بھی ممکن نہیں، اس کا جواب دیا کہ یہ شرائط جو تم لوگ بیان کر رہے ہو یہ رویت ممکن للممكن کے لئے ہیں، لہذا واجب تعالیٰ کی رویت کو رویت ممکن پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے؛ پس اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی مسلمانوں کو قیامت کے دن بدو ان کے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جہت میں ہوں یا مقابلہ میں اور ایسے ہی بدو ان اتصال شعاع کے۔ اسی طرح ان کے اور دوسرے اشکالات لا تدرکہ الا بصار وغیرہ کے جوابات دیاں مذکور ہیں، اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

**رویت باری تعالیٰ فی الدنیا و فی المعراج** اصل مسئلہ کا تعلق تو رویت فی الآخرة سے ہے البتہ رویت باری تعالیٰ فی الدنیا اور اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رویت واقعہ معراج میں یہ خود اہل سنت

اور صحابہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، شرح عقائد میں معراج کے بیان میں ہے: شرہ الصحيح انہ علیہ الصلاۃ والسلام انہ آراى ربہ بفوادہ لا بعینہ، اور جلالین میں ہے ما کذب الفواد ما راى بصرہ من صورۃ جبریل، و فی حاشیۃ الجمل قولہ من صورۃ جبریل بیان لما راى، و ہذا احد قولین فی تفسیر ما راى، والثانی ان الذی راہ ہو ذات اللہ تعالیٰ و عبارتہ الخازن: واختلفوا فی الذی راہ، فقیل راى جبریل، و ہو قول ابن مسعود و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، وقیل ہوا اللہ عزوجل، ثم اختلفوا علی هذا فی معنی الرویۃ، فقیل جعل بصرہ فی فوادہ و ہو قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، روى مسلم عن ابن عباس، ما کذب الفواد ما راى ذلک راہ نزلة الخری، قال راى ربہ بفوادہ مرتین و ذهب جماعة الی انہ راہ بعینہ حقیقہ و ہو قول النسب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ و احسن و عکرمہ، قالوا راى محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ربہ عزوجل، و روى عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اللہ عزوجل اصطفیٰ ابراہیم بالخلة و اصطفیٰ موسیٰ بالكلام و اصطفیٰ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالرویۃ و قال کعب ان اللہ قسم رویتہ و کلامہ بین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، و موسیٰ، فکلم موسیٰ مرتین و راہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، مرتین، اخریہ الترمذی باطولی من هذا، و کانت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول لم یر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ربہ و تحمل الآیۃ علی رویتہ جبریل و فی الخطیب: و حاصل المسئلۃ ان الصحیح ثبوت الرویۃ و ہوا جری علیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبرالائۃ و ہوا الذی یرجع الیہ فی المعضلات و قدر جبریل عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فاخبرہ بانہ راہ، و لا یقدر فی ذلک حدیث عائشہ لانہا لم تجر انہا سمعت من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہ قال لم آرز، و انما اعتمدت علی الاستنباط، و جوابہ ظاہر فان الادراک ہوا الاحاطۃ واللہ تبارک و تعالیٰ لا یحاط بہ، و اذا ورد النص بنفی الاحاطۃ لا یلزم منہ نفی الرویۃ بغير احاطۃ و اجیب عن احتجاجہ بقولہ تعالیٰ، و ما کان لیسیر ان یکلم اللہ الادمیاء، بانہ لا یلزم من الرویۃ وجود الکلام حال الرویۃ فیجوز وجود الرویۃ من غیر کلام، و بانہ عام مخصوص بما تقدم من الادلۃ و ہو جمل کی یہ ساری عبارت چونکہ بہت واضح اور جامع تھی اور مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کافی اسلئے ساری نقل کر دی گئی، واللہ تعالیٰ الموفق، حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں جمل کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب کے حوالے ہیں، نیز اس میں ہے: و رجع القاری فی شرح الشفاۃ ان الرویۃ للمصفاۃ لا للذات و قال فی شرح الفقہ الاکبر: الصحیح ما فی شرح العقائد انہ راہ بقلیہ، و هكذا فی التفسیر الاحمدی و اختار مولانا التھانوی فی بیان القرآن، التوقف، و فی نشر الطیب رویتہ البصر، و اختار فی فتح الملہم، انہ راہ مرۃ بقلیہ و مرۃ بصرہ و فی الفتاویٰ الحدیثیۃ



لابن حجر: هل يراه المؤمنات ايضا ام لا، والملائكة والاعم السالفة ام لا؟

عن جرير بن عبد الله - رضي الله تعالى عنه - قال كنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم جلوسا ننظر

الى القمر ليلة البدر ليلة اربع عشرة فقال انكم سترون ربكم كما ترون هذا الاتصامون في رؤيته. اور اس کے بعد والی روایت میں ہے:

عن ابی ہریرة رضي الله تعالى عنه - قال قال ناس يارسول الله انرى رينا عز وجل يوم القيامة؟ قال هل تضارون

في رؤية الشمس في الظهيرة -

یعنی ایک مرتبہ صحابہ نے آپ سے سوال کیا کہ کیا مسلمانوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا؟ (زمین میں یہ تھا کہ اگر ہونا ہے تو کیسے ہوگا یعنی اتنا زبردست نجوم لوگوں کا جس کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا وہ ذات واحد کو کیسے دیکھے گا، ممکن ہے اس میں دھکم پیل کی نوبت آئے جس میں بعض کو ہو سکے اور بعض کو نہ ہو سکے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب بہت واضح مثال سے سمجھا دیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ چاند جس کا ایک مختصر سا جسم ہے جب چودھویں رات کو وہ کھلا ہوا ہوتا ہے تو ساری دنیا کے انسان اس کو نہایت آرام سے بغیر بھیڑ کے ہر ایک اپنی جگہ پر ہوتے ہوئے اس کو دیکھ لیتا ہے۔

اور اسکے بعد والی روایت میں یہ ہے: اکلنا ییری ربہ مخلیا بہ یوم القيامة، اس میں صحابی کا آپ سے یہی سوال ہے کہ

قیامت کے دن ہر شخص اپنی جگہ پر ہوتے ہوئے، تنہا بغیر زحمت کے اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔

اس حدیث کے بارے میں اوپر گذر چکا شرح عقائد سے کہ یہ حدیث مشہور ہے اکیس اکابر صحابہ سے مروی ہے، چنانچہ یہ حدیث

متعدد طرق سے صحاح ستہ میں موجود ہے۔

حدیث جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، وحدیث ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ

مسلم، وحدیث ابی رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ ابن ماجہ، قالہ المنذری۔

قال سالم الخبزي عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنها قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

يطوى الله تعالى السموات يوم القيامة ثم يأخذهن بيده اليميني ثم يقول انا الملك ابن الجبارون آيت

المتكبرون، ثم يطوى الارضين ثم يأخذهن بيده الاخرى ثم يقول ابن الملك، ابن الجبارون ابن المتكبرون۔

یعنی اللہ تعالیٰ بروز قیامت ساتوں آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا۔ وہ کلمات جو اوپر مذکور ہوئے

اور پھر اسی طرح ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا (کہ وہ بھی یقین ہی ہے) اور پھر وہی بات ارشاد فرمائیں گے،

یعنی وہ بڑے بڑے بادشاہ جو دنیا میں گذرے ہیں جو ناتی تکبیر کرتے تھے، اور دنیا میں مخلوق پر اپنا دبدبہ اور زور دکھلاتے تھے

وہ کہاں ہیں اگر دیکھیں اپنی بڑائی کے دعوے اور ان کی حقیقت۔

یہ حدیث بھی چونکہ اس میں اللہ کا ذکر ہے احادیث صفات میں سے ہے اسی لئے اس کو یہاں مصنف لائے ہیں۔ والحدیث اخرجہ مسلم

واخرجہ البخاری تعلیقا، قالہ المنذری۔



عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ینزل ربنا عز وجل کل لیلۃ  
الی سماء الدنیا الخ۔

یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے آخر میں۔ باب ابی اللیلۃ افضل۔ میں گذر گئی اور اس پر کلام بھی وہاں گذر گیا، یعنی احادیث صفات کے  
بارے میں مذاہب مختلفہ اور اہل السنۃ والجماعت کا مسلک، جس میں متقدمین و متاخرین کا طرز مختلف ہے، وہ سب وہاں گذر چکا۔  
حاشیہ بذل میں یہاں ایک علی فائدہ لکھا ہے جو نیچے حاشیہ میں دیکھئے۔ یہ  
والحدیث الخربہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ، قال المنذری۔

## باب فی القرآن

مصنف کی غرض اور باری تعالیٰ کے لئے مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں جیسا کہ احادیث الباب سے ثابت ہو رہا ہے کہ  
قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کے متکلم اللہ تعالیٰ ہیں، لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی  
صفت کلام ثابت ہونے میں معتزلہ کا اختلاف  
صفت ہے، جس طرح کہ ہر کلام اپنے متکلم کی صفت ہوتا ہے، اور جب یہ بات ہے  
کہ قرآن کلام اللہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو پھر وہ قدیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے قدیم ہیں، معتزلہ کہتے  
ہیں کہ قرآن حادث ہے کیونکہ مرکب من الحروف والاصوات ہے وکل مرکب حادث فالقرآن حادث، اسی کے ساتھ وہ یہ کہتے ہیں کہ کلام  
اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے نہیں ہے یعنی صفت کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہی نہیں جس طرح اور صفات اس کیلئے ثابت ہیں علم و قدرت  
سمع و بصر وغیرہ، وچہ وہ اس کی یہی بیان کرتے ہیں کہ ہر کلام حادث ہوتا ہے، اور قرآن کو جو کلام اللہ کہا جاتا ہے جیسا کہ بکثرت احادیث  
میں آتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بلکہ کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار تخلیق کے ہے یعنی کلام خلقہ اللہ  
تعالیٰ فی اللوح المحفوظ، جیسے کہتے ہیں بیت اللہ۔

اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام من جملہ صفات الہی کے ہے لیکن کلام سے مراد ان کی  
کلام کی دو قسمیں لفظی و نفسی  
کلام نفسی ہے یعنی مدلول کلام لفظی جو کہ مرکب من الحروف والاصوات نہیں ہے، گویا اہل سنت  
کلام کی تقسیم کرتے ہیں لفظی اور نفسی کی طرف، کلام نفسی وہ ہے جو متکلم کے دل میں بات آتی ہے جس کو وہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے  
اور اس کا اظہار کرتا ہے، قال الشاعر — ان الکلام لقی القواد و انما ینزل اللسان علی القواد و لیس!

لہ حکى الباجى ص ۳۳ عن الامام مالک: لا بأس بروایۃ النزول وروایۃ فتحک تعالیٰ ولا ینبغی ان یروی حدیث اہتر العرش فی جنازۃ سعد و لا حدیث ان اللہ خلق  
اوم علی سرورہ، و حدیث الساق، و الفرق بینہما یوجہین ان اولان الاولین صحاح و حدیث الاھتر از ان غیرہ و حدیث الصورہ و الساق لیست اسانیدھا تسبیح فی الصحیح  
حدیث النزول، اولان التاریخ فی الاولین اقرب، کہ انی الادب جزاھ

شاعر کہتا ہے کہ کلام تو دراصل وہ ہے جو حیات اور مضمون آدمی کے دل میں ہوتا ہے، زبان تو اس کلام کے ادا کرنے کا آلہ ہے، معلوم ہو ا کلام کی دو قسمیں ہیں نفسی اور لفظی جو محاورات اور کلام شعرا سے بھی ثابت ہے لہذا اس کا انکار مکارہ ہے، اور قرآن کریم اگرچہ کلام لفظی ہے اس حیثیت سے وہ حادث ہونا چاہیے مگر چونکہ قرآن کو کلام اللہ کہا جاتا ہے اسلئے احتیاطاً وادباً اس پر حادث کا اطلاق نہیں کرتے، کلام لفظی و نفسی کی بحث مقدمہ میں بھی مختصراً گذری ہے علم حدیث کے مرتب کے بیان میں۔

معتزلہ حضرات کلام کی تقسیم کے قائل نہیں وہ صرف کلام لفظی ہی پر کلام کا اطلاق کرتے ہیں، کلام نفسی پر وہ کلام کا اطلاق نہیں کرتے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ہمارے اور ان کے درمیان لفظی ہوا کیونکہ جس کو وہ حادث کہتے ہیں اس کو ہم بھی قدیم نہیں مانتے، اور جس کو ہم قدیم کہتے ہیں اس کو وہ حادث نہیں کہتے بلکہ سر سے سے اس کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں، کہ کلام نفسی کوئی چیز نہیں۔

**خلق قرآن کا مسئلہ** | خلق قرآن کا مسئلہ تاریخ میں ایک مشہور اقلتانی مسئلہ ہے، حضرت امام احمد بن حنبل کے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت زور و شور سے اٹھا تھا، اس زمانہ کے خلفاء معتزلہ کے مسلک کی طرف مائل تھے اسلئے

انہوں نے علماء اہل سنت کو مجبور کیا عقیدہ خلق قرآن پر بعض نے تو اس کا اقرار کر لیا اور بعض نے صریح انکار کیا انہیں میں سے امام احمد بھی ہیں اس پر ان کے کوڑے بھی لگے اور قید بھی، معتصم باللہ کی خلافت میں، اور ان کے پیروں میں بیڑی ڈالی گئی لیکن حضرت امام احمد کو استقلال بنے ہے، پھر اس کے بعد واثق باللہ کا زمانہ آیا اس کا بھی یہی طرز رہا، اسکے بعد متوکل باللہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اس نے امام احمد کی تعظیم بلیغ کی اور اس قسم کا ازالہ کیا فجر ۱۰۱۱ھ اللہ تعالیٰ احسن بجزا، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ تالیف کیا مسئلہ خلق القرآن کے نام سے جس میں انہوں نے یہ مسئلہ اور اس کے متعلقات کو کافی تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کی نفس ابتداء تو عبد اموی میں جہم بن صفوان بلکہ اس سے پہلے جعد بن درہم کی طرف سے ہوئی، جعد بن درہم کو ۱۱۸ھ میں اور جہم بن صفوان کو ۱۳۸ھ میں عبد اموی کے اواخر میں قتل کیا گیا، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں بھی یہ مسئلہ کسی قدر اٹھا تھا لیکن امام صاحب نے اس کو رفع دفع کر دیا، اس مسئلہ کا نام بھی تاریخ اور کتب تراجم رجال میں مشہور ہے، مسئلہ خلق قرآن کے علاوہ مسئلہ اللفظ اور مسئلہ المحدث سے بھی مشہور ہے، چنانچہ کتب رجال میں آتا ہے استل بالمحدث یعنی مسئلہ خلق قرآن سے ان کو سابقہ پڑا۔

**امام بخاری کی طرف سے غلاۃ حنابلہ پر رد** | اس کے بعد آپ سمجھئے کہ حضرت امام احمد بن حنبل یہ فرمایا کرتے تھے لایقولن احدکم

لفظی بالقرآن حادث، یعنی زبان سے یہ بھی ظاہر نہ کرو کہ الفاظ قرآن حادث ہیں (احتیاطاً معتزلہ کی مخالفت میں) لیکن غلاۃ حنابلہ نے یہ کیا کہ وہ الفاظ قرآن کو حقیقہ قدیم کہنے لگے اور یہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے کہنے لگے: کل ما بین الدفتین فهو قدیم، بلکہ خود دفتین کو بھی قدیم کہنے لگے، اور قرآن کریم کے اوراق اور جس قلم اور روشنائی سے وہ لکھا گیا اس تک کو وہ قدیم کہنے لگے، پھر جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس مسئلہ کی اصلاح اور تحقیق فرمائی اور فرمایا لفظی بالقرآن حادث، اور فرمایا اعمالنا و اعمالنا حادثہ، اور دراصل یہی رائے امام احمد بن حنبل کی بھی تھی

لیکن وہ لفظی بالقرآن حادث سے گریز کرتے تھے اپنے ماحول کے اعتبار سے، اس سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ امام احمد اور امام بخاری کی رائے میں بھی آپس میں اختلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے، کذا افادہ شیخ قدس سرہ فی درر البخاری فی مقدمۃ اللامع۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم يعرض نفسه

على الناس بالموقف فقال الرجل يعجلني الى قوم فان قریشا قد منعوني ان ابلغ كلام ربي۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم موسم حج میں اپنے آپ کو لوگوں پر پیش فرمایا کرتے تھے، یعنی ہجرت سے قبل ابتداء بعثت میں۔ حج کے زمانہ میں چونکہ چاروں طرف سے مختلف شہروں سے لوگ مکہ مکرمہ پہنچتے تھے تو اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس لوگوں سے ملاقاتیں فرماتے تھے، اپنے آپ کو پیش کرنے کا مطلب یہی ہے اور ان سے آپ یہ فرماتے کہ آپ لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ مجھے اپنے ساتھ واپسی میں لیجائے تاکہ میں وہاں جا کر تبلیغ رسالت کا کام انجام دے سکوں، اور اپنے رب کے کلام کو ان تک پہنچا سکوں، یہ میری قوم قریش تو مجھے یہ کام کرنے نہیں دیتی۔

اس حدیث میں آپ نے کلام ربی فرمایا معلوم ہوا کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہی مصنف کی غرض ہے۔

والحدیث اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجہ، وقال الترمذی حسن صحیح غریب۔

عن عامر بن شہر قال كنت عند النجاشی فقرأ ابن له اية من الانجيل فضحك فقال اتضحك من كلام الله تعالیٰ

عامر بن شہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بیٹھا تھا تو اس کے بیٹے نے انجیل کی ایک آیت پڑھی جس پر مجھ کو ہنسی آگئی۔ ہنسی کسی وجہ سے آئی ہوگی جو ہمیں معلوم نہیں، یا تو اس میں دخل مضمون آیت کو ہوگا، یا اس کے طرز قرارت پر یا کوئی اور وجہ۔ یہاں نجاشی کے کلام میں بھی کلام کی اصناف اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے معلوم ہوا یہ بات پہلے سے مشہور ہے اہل کتاب بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔

عن ابن شہاب اخبرني عروة بن الزبير وسعيد بن المسيب وعلقمة بن وقاص وعبيد الله بن عبد الله

عن حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ وكل حديثي طائفة من الحديث۔ ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق حدیث الانک خود حضرت عائشہ کی روایت سے لے کر چار اسانڈہ سے پہنچی جو سند میں مذکور ہیں لیکن وہ پوری حدیث لکھ کر ہر ایک سے نہیں پہنچی بلکہ ہر ایک سے اس حدیث طویل کا کچھ کچھ حصہ، جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب حضرت عائشہ کے بارے میں آیات برات نازل ہو گئیں تو اس کے بارے میں وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنا مرتبہ اس سے بہت کم سمجھتی تھی کہ باری تعالیٰ اس مسئلہ کے بارے میں کلام فرمائیں گے یعنی وحی کے ذریعہ سے فیصلہ فرمائیں گے اور وحی بھی ایسی جو مستو ہو، بلکہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ میرے بارے میں آپ کوئی خواب وغیرہ دیکھ لیں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس کلام میں ان سے حکم اللہ فیہ مذکور ہے یعنی کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن کریم میں، ترجمہ الباب ثابت ہو گیا کہ قرآن کلام اللہ اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، حاشیہ بدل میں ہے حدیث انک سے متعلق اخرجه البخاری مفصلاتی مواضع من کتابہ وبسط الحافظ شرح جہانی التفسیر، ہمارے یہاں بھی اسکے حوالے کتاب الحدود،

باب حد القذف میں گذر گئے۔ والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی مطولاً ومختصراً، قال المتذری

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعوذ الحسن والحسین:

اعیذکما بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة، ثم یقول کان ابوکم یعوذ بهما اسماعیل واسحاق، علیہما السلام۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے یعنی دم کرنے کے لئے جس میں کلمات کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے ہامۃ ہر زہر بلا جانور، سانپ، بچھو وغیرہ اور لامة یعنی ذات لم اور لم کے معنی ہیں کسی شئی کے قریب ہونا لہذا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر ایسی آنکھ اور نظر بد سے جو دوسرے سے لگنے والی ہو اور ابوکم سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام لانا ابو العرب، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے دونوں فرزند اسماعیل اور اسحاق کو یہی دعا پڑھ کر دم فرماتے تھے۔ بعض نسخوں میں اس دعا کے بعد یہ زیادتی ہے قال ابو داؤد ہذا دلیل علی ان القرآن لیس بمخلوق، امام خطابی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول بکلمات اللہ التامة سے استدلال کیا کرتے تھے کہ قرآن مخلوق اور حادث نہیں اسلئے کہ ہر کلام مخلوق میں کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے لہذا جو کلام صفت تمام کے ساتھ موصوف ہوگا جیسا کہ یہاں اس حدیث میں ہے وہ غیر مخلوق ہی ہوگا اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے غیر مخلوق ہونے پر بیہقی کا استدلال

کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اسکی صفت ذات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت صفات ذات میں سے مخلوق اور حادث نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انما قولنا شئی اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون" جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مخلوق چیز قول کن سے پیدا ہوتی ہے تو اگر قرآن کو مخلوق مانا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ مخلوق ہوگا، کن سے اور کن بھی اللہ کا قول اور کلام ہے لہذا اس کے لئے بھی کن کی ضرورت ہوگی اور چونکہ وہ "کن" بھی قول ہے اس کے لئے ایک اور کن کی ضرورت ہوگی، دھکذا الی غیر النہایۃ، یعنی تسلسل لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ، قال المتذری۔

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا تكلم الله تعالى

بالوحي سمع اهل السماء للسماء وصلصلة كجبر السلسلة على الصفا فيصعقون، فلا يزالون كذلك حتى ياتيهم

جبريل، حتى اذا جاءهم جبريل فزع عن قلوبهم، قال فيقولون يا جبريل ماذا قال ربك فيقول: الحق، فيقولون الحق، الحق۔

شرح الحدیث: آپ فرما رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں وحی کے ساتھ یعنی جبریل کے لئے تو آسمان کے تمام فرشتے آسمان کی ایک آواز سنتے ہیں، ایک روایت میں ہے: اذا تكلم الله بالوحي اخذ السموات من رعدة او قال رعدة

شدیدہ من خوف اللہ تعالیٰ، فاذا سمع ذلك اهل السموات صعقوا وخروا للرب سجداً، یعنی خود آسمان میں ایک آواز پیدا ہوتی ہے اس کے  
تھرنے اور کپکپانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے، جب آسمان کی اس آواز کو فرشتے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔  
صلصلة اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے پر لوہا مارنے سے پیدا ہوتی ہے، اور یہاں روایت میں یہ ہے اس کے بارے میں کہ ایسی  
آواز پیدا ہوتی ہے جیسے لوہے کی زنجیر کو چکینے پتھر پر کھینچنے سے ہوتی ہے، فیصعقون تو عام فرشتے اس آواز کو سننے کی وجہ سے  
بے ہوش ہو جاتے ہیں پس وہ اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں یہاں تک کہ حضرت جبریل ان کے پاس تشریف لاتے ہیں اور ان کے  
آنے پر ان کی غشی دور ہوتی ہے اور وہ ہوش میں آتے ہیں اور جبریل سے پوچھتے ہیں کہ تیرے رب نے کیا بات کہی تو وہ فرماتے ہیں کہ  
حق بات کہی تو اس پر وہ سب فرشتے کہتے ہیں ہاں صحیح ہے حق بات کہی۔

اس حدیث میں بھی قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے معلوم ہوا قول اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے

بخاری کے شروع میں پہلے ہی باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں اس طرح ہے کہ حارث بن ہشام نے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، کیف یاتیک الوحي؟ فقال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احيانا یا تینی

مثل صلصلة الجرس وهو أشده علي، فیفصم عني وقد وعيت عنه ما قال، و احيانا یتشل فی الملك رجلاً

فی کلمتی فاعی ما یقول، اس حدیث میں وحی کے دو طریقے مذکور ہیں اول مثل صلصلة الجرس یعنی گھنٹی کی سی آواز اور دوسری شکل یہ

کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کے کلمات کو محفوظ کر لیتا ہوں، صلصلة الجرس کے

بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر بخاری میں ہے: پھر اس میں کلام ہے کہ یہ صوت وحی کی تھی یا اجنہ ملائکہ کی

آواز تھی، علماء کے دونوں قول ہیں، ہمارے نزدیک ظاہر یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہ یہ صوت وحی کی ہوتی تھی اور یہ بیان مشابہ ہے

اسکے جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم بھیجتے ہیں تو ملک ایسی آواز سنتے ہیں جو صاف پتھر پر زنجیر کھینچنے سے پیدا

ہوتی ہے، فرشتے یہ آواز سن کر سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے بازو مارتے ہیں اور رعب چھا جاتا ہے، اور حضرت شیخ کی تقریر

میں یہ ہے کہ اس میں علماء کے چھ قول ہیں (جو آگے اس میں مذکور ہیں) لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بخاری والی حدیث جو اس کے شروع

میں ہے پہلے باب میں، جس کے الفاظ ہم نے اوپر ذکر کئے وہ اتیان وحی علی الرسول کے بارے میں ہے جس کا تعلق زمین اور اس عالم

سے ہے اور یہ جو حدیث اولاد اور والی ہے یہ دوسری ہے اس کا تعلق عالم علوی سے ہے جیسا کہ اس کے لفظوں سے ظاہر ہے: اذ انکلم

الله تعالیٰ بالوحي سمع اهل السماء الخ۔ اس کی طرف اشارہ حضرت شیخ نے بھی حاشیہ بذل میں فرمایا ہے، لہذا دونوں حدیثوں کو

الک الگ ہی سمجھنا چاہیے۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجہ نحو من حدیث عكرمة بن مولى ابن عباس عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد تقدم فی

کتاب الحروف، قال الترمذی۔

## باب ذکر البعث والصور

بعث یعنی مردوں کا قبروں سے اٹھنا اور دوبارہ زندہ ہونا، قال تعالیٰ: ثم بعثناکم من بعد موتکم، اور اسی سے ہے، البعث۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے، اور صورہ جسم ہے جو سینک کے مشابہ ہوگا جس کو اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے یعنی جن کی پھونک سے اس میں آواز پیدا ہوگی حدیث البیاب میں بھی یہی مضمون ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ الصور قرن منفخ فیہ، لیکن بعث اور صور کا مسئلہ تو بظاہر اجماعی ہے سبھی اسلامی فرقے اس کے قائل ہیں اور یہاں ان ابواب کا سلسلہ چل رہا ہے جس میں دوسرے اسلامی فرقوں کا اختلاف پایا جاتا ہے، اور بہت سے نسخوں میں یہ باب ہے بھی نہیں، چنانچہ منذری کے نسخہ میں یہ باب نہیں ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال کل ابن آدم تاكل الارض

الاغضب الذئب منه خلق و فیہ یرکب۔

آپ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے جسم کے تمام اجزاء کو زمین کھا جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش کی ابتداء کی تھی اور اسی میں پھر دوبارہ ترکیب دے کر جسم کو بنایا جائیگا۔

عجب الذئب کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس کو زمین کھائے گی یا نہیں، بعض نے کہا کہ مقصود طول بقار اور طول مکث ہے یعنی بہت روز تک باقی رہے گی اور آخر کار وہ بھی ایک روز فنا ہو جائے گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پرانی اور بوسیدہ تو ہوگی لیکن بالکلیہ فنا نہ ہوگی بلکہ کچھ ذرات اس کے زمین کے اندر مٹی میں مخلوط ہو کر باقی رہیں گے گو وہ محسوس اور نظر نہ آئیں تو یہ الگ بات ہے، نقد وردانہ کیونکہ مثل حبة خردل، اسی لئے کہا جاتا ہے اسکے بارے میں اول ما یخلق و آخر ما یخلق یعنی پیدائش میں سب اجزاء جسم پر مقدم اور پرانی اور بوسیدہ ہونے میں سب سے مؤخر، حاشیہ بذل میں ہے، والیہ یظہر میل الطیوی فی مشکل الآثار اذ قال لا یتنکر من لطیف قدرۃ تعالیٰ ان یتقی عجب الذئب لا تاکلہ التراب او النار اذا احترق، ویکون مثل نار ابراہیم علیہ السلام۔

انبیاء کی طرح وہ حضرات جن کے جسم کو مٹی نہیں کھائیگی

علمائے لکھا ہے اس حدیث کے عموم سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں فان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض اجساد الانبیاء (بذل) اور حاشیہ بذل میں ہے کہ انبیاء کے ساتھ اس مسئلہ میں چند اشخاص اور بھی ہیں جو ان ہی کے ساتھ ملحق ہیں اور وہ یہ ہیں: الشہداء المؤمنین المتسبب

الصدیقون، العلماء العالمون، حامل القرآن والعاملین، والمرابط، والملت بالطاعون صابراً محتسباً، والمکثر من ذکر اللہ، والمحب للہ، فتلك عشرة كاملة، کنانی الادجز عن الزرقانی، والحدیث اخرہ سلم والنسائی، قالہ منذری۔

## باب فی الشفاعة

شفاعت میں معتزلہ اور خوارج کا اختلاف ہے وہ مذنبین اور عمامہ کے لئے شفاعت کے قائل نہیں، ہاں جو شفاعت



مومنین کے لئے رفع درجات کے لئے ہوگی اس کے قائل ہیں۔ شرح عقائد میں ہے: والشفاعة ثابتة للرسول والاخبار (الصالحين والالتقيا) في حق اهل الكبائر المستفيض من الاخبار خلافا للمعتزلة. وهذا مبعث على ما سبق من جواز العفو والمغفرة بدون الشفاعة فبالشفاعة اولى وعندهم لما لم يجز لم تجز. یعنی اہل سنت کے نزدیک مذنبین کی مغفرت اور معافی بغیر شفاعت کے بھی جائز ہے جس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ چاہیں، لہذا شفاعت کی صورت میں مغفرت ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اور معتزلہ کے نزدیک چونکہ عقاب عاصی واجب علی اللہ ہے معاف کرنا جائز نہیں اسی بنا پر شفاعت بھی جائز نہیں ان کے نزدیک، اس کے بعد پھر اس میں دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔

باب کی پہلی حدیث سے معتزلہ کی تردید ہو رہی ہے، شفاعتی لاهل الکبائر من امتی، ان لوگوں نے اس قسم کی آیات سے استدلال کیا ہے نما تفہیم شفاعۃ الشافعیین، اور واللظالمین من تمیم ولا شفیع یطاع، وغیرہ، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں۔

**شفاعت کے اقسام ومصداق** | امام نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فی الاراحۃ من هولاء الموقف، یعنی حساب کتاب شروع ہونے کے لئے، لوگ قبروں سے اٹھنے کے بعد میدان حشر میں جہاں سورج سوانیزے پر ہوگا حساب کتاب کے انتظار میں سخت حیران اور سرگرداں ہوں گے کہ کسی طرح حساب تو شروع ہو، انجام جو بھی ہو وہ تو بعد کی بات ہے اور پھر ساری مخلوق باہمی مشورہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائے گی اور پھر ان کے عذر فرمادینے کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں اور پھر آخر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے گی، پھر آپ کی سفارش پر حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہوگا، اسی کا نام شفاعت عظمیٰ و کبریٰ ہے۔ (۲) بعض لوگوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرنے کے بارے میں (۳) جو لوگ عذاب کے مستحق تھے ان کے لئے جنت کی سفارش، (۴) اخراج من النار کے لئے سفارش، چنانچہ بہت سے نافرمانوں کو شفاعت کی وجہ سے جہنم میں نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، (۵) وہ شفاعت جو رفع درجات کے لئے ہوگی (ہامش بذل)

حاشیہ ترمذی میں اس پر زیادتی ہے کہ اس میں اہل سنت کے دلائل میں یہ آیت پیش کی ہے، **یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا**، نیز یہ کہ شفاعت کے بارے میں آثار و روایات اپنے مجموعہ کے اعتبار سے حد تو اترو کو پہنچ گئی ہیں صحت شفاعت فی الآخرہ کے بارے میں، نیز سلف صالحین کا اجماع، اور پھر شفاعت کی مذکورہ بالا پانچ قسمیں ذکر کرنے کے بعد اخیر میں ہے **هذا ما قاله الطیبی فی شرح المشاکاة، وزاد شیخ فی اللغات خمسۃ اقسام اخر احدھما فی الذین تساورت حسنا تم وسیما تم فیشفع فیہم لیصلوا الجنة، یعنی جن لوگوں کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گی ان کے لئے شفاعت، الثانیۃ فی استفتاح الجنة، یعنی جنت کا دروازہ کھولنے کے لئے الثالثۃ فی تخفیف العذاب لمن استحق، الرابعۃ لاهل المدینۃ، والخامسۃ لزارئ قبرہ الشریف علی وجہ الامتیاز والاختصاص، واللہ تعالیٰ اعلم** اہ ان میں سے بعض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اور بعض عام ہے (حاشیہ ترمذی ص ۶۹) **والحدیث اخرہ البخاری فی التایخ الکبیر بالاسناد الذی اخرہ بہ ابو داؤد، قال المتذری۔**

حدثني عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يخرج قوم

من النار بشفاعته محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فيدخلون الجنة ويسمون الجهنميين -

آپ کی شفاعت سے بعض لوگوں کو جہنم میں پہنچ جانے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا جن کا نام جہنمیوں ہوگا، یعنی جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی، تذکرہ نعمت کے لئے۔

والحدیث اخرجه البخاری والترمذی وابن ماجه، قال المتذري -

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ان اهل الجنة

ياكلون فيها ويشربون -

یعنی جنتی جنت میں کھائیں گے پیئیں گے جس طرح دنیا میں کھاتے پیتے ہیں اور کھانے پینے کی نعمتیں جس طرح یہاں ہیں وہاں بھی ہونگی، بلکہ یہ چیزیں اصل تو وہی ہوں گی، دنیا میں تو نمونہ کے طور پر کچھ تھوڑا بہت دیا گیا ہے، اولاد میں تو جنت دوزخ سے متعلق مستقل ابواب ہیں نہیں، بخاری ترمذی وغیرہ میں بکثرت ہیں، ترمذی میں ہے ابواب صفة الجنة ایک موٹی سرخی جس کے ماتحت بہت سے ابواب نماز جنت سے متعلق مذکور ہیں، اسکے بعد صفة جہنم سے متعلق بہت سے ابواب ہیں اور ان میں روایا مفصلہ مذکور ہیں ابواب صفة الجنة میں ایک باب فی صفة شجر الجنة ہے اور ایک باب فی صفة غرف الجنة، اسی طرح صفة درجات الجنة صفة نسا اهل الجنة، صفة ثمار الجنة وغیرہ وغیرہ۔

مجملة ان کے ایک باب فی صفة جماع اهل الجنة بھی ہے جس میں یہ حدیث مذکور ہے، **کیا جنت میں جماع اور اولاد ہوگی؟** عن انس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال يعطى المؤمن في الجنة

قوة كذا وكذا من الجماع قيل يا رسول الله او يطيق ذلك، قال يعطى قوة مئة، جنت میں مؤمن کو اتنی بار یا اتنی عورتوں سے جماع کی طاقت دی جائیگی (تعداد مذکور نہیں) اس پر کسی صحابی نے دریافت کیا کہ کیا اس میں اتنی قوت ہوگی تو آپ نے فرمایا ایک جنتی کو جنت میں ایک سو مردوں کی طاقت دی جائیگی، اب یہ کہ جنت میں اولاد بھی ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں ایک دوسرے باب میں ضمنیاً حدیث ذکر کی ہے عن ابی سعید الخدری رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم المؤمن اذا اشتبه الولد في الجنة كان حملاً ووضع في ساعته كالمشتبه، جب مؤمن جنت میں اولاد چاہے گا تو جماع کے بعد حمل کا استقرار اور اس کی پیدائش اور اس کی پوری عمر (جو جنیتوں کی ہوتی ہے یعنی تینتیس سال) یہ سب کام ایک ساعت میں ہو جائیں گے۔ ہذا حدیث حسن غریب، وقد اختلف اهل العلم في هذا فقال بعضهم في الجنة جماع ولا يكون ولداً، هكذا روى عن طاووس ومجاهد وابراہیم النخعي، وقال محمد قال اسحاق بن ابراہیم في حدیث، النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا اشتبه المؤمن الولد في الجنة كان في ساعته كالمشتبه ولكن لا يشبه، قال محمد وقد روى عن ابی رزین العقيلي عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان اهل الجنة لا يكون لهم فيها ولداه محمد سے مراد امام بخاری ہیں اور اسحاق بن ابراہیم وہی ہیں جو اسحاق بن راہویہ سے مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے گا تو اسی طرح ہو جائے گا جس طرح

حدیث میں مذکور ہے لیکن وہ ایسا چاہے گا نہیں، لہذا وہاں پیدائش کا سلسلہ نہیں ہوگا۔  
یہ حدیث جو مصنف اس باب میں لائے ہیں ترجمۃ الباب کے مناسب نہیں، بذل میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اگر آئندہ باب میں  
ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ والحدیث اخریہ سلم یا تم منہ، قالہ المتذری۔

## باب فی خلق الجنۃ والنار

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لما خلق اللہ الجنۃ قال  
لجبریل اذ حب فانزل علیہا الخ۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور وہ بن کر تیار ہو گئی تو حضرت جبریل سے فرمایا جاؤ اس کو دیکھ کر  
آؤ، وہ گئے اور دیکھ کر آئے اور آئے کے بعد بڑے وثوق سے اور قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ ایسی جنت کا جو شخص حال سننے کا تو وہ اس  
میں ضرور جائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت کو ناگوار اور مشقت کے کاموں کیساتھ گھیر دیا جو ذریعہ ہوتے ہیں دخول جنت کا، اور  
پھر فرمایا جبریل سے کہ اب جا کر دیکھ کر آؤ وہ گئے اور دیکھ کر آئے تو اس مرتبہ اسی طرح قسم کھا کر وثوق سے کہنے لگے کہ اب تو مجھے یہ  
اندیشہ ہے کہ شاید کوئی بھی اس میں نہ داخل ہو سکے، اس کے بعد حدیث میں تہم کا حال مذکور ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا  
تو جبریل سے فرمایا جاؤ اس کو دیکھ کر آؤ، وہ دیکھ کر آئے اور عرض کیا اسی طرح قسم کھا کر کہ اس کا حال تو جو شخص بھی سننے کا تو ممکن نہیں  
ہے کہ اس میں داخل ہو، اس کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ نے خواہشات اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کے ساتھ گھیر دیا اور فرمایا کہ اچھا  
جاؤ اب دیکھ کر آؤ وہ دیکھ کر آئے اور قسم کھا کر عرض کیا کہ اب مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اب تو شاید کوئی شخص بغیر داخل ہوتے نہ رہے گا۔  
مصنف کی غرض اس ترجمۃ الباب سے یہ بیان کرنا ہے کہ جنت اور جہنم دونوں پیدا ہو چکیں، نہ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت  
دوزخ ابھی تک پیدا نہیں کی گئیں وہ بروز قیامت پیدا کی جائیں گی، یہ بحث شرح عقائد میں بھی مذکور ہے، معتزلہ کے شبہات  
اور ان کے جوابات وہاں دیکھے جائیں۔ حضرت شیخ کے حاشیہ بذل میں ہے علامہ شعرانی کی "الوقیۃ والحواہر" کے حوالہ سے  
کہ جنت دوزخ اگرچہ پیدا ہو چکی ہیں لیکن ان کی بنا ابھی مکمل نہیں ہوئی وہ آہستہ آہستہ لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے ہوتی  
رہتی ہیں اس روایت کے پیش نظر جس میں جنت کے بارے میں یہ ہے کہ انہا قیعان وغیرا سہا سبحان اللہ والحمد للہ،  
یہ اشارہ ہے حدیث معراج کے ایک ٹکڑے کی طرف جس میں یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اوپر سے واپسی میں  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کو گذر رہے تھے تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تمہارا کہ اپنی امت کو میرا  
سلام کہنا اور ان سے جنت کے بارے میں یہ کہہ دینا جو اوپر مذکور ہوا انہا قیعان الخ یعنی جنت تو چٹیل میدان ہے اسکے پورے  
اور درخت یہ ہیں سبحان اللہ الحمد للہ۔ اسی طرح دلیل میں انہوں نے ایک دوسری حدیث پیش کی من بنی اللہ مسجد ابی اللہ  
مشہ بیتانی الجنۃ، آگے اسی حاشیہ میں ہے کہ جنیتیں سات ہیں امام راغب اصفہانی نے ان کے اعداد ذکر کئے ہیں۔

عذاب جہنم ابدی ہے اور فنا تار کا قول مردود ہے | اسکے بعد پھر یہ ہے کہ عذاب جہنم کفار کیلئے ابدی ہے اسکے بعد شیخ محی الدین

ابن عربی کی رائے یہ نقل کی کفار کیلئے جہنم ایک مدت تک تو عذاب ہی رہے گی پھر ان کی طبیعت طبعیت تاریہ بن جائے گی پھر وہ آگ سے بجائے  
اذیت کے لذت اٹھائیں گے اور ابن تیمیہ ابن قیم اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ تارفتا ہو جائے گی کذا فی تفسیر الجمل، تفسیر  
جمل میں یہ مسئلہ سورۃ ہود کے آخر میں۔ قالہ بن فیہا مادمت السموات والارض الا ما اشار ربک۔ کے ذیل میں مذکور ہے فاربع الیہ  
لو شئت، اسکے اخیر میں یہ ہے فنا تار کا قول بعض علماء سے نقل کرنے کے بعد: وقد تصرّفنا القول ابن القیم کشیحہ ابن تیمیہ وهو  
مذہب متروک وقول مجور لا یصار الیہ ولا یعمل علیہ وقد اول ذلک کلام الجہور واجابوا عن الآیات المذكورة بنحو عشرین دجھا الخ۔  
والحدیث ارجح الترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

## باب فی الحوض

اس حوض کوثر کا خوارج اور بعض معتزلہ نے انکار کیا ہے اور اسی لئے اس کی بحث کو شرح عقائد میں ذکر کیا گیا ہے چنانچہ  
اس میں ہے والحوض حق لقولہ تعالیٰ، انا اعطینک الکونین۔ وتولہ علی الصلوٰۃ والسلام حوضی مسیرۃ شہر زریا ہ سوار ما دہ  
ابيض من اللبن وریحہ اطیب من المسک وکثیر از اکثر من نجوم السماء من یشرّب منہا فلا یظم ابداً، والا حدیث فیہ کثیرۃ اھ اس کے حاشیہ  
میں ہے کہ مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر ہی حوض ہے اور اسی سے ہے کہ کوثر تو جنت میں ہے اور حوض موقوف میں، اور اسکی  
توجیہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ ایک تو ہے کوثر اور ایک ہنر الکوثر اور ایک ہے حوض الکوثر لہذا کوثر دونوں پر صادق آتا ہے بعض روایات  
سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز ہرتی کے لئے ایک حوض ہوگی، چنانچہ ترمذی کی روایت ہے عن الحسن عن سمرة قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لكل نبی حوضاً وانہم لیتباھون بہم اکثر واردة، دانی ارجوان اکون اکتھم واردة، هذا حدیث غریب  
وقدر وی الا شعث بن عبد الملک هذا الحدیث عن الحسن بن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر لا وئم نیکر فیہ عن سمرة وهو اصح۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان امامکم حوضاً

ما بیننا حیث ید کہا بین جریا واد زرح۔

آپ فرماتے ہیں کہ تحقیق کہ تمہارے سامنے حوض ہے (یعنی تمہارے سامنے آنوالی ہے) جس کے دونوں کناروں کے درمیان  
اتنی مسافت اور فاصلہ ہے جتنا جریا اور اذرح کے درمیان۔

جریا اور اذرح دو قریبے ہیں ملک شام میں ان کے درمیان تین رات کی مسافت ہے وقد جارنی تحدید الحوض حدود مختلفہ  
ووجه التوفیق ان تحمل علی بیان تطویل المسافۃ لا علی تحدیدھا (بذل) یہ روایات مختلفہ ترمذی شریف میں بھی ہیں۔

والحدیث اخریہ مسلم، قالہ المتذری۔

عن زید بن ارقم قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فنزلنا منزلاً، قال ما انتم جئو

من مئة الف جزء ومن يرد على الحوض الخ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ایک سفر میں راستہ میں ہم ایک منزل پر اترے تو وہاں آپ نے یہ بات فرمائی کہ تم ایک لاکھواں حصہ بھی نہیں ہو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو میرے پاس قیامت کے دن حوض پر آئیں گے، ان صحابی کے شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آپ اس وقت کتنی تعداد میں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔

سمعت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول اعقب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اغفاعة  
فرغ رأسه متبسما الخ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھے بیٹھے اونگھ آئی، کچھ دیر بعد سر اٹھایا مسکراتے ہوئے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی فرمایا، یا صحابہ کے دریافت کرنے پر: ہنسنے کی وجہ سے) تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورۃ نازل ہوئی ہے اور پھر آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر، انا اعطینا الکونین الخیر تک تلاوت فرمائی اور پھر آپ نے پوچھا کہ جلتے ہو کوثر کیا چیز ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم قال فانه نهر وعدنيہ ربی فی الجنة وعلیہ خیر کثیر علیہ حوض تروی علیہ امتی یوم القیامۃ انیتہ عدد الکواکب، آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا ہے میرے رب نے جنت میں، اس پر خیر کثیر ہے، اس پر حوض ہے جس پر وارد ہوگی میری امت قیامت کے دن اس کے آنجورے آسمان کے تاروں کی تعداد کے برابر ہیں یہ حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب الصلاة "باب من لم یرا الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں بھی گذر چکی، والحدیث أخرجه مسلم والنسائی، قال المنذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما خرج نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الجنة او كما قال  
عروض له نهر حافتاه الياقوت المجتیب۔ او قال المجرؤف۔ فضرب الملك الذی معه یدة فاستخرج له سكا، فقال  
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم للملك الذی معه ما هذا قال هذا الكونین الذی اعطاک اللہ عز وجل۔

نعمار دنیا کی حقیقت صرف نام نام ہے، حاشیہ بذل میں ہے کہ اللو کب لدری ہے۔ میں لاعلم نفس ناخفی لہم من قرۃ العین کے ذیل میں لکھا ہے کہ احادیث ان کی اصل حقیقت جنت میں ہے، میں جنت کے سونے چاندی اور مشک وغیرہ کا جو ذکر آتا ہے وہ محض ایک تمثیل ہے صرف نام میں اشتراک کی وجہ سے اس مطلب سے کہ جنت میں جو سونا چاندی اور مشک وغیرہ ہوگا دنیا میں اس طرح کی چیزیں کہاں ہیں مثال کے طور پر کہہ دیا جاتا ہے، جنت میں تو ان اسماء کی حقیقت پائی جاتی ہے دنیا میں تو ان چیزوں کا صرف نام نام ہے ورنہ دروزن جگہ کے سونا چاندی وغیرہ میں یوں بعید بلکہ آسمان اور زمین سے بھی زیادہ فرق ہے بیا کہ حضرت نے بذل میں گذشتہ حدیث ان اہل الجنة یا کون فیہا اشتراک کی شرح میں لکھا ہے اور حافظ نے فتح الباری میں امام نووی سے نقل کیا ہے کہ اصل جنت کا نعم اہل دنیا کی طرح ہوگا لذت میں تفاضل کے ساتھ، اور دوسری بات یہ کہ وہاں کی نعمتیں دائمی ہیں ان میں القطار نہیں، اسی طرح بخاری میں ہے قالوا هذا الذی رزقنا من قبل  
خواتمہ تشاہدات بعضہ بعضا وخصف فی العلم، اسکے تحت میں حافظ نے لکھا ہے ہو قول ابن عباس یس فی الدنیا مافی الجنة الا الاسماہ۔

یعنی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں جنت میں پہنچے تو آپ پر ایک ایسی نہر پیش کی گئی کہ جس کے دونوں کنارے (اس کی گہرائی کی دیواریں) یا قوت سے بنے، کوسے تھے ایسا قوت جو اندر سے کھوکھلا ہو ٹھوس نہ ہو، تو جو فرشتہ آپ کے ساتھ تھا اس نے اس نہر میں ہاتھ مار کر اس سے مشک نکالا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرشتہ سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے اس نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے، مشک نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نہر کے اندر کی زمین بجائے مٹی کے مشک کی تھی، اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے جنت کی نعمتوں کا۔ والحدیث الخرجہ الترمذی والنسائی، قالہ المتذری۔

حدثنا مسلم بن ابراهيم ناعبد السلام بن ابى حازم ابوطالوت قال شهدت ابا برزة دخل على عبید اللہ ابن زياد فحدثني فلان سماع مسلم وكان في انسباط قال فلما راآ عبید اللہ قال ان محمداً يكرم هذا الحداح ففهمها الشيخ فقال ما كنت احسب انى ابقى في قوم يعينونى بصحبة محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال له عبید اللہ ان صحبة محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لك زين غير شين، ثم قال انما بعثت اليك لاسألك عن الحوض سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يذكر فيه شيئاً قال ابو برزة:

نعم لا مرة ولا ثنتين ولا ثلاثاً ولا اربعاً ولا خمساً فمن كذب به فلا سقاء الله منه ثم خرج مغضباً۔

**مضمون حدیث** | عبد السلام بن ابی حازم کہتے ہیں جن کی کنیت ابوطالوت ہے کہ ایک مرتبہ میں ابو برزہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گیا وہ اس وقت میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچے ہوئے تھے (اب آگے عبید اللہ بن زیاد کی مجلس میں جو بات پیش آئی ابو برزہ کے ساتھ اس کو ایک وہ شخص جو اس مجلس کے اندر تھا وہاں سے آکر ان سے یعنی ابوطالوت سے بیان کر رہا ہے لیکن اس شخص کا نام یہاں مذکور نہیں یہ نام مصنف کو یاد نہیں رہا مصنف کے استاد مسلم بن ابراہیم نے تو بیان کیا تھا) ابوطالوت کہتے ہیں کہ اس فلاں نے اندر کا واقعہ مجھ سے اس طرح بیان کیا کہ جب ابو برزہ کو عبید اللہ نے دیکھا تو اس نے ان کو دیکھ کر یہ جملہ کہا حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے "لو جی تمہارے محمدی یہ دھراج یعنی ٹھینگے قد کے آگے ہیں۔ بظاہر اس نے دبی آواز سے کہا ہو گا مگر ان صحابی نے وہ جملہ سن لیا اور فوراً کہا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ ایسے لوگوں کے دنیا میں آنے تک میں باقی رہوں گا جو مجھ کو عار دلائیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے پر، اس پر عبید اللہ جلدی سے بولا نہیں صاحب، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت (آپ کے لئے مبارک ہے) باعث زینت ہے کوئی عیب کی بات نہیں ہے پھر کہنے لگا کہ میں نے تو آپ کو آدمی بھیج کر اس لئے بلایا ہے تاکہ آپ سے حوض کے بارے میں دریافت کروں کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ اس پر ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ناگواری کے لہجہ میں فرمایا: ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں تین مرتبہ نہیں چار مرتبہ نہیں پانچ مرتبہ نہیں بلکہ اس سے بھی زائد سنا ہے (اب یہ کہ کیا سنا ہے اس کو نہیں بتایا بلکہ یہ فرمایا) جو شخص حوض کو جھلائے اللہ تعالیٰ اس کو اس سے سیراب نہ کرے محروم رکھے، اور یہ کہہ کر راض ہوتے ہوئے چلے گئے۔

الحداح کے معنی ہیں وہ شخص جو موٹا اور پستہ قد ہو، تو ابو برزہ ایسے ہی ہوں گے، لیکن ساتھ میں اس نے ان کو محمدی بھی



کہا یعنی جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت حاصل ہو، حضرت نے تو بذل میں یہ لکھا ہے کہ دھراج کہنے پر تو ان کو غصہ نہیں آیا البتہ محمدی کا لفظ جو تمسخر کے انداز میں اس نے کہا اس پر ان کو غصہ آیا، اور عبید اللہ بن زیاد تھا ہی فساق و فجار میں سے، لیکن دوسرا احتمال یہ بھی ہے یہاں پر کہ اس نے تو محمدی کا لفظ تمسخر کے طور پر نہیں کہا تھا، تمسخر کے طور پر تو دھراج ہی کہا تھا لیکن وہ یہ سمجھے کہ محمدی کا لفظ بھی بطور طنز کے کہہ رہا ہے اسلئے ان کو غصہ آیا، الاحتمال الثانی ذکرہ شیخنا مولانا محمد اسعد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیہ کتابہ، جس کا قرینہ انہوں نے یہ لکھا ہے ولذا قال ان صحبۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ مک زین غیر شین۔

عبید اللہ بن زیاد اور اس کے باپ زیاد ابن ابیہ دونوں کا کسی قدر حال کتاب الصلوة، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کل صلاۃ لای تمہا صاحبہا۔ میں گزر گیا۔

یہ جو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا من کذب بہ فلا سقاہ اللہ منہ، اس پر حاشیہ بذل میں ہے کہ شاید یہ عبید اللہ بن زیاد ہی پر تعلق ہے اسلئے کہ وہ حوض کوثر کا منکر تھا کما بسطہ الحافظ ص ۲۷۱، چنانچہ فتح الباری میں ہے باب فی الحوض میں (کتاب الرقاق میں) قلت واکثرہ اغوارج وبعض المعزلة ومن کان ینکرہ عبید اللہ بن زیاد احد امر العراق لمعاویۃ وولده، اس کے بعد حافظ نے ابو داؤد کی یہی روایت لکھی ہے اور اسی میں ہے وعند احمد عن ابی سمرۃ قال قال عبید اللہ بن زیاد ما صدق بالحوض وذلك بعد ان حدثہ ابو ہریرۃ والبراء وعائذ ابن عمرو، فقال لہ ابو سمرۃ بعثنی الیک فی مال الی معاویۃ فلقینی عبد اللہ بن عمرو فحدثنی وکتبتہ بیدی من فیہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول من عدکم حوضی الحدیث فقال ابن زیاد حینئذ: اشہد ان الحوض حق۔ انی آخر ما ذکر۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت اس نے حضرت ابو ہریرہ کو بلایا اپنی مجلس میں اور دونوں کے درمیان سوال و جواب ہوا اس وقت تک وہ حوض کا قائل نہ تھا، بعد میں ابو ہریرہ کی حدیث سننے کے بعد قائل ہو گیا تھا، اس حدیث میں جو لفظ قلنا آیا ہے جو کہ عبد السلام کے استاذ ہیں، حافظ نے بہتات تقریب میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ان کے چچا ہیں، ہوعمدہ ولحقاف علی اسمہ، اسکے بعد حضرت نے مسند احمد کی روایت سے ان کا نام عباس البحریری نقل کیا ہے، وہاں نام کی تصریح ہے، حدثنا عبد السلام ابو طالت ثنا العباس البحریری ان عبید اللہ بن زیاد قال لاجب برزۃ الخ۔

کیا یہ حدیث الحوض سنداً ثلاثی ہے؟ اس مذکورہ بالا حدیث کی تشریح سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں عبد السلام کے استاد ابو ہریرہ صحابی نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک واسطہ ہے لہذا یہ حدیث

رباعی ہوئی نہ کہ ثلاثی جیسا کہ سخاوی کو وہم ہو گیا فتح المغیث میں کہ یہ حدیث ثلاثی ہے اور یہ بات الدر المنصور کے مقدمہ میں بھی گزر چکی تھی۔ حاشیہ بذل میں اس طرح ہے: فاشدک: فی الجامع الصغیر اذا جعلت اصبیک فی اذنیک سمعت خیر الکواثر (قط) عن عائشہ رض یعنی تم اپنی دونوں انگلیوں کو کانوں میں داخل کر کے دیکھو اس وقت جو آواز سی محسوس ہوتی ہے وہ بہتر کواثر کے گرنے اور چلنے کی آواز ہوتی ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں وقد روی احادیث الحوض من ابیہون من الصحایہ وکثیر منہا واکثرہا فی الصحیح اور پھر ان سب ناموں کو انہوں نے ذکر کیا ہے اور حاشیہ بذل میں ہے وعد العینی من روی الحوض من الصحایہ اکثر من خمیسین صحابیا۔

## باب فی المسئلة فی القبر وعذاب القبر

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان المسلم اذا سئل فی القبر فشهد ان لا اله الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فذلك قول اللہ تعالیٰ ۛ یشبہ اللہ الذین امنوا بالقول الثابت، یعنی یہ آیت جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھتے ہیں کئی بات پر اس سے مراد قبر کا سوال ہے اور قول ثابت سے مراد کلمہ شہادت ہے اور عون المعبود میں ہے اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او کل موضع ذی مقبرہ فهو مقبرہ، یعنی قبر کی تخصیص اکثریت کے اعتبار سے ہے کہ اکثر کو قبر ہی میں دفن کیا جاتا ہے یا یہ کہ قبر سے مراد ہر وہ جگہ ہے مرنے کے بعد جہاں بھی میت ہو یعنی میت کا مقبرہ مراد ہے اسی کو قبر سے تعبیر کر دیا گیا اور اس حدیث میں رسول عنہ حذف کر دیا گیا ای سئل عن ربہ ودینہ ونبیہ لما ثبت فی الاحادیث الاخرہ وفيہ ایضاً قال النووی مذہب اهل السنة اثبات عذاب القبر وقد تطاقت عليه الأدلة من الكتاب والسنة اه اور شرح عقائد میں ہے: وعذاب القبر للكافرين ولبعض عصاة المؤمنين، خص البعض لان منهم من لا يريد اللہ تعالیٰ تعذیبہ فلا یعذب وتنعم اهل الطاعة فی القبر بما یعلمہ اللہ تعالیٰ ویرید، وهذا اول مما وقع فی عامۃ الكتب من الاقتصار علی اثبات عذاب القبر دون تنعيم بنار علی ان النصوص الواردة فیما کثر التعميم مصنف نے عذاب قبر کا مقابل یعنی تنعيم دونوں کو ذکر کیا یہ اولیٰ ہے اس سے جو اکثر کتابوں میں ہے یعنی صرف عذاب قبر کو ذکر کرنا اور اس کے ساتھ تنعيم کو ذکر نہ کرنا، اور اس کے حاشیہ میں ہے قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ثلاث یصعبہم اللہ تعالیٰ من عذاب القبر المؤذن والشہید والمتوفی یوم الحجۃ اولیہ اه اور اس کے بعد ہے وسؤال منکر و نکیر ثابت، یہ ثابت تینوں کی خبر ہے یعنی عذاب و تنعيم و سوال، قال السید ابو شجاع ان للصبیان سوالاً وکذا للانبیاء علیہم السلام عن التبلیغ والوعظ، عند البعض بالدلائل السمیة لانہا امور ممکنة اخبر بہا الصادق علی ما نطقت بہ النصوص، یعنی یہ امور عقلاً ممکن ہیں خلاف عقل نہیں ہیں بخبر صادق نے ان کی خبر دی ہے پھر ان کے ثابت ہونے میں کیا تأمل ہے اس کے بعد انہوں نے اس کے دلائل آیات قرآنیہ اور احادیث ذکر کی ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے: وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض لان المیت جملا لا حیة له ولا ادراک فتعذیبہ محال، والحجاب انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء و فی بعضها نوعاً من الحیة قدر ما یدرک الم العذاب اولذہ التنعیم، وهذا لا یستلزم اعادة الروح الی بدنہ ولا ان یتحرک ویضطرب او یرى اثر العذاب علیہ حتی ان الغریق

۱۶ گزشتہ کل بروز جمعہ سہارنپور سے یہاں مدینہ طیبہ خیر موصول ہوئی کہ برادر م مولوی حکیم محمد اسرار نیل مرحوم کا آج ۱۶ ذیقعدہ (۱۳۲۵ھ) بروز جمعہ ۱۳ ذیقعدہ دن میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون یغفر اللہ لتاولہ حسن اتفاق دیکھنے کل بھائی صاحب کے انتقال کی خبر موصول ہوئی اور آج شنبہ کو یہاں یہ مضمون لکھا جا رہا ہے یشبہ اللہ الذین امنوا بالقول الثابت الآیۃ، اور یہ کہ جمعہ کے روز جسکی وفات ہوئی ہے وہ قبر کے سوال جواب و عذاب کے محفوظ رہا ہے، فالجواب علی احادیث فالمرحوم اللہ سبحانہ تعالیٰ ان اخی محفوظ من قسمۃ القبر وندعوا اللہ سبحانہ تعالیٰ ان یعصمنا من جمیع احوالنا من قسمۃ القبر یجعلنا من نعم فی القبر آمین۔

فی الماء والمأكول فی بطون الحيوانات والمصلوب فی الهوار یعذب وان لم یطع علیہ ومن تأمل فی عجائب ملکہ وملكوتہ وغرائب قدرته وجبروتہ لم یستبعد امثال ذلک فضلاً عن الاستحالة اھ۔

والحدیث اخرجه البخاری وسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بخوہ، قالہ المتذری۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دخل نخلابنی النجار

فسمع صوتاً ففرغ فقال من اصحاب ہذا القبور؟ قالوا یا رسول اللہ! ناس ماتوا فی الجاہلیۃ، فقال تعوذوا باللہ من عذاب النار ومن فتنة الدجال۔

**قبر میں سوال و جواب** یعنی ایک مرتبہ آپ قبیلہ بنو النجار کے کھجور کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں آپ کو کچھ ڈراؤنی آواز سنائی دی، اس پر آپ نے سوال فرمایا کہ یہ قبروں والے کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ بعض وہ لوگ ہیں جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو عذاب نار اور

دجال کے فتنے سے، صحابہ نے عرض کیا اور یہ کیوں، یعنی اصحاب القبور کا سوال کرنے کے بعد آپ نے یہ دعا مانگنے کو کیوں فرمایا تو اس پر آپ نے قبر میں سوال جواب وغیرہ کو بیان فرمایا، اور فرمایا آپ نے کہ جب مؤمن قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تو کس کی عبادت کرتا تھا پس اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت عطا فرمائی ہوگی یعنی دنیا میں، اور یہ مطلب یہ کہ رہنمائی فرمائیں گے

یہاں قبر میں، تو وہ جواب دے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا پھر اس سے کہا جائیگا ما کنت تقول فی ہذا الرجل؟ فیقول

ہو عبد اللہ ورسولہ، کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے تو وہ کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بند سے اور اس کے رسول ہیں، پھر اسکے ان

جوابات کے بعد پھر اس سے کچھ سوال نہ کیا جائے گا، پھر اس کو ایک مکان کی طرف لے جایا جائے گا جہنم کے اندر کہا جائے گا کہ جہنم میں تیرا ٹھکانہ

یہ تھا (یعنی اگر ایمان نہ لاتا اور نافرمانی کرتا) لیکن اللہ تعالیٰ نے تجھ پر رحم فرمایا، اور تجھ کو اس سے بچالیا اور اس کے بدلہ میں جنت میں

تجھ کو ٹھکانہ دیدیا، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہر شخص کے لئے خواہ وہ دنیا میں آنے کے بعد مؤمن ہو یا کافر اللہ تعالیٰ نے دو ٹھکانے

بنائے ہیں ایک جنت میں ایک جہنم میں کہ اگر ایمان لائے گا تو جنت والے ٹھکانہ میں جائیگا اور اگر ایمان نہ لایا تو جہنم والے ٹھکانہ میں

جائیگا، تو وہ یہ اکرام و انعام دیکھ کر کہے گا کہ مجھے چھوڑو تاکہ میں گھر جا کر اپنے گھر والوں کو خوشخبری سنادوں، تو اس سے کہا جائے گا کہ تو

سکون کے ساتھ میرے ٹھہرا رہ، یعنی جانے کی اجازت نہیں، آگے حدیث میں کافر کا حال مذکور ہے کہ اس کے پاس بھی قبر میں فرشتہ آتا ہے

اور اس کو جھڑک کر پوچھتا ہے کہ کس کی عبادت کرتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے لا ادری کہ مجھے کچھ خبر نہیں فیقال لہ لا دریت ولا تلیت

تلوت اور تلیت دونوں طرح مستعمل ہے اور اس کا مصدر تلوت ہے بروزن ستمو یعنی اتباع کرنا اور کسی کے پیچھے چلنا، چنانچہ تاموس

لہ کفار پر حجت قائم کرنے کے لئے کہ دیکھو! ہم نے تو تمہارے ایمان لائے صورت میں تمہارے لئے جنت میں حصہ رکھا تھا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں

یا اللہ تو نے تو خود ہی ہمارا حصہ جنت میں نہیں رکھا تھا۔

میں ہے تلوۃ کہ عوتہ در میتہ تلوۃ کسمو تبعہ، اور اگر مصدر اسکا تلوۃ مانا جائے تو اس کا استعمال واؤ کے ساتھ ہوتا ہے تلوۃ اور یہاں ازدواج کی وجہ سے واؤ کو یا سے بدل دیا گیا ہے اور معنی اس کے قراءۃ ہی کے ہیں۔ تو پورے جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ نہ تو تو نے خود تحقیق کر کے جانا اور نہ جلنے والوں کا اتباع کیا یا یہ کہ قرآن یا کتب کو نہیں پڑھا گویا نہ تحقیق کی نہ تقلید اہل حق کی، اور خطابی کی رائے یہ ہے کہ محدثین اس کو اسی طرح کہتے ہیں لا دریت ولا تلیت، اور یہ غلط ہے اور صحیح جو ہے وہ لا دریت ولا تلیت ہے ای ولا استطعت ان تدری۔

اور مظاہر حق ص ۶۹ میں اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: نہ جانا تو نے عقل سے اور نہ پڑھا تو نے قرآن میں سے اھ، اس حدیث میں ہے ما کنت تقول فی هذا الرجل کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے، جس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ کو "رجل" سے تعبیر کیا آزمائش اور امتحان کے طور پر، اس لئے کہ اگر کوئی تعظیمی لفظ اختیار کیا جاتا تو پھر وہ مسائل کے سوال ہی سے کچھ جاتا جس سے امتحان کے معنی باقی نہ رہتے، اب آگے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ کے اور میت کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ہٹا دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ آپ کو دیکھ لیتا ہے، اگر ایسا ہے تو یہ بڑی بشارت ہے مؤمن کے لئے لیکن اس کے بارے میں کوئی حدیث میرے علم میں نہیں، اور جس شخص نے یہ احتمال بیان کیا وہ صرف اس حیثیت سے کہ لفظ "هذا" حاضر کی طرف اشارہ کے لئے ہے لیکن احتمال یہ بھی تو ہے کہ هذا کا اشارہ مانی الذہن کی طرف ہو (چونکہ قبر میں اللہ اور رسول کے علاوہ کون ذہن میں ہو سکتا ہے) (ریڈل عن القسطلانی) اور مظاہر حق میں ہے، یہ اشارہ یا بسبب شہرت حضرت کے ہے یا حضرت کو دربر ولاتے ہوں ساتھ صورت مثالی کے، پس اس صورت میں آرزو موت کی کرنی واسطے حاصل ہونے اس نعمت عظمیٰ خوب ہے اور اس میں بشارت ہے مشتاقوں کے لئے یہ

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز باشد ؛ تو بیا کز ادل شب در صبح باز باشد

اور دونوں ٹھکانے دکھانے کے بارے میں مظاہر حق میں ہے: دونوں ٹھکانے دکھاتے ہیں کہ اگر دوزخی ہوتا لائق اس کے تھا، اب جو جنتی ہو یا یہ ملا، تا قدر ہو اس کو نعمتوں بہشت کی۔

فیقال له ما کنت تقول فی هذا الرجل فیقول کنت اقول ما یقول الناس، پھر اس سے یعنی کافر سے پوچھا جاتا ہے معبود کے سوال کے بعد، کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں کہتا تھا، اور بخاری کی روایت میں یہاں پر لا ادری کا بھی اضافہ ہے کہ نہیں جانتا میں، تمہیں کہتا جو کہتے تھے لوگ یعنی مؤمن، اور بخاری کی روایت

میں اس کے بعد یہ بھی ہے "لا دریت ولا تلیت" آگے روایت میں ہے۔ فیضیہ بمطراق من حدید بین اذنیہ فیصح صیحة یسمعها الخلق غیر الثقلین، پس فرشتہ مارتا ہے اس کے گرزو ہے کا اس کے دونوں کانوں کے درمیان یعنی پیشانی پر پس چلاتا ہے ایسا چلانا جس کو ساری مخلوق سنتی ہے سوائے جنوں کے اور آدمیوں کے، مظاہر حق میں ہے: اور جن والنس

ہ یعنی اگر اس کا مصدر تلوۃ مانا جائے، اور تلوۃ مانے کی صورت میں اس کی احتیاج نہیں۔

آواز عذاب کی اس لئے نہیں سنتے کہ سنتے میں ایمان بالغیب جاتا رہتا اور سلسلہ معیشت کا منقطع ہوتا۔

**قبر میں فاسق مسلمان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟** مظاہر حق میں قائدہ کے ذیل ایک یہ بات لکھی ہے کہ احادیث صحیحہ میں جو

حال مذکور ہے یعنی مؤمن کی نجات اور کافر اور منافق کا عذاب یہ مؤمن مطیع کا حال ہے، لیکن مؤمن فاسق کا حال ان احادیث میں مذکور نہیں کہ اس کیلئے عذاب ہے یا نہیں، اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: پس کہا ہے علماء نے کہ حکم مؤمن فاسق کا یہ ہے کہ جواب میں شریک مؤمن مطیع کا ہے اور بشارت اور دروازہ کھلنے بہشت میں اور مانند ان کے میں شریک نہیں یا ان میں بھی شریک ہو لیکن مرتبہ میں اس سے کمتر حتیٰ کہ کچھ عذاب بھی ہوتا ہو، مگر جس فاسق کو کہ اللہ چاہے یوں ہی بخش دے۔

**روایات مختلفہ میں تطبیق** یہاں بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے ایک اشکال و جواب لکھا ہے کہ اس روایت میں ہے

یسمعہما الخلق، اور ایک دوسری روایت میں ہے یسمعہما من یلیہ، اور ایک میں ہے یسمعہما بین المشرق والمغرب، جن میں بظاہر تعارض ہے کہ ایک میں ہے کہ اس کو وہ سنتے ہیں جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں، اور دوسری میں ہے کہ ساری مخلوق سنتی ہے سوائے جن والنس کے اور تیسری میں ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان جتنے ہیں وہ سب سنتے ہیں، اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ من یلیہ، دالی روایت میں اس کے علاوہ کی نفی کہاں ہے آس پاس والوں کے ساتھ دور والے بھی سنتے ہیں اور دوسرا جواب یہ لکھا ہے کہ ما بین المشرق والمغرب والی مسافت کا بعید ہونا وہ ہمارے اعتبار سے ہے اس عالم میں ہمارے ضعف کے لحاظ سے، اور وہاں والوں کے اعتبار سے یہ بعد نہیں ہے بلکہ اُس عالم کے اعتبار سے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت اور بعد صرف اتنا ہے جتنا کسی وسیع مکان کی دو دیواروں کے درمیان ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو روایت آرہی ہے اس میں یہ ہے: ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قعر نعالہم، کہ جب میت کو لوگ دفن کر کے واپس ہوتے ہیں تو وہ میت واپس جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے تو اسی وقت میت کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں سوال کے لئے مطلب یہ ہے جیسے ہی لوگ میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے ہیں، فوراً اسی وقت وہاں کی کارروائی شروع ہو جاتی ہے، نیز اس روایت میں ہے یسمعہما من یلیہ غیر الثقلین، اور اس کے بعد والی روایت جو برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور طویل ہے اس میں مؤمن اور کافر دونوں کا حال مفصلاً مذکور ہے اس میں ہے: خرجنا مع

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی جنازۃ لرجل من الانصان کہ ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازہ میں نکلے اور قبرستان پہنچ گئے لیکن قبر ابھی تک کھد کر تیار نہیں ہوئی تھی، پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے ارد گرد اس طرح سکون کے ساتھ بیٹھ گئے، کانما علی رؤسنا الطین

لہ اس سے متعلق کچھ باب کے اخیر میں بھی آرہا ہے۔



گویا کہ ہمارے سردوں پر زندہ بیٹھا ہو، یعنی نہایت سکون اور سکوت کے ساتھ (جیسے مثلاً کسی کے سر پر چڑیا آکر بیٹھ جائے اور وہ یہ چاہے کہ وہ اسی طرح بیٹھی رہے اڑے نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس وقت بالکل سکون کیساتھ اسی طرح بیٹھا رہے گا) اس وقت میں آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس کے ذریعہ آپ بیٹھے بیٹھے زمین کو کریدنے لگے جیسے کسی سوچ میں ہوں، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور فرمایا عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو یہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا۔

یہ روایت کافی طویل ہے اس میں یہ بھی ہے، فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فافر شوہ من الجنة والبسوہ من الجنة وافتوالہ بابا الی الجنة، یعنی جب وہ میت اپنے سوال و جواب میں کامیاب ہو جاتی ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا لگاتا ہے کہ میرے اس بندہ نے سچ کہا پس اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو آپ نے فرمایا پس اس کے پاس اس کھڑکی میں سے ہوائیں اور خوشبوئیں جنت کی آتی رہتی ہیں، اور اس کے لئے اس کی قبر میں منہ تھامے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے، اس کے بعد اس روایت میں کافر کا حال مذکور ہے، وان الکافر فذکر موتہ قال وتعاد روحہ فی جسده ویأتیہ ملک فیجلسانہ فیقولان من ربک فیقول ہا ہا ہا لا ادری فیقولان لہ ما دینک انک اسکی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بھٹاتے ہیں، پہلے رب کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے تو وہ گھبرا کر وہی لفظ استعمال کرتا ہے جو حیرت اور دہشت کے وقت میں آدمی بولتا ہے یعنی ہا ہا ہا اور یہ کہ میں نہیں جانتا، پھر اس سے اس کے دین کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہتا ہے لا ادری، اسی طرح آگے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں، پس آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا (اس لئے کہ دین تو دنیا میں ظاہر ہو چکا تھا اسی لئے اس کی جستجو نہیں کی) اور پھر حکم ہوتا ہے کہ آگ کا بستر بچھا دو اس کے لئے اور اسی کا اس کو لباس پہنا دو اور جہنم کی طرف اس کے لئے ایک کھڑکی کھول دو، پس اس کے پاس جہنم کی حرارت اور اس کی گرم ہوا آتی رہتی ہے اور اس پر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، قال ثم یقیض لہ اعصی ابکم معہ مؤزبۃ من حدید لوضوب بہا جبیل لصلد ترابا، آپ نے فرمایا کہ پھر اس کافر پر ایک ایسا فرشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے جو ایک لحاظ سے نابینا اور گونگا ہوتا ہے، یہ اشارہ ہے اس فرشتہ کے تشدد کی طرف، گویا اس کے حال کو دیکھ ہی نہیں رہا اور اس کی چیخ و پکار کو سن ہی نہیں رہا ہے اور اسی لئے اس کو اس پر رحم نہیں آ رہا ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ اسکے ساتھ لوبہ کا سھوڑا بھی ہوتا ہے ایسا کہ اگر اس کو پہاڑ پر بھی مارا جائے تو وہ بھی خاک ہو جائے، تو وہ فرشتہ اس کافر کو اس کے ذریعہ مارتا ہے ایسا مارتا کہ سنے اس کو جو کہ درمیان مشرق اور مغرب کے ہے سوائے ادری اور جن کے، پس ہو جاتا ہے مٹی پھر اس کی روح کو دوبارہ اس میں ڈالا جاتا ہے (تاکہ عذاب کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے) مظاہر حق میں لکھا ہے ان کذب کہ جھوٹا ہے کیونکہ آوازہ دین و اسلام کا اور نبوت کا مشرق سے مغرب تک پہنچا، نہ جاننا کیا معنی۔



## قبر میں سوال و جواب سے متعلق بعض علی نوامد

کذا فی الفتاویٰ الحدیثیہ ۲۲۸۔ وقال ایضا السؤال فی القبر من خواص هذه الامة، وكذا قال فی الاوزار الساطعة ۳۴ من فروع الشافعية: ان السؤال خاص بهذه الامة، وذكر في العینی الاختلاف ۲۲۸، فتاویٰ کی عبارت یہ ہے: وظاہر احادیث سوالیہا انہما یسألان کل احد بالعربیة و فی بعض طرق حدیث الصور الطویل عن علی بن معبد تخرجون ہنہا شہاناً کلکم ایثار ثلاث وثلاثین واللسان یومئذ بالسریانیة سرعاً الی ربہم ینسلون، فان ارید یومئذ اختصاص تکلمہم بالسریانیة یومئذ لم یناف ما مر، وان ارید یومئذ وقت کونہم فی الصور نافیہ، والحاصل: الاخذ بظاہر الاحادیث هو ان السؤال لسائر الناس بالعربیة نظیر ما مر انہ لسان اهل الجنة الا ان ثبت خلاف ذلك ولا یستبعد تکلم غیر العرب بالعربیة لان ذلك الوقت وقت تحرق فیہ العادات، نیز اس میں ہے: وجزم الترمذی بالحکم وابن عبد البر ایضاً بان السؤال من خواص هذه الامة حدیث مسلم: ان هذه الامة تبسلی فی قبورها، وقال فیہا جماعة ہنم ابن الیقیم وقال لیس فی الاحادیث ما ینفی السؤال عن تقدم من الامة، وانما اخبر النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امته بکیفیة امتحانہم فی القبور لانه لقی ذلك عن ذلك، وتوقف آخرون، وللتوقف وجه لان قوله ان هذه الامة فیہ تخصیص تعدیة السؤال لیغیرہم تحتاج الی دلیل، وعلى تسلیم اختصاصہم بہم فہو لزیادة درجاتہم وتخففہ احوال الجنۃ علیہم فضیہ رفق بہم اکثر من غیرہم لان المؤمن اذا فرقت ہا ان امرہا بخلاف ما اذا قوت فمقر لہا ہذہ الامة عند الموت و فی القبور والمحشر دلیل ظاہر علی تمام عنایة ربہم بہم اکثر من غیرہم، وكان اختصاصہم بالسؤال فی القبر من التخفیفات الی اختصاصہا عن غیرہم لما تقتضی فتأمل ذلك، یعنی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عذاب قبر اس امت کی خصوصیت ہے تو یہ دراصل ان ہی کے فائدہ کے لئے ہے تخفیف عذاب کے لئے تاکہ ساری مصیبتیں محشر میں جمع ہوں، کچھ سختی موت کے وقت ہو جاتی ہے اور کچھ قبر میں اور پھر باقی جو مقدر میں ہے وہ محشر میں، اور پھر اس کے بعد اس میں یہ بھی ہے کہ ان احادیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگرچہ فاسق ہو تو وہ مؤمن عادل ہی کی طرح صحیح صحیح جواب دیتا ہے، لیکن اگے بشارت والی بات جو ہے وہ ہو سکتا ہے کہ اس کے حسب حال ہو، نیز اس میں یہ بھی ہے کہ مؤمن عاصی سے سوال کرنے والے فرشتہ کا نام ہے منکر اور جو فرما کر دار سے سوال کرتا ہے اس کا نام مبشر و بشیر۔

والحدیث اخبرہ النساء وابن ماجہ مختصراً، وقد تقدم فی کتاب الجنائز مختصراً، قال المستذری۔

## باب فی ذکر المیزان

ہا مش بذل میں ہے: انکرہ المعتزلة شرح مواقف ۳۲۱، اور بذل میں ہے: وقد ذکر فی کلام اللہ تعالیٰ فی مواضع اھ اور شرح عقائد میں ہے: والوزن حق لقولہ تعالیٰ، والوزن یومئذ الحق۔ والمیزان عبارة عما یعرف یہ مقادیر الاعمال، والعقل قاصر عن ادراک کیفیة وانکرہ المعتزلة لان الاعمال اعراض ان اکمن اعادہا لم یکن وزنها، ولانہا معلومة للہ تعالیٰ فوزنہا عبث، والجواب انہ قد ورد فی الحدیث ان کتب الاعمال ہی الی وزن قلا اشکال الخ، علی تفہیم تسلیم کون افعال اللہ تعالیٰ معللة بالاعراض، لعل فی الوزن حکمہ لا تطلع علیہا، وعدم اطلاعی علی حکمہ لا یوجب العبث، یعنی مستزاد اس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ اعمال خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات اعراض ہیں

نہ کہ جو اہر، اور اعراض باقی رہنے والی چیز نہیں، العرض لایستی زمانیں مشہور ہے عند الفلاسفہ، یعنی عرض تو موجود ہوتے ہی قورانتا ہو جاتا ہے لہذا اس کا اعادہ ممکن ہی نہیں، اور اگر اعادہ کو ممکن مان بھی لیں تو اس کا وزن ممکن نہیں کیونکہ وہ وزنی اور مادی چیز نہیں، اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ اعمال کو اعراض ہیں لیکن وزن کا تعلق اعمال سے نہیں بلکہ اعمال ناموں کے ہے، قلا اشکال، اور دوسرا اشکال انہوں نے یہ کیا کہ اعمال عبادت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں لہذا ان کا وزن کرنا عیث ہے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاعراض نہیں ہوتے لہذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تولنے میں فائدہ کیا ہے، اور اگر مان بھی لیں تھوڑی دیر کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے لئے بھی کوئی غرض اور فائدہ ہونا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ ہو سکتا ہے اس وزن میں کوئی فائدہ اور حکمت ہو جس پر ہم مطلع نہیں ہیں، اور شروع میں وہ کہہ چکے ہیں کہ: لیکن اس وزن کی کیفیت کیا ہوگی سو ہماری عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے، اور معتزلہ کی رائے وزن کے بارے میں جو قرآن! حادیت میں مذکور ہے یہ ہے کہ اس سے مراد عدل ہے نہ کہ ظاہری معنی وزن کے اور وہ کہتے ہیں کہ میزان الوان کی بصر ہے اور میزان الاصوات سمع ہے اور میزان المعقولات وہ عقل ہے، اسی لئے لفظ جمع کیساتھ اس کو ذکر کیا گیا، قال اللہ تعالیٰ فاما من ثقلت موازینہ واجیب عنہ بان الحیح للتعظیم وقیل لکل مکلف میزان والظاہران یخبرہ تعددہ باعتبار الاشخاص وان اتحد ذاتہ، (حاشیہ شرح العقائد) اور ویسے یہ سب اشکالات جوابات گذشتہ زمانوں کے پیش نظر تھے، مگر اس دور میں یہ سب چیزیں بالکل اظہر من الشمس ہو گئی ہیں، ریڈیو، ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ ایجادات نے اعراض جو اہر وغیرہ کے فروق ختم کر دیئے، چھوٹی میٹھین میں نہ جانے کیا کیا اور کسی کسی چیز میں نہ تو کیسے محفوظ ہوجاتی ہیں، حتیٰ کہ حوریت و برورت جیسی اعراض کا بھی مشینوں کے ذریعہ ہی پتہ چل جاتا ہے، توجہ قادر مطلق کی قدرت کے ایک پرتو کا یہ کمال ہے تو خود اس کی قدرت کاملہ کا کیا حال ہو گا۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا ذکرت النار فبکت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما یبکیک قالت ذکرت النار فبکیت، فهل تذکرون اہلکم یوم القیامۃ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اما فی ثلاثۃ مواطن فلا یدکوا احدہا احدہا، عند المیزان حتی یعلموا ینحیف میزانہ او یشقل وعند الکتاب حین یقال "ہاؤم اقروا کتابیہ" حتی یعلموا ین یقع کتابہ افی یمینہ ام فی شمالہ ام وراء ظہورہ، وعند الصراط اذا وضع بین ظہری جہنم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز ان کو جہنم کا خیال آیا تو رونے لگیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیوں روتی ہو تو انہوں نے فرمایا کہ جہنم کو سوچ کر رونا آ گیا، کیا آپ اپنے گھر والوں کو بھی یاد فرمائیں گے قیامت کے دن، تو آپ نے فرمایا کہ تین مواقع تو ایسے ہیں کہ وہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، ایک عند المیزان جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوتا ہے یا بھاری، اور ایک جب نامہ اعمال تقسیم ہونے کا وقت آئے گا، جب ہر ایک کو اس کا نامہ اعمال دیئے جانے کے بعد کہا جائے گا لے یہ اپنی کتاب پڑھ لے جب تک کہ اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کا نامہ اعمال کون سے ہاتھ میں دیا جائے گا دائیں میں یا بائیں میں یا پشت کے پیچھے سے، اور پل صراط پر جب وہ جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے۔

۱۶۹  
دو حدیثوں میں دفع تعارض | یہاں پر یہ سوال ہے کہ یہ حدیث عائشہ حضرت انس کی اس حدیث کے خلاف ہے جو ترمذی ۱۶۹ میں باب ماجاری شان الصراط میں آئی ہے، سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ان شفع لی یوم القيامة فقال انا فاعل قلت يا رسول الله فاین اطلبک؟ قال اطلبنی اول با تطلبنی علی الصراط، قلت فان لم  
 انک علی الصراط، قال فاطلبنی عند المیزان، قلت فان لم انک عند المیزان قال فاطلبنی عند الحوض فان لا اخطی هذه الثلاث المواطن  
 اسلئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ سے بروز قیامت سفارش کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور کروں گا،  
 پھر انہوں نے سوال کیا کہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں تو آپ نے یہ حکمیں بتائیں کہ میں تجھ کو یا پل صراط پر ملوں گا اور وہاں نہ ملا تو میزان پر  
 ملوں گا اور تیسری جگہ بتلانی آپ نے حوض کوثر اور اس حدیث عائشہ میں آپ یہ فرمایا ہے میں کہ پل صراط اور میزان پر کوئی کسی کو یاد نہیں  
 کرے گا، اس کا جواب حاشیہ ترمذی میں حاشیہ میر علی الشکاہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ترمذی کی حدیث میں سوال کرنے والے  
 حضرت انس ہیں جو دلداری کے محتاج تھے اسلئے ان کو آپ نے یہ جواب دیا تاکہ بالوس نہ ہوں، لہذا جواب ان کے مناسب دیا، اور  
 حضرت عائشہ چونکہ حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہاں ان کے اتکال و اعتماد کا اندیشہ تھا کہ بیوی کو اپنے شوہر  
 پر ناز ہوتا ہے لہذا ان کو آپ نے وہ جواب دیا اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ عائشہ اور انس دونوں کے سوال مختلف ہیں  
 ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اسلئے کہ حضرت عائشہ کا سوال یاد کرنے کے بارے میں تھا کہ آپ ہمیں وہاں یاد رکھیں گے  
 یا نہیں، اور حضرت انس کا سوال طلب اور تلاش کرنے کے بارے میں تھا کہ اگر میں آپ کو تلاش کروں تو کہاں کروں یعنی برائے سفارش  
 بس حدیث انس میں یہ نہیں کہ آپ مجھے کہاں یاد کریں گے بلکہ اس میں تو تلاش اور طلب کا ذکر ہے۔

## باب فی الدجال

کتاب الفتن میں بھی دجال کا باب گذر چکا لیکن وہاں یہ باب اشراط الساعة میں سے ہونے کی حیثیت سے گذرا ہے اور یہاں  
 اس حیثیت سے کہ بعض فرق باطلہ اس کا انکار کرتے ہیں یعنی خوارج و معتزلہ اور جہمیہ۔

لم یکن نبی بعد نوح الا وقد انذر الدجال قومہ۔ اس پر تو کلام پہلی جگہ گذر چکا، کتاب الفتن میں لعلہ سید کہ  
 من قدرانی وسمع کلامی، آپ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ دجال کا زمانہ بعض وہ لوگ بھی پالیں جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے اور میرا  
 کلام سنا ہے یعنی صحابہ، لیکن علامہ سنہمی نے یہ لکھا ہے کہ سماع کی دو صورتیں ہیں بلا واسطہ اور بالواسطہ اگر بلا واسطہ مراد ہے تو اس صورت  
 میں اس کو بعض نے محمول کیا ہے حضرت خضر علیہ السلام پر کیونکہ وہ اخیر زمانہ تک رہیں گے علی قول، اور اگر مراد سماع سے بالواسطہ ہو تو  
 پھر اسکے ذکر کا فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ ہو سکتا ہے اس بات کی طرف کہ آپ کا کلام یعنی آپ کی احادیث کے سماع و روایت  
 کا سلسلہ خروج دجال کے زمانہ تک قائم رہے گا، اس پر حضرت نے بذل میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ سماع میں تو دونوں احتمال ہیں  
 بالواسطہ اور بلا واسطہ لیکن روایت تو بالواسطہ نہیں ہوتی لہذا بلا واسطہ ہی مراد لینا ہوگا، اب یا تو محمول کیا جائے خضر پر یا بعض  
 معمرین جن پر راہ اقول اور یا اس کو محمول کیا جائے کہ آپ کی یہ حدیث محمول ہے اس وقت پر جب تک آپ کو اس کے وقت خروج کا  
 علم نہ ہو تھا ورنہ اشراط الساعة کی احادیث اس پر دال ہیں کہ اس کا خروج اخیر زمانہ میں ہوگا۔ وحدثنا اخبرنا الترمذی، قال المنذری۔

## باب فی قتل الخوارج

خوارج اہل باطل کا ایک فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت سے نکل کر باغی ہو گئے تھے اور حضرت علی پر انہوں نے خروج کیا، حضرت علی اور ان کے درمیان زبردست جنگ ہوئی مقام نہروان میں اس جنگ نہروان کا ذکر آگے خود متن میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے، اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاندار فتح ہوئی تھی، انجراح الحاجہ میں لکھا ہے: ولہم عقائد فاسدہ، حضرت عثمان علی، عائشہ اور جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان جنگ واقع ہوئی ان سب سے یہ بغض رکھتے ہیں اور مرتکب کبیرہ کی تکفیر کرتے ہیں، حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اور حضرت معاویہ نے بھی اپنے دور میں ان سے قتال کیا۔ میرے یہاں اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے: قتل خوارج سے مقصود بالذات مصنف کا قتل کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس فرقہ کا بطلان کہ یہ اہل سنت سے فارغ ہے، اب چونکہ حدیث میں قتل کا ذکر تھا اس لئے ترجمۃ الباب میں اسی کو ذکر کر دیا، نیز قتل خوارج کو یہاں دجال کے قریب ذکر کرنا بظاہر اس مناسبت سے ہے کہ ہم من شیعۃ الدجال جیسا کہ روایات میں آیا ہے، پھر آگے چل کر اس میں یہ اشکال کیا ہے، فیہ ان ہذا وارد فی حق الجوس، چنانچہ باب فی القدر میں گذر چکا القدریہ مجوس ہذہ اللہ و ہم شیعۃ الدجال نسد بر، یہ اشکال لکھا ہوا چند سال بعد کا ہے، اس کے پھر چند سال بعد لکھا گیا: لکن یؤید ما قلنا ادلاً ما فی ابن ماجہ ۱۳۱۷ اور ابن ماجہ ۱۶ پر باب فی ذکر الخوارج میں یہ روایت ہے عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ینشا نشو القرون القرآن لایسجا وز تراہم کما خرج قرن قطع، قال ابن عمر سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول کما خرج قرن قطع اکثر من عشرین مرۃ حتی ینخرج فی عراضہم الدجال، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک جماعت پیدا ہوگی جو بکثرت قرآن کی تلاوت کرے گی لیکن ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کا قرآن گلے سے تجاوز نہیں کرے گا۔ یا تو نیچے کی طرف مراد ہے یعنی خلوص اور دل سے نہ پڑھیں گے، یا مراد اوپر کی طرف ہے کہ ان کا یہ عمل آسمان پر نہیں چڑھے گا جب بھی اور جس زمانہ میں بھی ان کی کوئی جماعت ظاہر ہوگی تو ان کو قطع کر دیا جائے گا، یعنی مسلمان ان کے ساتھ قتال کریں گے، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ جملہ کما خرج قرن قطع بیس مرتبہ سے بھی زیادہ سنا ہے اور پھر آگے حدیث میں یہ ہے یہاں تک کہ ان ہی کے بیچ میں دجال کا خروج ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق ان خوارج کو گولہاں کرتے رہیں گے لیکن ان کی جڑ ختم نہیں ہو سکے گی یہاں تک کہ خروج دجال کا وقت آجائے گا، آگے ظاہر ہے کہ وہ دجال ہی کے ساتھ ہوں گے، لہذا مصنف کے ان دربابوں میں مناسبت سمجھ میں آگئی۔

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من فارق الجماعۃ قید

شہر فمقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔

جو شخص جماعت یعنی سواد اعظم (اہل حق کی جماعت) سے ایک بالشت کے بقدر بھی جدا ہوگا تو سمجھو کہ اسلام کا حلقہ اس نے

اپنے گلے میں سے نکال دیا، یہ بات خوارج پر صادق آتی ہے، اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیف انتم واثمة من بعدی یستأثرون بہذا الفیء الذی کہ تم لوگوں کا کیا حال ہوگا اور تم کیا کرو گے اس وقت میں جب میرے بعد ایسے خلفاء آئیں گے جو مالِ نبی میں اپنے آپ کو ترجیح دیں گے یا ناحق ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں گے، اس پر صحابی حدیث یعنی حضرت ابوذر نے فرمایا کہ واللہ میں تو اس وقت اپنے کندھے پر تلوار رکھ کر اس کے ذریعہ ماروں گا یہاں تک کہ آپ تک پہنچ جاؤں گا یعنی جان دیدوں گا، آپ نے فرمایا کہ کیا اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں، وہ یہ کہ صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے آلو

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہما زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ستکون علیکم اثمۃ تعرفون منهم وتشکرون فمن انکر بلسانہ فقد برئ ومن کره بقلبہ فقد برئ ومن کره فقد سلم۔

یعنی آپ نے فرمایا کہ تم پر ائمہ اور خلفاء آئیں گے جن کی بعض باتیں تم اچھی دیکھو گے اور بعض بری، تو جس شخص نے ان کی بری بات پر زبان سے نیکری کی تو وہ تو اپنا حق واجب ادا کر کے عہدہ برآ ہو گیا، اور جس نے صرف دل سے برا سمجھا، یعنی زبان سے نیکر نہیں کی تو وہ بری ہے یعنی گناہ سے اور اگے بھی یہی ہے کہ جس نے برا سمجھا وہ سالم رہا اور محفوظ رہا گناہ سے۔

ولکن من رضی وقابح، لیکن جو ان کی ناجائز حرکات پر راضی رہا اور ان کی موافقت کی یعنی برا نہیں سمجھا، اس جملہ کی جزاء محذوف ہے، یعنی وہ ہلاک ہوا اور اس نے اپنا دین برباد کیا، کسی نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ان کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں یعنی مسلمانوں کے قبلہ کی طرف۔

اہل قبلہ کا اطلاق ان پر ہوتا ہے جو ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرتا ہو، اس پر حاشیہ بذل میں ہے: یشکل علیہ قتال الخوارج وقتال منکری الزکاۃ، یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل قبلہ سے قتال نہیں کرنا تو خوارج کے ساتھ قتال کیوں کیا گیا اسی طرح منکرین زکاۃ کے ساتھ، لیکن اگے اس کا کچھ جواب حضرت شیخ نے نہیں دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تو ائمہ اور خلفاء کا ذکر ہو رہا ہے کہ سبک اور عوام کو ان کے ساتھ قتال نہیں کرنا چاہیے نہ کہ اس کا برعکس، ائمہ اور خلفاء پر تو سرکش عوام اور باغیوں کی سرکوبی کرنا ضروری ہے، ابو داؤد کی اس حدیث کے الفاظ ہمارے نسخہ میں اسی طرح ہیں، اور حاشیہ بذل میں ہے: ولفظ المشکاۃ عن سلم: من انکر فقد برئ، ومن کرہ فقد سلم، وھذا فی الترمذی، وھذا وضع من لفظ ابی داؤد اھ میں کہتا ہوں کہ ابو داؤد کے نسخے بھی مختلف ہیں ہمارے بذل والے نسخے میں تو اسی طرح ہے جو اوپر لکھا گیا لیکن ابو داؤد کے بعض دوسرے نسخوں میں سلم اور ترمذی کی روایت کی طرح ہے جس کو حضرت شیخ اوضح فرما رہے ہیں۔

قال قتادۃ یعنی من انکر بقلبہ ومن کره بقلبہ لیکن اگر انکار اور کراہت دونوں کا تعلق قلب سے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کہہ رہے ہیں تو جملتین میں تکرار واقع ہوگا جیسا کہ بذل میں ہے اور پھر اس کے بعد حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل کیا ہے کہ قتادہ کی یہ تفسیر وہم ہے بلکہ غیر قتادہ کی تفسیر درست ہے کہ انکار ہو کر تاسے لسان سے اور کراہت قلب سے اور حاشیہ بذل



میں ہے: بسط الکلام علی هذا التفسیر القاری اشد البسط اھ، والحديث اخرجہ مسلم والترذی، قالہ المنذری۔

عن عرفجة رضى الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول ستكون في امتي هنات وهنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر المسلمين وهم جميع فاضربوا بالسيف كما ثنا من كان۔  
 آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں آگے چل کر شرور اور فسادات ہونگے، شرور اور فسادات ہوں گے یہ آپ نے سہ بار فرمایا، پس جو شخص ارادہ کرے مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے کا اور حال یہ کہ وہ پہلے سے متفق ہوں یعنی کسی ایک امام پر تو اس کی گردن تلوار سے مار دو، جو بھی ہو۔ والحديث اخرجہ مسلم والنسائی، قالہ المنذری۔

عن ايوب عن عبدة ان عليا رضى الله تعالى عنه ذكر اهل النهران۔ بعض نسخوں میں اس حدیث پر "باب فی قتال الخوارج" مذکور ہے اور ہمارے نسخہ میں قتال الخوارج کا باب حدیث ابو ذر بن قارق الجماعۃ قید شہرا لہ پر تھا اور یہ سب حدیثیں اسی کے تحت چل رہی ہیں، اور بعض دوسرے نسخوں میں ان احادیث پر بجائے قتال الخوارج کے "باب فی الخوارج" مذکور ہے اور اس حدیث پر جواب شروع ہو رہی ہے اس پر سرخ ہے "باب فی قتال الخوارج" اور یہی نسخہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔  
 اس حدیث میں جس کو ہم نے اب شروع کیا ہے اس میں عبیدہ سلمانی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل نہروان کا ذکر کیا یعنی خوارج کا جن سے حضرت علی نے مقام نہروان میں قتال کیا تھا جنگ نہروان معروف ہے۔

فقال فيهم رجل مؤذن اليد او محتذج اليد او مشدون اليد لولا ان تبطروا لنبأتكم ما وعد الله الذين

يقتلونهم على لسان محمد صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

حضرت علی فرماتے ہیں اہل نہروان کے بارے میں کہ ان میں ایک شخص ایسا ضرور ہو گا جس کا ایک ہاتھ ناقص ہے یعنی اس کا ایک ہاتھ صرف بازو تک ہو گا آگے کلانی نہیں ہوگی اگر تم بطر اور فخر نہ کرو تو میں تم کو وہ حدیث بتاؤں جس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ان لوگوں سے جو خوارج سے قتال کریں گے مذکور ہے، نہروان میں جو جنگ اور قتال ہوا تھا اسکی مفصل روایت آگے آ رہی ہے جس میں حضرت علی کو خوارج پر فتح حاصل ہوئی تھی، بظاہر یہ روایت فتح کے بعد کی ہے اور اسی مفصل روایت کا یہ ایک ٹکڑا ہے۔

قال قلت انت سمعت هذا منه؟ قال اى ورب الكعبة۔ جب حضرت علی نے یہ بات فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی تو ان کے شاگرد نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ نے یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی؟ تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا ہاں میں نے خود سنی تھی۔ والحديث اخرجہ مسلم وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال بعث على الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم بذ هيبه

في تربتها فقسها بين اربعة بين الاقرع بن حابس الحنظلي ثم المجاشعي وبين عيينة بن بدر الفزاري وبين

زيد الخيل الطائي شرأحد بنى نبهان وبين علقمة بن علاثة العامري شرأحد بنى كلاب، قال فغضبت قرش

والانصار وقالت يعطى صناديد اهل نجد ويذعننا، فقال انما اتالفهم۔



یعنی ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھوڑا سا سونا جو مٹی میں ملا ہوا تھا وہ بھیجا، یعنی کسی کان سے نکلا ہوا سونا تھا جو ابھی تک صاف بھی نہیں کیا گیا تھا، تو وہ سونا آپ نے ہاتھ کے ہاتھ اسی مجلس میں چار شخصوں کے درمیان تقسیم فرمادیا ان چار کے درمیان جو روایت میں مذکور ہیں، المختلطی ثم المجاشعی کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی نسبت بڑے خاندان کی طرف کی جائے تو مختلطی کہا جائے گا اور اگر اس بڑے خاندان کی شاخ اور بطن کی طرف نسبت کی جائے تو ان کو مجاشعی کہا جائیگا۔ جیسے کسی شخص کے بارے میں کہیں الہاشمی ثم محسنی، یہاں بھی دونوں نسبتوں میں عموم اور خصوص کا فرق ہے، بہر حال اس روایت میں یہ ہے کہ اس تقسیم پر قریش اور انصار کو ناگواری ہوئی اور یہ لوگ کہنے لگے کہ نجد کے بڑے بڑے لوگوں کو آپ عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ میں ان کو تالیف قلب کے لئے دے رہا ہوں، یعنی مصلحتاً، قال فاقبل رجل غائر

العیین مشرف الوجنتین ناتی الجبین کث اللحیة مخلوق قال اتق اللہ یا محمد، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس تقسیم کے بعد اور قریش اور انصار کو سمجھانے کے بعد ایک اور شخص آگے بڑھا اعتراض کے لئے جس کا حلیہ راوی نے یہ بیان کیا کہ جس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں اور دونوں رخسار ابھرے ہوئے تھے ایسے ہی پیشانی بھی ابھری ہوئی تھی اور داڑھی اسکی گھنی اور سر کے بال موٹے ہوئے تھے، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ سے ڈر، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اطاعت اس کی کون کرے گا، بھلا اللہ تعالیٰ تو مجھ کو امین اور امانت دار قرار دیتے ہیں زمین والوں کی حق میں اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے ہو، اس پر حضرت خالد بن الولید نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کو قتل کر دوں؛ راوی کہتا ہے کہ آپ نے ان کو قتل سے منع کر دیا، قال فلما رآی قال ان من ضغنی هذا لوفی عقب هذا۔ قوم یقرؤن

القران لا یجاوزنا جرم یمرقون من الاسلام مروق السهم من الرمیة یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان لئن انا ادرکتهم لا قتلنہم قتل عاد۔ یعنی جب وہ معرض جانے لگا بکواس کر کے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی جو بکثرت قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا (اس کی شرح گذر چکی) اسلام سے نکل باہر ہوں گے جس طرح تیر شکار میں سے گذر کر نکل جاتا ہے، تیر اگر کسی چھوٹے جانور کے مارا جائے تو وہ اس کے جسم میں داخل ہو کر دوسری طرف کو فوراً صاف نکل جاتا ہے، تو آپ تشبیہ کے طور پر خوارج کا حال بیان کر رہے ہیں کہ وہ بھی اسلام سے تیر کی طرح باہر نکل جائیں گے، اسلام سے اس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی اطاعت امیر، اور یہ مطلب نہیں کہ خوارج دائرہ اسلام سے خارج ہونگے تاکہ کوئی یہ اشکال کرے کہ اہل سنت کے یہاں تو اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی، اور اسی طرح ان کا قتل کرتا وہ ان کے کفر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بغاوت کی وجہ سے، آگے یہ ہے کہ قتل کریں گے وہ اہل اسلام کو اور چھوڑ سے رکھیں گے اہل اوثان کو، بذل میں یقتلون اهل الاسلام پر ہے بتکفیر ہم ایہم، یعنی خوارج کا اپنے مقابل کی تکفیر کرنا یہی گویا ان کو قتل کرنا ہے ورنہ قتال میں تو حضرت علی اور اہل حق ہی ہمیشہ غالب رہے ہیں خوارج پر آگے آپ فرما رہے ہیں اگر میں ان کا زمانہ پاؤں یعنی خوارج کا تو میں ان کو قوم عاد کی طرح قتل کر ڈالوں یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آفت سماوی سے قوم عاد کو بالکل ہلاک کر ڈالا اور نیست و نابود کر دیا۔

اس حدیث میں جو رجل غائر العینین آیا ہے یعنی رئیس الخوارج، اس کا نام بذل میں حرقوس بن زہیر ذوالخویصرہ کہتا ہے ذوالخویصرہ کا ذکر کتاب الطہارۃ میں باب الارض یصیبها البول میں گذر چکا، اور صحیح بخاری میں کتاب استتابة المرتدین میں، باب من ترک قتال الخوارج للتألف، میں ابوسعید خدری ہی کی روایت میں اس طرح ہے بینا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقسم جابر عبد اللہ ابن ذی الخویصرۃ التیمی فقال اعدل یا رسول اللہ فقال دیک ومن یعدل اذالم اعدل قال عمر بن الخطاب دعنی اضرب عنقه، حافظ نے اس کی شرح میں ذوالخویصرہ کا نام ایک روایت سے حرقوس نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھا: وقد جاران حرقوس اسم ذی الشدیۃ كما سیأتی، وزعم بعضهم انه ذوالشدیۃ الآتی ذکرہ ولیس كذلك، اور پھر اگے حافظ نے فقال عمم پر لکھا ہے: وتقدم فی المغازی ..... عن ابی سعید فی هذا الحدیث فسأله رجل اظنہ قالدین الولید قتله، وفی روایۃ مسلم فقال خالد بن الولید بالجزم، وقد ذکرت وجه الجمع بینہما فی اواخر المغازی دان کلامہما سأل، مزید تفصیل اسی میں دیکھی جائے (فتح ص ۲۳۶) اور حاشیہ بذل میں حضرت شیخ نے اس طرح لکھا ہے قال الحافظ فی الفتح ص ۲۳۶: وهذه القصة غیر قصۃ حدیث جابر، ومن فسره بہ تقدوم الخ والمنکر فیہا غیرہ لکن قال فی ص ۲۳۹ ان المنکر فی الموضوعین واحد۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے: لا یرجعون حتی یرتد علی فرقہ، کہ یہ لوگ دین اور طاعت امام کی طرف نہیں لوٹیں گے جب تک تیر لوٹ کر اپنے فوق کی طرف نہ آجائے اور تیر کا چھوٹ جانے کے بعد فوق کی طرف لوٹنا محال ہے، لہذا یہ تعلق بالمحال کے قبیلہ سے ہے، فوق کہتے ہیں تیر و کمان میں وتر یعنی تانت کی وہ جگہ جہاں تیر رکھ کر چلاتے ہیں، لغت میں لکھا ہے کہ اس کو سوار کہتے ہیں، ہر شر الخلق والخلیقة یعنی تمام مخلوق میں وہ سب سے بدتر ہوں گے، بذل میں لکھا ہے کہ شاید خلق سے مراد مسلمان اور خلیق سے مراد دوسرے لوگ اور جانور، طوبی لمن قتلہم خوش خبری ہے اور بشارت ہے اس شخص کے لئے جو ان خوارج کو قتل کرے، اور ان کے لئے بھی جن کو یہ خوارج قتل کریں، یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منہ فی شئی، ظاہر میں لوگوں کو بلائیں گے کتاب اللہ کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف، حالانکہ ان کو کتاب اللہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، آگے ہے: جو شخص ان سے قتال کرے گا یعنی میری امت میں سے تو وہ زیادہ اقرب الی اللہ تعالیٰ ہوگا ان کے مقابلین سے یعنی جو ان سے قتال نہیں کریں گے، قالوا یا رسول اللہ! ما سیما ہر؟ قال التحلیق، صحابہ نے پوچھا ان کی ظاہری علامت جس کو دیکھ کر ان کو فوراً پہچان لیا جائے کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا تحلیق، اور اس کے بعد والی روایت میں التسمیہ ہے یعنی خلق شر میں مبالغہ کہ سر پر بالوں کو جھینے ہی نہ دیا جائے بار بار خلق کی وجہ سے، فاذا رأیتہم ہر فانیہم، جب تم ان کو دیکھو تو ان کو سلا دو، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتاب الخراج میں باب ما جازنی خیر مکۃ میں گذرا ہے، فلا یشرقن لکم احد الا انتم ہر، الدر المنصور جلد اول کتاب الطہارۃ میں حضرت علی کی حدیث ومن ثم عادیت رأسی ومن ثم عادیت رأسی کے ذیل میں تحلیق پر کچھ کلام گذرا ہے کہ سنت ہے یا خلاف سنت انیز یہ کہ امام احمد کی ایک روایت میں تحلیق مکر وہ ہے اسی لئے کہ وہ خوارج کی علامت ہے۔

حدیث ابی سعید الاول الخرمی بخاری وسلم والنسائی، قال المنذری۔

قال علي رضي الله تعالى عنه. اذا حدثتكم عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حديثا فلا تتركوا

أخبر من السماء احب الي من الكذب عليه. واذا حدثتكم فيما بيني وبينكم فانما الحرب خدعة سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول -

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود یہاں پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو خوارج کے بارے میں خبر دی تھی اس کو بیان کرنا ہے اور اس مضمون پر یقین دلانے کے لئے اور یہ کہ میں بالکل یہ حدیث صحیح نقل کر رہا ہوں اس کے لئے بطور تمہید یہ بات فرمائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اپنی طرف سے کچھ ملا دینے کے مقابلہ میں میرے نزدیک آسمان سے گر جانا زیادہ بہتر ہے، اور جو بات ہماری اور تمہاری آپس کی ہو یعنی اس کا یہ حکم نہیں اور نہ یہ اس کا درجہ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ الحرب خدعة کہ لڑائی میں تو چال چلنے، ہمد سے کام چلتا ہے اس میں کچھ جھوٹ یعنی توریہ کی گنجائش ہے اس کے بعد جو حدیث مقصود بالذکر تھی اس کو نقل کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو نئی عمر کے ہوں گے اور عقل کے کم ہوں گے، یا یہ کہتے کہ عقل کے کورے ہوں گے، زبان سے تو وہ بات بہت اچھی نکالیں گے، قیل ارادہ القرآن و یحتمل ان یراویہ قولہم لا حکم الا للہ (بذل) الی آخر الحدیث۔ والحدیث اخبرہ البخاری وسلم والنسائی قال المتذری۔

عن سلمة بن كهيل قال اخبرني زيد بن وهب الجهمي انه كان في الجيش الذي كانوا مع علي الذين

ساروا الى الخوارج، فقال علي ايها الناس اني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول يخرج

قوم من امتي يقرؤون القرآن ليست قراءتكم الي قراءتهم شيئا ولا صلاتكم الي صلاتهم شيئا، ولا صيامكم الي صيامهم شيئا۔

اس روایت میں جنگ نہروان کا ذکر ہے جس کا ذکر اور حوالہ ابھی قریب میں گذرا ہے، اور جس کے

راوی اور حاکی زید بن وہب الجہمی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں خود اس لشکر میں تھا جو حضرت علیؑ کے

کے ساتھ تھا جو خوارج کی طرف گئے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (یعنی خوارج کیساتھ لڑائی کی ترغیب

میں) کہ اے لوگو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایک قوم میری امت میں سے ایسی نکلتے گی وہ

قرآن کریم کی تلاوت کریں گے ایسی عمدہ قرأت کہ تمہاری قرأت ان کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگی اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے مقابلہ

میں اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں کچھ ہوگا، قرآن پڑھیں گے وہ اور یہ سمجھیں گے کہ وہ ان کے لئے ہے

یعنی مفید، حالانکہ وہ ان پر حجت ہوگا، اگر جان لے وہ لشکر جو ان سے قتال کرے گا کہ ان کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی زبان پر کیا فیصلہ کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ثواب لا تتكلموا على العمل تو وہ اسی عمل پر اعتماد کر بیٹھیں گے یعنی

ان کے ساتھ قتال ہی پر یعنی پھر کسی اور عمل کی ضرورت نہ سمجھیں گے ثواب عظیم حاصل ہو جانے کی وجہ سے، اور ایک نسخہ میں ہے لا تکلموا

عن العمل، اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اس قتال کے علاوہ دوسرے اعمال سے رک جائیں گے، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، وایة

ذلك ان فيهم رجلا له عضد وليست له ذراع على عضد كما مثل حلقة المشي عليه شعرات بيض۔ اور علامت

اس کی یعنی اس قوم کی جس سے قتال کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا ہوگا کہ اس کے ایک طرف بازو ہوگا اس کے آگے کلانی نہیں ہوگی، نیز اسکے بازو پر سرپستان کی مانند ایک بوٹی سی ہوگی جس کے ارد گرد سفید بال ہوں گے اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: مثل شعيرات التي تكون على ذئب اليربوع، ایسے بال جو یربوع کی دم پر ہوتے ہیں، یربوع چوہ ہے کے قریب قریب اس کے مشابہ ایک جانور ہوتا ہے جس کی دم پر کھڑے بالوں کا ایک گچھا ہوتا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے مثل سبالة السنور، کہ وہ بال ایسے کھڑے ہوتے ہیں جیسے بلی کی مونچھ، پس تم معاویہ اور اہل شام کی طرف جلتے ہو ان کے قتال کے لئے اور ان لوگوں کو اپنے پیچھے اپنی آل اولاد کی طرف چھوڑ کر جلتے ہو، مطلب یہ ہے کہ پہلے ان کو نماؤ اسکے بعد نہ کھا جائے گا اہل شام کا قصہ، وانشہ میں امید کرتا ہوں کہ یہی لوگ وہ قوم ہیں جنکے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، تحقیق کہ یہ لوگ ناحق خون بہا رہے ہیں اور لوگوں کو لوٹ رہے ہیں، اللہ کا نام لیکر ان کی طرف چلو، قال سلمة بن كهيل فنزلني زيد بن وهب منزلا منزلا، سلمة بن كهيل جو اس قصہ کو زید بن وہب سے روایت کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زید بن وہب نے کہا اس لڑائی کے منازل میں سے ہر ہر منزل پر اتارا یعنی پوری تفصیل سے انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا، منزل بہ منزل، حتی مورنا علی قنطرة، وہ کہتے ہیں یہاں تک کہ چلتے چلتے ہمارا گذر ایک پل پر ہوا یعنی قنطرة دبرجان، زید بن وہب کہتے ہیں کہ جب ہمارا اور ان کا آمناسا منا ہوا اور حال یہ کہ ان، ہر جنی خوارج کا امیر عبد اللہ بن وہب راہی تھا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا: القوا الرماح وسكوا السيوف من جفونها، کہ نیزوں کو ایک طرف ڈال دو اور تلواروں کو نیاموں سے نکال لو، مطلب یہ ہے کہ ہمیں حملہ میں جلدی کرنی ہے کیونکہ لڑائی کے وقت شروع میں تو نیزے ہی استعمال کئے جلتے ہیں جب وہ ذرا فاصلے پر ہوتے ہیں اور جب زیادہ قریب ہو جاتے ہیں تو تلواریں استعمال کی جاتی ہیں، فانی اخاف ان يناشدوكم كما ناشدوكم يوم حروراء، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ کہیں وہ تم سے صلح نہ طلب کرنے لگیں جس طرح یوم حروراء میں کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑائی سے پہلے کوئی بات مقام حروراء میں بھی پیش آئی ہوگی، قال فوحشوا بروماحهم واستلوا السيوف، چنانچہ انہوں نے اپنے امیر کے حکم کے مطابق نیزوں کو تو پھینک دیا اور تلواریں سونت لیں، وشجروهم الناس بروماحهم (اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ) لوگوں نے یعنی اصحاب علی نے ان لوگوں کو ان ہی کے نیزوں سے بین کر رکھا، یعنی جن نیزوں کو انہوں نے اپنے امیر کی ہدایت پر پھینک دیا تھا وہی نیزے ان حضرات کے کام آگئے، قال وقتلوا بعضهم على بعض، یعنی وہ اس طرح مارے گئے کہ نغشوں پر نغشیں پڑی ہوئی تھیں، وما اصاب من الناس يومئذ الا رجلا، یعنی اصحاب علی میں سے اس لڑائی میں صرف دو آدمی مارے گئے، اور خوارج جن کی تعداد آٹھ ہزار کے قریب تھی ان میں سے اکثر مارے گئے، فقال على التمسوا فيهم المخذج یعنی جب لڑائی ختم ہوگئی اور اہل حق کو فتح ہوگئی تو حضرت علی نے فرمایا اپنے لوگوں سے کہ اچھا اس ناقص الید کو ان مقولین میں تلاش کرو تاکہ یہ یقینی طور پر معلوم اور مشاہد ہو جائے کہ جس قوم کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی یہ وہی ہیں تو لوگوں نے تلاش کیا مگر ان کو تلاش سے ایسا کوئی شخص نہیں ملا، قال فقام على بنفسه، پھر حضرت علی خود کھڑے ہوئے تلاش

کرنے کے لئے یہاں تک کہ وہ تلاش کرتے کرتے مقتولین کے ایک ڈھیر پر پہنچے جو کسی گڑھے میں پڑے تھے، حضرت علی نے فرمایا ان لوگوں سے جو آپ کے ساتھ تھے کہ ان کو نکالو، ہو سکتا ہے ان میں ہو چنا چہ وہ علی گیا سب سے نیچے، حضرت علی نے اس کو دیکھ کر تکبیر پڑھی اور فرمایا صدق اللہ وبلغ رسولہ اس پر عبیدہ سلمان نے کھڑے ہو کر حضرت علی سے پوچھا کہ اسے امیر المؤمنین اس الشریک قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا آپ نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے یعنی وعدہ ثواب دالی، تو انہوں نے بھی قسم کھا کر جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے، اور یہ ان دونوں کا حلقا سوال و جواب تین مرتبہ ہوا، اگلی روایت میں ہے: قال ابو الوضی نکانی انظر الیہ حبشی علیہ قریطی احدی یدیدہ مثل ثدی المرأة، ابو الوضی اس مخدج مقتول جس کا پہلو نے دیکھا تھا، اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ گویا میں اس کو اس وقت دیکھ رہا ہوں یعنی اس کا نقشہ میرے سامنے ہے کہ وہ مخدج ایسا لگتا تھا جیسے کوئی حبشی ہو جس کے بدن پر ایک کرتی یعنی چھوٹا سا کرتا تھا اور اس کا ایک ہاتھ ایسا تھا جیسے عورت کی پستان ہوتی ہے، قریطی تصغیر ہے قریطی کی ادرودہ معرب ہے کرتا کا، قریطی تصغیر کی وجہ سے معلوم ہوا وہ کرتا چھوٹا سا ہو گا اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ کرتی سے کیا ہے۔ عن ابی مریم قال ان کان ذلک المخذج لمعنا یومئذ فی المسجد یجالسہ (وفی نسخة) نجالسة باللیل

والنهار وکان فقیراً ورائتہ مع المساکین یشہد طعام علی مع الناس وقد کسوتہ برنسالی۔

اس رئیس الخوارج کا ابتدائی حال | ابو مریم اس رئیس الخوارج مخدج کا سابق حال بیان کرتے ہیں کہ یہ مخدج شروع میں اپنے ابتدائی زمانہ میں مسجد میں رہا کرتا تھا ہمارا اس کے ساتھ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا تھا اور دراصل وہ نادار اور فقیر آدمی تھا مسکینوں کے ساتھ حضرت علی کے لنگر کے کھانے میں شریک ہوا کرتا تھا اور ایک مرتبہ میں نے اس کو اپنا چوغا بھی دیا تھا، یعنی شروع میں تو وہ کیسا غریب اور مسکین تھا جس کے بارے میں وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ آگے چل کر ایسا ہو گا۔

## باب فی قتال اللصوص

اس باب کو اس کتاب سے کیا مناسبت ہے اور یہاں اس کو کیوں ذکر کیا گیا ہے، اس کے بارے میں میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ مصنف اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ خوارج کیسا تھے حضرت علی کا قتال کرنا ان کے کفر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بغاوت کی وجہ سے تھا جس طرح چوروں اور ڈاکوؤں کو یعنی قطاع الطریق کو قتل کیا جاتا ہے، اسکا نشانہ بھی ان کا کفر نہیں ہوتا بلکہ وہ حکومت کے باغی ہوتے ہیں اسلئے ان کی سزا سنی ہے، فتہ برو تشکر۔

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من أربد ماله

بغیر حق فقاتل فقتل فهو شهید۔ اور دوسری روایت میں اس پر اضافہ ہے: ومن قتل دون اہلہ او دون دمه او دون

دینہ فهو شهید۔

یعنی جو اپنے مال کی حفاظت میں کسی سے قتال کرے اور پھر مارا جائے، ایسے ہی اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں قتال کرے



یا اپنے دین کو بچانے کے لئے، تو وہ شخص مقبول ان سب صورتوں میں شہید ہوگا یعنی حکمی، اور اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔  
والحدیث، اخرجه الترمذی والنسائی، و حدیث معید بن زید اخرجه الترمذی والنسائی وابن ماجه، قال المنذری۔

## اختر کتاب السنۃ

جاننا چاہیے کہ اب اس کے بعد کتاب الادب شروع ہونے سے پہلے دو حدیثیں اور مذکور ہیں جن میں پہلی تو باب الخلاف میں گذر گئی یعنی ان مثل عثمان عند اللہ مثل عیسیٰ، اس کی شرح وہاں گذر چکی، لہذا یہ حدیث یہاں مکرر ہے، مگر یہاں پر اس حدیث کے بعد ایک، قال ابو داؤد ہے اس کی ہم شرح یہاں لکھتے ہیں:

سمعت احمد بن حنبل يقول قال عفان كان يحيى لا يحدث عن همام، قال احمد قال عفان فلما قدم معاذ

ابن هشام وافق همام في احاديث كان يحيى ربما قال بعد ذلك كيف قال همام في هذا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ عفان نے یہ بات کہی کہ امام حدیث بھی القطان ہمام سے روایت نہیں کیا کرتے تھے یعنی ان سے اخذ حدیث نہیں کرتے تھے (یہ بات تو ان کی شروع کی ہے) اگے عفان کہتے ہیں کہ جب معاذ بن ہشام آئے اور بہت سی حدیثوں میں انہوں نے ہمام کی موافقت کی تو جب یحییٰ نے یہ دیکھا تو پھر وہ ہمام پر اعتماد کرنے لگے تھے چنانچہ بھی القطان بہت سی روایات میں ہمام کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے کہ وہ اس روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں، اس کے بعد ہے، قال ابو داؤد سمعت احمد يقول

سماع هؤلاء۔ عفان واصحابه۔ من همام اصلح من سماع عبد الرحمن وكان يتعاهد كتبه بعد ذلك۔

عفان جن کا ذکر اوپر آیا ہے وہ ہمام کے شاگردوں میں ہیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ عفان اور ان کے ساتھیوں کا سماع ہمام سے زیادہ محترم ہے عبد الرحمن بن مہدی کے سماع سے، یہ عبد الرحمن بھی ہمام کے شاگردوں میں ہیں، اس صلح اور غیر اصلح ہونے کا منشا اگے مذکور ہے کہ شروع میں ہمام کی عادت روایات کے سلسلہ میں اپنی کتاب کی طرف مراجعت کی نہیں تھی بلکہ اپنے حفظ سے بیان کیا کرتے تھے لیکن پھر اخیر میں ان کی عادت بدل گئی تھی، اور روایات کے سلسلہ میں اپنی کتاب کی طرف مراجعت کرنے لگے تھے اور صرف اپنے حفظ پر اعتماد کو ترک کر دیا تھا، تو ہو سکتا ہے عفان اور ان کے اصحاب کا سماع ہمام سے اخیر میں ہوا ہو، اور عبد الرحمن بن مہدی کا سماع شروع میں ہوا اسلئے عبد الرحمن کا سماع ہمام سے کمزور ہوا اور عفان وغیرہ کا قوی، چنانچہ اگے آ رہا ہے خود کتاب میں، قال قال لي همام كنت اخطئ ولا ارجع واستغفر الله تعالى، یعنی ہمام خود کہتے ہیں کہ مجھ سے روایت میں خطا ہو جایا کرتی تھی اور میں رجوع نہیں کیا کرتا تھا، بظاہر مطلب یہ ہے کہ کتاب کی طرف عدم رجوع ہی کی وجہ سے خطا ہو جایا کرتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی خطا کا احساس بعد میں ہوا اسی لئے کتاب کی طرف رجوع کرنے لگے، لہذا اس سے یہی ثابت ہوا کہ ان کی شروع کی روایات زیادہ قابل اعتماد نہیں بخلاف اخیر کے، واستغفر الله تعالى کا مطلب یہی ہے کہ اب میں اپنی اس عادت سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہیں کروں گا اور اس عادت کو چھوڑ دوں گا۔



قال ابو داود سمعت علي بن عبد الله يقول اعلمه باعادة ما يسمع من عالم يسمع شعبة، وارههم هشام واحفظهم سعيد بن ابى عروبة۔

علی بن عبد اللہ سے مراد علی ابن المدینی ہیں، امام بخاری کے مشہور استاد، وہ قتادہ کے شاگردوں میں آپس میں فرق مراتب بیان کر رہے ہیں جس میں انہوں نے قتادہ کے تین شاگردوں کو ذکر کیا شعبہ ہشام اور سعید، کہ شعبہ کا حال یہ تھا کہ جو روایت وہ اپنے استاد سے براہ راست سنتے تھے اس کو الگ رکھتے تھے اور جو براہ راست نہیں سنی اس کو الگ، اور ہشام قتادہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ کثیر الروایۃ تھے اور سعید بن ابی عروبة سب سے زیادہ حافظ تھے۔

قال ابو داود ذکرت ذلك لاحمد فقال: سعيد بن ابى عروبة في قصة هشام هذا كله يحكونه عن

معاذ بن هشام، این کان یقع هشام من سعید لو برز لہ۔

امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ جو بات میں نے علی بن المدینی سے سنی تھی تو اس کا ذکر میں نے اپنے استاد محترم احمد بن حنبل سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سعید بن ابی عروبة کو ہشام کے مقابلہ میں ذکر کر رہے ہو یعنی یہ کہ ان میں خوبی یہ ہے اور ان میں یہ دراصل اس چیز کو لوگ معاذ بن ہشام سے نقل کرتے ہیں کہ ان میں یہ خوبی تھی اور ان میں یہ، یعنی کسی ایک کو دوسرے پر علی الاطلاق ترجیح نہیں ہے بلکہ ہر ایک ان میں سے دوسرے پر من وجہ فائق ہے اس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بات تو ہشام کے ہاں ہے ان کے بیٹے معاذ نے کہی اور یہ بات وہیں سے چلی ہے حالانکہ سعید بن ابی عروبة کا مقام بہت بلند ہے اگر وہ سامنے آجائیں تو ہشام ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

عن معاوية قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اشفوا توجروا، فاني لا ريد الا من

فاخرة كيما تشفوا فتجروا۔ فان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال اشفوا توجروا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سفارش کیا کرو اجر دینے جاؤ گے، اس کے بعد حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کام کے کرنے کا میں ارادہ کر لیتا ہوں مگر اس کو مؤخر کر دیتا ہوں تم لوگوں کی سفارش کی نیت سے تاکہ تم اس میں سفارش کرو اس کے بعد میں اس کام کو کروں تاکہ تم لوگوں کو سفارش کا اجر ملے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے اشفوا توجروا۔

پھر اسی حدیث کو مصنف نے دوسری سند سے ذکر کیا ہے جس کے راوی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اول کتاب الادب

ادب کی تعریف حضرت شیخ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا ہوا۔ استحسن قولاً او فعلاً، کہ وہ قول یا فعل جو شرعاً و عقلاً پسندیدہ ہو۔ یہ کتاب الادب سنن ابی داؤد کی کتب میں آخری کتاب ہے۔ کتاب الادب اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک جامع کتاب ہے، شریعت مطہرہ میں، مخصوص احکام، فرائض و واجبات، عبادات و معاملات، جن کا بیان شروع کتاب سے یہاں تک ہوا، ان کے علاوہ بھی ہر چیز کا ادب اور مناسب طریقہ ہے، رہن، سہن، سلام و کلام طعام و منام، نشست و برخاست، زیارت و ملاقات، تعلق و ترک تعلق اور زندگی میں پیش آنے والے دیگر امور و احوال، خوش گوار و ناگوار، ان سبھی سے متعلق اسلام کی ہدایات اور آداب وارد ہوئے ہیں، انہی ہدایات اور مناسب طرق کو حضرات مصنفین کتاب الادب کے تحت بیان فرماتے ہیں۔

### باب فی الحلم و اخلاق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حسن اخلاق کی فضیلت | اخلاق جمع خلق کی ہے، امام ترمذی نے ایک مستقل باب باندھا ہے، "باب ماجاء فی حسن الخلق" جس میں ایک روایت یہ ہے: عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ما من شیء یوضع فی المیزان اقل من حسن الخلق، وان صاحب حسن الخلق لیبلیغ بہ درجۃ صاحب الصوم والصلاۃ۔ یعنی قیامت کے روز جب اعمال کا وزن ہوگا تو سب سے زیادہ وزنی چیز اس میں حسن خلق ہوگی، اور یہ کہ حسن خلق کی وجہ سے آدمی صوم و صلاہ کی پابندی کرنے والے کے رتبہ کو پہنچ جاتا ہے، اور دوسری حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اکثر ما یدخل الناس الجنة؟ قال تقوی اللہ وحسن الخلق، وسئل عن اکثر ما یدخل الناس النار؟ قال الفم والقوچ، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جنت میں داخل ہونے کا زیادہ تر سبب کیا ہوتا ہے تو آپ نے مختصر سا جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ

اور حسن خلق اور ایسے ہی آپ سے یہ بھی سوال کیا گیا کہ زیادہ تر دخول نادر کا سبب کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم یعنی زبان اور شرمگاہ۔

**حسن خلق کی تعریف** | ترمذی کے حاشیہ میں علامہ طیبی سے نقل کیا ہے کہ یہ تقویٰ اللہ سے اشارہ ہے حسن معاملہ مع الخالق کی طرف، کہ جملہ ادا امر کو بحیالائے اور جملہ مہنیات سے پرہیز کرے، اور حسن خلق سے اشارہ ہے حسن معاملہ مع المخلوق کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ سے معاملہ کی صفائی فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ یہ تو تقویٰ ہے، اور مخلوق کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا یہ حسن خلق ہے، خود ترمذی کے متن میں یہ مذکور ہے: عن عبد اللہ بن المبارک انه وصف حسن المخلوق فقال هو بسط الوجه وبذل المعروف وكف الاذى. حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی نقاہت اور جلالت شان متفق علیہ ہیں اللہ میں ہے انہوں نے حسن خلق کی یہ تعریف کی ہے جس میں تین جزر مذکور ہیں لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آنا، اور لوگوں پر احسان کرنا چاہے مال سے ہو یا جان سے بالفاظ دیگر لوگوں کے کام آنا اور تکلیف دہی سے بچنا، یعنی اس کو شش میں رہنا کہ ہم سے کسی کو اذیت نہ پہنچے خواہ بخواہ اور امام احمد سے منقول ہے کہ حسن المخلوق ان لا تغضب ولا تعقد، کہ ایک تو یہ کہ آدمی غصہ نہ کرے یعنی غصہ اس کی عادت نہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی کے ساتھ حسد اور کینہ نہ رکھے، اور ایک روایت میں ہے ان سے: ان تحمل ما یكون من الناس کہ لوگوں کی طرف سے ناگوار امور جو پیش آئیں ان کو برداشت کرنا۔ (تحفہ منیہ) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے: وانک لعلی خلق عظیم۔

**احادیث الباب کا مضمون** | اس باب میں مصنف نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں دو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سے زیادہ بافلاق تھے، وہ آگے آپ کے حسن خلق کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ ایک روز آپ نے مجھ کو ایک کام بتلایا کہ جا اس کو کر، تو میں نے کہا واللہ میں تو نہیں جاؤں گا، لیکن میرے دل میں یہ تھا کہ ضرور جاؤں گا جب آپ فرما رہے ہیں، چنانچہ میں اس کام کے لئے نکل گیا، راستہ میں بچے کھیل رہے تھے جب میرا ان پر گذر ہوا تو میں کھڑا ہو کر ان دیکھنے لگا، تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑی، میں نے جو آپ کی طرف مڑ کر دیکھا تو اس وقت آپ مسکرا رہے تھے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا ارے جانا جس کام کے لئے میں نے تجھ کو بھیجا تھا، میں نے کہا جی ابھی جا رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ واللہ میں آپ کی خدمت میں سات یا نو سال تک رہا ہوں مجھے یاد نہیں کہ میرے کسی کام کے بارے میں آپ نے فرمایا ہو کہ تو نے یہ کیوں کیا ایسے ہی جس کام کو ترک کیا ہو اس کے بارے میں بھی اس طرح دو ٹوک ہو کر نہیں پوچھا کہ یہ تو نے کیوں نہیں کیا۔

اور دوسری روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت دس سال تک کی بدینہ منورہ میں اور میں لڑکا ہی تو تھا، میرے سارے کام آپ کی پسند کے موافق تو تھے نہیں مگر اس کے باوجود کبھی آپ نے کسی کام کے بارے میں اف تک نہیں فرمایا۔

اور مسلم کی ایک روایت میں تسع سنین سے بغیر شک کے، اور اس دوسری روایت میں دس عشر سنین سے ہے تو ہو سکتا ہے مدت خدمت دس سال سے کم اور نو سال سے زائد ہو، ایک روایت میں کمر کو حذف کر دیا اور ایک میں اس کو پورا کر دیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں ہم سے حدیثیں بیان فرمایا کرتے تھے فاذا قام قمنا قیاماً معنی تراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ، پس جب آپ مجلس ختم فرما کر کھڑے ہوتے تو آپ کے ساتھ ہم لوگ بھی کھڑے ہو کر کھڑے رہتے اور آپ کو دیکھتے رہتے یہاں تک کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی ایک کے گھر میں داخل ہو جاتے، یعنی ہم لوگ کھڑے ہوتے ہی فوراً واپس نہ آتے بلکہ جب تک آپ اپنے گھر میں داخل نہ ہوں ہم آپ کی زیارت کرتے ہی رہتے تا آنکہ نظروں سے غائب ہوں، اس کے بعد ابو ہریرہ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ مجلس ختم فرما کر کھڑے ہوئے حسب معمول ہم بھی کھڑے ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی آیا اور آپ سے ملا اس طرح کہ آپ کی چادر بکڑ کر کھینچی اپنی طرف سے جس کی رگڑ سے آپ کی گردن سرخ ہو گئی کیونکہ وہ چادر کوئی ملائم نہیں تھی کھردری سی تھی، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں کیا کہنا چاہتا ہے تو اس اعرابی نے آپ سے یہ کہا کہ میرے ان دو اونٹوں پر غلہ لروادے کیونکہ تو اپنے مال سے یا اپنے باپ کے مال سے نہیں دیتا یعنی بیت المال میں ہمارا ہی حق ہے تو اس پر آپ نے فرمایا استغفر اللہ یہ صحیح ہے کہ میں اپنے پاس سے نہیں دیتا اور یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا، اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں تجھ کو غلہ نہیں دوں گا جب تک تو مجھ کو میرا حق قصاص نہیں دے گا کھینچنے کی وجہ سے، وہ اعرابی بار بار یہی کہتا رہا کہ قصاص تو میں آپ کو نہیں دوں گا۔ قد کر الحدیث۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد کچھ اور بھی تھا حدیث میں جس کو مصنف نے حذف کر دیا پھر آپ نے ایک شخص کو بلایا بیت المال کے قادموں میں سے یہ ناملوں میں سے اور اس سے فرمایا کہ اس کے ان دو اونٹوں پر ایک پر جو اور ایک پر تمر لادو، اس منظر کو مجلس سے اٹھنے والے چونکہ سب اصحاب کھڑے دیکھ رہے تھے اس لئے آپ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ بس اللہ کا نام لیکر جس کو جہاں جانا ہے۔

آپ کا اس اعرابی سے قصاص کا مطالبہ کرنا یہ خوش خلقی ہی کے طور پر تھا انبساط کے ساتھ ورنہ اگر آپ کا مقصود قصاص لینا ہوتا تو اس میں اس سے کہنے کی کیا حاجت تھی آپ کے فدام کی جماعت وہاں کھڑی ہی تھی جو آپ کے کمال اطلاق کا مشاہدہ کر رہی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ چونکہ آپ شارع علیہ السلام تھے اس لئے اس مسئلہ پر بھی آپ نے اس اعرابی کو آگاہ فرما دیا جزاء سیئة سیئة مثلاً، اور دوسری بات یہ کہ من عفا واصلح فاجزه علی اللہ، اس پر آپ نے عمل درآمد فرمایا۔

والحدیث اخبرہ النسائی، قال المتذری۔

## باب فی الوقار

وقار یعنی سخیگی و بردباری اور اسی معنی میں ہے رزانت، اور وقار بمعنی باوقار شخص۔

ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ان الہدی الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء

من خمسة وعشرين جزءاً من النبوة۔

یعنی اچھی عادت اور عمدہ خصلت اور میانہ روی یہ چیزیں نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں، یعنی یہ خصال نبوت کے اوصاف ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ بہت اونچی خصلتیں ہیں اور اوصاف نبوت میں سے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے اندر پائے جاتے ہیں، اور وقار بھی ان اوصاف میں داخل ہے۔

## باب من کظم غیظا

من کظم غیظا وهو قادر علی ان ینفذہ، یعنی جو شخص غصہ کو پی جاتے باوجود کہ اس کے پورا کرنے پر قادر ہو یعنی مجبور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر اختیار دیں گے تو روں میں سے کسی خود کو منتخب کر لینے کا۔  
والحیث اخبرہ الترمذی وابن ماجہ، قالہ المنذری۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں یہ ہے ملائکہ اللہ امنا وایمانا کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ امن اور ایمان، یعنی سکون سے بھر پور کر دیتے ہیں، اس کے بعد یہ ہے اسی روایت میں کہ جو شخص لباس زینت اور عمدہ پوشاک باوجود اس کے استعمال پر قادر ہونے کے اپنے اختیار سے ترک کر دے تو انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو اعزاز و اکرام کا جوڑا پہنائیں گے، ومن زوّج اللہ توجّہہ، یعنی جو کسی کی شادی اخلاص کے ساتھ کہیں کرادے (تو یہ اس کی بہت بڑی خدمت ہے اور احسان ہے اسی لئے) اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں بادشاہوں والا تاج پہنائیں گے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما تعدون الصیغۃ فیکم الیٰ۔

آپ نے صحابہ سے سوال فرمایا کہ تم بڑا پہلوان کس کو سمجھتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ جس کو کوئی پہچاڑنے کے، آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ بہادر وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا، جو غصہ کے وقت۔ والحیث اخبرہ سلم الترمذی، قالہ المنذری۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استب رجلان عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فغضب

احدهما غضبا شديدا ۱۰۔

آپ کے سامنے دو شخصوں میں گالی گلوچ ہو گئی، ان میں سے ایک کو بڑا غصہ تھا ایسا کہ یہ خیال ہوتا تھا کہ شدت غضب کی وجہ سے اس کی ناک پھٹ پڑے گی تو اس موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلام اور دعا جانتا ہوں کہ اگر اس کو یہ شخص پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے، صحابہ کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے: اللہم افرغ قلبک من الشیطان الرجیم، حضرت معاذ یہ حدیث سن کر اس غصہ کرنے والے کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرماتے لگے، لیکن اس نے اس کے پڑھنے سے انکار کر دیا اور ضد کرنے لگا لڑنے پر، اور غصہ بڑھتا چلا گیا۔ والحیث اخبرہ الترمذی والنسائی، قالہ المنذری۔

عن سلیمان بن صرد قال استب رجلان عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الیٰ۔

دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں، جن میں سے ایک کی آنکھیں غصہ کی

وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں اور گلے کی رگیں پھول رہی تھیں تو آپ نے وہی بات ارشاد فرمائی جو پہلی حدیث میں گذری، اس شخص نے سن کر کہا کہ کیا تم مجھ کو مجنون سمجھ رہے ہو، اس شخص نے اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھا کہ استعاذہ جنون ہی کا علاج ہے، کہا گیا ہے کہ ممکن ہے یہ شخص منافقین میں سے ہو یا کوئی اکثر اعرابی۔ والحديث اخره مسلم والنسائي، قال المتذري۔

اذا غضب احدكم وهو قائم فليجلس الخ۔ یعنی اگر کھڑے ہوئے شخص کو غصہ آئے کسی بات پر تو اسکو یہ تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ بیٹھ جائے، اگر ایسا کرنے سے غصہ چلا جائے تو نہا اور نہ پھر لیٹ جائے، اس سے معلوم ہوا ظاہری تدابیر کا بھی اعتبار ہے ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

عن داؤد عن بكران النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الخ۔ یہ حدیث مرسل ہے، پہلی مسند تھی، اسی کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں: هذا صحيح الحديثين۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان الغضب من الشيطان الخ کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے ہی بجھایا جاتا ہے، پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وضو کرے، اسی حدیث کے شروع میں یہ ہے کہ عروۃ بن محمد سعدی کو کسی شخص کی بات پر غصہ آگیا تو انہوں نے جا کر وضو کی۔

## باب في التجاوز

عن عائشة رضي الله تعالى عنها انها قالت ما خيّر رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الا اختار ايسرهما الخ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے اس میں جو آسان ہوا اسکو اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو، اور اگر اس میں گناہ ہوتا تو اس سے بہت دور بھاگتے، اور دوسرا جزء حدیث کا یہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی شخص سے اپنی وجہ سے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پامالی کی جارہی ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کیلئے انتقام لیتے تھے۔ والحديث اخره البخاري ومسلم والترمذي، قال المتذري۔

## باب في حسن العشرة

یعنی اپنے ہم نشینوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔

قوله: لم يقل ما بال فلان يقول ولكن يقول ما بال اقوام يقولون كذا وكذا: یعنی جب آپ کو کسی شخص کی کوئی بری بات پہنچی تو آپ اس پر تنبیہ مجلس میں اس کا نام لیکر نہ فرماتے کہ فلان شخص کو کیا ہو گیا وہ ایسا کہتا ہے، بلکہ آپ کا طریقہ ایسے موقع پر یہ تھا کہ تنبیہ کے وقت عام خطاب فرماتے کہ بعض لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ یہ کہتے ہیں یا کرتے ہیں جس چیز پر آپ کو تنبیہ کرنی ہوتی اس کو بیان فرماتے۔ والحديث اخره النسائي بمعناه، قال المتذري۔



حدثنا سلمة العلوي عن انس رضي الله تعالى عنه ان رجلا دخل الخ. - کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں آیا جس کے کپڑے پر زرردی کا اثر تھا (زرعفران کی یا عصفرقی) اور کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قلمیا بواجہ رجلا فی وجہہ بشئی یکرہہ، یعنی آپ کی عام عادت شریفہ یہ تھی کہ اگر کسی شخص کی کوئی بات آپ کو ناپسند ہوتی تو اس کو بالمشافہ نہ ٹوکتے چنانچہ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم نے کیوں نہ کہدیا اس سے کہ اس کو دھولے، اور حاشیہ بڈل میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ جملہ شرح شمائل ترمذی کی رائے یہ ہے کہ لیکرہ میں جو ضمیر فاعل ہے وہ رجل کی طرف راجع ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا کہ جس چیز کو جو شخص پسند نہ کرتا ہو اور وہ اس کو ناپسند ہو تو اس بات کو آپ! شیخ کے سامنے اس کے منہ پر نہیں کہتے تھے۔ والحدیث اخرجہ الترمذی والنسائی، قالہ المسذری۔

قال ابو داؤد: سلمة ليس هو علويًا، كان يبصر في النجوم

**سلم علوی میں نسبت کی تحقیق** یعنی اوپر جو آدمی سلم علوی آئے ہیں تو وہ علوی اس معنی کے ہی: یہ نہیں کہ وہ اولاد علی سے تھے بلکہ اوپر کی طرف ستاروں میں دیکھتے تھے اس لئے کہتے ہیں علوی، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے ندی بن اوطاة کے یہاں رویت ہلال پر گواہی دی تو انہوں نے ان کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا۔

عربی حاشیہ میں ہم نے بعض علماء سے یہ تحقیق نقل کی ہے کہ امام ابو داؤد کی یہ رائے سلم کے بارے میں کہ وہ علوی بمعنی اولاد علی نہیں تھے بلکہ ان کو علوی اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ کان ببصر فی النجوم یہ بات امام ابو داؤد کی درست نہیں، ان کو تو علوی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بنی علی بن سود میں سے ہیں اور ان کی طرف منسوب ہیں، نیز ان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ چاند ستارے ان کو بہت جلدی نظر آجاتے تھے سب سے پہلے حدید البصر اور تیز نگاہ ہونے کی وجہ سے۔

یہ حدیث بسندہ و متنہ مکرر ہے، کتاب الترجل میں باب فی الخلق للرجال میں گذر چکی اور وہاں ہم سلم علوی کے بارے میں امام ابو داؤد کی یہ رائے جو انہوں نے یہاں ظاہر کی ہے لکھ چکے ہیں۔

ابن مومن بن کریم والفاخر حبت لتیور۔

**شرح الحدیث** یعنی مؤمن کی شان جو واقعی مؤمن ہو یہ ہے کہ وہ بھولا بھالا ہوتا ہے، شریف الطبع ہوتا ہے، بزرگ ترجمہ تو بے وقوف اور اناری کا ہے مگر یہاں مراد یہ نہیں ہے کہ وہ غافل اور جاہل ہوتا ہے بلکہ چونکہ اس کی

۱۔ شیخ محمد عوامہ کی تعلیق میں ہے کہ ابو داؤد کے ایک نسخہ میں حافظ یوسف بن خلیل کے قلم سے جملو لئلا کرانیوالے ملک حسن ہیں یہ عبارت ہے تال احمد ابن یوسف سلم العلوی لیس منہم ولد علی بن ابی طالب کما قال ابو داؤد واما ابو شوب الی بنی علی بن سود وهو معروف بہم وقول ابی داؤد ببصر فی النجوم ہوسنا واما علی رانظر بہ سلم ای بصر البلاء قبل الباس یوم حرة بصرہ وهو معروف بذلك وقیل ان کان ببصر النجوم کالمد لاد لحدہ بصرہ، ولقد قالہ المس بن مالک یا سلم خلق بین اناس وہیں ہلا ہم حتی یروہ، وهو ضعیف، ابو حدید البصر ببصر النجوم لا ببصر فی النجوم، یعنی ان کا منہ

طبیعت میں شر نہیں ہوتا اس لئے اس قسم کی باتوں کی کھود کرید بھی نہیں کرتا، شرارت کے طریقوں اور چالاکیوں سے بے خبر ہوتا ہے اور فاجر کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ وہ دھوکہ باز چالاک اور کمینہ ہوتا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث بظاہر "التواقراسۃ المؤمن" کے خلاف ہے، اس کو دو طرح جمع کیا گیا ہے ایک یہ کہ حدیث البیاب عام مؤمنین کے اعتبار سے ہے اور حدیث التواقراسۃ بڑے لوگوں کے حق میں ہے جو صاحب کشف ہوتے ہیں اور یاریوں کہا جائے کہ جس بھولنے پن کی تعریف کی جا رہی ہے وہ وہ ہے جس کا منشا بے خبری نہیں بلکہ حسن ظن ہو، کیونکہ حسن ظن مامور ہے یعنی بالمؤمنین، اس لئے گاہے گاہے وہ حسن ظن کی بنا پر دھوکہ کھا جاتا ہے ورنہ سمجھ اس میں خوب ہوتی ہے۔

والحدیث اخبرہ الترمذی، قالہ المتذری۔

فقال بنس ابن العشیرۃ او بنس رجل العشیرۃ، یعنی ایک شخص نے آپ کے دروازہ پر آکر استیذان کیا آپ اس کو اسکی آواز سے پہچان گئے تو یہ فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا بڑا آدمی ہے، لیکن گھر کے اندر داخل ہونے کی آپ نے اجازت اس کو دیدی اس کے اندر آنے کے بعد آپ نے اس کے ساتھ نرم اور مناسب گفتگو فرمائی، پھر اس کے چلے جانے کے بعد حضرت عائشہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے اپنی اس بات کہنے کے باوجود اس کے ساتھ نرم گفتگو کیوں فرمائی، تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا آدمی وہ ہوگا جس کو لوگ چھوڑ دیں اس کی سخت گوئی اور بے ہودہ گوئی کی وجہ سے۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مستنبط کیا ہے کہ جو شخص فاسق مغفل ہو یعنی علانیہ طور پر معصیت کرتا ہو اسکی طبیعت کی گنجائش ہے یہ آنے والا شخص کون تھا اس کے بارے میں حافظ متذری نے لکھا ہے کہ وہ عیینہ بن الحصن الفزاری تھا جو شروع میں مؤلفہ القلوب میں تھے) وقیل ہو محرمہ بن نوفل والد مسور بن محرمہ۔ والحدیث اخبرہ البخاری ومسلم والترمذی، قالہ المتذری۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما رأیت رجلاً التقم اذن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فینحی رأسہ نحو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کسی شخص کو جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کان کا لقمہ بنایا ہو، یعنی اپنا منہ آپ کے کان کے قریب لیجا کر آپ سے سرگوشی کی ہو کہ آپ اپنا سر یعنی کان اس سے ہٹالیں یہاں تک وہی شخص اپنا منہ آپ سے ہٹاتا، آگے حدیث میں اسی طرح ہاتھ پکڑنے کے بارے میں بھی ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کا ہاتھ پکڑتا یعنی ہاتھ میں ہاتھ لیتا کسی کام یا بات کے لئے تو آپ اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے یہاں تک وہی چھوڑتا۔

قولہ: ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش، فاحش وہ شخص ہے کہ فحش گوئی اس کی طبیعت بن گئی ہو لہذا بلا تکلف اس سے فحش اور بہودہ گوئی سرزد ہوتی ہے، اور متفحش وہ شخص کہ فحش گوئی اس کی عادت نہ ہو، کسی وجہ سے بتکلف اسکو اختیار کرے۔

## باب فی الحیاء

حیاء کی تعریف | حیاء کی تعریف اس طرح کرتے ہیں، هو خلق یبعث علی ترک القبیح ویمنع من التقصیر فی حق

ذو الحق وروی عن السيد الجليل ابی القاسم الجندی انه قال الحياء روية الآلاء وروية التقصير في تولد بينهما حالة تسمى الحياء (المحل المفهم عن النووی) یعنی حیار آدمی کی اس خصلت کا نام ہے جو اس کو ترک قبیح پر ابھارتے اور ذی حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکے اور حضرت جنید بغدادی یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر جو نعمتیں ہیں ان کے تصور اور اپنی طرف سے عمل میں کوتاہی کے احساس ان دونوں کے مجموعہ سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کا نام حیار ہے۔

**آدمی کی پسندیدہ حالت** | میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ حضرت خواجہ حسن بصری کے زمانہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا جس پر ان کی نظر پڑتی رہتی تھی وہ ہمیشہ خاموش سا ہی نظر آتا تھا کسی سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے اس کو نہیں دیکھا ایک روز وہ نوجوان چلا جا رہا تھا خواجہ صاحب نے اس کو بلا کر اس کی یہ حالت دریافت کی کہ اس کا منشا کیا ہے، اس نے عرض کیا، بات یہ ہے کہ میں یہ سوچتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے توہم پر کتنے الغامات ہیں اور ہماری عملی حالت کیسی کمزور ہے، اس احساس کی وجہ سے میری یہ کیفیت رہتی ہے، خواجہ صاحب نے اس کا جواب ستر فرمایا اچھا جا تو تو حسن بصری سے بھی اگے نکلا۔

مر علی رجل من الانصار وهو يعظ اخاه في الحياء الخ، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک انصاری صحابی پر ہوا جو اپنے عیبائی کو نصیحت کر رہے تھے حیار کے بارے میں، یعنی کثرت حیار کے بارے میں اس کو سمجھا رہے تھے کہ آدمی کو زیادہ نہیں شرمانا چاہیے پھر وہ بہت سے فوائد سے محروم رہ جاتا ہے آپ نے ستر اس سے یہ فرمایا کہ چھوڑ اس کو یعنی شرم کرنے دے اس لئے کہ حیار تو ایمان سے ہے یعنی اس کا ایک جز ہے۔

فقال بشير بن كعب اننا نجد في بعض الكتب ان امنه سكينه ووقار ومنه ضعف الخ، یعنی ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی۔ الحياء خير كله، کہ حیا تو ساری خیر ہی خیر ہے تو اس پر بشیر بن کعب نے کہا کہ ہم بعض کتب میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ بعض قسمیں حیار کی سکینہ اور وقار ہوتی ہیں اور بعض قسمیں اس کی ضعف کے قبیلہ سے ہوتی ہیں، (لہذا یہ جو قسم ثانی ہے یہ خیر نہیں) اس پر حضرت عمران نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث دوبارہ سنائی بشیر نے بھی اپنی بات دوبارہ کہی، اس پر حضرت عمران بن حصین ناراض ہو گئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا انہوں نے کہ میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ میں تو تجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں جو ہمارے لئے واجب الاتباع ہیں اور تو ہم سے اپنی کتابوں میں دیکھی ہوئی باتیں نقل کر رہا ہے اور مسلم کی روایت کے لفظ یہ ہیں، فقال بشير بن كعب انه مكتوب في الحكمة ان من وقار ومنه سكينه فقال عمران احد ثلث عن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وتحدثني عن صحفك۔

اس کے بعد روایت میں ہے، قال قلنا يا ابا نبيد ايه ايه اس آخری لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے، ايه ايه، یعنی ہمارے کاسرہ مع التوین، اور ايه ايه سکون ہمارے ساتھ، اول کلمہ استراہ ہے یعنی اور فرمائیے اور ثانی زجر

بمعنی صہک یعنی بس کیجئے بس کیجئے زیادہ ناراض نہ ہوئیے۔

ان معادرتك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحي فاصنع ما شئت، آپ فرما رہے ہیں کہ بیشک ایمان کی وہ خصلت جس کو لوگ گذشتہ انبیاء کی تعلیم سے حاصل کرتے چلے آئے ہیں (وہ حیار کے بارے میں ہے) کہ جب تجھ کو حیاء نہ رہے تو پھر جو چاہے کرتا رہ یعنی اچھے برے کام سب، کیونکہ برے کاموں سے حیار ہی مانع ہوتی ہے، تو جب وہ نہ رہے گی تو آدمی سب طرح کے کام کر گذرے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیار ایسی خصلت حسنہ ہے جو گذشتہ انبیاء کی تعلیم میں بھی پائی جاتی ہے اور کسی شریعت میں بھی یہ منسوخ نہیں ہوئی، اور ایک مطلب اس حدیث کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آدمی جس کام کو کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو اسکو کرنے سے پہلے چاہیے کہ یہ سوچ لے کہ اس کام کو کرنے کے بعد شرمندگی تو نہیں اٹھانی پڑے گی، اگر طبیعت یہ فیصلہ کرے کہ شرمندگی نہ ہوگی تو اس کو کرنے اور اگر ذہن میں یہ آئے کہ اس کو کرنے کے بعد شرمندگی ہوگی تو نہ کرے۔

## باب فی حسن الخلق

خلق کی تعریف کتاب الادب کے شروع میں گذر چکی اور اس باب کی پہلی اور دوسری حدیث بھی شروع میں بروایت ترمذی گذر چکی، اور اس باب کی تیسری حدیث یہ ہے۔

اخلاق حسنة و اوصاف مرضية كما مصداق له وفي حاشية البذل عن الراغب: الخلق والمخلون يعني بالفتح وبالضم في الاصل بمعنى واحد كالشرب والشرب، لكن خص الخلق الذي بالفتح بالبيئات والصور المدركة بالبصر وخص الخلق الذي بالضم بالقوى والسياسيا المدركة بالبصيرة انتهى، وقد كان النبي صلى الله عليه وآله وسلم يقول: اللهم كما حسنت خلقي فحسن خلقي اخبرنا احمد وفي حديث علي الطويل في دعاء الافتتاح عند سلم: واهدني لاجن الاخلاق لا يهدى لاجن الايمان، وقال القرطبي في المفهم الاخلاق اوصاف الانسان التي يعامل بها غيره وهي محمودة ومذمومة، فالمحمودة على الاجمال ان تكون مع غيرك على نفسك فتتصف منها ولا تنصف لها وعلى التفصيل العفو والحلم واليود والصبور وتحمل الاذى والرحمة والشفقة وتضار الخواص والتوادد بين الجانب وتخوذ لك، والمذموم منها ضد ذلك اهـ بزيادة من الفتح، وروى بات حاشية بزل میں یہ ہے ویشکل علی الحدیث بانہ کیف یکون تحسین الاخلاق وقد قال علیہ السلام (جامع الصغير ۶۹) بروایة احمد فی سنہ عن ابی الدرادر: اذا سمعتم بحیل زال عن مکانہ فصدقہ واذ سمعتم برجل فغیر عن خلقہ فلا تصدقوا و اجاب عنہ القاری ۶۶ بان المراد فی الحدیث التبدیل بالکلیة، والمراد فی احادیث التحسین الازالة الوصفی یعنی القدرة علی العمل بها کما ینبغی فالغضب مثلا زوالہ بالکلیة ممنوع کنته لیغضب لله لا یغیره هذا خلق حسن او و برقر فی مکاتیب مزا منظر جان جانا ۱۱۱ وایده بقول عمر رضی الله تعالی عنہم بزل عن لغضب کنته کان ادلانی فی حیاة الکفر والآن فی حیاة الاسلام، وذكر القاری فی شرح الشامل ۱۱۱ الاختلاف فی انها طبیعیة او مكتسبة ووجه ان بعضها کذا وبعضها کذا۔

انصاف من النفس لا للنفس | قلت ان تكون مع غیرک علی نفسک انہ۔ یعنی جب تیرا دوسرے سے معاملہ پڑے تو تو اپنے سے

عن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: انا زعیر ببيت فـ  
ریض الجنة لمن ترک المراء وان کان محقا وبيت فی وسط الجنة لمن ترک الکذب وان کان مازحاً  
و بیت فی اعلی الجنة لمن حسن خلقه۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ذمہ داری لیتا ہوں اطراف جنت میں ایک محل کا اس شخص کیلئے  
جو جھگڑا کرنا چھوڑ دے یعنی اس سے بچتا رہے اگرچہ حق پر ہو، اور ذمہ داری لیتا ہوں وسط جنت میں ایک محل کی اس شخص کے لئے  
جو جھوٹ کی عادت کو چھوڑ دے اگرچہ مذاق ہی میں ہو، اور اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اطلاق کو درست کرے اس کے لئے  
ذمہ داری لیتا ہوں محل کی جنت کے اعلیٰ مقام میں، اور ترمذی میں روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً اس طرح ہے: من ترک الکذب  
وهو باطل بنی له فی ریح الجنة، ومن ترک المراء وهو محق بنی لہ فی وسط الجنة، اس میں ترک کذب پر مرتب کیا گیا ہے ریض الجنة کو اور ترک مراء  
پر بیت فی وسط الجنة، نیز اس کے اندر کذب کے بعد ہے۔ وهو باطل۔ یہ یا تو صفت کا شق ہے جس کو تنقیح کے لئے ذکر کیا گیا ہے  
اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہوگا، اور یا اس کو جملہ حالیہ قرار دیا جائے وهو باطل یعنی حال یہ کہ وہ کذب باطل ہو یعنی بلا مصلحت ہو،  
کیونکہ بعض کذب باطل نہیں ہوتے جو کسی خاص مصلحت پر مبنی ہوں مثلاً اصلاح ذات البین یا حرب میں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ  
فرماتے ہیں کہ مراء سے مراد تو یہ ہے دوسرے کے کلام میں اعتراض کرنا اس کے اندر کوئی نقص اور قلیل ظاہر کر کے لفظوں کے اعتبار سے یا  
معنی کے اعتبار سے یا قصد متکلم کے اعتبار سے، اور ترک مراء کی حقیقت ہے ترک الاعتراض والا انکار، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو  
بات تم سنو پس اگر وہ حق ہے تو اس کی تصدیق کرو، اور اگر وہ باطل ہے لیکن امور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں وہاں تجھ کو چاہیے  
کہ اس سے سکوت کرے، (تحفۃ الاحوذی ص ۹۹)

لا یدخل الجنة الجواظ ولا الجعظری، قال والجواظ الغلیظ الفظ، جنت میں نہیں داخل ہوگا جواظ جس کی تفسیر  
خود کتاب میں ہے سخت مزاج بد مزاج، اور بعض نے یہ معنی جعظری کے لکھے ہیں اور جواظ کے معنی لکھے ہیں مختل یعنی متکبر، اور  
بعض نے کہا کہ تخمیل۔ والحدیث، اخرجہ البخاری و مسلم بنحوہ اتم منہ، قالہ التذری۔

## باب فی کراہیۃ الرفعة فی الامور

یعنی تعلی اور گھٹت۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت العضاء لا تسبق فجاوا اعرابی علی قعودہ فسا بقها فسبعھا الاعرابی الو

نفس کو دبا کر رکھ، اپنے نفس سے انصاف طلب کر دوسرے کیلئے اور اپنے نفس کے لئے دوسرے سے انصاف طلب مت کر مثلاً تمہارا اپنے  
ساتھی کیساتھ یا کسی اجنبی کیساتھ کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا جس میں بظاہر دوسرے ہی کا تصور نظر آ رہا ہے لیکن تم کو چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے تنہائی میں بیٹھ کر سوچو کہ  
کیا واقعی اس میں کوئی پہلو اپنی کمزوری کا بھی ہے؟ یہ ہے انصاف من النفس، اور انصاف للنفس اس کا مقابل ہے یہ دیکھنا کہ دوسرے نے مجھ پر کیا زیادتی کی واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی جو مشہور ہے عضبار سے وہ کسی سے پیچھے نہیں رہتی تھی بلکہ سب اونٹنیوں پر سابق یعنی آگے نکلنے والی تھی، مدینہ میں ایک اعرابی آیا اپنی ایک معمولی اونٹنی پر بیٹھ کر اس اعرابی نے عضبار کے ساتھ مسابقت کیا، مسابقت میں اعرابی کی اونٹنی سبقت لے گئی، حالانکہ آپ کی عضبار اونٹنی بڑی تیز رفتار اور سابقہ الحاح تھی (جیسا کہ باب التذریعہ الاملا یملک اس باب کی حدیث میں گزرا ہے) یہ بات صحابہ پر شاق گذری تو اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **حق علی اللہ ان لا یرفع شیئاً الا وضعہ** کہ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ جس چیز کا درجہ اونچا اور بلند فرماتے ہیں اس کو کبھی نہ کبھی نیچا بھی دکھاتے ہیں۔

اس حدیث پر پہنچ کر ہمیشہ مجھے اپنا یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ ایک مرتبہ میری طالب علمی کے زمانہ میں ایسا ہوا کہ میں ایک کتاب کے امتحان میں فیصل ہو گیا تو اس کی بڑی شہرت ہوئی کیونکہ میرے ہمیشہ اعلیٰ نمبر آتے تھے حتیٰ کہ بات حضرت شیخ تک پہنچ گئی، احقر کسی کام سے حضرت شیخ کی خدمت میں اوپر دارالتصنیف میں گیا اُن ہی دنوں کی بات ہے تو حضرت شیخ نے انبساط کے ساتھ مسکراتے ہوئے میری صورت دیکھ کر یہ حدیث سنائی، اس سے مجھے پتہ چلا کہ یہ بات حضرت تک بھی پہنچ گئی، فرمایا کہ پیارے! جی نہ برا کیجئے اللہ جل شانہ کی عادت شریفہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو چیز اونچی ہوتی ہے تو اس کو کبھی اس چیز میں نیچا بھی دکھلاتے ہیں۔ **والحدیث اخرجہ البخاری تعلیقاً قالہ المنذری۔**

## باب فی کراہیۃ التمداح

یعنی مبالغہ فی المدح کا ناپسند ہونا۔

جاء رجل فاشی علی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فی وجہہ فاخذ المقداد بن الاسود تراباً فاحشاً فی وجہہ۔  
ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا تو اس نے ان کے منہ پر ان کی تعریفیں شروع کر دیں تو حضرت مقداد نے جو وہاں موجود تھے ایک مٹھی مٹی کی لیس کر اس کے چہرے کی طرف پھینکی یہ کہتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **اذا لقیتم المداحین فاحشوا فی وجوہہم التراب۔**

خطابی فرماتے ہیں کہ مداحین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو لوگوں کی مدح خوانی کو پیشہ اور کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور اگر کوئی شخص کسی کے اچھے کام پر اس کی مدح کرے اس کی ہمت افزائی اور دوسروں کی تحریف و ترغیب کے لئے تو یہ شخص ان مداحین میں داخل نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مقداد نے حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے ایسا کیا، اور کہا گیا ہے کہ چہرہ پر مٹی مارنے سے مراد اس کو عطا اور بخشش سے محروم کرنا ہے جس مقصد سے وہ تعریف کر رہا ہے جیسے حدیث میں ہے **وللعام الخبز** والحدیث اخرجہ سلم والترذی وابن ماجہ **قالہ المنذری۔**

ان رجلاً اشی علی رجل عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال له قطعت عنق صاحبك۔  
ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں تو آپ نے اس مادح سے فرمایا کہ تو نے



اپنے ساتھی یعنی ممدوح کی گردن توڑ دی، اور یہ بات آپ نے تین بار فرمائی،

گردن توڑنے سے مراد دینی نقصان پہنچانا ہے کیونکہ اس مدح سرائی میں احتمال ہے کہ وہ سبب بن جائے ممدوح کے اعجاب بنفسہ کا یعنی خود بینی اس میں پیدا ہو جائے جو سر اسر دینی نقصان ہے اور اس پر پھر دنیوی مضرت بھی مرتب ہو سکتی ہے کیونکہ اعجاب کے بعد وہ اپنی ترقی سے رک جائے گا، اور پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو کسی شخص کی تعریف کرنا ہی ہو تو اس طرح کہدے کہ میرے نزدیک وہ ایسا ہے، اور حتیٰ فیصلہ کسی کے بارے میں نہ کرے جس سے سمجھا جائے کہ وہ واقعی ایسا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی۔

والحدیث اخریہ البخاری و مسلم وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

قلنا انت سیدنا فقال: السید اللہ، قلنا وفضلنا فضلا واعظمتنا طولا، فقال قولوا بقولکم اوبعض

قولکم ولا يستجری بکم الشیطان۔

مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر کہتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ ایک مرتبہ میں وفد بنو عالم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے آپ کے حق میں یہ تعظیمی الفاظ عرض کئے: انت سیدنا وغیرہ جو آگے روایت میں مذکور ہیں، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: السید اللہ، کہ اصل سیادت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ساری باتیں مت کہو یعنی بیان مناقب میں مبالغہ مت کرو تاکہ شیطان تم کو حری نہ کرے، یعنی مخلوق کی تعظیم میں اللہ تعظیم جو نابا جائز حد تک پہنچنے والی ہے۔ حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ آپ کا یہ منع فرمانا بعضا لنفسہ التفسیر تھا یعنی تواضعاً اور حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں: اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہو جب تک آپ پر اس بات کی وحی نہیں آئی تھی کہ آپ سید ولد آدم ہیں۔

والحدیث اخریہ النسائی، قالہ المتذری۔

سألت عن البدایة ان، یہ حدیث کتاب الجہاد کے شروع میں گذر چکی۔

التوڈة فی کل شیء الا فی عمل الاخرة یعنی ترک تعمیل ہر چیز میں بہتر ہے سوائے عمل آخرت کے کہ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے

## باب فی شکر المعروف

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس، جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، یعنی جس شخص کی عادت لوگوں کا شکر ادا کرنے کی نہیں ہوتی تو اس کی عادت اللہ تعالیٰ کے شکر کے بارے میں بھی ایسی ہی ہوتی ہے، اور یا مطلب یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا شکر قبول نہیں کرتے، اور یا مطلب یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا بھی کامل شکر گزار نہیں ہو سکتا، گویا شکر کا کمال یہ ہے کہ منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کیساتھ اس شخص کا بھی شکر ادا کرے جو بظاہر سبب نعمت بنا ہے،

چنانچہ حضرت شیخ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی شخص کو شکر یہ کا خط لکھواتے تھے تو اس میں اس طرح ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ

معطی اور وسائل کو اس کی بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ والحدیث، اخرجہ الترمذی، قالہ المتذری۔

من اعطی عطاء فرجید فلیعجز بہ فان لم یجد فلیمکن بہ فمن اثنی بہ فقد شکرہ ومن کتمہ فقد کفرہ۔  
جس شخص کو کوئی چیز عطا کی جائے یعنی ہدیہ تو اگر اس کے پاس گنجائش ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے مال سے اس کا بدلہ دے اور اگر گنجائش نہیں بدل دینے کی تو دینے والے کا کم از کم ذکر خیر کرے، اور اس کی نعمت کا اظہار کر دے اپنی زبان سے، کہ یہ ذکر خیر بھی اسکے شکر یہ میں داخل ہے اور جو چھپالے یعنی نہ بدلہ میں کچھ دیا اور نہ اس کی نعمت کا زبان سے اظہار کیا بلکہ خاموش رہا۔  
جانو کسی نے اس کے ساتھ کوئی خیر کا کام کیا ہی نہیں) تو بیشک اس شخص نے اس کی ناشکری کی اور کفرانِ نعمت میں مبتلا ہوا۔  
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وارد ہے: کان یقبل الہدیۃ ویثیب علیہا، کہ آپ کی عادت شریفہ ہدیہ قبول کر لینے کی تھی (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) اور پھر آپ اس ہدیہ کو اس کے بدلہ میں خود بھی عطا فرمایا کرتے تھے۔

## باب فی الجلوس بالطرقات

ایاکم والجلوس بالطرقات، بجاؤ اپنے آپ کو راستوں میں بیٹھنے سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس تو کوئی اور جگہ نہیں بیٹھ کر بات چیت کرنے کے لئے، راستوں کے کناروں پر ہی بیٹھ کر بات چیت کر لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا اور سڑکوں کے کنارے پر بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستہ پر بیٹھ کر اس کا حق ادا کیا کرو، صحابہ نے عرض کیا حق طریق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا غرض البصر نہی نگاہ رکھنا کہ بے محل نظر نہ پڑے، اور کف الاذی اس کا خیال رکھنا کہ ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور رد السلاہ یعنی باتوں میں اتنا مشغول نہ ہو کہ سلام کرنے والے کے سلام کی بھی خبر نہ رہے، بلکہ اس کے سلام کا جواب دینا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی لحاظ رکھنا، اور دوسری روایت میں ہے فتغیثوا الملهوف وتهدوا الضال یعنی مظلوم کی اعانت اور فریاد رسی کرو اور راستہ بھولے کو راستہ بتلاؤ۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول خیر المجالس اوسعها۔

یعنی زیادہ کھلی اور وسیع جگہ بہترین جائے جلوس ہے، کیونکہ اس میں بیٹھنے والے کے لئے بھی راحت ہے جگہ کی وسعت کی وجہ سے، اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مثلاً گزرنے والے۔

## باب فی الجلوس بین الشمس والظل

اذا کان احدکم فی الشمس۔ وقال مخلص: فی الفی۔ فقلص عنہ الظل ابو، بیٹھنے کے وقت کچھ حصہ آدمی کے بدن کا دھوپ میں ہو اور کچھ سایہ میں، اس سے منع کیا جا رہا ہے، اگر پہلے سے دھوپ میں بیٹھتا ہے اور پھر سورج کے ڈھلنے سے اور وقت گزرنے سے بدن کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو گیا اور کچھ سایہ میں، اسی طرح اگر پہلے سے سایہ میں بیٹھتا ہے اور پھر بعد میں اس

اس طرح ہو جائے تو وہاں سے اٹھ کر جگہ بدل دینی چاہیے۔

حدثني قيس عن ابيه انه جاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يخطب فقام في الشمس فامر به فحول الى الظل۔

قیس بن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یعنی ابو حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آئے جب کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، تو یہ دھوپ میں کھڑے ہو گئے آپ نے دیکھ لیا تو آپ نے دھوپ سے سایہ کی طرف منتقل ہونے کا حکم فرمایا یا تو اس لئے کہ موسم گرم تھا بلا وجہ دھوپ میں کھڑا ہونا مضر ہے لیکن وہ آپ کا خطبہ سننے کے شوق میں جلدی سے دھوپ ہی میں کھڑے ہو گئے، یا اس وجہ سے کہ وہ جگہ ایسی تھی کہ عنقریب سورج ڈھلنے کی وجہ سے ان کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو جاتا اور کچھ سایہ میں، اس دوسرے مطلب میں حدیث ترجمہ الباب کے مطابق ہو جائے گی۔

### باب فی التحلق

فقال مالی اراکم عزیزین، یعنی ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت صحابہ کرام الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے تھے تو آپ نے اس پر نکیہ فرمائی کہ کیا بات ہے کہ میں تم کو متفرق الگ الگ مجلسوں میں دیکھ رہا ہوں۔ عزیزین، عزیزہ کی جمع ہے، بظاہر یہ حضرات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے لہذا بلاسی مصلحت و حاجت کے آپ نے الگ الگ مجلس بنانے کو پسند نہیں فرمایا، سب ایک مجلس بنا کر بیٹھیں تاکہ معلوم ہو سب ایک ہی مقصد سے بیٹھے ہیں، اور ظاہر میں اتفاق کی صورت محسوس ہو۔

کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جلس احدنا حیث ینتہی۔ یہ حدیث باب فی التحلق ہی میں مذکور ہے لیکن اس کا اس باب سے بظاہر کوئی جوڑ نہیں، بلکہ یہ تو ایک مستقل ادیب ہے جس پر امام بخاری نے مستقل باب قائم کیا ہے، من تعد حیث ینتہی بہ المجلس، وہ یہ کہ بعد میں آنے والا شخص جہاں مجلس ختم ہو رہی ہے اس کو وہیں بیٹھنا چاہیے، اور لوگوں کی گردن پھلانگ کر آگے نہیں بڑھنا چاہیے، لیکن اگر مجلس کے اگلے حصہ میں فلان ہو تو پھر امر آخر ہے، وہاں اگر خلاف مصلحت نہ ہو تو آگے بڑھ جانا چاہیے، امام بخاری نے تو اس باب کے تحت تین شخصوں کا ایک خاص واقعہ ذکر فرمایا ہے وہ حدیث بخاری اور ترمذی دونوں جگہ ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعن من جلس وسط الحلقة آپ نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو حلقہ کے بیچ میں جا کر بیٹھے، اس کی شرح میں تین قول ہیں یا تو اس میں تخطی رقاب پائی جاتی ہے کہ وہ شخص گردنوں کو پھانڈ کر بیچ میں جا کر بیٹھا ہے اور یا اس لئے کہ بعض اہل مجلس کے حق میں آنا سامنا ہونے سے وہ حجاب بنتا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس بیچ میں بیٹھنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو منسی مذاق کی باتیں اور اپنا مسخرہ پن

دکھانے کیلئے اگر بیٹھا جسکے چاروں طرف سنتے والوں کا حلقہ لگ گیا، اس حدیث پر بعض نسخوں میں مستقل ترجمہ ہے۔ باب الجلس وسط الحلقۃ اور ہوتا بھی چاہیے تاکہ حدیث باب کے مناسب ہو۔

## باب فی الرجل یقوم للرجل من مجلسہ

عن سعید بن ابی الحسن قال جاءنا ابو بکر في شهادة فقال له رجل من مجلسه فاني ان يجلس فيه وقال ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم نهى عن ذلك۔

سعید بن ابی الحسن جو کہ بھائی ہیں حسن بصری کے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہمارے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تشریف لائے کسی معاملہ میں گواہی دینے کے لئے تو ایک شخص ان کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تاکہ یہ اس کی جگہ بیٹھ جائیں تو انہوں نے اس جگہ میں بیٹھنے سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس سے، ذاکا اشارہ کس طرف ہے؟ اس میں علامہ طیبی نے تویہ لکھا ہے یعنی کھڑا ہونے سے دوسرے کے لئے، اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اشارہ جلوس کی طرف ہے یعنی دوسرے کی جگہ میں جو اس کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے ملا علی قاری والی بات تو واضح ہے اور طیبی کی بات بھی اپنی جگہ درست ہے بعض صورتوں میں مثلاً مجلس وعظ یا علم ہو تو اس میں ہر بیٹھنے والے کو اپنے مقصد کی طرف سماع علم یا سماع وعظ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے، کسی آنے والے کی خاطر کھڑا ہونا توجہ تام کے منافی ہے لیکن مستثنیات ہر جگہ ہوتے ہیں موقع محل کے اعتبار سے۔

اور اس حدیث کا دوسرا جزو یہ ہے کہ و نهى ان يمسح الرجل يده بشوب من لم يكسه کہ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ اس شخص کے کپڑے سے صاف کرے یا خشک کرے جس کو اس نے وہ کپڑا پہنایا نہیں ہے یعنی اجنبی آدمی کے کپڑے سے، معلوم ہوا کہ اگر اپنا ہی بیٹھا یا فارم ہو جو اسی کا دیا ہوا کپڑا پہن رہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

## باب من يؤمر ان يجالس

یہ بیان ایک خوشبودار گھاس  
سوا ہے۔

یعنی جن لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے کا امر ہے کہ ان کے پاس بیٹھا جائے۔

مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن مثل الاترجة ريحها طيب وطعمها طيب، ومثل المؤمن الذي لا يقرأ القرآن

مثل التمرة طعمها طيب ولا ريح لها، ومثل الفاجر الذي يقرأ القرآن كمثل الريحانة ريحها طيب وطعمها

مر، ومثل الفاجر الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظل طعمها مر ولا ريح لها۔

اس حدیث میں ایک خاص حیثیت سے مرد مؤمن کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں اور اس کے مرتبہ کو تشبیہ کیساتھ سمجھایا گیا ہے سب سے پہلی قسم اس مؤمن کی ہے جو صالح ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی بھی تلاوت کرتا ہے کہ اس کی مثال اس نارنگی کی سی ہے

جس کی خوشبو بھی عمدہ اور ذائقہ بھی عمدہ، اور اس مردوں کی مثال جو تلاوت قرآن نہیں کرتا کھجور کی طرح ہے جو خوش ذائقہ تو ہے لیکن خوشبو اس میں کیسی بھی نہیں، اور اس مسلمان فاجر کی مثال جو تلاوت قرآن کرتا ہے مثل کسی پھول کے ہے کہ جس کی خوشبو تو عمدہ ہے لیکن اس کا مزہ کڑوا ہے، اور اس فاسق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا مثل حنظلہ یعنی اندرائن کے پھل کے ہے کہ جس کا مزہ کڑوا اور بو اس میں کچھ بھی نہیں، اور مظاہر حق میں اترجہ کا ترجمہ ترنج سے کیا ہے اور فائدہ میں لکھا ہے کہ نومن پڑھنے والا قرآن کا مانند ترنج کے یوں ہوا کہ خوش مزہ ہے بہ سبب ثابت ہونے ایمان کے اس کے دل میں، اور خوشبو رکھتا ہے کہ لوگ ثواب پاتے ہیں بسبب سننے قرأت اس کی کے، اور سیکھتے ہیں قرآن اس سے (مظاہر حق ص ۳)

ومثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسک الخ۔ صالح ہمنشین کی مثال مثل مشک والے کے پاس بیٹھنے والے کے ہے (ای کمثل جلیس صاحب المسک) کہ اگر تجھ کو اس سے مشک نہ بھی حاصل ہو تو اس کی خوشبو تو تجھ کو حاصل ہو کر ہی رہے گی اور برے آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال بھی والے کے ہمنشین کی سی ہے کہ اگر اس کی سیاہی تیرے کپڑوں کو نہ بھی لگے اس کا دھواں تو تجھ کو پہنچے ہی گا۔

لاتصاحب الاموننا ولا یاکل طعامک الا تقی، مومن آدمی کے پاس اپنا اٹھنا بیٹھنا رکھ اور نہ کھائے تیرا کھانا کوئی سونے مستحق آدمی کے، یعنی وہ کھانا جو موت اور دوستی کی وجہ سے کھلایا جائے، اور وہ کھانا جو بھوکے کو اس کی حاجت کی وجہ سے کھلایا جائے یعنی طعام الحاجہ وہ عام ہے اس میں متقی کی قید نہیں، قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویسما و امیراء یہ حکم عام ہے۔

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من ینخالل۔ کہ آدمی اپنے دوست کے دین اور مسلک پر ہوتا ہے یعنی اسی کو اختیار کرتا ہے صحبت کے اثر کی وجہ سے لہذا آدمی کو چاہیے کہ خوب پرکھ لے اس شخص کو جس سے دوستی کر رہا ہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے تحصین کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، یہ بات حافظ ابن حجر نے سراج الدین قرظینی کی تردید میں کہی جنہوں نے اس حدیث کو موضوع کہا تھا، حاشیہ کتاب میں اس پر بیسوط کلام ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرفعہ قال الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف۔

یہ حدیث صحیح مسلم اور بخاری دونوں میں ہے، مسلم میں مستند اور بخاری میں منلقاً، کتاب الانبیاء میں امام بخاری نے اسی پر ایک باب باندھا ہے۔ باب الارواح جنود مجندة، اس حدیث کو تمام حدیث میں متعدد کتب حدیث سے کئی وزیادتی کیساتھ نقل کیا ہے اور مستند ابی یعلیٰ کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس حدیث کا شان و رور یعنی سبب حدیث معلوم ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی بطلہ منسیکہ ہنسی مذاق کرنے والی اور اس قسم کی ایک عورت مدینہ منورہ میں بھی رہتی تھی تو ایک مرتبہ یہ مکہ مدینہ میں آئی اور اکر اسی مدینہ کے پاس آئی اور پھر یہ دونوں حضرت عائشہ کے پاس آئیں حضرت عائشہ کو ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر تعجب ہوا چنانچہ حضرت عائشہ

الارواح جنود مجندة الخ کی شرح | آپ فرماتے ہیں کہ ارواح کے لشکر کے لشکر ہیں، یہ لفظ کتاب الجہاد کی بھی ایک حدیث میں گذرا ہے سید صیبر الامری ان تکونوا جنوداً مجندة جنود بالشام و جنود باليمن الخ

فرماتی ہیں کہ میں نے اس مکہ سے پوچھا کہ کیا تو اس مدینہ کو پہلے سے جانتی تھی؟ اس نے کہا کہ نہیں پہلے سے تو نہیں جانتی تھی لیکن جب میں اس سے ملی تو میں نے اسکو پہچان لیا جیسے پہلے جان پہچان ہو اس پر حضرت عائشہ منکر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اور یہی حدیث الارواح جنود مجندة الخ بیان کی، اور ایک روایت میں اس طرح ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس گھر میں تشریف لائے اور آپ نے اسی مکہ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ یہاں موجود ہے؟ میں نے عرض کیا کہ موجود ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کہاں آگرا تری ہے میں نے کہا کہ فلاں مدینہ کے پاس، تو اس پر آپ نے فرمایا الحمد للہ ان الارواح جنود مجندة الخی شہ اور ایک روایت میں اس طرح ہے (مقاصد حسنة میں) الارواح جنود مجندة تلتقی فتمشام کما تمشام الخیل فماتعارف منها اختلف و ماتا کر منها اختلف، یعنی روحیں آپس میں جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں یعنی عالم ارواح میں تو ایک دوسرے کو سونگھتی ہیں جس طرح گھوڑے جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو منہ سے منہ ملا کر ایک دوسرے کو سونگھتے ہیں فماتعارف منها اختلف و ماتا کر منها اختلف پس جو روح دوسرے سے متعارف نکلتی ہے (ادھان کے اتحاد کی وجہ سے) تو وہ اس سے ملاؤں ہو جاتی ہے اور جو غیر متعارف نکلتی ہے وہ غیر ملاؤں رہتی ہے اسی کتاب میں ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی سے ہرم بن حیوان عبیدی نے جبکہ اس سے پہلے کبھی ملاقات نہیں تھی تو حضرت اویس ان کا نام لے کر ان کی طرف مخاطب ہوئے، ہرم کو اس پر تعجب ہوا اور پوچھا کہ آپ کو میرا اور میرے باپ کا نام کیسے معلوم، تو انہوں نے فرمایا عرف روحی روحک میں کلمت نفسی نفسک لان الارواح لها النفس کا نفس الاجساد، یعنی میری روح نے تمہاری روح کو عالم ارواح میں پہچان رکھا تھا، اس حدیث کی شرح مجلونی کی کتاب کشف الخفا میں بھی مذکور ہے اور اس میں یہ بھی ہے اختلاف اهل الارواح خلقت قبل الاجساد ام ہما، والرائح الاول بل ادعی فیہ ابن حزم الاجماع۔ الی آخر ما ذکر۔ پس حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ اس دنیا میں بعض لوگوں کا بعض سے انس اور جوڑ اور اسی طرح بعض کا بعض سے نفرت اور عدم تعلق یہ تفرع ہے ارواح کی توانست اور عدم توانست پر اور ان دونوں چیزوں کا تعلق ادھان اور طبائع کی توانست اور عدم توانست پر ہے، چنانچہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اختیار اور صلح کار کا جوڑ اسی قسم کے نزات سے ہوتا ہے، اور فساق و فجار کا تعلق اپنے ہم جنسوں سے، فح الباری نہیں میں ہے فتعارف الارواح یقع بحسب لطباع الی جبلت علیہا من غیر و شر، فاذا التقت تعارفت واذا اختلفت تناكرت، پھر اخیر میں حافظ نے لکھا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نوع واحد ہی کے بعض اشخاص میں تائف ہوتا ہے اور بعض میں تناکر تو اس کا منشا بعد کے عوارض سے ہوتا ہے یعنی خارجی امور، اور یہی بات ہذا الجمہور میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے لکھی ہے میرا جی چاہتا تھا کہ اس حدیث کی شرح اچھی طرح آجائے نا محمد ثمر مطلب واضح ہو گیا اگر کسی کو پسند آئے تو دعا فرماتے کہ اس حدیث کے بارے میں ابن عبد السلام کے الفاظ بھی سن لیجئے وہ فرماتے ہیں تعارف ارواح سے مراد تعارف فی الصفات ہے لہذا جن ارواح میں عالم ارواح میں تعارف یعنی موافقة فی الصفات ہوتی ہے تو ان ارواح میں عالم دنیا میں آنے کے بعد اختلاف اور جوڑ ہوتا ہے، اور جن ارواح کا آپس میں وہاں تعارف نہیں ہوتا تو اس دنیا میں اگر بھی ان میں اختلاف اور جوڑ نہیں ہوتا۔



جیسے کہتے ہیں قناطر مقلدہ، مبالغہ فی الکثرت کے لئے، اب یہ کہہ کہہاں ہیں خواب یہ ہے کہ اپنے عالم میں ہیں جس کو عالم ارواح کہتے ہیں، ارواح اس دنیا میں آنے اور اجسام میں منتقل ہونے سے پہلے اپنے مستقر پر جمع ہیں پھر وہاں سے دنیا میں اپنے اپنے وقت پر اجسام میں منتقل ہو کر آتی رہتی ہیں، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اشْتَلَفَ یعنی جن ارواح کا اُس عالم ارواح میں آپس میں تعارف ہو جاتا ہے (اور تعارف ہوتا ہے طبائع کے اتحاد سے شر اور خیر میں) تو ایسی ارواح آپس میں ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتی ہیں، یعنی وہیں عالم ارواح میں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی رو میں دنیا میں آنے کے بعد بھی بہت جلدی مانوس ہو جاتی ہیں جیسا کہ مشہور ہے الجنس میل الی الجنس۔ یہ حدیث شریف کے جملہ اولیٰ کا مطلب ہوا اور جملہ ثانیہ و ما تلتا کو منہا مختلف، اس کی شرح کی اب خاص حاجت نہیں رہی یہ پہلی صورت کا مقابل ہے یعنی بعض رو میں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا آپس میں تعارف اور آشنائی نہیں ہوتی طبائع کے اختلاف کی وجہ سے تو ایسی رو میں جب جسم میں منتقل ہو کر اس دنیا میں آتی ہیں تو یہاں بھی ان کا آپس میں جوڑ نہیں ہوتا کیونکہ عالم ارواح ہی میں جوڑ اور ملا سبت نہیں تھی، اس کی مزید تشریح واقعات کی روشنی میں حاشیہ میں دیکھئے۔

والحدیث اخرجہ مسلم، قال المنذری۔

## باب فی کراہیۃ المراء

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امرۃ قال یسروا ولا تسفروا  
و یسروا ولا تعسروا۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی کام کے لئے بھیجتے تو اس سے فرماتے کہ جہاں جا رہے ہو وہاں جا کر وہاں کے لوگوں کو بشارت کی حدیثیں سننا خوش کرو، یعنی اللہ تعالیٰ نے اطاعت پر جو وعدے فرمائے ہیں ان کو بیان کرو، اور ان کو اکتاؤ نہیں، اور خوف زدہ نہ کرو صرف عذاب اور وعید کی حدیثیں سننا کرو اور لوگوں کے ساتھ سہولت کا معاملہ کرو نہ کہ سختی اور تنگی کا، سختی اور تنگی کے معاملہ سے آپس میں اختلاف اور جدال پیدا ہوتا ہے، لہذا حدیث میں جدال کی کراہت کا بیان ہوا جیسا کہ مصنف نے ترجمہ سے ظاہر کیا، والحدیث اخرجہ مسلم، قال المنذری۔

عن قائل السائب عن السائب۔

شرح الحدیث | سائب جو کہ صحابی ہیں وہ اخیر میں نابینا ہو گئے تھے اسلئے ان کے لئے ایک قائد تھا جو ان کا ہاتھ پکڑ کر چلتا تھا، تو وہ قائد ہی سائب سے روایت کرتا ہے کہ سائب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حاضرین مجلس آپ سے میرا ذکر خیر اور تعریف کرنے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کا حال اور خوبیاں تم سے زیادہ جانتا ہوں، تو اس پر سائب بولے سچ فرمایا آپ نے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ میرے شریک تھے (کس زمانہ میں) تو واقعی آپ اچھے شریک تھے، آپ لڑائی جھگڑا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس سے دور رہتے تھے

بذل میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد شرکت فی السفر ہو جو سفر کہ ملک شام کی طرف ہوا تھا آپ کی بعثت سے پہلے، اور یہ سائب صحابی قرشی ہیں مکی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ سائب نامی صحابہ متعدد ہیں، السائب بن خلاد الانصاری، السائب والد خلاد جو راوی ہیں استخبار بثلاثہ احمار کے، ایک ہیں السائب ابن ابی السائب، حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں حدیث الباب کو ابن ابی السائب ہی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور اسد الغابہ میں ان ہی کے بارے میں لکھا ہے وہ کان شریک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبیل المبعث بمکہ، اور پھر آگے لکھتے ہیں وقد اختلف فمیں کان شریک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبیل هذا (یعنی السائب ابن ابی السائب) وقیل ان اباه کان شریک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (یعنی ابوالسائب) وقیل قیس بن السائب، وقیل غیرہ۔ والحديث اخرجه النسائي وابن ماجه قاله المنذرى۔

### باب الهدی فی الكلام

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اذا جلس يتحدث يكثر ان يرفع طرفه الى السماء۔  
یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی مجلس میں بات کرتے وقت بکثرت آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے، اس پر متن کے بین السطور میں ہے: كالمنظر للوحى او كالمفكر فى امر، یعنی یا تو انتظار وحی کی وجہ سے یا کسی کام کی سوچ کی وجہ سے، اور حاشیہ میں ملا علی قاری سے بھی یہی ہے اور یہ زائد ہے: وشوق الى الرفیق الاعلی، یعنی باری تعالیٰ کے شوق ملاقات میں۔

اور اس کے بعد والی حدیث میں ہے: كان فى كلام رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ترتيل وترسيل، اور مشکاۃ میں بروایت ابوداؤد، وترسيل ہے بجائے "او مکے" وہ  
یعنی آپ کی گفتگو ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوا ٹھہر ٹھہر کر کلام کرنا بات کا عمدہ طریقہ ہے، اس کے بعد والی روایت میں ہے:  
كلاماً فصلاً يفهمه كل من سمعه، یعنی ہر بات الگ الگ اور واضح، جس کو ہر سنتے والا سمجھ سکے۔

كل كلام لا يبدأ بحمد الله فهو اجذ من، یعنی جس کلام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نہ ہو وہ کلام ناقص ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے فهو اقطع یعنی مقطوع البرکۃ۔

اس حدیث کی سند پر مصنف نے کلام کیا ہے وہ یہ کہ اکثر رواۃ نے اس حدیث کو زہری سے مرسل روایت کیا ہے: عن الزہری عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ والحديث اخرجه النسائي مستداً ومرسلًا قاله المنذرى۔

### باب فى الخطبة

كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء۔

لہ اور اس حدیث کے اسنادی مرتبہ میں علماء کا اختلاف ہے، بسبب کی نے طبقات شافعیہ کے شروع میں اس پر تفصیلی کلام کر کے اپنا میلان تمسین یا تصحیح کی طرف ظاہر کیا ہے۔

خطبہ کہتے ہیں اس اہم کلام اور بات کو جو لوگوں کے سامنے رکھی جائے۔ تشہد سے مراد ہے شہادتین، جیسا کہ حمد و ثنا کے بعد معروف اور مروج ہے (باب اول کی اور اس باب کی) دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قابل باہتمام اور اہم بات کے شروع میں حمد و ثنا اور تشہد ہونا چاہیے (ان دونوں کے مجموعہ کو ہمارے عرف میں خطبہ کہتے ہیں) والحدیث اثر جہ الترمذی، قالہ المتذری۔

## باب فی تنزیل الناس منازلہم

یعنی ہر شخص کو اسکے مناسب منزل اور مرتبہ میں اتارنا۔

باب کی پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے سامنے کو کوئی سائل گذرا تو انہوں نے اسکے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیا اور ایک اور شخص گذرا اچھی بیٹ اور لباس میں تو آپ نے اس کو بیٹھا کر کھلایا، اور پھر کسی کے پوچھنے پر اس کی وجہ بتلانی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا ہے: انزلوا الناس منازلہم

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبة المسلم، وحامل القرآن غیر الغالی فیہ والجاتی عنہ۔

یعنی بڑھے مسلمان کا اکرام یہ گویا اللہ تعالیٰ کا اعزاز اور اکرام کرنا ہے، اور اسی طرح حافظ قرآن کا اکرام، ایسا حافظ جو قرآن پاک کی تلاوت میں غلو اور حد سے تجاوز نہ کرتا ہو، یعنی تجوید اور ادائے حروف میں (بذل) اور دوسرا قول غالی کی تفسیر میں یہ ہے: یعنی باعتبار عمل کے اور باعتبار تتبع مشبہات کے، اور جانی عنہ سے مراد تارک تلاوت، یعنی جو تارک تلاوت نہ ہو، اور آگے حدیث میں ہے سلطان عادل کا اکرام، یعنی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہے، اس حدیث میں بڑھے مسلمان کی تعظیم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے حتیٰ کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم قرار دیا گیا ہے یہ تعظیم اس کے اسلام اور بڑھاپے کی وجہ سے ہے اور کسی ظلم یا فاضل کو اس میں دخل نہیں وہ اس میں پایا جاتا ہو یا نہیں اسی طرح حافظ قرآن کا بھی حال ہے۔

## باب فی جلوس الزجل

عن قبیلۃ بنت مخزومۃ انہا رأت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو قاعد القرقصاء۔

قبیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا جبکہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے گوٹ مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میری نظر آپ پر پڑی اس نشور کے ساتھ بیٹھے ہوئے تو میں خوف کی وجہ سے لرز گئی، بذل میں لکھا ہے کہ یہ روایت طبرانی میں بطول ہے جس کے اخیر میں یہ ہے کہ قبیلہ کہتی ہیں کہ جو شخص میرے برابر میں بیٹھا تھا اس نے میرے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اعدت المسکینۃ کہ یہ مسکین عورت تو کانپ رہی ہے تو اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر میری طرف دیکھے اپنے دست مبارک سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: یا مسکینۃ علیک المسکینۃ، آپ کے یہ فرماتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خوف کو دور فرمادیا۔

عن الشريد بن سويد قال مر في رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وانما جالس هكذا الخ -  
 شريد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اپنا پایاں ہاتھ پیچھے کی طرف زمین پر رکھ کر اس پر ٹیک لگائے ہوئے تھا، تو  
 اپنے اس طرح بیٹھنے پر نکیر فرمائی کہ مغضوب علیہم کی طرح بیٹھتا ہے۔  
 مغضوب علیہم سے مراد شاید یہودی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

## باب في السهر بعد العشاء

ينهى عن النوم قبلها والحديث بعدها، یہ حدیث بروایت الصلاة میں گذر چکی۔

## باب في الرجل يجلس متربعاً

اذا صلى الفجر تربع في مجلسه حتى تطلع الشمس حسناء۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا  
 کہ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ پر چوزاؤں تشریف رکھتے تھے یہاں تک کہ صاف دھوپ نکل آئے یعنی جس میں سرخی  
 کی آمیزش نہ ہو جو شروع میں ہوتی ہے۔

## باب في التناجی

لا ینتجی اثنان دون صاحبها فان ذلك یحزنه۔ یعنی آداب مجلس میں سے ہے یہ بات کہ جس جگہ تین آدمی بیٹھے  
 ہوں تو اس میں سے دو ساتھی آپس میں سرگوشی نہ کریں تیسرے کو چھوڑ کر اس لئے کہ یہ چیز اس کو غمگین کرے گی، اور آگے روایت  
 میں ہے کہ اگر چار شخص ہوں تو پھر دو کی تناجی میں کچھ حرج نہیں، حاشیہ بذل میں ہے کہ اس حدیث کی شرح میں سات بچھیں ہیں  
 جن کی تلخیص حاشیہ کو کب میں مذکور ہے اور وہ سات بچھیں یہ ہیں: علیہ الہنی، الحزن اور سور الادب اور خوف الغیبہ، هل حکم  
 باق ادکان فی اول الاسلام للخوف، هل یخص بالسفر، والجمہور علی العموم، و ذکر الاثنین لیس باحتراز بل المعنی ترک الواحد لیتشتی  
 منہ الاذن والرضا، ولا يجوز للثالث الدخول اذا كانا متناجیین من قبل، الہنی للتحریم کا عند الجمہور اور ہی ادب و کمال اہ۔

## باب اذا قام من مجلسه ثم رجع

اذا قام الرجل من مجلسه ثم رجع اليه فهو احق به۔ یعنی اگر کوئی شخص مجلس سے اٹھ کر جائے کسی ضرورت سے،  
 واپس لوٹنے کے ارادہ سے تو پھر اگر وہ واپس آگیا تو زیادہ حقدار وہی ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ جگہ اس لوٹنے  
 والے کی ملک نہ ہو بلکہ حقوق عامہ سے ہو، لیکن اگر وہ جگہ کسی اور کی ملک ہے تو پھر وہ مالک احق ہوگا (بذل) امام نووی فرماتے  
 ہیں کہ لوٹنے والے کی احقیت اس وقت ہے جب وہ کسی مختصر سے کام کے لئے اٹھا ہو، نیز وہ فرماتے ہیں کہ اور یہ حکم عام ہے خواہ

وہ اٹھنے والا اس جگہ پر اپنا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ کر اٹھے یا بغیر اس کے۔  
اور اس کے بعد والی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ اگر آپ مجلس کے دوران کسی کلمہ کے لئے اٹھتے تو اٹھتے وقت کوئی چیز اپنی وہاں چھوڑ دیتے نعلین شریف یا کوئی کپڑا جس سے آپ کے اصحاب پہچان جاتے کہ آپ کو لوٹنا ہے لہذا وہیں بیٹھے رہتے۔

ما من قوم یقومون من مجلس لایذکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل حیفة حمار وکان علیہم حسرة۔  
یہ حدیث ہمارے نسخہ میں مذکورہ بالا باب ہی کے تحت میں ہے لیکن اس کو اس باب سے کوئی مناسبت نہیں، اور بعض نسخوں میں اس حدیث پر مستقل دوسرا ترجمہ ہے اسی حدیث کے مناسب: باب کراہیۃ ان یقوم الرجل من مجلسہ ولایذکر اللہ تعالیٰ۔ مضمون حدیث یہ ہے کہ جو لوگ کسی ایسی مجلس کو پورا کر کے کھڑے ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کا کسی نے ذکر نہ کیا ہو تو یہ ایسا ہے کہ گویا وہ ایک مردار حمار پر سے کھڑے ہوئے ہوں، اور مجلس ان کے لئے برفی قیامت باعث حسرت ہوگی، اس لئے کہ مجلس عادتاً فضول بات سے خالی نہیں ہوتی اور ذکر اللہ بمنزلہ کفارہ کے ہوتا ہے، اور مولانا یحییٰ صاحب کی تقریر میں یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مراد نہیں ہے کہ یہ لوگ مردار کو کھا کر اٹھے ہیں ورنہ تو پھر یہ مجلس، مجلس حرام ہو جائے گی اور ترک ذکر کو حرام نہیں کہا جاسکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ گویا مردار جانور کے پاس سے اٹھے ہیں اور مردار جانور کا قرب مکروہ تو ہے ہی (بذل)

## باب کفارة المجلس

حدیث الباب میں یہ ہے کہ مجلس کے ختم پر اگر یہ دعا پڑھ لی جائے: سبحانک اللہم و بحمدک لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک، تو یہ دعا اس مجلس کا کفارہ ہو جاتی ہے، اس مجلس کی لغزش اور سیئات کے لئے، اور مجلس خیر کے ختم پر اگر پڑھا جائے تو یہ دعا بمنزلہ بہر کے ہو جاتی ہے یعنی وہ نیکی مضبوط اور محفوظ ہو جاتی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول باخترۃ اذا اراد ان یقوم من المجلس الخ۔  
یعنی آپ مجلس کے آخر اور ختم پر یہ دعا پڑھتے تھے، اور یہ مطلب یہ کہ آخر عمر اور اخیر زمانہ میں یہ دعا پڑھنے لگے تھے مجلس سے اٹھتے وقت۔

## باب فی رفع الحدیث من المجلس

یعنی ایک جگہ کی بات دوسری جگہ نقل کرنا، یا ایک کی بات دوسرے کو بطور شکایت کے پہنچانا، پہلے مطلب کے مناسب ہے حدیث، المجلس بالامانہ، اور دوسرے مطلب کے مناسب یہ حدیث الباب ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا یتغنی احد من اصحابی عن احد شیئاً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی شکایت مجھ کو نہ پہنچائے کیونکہ مجھ کو اپنے بارے میں یہ بات پسند ہے کہ میں تمہارے سامنے مجلس میں آؤں اس حال میں کہ میرا اندرون سینہ محفوظ ہو یعنی اہل مجلس کی طرف سے اور کسی کی طرف سے میرا جی مکدر نہ ہو، ظاہر ہے کہ شکایت پہنچنے کی صورت میں تو آپ کی طبیعت میں اس شخص کی طرف سے تکدر پیدا ہوگا۔

ترجمہ شریف کے ایک  
ترجمہ الباب کی تشریح

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر۔ باب فی فضل الازواج۔ ترجمہ قائم کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ازواج مطہرات کی فضیلت ثابت کی، وہ بظاہر اس طور پر کہ اس حدیث سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ جس طرح میں گھر کے اندر کی مجلس سے باہر کی مجلس میں سلیم الصدر آتا ہوں تو اسی طرح باہر کی مجلس کے اعتبار سے بھی میں سلیم الصدر رہنا چاہتا ہوں لہذا تم میں سے کوئی کسی کی شکایت مجھ تک نہ پہنچائے، پس اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی دوسری کی شکایت آپ سے نہیں کرتی تھی۔

## باب فی الحدیث من الناس

یعنی لوگوں سے احتیاط برتنا اور ان کے شر سے بچ کر رہنا ایک پر اعتماد نہ کر بیٹھنا، اس باب میں مصنف نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے عمرو بن الفخوار خراعی صحابی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا، آپ میرے ذریعہ کوئی مال ابوسفیان کے پاس بھیجنا چاہتے تھے قریش مکہ میں تقسیم کیلئے اور یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے، آپ نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ سفر میں ساتھ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کر لے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس عمرو بن امیہ الضمری آئے اور کہنے لگے کہ مجھ پر بات پہنچی ہے کہ تم مکہ جانے کا ارادہ کر رہے ہو جس کے لئے کسی ساتھی کی تلاش ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے ایسا ہی ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ میں ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے ایک ساتھی مل گیا ہے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کون؟ میں نے عرض کیا کہ عمرو بن امیہ، آپ نے فرمایا: اذا هبطت بلاد قومہ فاحذره فانہ قد قال القائل اخولک البکری فلا تأمنہ عمرو بن امیہ جس بستی کے سینے والے تھے وہ راستہ میں مکہ مدینہ کے درمیان پڑتی تھی تو اس لئے آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کی بستی پر پہنچو تو ان سے بچ کر رہنا اسلئے کہ کہنے والے نے کہا ہے کہ تیرا بھائی خواہ وہ تیرا حقیقی بڑا بھائی ہی کیوں نہ ہو لیکن اس پر بھی بھروسہ مت کرو۔ بکری کے معنی

لہ کیونکہ آپ نے اپنی سلامتی صدر کو باہر کی مجلس والوں کی عدم شکایت پر موقوف رکھا معلوم ہوا کہ گھر کی مجلس سے آپ مطمئن تھے وہاں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی تھی جو موجب تکدر ہو۔ ۵۱ البکری بکر البار، اول ولد الابون ای اخوک شقیقک احذرہ، فاخوک مبتدأ والبکری نعتہ والحجر مخدوف تقدیرہ بخاف منہ اھ (عون) قلت الظاہران قولہ فلا تأمنہ قائم مقام انجر۔



لکھے ہیں الشقیق الاکبر یعنی سگا بڑا بھائی، میں آپ کی نصیحت سن کر سفر میں چل دیا یہاں تک کہ جب ہم مقام ابوار پر پہنچے تو میرے ساتھی عمرو بن امیر نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی ایک ضرورت سے اپنے گھر ہو آؤں جو مقام ودان میں ہے تم ہمیں ٹھہر کر میرا انتظار کرو قلت: راشدا۔ مسافر کو رخصت کرتے وقت یہ جملہ دعائیہ یعنی راشدا کہا کرتے ہیں جس میں رشد و ہدایت کی دعا ہے جب وہ چلے گئے تو مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت یاد آئی، یاد آتے ہی میں نے اپنی سواری پر کچا وہ باندھ کر اس کو دوڑالیا اور میں وہاں کھڑا نہیں رہا یہاں تک کہ مقام۔ اصافرا تک جب میں پہنچ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ میری طرف چلا آ رہا ہے (میں نے اپنے دل میں خطرہ محسوس کیا، نہ جانے کیا معاملہ ہے) اور میں نے اپنی سواری اور زیادہ دوڑادی جس سے میں اس سے بہت زیادہ اگے نکل گیا، پس جب اس نے دیکھا کہ میں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس کے بس سے باہر ہو گیا تو وہ جماعت لوٹ گئی اور یہ یعنی عمرو بن امیر مجھ سے آگیا، اور کہنے لگا مجھے اپنی قوم سے کچھ کام تھا میں نے کہا جی صحیح کہتے ہو، اور ہم گذر گئے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے اور وہ مال بحفاظت میں نے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا دیا، حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے: اذا هو یعارضنی فی رھط کہ وہ ایک جماعت لئے میری طرف آ رہا تھا، حضرت فرماتے ہیں کہ ممکن ہے وہ لوگ اس ضمنی کو رخصت کرنے گھر سے چلے ہوں، لیکن خزاعی یہ سمجھا کہ وہ مال چھیننے کے لئے آ رہے تھے، اور اس میں بھی کچھ استبعاد نہیں کہ خزاعی کا یہ گمان صحیح ہو لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین۔

لایلدغ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کو ضمہ غین کے ساتھ پڑھا جائے مضارع منفی ہونے کی وجہ سے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن یعنی جس کو مؤمن کہنا چاہیے وہ نقصان نہیں اٹھاتا ایک ہی مقام میں بار بار، یعنی مؤمن ممدوح وہ ہے جو ہوشیار اور چوکنا ہو اور غفلت سے دور، اور وہ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی کام میں بار بار دھوکہ کھاتا رہے اور اس کو اس کا پتہ بھی نہ چلے، اور دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ غین پر کسر پڑھا جائے بنا بر صیغہ ہئی کے اس صورت میں یہ تشبیہ ہوگی کہ مؤمن کو چوکنا رہنا چاہیے بار بار ایک ہی جگہ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، بلکہ اس کو چاہیے کہ خوف اور نقصان کی جگہ سے پرہیز کرے پہلے مطلب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا تعلق امور آخرت سے ہے نہ کہ امور دنیا سے اور احتمال ثانی میں امر دنیا اور آخرت دونوں سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے، اس حدیث کا ایک شان درود بھی ہے وہ یہ کہ یہ آپ نے اس موقع پر فرمایا تھا جبکہ آپ نے ابو غرہ شاعر کو قید کرنے کے بعد اس معاہدہ پر ہا کر دیا تھا کہ آپ کے خلاف تحریض نہیں کرے گا اور نہ آپ کی، جو کرے گا، لیکن اس نے رہا ہونے کے بعد جب اپنی قوم کے پاس چلا گیا تو اس معاہدہ کے خلاف کیا تو دوبارہ آپ نے اس کو جنگ احد میں قید کیا، اس نے آپ سے دوبارہ من و احسان کی درخواست کی تو اس وقت آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا (عون) اخرجہ البخاری وسلم وابن ماجہ قال المنذری۔

## باب فی ہدی الرجل

آدمی کے طریقے کے بیان میں (یہاں اس کا متعلق محذوف ہے) فی المشی یعنی چلنے کے بارے

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا مشی كأنہ یتوکأ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چال اور رفتار کی کیفیت بیان کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تھے تو ذرا آگے کی طرف کو مائل ہو کر جیسے کوئی شخص عصا کے بہارے سے چلتا ہے، یعنی آپ سینہ نکال کر نہیں چلتے تھے جو تکبر کی چال ہے بلکہ ذرا آگے کو مائل ہو کر گویا انگریزی کے بہارے سے چل رہے ہوں۔

عن ابی الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قلت کیف رأیتہ

قال کان ابيض ملیحاً۔

یعنی آپ کا رنگ سفید گورا ملاحظہ کیجئے ہوئے تھا یعنی مائل بہ سرخی، بالکل سفید چونے کی طرح نہیں تھا۔

اذا مشی كأنما یہوی فی صبوب، بعض روایات میں، صَبَبٌ، بھی آیا ہے بمعنی نشیبی زمین، یعنی جب آپ چلتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا نشیب میں آ رہے ہوں، بلند جگہ سے پست زمین میں، اس کا مفہوم بھی وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں گذرا، والحدیث اثر مجاہد سلم والترندی بخوہ، قالہ المتذری۔

## باب فی الرجل یضع احدی رجلیہ علی الاخری

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان یضع الرجل احدی

رجلیہ علی الاخری وهو مستلق علی ظہرہ۔

یعنی آپ نے اس طرح چت لیٹنے سے منع کیا ہے کہ اس وقت ایک ٹانگہ کو دوسری ٹانگہ پر رکھے، اور اس کے بعد والی روایت جو عم عباد یعنی عبداللہ بن زید بن عامر سے مروی ہے اس میں یہ ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ٹانگہ کو دوسری ٹانگہ پر رکھ کر لیٹے ہوئے دیکھا ہے، ان دونوں حدیثوں میں جمع اس طرح کیا گیا ہے کہ منع اس صورت میں ہے جب انکشاف عورت کا احتمال ہو یا اس طور کہ لباس بجائے سراویل کے ازار اور لنگی ہو، یا ازار وسیع اور غیر وسیع کا فرق ہو، اور اگر لباس پانچامہ ہے یا وسیع لنگی ہے جس میں کشف عورت کا احتمال نہیں اس میں گراہت بھی نہیں، یہ توجیہ تو خطابی وغیرہ شراح نے لکھی ہے، اور حضرت نے بذل میں توجیہ اس طرح بیان کی ہے کہ چت لیٹنے کے بعد پاؤں کو پاؤں پر رکھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں ٹانگیں بیسوط اور پھیلی ہوئی ہوں، اس صورت میں ایک کو دوسری پر رکھنے سے کشف عورت نہیں ہوتا، لہذا حدیث میں ثبوت وہ اس صورت کا ہے، اور دوسری صورت یہ کہ ایک گھٹنا کھڑا کر کے اس پر دوسری ٹانگہ رکھی جائے تو اس صورت میں اگر لنگی پہنے ہوئے ہوگا تو کشف عورت کا احتمال ہے، لہذا حمل بنتی اسی صورت کو قرار دیا جائے۔

## باب فی نقل الحدیث

اذا حدث الرجل بالحدیث شعر التفت فہی امانۃ۔

یعنی جب کسی شخص نے کوئی بات تم سے کہی اور بات کرتے وقت وہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا تو اس قسم کی بات امانت ہوتی ہے اس کو دوسرے سے نقل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھنا علامت ہے اس بات کے راز ہونے کی کہ کوئی ہماری بات سن تو نہیں رہا ہے، اور دوسرا مطلب۔ **شم التفت**۔ کار بھی بیان کیا گیا ہے یعنی قاب وانصرف یعنی جب تم سے کوئی شخص بات کر کے چلا گیا تو اب اس کی یہ بات تمہارے پاس امانت ہے اس کو دوسری جگہ ذکر نہ کیا جائے۔

عن جابر مرفوعاً المجالس بالامانة الاثلاثة مجالس، مفك دم حرام، اوفرج حرام اواقطاع مال بغیر حق۔ یعنی عام ضابطہ یہ ہے کہ مجلس میں ہونیوالی باتیں امانت ہو کرتی ہیں ان کو دوسری جگہ جا کر نقل نہیں کرنا چاہیے لیکن اس سے تین طرح کی مجلسیں مستثنیٰ ہیں، ان مجالس کا اظہار صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے ایک وہ مجلس جس میں کسی کو ناحق قتل کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو، یا فرج حرام یعنی زنا کاری کا مشورہ کیا گیا ہو، یا ناحق دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کے بارے میں مجلس ہوئی ہو، ان مجالس کی بات متعلقہ شخص سے ضرور کہی جانی چاہیے۔

ان من اعظم الامانة عند الله يوم القيامة الرجل يفضي الى امرأته وتفضي اليه ثم ينشر سرها۔  
من اعظم الامانة اي من اعظم نقض الامانة یعنی بڑے درجہ کی خیانت جس کا خیانت ہونا قیامت کے دن ظاہر ہوگا یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے پاس جلتے یعنی تنہائی میں اور پردہ میں اور پھر بعد میں کسی دوسری مجلس میں اس مجلس کا راز ظاہر کیا جائے، اس حدیث کے مضمون پر کتاب النکاح کے اخیر میں ایک مستقل ترجمہ الباب گذر چکا۔ باب ما يكره من ذكر الرجل ما يكون من اصابته اهله کافی مفصل حدیث ہے فارجمع اليه لوشنت۔

## باب في القات

قات یعنی تمام (چغل خور) کمافی البذل، اور ہاشم بزل میں علامہ عینی سے ان دونوں میں فرق نقل کیا ہے وہ یہ کہ تمام تو وہ شخص ہے جو اس مجلس کی بات نقل کرے جس میں وہ خود شریک ہو، اور قات وہ شخص ہے جو کسی مجلس کی بات چپکے سے سن کر بغیر اس مجلس میں شرکت کے پھر دوسری جگہ نقل کرے، نیز جو شخص اہل مجلس سے چھپ کر یا لوگوں سے چھپ کر ان کی بات سننے خواہ دوسری جگہ نقل کرے یا نہ کرے اس کو بھی اہل لغت نے قات کہا ہے کمافی البذل عن القاموس، حدیث الباب میں ہے،  
لا يدخل الجنة قات۔

## باب في ذي الوجهين

ذو الوجهین یعنی دو چہروں والا جس کو دو مونہا کہتے ہیں، جس کے پاس جلتے اس کے موافق بات کرے اور اس کے سامنے اسکے مخالف کی برائی کرے، تو چونکہ یہ شخص اپنے چہرے سے دو مختلف قسم کی باتیں ظاہر کر رہا ہے اس لحاظ سے ذو وجہین ہوا اور اسی کو منافق کہتے ہیں اس کو حدیث الباب میں شر الناس کہا گیا ہے اور دوسری حدیث میں ہے: من كان له وجهان في الدنيا

كان له يوم القيامة لسانان من نادر، جو شخص دنیا میں دو چہروں والا ہوگا تو قیامت کے دن اس کی دو زبانیں ہوں گی! گ کی۔

## باب فی الغیبة

باب کی پہلی حدیث میں غیبت کی تعریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہے: ذکوک اخاک بما یکرہ، یعنی کسی شخص کا ذکر کسی کے سامنے اس طرح کرنا جو اس کو برا لگے، کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر وہ برائی واقعی اس شخص میں ہو کیا تب بھی غیبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ صفت اس میں پائی جائے گی تب ہی تو تمہارا اس کو ذکر کرنا غیبت ہوگا ورنہ تمہارا اس کو ذکر کرنا اس پر بہتان ہوگا، حاشیہ بزل میں ہے: ویسط الکلام علی الغیبة وما یریح من الواعیہما الشامی ۲۸۹ وقد وردت روایات معناها انه لا غیبة للفاسق المعلن، کذانی، احتجاف السادة ص ۶۳، وفی انداد المشتاق، ص ۶۳ للشیخ المتحانوی عن شیخ ان المعصیة علی نوحین الباصی والجاہلی والثانی اعظم، ولذا کبر اثم ابلیس علی اثم آدم، ولذا قیل الغیبة اشد من الزنا اه اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو اس پر مستقل تصنیف ہے، زجر الشبان والشیبة عن ارتکاب الغیبة

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حسبک من صفیة کذا کذا - تعنی: قصیرة - فقال لقد قلت کلمة لو مزج بها البحر لمزجتہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیا کہ آپ کو تو صفیہ کی بس ایک یہ صفت کافی ہے۔ غالباً ہاتھ کے اشارہ سے بتایا ان کا پستہ قد ہونا، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ تحقیق اس وقت تو نے اپنی زبان سے ایسا لفظ نکالا ہے اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے یعنی اس کو کوئی مجسم شیء فرض کر کے تو وہ لفظ پورے سمندر پر غالب آجائے، یعنی اس کے سارے پانی کو گندہ اور خراب کر دے، قالت وحکیت انسانا فقال ابو نیرودہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز آپ کے سامنے کسی آدمی کی کوئی بات اور صفت کی نقل اتاری، یعنی اسی طرح کر کے دکھلایا تو اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی انسان کی نقل اتارنا پسند نہیں اگرچہ مجھ کو اتنا اتنا مال دیا جائے، قال النووی من الغیبة المحاکاة بان یشی متعارجا او مطاطا راسہ، امام نووی فرماتے ہیں کہ محاکاة بھی غیبت ہے مثلاً کسی کا لٹکڑا پن ظاہر کرنے کے لئے لٹکڑا کر چلے یا مثلاً سر جھکا کر دوسرے کی نقل اتارنے میں۔

ان من اربی الی الاستطالة فی عرض المسلم بغیر حق، سعید بن زید سے مروی روایت ہے کہ کسی مسلمان کی ناحق آبروریزی کے لئے زبان درازی کرنا یا کسی تمام قسموں میں بدترین قسم ہے۔ حالانکہ ربا کے بارے میں ایک روایت میں یہ آیا ہے

له ویؤخذ منه ان ما کان یحی فهو یجوز، قال العینی ص ۱۱۱ ذکر الغزالی والنووی ابانہ العلماء الغیبة فی سبہ مواضع قبل تباح للمیة والاضام لا، قلت الظاہر لا، لقوله علیہ السلام کفوا عن مساویہم اھ۔

ان الربا سبعون یا با اھونہا ان ینکح الرجل امرہ یعنی ربا اور سود خوری کے مترادفات ہیں جن میں سے ہر ایک کا درجہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کے برابر ہے۔

ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدين میں سے کسی ایک کو حاصل ہو بغیر کسی عوض کے، اور کسی کی ناحق آبروریزی کرنے میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے کہ اس کے مقابل نے تو اس کی آبروریزی کی نہیں اور یہ کر رہا ہے تو یہ اسکی آبروریزی خالی عن البدل ہے۔

لما عرج جی مرتت بقوم لهم اظفار من نحاس يخمشون وجوههم وصدورهم الخ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب مجھے آسمانوں پر لیا گیا جاہا تھا تو میرا ایسے لوگوں پر گذر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے جن کے ذریعہ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو لپچ رہے تھے، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے یعنی ان کی غیبت کرتے تھے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے۔

یا معشر من امن بلسانہ ولم یدخل الایمان قلبہ لا تغتبا بوا المسلمین ولا تتبعوا عورتہم الخ۔

الوبرزہ الاصلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ان لوگوں کی جماعت جو صرف زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے قلب تک نہیں پہنچا مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور نہ ان کی عیب جوئی، اسلئے کہ جو مسلمانوں کی عیب جوئی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور جس شخص کی عیب جوئی اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو اس کو اس کے گھر میں بیٹھے رکھ دیتا ہے حالانکہ گھر میں جو شخص رہتا ہے وہ بہت سی آفات سے سالم و محفوظ رہتا ہے۔

من امن بلسانہ میں اشارہ اس طرز ہے کہ مسلمانوں کی غیبت کرنا منافقین کا شعار ہے۔

عن المستورہ حدیثہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من اکل برجل مسلم اکلہ فان اللہ یطعمہ مثلھا من جہنم۔

یعنی جو شخص کسی مسلمان شخص کی وجہ سے کوئی نعمت کھاتا ہے، جس کی دو صورتیں ہیں یا اس کی ناحق تعریف کر کے اس کے دوست کے سامنے، یا اس کی برائی بیان کر کے اس کے مخالف کے سامنے، جیسا کہ اختلافات کے زمانہ میں ایسا بہت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ کا نعمت کھلائیں گے۔

ومن کسبی ثوباً برجل مسلم فان اللہ یکسوہ مثله من جہنم الخ اس جملہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے جملہ کا تھا صرف یہ فرق ہے کہ وہاں طعام کا ذکر تھا یہاں لباس کا۔

ومن قام برجل مقام سمعۃ دریا فان اللہ یقوم بہ مقام سمعۃ دریا یوم القیامۃ۔ اس جملہ کے مطلب میں دو احتمال ہیں اسلئے کہ برجل میں بارہ سبب یہ ہوگی یا تعدیہ کے لئے، اگر سبب یہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کسی بڑے آدمی کی نسبت کے ذریعہ کسی ادنیٰ مقام پر کھڑا ہو جو ریا اور شہرت کی جگہ ہو تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ذلت کی جگہ کھڑا کریں گے قیامت کے دن،

مثلاً اپنی نسبت کسی اونچے آدمی کی طرف بیان کر کے کہ میں فلاں عالم یا پیر کا بیٹا یا رشتہ دار ہوں لوگوں سے منافع حاصل کرنا چاہیے۔ اور احتمال ثانی یعنی "بارہ کے تعدیہ کے لئے ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کسی دوسرے کو کسی اونچے مقام پر کھڑا کرے یعنی اس کی تعریفوں کے پل باندھ کر کہ یہ چنانچہ ہے جنہیں ہے، پہلے معنی کا خلاصہ ہوا کسی بڑے آدمی کی نسبت سے اپنے آپ کو بڑھانا چڑھانا اور دوسرے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے فائدہ کے لئے اور اپنی غرض پورا کرتے کے لئے کسی دوسرے کو حد سے زیادہ بڑھانا اور چڑھانا، اور آج کل کی ایجادات کے اعتبار سے اس کی نظیر میں ٹیلی ویژن کو پیش کیا جاسکتا ہے جس میں سمعہ دریا در دونوں پائے جاتے ہیں، چنانچہ اس زمانہ میں لوگ ٹیلی ویژنوں پر اس قسم کی حرکتیں بہت کرتے ہیں۔

كل المسلم على المسلم حرام ماله وعرضه ودمه حسب امرئ من الشران يحقر اخاك المسلم، ایک مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے آگے اس چیز کی تفسیر ہے یعنی اس کا مال بھی اور جان بھی اور آبرو بھی، یعنی ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کے مال یا اس کی جان یا آبرو ان میں سے کسی کو بھی ٹھیس پہنچانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً حرام اور ممنوع ہے، ہم کو کوئی حق نہیں ہے کہ ہم کسی مسلمان کے مال یا جان کی طرف دست درازی کریں، یا کسی بھی طرح اس کی آبروریزی کریں، اور جو شخص اس قانون الہی کی خلاف ورزی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ۔

آگے حدیث میں ہے: آدمی کے شر یعنی اس کے برا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر جانے، اللہ تعالیٰ شانہ ہم سب کی ان برائیوں سے حفاظت فرماتے۔ آمین۔

## باب الرجل يذب عن عرض اخيه

یعنی کسی کی طرف سے مدافعت کرنے اور اس کی آبرو کی حفاظت کرنے میں جو اجر و ثواب ہے اس کا بیان۔

من حمى مؤمنا من منافق، جو شخص حفاظت کرے کسی مسلمان کی منافق سے اس کی زبان سے یا ہاتھ سے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لئے ایسا فرشتہ مقرر فرمادیتے ہیں جو بروز قیامت اسکے بدن کو جہنم کی آگ سے بچائے گا، اور جو شخص منسوب کرے کسی مسلمان کی طرف کوئی ایسی شے جس سے اس کا مقصود اس کو عیب لگانا ہو تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جہنم کے پل پر روک لیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے قول کے وبال سے چھٹکارا پائے یعنی اس قول کے گناہ سے باہر آئے، جس کی تین صورتیں لکھی ہیں بآرضاء خصم، یعنی اس کے خصم کو راضی کر دیا جائے، یا کسی کی سفارش کے ذریعہ، او بتعذیر بقدر ذنب، یعنی اس کو اسکے قصور اور گناہ کے بقدر عذاب دیئے جانے کے بعد۔

ما من امرئ يخذل امرأ مسلماً في موضع ينتهك فيه حرمة وينتقص فيه من عرضه أو - يخذل خذلان - سے ہے جس کے معنی ہیں ترک نصرت عند الحاجة، یعنی جو شخص کسی مسلمان کی طرف سے منہ پھیرے گا اس کے کام نہیں آئے گا اس کی نصرت نہیں کرے گا ایسے مقام میں جس میں اس کی ہتک حرمت کی جارہی ہو اور اس کی عزت کو گھٹایا جا رہا ہو، تو ایسے شخص کیساتھ اللہ تعالیٰ



یہی ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ اس کی نصرت نہیں فرمائیں گے ایسے مقام میں جس میں وہ اپنی نصرت چاہتا ہوگا، اور اسکے بالمقابل جو شخص کسی مسلمان کی نصرت کرتا ہے ایسے مقام میں جہاں اس کی عزت گھٹائی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی نصرت فرماتے ہیں ایسے مقام میں جس میں وہ اپنی نصرت چاہتا ہوگا۔

جاء اعرابی فاناخ راحلته شرعقلها الحديث وفي اخره - اللهم ارحمني ومحمدًا ولا تشرك في رحمتنا احداً، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اتقولون هو اضل ام بعيرة -

یہ حدیث کتاب الصلاة میں گند چکی، اس حدیث پر بعض نسخوں میں باب باندھا ہے۔ باب من لیست له غیبة۔ اور یہ ترجمہ ہے بھی اس حدیث کے مناسب، بذل میں حضرت گند چکی کی تقریر سے منقول ہے: قوله - هو اضل ام بعيرة۔ فیہ دلالت علی ان اظہار العیب لاظهار الحق ودلالة الناس علی الہدی غیر منہی عنہ، فمن اقتدی بہ الناس وهو غیر متاھل لذلك وجب علیہم كافة اظہار معاویہ والتشیع علی مثالبہ لسلا تفتن الخلیفہ بہ، یعنی جو شخص لوگوں کا مقتدی بن کر بیٹھ جائے اور لوگ بھی اس کا اتباع کرنے لگیں حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے تو اس کے احوال کا لوگوں پر ظاہر کرنا مخلوق کو فتنہ سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔

## باب فی التجسس

یعنی دوسروں کی غیب جوئی اور اس کے بارے میں جو وعید وارد ہے۔

عن معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول انک ان اتبعت عورات الناس افسد تہم اوکدت ان تفسدہم فقال ابوالدرداء کلمتہ سمعہا معاویة من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نفعہ اللہ بہا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر تو لوگوں کے پوشیدہ عیوب اور ان کے راز ہائے سر بستہ کے درپے ہوگا ان کی کھود کر دیکرے گا تو بجائے اصلاح کے تو ان کو خراب کر دے گا، کیونکہ وہ اس صورت میں مجبور ہو کر جرات کرے اور زیانہ کام کھل کر کرنے لگیں گے جن پر لوگ جا رہا تھا، حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سنی تھی انہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے بہت کام آئی یعنی ایام خلافت میں۔

ان الامیر اذا ابتغی الریبة فی الناس افسدہم، یہ حدیث مرفوعہ جو متعدد صحابہ سے مروی ہے جیسے ابن نفیر، کثیر بن وہ عمرو بن الاسود، مقداد بن معدیکرب، ابوالامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اس کا مطلب اور اوپر والی حدیث کا ایک ہی ہے یعنی جو حاکم اور امیر

لے کیونکہ پہلے تو یہ سمجھتے تھے کہ ہماری ان حرکتوں کی کسی کو خبر نہیں اسلئے ان کاموں کو چھپ کر کرتے تھے، اور جب یہ دیکھیں گے کہ ان کی تو سب کو خبر ہو ہی گئی تو اب چھپ کر کرنے سے کیا فائدہ کھل کر ہی کریں۔

اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمت اور بدگمانی کا عالم کرتا ہے اور تصریح کے ساتھ ان کو ٹوکتا ہے تو یہ سمجھئے کہ وہ ان کو مزید خراب کر رہا ہے علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مقصود نام کو ترغیب دینا ہے تغافل کی اور لوگوں کے عیب کے ترک تنبیہ کی، یعنی ہر بات اور ہر کوتاہی پر لوگوں کی گرفت نہیں ہونی چاہئے مصلحت بہت سی باتوں کو درگزر اور نظر انداز بھی کرنا چاہئے۔

ابن ابی مسعود فقہی ہذا فلان تعطل لحيته - ا، فقال عبد الله ان اقد نهينا عن التجسس ولكن اب يظهر لنا شيئا خذبه -

کسی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ فلاں شخص کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے مظاہر یہ تھا کہ اس کو بلا کر تحقیق کی جائے، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے کوئی چیز ہمارے سامنے آئیگی مسئلہ بن کر تو اس کو لیں گے۔

یہاں حاشیہ پر ایک باب ہے، باب ماجاء في الرجل يعل الرجل قد اغتابة ادا سكه تحت یہ حدیث مذکور ہے: عن قتادة

قال ايعجز احدكم ان يكون مثل ابي ضمضم - او ضمضم - مثك ابن عبد كان اذا اصبح قال اللهم اني قد

تصدقت بعرضي على عبادك، اور اس کے بعد ایک دوسری روایت مرفوعہ ہے: ايعجز احدكم ان يكون مثل ابي

ضمضم، قالوا ومن ابو ضمضم؟ قال: رجل فيمن كان قبلكم - بمعناه، قال عرضي لمن شتمني، یعنی آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ابو ضمضم کی طرح ہو جائے، مجاہد نے عرض کیا، کون ابو ضمضم؟ آپ نے

فرمایا گذشتہ امتوں میں ایک شخص تھا جس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح کے وقت کہتا اللہم انی قد تصدقت بعرضي على عبادك، اور

ایک روایت میں ہے قد تصدقت بعرضي لمن شتمني، کہ اے اللہ میں اپنی عزت اور ابرو کو تیرے بندوں پر صدقہ کرتا ہوں، یعنی ان کو

گناہوں سے بچانے کے لئے تاکہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ میری وجہ سے گنہگار نہ ہو۔

اس حدیث کے لکھنے کے وقت میرے ذہن میں یہ آیت کرمسائی، هذا عفوا أمر بالعرف - وانرض عن الجاهلین یہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ لوگوں کی عادات میں سے عفوا اور درگزر کی خصلت کو اختیار کرو۔

## باب في الستر على المسلم

من رأى عورة فسترها كان كمن احبني مؤدبة، یعنی جو شخص کسی مسلمان میں کوئی عیب پوشیدہ دیکھ لے اور اس کے

بعد پھر اس نے اس کو پوشیدہ رکھا لوگوں پر ظاہر نہیں کیا تو اس کا یہ فعل اس شخص کے مشابہ ہے جو زندہ درگزر کر وہ بچی کو زندہ کرے

(اس کو قبر سے نکال کر یا والدین کو دفن کرنے سے روک کر)

انه سمع ابا الهيثم يذكر انه سمع دحينا كاتب عقبة بن عامر قال كان لنا جيران يشربون الخمر فنهيهم

ابو الهيثم کہتے ہیں کہ میں نے دحین بن عامر الحجازی سے سنا جو کہ عقبہ بن عامر امیر بصرہ کے میرٹھی تھے وہ یعنی دحین کہتے تھے کہ میرے

کچھ پروسی تھے جو شراب پینے کے عادی تھے میں ان کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتے تھے، میں نے عقبہ بن عامر سے ان کی شکایت کی

اور یہ کہا کہ میں ان کے لئے شرطی (سپاہی) کو بلا کر لاتا ہوں، انہوں نے فرمایا چھوڑو سے ان کو، کچھ دن بعد پھر میں نے ان سے ان کی شکایت کی اور یہی کہا کہ شرطی کو بلا کر لاتا ہوں، تو انہوں نے دوبارہ بھی مجھ کو منع کر دیا اور فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اور اوپر والی حدیث ذکر کی، اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایسا مت کر بلکہ ان کو سمجھا دے اور ڈرا دے۔

## باب المواخاة

المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلطه من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته الخ۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے یعنی اور اسلامی اخوت مراد ہے نہ ایک دوسرے پر ظلم کرے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں پھانسنے، اور جو اپنے بھائی کے کام میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتے ہیں، اور جو کسی مسلمان سے اس کی بے چینی اور پریشانی دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں میں سے ایک بے چینی اس سے دور کرتے ہیں، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ ولا یسلطہ میں ہمزہ سلب کے لئے ہے، اسلٹہ معنی سلب حفاظت یعنی مصیبت میں ڈالنا ہوا۔ واللہ اعلم۔

## باب المستبان

ایک نسخہ میں ہے، باب الاستبان اور دوسرے نسخہ میں ہے، باب فی السباب۔

المستبان ما قاله علی البادی منہما مالہ یعتد المظلوم، استبان یعنی ایک کا دوسرے کو گالی دینا جانہین سے، تو اس صورت کا حکم حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس گالی گلوں کا وبال اتر کر کرنے والے پر ہوگا جس نے گالی دینے میں پہل کی ہے مگر اس میں ایک قید ہے مالہ یعتد المظلوم، مظلوم سے مراد جس کو گالی دی گئی شروع میں یعنی بشرطیکہ مظلوم نے اعتداری نہ کیا ہو اس کا عدم اعتداری یہ ہے کہ جس طرح اس کو ایک بار گالی دی گئی ہے وہ بھی ایک بار بدلہ میں گالی دے لے، تو اگر اسی طرح ایک گالی کا تقابلی ایک سے ہوتا رہا تو جب تک یہ سلسلہ چلے گا تو پہل کرنے والے پر اس کا گناہ ہوگا لیکن اگر مظلوم نے اعتداری کیا ایک گالی کے جواب میں دو گالیاں دیں تو اس کا حکم یہ نہیں ہوگا بلکہ اس صورت میں دونوں گناہ میں مشترک رہیں گے۔

یہ اوپر چڑھنا کبر سے اور نیچے اترنا  
مستحب ہے

## باب فی التواضع

تواضع کی حقیقت اور اس کی تعریف | تواضع کی تعریف بزل میں، لغات سے یہ نقل کی ہے: هو التوسط بین الکبر والضعف، والکبر هو رفع النفس الی ما هو فوق مرتبتها، والتواضع وقوفها

فی مقامها ومرتبتها، یعنی تواضع اس درمیانی حالت کا نام ہے جو کبر اور ضعف کے بیچ میں ہے، یعنی اپنے آپ کو اپنے مرتبہ میں رکھنا نہ اس سے اوپر چڑھنا اور نہ اس سے نیچے اترنا، حضرت شیخ نے شمائل کی شرح خصائل میں باب اجارنی تواضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے شروع میں لکھا ہے صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقت تو واضح تجلی شہود کے دوام کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور۔

ان الله اوحى الى ان تواضعوا حتى لا يبغى احد على احد ولا يفخر احد على احد، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو (یعنی ہر شخص اپنے آپ کو اپنے مقام اور مرتبہ میں رکھے) تاکہ کوئی ایک دوسرے پر نہ ظلم اور زیادتی کرے اور نہ کوئی کسی دوسرے پر فخر کرے، حدیث میں گویا تواضع کا ثمرہ اور اس کا نتیجہ ذکر کیا گیا ہے کہ تواضع کی وجہ سے آدمی کے اندر یہ صفت پیدا ہوتی ہے اسی لئے مشہور ہے کہ آپس کا اتفاق تواضع پر موقوف ہے، اگر کسی جماعت کے تمام افراد میں صفت تواضع پائی جائے گی اور ہر ایک اپنے مقام اور مرتبہ پر رہے گا تو آپس میں کسی کی بھی حق تلفی اور دوسرے پر زیادتی نہیں پائی جائے گی ہر ایک کو اس کا حق پہنچتا رہے گا اور ایک کو دوسرے سے شکایت نہ ہوگی، اور تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے، اور حقیر سمجھنا بھی گویا بعض لحاظ سے درست ہے لیکن وہ حقیقت تواضع میں داخل نہیں وہ الگ ایک دوسری حالت ہے جو انجام پر نظر کرنے کے اعتبار سے آدمی میں پائی جاسکتی ہے اس لئے کہ اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں ہے تو اس حیثیت سے اگر کوئی اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر سمجھے تو سو وہ امر آخر ہے، سالکین پر بعض اوقات جب قبض کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس وقت وہ اپنے آپ کو جانور (کلب و خنزیر) سے بھی زیادہ بدتر سمجھنے لگتے ہیں۔

## باب فی الانتصار

انتصار کے معنی ہیں انتقام، جو جائز ہے بقدر ظلم کے، لیکن اس عفو ہے (بذل)

بينما رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم جالس ومعه اصحابه وقع رجل بابي بكر فاذا نصمت عنه

ابوبكر رضي الله تعالى عنه اقول۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے جس میں صدیق اکبر بھی تھے تو ایک شخص نے صدیق اکبر کو برا کہا اور زیادتی کی جس سے ان کو تکلیف پہنچی لیکن وہ خاموش رہے، دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اس نے برا کہا تو وہ خاموش رہے، لیکن تیسری مرتبہ میں صدیق اکبر نے اس کی گالی کا جواب دیا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس سے اٹھ گئے، صدیق اکبر نے اس پر آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترتا تھا جو اس برا کہنے والے کی تردید اور تکذیب کر رہا تھا، پھر جب تم نے اس کی گالی کا جواب دیا اور انتقام لیا تو وہاں بیچ میں شیطان واقع ہو گیا، شیطان کے واقع ہونے کے بعد میرے لئے وہاں بیٹھنا مناسب نہ تھا۔

اس کے بعد والی روایت میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ مذکور ہے: قالت ام المؤمنين دخل على رسول الله صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم وعندنا زينب بنت جحش اقول۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس گھر میں تشریف لائے اس وقت اتفاق

میرے پاس گھر میں زینب بنت جحش پہلے سے موجود تھیں (جس کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تھا) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست مبارک میری طرف بڑھا کر کچھ کرنے لگے یعنی چھو تا وغیرہ جو زود میں میں ہوتا ہے میں نے ہاتھ کے اشارہ سے زینب کا ہونا آپ کو سمجھا دیا آپ رک گئے، زینب سمجھ گئیں میرے اشارہ کو اور ان کو اس پر ناگواری ہوئی یہاں تک کہ عائشہ کو برا بھلا کہنے لگیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع بھی کیا ان کو مگر وہ رک نہیں کہتی ہی رہیں، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا اچھا تم بھی اس کا جواب دو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فصاحت و بلاغت کا کیا کہنا جب انہوں نے کہنا شروع کیا تو زینب کو مات دیدی، پھر زینب وہاں نہیں ٹھہری اور سیدیگی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچیں اور ان سے جا کر حضرت عائشہ کی شکایت کی کہ وہ تم سب کو یعنی بنو ہاشم کو برا بھلا کہہ رہی ہے حضرت عائشہ ہاشمیہ نہیں تھیں، اور حضرت زینب اپنی ماں کی طرف سے ہاشمیہ تھیں کہ وہ صفیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اسلئے بات قائدان پر آکر پڑ گئی، حضرت علی اور فاطمہ دونوں کو یہ بات بری معلوم ہوئی، چنانچہ حضرت فاطمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، آپ نے ان کو ایک مختصر سا جملہ فرمایا: انہا حبیبة ابی لث ورب العکبة، کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ میری چہیتی ہے (پھر میں اس کو کیا کہوں) یہ سن کر وہ لوٹ آئیں، اور واپس جا کر اپنے گھر والوں سے یہی بات نقل کر دی کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا مگر انہوں نے یہ جواب دیا، اس کے بعد حضرت علی آپ کے پاس آئے اور آپ سے اسی بارے میں گفتگو کی۔

**دو متعارض قصوں میں تطبیق و توجیہ** | مصنف نے اس باب الانصار میں یہ دو مختلف قصے ذکر فرماتے ہیں، پہلے قصہ کا تعلق صدیق اکبر سے تھا اور اس کے دوسرے کا ان کی بیٹی عائشہ سے، دونوں قصوں

میں یون بعید ہے جیسا کہ ظاہر ہے پہلے قصہ میں آپ کو انصار پر ناگواری ہوئی تھی اور یہاں اس دوسرے قصہ میں خود اس کا امر فرمایا، اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں، ایک یہ کہ صدیق اکبر کی شان بہت اعلیٰ و ارفع تھی عائشہ کا وہ مقام نہیں تھا اسلئے دونوں قصوں کا حکم الگ الگ ہے، ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ مقصود دونوں جگہ ایک ہی ہے یعنی دفع فتنہ، پہلے قصہ میں اس کا دفعیہ زیادہ بہتر سکوت میں تھا اور یہاں اس کا دفعیہ انصار ہی میں تھا، اور یہاں کہا جائے کہ صدیق اکبر کے قصہ میں جوانی کا روالی کرنے والا فرشتہ تھا اور جس سے انتقام لیا جا رہا تھا وہ کوئی اجنبی شخص تھا، اور اس دوسرے قصہ میں دونوں طرف اپنی ہی عزیزات تھیں، اس لئے یہاں جواب ملک کو پسند نہیں کیا گیا کہ وہ بھی اپنی ہی ہیں، اور یہاں کہا جائے کہ دوسرے قصہ میں زینب کا ایراد عائشہ سے لوٹ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتا تھا، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدافعت ہر سلم پر واجب ہے، اور ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری روایت سنداً ضعیف ہے محدثین نے اس پر کلام کیا ہے قال المنذری فیہ علی بن زید بن جبرعان لا یصح بحدیثہ، و ام محمد مجہولہ۔

### باب فی النهی عن سب الموتی

اذا مات صاحبکم فدعوک ولا تقفوا فیہ، یعنی جب تمہارا کوئی عزیز یا ساتھی مر جائے تو اس کو چھوڑو یعنی برائی کیساتھ

اس کا ذکر کرنا۔ "ولا تقوا فیہ" یہ جملہ ثانیہ اولیٰ کی تفسیر کر رہا ہے اور ترجمہ الباب بھی مصنف کا یہی ہے کہ مرنے والے کا برائی سے ذکر نہیں کرنا چاہیے، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے کتاب المناقب میں "طلب فی فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اسکے لفظ یہ ہیں: خیرکم خیرکم لاہلہ وانا خیرکم لاہلی، واذامات صاحبکم فذعوہ، اور اس کے حاشیہ میں، صاحب کے مصداق میں دو قول لکھے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد خود حضور اور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں، میرا انتقال ہو جائے تو میرے فراق میں زیادہ غمگین نہ ہوتا کہ ہر وقت مجھے یاد کرتے رہو بلکہ اپنے کام میں لگو، اور یا مطلب یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھ کو چھوڑ دینا میری عزت کو ایذا پہنچا کر مجھ کو ایذا نہ پہنچانا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ صاحبکم سے مراد ہے "احدکم" پھر اس کے مطلب میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے مساوی کا ذکر چھوڑ دو، اور یا مطلب یہ ہے کہ اس کو زیادہ یاد کرنا چھوڑ دو، اور اسکو یاد کر کے مت رو، باب کی دوسری حدیث میں ہے: اذکروا محاسن موتاکم، یعنی اپنے مردوں کے صرف محاسن بیان کیا کرو جو ان میں پائے جاتے تھے معایب مت بیان کرو۔

**شرح الحدیث من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم** حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ آپ نے مطلق موتی نہیں فرمایا بلکہ موتاکم فرمایا جو اشارہ ہے موتی المؤمنین کی طرف لہذا نبی کا تعلق ان اموات سے ہوگا جن کی موت علی سنیہ المسلمین ہو یعنی مسلمانوں کے طریق پر، اور جس کا طریقہ مسلمین کے طریقہ کے خلاف ہو مثلاً اہل بدعت تو اس کے معایب سے سکوت جائز نہیں تاکہ لوگ اس کے طریقہ کو اختیار نہ کریں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کے معایب کا اظہار اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اپنے نفس کی تشفی اور اہانت میت کے طور پر نہ ہو۔

## باب فی النهی عن البغی

کان رجلاً فی بنی اسرائیل متواخین فکان احدہما یدنب والآخر مجتہد فی العبادۃ الخ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت ہے کہ بنو اسرائیل میں دو شخص تھے ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست جن میں سے ایک گناہوں کا ارتکاب کرنے والا، اور دوسرا مجتہد فی العبادۃ، یعنی عبادت اور بجاہدہ کرنے والا، تو وہ عابد اپنے ساتھی کو گناہوں میں مبتلا دیکھتا تو اس کو ٹوکتا اور تنبیہ کرتا رہتا تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ کوئی گناہ کر رہا تھا اس عابد نے اس کو حسب عادت منع کیا تو اس نے کہا: خلیتی درجی، کہ تو مجھ کو میرے رب پر چھوڑ دے میں جانوں اور میرا خدا جانے اور یہ بھی کہا کہ کیا تو مجھ پر رقیب اور ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس پر اس عابد کو غصہ آیا اور کہا واللہ لا یغفر اللہ لک، یعنی قسم کھا کر کہہ دیا کہ تیری مغفرت نہیں ہوگی، پس جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا تو عالم برزخ میں ان دونوں کا معاملہ رب العالمین کے سامنے پیش ہوا تو اس عابد مجتہد سے جرح کی گئی کہ کیا تجھے اس بات کا علم تھا کہ میں اس کی مغفرت نہیں کروں گا، اور یا میری مغفرت و عدم مغفرت تیرے اختیار میں تھی اور اسکے بعد پھر یہ فیصلہ ہوا اس مجرم کے لئے کہ تو جنت میں چلا جا میری رحمت سے، اس عابد کے بارے میں کہا گیا کہ اس کو جہنم میں داخل کرو۔



قال ابو هريرة والذي نفسي بيده لا تكلم بكلمة اوتقت دنيا ولا اخرتها.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر فرماتا ہے میں قسم کھا کر کہ اس شخص نے اپنے منہ سے ایک لفظ نکالا تھا جس نے اس کی دنیا اور آخرت تباہ کر دی۔

اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ تمام گناہوں میں ایسا گناہ جس کی سزا آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی جلدی ہی ملتی ہے وہ تلم اور قطع رحمی ہے، ان دو کے علاوہ اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے۔

## باب فی الحسد

ایاکم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تا کل النار الحطب او قال العشب.

بچاؤ اپنے آپ کو حسد کرنے سے اسلئے کہ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو یا گھاس کو۔

حسد کی تعریف یہ ہے: تمنائے زوالِ نعمتِ غیر، حضرت ناظم (مولانا سعد اللہ) صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ہم نے اس طرح سنا تھا، اور ایک ہوتا ہے غبطہ کہ دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اس کے حصول کی تمنا کرنا، قطع نظر اس کے کہ اس کے پاس رہے یا نہ رہے، اور حسد میں اسکے برعکس مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس نہ رہے کچھ کو ملے یا نہ ملے۔

انہ دخل هو وابوہ علی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالمدينة۔ ہمارے موجودہ نسخہ میں اسکے بعد حدیث

کا یہ متن ہے۔ لا تشددوا علی انفسکم فی شدد علیکم فان تو ما شددوا علی انفسهم فشد د الله علیہم فتلاک بقایا ہم

فی الصوامع والديارات "و رہبانیتہ ابتدا عوہا ما کتبناھا علیہم، لیکن صرف اس متن کو ترجمہ الباب کیساتھ مطابقت نہیں ہے یہاں کسی نے روایت میں اختصار کیا ہے اور اس روایت کا کافی حصہ چھوڑ دیا گیا جو بعض دوسرے نسخوں میں ہے اور وہ متروک

حصہ ہمارے نسخہ کے حاشیہ پر مذکور ہے اس کو دیکھا جائے اسی کو ملانے سے حدیث کو ترجمہ الباب سے مطابقت ہوتی ہے، ہم پوری روایت کا مضمون لکھتے ہیں، عربی عبارت حاشیہ میں دیکھ لی جائے: سہل بن امامہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میرے والد

ابو امامہ حضرت انس کے مکان پر گئے مدینہ منورہ میں، اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ امیر مدینہ عمر بن عبدالعزیز تھے، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے بہت مختصر اور خفیف می جیسے مسافر مختصر نماز پڑھا کرتا ہے، جب حضرت

انس نے نماز سے سلام پھیرا تو میرے والد یعنی ابو امامہ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے یہ جو آپ نے مختصر نماز پڑھی یہ فرض نماز تھی یا نفل، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ فرض نماز تھی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسی ہی نماز پڑھتے

تھے، میں نے بالکل اسی طرح پڑھی ہے، ہاں کوئی چیز سہواً چھوٹ گئی تو وہ امر آخر ہے اور پھر حضرت انس نے وہ فرمایا جو اوپر متن میں ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوپر تشدد مت کرو، یعنی احکام پر عمل کرنے میں غلومت

کرو، اعتدال سے چلو ورنہ اللہ تعالیٰ واقعی شدت میں مبتلا کر دیں گے، یعنی اگر تم اپنے اوپر از خود تشدد کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ

تھیں اس تشدد کا ہی مکلف بنا دیں گے اس لئے کہ بعض اہل کتاب نے اپنے اوپر تشدد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر تشدد فرمایا اور آج کل ان صوامع اور گرجاؤں میں جو لوگ پیغم ہیں یہ ان ہی میں کے بقیہ اور بچے ہوئے ہیں یعنی جنہوں نے اپنے اوپر تشدد کیا تھا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے، وَمَنْ يَتَّبِعْ أَهْلَ عَادٍ فَابْتَدَأْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ مزید اس دوسرے نسخہ میں یہ ہے جس کا مضمون یہ ہے: سہل کہتے ہیں کہ میرے والد اگلے دن صبح میں پھر حضرت انس کی خدمت میں گئے اور حضرت انس سے کہا کہ باہر نہیں نکلتے کہ ذرا سوار ہو کر زمین کی سریر کریں عبرت اور غور کے لئے، تو انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے چلو یہ سوار ہو کر چل دیتے ممکن ہے اور بھی ساتھی ساتھ ہوں کیونکہ روایت میں جمع کا صیغہ ہے چلتے چلتے کچھ مکانات پر گذر ہوا کہ جن کے بسنے والے فنا ہو گئے تھے اور گذر چکے تھے، یہ مکانات ایسے تھے کہ انکی دیواریں اور چھتیں گری ہوئی تھیں تو اس کو دیکھ کر حضرت ابوامامہ نے حضرت انس سے پوچھا کہ کیا آپ ان گھروں کو جانتے ہو، یعنی کس کے تھے، تو انہوں نے جواب دیا ما بعد فنی بھاں باہلہا یہ صیغہ تعجب ہے، کہ مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہے ان گھروں کو اور ان میں بسنے والوں کو، اور پھر فرمایا کہ یہ ایسے لوگوں کے مکانات ہیں جن کو ہلاک و برباد کیا ہے ظلم اور حسد نے ان الحسد یطغی نور الحسنات، والبتی یصدق ذلك او یکذبہ کہ یہ حسد ایسی منحوس خصلت ہے کہ نور حسنات کو زائل کر دیتی ہے اور آدمی کا ظلم پر اتر آتا یہ اس حسد کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب یعنی نظر حسد کے لئے ظلم اس کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ نظر نظر حسد تھی، اور عدم یعنی (ظلم نہ کرنا) یہ نظر حسد کی تکذیب کرتا ہے، یعنی ظلم جو ہے وہ علامت ہے حسد کی، اور ترک ظلم اور عدم البتہ یہ علامت سے عدم حسد کی، والعیین تزی والکف والقدم والجد واللسان والفرج یصدق ذلك او یکذبہ، یعنی آدمی کی آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور ہاتھ بھی اور پاؤں بھی اور زبان بھی اور ان اعضاء کے زنا کی تصدیق یا تکذیب جو اصل ہے زنا میں یعنی فرج وہ کرتی ہے، یعنی ان اعضاء کے زنا کا ہونا اور نہ ہونا تصدیق فرج اور تکذیب فرج پر ہوتا ہے زنا بالفرج سے ان اعضاء کے زنا کا ہونا ثابت ہو جاتا ہے، اور ترک زنا بالفرج سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اعضاء کا زنا نہ ہوا ہے حدیث کا یہ آخری ٹکڑا اشارہ ہے اس حدیث مرفوعہ کی طرف جو کتاب النکاح میں باب ما یؤمر بہ من غرض البصر میں گذری

ہے: ان الله كتب علی ابن ادم حفظه من الزنا، فزنا العینین النظر وشرنا اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتہی والفرج یصدق ذلك ویكذبہ، اور اس کی شرح بھی وہاں گذر چکی۔

اس پوری حدیث کے بعد یہ حدیث ترجمہ الباری کے مطابق ہوئی ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے ان الحسد یطغی نور الحسنات۔

### باب فی اللعن

مضمون حدیث یہ ہے: جب کوئی شخص کسی دوسرے پر لعنت بھیجتا ہے یعنی لعنت کی بددعا کرتا ہے لعنة اللہ علیہ، تو پہلے

لے یعنی کسی صاحب النعم کی نعمتوں کی طرف دیکھنا کہیں تو صرف حرص اور غبطہ کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی بطور حسد کے ہوتا ہے اول کی علامت یہ ہے کہ اس صورت میں وہ شخص اس صاحب النعم پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور ثانی کی علامت یہ ہے کہ اس صورت میں وہ اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے۔

وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے تو آسمان کے دروازے بند کر لئے جاتے ہیں اس کے پھینکنے سے پہلے، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو اسی طرح زمین کے دروازے بھی بند کر لئے جاتے ہیں اس کے اترنے سے پہلے، پھر وہ لعنت دائیں بائیں ادھر اور ادھر گھومتی پھرتی ہے جب اس کو کوئی راستہ نہیں ملتا تو اس شخص کی طرف جاتی ہے جس پر بھیجی گئی تھی، پس اگر وہ شخص اس کا مستحق ہوتا ہے تو اسی پر پڑ جاتی ہے ورنہ لوٹ کر اس کے قائل ہی کی طرف آتی ہے، لہذا لعنت کی بددعا کرنے والے کو یہ دیکھ لینا چاہیے اچھی طرح کہ جس پر میں لعنت کر رہا ہوں وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں، کیونکہ وہ اگر اس کا اہل نہ ہوگا تو وہ لعنت لوٹ کر اسی کی طرف آئے گی۔

لا یكون اللعانون مشفعاء ولا شهداء، اس کی شرح میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جو لوگ دوسروں پر بکثرت لعنت بھیجتے ہیں اور وہ اس کے عادی ہیں تو قیامت کے دن وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوة والسلام والحقیۃ کے ان لوگوں میں سے نہ ہوں گے جو بروز قیامت تبلیغ انبیاء کی گواہی دیں گے، یعنی وہ اس شرف سے محروم رہیں گے، اور دوسرا مطلب یہ کہ دنیا میں یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کی شہادت قبول کی جائے، لاجل فسقہم، تیسرا مطلب یہ کہ ان لوگوں کو مرتبہ شہادت نصیب نہ ہوگا، کذانی ہا مش الیدل نقلاً عن النووی ۳۲۳۔ اس کے بعد روای روایت میں ہے کہ ایک شخص جو ہوا کی تیزی کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا چادر اوڑھنے میں کہ ہوا کی وجہ سے بار بار وہ گرتی تھی تو اس شخص نے ہوا کو لعنت کی بددعا دی تو آپ نے اس سے منع فرمایا: لا تلعنہا فانہا مامورۃ، کہ یہ ہوا تو اسی کی مامور ہے یعنی چلنے کی از خود تھوڑا ہی چل رہی ہے۔

### باب فیمن دعا علی ظالمہ

اس باب میں جو حدیث مذکور ہے وہ کتاب الصلوة میں گذر چکی ہے باب الدعاء میں، ترمذی میں روایت ہے: من دعا علی من ظلمہ فقد انتقم، یعنی ظالم کو بددعا دینا یہ اس سے انتقام لینا ہی ہے، لہذا وہ مظلوم بددعا دینے کے بعد یہ نہ سمجھے کہ میں نے صبر کیا، اللہ تعالیٰ مجھے اس صبر پر جزا کے خیر عطا فرمائے گا، کیونکہ وہ تو بددعا دے کر انتقام لے چکا۔

### باب ہجرۃ الرجل اَخا

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ آپس میں بغض مت رکھو یعنی اسباب بغض نہ اختیار کرو تاکہ بغض میں مبتلا نہ ہو، اور نہ ایک دوسرے پر حسد کرو اور نہ آپس میں قطع تعلق کرو، تدابروا یہ دہرے سے ماخوذ ہے، قطع تعلق میں یہی ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے کی طرف سے اپنا منہ موڑ کر اس کی طرف اپنی پشت کر دیتا ہے، اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اللہ تعالیٰ کے بند سے بن کر نہ کہ نفس و شیطان کے بند سے بن کر۔ ولا یحل لمسلم ان ینہجوا اَخا فوق ثلاث لیل، ایک مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے ترک سلام و کلام کرے تین دن سے زائد، مظاہر حق ۱۵۶ میں ہے: فائدہ: زیادہ تین دن سے اس قید سے سمجھا جاتا ہے کہ تین روز تک

ترک ملاقات حرام نہیں اسلئے کہ آدمی کی طبیعت میں غضب اور بد خلقی اور حمیت اور اتندان کے کے بیٹھ رہی ہے پس اس قدر معاف کی گئی، اور غالب یہ ہے کہ تین روز کے عرصہ میں خفگی جاتی رہے یا کمتر ہو جائے، اور اس سے پہلے باب ما نہی عنہ من التہاجر والتقاطع واتباع العورات اس کے ذیل میں لکھا ہے تہاجر کے معنی میں کاٹنا اور یہی معنی ہیں تقاطع کے، پس تقاطع بیان اور تفسیر ہے تہاجر کی اور مراد ان سے ترک ملاقات اور سلام بھائی مسلمان کا اور کاٹنا چوتھ صحبت کا اور اخوت اسلام کا زیادہ تین دن سے، اور عورات جمع عورت کی ہے اور عورت وہ ہے کہ شرم رکھے اور مکروہ جانے آدمی اس کے ظاہر ہونے کو، اور دوست رکھے کہ پوشیدہ رہے، یعنی عیب اور نقصان کہ آدمی میں ہیں، اور اتباع عورت، عیب چینی کرنی اور۔

قوله یلتقیان فیعرض ہذا ویعرض ہذا وخیرهما الذی یبدأ بالسلام۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہیں حلال واسطے کسی شخص کے یہ کہ ترک ملاقات کرے اپنے بھائی مسلمان سے زیادہ تین دن سے کہ میں دونوں پس منہ پھیر لے یہ ایک طرف کو وہ پھیر لے دوسری طرف، یعنی ایک دوسرے کو نہ دیکھیں (مظاہر حق) اور آگے لکھتے ہیں: اور مراد یہ ہے کہ اگر ترک ملاقات بسبب تفسیر اس کے حقوق کے ہو تو منع ہے مثلاً اس نے اس کی غیبت کی اور اس کی خیر خواہی نہ کی اس سے اس کو رنج ہو اور ترک ملاقات کی، تو یہ نہ چاہیے، اور اگر تفسیر امور دین میں کرتا ہے جیسے اہل احوار و بدعت تو اس سے ترک ملاقات کرنا ہمیشہ کو واجب ہے جب تک نہ ظاہر ہو تو یہ اور رجوع اس کی طرف حق کے، اور سیوطی نے موطا کے ماشیہ میں ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ کہا اجماع کیا ہے علمائے اس پر کہ جو کوئی ڈر رکھتا ہو کسی کے کلام کرنے سے اور ملنے سے اپنے دین کے فساد پر یا مفرت، دنیا پر، اور صلاح وقت پر تو جائز ہے اس کو کنارہ کشی اور دوری ڈھونڈنی اس سے باحسن وجہ یعنی بغیر واقع ہونے کے بیچ غیبت اور عیب گوئی اور کینہ اور عداوت کے انتہی، وخیرهما الذی یبدأ بالسلام سے متعلق لکھتے ہیں: اور ابتداء کرے یعنی پہلے کرے سلام علیک، اور رفع کدورت کرے، اس میں اشارہ ہے اس پر کہ گناہ ترک ملاقات کا جاتا رہتا ہے سلام سے، اور اس مقدار کفایت کرتا ہے، اس سے کم نہ چاہیے تا حق مسلمان ہاتھ سے نہ جاوے۔

من ہجر اخا سنة ذہو کسفت دمه۔ یعنی جو شخص ترک تعلق رکھے اپنے بھائی سے ایک سال تک تو وہ اس کے خون بہانے کے مانند ہے، مظاہر حق میں ہے یعنی گناہ ترک ملاقات کا اور خون کرنے کا قریب قریب ہے۔

تفتح ابواب الجنة كل يوم اثنين وخميس فيغفر في ذلك اليومين لكل عبد لا يشرك بالله شيئاً الا من

بين وبين اخيه شعناء فيقال انظر واھذین حتی یصلحا۔

شرح الی پڑھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں ہر پیر و جمعرات کو، پس مغفرت کی جاتی ہے ان دونوں میں ہر ایسے بندہ کی جو شرک نہ کرتا ہو مگر وہ شخص کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان دشمنی اور کینہ ہو پس کہا جاتا ہے ملائکہ سے کہ مہلت دو ان دونوں کو

یہاں تک کہ آپس میں صلح کریں، مظاہر حق میں اس حدیث کے ترجمہ میں اس طرح ہے: پس ہمیں رہتا بغیر بخشا کوئی مگر وہ شخص کہ ہے درمیان اس کے اور درمیان کسی مسلمان کے دشمنی اور کینہ ان پھر اس کے بعد ہے:

فائدہ: کھولے جاتے ہیں دروازے بہشت کے یعنی طبقات اس کے، یا بالافانے اور درجات اس کے کے ان دونوں میں رپرو جمعرات) واسطے کثرت رحمت کے کہ اترتی ہے ان دونوں میں، اور باعث ہے مغفرت کی، کذا قال علی، اور حضرت شیخ نے لکھا ہے کھلنا دروازوں کا کنایہ ہے کثرت مغفرت سے اور درگزر کرنے سے جرائم خلق سے اور دینے ثواب اور رفعت درجات سے اور صواب یہ ہے کہ محمول ہے یہ ظاہر پر اسلئے کہ حمل کرنا صوموں کا ظاہر بجز واجب ہے جب تک کوئی دلیل پھرنے والی ظاہر سے نہ ہو اور کھلنا دروازوں کا علامت عفو کی ہو، اور آگے لکھتے ہیں: اور یہاں تک کہ صلح کریں، تا، یہ ہے کہ مغفرت ہر ایک کی موقوف ہے اس کی صفائی پر اور زوال عداوت پر برابر ہے کہ دوسرا صاف ہو یا نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم، اور حضرت نے بدل میں حضرت گن گوی کی تقریر سے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ مقصود اس حدیث سے واللہ تعالیٰ اعلم یہ ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کے حسنات اور سیئات کا تقابل ہوتا ہے تو تقابل کے بعد جو شخص مغفرت اور عفو کا مستحق ہوتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے یعنی بشرطیکہ یہ مانع موجود نہ ہو جو حدیث میں مذکور ہے یعنی ہجران مسلم، اور اگر یہ مانع ہوتا ہے تو پھر اس کی مغفرت کو ترک ہجران اور آپس کے تعلقات کو درست کرنے تک مؤخر کر دیا جاتا ہے، وذلك لانهما لو قصد بهما هذا المعنى (عموم المغفرة في اليومين لكل مؤمن) لزم افعال البرديات الواردة في عذاب القبر ووزن الاعمال وغير ذلك الخ۔

قال ابو داود: اذا كانت الهجرة لله فليس من هذا ابشي، عمر بن العزير غطى وجهه عن رجل، امام ابو داود فرما رہے ہیں کہ اگر ہجران مسلم اللہ تعالیٰ کے لئے یعنی امر دین کے لئے ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں، حضرت عمر بن العزیر خلیفہ عادل نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھ کر اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لیا تھا۔

## باب فی الظن

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچاؤ اپنے آپ کو گمان سے، یعنی ظن اور گمان کا اتباع کرنے سے، یا بچاؤ اپنے آپ کو دوسرے کے ساتھ سو ظن سے، اسلئے کہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے، حدیث سے مراد حدیث النفس، اسلئے کہ سو ظن اکثر و بیشتر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے لہذا جھوٹی بات کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہوا (بدل) اکذب ہونے کی وجہ کسی نے واضح نہیں کی پس ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ صدق و کذب عموماً صفت ہوتی ہے کلام کی اور کلام کا تعلق ہے نسان سے بخلاف ظن کے کہ اس کا تعلق ہے قلب سے اور انسان کے باطن سے لہذا جو ظن خلاف واقع ہو گا وہ زیادہ قبیح ہو گا یہ نسبت اس کلام کے جو خلاف واقع ہو، واللہ تعالیٰ اعلم، اور حاشیہ ترمذی میں یہ لکھا ہے: ای انما اعظم من الحدیث الکاذب۔

ولا تحسسوا ولا تجسسوا، پہلا حارہلہ سے ہے اور دوسرا جیم سے، یعنی لوگوں کے عیوب کی تلاش مت کرو، دونوں لفظ ہم معنی ہیں، اور عیون المعبود میں علامہ مناوی سے نقل کیا ہے، لا تحسسوا ای لا تطلبوا الشئی بالجاسۃ کا ستراق السمع والبصار الشئی خفیۃ یعنی حاسہ سمع یا حاسہ بصر سے کوئی چیز دریافت کرنا، اور لا تجسسوا ای لا تترقوا غیر الناس بلطف کما یفعل الجاسوس، یعنی لوگوں کا حال لطیف حیلہ سے (بلطائف الحیل) معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، جس طرح جاسوس کیا کرتا ہے، گویا اول لفظ حاسہ سے اور یہ دوسرا جاسوسی سے ہے۔

## باب فی النصیحة

المؤمن مرآة المؤمن، والمؤمن من اخو المؤمن کیف علیہ ضیعتہ وریحہ من ورائہ۔  
مؤمن مؤمن کے لئے آئینہ ہے، اس کے چند مطلب لکھے ہیں (۱) اپنا عیب آدمی کو چاہئے کہ دوسرے میں دیکھے یعنی دوسرے کے ذریعہ اپنے عیب کا پتہ لگائے، جس طرح اپنے چہرے کا داغ دھبہ آئینہ کے ذریعہ سے معلوم کرتا ہے اسی طرح اگر کسی مؤمن کی خصلت تمہیں بری معلوم ہو تو یہ دیکھو کہ وہ اپنے اندر تو نہیں، اگر ہے تو اس کو زائل کرنے کی کوشش کرو، اسی طرح بہت سے عیوب اور بری عادتوں کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی، مشہور ہے کہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا حکمت از کہ آموختی؟ گفت از بے ادباں، تم نے یہ حکمت کس سے سیکھی، تو انہوں نے جواب دیا کہ بے ادبوں سے سیکھی، وہ اس طرح کہ جو خصلت مجھے ان کی بری معلوم ہوتی تو اس سے میں نے پرہیز کیا (۲) دوسرے کے اندر اگر کوئی عیب دیکھو تو اس پر خاموشی سے ظاہر کرو، بر ملا ٹوک کر رسوا مت کرو، جس طرح آئینہ آدمی کے چہرے کے نشان وغیرہ کو خاموشی سے بتا دیتا ہے (۳) ایک مؤمن کا دل دوسرے مؤمن کی طرف سے آئینہ کی طرح صاف ہونا چاہئے، اس کی طرف سے دل میں بغض اور کینہ نہ ہونا چاہئے۔

اور حدیث کے دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے ضیعة یعنی ما یحمل الضیاع جیسے مال اور چھوٹی اولاد، یعنی ایک مؤمن کو چاہئے کہ دوسرے مؤمن کے مال اور اولاد صغار کو اس پر روک کر رکھے یعنی ان کی حفاظت کرے۔

ویرحطہ من ورائہ اور اس کے پیچھے یعنی اس کی غیبت میں اس کی چیزوں کی حفاظت کرے۔

## باب فی اصلاح ذات البین

الاخیرکم بافضل من درجۃ الصیام والصلاۃ والصدقۃ؛ قالوا بلی، قال اصلاح ذات البین، وفساد

ذات البین الحالقة۔

ذات البین یعنی آپس کے تعلقات، ان کی اصلاح کا ثواب نفسی عبادات روزوں اور نماز سے زائد ہے، اور آپس کے احوال کا بگاڑ یعنی بچائے الفت اور محبت کے بغض و کینہ اور عداوت یہ مونڈ دینے والی خصلت ہے، یعنی دین کو ختم کر دینے والی جیسے اسرہ بالوں کو مونڈ دالتا ہے۔



لم یكذب من نثنی بین اثنتین لیصلح، یعنی جو شخص ایک شخص کی طرف سے دوسرے کو کوئی بات پہنچائے واقعہ کے خلاف ان کے درمیان مصالحت اور موافقت پیدا کرنے کے لئے، مثلاً دو شخصوں میں پہلے سے رنجش ہے کسی وجہ سے تو کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے پاس جا کر دوسرے شخص کی طرف سے یہ نقل کرے کہ وہ تمہاری تعریف کر رہا تھا تاکہ اس کے دل سے اس کی کدورت نکل جائے اور وہ باہم متفق ہو جائیں تو اس جھوٹ کو جھوٹ نہیں کہا جائیگا یعنی یہ جھوٹ کے حکم میں نہ ہوگا، جیسا کہ مشہور ہے دروغ مصالحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔

ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یخفی فی شیء من الکذب الا فی ثلاث۔  
حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی کذب کے بارے میں رخصت اجازت نہیں سنی سوائے تین موقعوں کے ایک وہ کہ جس کا مقصد جھوٹی بات سے اصلاح ذات البین ہو، دوسرے وہ جھوٹ جو لڑائی کے موقع پر دشمن کے ساتھ بولا جائے (اس کو پھاڑ دینے کے لئے) تیسرے بیوی کا شوہر سے یا شوہر کا بیوی سے آپس میں دل خوش کرنے کے لئے کوئی بات کہنا۔

### باب فی الغناء

عن الربیع بنت معوذ بن عمرو قالت جاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فدخل علي صبيحة  
بنتي بي فجلس علي فراشي كما جلسك مني فجعلت جوي يات يضربني بدف لهن ويندبن من قتل من ابائي يوم  
بدر الى ان قالت احداهن: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال دعني هذا وقرني الذي كنت تقولين۔

قال ابن ذكوان ربيع بنت معوذ سے روایت کرتے ہیں (ربیع کی شادی کے موقع کا ایک واقعہ جو انہوں نے خالد کو سنایا) جبکہ خالد ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ فرماتی ہیں (خالد کو خطاب کرتے ہوئے) کہ جس شب میں میری رخصتی ہوئی اس کی صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور اگر میرے بستر پر اس طرح تشریف فرما ہوئے جس طرح تو اس وقت میرے پاس بیٹھا ہے (چونکہ شادی کا دن تھا اس لئے) چھوٹی پچیاں دف بجانے لگیں (یعنی دھپڑا) اور جو میرے آبار جنگ بد میں شہید ہو گئے تھے ان کا نذہ یعنی مرثیہ پڑھنے لگیں، اشعار میں ان کا ذکر کرنے لگیں، ان بچیوں میں سے ایک نے یہ شعر بھی پڑھا: وفينا نبي يعلم ما في غد، کہ ہمارے میں ایسا نبی موجود ہے جو آئندہ کل کی بات کو جانتا ہے، تو آپ نے اس مصرع کو سن کر فرمایا: اس کو چھوڑ دے اس کو نہ پڑھ، اور جو دوسرے اشعار تو پڑھ رہی تھی وہ پڑھ چونکہ اس شعر میں علم غیب کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے مع انه لا يعلم الغيب الا الله، اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ربیع کے درمیان علاوہ محرمیت کا تو ہے نہیں تو پھر آپ ان کے

لے من قتل من ابائي میں آبار کا مصداق ان کے والد معوذ اور معاذ اور عوف دونوں ربیع کے چچا ہیں جن کو تغلیبا آبار کہہ دیا گیا۔

پاس کیسے تشریف فرما ہوئے، اسکے کئی جواب دیئے گئے، ایک یہ کہ آپ کی یہ نعمت القار حجاب کے ساتھ تھی، دونوں کے درمیان پروردہ حائل تھا یا یہ کہ یہ نزول حجاب سے پہلے واقعہ ہے، اور اگر نزول حجاب کے بعد کا واقعہ مانا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل مذہب میں وجہ اور کفین حکم حجاب سے مستثنیٰ ہیں، خوف فتنہ کے وقت ان کے بھی چھپانے کا حکم دیا۔ آجیے، ادراں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہے کہ اس سے محفوظ تھے، کذا قال الکرماتی، اور کوکب میں یہ ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حکم حجاب تھا ہی نہیں آپ کسی عورت کے لئے نا محرم نہیں تھے فی الواقع، لیکن آپ ان امور میں اپنے ساتھ معاملہ اجانب کا سافر ماتے تھے تعلیماً۔

اس طرح کے سوال و جواب کتاب الجہاد، باب فی رکوب البحر فی انزور، میں کانید خلی علی ام حرام بنت ملحان، والی حدیث کے ذیل میں گذر چکا جلد رابع ص ۳۔

مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: اس حدیث سے استدلال کر کے علماء نے کہا ہے کہ نکاح کا اعلان دہ بجا کر اور غنا کے ساتھ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے حدود کے اندر ہو، اور اس کے اندر گانے بجانے کے دوسرے آلات اور ساز کا استعمال نہ ہو اور عرف الشری میں ہے: الدف ما یكون مجلدا من جانب واحد، وصرح الفقہاء بعدم جواز الدف ذی جلاجل، یعنی دف وہ ہے جو ایک جانب سے بجا ہو جس کو دھپڑا کہتے ہیں، اور ایسا دف جو جلاجل یعنی جھانجھ کے ساتھ ہو اس کی حرمت کی فقہانے تصریح کی ہے۔

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المدينة لعنت العيشة لقدومه فرحاً بذلك۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے مدینہ میں (کسی سفر سے واپسی میں) تو آپ کی بخیر و سلامت واپسی کی خوشی میں بعض حبشیوں نے کھیل کو دکھایا اپنے نیزوں کے ساتھ۔

حراب جمع ہے حربہ کی چھوٹا نیزہ۔

## باب کراہیۃ الغناء والزمیر

غنا یعنی گانا اور زمر یعنی بجانا، بذل میں ہے: الزمر هو الغناء بحسن الصوت، اور عابثہ میں ہے: اصل الزمر الغناء بنفخ الصوت فی القصب ففی الصراح، زمر نائے زدن یعنی بانسری بجانا، وقال العینی: مشتقہ من الزمیر وهو الصوت الذی له صفر، یعنی زمر مشتق ہے زمیر سے، اور زمیر کہتے ہیں سیٹی دار آواز کو، وفی الحدیث عند مسلم وغیرہ: الجرس من امیر الشیطان، اما المعازف ففی الصراح (تعالیٰ) وهو جمع معرف یعنی چغانہ، وفی غیث اللغات: چغانہ جو بے باشت کہ آں راشگانہ جلاجل دریاں تعبہ کنند، وقال الحافظ فی الفتح ص ۴۳۔

المعازف آلات اللہو وقیل اصوات الملاحی وقیل الدنوف، ویطلق علی الغناء الخ، وفی الدر المختار ص ۱۳۸: المعرف آتہ اللہو، وتعقبہ ابن عابدین بانہ نوع منہ والعام الغرف کغلیس اھ، ویجوز بیح آلات اللہو عند الامام خلافاً لہما کما فی کتاب الغضب من الشامی، وفی کتاب البیوع من بحر الرائق ص ۱۱۱: الصحیح قولہ اھ۔

۱۔ مولانا رومی کی مشنوی شریف کی توابتداری ہی اس نقطہ سے ہے۔

۲۔ بشنوار نے چلی حکایت کی کند: وزجدایہا شکایت می کند

اس کی شرح حضرت تھانوی کی کلید مشنوی کے اندر دیکھی جائے۔

عن نافع قال سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال فوضع اصبعيه على اذنيه ونأى عن الطريق الخ۔  
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خادم دشاگرد نافع فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابن عمر کے کان میں بے تسری کی آواز پڑی تو  
اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں پر رکھ لیں اور راستہ سے ایک طرف ہو گئے اور راستہ سے دور نکل گئے، اور پھر پوچھا کہ اب تو  
نہیں سنائی دے رہا، میں نے کہا نہیں اس پر کانوں پر سے ہاتھ اٹھالیا، اور فرمایا ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ  
تھا تو آپ نے بھی ایسی آواز سن کر اسی طرح کیا تھا۔

قال ابروداؤح هذا حديث منك۔

حاشیہ کے نسخہ میں جو روایت ہے اس میں اس طرح ہے: فسمع صوت مزمار راع۔ یعنی یہ چرواہے کے بجانے کی آواز تھی۔

## باب الحكم في المختن

ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اتي بمختن قد خضب يديه ورجليه بالحناء فقال النبي صلى الله  
تعالى عليه وآله وسلم ما بال هذا؟ فقيل يا رسول الله! يتشبه بالنساء فامر به فنفى الى النقيع۔  
آپ کے پاس ایک مختن کو لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو ہندی میں رنگ رکھا تھا، آپ نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا؟ کہا گیا کہ  
یا رسول اللہ! یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، آپ نے اس کو شہر سے باہر نقيع کی طرف نکال دینے کا حکم فرمایا، یہ نقيع نون ہے  
مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے، نقيع کے علاوہ۔

مختن سے متعلق روایت کتاب اللباس۔ باب ما جاز في قوله تعالى غير اولى الاربية۔ میں گذر چکی، اور وہاں مختن کی قسمیں اور  
اس کا حکم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو مختن پائے جاتے تھے ان کے نام وغیرہ سب وہاں گذر گئے۔

عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم دخل عليها ومدها مختن وهو  
يقول لعبد الله اخيها ان يفتح الله الطائف عند اللثام على امرأة تقبل باريح وتدبر شمان فقال النبي صلى الله  
تعالى عليه وآله وسلم اخر جوهم من بيوتكم۔  
یہ روایت بھی کتاب اللباس میں گذر چکی۔

## باب في اللعب بالبنات

یعنی گڑیاں بنا کر ان سے کھیلنا۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كنت اللعب بالبنات فرما دخل علي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله  
وسلم وعندى الجوارح فاذا دخل خرجن واذا خرج دخلن۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گڑیاں بنا کر لڑکیوں کے ساتھ مل کر ان سے کھیلتی تھی بعض مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہو جاتے اسی حالت میں جب کہ میرے پاس دوسری بچیاں بھی کھیل میں ہوتیں، آپ کی آمد پر وہ باہر چلی جاتیں پھر جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ میرے پاس پھر آ جاتیں۔

بنات سے مراد چھوٹی چھوٹی تصویریں جسم بچیوں کی شکل میں مصنوعی کپڑے وغیرہ کی جن کے لئے ان ہی کے جسم کے مطابق کپڑے بھی بسے جاتے ہیں ان کو پہنانے کے لئے، گھر کی عورتیں اپنی چھوٹی بچیوں سے یہ چیزیں بنواتی ہیں تدریب کے لئے، تاکہ ان کو سینا پر روتا آجائے اور اس مصلحت تدریب ہی کی وجہ سے صورت منہیہ سے ان کی تخصیص کی گئی ہے، فقہار نے ان کی بیع و شراہ کو بھی جائز رکھا ہے، جمہور کی رائے یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ نہی عن الصور سے پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، اور حضرت عائشہ کیلئے اس کو جائز رکھا گیا لکن نہا غیر بالغة حیثتہ، لکن فی البذل عن فتح الورد، اور حاشیہ بذل میں ہے کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نسخ اور عدم نسخ میں تفصیل کے ساتھ اختلاف بیان کیا ہے، والی نسخ مال جماعة من السلف کاتی رسالہ تصویر ص ۱۰۴، اسی طرح حاشیہ بذل میں اس وقت میں حضرت عائشہ کی عمر کیا تھی، بالغ یا نابالغ، اس کے بارے میں علماء کی آرا لکھی ہیں، جو تفصیل دیکھنا چاہے حاشیہ کی طرف رجوع کرے اس میں کتابوں کے حوالے مذکور ہیں۔

اور اس کے بعد والی روایت کا مضمون یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوة تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو ان کے کھیلوں کا جو طاقچہ تھا جس پر ایک چھوٹا سا پردہ بھی لٹکا ہوا تھا ہوا چلنے سے وہ پردہ ہٹا اس کے بیٹے سے اس طاقچہ میں ان کے کھیل جو گڑیاں وغیرہ رکھی تھیں وہ نظر آنے لگیں، آپ نے اس طاقچہ کی طرف اشارہ کر کے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ اس میں کیا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میری گڑیاں ہیں، جن کے بیچ میں کپڑے کا بنا ہوا ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دو بازو تھے، آپ نے پوچھا کہ یہ بیچ میں کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کے اوپر یہ کیا لگ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اس کے دو پر ہیں، آپ نے فرمایا فرس لہ جنتان؟ کہ گھوڑے کے دو پر بھی ہیں! تو انہوں نے کہا کہ آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جو گھوڑے تھے ان کے پر تھے، وہ فرماتی ہیں کہ یہ سنکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھل کھلا کر ہنسے۔

## باب فی الارجوحة

ارجوحہ یعنی جھولا یعنی اس کا جواز اور ثبوت، اس باب میں مصنف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں جھولے پر جھول رہی تھی وانا مغمومة اور میرے سر کے بال جتہ جیسے تھے یعنی چھوٹے جیسے مردوں کے پنٹھے ہوتے ہیں، تو مجھ کو گھر کی عورتیں جھولے پر سے اتار کر لے گئیں، مجھ کو بنایا سنوارہ اور اس کے بعد مجھ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیا یعنی میری رخصتی کر دی اور آپ نے میرے ساتھ خلوت فرمائی جبکہ میں نو سال کی تھی، اور دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت مجھ کو بعض انصاری عورتوں نے یہ دعادی علی النبی والبرکة

قوله الله اني لعلى ارجوحة بين عذقين فجاءتني امي فانزلتني ولي جنيمة، اس حدیث میں اس جھولے کی شکل مذکور ہے وہ یہ کہ ایک مضبوط رسی کا ایک سر ایک درخت میں باندھ دیا جائے اور دوسرا سر دوسرے قریبی درخت میں اس رسی کے بیچ کا حصہ جو زمین کی طرف لٹکا ہوا ہے اس پر جھولا جائے، یعنی میری والدہ آئیں اور مجھے اس جھولے پر سے اتار کر لے گئیں جبکہ میرے سر کے بال پنٹھولنا جیسے تھے یعنی چھوٹے۔

### باب فی النهی عن اللعب بالنزد

من لعب بالنزد فقد عصی الله ورسوله، اور دوسری روایت میں ہے: من لعب بالنزد شيرف كأنها غمس يده في لحم خنزير ودمه، اس حدیث میں نزد شیر کے ساتھ کھیلنے کی ممانعت ہے کہ جس نے ایسا کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے اپنے ہاتھوں کو اس کھیل میں استعمال کیا تو گویا اس نے اپنے ہاتھ کو خنزیر کے گوشت اور خون میں ڈبو دیا۔ — اس کھیل کو ارد شیر بن بابک فارس کے بادشاہ نے وضع کیا اور چلایا تھا اسی لئے اس کو نزد شیر کہتے ہیں، لغت میں لکھا ہے کہ نزد ایک قسم کا کھیل ہے جس کو ارد شیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا، حاشیہ بذل میں ہے معنی سے نقل کرتے ہوئے کہ یہ کھیل حرام ہے، جس کی وجہ سے آدمی عند الامتہ الاربعہ مردود والشہادۃ ہو جاتا ہے، اور یہی حکم شریح کا ہے ائمہ ثلاث کے نزدیک، بخلاف امام شافعی کے کہ انہوں نے اس کو مباح قرار دیا ہے (المغنی ص ۲۵) (التعلیق الجرد ص ۲۸)

### باب فی اللعب بالحمام

یعنی کبوتر بازی، حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کسی کبوتری کی طرف دوڑا ہوا جارہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ شیطان ہے شیطان کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔  
حمارہ کو شیطان اس حیثیت سے فرمایا کہ وہ ذریعہ بنی اس شخص کی غفلت اور حماقت کا۔

### باب فی الرحمة

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهم ما يبلغ به النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال: الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا اهل الارض يرحمكم من في السماء۔

آپ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ رحم دل ہوتے ہیں دوسروں پر رحم کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے ہی پر رحم فرماتا ہے، لہذا زمین والوں پر رحم کرو، تو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

الحدیث المنسل بالاولیۃ | یہی وہ حدیث ہے جوہ المنسل بالاولیۃ سے مشہور ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کی ادلیت کا سلسلہ

سفیان بن عیینہ پر اگر ختم ہو جاتا ہے، اس سے اوپر یعنی صحابی کی جانب میں نہیں پایا جاتا، اور جنہوں نے اس کو مسلسل قرار دیا اخیر تک وہ غلطی پر ہیں۔

اس حدیث کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے صورت یہ ہے کہ جو استاد حدیث کی کسی بھی کتاب کو اپنے شاگرد کو پڑھانا شروع کرنے سے پہلے یہ حدیث اس کو سنا دے یا اس سے پڑھوائے۔

حدثنا حفص بن عمر قال نا شعبة، ح ونا ابن کثیر نا شعبة قال کتب الی منصور۔ قال ابن کثیر فی حدیثہ وقرآته

علینو قلت اقول: حدیثی منصور؛ فقال اذا قرآته علی فقد حدثتک به۔

شرح السنن اور حدیث و اخبار میں عدم فرق | اس حدیث میں مصنف کے دو استاد ہیں حفص بن عمر، اور ابن کثیر، اور ان دونوں کے استاد شعبہ ہیں، اور شعبہ کے استاد منصور ہیں، منصور کی روایت کے بارے میں

حفص نے تو شعبہ سے یہ نقل کیا؛ کتب الی منصور اور ابن کثیر نے شعبہ سے اس طرح نقل کیا کتب الی منصور وقرآته علیہ، یعنی حفص کی روایت میں تو یہ ہے شعبہ کہتے ہیں کہ میری طرف منصور نے حدیث لکھی، اور ابن کثیر نے یہ کہا شعبہ کہتے ہیں کہ منصور نے میری طرف لکھ کر بھیجی اور میں نے اس حدیث کو ان پر پڑھا بھی، اور پھر اگے ابن کثیر کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد منصور سے کہا اب اس کے بعد یعنی جب میں نے آپ کو یہ حدیث پڑھ کر سنا دی تو بوقت روایت حدیث یہ کہہ سکتا ہوں: حدیثی منصور؛ تو انہوں نے اسکی اجازت دیدی اور کہا کہ جب تم نے یہ حدیث مجھ پر پڑھ دی تو لوں کچھ کہوں کہ میں نے تم سے بیان کر دی، یہ سب سوال و جواب ابن کثیر کی روایت میں ہے حفص بن عمر کی روایت میں نہیں۔

ثم اتفقا: عن ابی عثمان، یعنی اس کے بعد جو سند آ رہی ہے اس میں حفص اور ابن کثیر دونوں متفق ہیں، دونوں کی روایت

میں جو کچھ فرق تھا وہ شروع میں تھا۔

اس سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ منصور کے نزدیک قرأت علی الشیخ کی صورت میں بھی حدیث کہہ سکتے ہیں، اور اس میں دوسرا

قول جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ شروع کتاب میں گذر چکا کہ قرأت علی الشیخ کی صورت میں اخبار اور سماع من لفظ الشیخ کی صورت میں حدیث استعمال کیا جاتا ہے۔

## باب فی النصیحة

یہ ترجمہ الباب مکرر ہے ابھی قریب میں گذر چکا۔

عن تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان الدین النصیحة

ان الدین النصیحة، ان الدین النصیحة، قالوا لمن یا رسول اللہ؟ قال، اللہ وکتابہ ورسولہ وائمة المؤمنین وعاتمہم۔

نصیحت کے معنی ارادۃ الخیر کے ہیں کہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ کرنا، اور جس کے ساتھ وہ ارادہ کیا جاتا ہے اس کو منصورح کہتے ہیں

اور یہ معنی بڑے جامع ہیں ہر بھلائی اور خیر اس میں آجاتی ہے حالانکہ لفظ نصیحت بہت مختصر سا کلمہ ہے مگر معنی اس کے بہت بڑے ہیں



اور میں کہتا ہوں کہ جس لفظ سے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے یعنی خیر خواہی وہ بھی اسی طرح نہایت جامع ہے۔

وہ خصیلت جو تمام دین کا خلاصہ ہے | اس حدیث میں ہے کہ آپ نے نہایت تاکید و تحقیق اور بڑی قوت کے ساتھ یہ فرمایا کہ دین نام ہے خیر خواہی کا یعنی دین کا خلاصہ یہ ہے، اس پر صحابہ نے دریافت کیا کہ خیر خواہی کس

کے لئے تو آپ نے فرمایا سب کے لئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی اور کتاب اللہ کے لئے اور رسول اللہ کے لئے اور مسلمان خلفاء اور بادشاہوں کے لئے اور عامہ مسلمین کے لئے، لیکن ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اس کے حال کے مناسب ہوتی ہے، لہذا نصیحت کے معنی ہوتے ہر شخص کے ساتھ بلکہ ہر شئی کے ساتھ اسکے شایان شان معاملہ کرنا، پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہوگی اور کتاب اللہ کے ساتھ اس کی شان کے مناسب، دھکڑا، اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کی عبادت اور ہر حال میں اسکے حکم کی اطاعت اور بجا آوری کرنا یہ نصیحت اللہ ہے، اور اسی طرح کتاب اللہ کی تعظیم ظاہر و باطناً، اس کی تلاوت کرنا اسکے معانی کو سمجھ کر اس کے احکام بجالانا یہ نصیحت لکتاب اللہ ہے، اسی پر قیاس کر لیا جائے اور سب چیزوں کو بھی، تو ہر چیز کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ کرنا جس کی دوسری تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے اعطاء رکل ذی حق حقہ، ہر ذی حق کو اس کا حق دینا، یہ تمام دین کا خلاصہ ہے اور لب لباب ہے، اس حدیث کے بارے میں امام نووی شرح مسلم مکہ میں فرماتے ہیں: ہذا حدیث عظیم الشان و علیہ مدار الاسلام کا سند ذکرہ من شرہ (یعنی اسکی شرح ہی سے پتہ چل جائیگا کہ واقعی یہ حدیث مدار الاسلام ہے) و اما ما قالہ جماعات من العلماء انہ احد اربع الاسلام ای احد الاحادیث الاربعة التي تجميع امور الاسلام، فليس كما قالوا بل المدار على هذا وحده، یعنی بعض علماء نے جو یہ بات فرمائی ہے کہ یہ حدیث بجز ان چار احادیث کے سب سے جن کے مجموعے میں تمام امور اسلام مضمون ہیں لہذا اس ایک حدیث میں جو تھائی امور اسلام آگئے ہیں یہ بات صحیح نہیں بلکہ تنہا اسی ایک حدیث پر تمام امور اسلام کا مدار ہے۔ و ہذا الحدیث من افراد مسلم، وليس لتیم الداری فی صحیح البخاری عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شئی، ولان فی مسلم عنہ غیر ہذا الحدیث، پھر امام نووی نے اس کی شرح بالتفصیل لکھی ہے۔

عن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بایعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی السمع والطاعة

وان انصح لكل مسلم قال فكان اذا باع الشئ واشترک قال امان الذي اخذنا منك احب اليانما اعطيناك  
فاختار حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی بات ماننے اور آپ کی اطاعت اور ہر مسلمان کے لئے نصیحت و خیر خواہی پر بیعت کی اب اس پر راوی کہہ رہا ہے کہ اس بیعت کے بعد حضرت جریر کا حال یہ تھا کہ اگر اپنی کوئی بھی چیز کسی کو فروخت کرتے یا کسی سے کوئی چیز پیسے دیکر خریدتے تو بیع و شرار کے تام ہو جانے کے باوجود اس سے یہ فرماتے کہ جو چیز ہم نے تجھ سے لی ہے وہ ہمارے نزدیک زیا، پسندیدہ ہے اس چیز سے جو ہم نے تجھ کو دی ہے لہذا ہم تو اس کو واپس کرنا نہیں چاہتے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ سے، لیکن میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اگر تجھ کو اپنی چیز جو تو نے ہم کو دی ہے وہ زیادہ پسند ہو اور تو اس کو مجھ سے واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے (کیونکہ نصیحت اور خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے)

یہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال احتیاط ہے کہ دوسرے کے شانہ ضرر سے بھی بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ بعض مرتبہ بائع کو بیع کے بعد اسی طرح مشتری کو شرار کے بعد اس کی رائے میں تبدیلی آتی ہے، بائع کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بیع نہ کرتا تو بہتر تھا، اور مشتری کو شرار کے بعد یہ خیال اور دوسرے گزرتا ہے کہ میں اس چیز کو نہ خریدتا تو بہتر تھا، اسلئے حضرت جریر ایسا کیا کرتے تھے، اور عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ مشتری شرار کے بعد یہ سوچتا ہے کہ میں نے بائع پر احسان کیا کہ اس کی چیز خرید لی اور اسی طرح بائع اپنی چیز بیچ کر مشتری پر احسان رکھنا چاہتا ہے کہ میں نے اتنی بڑھیا چیز تجھ کو کتنی سستی دیدی۔

## باب فی المعونة للمسلم

مضمون حدیث یہ ہے آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان سے اس کی کوئی اکھن اور پریشانی دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی بروز قیامت ایک اکھن دور کریں گے، حالانکہ دنیا کی اکھن آخرت کی اکھن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، اور جو کسی تنگ دست کو سہولت دے۔ دین وغیرہ کے معاملہ میں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ سہولت کا معاملہ فرماتے ہیں دنیا اور آخرت میں، اور اسی طرح جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اور اس کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے عیب کو چھپائیں گے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی اعانت میں ہوتے ہیں جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی اعانت میں رہے۔

## باب فی تغیر الاسماء

انكرو تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء ابائكم فاحسنوا اسماءكم۔  
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم سب کو قیامت کے روز تمہارا اور تمہارے آباء کا نام لے کر پکارا جائے گا، لہذا اپنے نام اچھے رکھا کرو، تاکہ اچھے ہی نام سے پکارے جاؤ، اس روایت میں تو یہی ہے کہ آدمی کو اس کے اور اسکے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا، لیکن بعض روایات میں یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو پکارا جائے گا یا سمارا امہاتہم جس کی حکمت بعض نے یہ بیان کی ہے تاکہ اولاد زنا کا حال فاش نہ ہو، اور بعضوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال کی رعایت میں کیونکہ ان کی نسبت تو ماں کی طرف متعین ہے، لہذا ان دونوں روایتوں میں تعارض ہوا، اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث الباب صحاح کی روایت ہے اور وہ دوسری روایت اس درجہ کی نہیں، اور یہاں کہ پھر دونوں روایتوں کو تغلیب پر محمول کیا جائے، یعنی نہ تو سب ہی کو آباء کے نام سے پکارا جائے گا اور نہ سبھی کو امہات کے نام سے پکارا جائے گا بلکہ بعض کو اس طرح اور بعض کو اس طرح، کذا فی البذل عن اللہجات، اور یا یوں کہا جائے کہ حدیث الباب پر خود کلام ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے: قال ابو داؤد ابن ابی زکریا لم یدرک ابا الدر دار۔

احب الاسماء الی اللہ عزوجل عبد اللہ وعبد الرحمن، سب سے زیادہ پسندیدہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دو

نام ہیں عبداللہ اور عبدالرحمن، اور اسی طرح جن ناموں میں عبدت کی نسبت اسماء حسنی میں سے کسی نام کی طرف ہوگی، اور حاشیہ بزل میں یہ ہے کہ ان دونوں کی اخصیت علی الاطلاق نہیں جیسا کہ ظاہر شامی سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ باعتبار عبودیت کے ہے اسلئے کہ پہلے لوگ نام رکھا کرتے تھے عبدالشمس وغیرہ، ورنہ سب سے زیادہ پسندیدہ نام محمد و احمد ہے۔

تَسْمُوا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ، وَاحِبِ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللَّهِ عِبْدَ اللَّهِ وَعِبْدَ الرَّحْمَنِ وَاصْدَقْهَا حَارِثًا وَهَمَامًا وَقَبِجَهَا حَرْبًا وَمِرَّةً، اس حدیث میں انبیاء کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب ہے لہذا اس سے اس کی تائید ہو رہی ہے جو اوپر شامی سے گذرا، اور حارث اور ہمام کو اصدق یعنی زیادہ سچا جو کہا گیا سو وہ ظاہر ہے اسلئے کہ ہر شخص حارث یعنی کمائی کی فکر والا ہے اور اسی طرح ہر شخص کے اندر ظم اور فکر پایا جاتا ہے، لہذا یہ دونوں نام ہر شخص کے اعتبار سے کسی کے موافق ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ذهبت بعبد اللہ بن ابی طلحة الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حین ولد والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی عباة لایہنا بعبیر الہ الا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ جب کسی کے یہاں ولادت ہوتی تو اس نو مولود کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیا کر آپ سے اس کی تحنیک لے کر آتے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے چھوٹے اخیانی بھائی عبداللہ کو اس کی پیدائش کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا برائے تحنیک، جب میں آپ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ عبا یعنی چوڑھے پہنے ہوئے تھے اور اپنے اونٹوں کو اپنے دست مبارک سے ہنار یعنی مخصوص تیل نظر ان مل رہے تھے (میری گور میں چھوٹے بچے کو دیکھ کر آپ سمجھ گئے کہ میں اس کو تحنیک کے لئے لایا ہوں) آپ نے پوچھا تیرے ساتھ کھجور ہے؟ میں نے آپ کو چنت کھجوریں پیش کر دیں، آپ نے ان کو اپنے دہن مبارک میں ڈال کر چبایا، ثم فغرفا، نغر بمعنی فتح، یعنی پھر آپ نے اس بچہ کا منہ کھولا اور ان چبے ہوئی کھجوروں کو اس بچہ کے منہ میں آپ نے ڈالا، وہ بچہ فوراً ان کھجوروں کو منہ چلا کر چوسنے لگا جس سے آپ کو تعجب ہوا اور فرمایا: جب انصار التمر کہ دیکھو انصار کو کھجور کتنی پسند ہے اور آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

## باب فی تغیر الاسماء القبیح

غیر اسم عاصیۃ وقال انت جمیلۃ، یعنی ایک عورت جس کا نام عاصیہ تھا، آپ نے اس کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا، عرب لوگ اس قسم کے نام رکھا کرتے تھے، عاصی، ظالم وغیرہ، تکبر اور تعلی کے طور پر کہ ہم کسی کی مانتے والے، کسی سے دینے والے نہیں ہیں اسلام نے اگر ایسے ناموں سے منع کیا۔ (بزل)

لہ یعنی جو نام عبد کے ساتھ ہوں۔  
تلہ یہ حنک سے ہے بمعنی تالو، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کھجور کسی ایسے شخص سے جو اگر جس سے عقیدت ہو نو مولود کے تالو پر لگانا ۱۳

ما سمیت ابتداءً؟ قال سمیتها برة۔ محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ زینب بنت ابی سلمہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ۔ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیٹی کا کیا نام رکھا، میں نے کہا کہ میں نے اس کا نام برہ رکھا ہے، انہوں نے کہا کہ میرا نام بھی شروع میں برہ تھا تو آپ نے فرمایا لا تزکوا أنفسکم اللہ اعلم باصل البیوتکم، کہ اپنی نیکی اور صلاح ثابت نہ کرو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کون ہیں نیکی والا تم میں سے، پھر میرے گھر والوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے میرا نام بدل کر زینب رکھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ زینب بنت ابی سلمہ کا نام برہ تھا تو آپ نے بدل کر زینب رکھوایا، اس پر عاصیہ بذل میں ہے کہ تاریخ خمیس ۴۷۲ھ میں جویریہ کے ذکر میں ہے کہ ان کا نام برہ تھا تو آپ نے بدل کر جویریہ رکھا۔ کرہ انی قال خرج من عند برة کذا فی المشکوۃ وقد ذکر مثله فی میمونۃ وزینب بنت جحش وزینب بنت ابی سلمہ، وکان اسم کل واحدة منہن برة۔ الی آخر فیہ۔ یعنی چست غور توں کے بارے میں یہی آتا ہے کہ ان کا نام برہ تھا آپ نے بدل کر ان کا نام دوسرا رکھا۔ ان رجلا یقال لہ اصوم کان فی النفر الذین اتوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الخ۔ یعنی ایک شخص جس کا نام اصوم تھا وہ ان لوگوں میں تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، یعنی بظاہر وفد بن کر، تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا اصوم، قال بل انت ذرعة، اصوم تو چونکہ مرم سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطع کے ہیں جس میں ایہام ہے قطع خیر و برکت کا اسلئے آپ نے اس کا نام زرعر رکھا، زرعر لغت میں کہتے ہیں کھیتی کے بیج کو اور کھیتی کی زمین کو بھی۔

انہ لعا وقد الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مع قومہ سمعہم یکنونہ باقی الحکمہ شرح بن ہانی اپنے والد ہانی بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد بن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کو لوگ ابوالحکم کے نام سے پکارتے ہیں تو آپ نے ان کو بلا کر فرمایا ان اللہ هو الحکم والیہ الحکمہ کہ حکم تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور حکم دراصل اسی کی صفت ہے، تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بات یہ ہے کہ جب میری قوم کا کسی بات میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں تو جو فیصلہ میں ان کے درمیان کر دیتا ہوں فریقین اس پر راضی ہو جاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ کام تو بہت اچھا ہے (مگر کنیت پھر بھی یہ نہیں ہونی چاہیے) پھر آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارے کتنے بیٹے ہیں تو انہوں نے بتلایا شرح مسلم، عبداللہ (تین بیٹے ہیں) آپ نے پوچھا کہ ان میں بڑا کون سا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ شرح، تو آپ نے فرمایا، فانت ابو شرح، یعنی بڑے بیٹے کے نام پر میری کنیت آپ نے تجویز فرمادی۔ شرح نام کے بہت سے رجال ہیں رجال حدیث میں سے اور یہ جن کا ذکر چل رہا ہے یہ تو شرح بن ہانی ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے تقریب میں مخضرم ثقہ، قتل مع ابن ابی بکر۔ بستان ایک شرح بن النعمان کوفی ہیں، ایک قاضی شرح ہیں وہ شرح بن الحارث الکوفی ہیں مخضرم ثقہ، وقیل لہ صحبہ۔

عن سعید بن المسیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لہ ما اسمک؟ قال: خزون،

قال انت سهل، قال: لا، السهل یوطلأ ویجتھن۔

سعید بن المسیب کے والد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے انہوں نے کہا خزن، تو آپ نے فرمایا انت سہل، یعنی نام بدل دے، بجائے خزن کے سہل رکھ، انہوں نے کہا کہ یہ نام مجھے پسند نہیں، سہل چیز تو روندی جاتی ہے، لوگ اس کو پامال کرتے ہیں اور ذلیل کرتے ہیں، ان کے پوتے سعید فرماتے ہیں، جب میں نے یہ واقعہ سنا اسی وقت مجھے انداز ہوا تھا کہ چونکہ میرے جد امجد نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تجویز کر دیا نام اختیار نہیں کیا بلکہ اس کو ناپسند کر دیا کہ اب ان کی نسل میں خزونت اور تشدد اور سختی چلتی ہی رہے گی۔

قال ابو داؤد: وغیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسم العاص وعزیز وعقلة وشیطان والحکم وغراب وحباب وشہاب فساہا ہشاما، وسعی خریا سگما، وسعی المضطجع المتبعث وارضنا سبئی عفرۃ سماہا خضریۃ، وشعب الضلالۃ سماہا شعب الہدیٰ وبنو الزینۃ سماہم بنو الرشدۃ، وسعی بنی مغویۃ بنی رشدۃ۔  
قال ابو داؤد ترکت اسانیدھا للاختصار۔

یہ سب وہ نام ہیں جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تغیر فرما کر دوسرا نام تجویز فرمایا اور ہر ایک کی سند مصنف کے پاس موجود تھی، مصنف خود فرما رہے ہیں کہ میں نے ان کی اسانید کو اختصاراً ترک کر دیا چونکہ یہ کتاب کا آخر ہے جو مدرسہ میں سال کے آخر میں پڑھایا جاتا ہے اسلئے میں سبق میں طلبہ سے کہہ دیا کرتا ہوں کہ جس طرح ہمیں کتاب ختم کرنے کی جلدی ہو رہی ہے، اسی طرح مصنف کو بھی جلدی ہو رہی ہے ان کی بھی تصنیف پوری ہو رہی ہے۔  
کتاب النکاح میں گذرا ہے کہ ولد الزنا کو ولد زنیہ کہتے ہیں، اور اس کے بالمقابل ثابت النسب کو ولد رشدہ کہتے ہیں۔

عن مسروق قال لقیتم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال من انت؟ قلت: مسروق بن الاعدع  
فقال عمر سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول الاعدع شیطان۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا مسروق بن الاعدع تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اجدع شیطان کا نام ہے۔ — ماقظ نے، اصابعہ میں مسروق کے والد اجدع کے ترجمہ میں لکھا ہے: انہ شاعر جاہلی اسلامی اور پھر آگے ہے کہ یہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا تھا، اور یہ مسروق بن الاعدع کا والد ہے، تو حضرت عمر نے اس کا نام بدل کر عبد الرحمن رکھا تھا، مسروق کے بارے میں تقریب میں لکھا ہے: ثقہ فقیہ عابد مخضرم، مسروق نام کے اور بھی رجال ہیں: مسروق بن اوس، مسروق ابن المرزبان، اور معارق السنن میں ہے: مسروق هو ابن عبد الرحمن الاعدع، وہی مسروق لانه سرق فی صغره، تو فی سنہ ۶۳ھ، یعنی ان کو مسروق اسلئے کہتے ہیں کہ ان کو ان کے بچپن میں کوئی چور اٹھا کر لے گیا تھا۔

لا تسمین غلامک رباحا ولا یسارا ولا نجیحا ولا افلحہ، جس طرح برے نام رکھنے سے آپ نے منع فرمایا ہے اسی طرح بعض اچھی قسم کے ناموں سے بھی ایک اور مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے جیسے رباح یسار وغیرہ مذکورہ بالا نام، اور اس کی

مصلحت خود ہی آپ نے فرمائی کہ ان ناموں میں نیک قالی کی بعض صورتوں میں نفی ہو جاتی ہے، مثلاً کسی نے پوچھا گھر میں ربارح ہے، یسار ہے تو اگر وہ گھر میں نہ ہو تو یہی جواب ملے گا کہ نہیں ہے جس میں صدقہ فسر اور رزق کی نفی بھی جاتی ہے۔  
انما هن اربع فلا تزیدن علی، حضرت عمرہ راوی حدیث اپنے شاگرد سے فرما رہے ہیں کہ دیکھو اس روایت میں میں نے تم سے صرف چار نام بیان کئے ہیں، اپنی طرف سے اس میں کسی اور نام کا اضافہ نہ کر دینا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یبلغ بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أختع اسم عند اللہ یوم القیامۃ رجل یسعی بملک الأملک۔

آپ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ نے ان کے نزدیک سب سے زیادہ گرا ہوا نام اس شخص کا ہوگا جس کا نام ملک الملک ہو۔  
یہ روایت صحیح بخاری ۹۱۶ میں بھی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: قال سفیان یقول غیرہ تفسیرہ: شاہان نشاء۔

## باب فی الالقاب

حدثنی ابو جبیرۃ بن الضحاک قال فینا نزلت ہذہ الآیۃ فی بنی سلمۃ: ولا تتنازروا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان، الخ۔

ابو جبیرہ کہتے ہیں کہ ہمارے یعنی بنو سلمہ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو ہمارے قبیلہ میں ہر شخص کے دو دو یا تین تین نام تھے تو بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ ان میں سے یعنی بنو سلمہ میں سے اس کا نام لیکر آواز دی اسے فلاں، تو بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ٹھہریے اس کو اس نام سے نہ پکاریے کیونکہ وہ ناراض ہوتا ہے اس نام سے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔  
ولا تتنازروا بالالقاب، کہ اپنے لئے برے لقب تجویز نہ کیا کرو۔

تنازرتے سے ماخوذ ہے، نیز مرد زن لقب، لقب ہی کے ہم معنی ہے، لیکن نیز کا استعمال لقب سور (برے لقب) میں ہوتا ہے لقب اس نام کو کہتے ہیں جو معنی وصفی پر دال ہو خواہ وصف حسن ہو یا وصف قبیح۔

## باب فی من یتکنی بابی عیسیٰ

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرب ابنالہ تکنی بابی عیسیٰ وان المغیرۃ بن شعبۃ تکنی بابی عیسیٰ فقال لہ عمر اما یفیک ان تکنی بابی عبد اللہ الخ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کی اس لئے پٹائی کی کہ اس نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ تجویز کی تھی، اور اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنیت ابو عیسیٰ تھی تو ان سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تم اپنی کنیت ابو عبد اللہ



رکھو تو انہوں نے عرض کیا کہ اچی! یہ کنیت تو میری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی تھی، اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کیا بات کہتے ہو ان کی تو اگلی پھلی سب لغزشیں معاف کر دی گئی تھیں، وانا لقی جلد جنتنا فلم یزل یکنی بابی عبد اللہ حتی ہلک، اور فرمایا کہ ہم تو حباب المار یعنی پانی کے بلبلہ کے اندر ہیں (بلبلہ بہت نازک اور تنگ ہوتا ہے) یعنی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور بڑوں کی ریس نہیں کرنی چاہیے، اس پر انہوں نے اپنی کنیت بدل دی، چنانچہ ہمیشہ ان کو مرتے دم تک ابو عبد اللہ ہی کہا گیا، یہاں پر دو نسخے ہیں ایک میں تو اسی طرح ہے اور ایک میں ہے: فی جلد جنتنا، جلد کے معنی تو اوپر آچکے، اور جلد کہتے ہیں تحرک اور اضطراب کو، یعنی اور ہم لوگوں کا معاملہ تو حرکت اضطراب میں ہے یعنی ڈالو اور حضرت گن گوی کی تقریر میں ہے کہ حضرت عمر کی مراد یہ ہے کہ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بعض مرتبہ ایسے امور جو فی نفسہ مکروہ ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ارتکاب مصلوٰۃ بیان جواز کے لئے کرتے ہیں تاکہ کوئی حرام نہ سمجھنے لگے ان کو، تو اس مکروہ کام میں صورت اتم پائی جاتی ہے وہ آپ کے حق میں تو معاف ہے بلکہ آپ کو تو اس پر ثواب ملتا ہے، لیکن دوسرے کے حق میں وہ فعل مکروہ ہی ہے۔

اور پھر آگے اس میں یہ بھی ہے کہ ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کی کراہت اسلئے ہے کہ اس میں ایہام ہے اس بات کا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اور پھر آگے فرماتے ہیں، اور شاید کہ امام ترمذی نے جو اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی ہے اس وقت تک ان کو کراہت کی روایت نہ پہنچی ہو، اور یہ کہ یہ کنیت ان کی طرف سے نہ تھی بلکہ ان کے ابا کی طرف سے تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کنیت بغیرہ بنی شعبہ کی رکھی تھی اگرچہ حضرت عمر نے اس کو بیان جواز پر محمول کیا ہے اس پر اور مزید کلام الکوکب الدرری کے مقدمہ میں مذکور ہے اس کو دیکھا جا سکتا ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے: و مال ابن عابدین الی الکراہۃ اذ قال فی باب الحظ والاباحۃ، ولا یسی علیہ، ولا ابی الحاکم، ولا ابی عیسیٰ۔ الی آخر ما قال۔

### باب فی الرجل یقول لابن غیرہ: یا بنی

یعنی کسی دوسرے کے بیٹے کو یا بنی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ عام طور سے لوگ عام محاورات میں اس طرح کہہ دیا کرتے ہیں: مصنف نے حدیث الباب سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا یا بنی حاشیہ بدل میں ہے کہ آیت: کہ ادعوہم لابانہم کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ بیٹے کو اسی کے باپ کی طرف منسوب کیا جائے، تو اس سے شبہ ہوتا تھا ابن غیر کو یا بنی کے عدم جواز کا، اور اسی لئے حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں حدیث الباب کو ذکر کیا ہے۔

## باب فی الرجل یتکني بأبي القاسم

تستوا باسمي ولا تكفروا بكنيتي، آپ فرما رہے ہیں کہ میرے نام پر نام رکھ سکتے ہو لیکن میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔ اس سلسلہ میں مصنف نے تین باب قائم کئے ہیں، دوسرا باب یہ ہے: باب فیمن رأى ان لا یجمع بینہما، جس میں مصنف نے یہ حدیث مرفوع ذکر کی ہے: من تشبی باسمی فلا یتکتی بکنیتي، من اکتی بکنیتي فلا یتسمی باسمی، یعنی ممانعت جمع بین الاسم والکنیة کی ہے، صرف نام رکھنے کی یا صرف کنیت کی نہیں، اگر کسی کا نام محمد ہے تو اس کی کنیت ابو القاسم نہیں ہونی چاہیے اور اگر پہلے سے کنیت ابو القاسم ہے تو نام محمد نہیں رکھنا چاہیے، اور تیسرا باب ہے: باب فی الرخصة فی الجمع بینہما، اور اس تیسرے باب میں مصنف نے حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میرے والد حضرت علی فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ کے بعد میرے یہاں لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟ تو آپ نے مجھ کو اس کی اجازت دی تھی، اور دوسری روایت اس میں یہ ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لڑکا پیدا ہوا ہے تو میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم تجویز کر دی، لیکن مجھ سے بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا کہ یہ بات آپ کو ناپسند ہے، تو اس پر آپ نے فرمایا: ما الذی اهل اسمی وحریم کنیتي، او۔ ما الذی حریم کنیتي واهل اسمی یعنی کون ہے وہ جس نے میرے نام پر نام رکھنا تو جائز قرار دیا اور کنیت کو ناجائز قرار دیا، مطلب یہ کہ دونوں ہی جائز ہے۔

مسئلہ الباب میں مذاہب علماء اہل السنن میں اختلاف روایات چونکہ تھا اسی لئے مصنف نے اس بارے میں متعدد باب قائم کئے، اس میں مذاہب علماء بھی مختلف ہیں، چنانچہ اس میں علماء کے پانچ قول مشہور ہیں (۱) بجوز التسمیة مطلقا ولا بجوز التکني، وهو مذہب الشافعی والظاهریہ، یعنی محمد نام رکھنا تو جائز ہے ابو القاسم کنیت رکھنا جائز نہیں، امام شافعی اور ظاہریہ کا مذہب یہی ہے (۲) لا بجوز التکني لمن اسمه محمد، ای الہنی عن الجمع، لاعن نفس التکني، یعنی نام اور کنیت دونوں جمع کرنے کی ممانعت ہے ہر ایک جدا جدا ہو تو جائز ہے (۳) کلاهما ممنوعان مطلقا یعنی نہ وہ جائز نہ وہ (۴) الہنی مطلق فی حیاتہ وبعد وفاتہ الہنی لمن اسمه محمد و احمد یعنی آپ کی زندگی میں تو منع مطلق ہے اور وفات کے بعد ممانعت جمع کی ہے (۵) بجوز الکل الآن ای بعد وفاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو مذہب الجمهور، یعنی منع کی روایات کا تعلق آپ کی حیات سے تھا، وفات کے بعد کچھ منع نہیں ہے، اور حاشیہ بذلی میں ہے وبسط الطحاوی ص ۲۹۵ الکلام علی المسئلہ وجمع منع التکني مطلقا سوار اسمہ محمد اولاد فی اشای ص ۲۹۶ جوازہما معا والہنی منسوخ۔

## باب فیمن رأى ان لا یجمع بینہما

تقدم الکلام علیہ آنفا۔

## باب فی الرخصة فی الجمع بینہما

تقدم الكلام علیہ ایضاً۔

## باب فی الرجل یتکفی و لیس لمولد

کنیت چونکہ عموماً لفظاً ابواء کے ساتھ ہوتی ہے جس کا بظاہر تقاضا یہی ہے کہ کنیت اسی بڑے عمر والے کی ہونی چاہیے جس کے اولاد ہو، لہذا اس کے رد میں مصنف نے یہ باب قائم کیا ہے حدیث الباب کے ذریعہ، جس کا مضمون یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابو عمیر تھی جس کے پاس ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا، ایک روز وہ چڑیا مر گئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حسب معمول ہمارے گھر تشریف لائے تو میرے اس بھائی کو غمگین دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کو کیا ہوا عرض کیا گیا کہ اس کی وہ چڑیا مر گئی تو اس پر آپ اس بچہ کی طرف متوجہ ہو کر تفریح کے طور پر اس کو خطاب فرماتے لگے: ابا عمیر ما فعل النعیر، مصنف کی غرض حاصل ہو گئی کہ کنیت چھوٹے بچے کی بھی ہو سکتی ہے۔

اس حدیث سے علمائے بہت سے مسائل مستنبط کئے ہیں، حضرت نے بذلہ میں پانچ چھ فوائد خطابی سے اس کی شرح میں نقل کئے ہیں، اور حاشیہ بذلہ میں ہے و ذکر الحافظ فی الحدیث فوائد اکثر من ستین (فتح مبدیہ ۴۴۲) اس حدیث کی شرح اور اس کے فوائد کی تفصیل میں مستقل ایک جزء بھی تصنیف کیا گیا ہے جس کے مصنف ابن القاص کے ساتھ معروف ہیں فقیہ ابو العباس احمد ابن ابی احمد الطبری الشافعی المعروف بابن القاص المتوفی ۲۳۵ھ، حافظ نے بھی فتح الباری میں ابن القاص کے ذکر کردہ فوائد کو لیا ہے اور پھر اس کے علاوہ مزید برآں بھی ذکر کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک بحث یہ بھی ہے کہ اس بچہ کا نام کیا تھا قیل اسمہ حفص وقیل اسمہ عبداللہ، اور منجملہ ان کے اس پرند جس کا نام حدیث الباب میں نُعْرُذُ کور ہے اس جانور کی تعریف یعنی اس کی صورت شکل وغیرہ اور یہ کہ عوام اس کو نعری سے تعبیر کرتے ہیں، مدینہ منورہ کا ایک مشہور پرند ہے جس کو وہاں والے پالتے ہیں، اور صاحب تاج میں اس کا ترجمہ بلبل سے کیا ہے۔

## باب فی المرأة تکفی

حدیث الباب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری جتنی ساتھنیں ہیں (سوکنیں) ہر ایک کی کوئی نہ کوئی کنیت ہے آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنی کنیت اپنے بیٹے عبداللہ ابن الزبیر کے نام پر رکھ لو، بیٹے سے مراد بھانجا، ان کی بہن اسماء بنت ابی بکر کا بیٹا، چنانچہ ان کی کنیت ام عبداللہ ہو گئی۔

## باب فی المعارض

کبرت۔ خیانة ان تحدث اخاك حدیثا هو لك به مصدق وانت له به كاذب۔

کبرت خیانت میں خیانت منصوب ہے بنا بر تیز کے گمانی قولہ تعالیٰ کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم یعنی کتنی بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ تو تجھ کو اس بات میں سچا سمجھے حالانکہ تو اس کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہو۔ اس حدیث کو مصنف نے معاریض پر محمول کیا یعنی توریہ، کلام کو اسکے ظاہری معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی مراد لینا جس کو مخاطب اور سننے والا تو محمول کر رہا ہو ظاہری معنی پر اور متکلم نے اپنی نیت میں چھپا رکھے ہیں دوسرے معنی (کلام کے قریب معنی چھوڑ کر، بعید معنی مراد لینا) مخاطب کو دھوکہ دینے کے لئے، اسی لئے حدیث میں اس کو خیانت کہا گیا ہے، توریہ اور تعریض کی اجازت بعض مواقع میں دوسرے کے ضرر سے بچنے کے لئے شریعت نے دی ہے، اور دوسرے کو مقابلہ میں ڈالنے کے لئے ممنوع ہے جس کو حدیث میں بڑی خیانت کہا گیا ہے۔

### باب فی زعموا

بئس مطیۃ الرجل زعموا، مطیۃ جس کی جمع مطایا آتی ہے بمعنی سواری، زعم کا استعمال قول حق اور باطل و کذب دونوں میں ہوتا ہے، اور زیادہ تر اس کا استعمال شک اور غیر یقینی بات میں ہوتا ہے، حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ لفظ زعموا یہ آدمی کی بہت بری سواری ہے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے ہر سنی ہوئی بات نقل کرنے کی خواہ اس کی کوئی واقعی سند ہو یا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اس قسم کی بات نقل کرے گا جو ایسی ہی سنی سنائی ہوگی تو وہ اس کو اسی طرح نقل کرے گا، یوں سنلے، اور لوگ یوں کہتے ہیں۔ تو گویا شخص مذکور نے زعموا کو اپنے کلام کا سلسلہ اور اس کی گاڑی چلانے کا ذریعہ اور اس کی سواری بنا رکھا ہے آپ اس پر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اس طرح بے سند باتیں نقل نہیں کرنی چاہئیں۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے اکنی بالمر کذب ان یحدث، بکل ما سمع۔

### باب فی الرجل یقول فی خطبۃ « انا بعد »

عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ہر فقال انا بعد۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لفظ انا بعد کا استعمال اپنے خطبات میں بکثرت احادیث میں وارد ہے، اہذا خطبہ میں اس کلمہ کا استعمال خطیار کے لئے مسنون ہے۔

۱۔ انا بعد پر مستقل ترجمہ امام بخاری نے بھی قائم کیا ہے دو جگہ کتاب الجمعہ اور صلاۃ الکسوف میں شرح نے تو امام بخاری کی غرض ترجمہ الباب سے وہی ذکر کی ہے جو ہم نے یہاں اوپر لکھی ہے یعنی اس لفظ کے استعمال کی سنیت خطبہ میں، اور حضرت شیخ نے تراجم بخاری (۱) میں اس میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے یعنی لفظ انا بعد کے استعمال کا جواز اس کے عدم جواز کا ایک لحاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ تقدیر عبارت انا بعد کی یہ لکھتے ہیں انا بعد الحمد والصلوٰۃ اور لفظ بعد اہتمام اور انتہاء کی طرف مشربہ جس سے شبہ ہو سکتا ہے حمد و صلاۃ کے انتہاء وانقطاع کا حالانکہ حمد و صلوٰۃ تو ہمیشہ اور علی الدوام اختیار کرنے کی چیز ہے

بلکہ خود بعض روایات میں حمد کے ساتھ دوام مذکور ہے بعض روایوں میں جیسے لَا يَكْفِيكَ الْحَمْدُ حَمْدَ إِدَا شَمَاعٍ دَوَامِكَ، وَلَا يَكْفِيكَ حَمْدُ إِخْوَانِكَ حَمْدُ مَنْ لَا يَمْتَنِي بِهِ، وغیر ذلک من الادعیہ، اور پھر اس کے بعد وہاں (الابواب التراجم) میں یہ بھی مذکور ہے، وَكَلِمَةٌ أَمَا بَعْدَ يُقَالُ لَهَا فَصْلُ الْخُطَابِ وَأَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ بِهَا قَيْلٌ وَأَوَّلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَيْلٌ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَيْلٌ يَعْرَبُ بْنُ مِطَّانٍ، وَقَيْلٌ كَعْبُ بْنُ لُؤَيٍّ، وَقَيْلٌ السَّجَّانُ بْنُ وَأَيْلٍ، وَقَيْلٌ قَسُ بْنُ سَاعِدَةَ أُمِّهِ۔

## باب فی الکرّم وحفظ المنطق

لَا يَقُولُونَ أَحَدَكُمْ الْكَرِيمَ فَإِنَّ الْكَرِيمَ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ وَلَكِنْ قَوْلُ أَحَدِ أَثَقِ الْأَعْنَابِ -

لفظ الکرّم میں راہ کا سکون اور فتح دونوں مقبول ہے یہ مہمدر ہے کرم مکرم کا، اور بمبالغتہ صفت بھی واقع ہوتی ہے رجل عدل کی طرح کہا جاتا ہے رجل کرّم، وامرأة کرّم، ورجلان کرّم، ورجال کرّم، مذکور ثنث، تشبیہ جمع اس میں سب برابر ہے، نیز اس کا اطلاق انگور اور اس کے درخت پر بھی ہوتا ہے، ابن قیم فرماتے ہیں کرم کے معنی ہیں کثرت الخیر والمنافع اور عرب لوگ انگور کی سیل کو بھی کرم سے تعبیر کرتے ہیں اسکے کثرت فوائد کا وجہ سے، اور پھر ان فوائد کو انہوں نے بیان کیا ہے، امام خطابی فرماتے ہیں کہ کرم چونکہ بہت اچھا نام اور اچھی صفت ہے عرب لوگ کہتے ہیں رجل کرم وقوم کرم، رجل کرم بمعنی کریم، اور قوم کرم ای کرام، اور انگور کی خوبیوں کی وجہ سے عرب اس پر بھی کرم کا اطلاق کرتے ہیں تو آپ نے انگور کا کرم نام رکھنے سے منع فرمایا اس اندیشہ سے کہ اسکے نام کی خوبی اور عمدگی کی وجہ سے لوگوں کو کہیں اس کے پینے کی رغبت نہ ہونے لگے، اور فرمایا کہ اس لفظ کے استعمال کے زیادہ لائق تو مرد مؤمن ہے اور بعض شارح نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ عرب لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی پہلے سے ہے کہ انگوری شراب کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے آدمی کے اندر کرم اور سخاوت کی صفت پیدا ہوتی ہے، آپ نے اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا، میں کہتا ہوں مفسرین نے بھی آیت کریمہ قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُفِّرُوا عَنْكُمْ مَنَافِعَ النَّاسِ مِمَّا كُفِّرُوا عَنْكُمْ مِنْهَا کے ذیل میں منافع فخر کے بیان میں لکھا ہے: وَمِنْ مَنَافِعِهَا لِقَضِيَةِ اللَّوْنِ وَحَمْلِ الْجَمِيلِ عَلَى الْكَرْمِ وَزَوَالِ الْهَمِّ وَرَفْعِ الطَّعَامِ الْخَيْرِ (الجملة) وَلَكِنْ قَوْلُ أَحَدِ أَثَقِ الْأَعْنَابِ، يَعْنِي الْكَرْمَ كَمَا بَعْدَ۔

## باب لَا يَقُولُ الْبُهْلُوكَ رَبِّي وَرَبِّي

لَا تَقُولُوا لِلْمَنَافِقِ سَيِّدًا فَإِنَّ أَنْ يَلِكَ سَيِّدًا فَتَنَادُوا سَغَطَمَ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ -

یعنی منافق آدمی کو سید نہ کہو، اس لئے کہ سید تو واجب الطاعة ہوتا ہے اور منافق اطاعت کے لائق ہے نہیں، بلکہ اسکی اطاعت باری تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

اے یعنی انگور سے بنی ہوئی شراب۔

## باب لایقال خبث نفسی

لایقولن احدکم خبثت نفسی ولیقئل یقست نفسی، یعنی جس وقت آدمی کا جی اندر سے خراب ہو رہا ہو، جی متلا رہا ہو جیسی قے جیسے پہلے کیفیت ہوتی ہے تو اس وقت میں یوں نہ کہو خبثت نفسی، بلکہ ایکے بجائے یوں کہو یقست نفسی، کیونکہ خبثت کا لفظ زیادہ سخت اور شنیع ہے لہذا بلا ضرورت شنیع اور قبیح لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

لا تقولوا ما شاء الله ویشاء فلان ولكن قولوا ما شاء الله ثم شاء فلان۔

یعنی جب کسی شخص نے کسی شخص کے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا ہو اور اس کی بھر پور مدد کی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ کام ہو گیا ہو تو اب وہ شخص دونوں کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کا بھی اور اس شخص کا بھی جو ذریعہ بنا تو اس کا ذکر اس طرح نہ کرے ما شاء اللہ وشار فلان واو عطف کے ساتھ کیونکہ اس سے شرکت اور مساوات کا دہم ہوتا ہے حالانکہ اصل مشیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے بجائے وشار فلان کے تم شار فلان کہنا چاہیے۔

فبئس الخطیب انت، یہ حدیث بسندہ و متنہ مکر رہے ابواب جمعہ باب الرجل یخطب علی قومس میں گزر چکی اور اس کی شرح بھی گزر گئی۔

عن رجل قال كنت رديف النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فغثرت دابته فقلت تعس الشيطان۔

ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ کا رديف تھا اتفاق سے اس سواری نے چلتے چلتے ٹھوکر کھائی تو اس پر میں نے کہا تعس الشيطان کہ اللہ تعالیٰ شيطان کا ناس کرے، اس پر آپ نے فرمایا کہ یوں مت کہو، اگر تو اس طرح کہے گا تو اس کی وجہ سے شيطان فخر اور تکبر میں آکر پھول جائے گا اور پھول کے ایک جڑ کے برابر ہو جائے گا، ویقول بقولہ، یعنی شيطان اس وقت خوش ہو کر اپنے دل میں کہے گا یا اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ دیکھو اس نے صحیح سمجھا کہ میری ہی طاقت سے ایسا ہوا ہے یعنی سواری نے ٹھوکر کھائی ہے، کیونکہ شيطان کو اس وقت بددعا دینے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بددعا دینے والے کے ذہن میں یہی ہے کہ یہ نقصان شيطان ہی نے کرایا ہے، شيطان اس پر خوش ہوتا ہے کہ دیکھو کہنے والے نے اعتراف کر لیا میری قوت کا، ولكن قل بسم الله یعنی بجائے پہلے جملہ کے بسم اللہ کہو تاکہ یہ سمجھ میں آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے) فانك اذ قلت ذلك تصاعق، اس لئے کہ جب تو بسم اللہ کہے گا تو اس کی وجہ سے وہ شيطان بجائے پھولنے اور بڑا ہونے کے چھوٹا اور گھٹتا چلا جائے گا اور ہوتے ہوتے مکھی کے برابر رہ جائے گا۔

اذ قال الرجل هلك الناس فهو اهلكهم، اهلك اسم تفضيل كاصيدته بھی ہو سکتا ہے اور باب افعال سے فعل ماضی

بھی، بعض مرتبہ آدمی تکبرانہ شان میں اپنے آپ کو معائب سے بری سمجھتے ہوئے دوسروں میں کیڑے نکالتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ تباہ ہو گئے ان کا ستیا ناس ہو گیا یعنی برے کاموں کی وجہ سے، تو ایسے شخص کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ جو شخص



دوسروں کے بارے میں یہ کہے اور کہے تو وہ خود ہی ان میں سے زیادہ ہلاک اور برباد ہونے والا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب ہلاک کو اسم تفضیل کا صیغہ مانا جائے، اور اگر اس کو فعل ماضی مانا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص نے اس طرح کہا یعنی ہلاک الناس تو وہ گناہ کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے واقعی اس نے ان کو ہلاک کر دیا ہو۔

قال ابو داؤد قال مالک: اذا قال ذلك تحزننا لما يري في الناس يعني في امرؤ يتهم فلا اري به بابسا واذا قال ذلك عجباً بنفسه وتصاعق الناس فهو المكروه الذي نهى عنه۔

امام مالک اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ کوئی شخص لوگوں کے بارے میں یہ کہے ہلاک الناس تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اس کا یہ کہنا لوگوں کے دینی نقصان سے رنجیدہ اور فکر مند ہونے کے طور پر ہے پھر تو ایسا کہنے میں کچھ حرج نہیں، اور اگر خود پسندی کے طور پر دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہوئے کہے تو اس صورت میں یہ ممنوع ہے۔

## باب في صلاة العتمة

لا تغلبنكم الاعراب على اسم صلاة تكمل الا وانها العشاء ولكنهم يعتمون بالابل۔

بعض اعراب مغرب پر عشاء کا اطلاق اور عشاء پر عتمة کا اطلاق کرتے تھے اعمام کے معنی تاخیر کے ہیں دراصل عتمة کے معنی ہیں ظلمت اور اعم کے معنی ہیں دخل فی العتمة یعنی اندھیرے میں داخل ہوا، یہ اعراب جانوروں کا دودھ شام کو تاخیر سے نکالتے تھے لہٰذا جب اندھیرا ہو جاتا تھا یعنی بوقت عتمة دودھ نکالتے تھے اور چونکہ یہی وقت عشاء کی نماز کا بھی تھا اس لئے وہ عشاء پر بجائے عشاء کے عتمة کا اطلاق کرتے تھے حالانکہ قرآن کریم میں عشاء کا لفظ وارد ہوا ہے نہ کہ عتمة تو گویا وہ عشاء پر لغتہ قرآن کو چھوڑ کر اپنے ایک دنیوی کام کے پیش نظر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے، آپ لوگوں کو ان اعراب کا اتباع کرنے سے منع فرما رہے ہیں یعنی عشاء کا نام بدلنے میں یہ اعراب تم پر غالب نہ آجائیں کہ جس طرح اس کو عتمة کہتے ہیں تم بھی عتمة ہی کہنے لگو، لیکن اس کے باوجود بعض احادیث میں بھی عشاء پر عتمة کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں کثرت اطلاق سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ لفظ غالب سے مفہوم ہوا ہے نفس اطلاق سے منع نہیں کیا گیا کبھی کبھار اس کو عتمة کہنے سے نہیں روکا گیا ہے۔

قال رجل من خزاعة لیتنی صلیت فاسترحمت فکانہم عابوا ذلك علیہ فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول یا بلال اقر الصلوة ارحنا بها،

قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے اپنی مجلس میں یہ بات کہی کہ میں پہلے نماز پڑھ لیتا تو بہتر تھا مجھے راحت مل جاتی یعنی

یہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ یہ اعراب جانوروں کا دودھ تاخیر سے تاریکی میں اسٹے نکالتے تھے تاکہ دودھ نقرہ کو دینا نہ پڑے کہ دودھ نکالنے کے وقت اکثر نقرہ پہنچ جاتے ہیں تو ان سے بچنے کے لئے تاریکی میں نکالتے تھے، تاکہ نقرہ کو پتہ نہ چلے۔

نماز سے فراغت پا کر سبکدوشی حاصل ہو جاتی، لوگوں کو ان کے اس لفظ پر اشکال ہو یا بظاہر اس لئے کہ اس کے اس کلام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ نماز ایک بوجھ ہے اس کے اوپر اور وہ اس پر ثقیل اور شاق ہے اس لئے نماز پڑھ کر اس بوجھ کو اپنے اوپر سے اتارنا چاہتا ہے، جب اس نے دیکھا کہ لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے تو اس نے اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کلام پیش کیا کہ اس طرح کہنا تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت بلال سے فرمایا تھا کہ نماز پڑھو اگر ہم کو راحت پہنچا۔

اس شخص کے کلام میں جو فاسد راحت مذکور ہے اس کے فی نفسہ دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو وہ مطلب جو ان لوگوں نے سمجھا اور پھر اس پر اشکال کیا اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں پہلے نماز پڑھ لوں تاکہ نماز میں مشغول ہو کر سکون اور راحت حاصل ہو کیونکہ نماز دراصل باری تعالیٰ کے ساتھ مناجات ہے جو واقعی راحت اور لذت کی چیز ہے مومن کے لئے لیکن ان لوگوں نے یہ مطلب نہیں لیا۔ — عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ینسب احدا الا الی الدین۔

یعنی آپ کسی شخص کی تعریف و تعارف کرانے میں اس شخص کے نام میں کام میں اور جملہ احوال میں دین کی نسبت ملحوظ رکھتے تھے اور آپ کا مطلع نظر ہر چیز میں دین ہوتا تھا لہذا آدمی کو چاہیے کہ اپنے نام اور کام ہر چیز میں دین کی نسبت کو ملحوظ رکھے، علامہ سنہدی فرماتے ہیں کہ بظاہر مراد یہ ہے کہ آپ نسبت الی الاجداد کا اعتبار نہیں فرماتے تھے اور اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ دینی نسبتوں کا اعتبار کرتے تھے جیسے ہجرت و نصرت وغیرہ۔

### باب فیما روی من الرخصة فی ذلك

فی ذلك، کا اشارہ صرف اوپر والے باب کی طرف نہیں ہے جو متصلاً گزرا بلکہ مجموعہ ابواب جو گذرے ہیں جن میں کلام کا ادب اور سلیقہ مذکور ہے ان کی طرف ہے، یعنی اصل تو یہی ہے کہ ہر کلام اور گفتگو پوری احتیاط کے ساتھ ہو اسکے اندر کوئی ثقیل اور غش لفظ نہ آئے نہ فخر و تکبر کی بو اور نہ شائبہ کذب وغیرہ، لیکن اس قسم کا مبالغہ جس سے مخاطب دھوکہ میں واقع نہ ہو اور معنی مرادی واضح ہوں، اتنی بے احتیاطی کی گنجائش ہے، اس ترجمہ کے تحت مصنف نے یہ حدیث ذکر کی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان فزع بالمدينة فركب النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فرس لابي طلحة

فقال ما رأينا شيئا، اوهارأينا من فزع، وان وجدنا لا لبحرا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں (رات کے وقت کما فی روایت) کچھ گھبراہٹ اور خوف پایا گیا، یہ روایت بخاری میں بارہ جگہ ہے ایک جگہ ہے فانطلق الناس قبيل الصوت فاستقبلهم النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قد سبق الناس الى الصوت وهو يقول لم تراعوا لم تراعوا وهو على فرس لابي طلحة عزمي ما عليه سرج في عنقه سيف، اور ایک روایت میں ہے،

فرسایقال له المنسوب، جس سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں باہر سے کچھ شورستانی دیا جس پر اہل مدینہ اس طرف دوڑے لیکن آپ سے آگے نکلے ہوتے باہر پہنچ گئے اور وہی میں فرمایا کہ گھبراؤ مت گھبراؤ مت کچھ نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا آپ نے اس گھوڑے کے بارے میں کہ ہم نے اس کو دریا کی طرح تیز رفتا پایا، اور ایک روایت میں ہے اس گھوڑے کے بارے میں: کان یقطف، یعنی وہ بطی السیر تھا اور ایک روایت میں ہے: وكان بعد ذلك لا یجاری، یعنی آپ کے اس پر سوار ہونے کی برکت سے وہ ہمیشہ کے لئے ایسا سریع السیر ہو گیا کہ مسابقت میں پھر اس کے کوئی برابر نہیں رہا۔

مصنف کی غرض تو آخری لفظ سے ہے: وان وجدناه لبحرا یہ مان، محققہ من المسئلة ہے آپ نے فرس پر مبالغہ فی التشبیہ کیلئے

بحر کا اطلاق فرمایا۔

## باب التشدید فی الکذب

ایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یدھی الی النار، بجا واپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے اس لئے کہ کذب رہنمائی کرتا ہے فجور کی طرف، فجور سے مراد یا تو مصیبت ہے یا خود کذب ہی ہے، اس لئے کہ اصل معنی فجور کے المیل عن الصدق والانحراف الی الکذب کے ہیں، یعنی جھوٹ کی نحوست سے آدمی بہت سے معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ایک جھوٹ دوسرے جھوٹ کی طرف ایجاڑتا ہے، اسی طرح پھر اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اور آگے آپ فرما رہے ہیں: اور فجور آدمی کو جہنم تک پہنچا دیتا ہے، اور تحقیق کہ آدمی جھوٹ بولتا ہے اور بہت زیادہ جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے، یا تو نامہ اعمال میں مراد ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ اس کے جھوٹا ہونے کی لوگوں میں شہرت کر دی جاتی ہے۔

وعلیکم بالصدق یعنی لازم پکڑو سچائی کو، اس لئے کہ صدق جو ہے رہنمائی کرتا ہے نیک اعمال کی طرف، اور یا پھر سے مراد صدق ہی ہے کہ ایک صدق دوسرے صدق کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جب ایک مرتبہ آدمی ہمت کر کے سچ بولتا ہے اور اپنے ظاہری نقصان کی پرواہ نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق ہوتی ہے آئندہ بھی صدق اختیار کرنے کی کیونکہ مشہور ہے نیکی نیکی کو کھینچتی ہے اور برائی برائی کو اور برے پہنچاتا ہے آدمی کو جنت کی طرف اور بیشک آدمی سچائی اختیار کرتا ہے اور اس کا قصد اور کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔

له ومن قول الاعرابی فی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقمہ بالشرک الوضی عمر۔ ماسہا من لقب ولادیر: اغفر لہ اللہ ان کان فجر۔

لہ اور حاشیہ بذل میں ہے: بسط ابن عابدین ص ۳۰۰ انواع الکذب وان کا کہا، والی یعنی لیس۱۲ اباح الکذب للامہ۱۳ وقال ص ۳۰۵: بل واجب فی مواضع، وبسط اسویطی

الروایات فی قولہ تعالیٰ: یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین، ص ۲۳۰۔ وانما یفتری الکذب ص ۲۳۱، وعد ابن حجر المکی فی الزواجر ص ۱۵۳۔

من الکبائر الکذب الذی فیہ حد وضرر، وبسط الکلام علی غیرہ، ولتقدم فی البذل ص ۲۸۶ الکلام علی قصۃ سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔

ویل للذی یحدث فیکنزب لیضحک بہ القوم، ویل له، ویل له۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ خسارہ ہے اور تیاہی ہے اس شخص کے لئے جو بات کرتا جھوٹا لگتا ہے لوگوں کو ہنسانے کے لئے، اور مجلس کو گرم کرنے کے لئے، پھر مکر فرما رہے ہیں آپ کہ اس کے لئے خسارہ ہے خسارہ ہے۔

لیضحک بہ القوم کی شرح میں بدل میں لکھا ہے کہ کذب اگر کسی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر ہوا تو امر آخر ہے اس کی گنجائش ہے اور محض تفریحاً یہ قطعاً حرام ہے۔

عن عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال دعوتی امی یوماً ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

قاعدتی بیتنا، فقالت ہا تعالیٰ اعطیک الخ۔

عامر بن ربیعہ عدوی کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک دن میری والدہ نے بلایا اور ہاتھ بڑھا کر کہا کہ لے، در سے آ، اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر میری والدہ سے فرمایا کہ تو اس کو کیا دینا چاہتی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں اس کو گھوڑی سی، تو اس پر آپ نے ان سے فرمایا (بس تو خیر) اور اگر تو اس کو کچھ نہ دیتی، یعنی دینے کا ارادہ نہ ہوتا ویسے ہی جھوٹ موٹ بند مٹھی دکھا کر بلاری تھی تو پھر یہ جھوٹ ہو کر تجھ پر لکھا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو ان کے رونے کے وقت پہلانے کے لئے یا ڈرانے کے لئے جو کلمات زبان سے نکالے جاتے ہیں وہ بھی جھوٹ اور غلط نہیں ہونے چاہئیں ورنہ کذب کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ (بذل عن اللغات)

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال کفی بالمرء اثماً ان یحدث بکل ما سمع۔

آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ آدمی کے گناہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو لوگوں میں نقل کرے، اس لئے کہ ہر سنی ہوئی بات کے لئے سچا ہونا تو ضروری ہے نہیں لہذا بلا تحقیق کے نقل نہیں کرنا چاہیئے۔

## باب فی حسن الظن

حسن الظن من حسن العبادۃ، اچھا گمان رکھنا بہترین عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی کوشش کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے یہ امید باندھے رہے اور یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں گے اور جو کچھ کوتاہی اس میں ہوئی اسکو درگزر فرمائیں گے، اور لوگوں کے ساتھ حسن ظن میں تفصیل ہے، پس اگر وہ اپنے مال اور چیز کی حفاظت کے معاملہ میں ہے تو یہ تو عبادت ہے نہیں بلکہ حذر اور احتیاط کے خلاف ہے اور اگر دوسرے امور میں ہے جو احتیاط طلب نہیں ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ حسن ظن عبادت میں داخل ہو جائے اس لئے کہ سور ظن (بدگمانی) جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ خالص گناہ ہے (بذل)

عن صفیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معتکفا نائمتہ ازورۃ لیلا ۶  
یہ حدیث کتاب الصوم، المعتکف یدخل البیت لحاجتہ میں گذر چکی۔

### باب فی العِدَّة

اذا وعد الرجل اخاه الخ۔ جب کوئی شخص کسی سے کسی چیز کا وعدہ کرے اور وعدہ کے وقت میں ارادہ اس کے پورا کرنے کا  
ہو اور پھر بعد میں کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔  
اس سے معلوم ہوا کہ ایفادہ وعدہ مکارم اخلاق سے ہے (اور واجب شرعی نہیں ہے) بشرطیکہ نیت اس کے پورا کرنے کی ہو،  
اور وہ جو وعدہ خلافی کو حدیث میں علامات نفاق سے قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو پورا کرنے کی نیت سے نہ ہو،  
اور بعض کی رائے یہ ہے کہ بدون کسی مانع کے وعدہ پورا نہ کرنا حرام ہے، اور شرائع سابقہ میں ایفادہ وعدہ مامور بہ اور واجب تھا۔  
(بذل عن اللغات)

عن عبد اللہ بن ابی الحمسل قال یا بیعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیع قبل ان یبعث و یقیت  
لہ بقیة فوعدتہ ان اتیہ بہا فی مکانہ فنسیت فذکرت بعد ثلاث فجمت فاذا ہو فی مکانہ فقال یا فتی لقد شققت  
علی انا ہا هنا منذ ثلاث انتظر ۵۔

عبد اللہ بن ابی الحمسل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک چیز خریدی تھی آپ  
کی بعثت اور نبوت سے پہلے جس میں آپ کے ثمن کا کچھ حصہ ادا کرنے سے باقی رہ گیا تھا، میں آپ سے یہ وعدہ کر کے چلا گیا کہ وہ باقی  
ثمن میں آپ کے پاس اسی جگہ لے کر آ رہا ہوں لیکن وہاں سے آنے کے بعد میں بھول گیا، تین دن گزرنے کے بعد مجھے یاد آیا،  
میں جلدی سے آیا آپ کو دیکھنے تو دیکھتا کیا ہوں کہ آپ اسی جگہ پر ہیں، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے لڑکے تو نے تو مجھے بہت مشقت میں  
ڈالا، میں تین دن سے یہیں ہوں صلی اللہ علی سیدنا محمد صادق الوعد الامین۔

### باب فیمن یتشبع بمالم یعط

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان امرأة قالت یا رسول اللہ! ان لی جارۃ۔ تعنی ضرة هل علی  
جناح ان تشبعت لہا بمالم یعط زوجی؟ قال المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور۔

ایک خاتون نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ایک سوکن ہے تو اگر میں کسی ایسی چیز کے بارے میں جو مجھ کو  
میرے شوہر نے نہیں دی اس پر یہ ظاہر کروں کہ میرے شوہر نے یہ کچھ کو دی ہے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں اس کے جواب میں آپ نے  
یہ فرمایا کہ المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے عدم جواز کو ایک مثال کے ساتھ تشبیہ

دیتے ہوئے بیان فرمایا۔

اس خاتون نے آپ سے تشبیح بمالم یعط الزوج کی اجازت چاہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنے والا تو اس شخص کے مشابہ ہے جس نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن رکھے ہوں یعنی جس کا پورا لباس جھوٹ کا ہو، کیونکہ عرب لوگ دو ہی کپڑے پہننے کے عادی تھے یہی ان کا پورا لباس تھا (انزار در رواہ) تشبیح کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ آدمی بھوکا ہونے کے باوجود بتکلف شکم سیر بنے اور اپنی شکم سیری ظاہر کرے۔

جھوٹ کے کپڑوں سے کیا مراد ہے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ جیسے کوئی شخص زیادہوں اور صوفیوں جیسا لباس پہنے اور واقع میں وہ زیادہ نہ ہوں جو اب کا حاصل یہ ہوا کہ تشبیح بمالم یعط جائز نہیں، یہ سراسر جھوٹ ہے، اور بعض شراح نے "ثوبی زور جھوٹ کے دو کپڑوں کی شرح یہ کی ہے کہ بعض لوگ بطور تفاخر اور اپنی ریاست ظاہر کرنے کیلئے ایسا کرتے کہ کرتے کی آستین میں اندر کی طرف ایک اور کپڑا اٹکا دیتے جو باہر سے جھلکتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے ماشاء اللہ تعالیٰ دو کپڑے پہن رکھے ہیں اور یہ دوسرے کرتے کی آستین ہے، اور ایک تفسیر لاہس ثوبی زور کی یہ کی گئی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کپڑے مستعار لے کر اور ان کو زیب تن کر کے ان پر اتارنے لگے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہ کپڑے میرے ہیں۔

## باب ماجاء فی المزاح

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اتى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال یا رسول اللہ احمی

فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انا حاملوہ علی ولدنا قبحہ۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھ کو سواری درکار ہے دیدیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہم تجھ کو سوار کریں گے اونٹنی کے بچہ پر (آپ نے یہ مزاح فرمایا) اس نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا وہ تو سواری کے کام کا نہیں، آپ نے فرمایا وهل تلد الابل الا النوق کہ بڑے اونٹ کو بھی تو اس کی ماں اونٹنی ہی بنتی ہے اور وہ اپنی ماں کا تو بچہ ہی ہوتا ہے۔

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استاذن ابو بکر علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فسمع

صوت عائشة عالیاً۔

یعنی ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حجرہ شریف کے دروازہ پر پہنچ کر استیذان کیا اندر داخل ہونے کی اجازت، اسی اثناء میں ان کو اندر سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زور سے بولنے کی آواز سنائی دی، جب وہ اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ کے طمانچہ مارنے لگے یہ کہتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آواز بلند کرتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے آگے بڑھ کر ان کو پہچانے لگے اور مارنے نہیں دیا، اور حضرت ابو بکر ناراض ہوتے ہوئے گھر سے نکل گئے، جب وہ چلے گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا، کیف رأیتنی انقذتک من الرجل



کہ دیکھ میں نے تجھ کو اس آدمی سے کیسا بچایا اس قصہ میں مزاج کی بات یہی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کے والد حضرت ابو بکر کو "رجل" سے تعبیر فرمایا، آگے روایت میں ہے کہ کئی دن گزرنے کے بعد حضرت ابو بکر پھر آپ کے اُستانہ پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی اندر داخل ہوتے وقت دونوں کو خوشی راضی دیکھ کر انہوں نے فرمایا ادخلانی فی سلمکما کہا ادخلتہما فی حدبکما، کہ مجھ کو دوستی اور سلامتی کے وقت بھی اپنے پاس بلا لو جس طرح لڑائی کے وقت بلایا تھا، یہ صدیق اکبر کی جانب سے مزاج ہے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قد فعلنا قد فعلنا، ہاں ہاں ایسے ایسے۔

عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی

غزوة تبوک وهو فی قبة من ادم۔

عوف اشجعی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا غزوة تبوک میں جبکہ آپ ایک چرمی قبہ (خیمہ) میں تھے میں نے سلام عرض کیا، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا داخل ہو جاؤ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اُکھی یا رسول اللہ، قال کلک کیا میں پورا اندر داخل ہو جاؤں، یعنی پورے جسم کو لے کر آپ نے فرمایا ہاں پورے ہی آ جاؤ، آگے دوسری روایت میں ہے من صغر القبة، یعنی یہ بات قبہ کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کہی گئی تھی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: یاذا الاذنین۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ کہہ کر بلایا یاذا الاذنین کہ اے دوکانوں والے، یعنی مزاہا آپ نے ایسا فرمایا، اور مزاج کے ساتھ اس میں مدح انس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ماشار اللہ ان کے دوکان ہیں دونوں سے سینتے ہیں، یعنی متیقظا اور چست و بیدار ہیں۔

## باب من یاخذ الشیء من مزاج

لایاخذن احدکم متاع اخیه لایعبا جاداً، اس جملہ کی شرح میں چند احتمال ہیں (۱) تم میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی کا

۱۰ حضرت شیخ نے حاشیہ بزل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج کی روایات کی طرف اشارہ حوالے لکھے ہیں، چنانچہ اس میں ہے قال المنادی صلی اللہ علیہ وسلم لیسفیان بن عیینة المزاج حجة؟ قال بل سبہ، لکن الشان فی من یحسنه ویضعه مواضعه ودخل الشیء ولیمہ فرأی اهلہا سکو تا فقال مالی اراکم کانکم فی جنازة، ابن القنار زین الدف الخ قلت وقد ثبت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فعلا وتقریراً لا تواریح العدیة من المزاج، منہامانی الشائل فی احفظناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زاهر من خلفہ وهو لایبصرہ ومنہامانی المرآة (مناقب عمر فی آخر الفصل الثانی) ص ۵۴ من لعل عائشہ وجہ سودہ بحریرة لایا ہما عن اکلبا، وضحکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی اللاسف ان التماری احدہ واحسانتا واخذنا سیاہتم وتقدم قریباً حدیث الغیراد۔

سامان نہ اٹھائے، ابتدا میں تو بطور مذاق کے اور بعد میں پھر واقعہ یعنی اٹھاتے وقت تو مذاق ہی ظاہر کیا تھا ساتھ ساتھ اور پھر بعد میں واقعہ ہی وہ چیز اپنے پاس رکھ لی، تو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی: لاعبا ابتداءً، جاداً انتہاءً (۲) بظاہر تو مزاحاً اور مذاق میں اور باطن حقیقتاً، یعنی لیتے وقت ظاہر تو یہ کر رہا ہے کہ ویسے ہی مذاق میں لے رہا ہے اور دل میں یہ ہے کہ واقعہ رکھ لوں گا، یعنی لاعبا ظاہراً و جاداً باطناً (۳) دوسرے معنی کا عکس یعنی ظاہر تو کرے کہ میں واقعہ لے رہا ہوں اس کو برا فرودختہ کرنے کے لئے اور واقعہ لینے کا ارادہ نہ ہو، یعنی لاعبا فی الواقع و جاداً فی الظاہر، (۴) لاعبا و جاداً، یعنی دوسرے کی چیز نہ مذاق میں نہ واقعہ۔

لا یحل لمسلم ان یردع مسلماً، پوری حدیث کا مضمون یہ ہے عبدالرحمن بن ابی لیبی بعض صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں جا رہے تھے ان کا ایک ساتھی پڑ کر سو گیا جس کے ساتھ اس کی رسی بھی تھی، اس کے کسی دوسرے ساتھی نے اس کی رسی کو اٹھا لیا ویسے ہی مذاق میں، اس کو ڈرانے کے لئے، جب اس کی آنکھ کھلی اور دیکھا کہ میری رسی غائب ہے تو گھبرایا، آپ کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی تو اس وقت آپ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔

## باب ماجاء فی التشدق فی الکلام

تشدرق تشدرق سے ماخوذ ہے بمعنی جبڑا، ہر انسان کے دو جبڑے ہوتے ہیں جن میں نیچے والا کھانے پینے اور کلام کے وقت میں متحرک ہوتا ہے، تشدرق فی الکلام سے مراد تکلف ہے یعنی بتکلف بات کرنا، یا منہ بھر کر کلام کرنا یعنی خوب کھل کر بغیر احتیاط کے، اور ایک تفسیر اس کی یہ بھی ہے کہ بات کرتے وقت منہ بنانا جس کو منہ چڑانا کہتے ہیں، دوسرے کو اذیت پہنچانے کے لئے۔

ان الله یبغض البلیغ من الرجال الذی یتخلل بلسانہ تخلل الباقرة بلسانہا، اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے ایسے فصیح و بلیغ سے بغض رکھتے ہیں جو اپنی زبان کو چلاتا ہے منہ کے اندر جس طرح گائیں گھاس کھانے کے وقت زبان چلاتی ہیں اور جو گھاس بھی منہ کے اندر پہنچے اس کو چبا جاتی ہیں مراد اس سے وہ شخص ہے جو تکلفاً و تصنعاً مبالغہ فی الکلام کرے جس کی زبان مسلسل چلتی ہی رہے اور چبا چبا کر باتیں کریں باقی نفس بلاغت اور طبعی فصاحت مذموم نہیں بلکہ تکلف فی البلاغۃ۔

من تعلم صرف الکلام لیسبی بہ قلوب الرجال والناس لم یقبل الله منه یوم القیامت صرف اولاد۔

جو شخص کچھ دار تقریر سیکھے لوگوں کے قلوب کو اس کے ذریعہ مقید کرنے کیلئے یعنی اپنی طرف مائل کرنے کے لئے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی نہ نفل عبارت قبول فرمائیں گے نہ فرض، اور ایک قول یہ ہے کہ صرف سے مراد توبہ اور عدل سے مراد فدیہ۔

بذل میں لکھا ہے کہ کتب مولانا محمد یحییٰ المرحوم فی تقریر قولہ لیسبی بہ القلوب، فالما لونی فیہ ان یؤثر کلامہ و وعظہ فی سبیل اللہ خالصاً فلاضیر، یعنی حضرت گت گوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مقرر زور دار تقریر اس نیت سے کرے تاکہ اس کے کلام اور

و عطا کا اثر قلوب میں ہوا اور وہ اس سے متاثر ہوں اخلاص کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے لئے تو اس میں کچھ حرج نہیں اہ

قدم رجالنا من المشرق فخطبنا فاعجب الناس، یعنی لیبیانہما۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم ان من البیان لسحرا۔ اور ان بعض البیان لسحر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دو شخص بلاد مشرق سے آئے انہوں نے الگ الگ تقریریں کیں، جس پر لوگوں کو تعجب ہوا تو اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ واقعی بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں، یعنی جادو کی طرح مؤثر قلوب کو مائل کرنے والے، پس اگر مائل کرنا قلوب کا حق کی طرف ہے تو وہ بیان ممدوح ہے اور اگر مقصود مائل کرنا الی الباطل ہے تو ایسا بیان مذموم ہے، وقد اطال الکلام فی معنی هذا الحدیث، شیخ الامام ابو ہلال العسکری فی کتابہ جمہرۃ الامثال والامام ابو الفضل المیدانی فی کتابہ مجمع الامثال۔ اور حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں علماء کے دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے مقصود مدح ہے کلام بلیغ کی اور کہا گیا ہے کہ مقصود مذمت ہے۔

اور یہ دو شخص آنے والے ان میں ایک کا نام زبیر قان بن بدر لکھا ہے اور دوسرا عمرو بن الاہتم اور دونوں صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور ان کی یہ آمد ۹ھ میں ہوئی (عون) بذل میں ان دونوں کی تقریر کا قصہ بھی لکھا ہے فارح الیہ لوشنت۔ اس کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ بظاہر اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مذمت فرمائی ہے اسکے طرز کلام کے تلون پر کہ اس نے ایک دن زبیر قان کی مدح کی اور دوسرے دن مذمت کی تو جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا، تو اس نے جواب دیا کہ پہلے دن جو کہا تھا وہ بھی صحیح تھا اور بعد میں جو کہا وہ بھی جھوٹ نہیں ہے، اس کا جواب بسر کر آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ ان عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یوما۔ وقام رجل فاكثر القول۔ فقال عمرو یوقصد

فی قوله لکان خیرا لہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: لقد رأیت۔ او۔ امرت ان

اتجوز فی القول فان الجواز خیر۔

ایک شخص نے ایک دن کھڑے ہو کر کافی لمبی تقریر کی تو اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنے کلام اور تقریر میں میانہ روی اختیار کرتا اور اتنی طولانی تقریر نہ کرتا تو اس کے حق میں بہتر ہوتا، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ میں مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے اس بات کا کہ بات کہنے میں اختصار کروں اسلئے کہ ایجاز و اختصار میں خیر ہے

## باب ماجاء فی الشعر

لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلی شعرا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی کا پیٹ اور اس کا اندرون

راد اور پیپ سے بھر جائے یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کا اندرون پر ہوا اشعار سے۔

مصنف کے شاگرد ابو علی اس حدیث کی شرح ابو عبیدہ قاسم بن سلام سے نقل کرتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اشعار اس کو تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے غافل کر دیں، لیکن اگر اس کے باوجود قرآن اور علم ہی غالب رہے تو یہ مذموم نہیں، اور ایسے شخص کے بارے میں یہ صادق نہیں آتا کہ اس کا پیٹ اشعار سے پڑھے، اور اس کے بعد پھر گذشتہ حدیث ان من البیان سحرًا کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ تقریر کے سحر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام اور بیان میں اتنا ماہر ہو جائے کہ ایک شخص کی مدح پر اتر آئے اور خوب اس کی مدح خوانی کرے جس میں صدق ہی کو استعمال کرے اور اسی سے کام لے جس سے لوگ اس مدوح کے معتقد ہو جائیں اور پھر اسی شخص کی مذمت شروع کر دے اور اس میں بھی کوئی واقعہ کے خلاف تملطبات نہ کہے یہاں تک کہ لوگ اس شخص کو مذموم سمجھنے لگیں یعنی جس طرح جس شخص کا اپنے زور تقریر سے قابل مدح ہونا ثابت کر دیا تھا، پھر اسی طرح اپنے کلام اور بیان سے اس کا قابل مذمت ہونا لوگوں کو باور کرادے، جیسے اس نے سامعین پر سحر کر دیا ہو۔

ان من الشعر حکمۃ اور دوسری روایت میں ہے حکمًا حکم کے معنی بھی حکمت ہی کے ہیں کیا فی قولہ تعالیٰ و آیتناہ لکم صبیًا یعنی واقعی بعض اشعار بڑی حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

عن بربیعہ بن الحصیب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ان من البیان سحرًا وان من العلم جہلاً وان من الشعر حکمًا وان من القول عیالاً، آگے متن میں اس حدیث کی شرح مذکور ہے اور اس شرح میں ان من البیان سحرًا کو مذمت پر محمول کیا ہے کہ ایک شخص ہے بڑا طرار اور لسان جس کے ذمہ دوسرے کا حق ہے لیکن وہ اپنے زور بیان سے لوگوں کو مسحور و مغلوب کر دیتا ہے اور صاحب حق کا حق خود قبضنا لیتا ہے، اور ان من العلم جہلاً کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کوئی عالم کسی مسئلہ میں جس سے واقف نہیں بہ تکلف رائے زنی کرے، تو اس کی یہ رائے زنی جو صورتہ علم ہے صاحب بصیرت کے نزدیک اس کو جاہل بنا دے گی، اور ان من الشعر حکمًا کے بارے میں کہتے ہیں کہ واقعی بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں حکمت و مواعظت کی باتیں ہوتی ہیں اور لوگ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں جیسا کہ مشاہد ہے۔

اور ان من القول عیالاً کہ بعض کلام لوگوں کے نزدیک وبال اور گراں ہوتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص تمہاری بات سننا نہیں چاہ رہا ہے اور نہ وہ اس کا اہل ہے تو تم اپنا کلام اس پر پیش کرنے لگو تو ظاہر ہے کہ وہ تو اس کے سینے سے اکتائے گا۔ مرعہ بحسان وهو ینشد فی المسجد، یعنی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوا جو مسجد میں بیٹھے ہوئے اشعار پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر گھور کر دیکھا یعنی تنبیہا، اس پر حضرت حسان بولے کہ اچی میں تو مسجد میں اس شخص کی موجودگی میں بھی اشعار پڑھتا تھا جو آپ سے بہتر تھے، یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یضع لسان منبرا

فی المسجد فیقوم علیہ۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کفار کے بھوکا جواب دیتے تھے، یعنی اشعار میں، نیز فرمایا آپ نے کہ حضرت جبریل حسان کی تائید میں ہوتے ہیں جب تک وہ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: والشعراء یبتغون الغاوان، فنسخ من ذلك واستثنی فقال

الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذكروا اللہ كثيرا۔

مطلب ظاہر ہے کہ آیت کے شروع میں جو آیا ہے کہ شعراء کا اتباع وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں، اس سے بظاہر عموم معلوم ہو رہا تھا کہ سبھی شعراء کا یہ حال ہے کہ ان کا اتباع کرنے والے گمراہ ہیں اس لئے آیت کے اخیر میں بعض شعراء کا استثناء کر دیا گیا جن کو ان کا شعر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت میں نہیں ڈالتا۔

## باب ماجاء فی الروایا

لیس یبقی بعدی من النبوة الا الروایا الصالحة، اس حدیث کی شرح کتاب الصلاة۔ باب فی الدعاء فی الركوع والسجود میں گذر گئی، ہاں حدیث کے لفظ یہ ہیں: لم یبق من مبشرات النبوة الا الروایا الصالحة براہ المسلم اذ تری لہ۔

روایا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة، آپ فرما رہے ہیں مؤمن کے خواب کے بارے میں کہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے یعنی علم نبوت کے اجزاء اور اس کے آثار میں سے ہے جس سے بعض آئندہ پیش آنے والے امور کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے اور بعض امور میں مؤمن کو اس سے رہنمائی مل کر تسلی حاصل ہو جاتی ہے، گو خواب حجہ شرعیہ نہیں ہے لیکن آدمی کے بعض نجی اور ذاتی امور میں (بلکہ اجتماعی امور میں بھی) رہنمائی کا ذریعہ ضرور ہے بشرطیکہ خواب مرد مؤمن کا ہو، قال الخطابی: معنی هذا الکلام تحقیق امور الروایا تاکیداً، اور پھر آگے انہوں نے حدیث کی شرح فرمائی، خطابی بھی یہی فرما رہے ہیں کہ اس حدیث سے روایے صالحہ اور سچے خوابات کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے اہ لہذا وہ جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو خواب کی بات ہے، خواب کا کیا اعتبار مطلقاً ایسا کہنا درست نہیں۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ مرد مؤمن کا خواب نبوت کے چھالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے، اس عدد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ان جملہ روایات کا خلاصہ حاشیہ بذیل میں فتح الباری ص ۲۹۴ سے نقل کیا ہے قال الخطابی: وجملہ ماورد من العدد فی ذلک

لہ حضرت شیخ کے حاشیہ بذیل میں ہے واختلف فی حقیقة الروایا علی احوال ذکرها الخطابی فی لفتح ص ۲۸۲ اشداً البسط، ویقال الروایا تخص بانام والرؤیة بالیقظة، وقیل الروایا عام کما بسطه القسطلانی فی الواجب والزنی قانی فی شرحی بحث اللعرج، وفی الفتاویٰ محمدیہ لابی حمزہ ص ۱۰۰ تخلیق من اللہ سبحانہ وتعالیٰ وبالظن غیر ذلک من الاقوال، وبسط الاختلاف فیہا فی شرح الشامل ص ۲۸۹، والکوکیب ص ۶۱، ومقدمہ تعطیر الانام وغیرہا من کتب التعمیر و ذکر فی اعلام الموقعین ص ۶۹ اصول التعمیر۔





اذا اقترب الزمان لم تكذب رؤيا المسلم ان تكذب، واصلد قهر روبا اصد قهر حديثا۔

جب زمانہ قریب ہوگا تو قریب نہیں یہ بات کہ مسلمان کا خواب جھوٹا ہو (بلکہ سچا ہی ہوگا) اقرب زمان سے کیا مراد ہے اس میں تین قول ہیں (۱) اس سے مراد قرب قیامت ہے کہ اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب مسلمانوں کے اکثر کیا بلکہ تمام ہی خوابات سچے ہوں گے۔ (۲) دن اور رات ۵ برابر ہونا جیسا کہ ایام ربیع یعنی موسم بہار میں ہوتا ہے، یہ تفسیر آگے کتاب میں بھی آرہی ہے کہ یہ زمانہ اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے نہ زیادہ گرمی نہ زیادہ سردی، اس سے معلوم ہوا کہ خواب کے صحیح اور سچا ہونے میں موسم کا بھی دخل ہوتا ہے۔ (۳) اس سے مراد قرب اجل ہے یعنی بڑی عمر میں یعنی سن کہولت اور شوخت میں جو خواب دیکھے جائیں (بذل) آگے فرماتے ہیں کہ جو آدمی جتنا زیادہ سچا بات کا ہوگا اتنا ہی سچا خوابات کا بھی ہوگا (جھوٹے آدمی کا خواب بھی اکثر جھوٹا ہی ہوگا۔)

والرؤيا ثلاث، فالرؤيا الصالحة بشرى من الله تعالى والرؤيا تحزين من الشيطان، اور رؤيا معا يحدث به

المرء نفسه۔ آپ فرما رہے ہیں کہ خوابات تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) روئے صالحہ یعنی سچے خواب، یہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مردوں کے لئے بشارت ہوا کرتے ہیں (۲) بعض خوابات شیطان کی طرف سے تحزین ہوتے ہیں یعنی آدمی کو رنج و غم میں مبتلا کرنے کے لئے شیطان کی جانب سے (۳) وہ خواب آدمی جو باتیں دل میں سوچتا ہے تو یہ خواب اسی کا آئینہ دار ہوتا ہے یعنی جس طرح کی باتیں آدمی کے ذہن میں بیداری میں گھومتی رہتی ہیں بعض مرتبہ وہی خواب میں دیکھتا ہے، لہذا یہ اخیر کی دونوں قسمیں قابل اعتبار نہیں۔

واذا رأى احدكم ما يكره فليقم فليصل ولا يحدث بها للناس، جب کوئی شخص تم میں سے مکروہ اور ناگوار خواب دیکھے اور دیکھتے دیکھتے آنکھ کھل جائے تو اس کو چاہئے کہ کھڑا ہو کر وضو کر کے دو رکعت پڑھے اور دن میں اس خواب کا کسی سے ذکر بھی نہ کرے۔

روئے صالحہ اور غیر صالحہ کے آداب ناگوار خواب سے متعلق اس حدیث میں یہ دو ادب بیان کئے گئے ہیں، علمائے اس کے

چھ آداب بیان کئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے پتہ مانگنا اس خواب کے شر سے، اور شیطان کے شر سے، اگر اس خواب کو دیکھ کر آنکھ کھلے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے، اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کرنا، اٹھ کر دو رکعت پڑھنا، پہلے سے جس کروٹ پر لیٹا ہوا تھا اس کو بدل لینا، ان میں سے اکثر آداب آئندہ روایات میں آرہے ہیں۔

اور اسی طرح روئے صالحہ کے بھی کچھ آداب ہیں، شرح نے اس کے تین آداب لکھے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی حمد بجالانا اور اس کا شکر ادا کرنا (۲) دل میں اس پر خوش ہونا (۳) اپنے چلنے والوں اور محبت کرنے والوں سے اس کا ذکر کرنا۔

وأحب القيد واكرة العقل، یعنی آدمی یہ خواب دیکھے کہ اس کے پاؤں میں رسی پڑی ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ کو یہ پسند ہے

لہ بظاہر اس لئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہ یہ زمانہ فتن اور اختلافات کا زمانہ ہوگا جس میں مردوں رہنمائی کا زیادہ محتاج ہوگا اور خوابات کا فائدہ رہنمائی ہی ہے تنبیہ یا تبشیر بذاتہ بظاہر بال۔ لہ بذل میں اسکو حدیث مرفوعہ ہی کا ٹکڑا ہونے کی حیثیت سے لکھا ہے لیکن منذری وغیرہ شرح کہتے ہیں کہ یہ جملہ حضرت ابوہریرہ کی جانب سے مرفوع ہے مرفوع نہیں ہے۔

اور کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے گلے میں طوق پڑا ہے اس کے بارے میں آپ فرما رہے ہیں کہ یہ مجھ کو ناپسند ہے آپ فرما رہے ہیں کہ قید کی تعبیر بہت اچھی ہے ثبات فی الدین، دین میں پختگی، اور غل کے بارے میں آپ نے نہیں کچھ فرمایا شاید اسلئے کہ وہ اہل نار کی صفت ہے۔

قال ابو داؤد اذا اقترب الزمان انما یہ معنی معانی ثلاثہ میں گذر گئے۔

الروایا علی رجب طائر ما لم تعبیر فاذا عبرت وقعت، ایک قول اس حدیث کی شرح میں یہ ہے کہ خواب کی جب تک تعبیر نہ لی جائے اس کا وقوع نہیں ہوتا، یعنی جو کچھ مصداق ہے اس خواب کا وہ پایا نہیں جاتا تعبیر کے بعد ہی اس کا وقوع اور استقرار ہوتا ہے، اور جب تک تعبیر نہ لی جائے تو اس کی مثال اس شئی کی سی ہے جو کسی پرند کے پنجہ پر رکھی ہو، اور جو چیز پرند کے پنجہ پر ہوگی اس کو تو استقرار نہیں ہوتا، جہاں وہ پرند ذرا حرکت کرے گا فوراً وہ چیز اس پر سے گر جائے گی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خواب دیکھنے والے نے اگر اچھا خواب دیکھا ہو تو کسی صحیح تعبیر دینے والے سے اس کی تعبیر جلد ہی لے لینی چاہیے تاکہ اس خواب کا اور اسکے مصداق کا وقوع ہو جائے اور اس سے آدمی منتفع ہو، اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے: ولا تقصھا الا علی واد اذی راٰی کہ خواب ایسے شخص سے بیان کرنا چاہیئے اور ایسے شخص اس کی تعبیر لینی چاہیئے جو اس کا ہمدرد ہو اور سمجھدار ہو کیونکہ تعبیر دینے والا اگر ہمدرد ہوگا تو اگر اس خواب میں دو پہلو ہیں ایک خیر کا ایک شر کا تو وہ اس پہلو کو اختیار کرے گا جس میں خیر ہے اور پھر باذن اللہ تعالیٰ اسی کا وقوع بھی ہوگا، اور اگر مفسر خواب دیکھنے والے کا مخالف ہوگا تو وہ اس خواب کے دوسرے پہلو کو سامنے رکھ کر جو شر ہے تعبیر بیان کرے گا اسی لئے اس سے تعبیر لینے سے منع کیا ہے لیکن کم از کم یہ ضرور ہے کہ وہ داد اور ذورائی خواب کی جو تعبیر دے رہا ہے اس خواب میں اس تعبیر کی گنجائش ضرور ہو یعنی ایک پہلو وہ بھی ہو ورنہ اگر اس تعبیر کا کوئی پہلو ہی نہ ہو اس خواب میں اور کوئی ہمدرد ہمدردی میں آکر کوئی بے تکی تعبیر اسکی دیدے تو اس کا اعتبار نہیں، غالباً اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام بخاری نے یہ ترجمہ قائم کیا ہے، من لم یرویا لاول عابر اذالم یصب، غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ جو آتا ہے الرویا لاول عابر وہ اسی وقت ہے جب تعبیر دینے والے نے قاعدہ میں تعبیر دی ہو اور اگر کوئی ناواقف غلط سلط تعبیر دے تو چاہے وہ اول عابر ہو لیکن واقعہ نہ ہوگی۔ اور حضرت گنگوہی کی تفسیر الکوکب الدرّی میں اس کے دوسرے معنی اختیار کئے ہیں وہ یہ کہ خواب دیکھنے والا جب تک اپنے خواب کی تعبیر نہ لے تذبذب اور تردد میں رہتا ہے، کبھی اس خواب کا کچھ مفہوم ذہن میں آتا ہے اور کبھی کچھ کسی ایک معنی پر اس کی رائے کا استقرار نہیں ہوتا جیسے پرند کے پاؤں پر کوئی چیز ہو اس کا استقرار نہیں ہوتا، اور جب خواب دیکھنے والا اپنا خواب کسی سے بیان کر کے اس کی تعبیر حاصل کر لیتا ہے تو اس کا تردد ختم ہو جاتا ہے اور ایک معنی خواب کے متعین ہو جاتے ہیں، اس حدیث کو سمجھنے کے لئے شروع کی طرف مزید رجوع کی ضرورت ہے۔

من رآنی فی المنام فسیروانی فی البقطة، آپ فرما رہے ہیں کہ جس شخص نے مجھ کو اپنے خواب میں دیکھا تو وہ مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا یعنی بروز قیامت، پس اس حدیث میں گویا اشارہ ہے اس شخص کے حسن قامتہ کی طرف رزقنا اللہ تعالیٰ ذلک مع جمیع الاحبتہ، لہذا یہ اشکال نہیں رہا کہ بروز قیامت تو آپ کو ساری ہی امت دیکھے گی، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ دنیا ہی میں بحالت بیداری آپ کی زیارت مراد ہے، بعض علمائے نے کہا ہے: اور زیادہ تر اس کی نوبت آدمی کے وفات کے قریب ہوتی ہے احتضار کے وقت، اس وقت میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو یعنی خواب میں آپ کی زیارت کرنے والے کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی سعادت نصیب فرمادیتے ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ شانہ کرم فرمائیں اس حالت سے پہلے بھی وہ آپ کی زیارت کر لیتا ہے (بذل) اور ایک مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ کلام مبنی ہے تشبیہ پر کہ جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھ کو بیداری میں دیکھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے بلکہ حدیث الباب ہی میں ہے: اولکما نرآنی فی البقطة۔

ولایتمثل الشیطان بنی، اس جملہ سے اس سے پہلے قریب والے جملہ کی تائید ہوتی ہے، لکانرآنی فی البقطة، یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو واقعہ اس نے مجھے ہی دیکھا اسلئے کہ شیطان کسی کے خواب میں میری صورت میں نہیں آسکتا، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص خواب میں آپ کے علاوہ کسی اور شخص کو دیکھے اور وہ خواب میں یہ سمجھے کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، چنانچہ شمائل ترمذی کی روایت ہے: من رآنی فی المنام فقد رآی الحق۔

اس کے بعد جانا چاہیے کہ یہ جو حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے فی الواقع مجھے ہی دیکھا یہ علی العموم ہے یا مقید؟ اس میں دونوں قول ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ جب ہے کہ دیکھنے والے نے آپ کو آپ کی صورت معبودہ میں دیکھا ہو جو صورت شکل آپ کی کتب میں منقول ہے، دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ مطلق ہے خواہ کسی صورت میں آپ کو دیکھا ہو، اور اکثر علمائے نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور یہ کہ صورت میں اگر اختلاف پایا جائے کہ جس شکل میں اس نے دیکھا ہے وہ منقول کے مطابق نہ ہو تو لگے بارے میں یہ ہے کہ یہ اختلاف دیکھنے والے کے حال کی وجہ سے ہے (بذل) اور حاشیہ بذل میں اس کے بارے میں، ارواح ثلاثہ سے ہمارے مشائخ دہلویہ کے تین مسلک نقل کئے ہیں ایک شاہ رفیع الدین قدس سرہ کا کہ یہ اس صورت میں ہے یعنی حدیث کا محل جبکہ دیکھنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی خاص اسی ہیئت معروفہ میں دیکھے جو کتب حدیث میں منقول ہے حتیٰ کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک میں بیس بالوں کا سفید ہونا منقول ہے اور وہ آپ کے اکیس بال سفید دیکھے تو پھر اس نے آپ کو نہیں دیکھا، اس لئے کہ صحابہ کرام بھی اگر ان سے کوئی شخص اپنی خواب میں زیارت بیان کرتا صحابہ کرام اس سے اس صفت اور حلیہ کا سوال کیا کرتے تھے جس میں دیکھنے والے نے آپ کو دیکھا ہے، تو اگر اس کی بیان کردہ صفت اس صفت کے مطابق ہوتی جس پر انہوں نے آپ کو دیکھا ہے تب ہی تصدیق کرتے ورنہ نہیں، اور دوسرا قول شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لونا لثمر قدہ کا ہے اور وہ وہی ہے جو ہم نے اوپر چہرہ کا قول نقل کیا کہ جس صفت پر بھی آپ کو دیکھا اس نے فی الواقع آپ ہی کو دیکھا بشرطیکہ خواب دیکھنے والا خواب میں یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ آپ

ہی ہیں، اس کا دل اس پر گواہی دیتا ہو، تیسرا قول شاہ محمد اسحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اگر دیکھنے والا آپ کو اپنے زمانہ کے اتقیا کی ہیئت پر دیکھتا ہے تب تو اس کا یہ خواب برحق ہے ورنہ نہیں اھ (ارواح ثلاثہ مکتبہ)

من صور صوراً عذبه اللہ بہا یوم القیامۃ حتی ینفخ فیہا ولیس بنا فح اذ۔ جو شخص کوئی صورت بنائے یعنی ذی روح کی صورت تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی وجہ سے قیامت کے روز عذاب میں مبتلا کریں گے یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور حالانکہ وہ اس پر قادر نہ ہوگا، لہذا عذاب میں مبتلا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ اور آگے حدیث میں ہے ومن تحلم یعنی کوئی شخص اپنا جھوٹ خواب بیان کرے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے تو اس کو اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ جو کہے دالے میں گرہ لگائے اور ظاہر ہے کہ وہ نہیں لگا سکے گا، اور اس سے آگے حدیث میں ہے: جو شخص کسی قوم کی بات کی طرف کان لگائے سننے کے لئے جس کو وہ سنانا نہ چاہتے ہوں تو ایسے شخص کے کان میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائیگا۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال رأیت اللیلۃ الخ۔ یعنی ایک روز آپ نے اپنا یہ خواب بیان فرمایا کہ میں نے رات خواب دیکھا کہ ہم۔ یعنی آپ اور آپ کے مجلسی عقبہ بن رافع کے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور ہمارے پاس رطب ابن طاب لائی گئیں، ابن طاب تمر کی ایک نوع ہے یہی اس کا نام ہے، تو آپ نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ ہمارے لئے یعنی خود آپ کے لئے اور جو آپ کے طریق پر ہوگا اس کے لئے دنیا میں سر بلندی اور آخرت میں حسن عاقبت یعنی حسن انجام ہوگا اور تیسری بات یہ کہ ہمارا دین اسلام نہایت پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔

تعبیر کے تین اجزاء ہیں رفعت جو ماخوذ ہوئی، رافع سے اور حسن عاقبت جو ماخوذ ہوئی، عقبہ سے، اور پاکیزگی ابن طاب سے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواب میں ہمیشہ نام سے اس کا مخصوص سہی مراد نہیں ہوتا بلکہ کبھی معنی مراد ہوتے ہیں۔

## باب فی التثاؤب

اذا تشاءب احدکم فلیمسک علی فیہ فان الشیطان یدخل۔

تشاؤب تفاعل من الثوب باروھی قرۃ من ثقل النعاس، والہمزۃ بعد الالف هو الصواب والواو غلط، کذا فی المغرب ذکرہ القاری (رعون) یعنی تشاؤب ثوبار سے ماخوذ ہے وہ سستی اور گراوٹ ہونیند آنے کے وقت ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بند لگائے اپنے منہ پر یعنی یا تو اگر ہو سکے منہ نہ کھولے اسکو دبانے اور یہ نہ ہو سکے تو ہاتھ یا رومال رکھ کر منہ کو بند کر لے، اسلئے کہ منہ کھلا رہنے سے اندر شیطان داخل ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد والی روایت میں "فی الصلاۃ" کی قید ہے اور اس میں ہے فیکظم ما استطاع، حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اکثر روایات میں تو مطلق ہی آیا ہے، لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائیگا، دراصل شیطان آدمی کی نماز کے بگاڑنے کے درپے ہوتا ہے لہذا اس کی کراہت نماز میں اشد ہوگی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر صلاۃ میں مکروہ نہ ہو بلکہ کراہت مطلقاً ہے۔

ان الله يحب العطاس ويكره التثاؤب ان، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عطاس یعنی چھینک کو پسند فرماتے ہیں اور تشاؤب کو ناپسند فرماتے ہیں، علماء نے لکھا ہے چھینک سبب ہوتی ہے خفت دماغ کا اس سے دماغ ہلکا ہوتا ہے اور سبب ہے دماغ سے استفراغ فضلات کا یعنی دماغ سے اڑ گیاڑ جھاڑ دینے کا، اور حواس کی تقویت کا کہ اس سے بیداری اور چوکنا پن حاصل ہوتا ہے، جیستی آتی ہے اسی لئے اس کے بعد الحمد للہ کہنا مستحب ہے۔ بخلاف تشاؤب کے کہ اس سے کسندی اور سستی پیدا ہوتی ہے اور اس کا سبب امتلار یعنی شکم میری اور نفس کا بوجھل ہونا اور حواس کی کدورت ہے۔

ولا یقل ہاہا، ہاہا فانما ذلکم من الشیطان یضحک منہ، یعنی جمائی کے وقت خاص طور سے ہاہ ہاہ کی جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ تو ہرگز نکالنی ہی نہ چاہیے کہ اس سے شیطان آدمی کا مذاق اڑاتا ہے اور ہنستا ہے یعنی حقیقتاً، یا مرادضحک سے خوش ہونا ہے۔

بذل میں خطابی سے حب عطاس اور کراہت تشاؤب کی شرح کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے: فصار العطاس محمود لانه یعین علی الطاعات، والتشاؤب مذموم لانه یشبط عن الخیرات وقضار الحاجات اھ

## باب فی العطاس

حدیث البہا پ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب چھینکتے تھے تو اپنا دست مبارک یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے تھے اور اپنی آواز کو پست کرتے تھے یعنی چھینک کے وقت جو آواز خود بخود پیدا ہوتی ہے اسکو قصداً پست اور ہلکا کرتے تھے۔

خمس تجب للمسلم علی الخیر والسلام وتشمیت العاطس واجابة الدعوة وعیادة المریض واتباع الجنائز ان پانچ میں سے پہلی دو کے بارے میں بذل میں لکھا ہے کہ ان کا وجوب علی الکفایۃ ہے وجوب لعینہ نہیں، لہذا جب ایک جماعت کو سلام کیا جائے تو ان میں سے ایک کا جواب دیدینا کافی ہے، اسی طرح جب کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کی تشمیت یعنی یرحمک اللہ کہنا بھی واجب علی الکفایۃ ہے، حاشیہ بذل میں رد السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کے جمہور اصحاب کے نزدیک ایسا ہی ہے یعنی واجب علی الکفایۃ، اور حافظ نے اہل ظاہر کا مذہب وجوب نقل کیا ہے یعنی لعینہ، اور ابن ابی جرہ فرماتے ہیں: ذهب جماعة من علماء ائمانہ فرض عین۔ الی آخر اذکر من الاختلاف فیہ۔ اور تشمیت عاطس کے بارے میں حاشیہ بذل میں لکھا ہے: قال ابن عابدین ۲۹۳ تشمیت العاطس فرض کفایۃ عند اکثر، وعند الشافعی سنۃ، وعند الظاہریۃ فرض عین۔

## باب کیف تشمیت العاطس

عن ہلال بن یساف قال کنا مع سالم بن عبید نعطس رجل من القوز فقال السلام علیکم ان۔ ہلال بن یساف

لہ وفی ہامش البذل وجہ فی السیرۃ الخلیفۃ ۸۸ فی سبب الحمد وجواہر ہنا ان العطاس سبب لا لتواضع عن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ذلک اھ۔  
کہ تشمیت شین معمر، اور تشمیت شین ہملہ دونوں کے ساتھ منقول ہے اول ماخوذ ہے شہادت سے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو شہادت اعدار ←



کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سالم بن عبید صحابی کے ساتھ تھے ایک شخص کو چھینک آئی جس پر اس نے السلام علیکم کہا تو اس پر حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وعلیٰ امک یعنی تجھ کو بھی سلام اور تیری ماں کو بھی، پھر وہ خود ہی کہنے لگے کہ شاید تجھ کو میرے ایسا کہنے پر غصہ آیا ہوگا، اس شخص نے کہا کہ بس اور تو کچھ نہیں آپ میری ماں کا ذکر نہ کرتے تو اچھا تھا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو جواب میں اس وقت وہی کہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ایسے ہی موقع پر، اور پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اسی قسم کا واقعہ نقل کیا، اور پھر اسکے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو الحمد للہ کہنا چاہیے، اور اس کے پاس والے کو چاہیے کہ یرحمک اللہ کہے اور پھر چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ یغفر اللہ لنا و لکم کہے، اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ الحمد للہ علی کل حال کہے اور اس کے پاس والے کو چاہیے کہ وہ یرحمک اللہ کہے، اور پھر اس چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ یہدیکم اللہ و یصلح بالکم کہے، اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ عاٹس کو چاہیے کہ وہ الحمد للہ علی رب العالمین کہے۔ حاشیہ بذل میں، ویقول هو یہدیکم اللہ و یصلح بالکم، پر لکھا ہے قال ابن بطال و بذلک قال الجہور وقال الکوفیون یقول یغفر اللہ لنا و لکم، و ذهب مالک و الشافعی الی التخییر بین اللفظین، کذا فی البیہقی ۴۱، قلت و حکى التخییر فی تکلمة البحر ص ۲۰۸ و فتاوی قاضی خان ص ۴۰۲۔

## باب کم یشمت العاطس

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شمت اخاک ثلاثا نمازاد فہو زکام۔

یعنی جواب عاٹس تین مرتبہ واجب ہے اس کے بعد نہیں، کیونکہ زیادہ چھینک آنا زکام اور مرض کی علامت ہے بلکہ بجائے یرحمک اللہ کے یوں کہے الرجل مزکوم، جیسا کہ باب کی آخری حدیث میں آرہا ہے، لیکن اس میں روایات مختلف ہیں کہ تسمیت یعنی جواب عاٹس کتنی بار دیا جائے، اور الرجل مزکوم کون سی مرتبہ میں کہا جائے اس میں مختلف قول ہیں، قیل فی الثانیہ و قیل فی الثالثہ و قیل فی الرابعہ، و الصحیح فی الثالثہ، کذا فی البذل عن النووی، اور حاشیہ بذل میں ہے ملا علی قاری کا میلان اس طرف ہے کہ تین بار

→ سے درپہ رکھے، اور ثانی ماخوذ ہے سمت سے اور مقصود اس سے سمت حسن کی دعا دینا ہے اور جواب عاٹس کے لئے یہ دونوں ہی لفظ موزوں ہیں تسمیت اور تسمیت کیونکہ چھینک کے وقت میں عاٹس کے چہرے کی ہیئت بگڑ سی جاتی ہے اس لئے اس کو سمت حسن کی دعا دی جاتی ہے یعنی اچھی ہیئت کی دعا دی جاتی ہے اور چھینک کے وقت چونکہ دماغ اور گردن کو جھٹکا لگتا ہے جس سے ضرر پہنچنے کا بھی اندیشہ ہے اسلئے چھینکنے والے کو حمد کی ہدایت عافیت پر اور جواب دینے والے کے جواب کو تسمیت یعنی شامت اعداء سے دور رہنے کی دعا کا حکم دیا گیا۔

۱۰ حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے قولہ و علیٰ امک اور تیری مینا کو بھی سلام ہو جس نے تجھ کو یہ تعلیم دی ورنہ باپ کی تعلیم تو ایسی نہیں ہوتی وہ تو صحیح تعلیم دیتا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ذکر کی جگہ دوسرا ذکر رکھنا اپنی طرف سے یہ غلط اور بدعت مذمومہ ہے۔



تک تسمیت مؤکد ہے اس کے بعد استحباب اسی طرح شامی اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ تسمیت تین بار تک واجب ہے (بشرطیکہ چھینکنے والا حمد کرے) اور اس کے بعد اختیار ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے **لأن فعل حسن وان لم يفعل فحسن ایضاً۔**

## باب کیف یثمت الذی

مضمون حدیث یہ ہے کہ بعض یہود کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتے تو بہ تکلف چھینک لیتے اس توقع اور امید پر کہ آپ ان کو بر حکم اللہ کے ساتھ دعا دیں گے (آپ ان کی چال کو سمجھتے تھے) اسلئے آپ بھی بجائے بر حکم اللہ کے یہدیکم اللہ ویصلح بالکم فرما دیا کرتے تھے۔

## باب فیمن یعطس ولا یحمد اللہ

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عطس رجلان عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فثمتت احدهما وترک الآخر الاخر۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو شخصوں نے چھینکا تو آپ نے ایک عطس کی تو تسمیت کی دوسرے کی نہیں کی، اس پر آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسلئے کہ ان میں سے ایک نے حمد کی دوسرے نے نہیں کی۔

قال احمد: او فثمتت احدهما وترکت الآخر ہمارے نسخہ میں دونوں جگہ ثمتت شین معجم کے ساتھ ہے اور بدل میں لکھا ہے کہ اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور صرف ایک نسخہ مدنیہ میں پہلا سین ہملہ کے ساتھ ہے اور دوسرا شین معجم کے ساتھ اور سونا بھی اسی طرح پایے یعنی احدهما بالشین والآخر بالسین حاصل یہ ہے کہ مصنف کے اس حدیث میں دو اسناد ہیں احمد بن یونس اور محمد بن کثیر، محمد بن کثیر کی روایت تو بغیر شک کے ہے اور احمد بن یونس کی روایت میں یہ لفظ شک کے ساتھ ہے فثمتت او ثمتت وهذا ما خوذ من البذل، اور اس وقت ہمارے سامنے دو نسخے ہیں ایک وہ جس پر شرح محمد عوامہ کی تعلق ہے اس میں اس طرح ہے: فثمتت احدهما قال احمد فثمتت احدهما۔ یعنی محمد بن کثیر کی روایت میں شین معجم کے ساتھ ہے اور احمد بن یونس کی روایت میں سین ہملہ کے ساتھ۔

اور دوسرا نسخہ ہمارے سامنے وہ ہے جس پر شرح منذری ہے اس میں عبارت اس طرح ہے: فثمتت احدهما۔ قال احمد وهو ابن یونس۔ فثمتت احدهما وترکت الآخر۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد بن کثیر اور احمد دونوں کی روایت میں ثمتت شین معجم ہی کے ساتھ ہے اور فرق یہ ہے کہ احمد بن یونس کی روایت میں وترکت الآخر کی زیادتی ہے اور محمد بن کثیر کی روایت میں اس جملہ معطوفہ کی زیادتی نہیں ہے، نیز اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان جدید دونوں نسخوں میں، قال احمد کے بعد لفظ او۔ نہیں ہے۔

## باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ

اور بعض نسخوں میں اس سے پہلے ایک موٹی سُرخنی ہے، ابواب النوم، جو مناسب معلوم ہوتی ہے ابواب آتہ کو دیکھتے ہوئے۔

عن يعيش بن طخفة قال كان ابى من اصحاب الصفة فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم انطلقوا بنا الى بيت عائشة رضى الله تعالى عنها. الخ.

يعيش بن طخفة فرماتے ہیں کہ میرے باپ یعنی طخفة بن قیس اصحاب صفہ میں سے تھے (جو بسا اوقات بھوکے رہتے تھے جیسا کہ آگے اسی قصہ میں ہے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یعنی ہم اصحاب صفہ سے کہ چلو میرے ساتھ بیت عائشہ کی طرف، ہم سب آپ کے ساتھ چل دیئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکان پر پہنچ کر حضرت عائشہ سے فرمایا کہ ہمیں کچھ کھلاؤ وہ تھوڑا سا دیا لے کر آئیں، ہم سب نے کھایا آپ نے پھر فرمایا کہ عائشہ کچھ اور کھلاؤ تو اس مرتبہ وہ مالیدہ لے کر آئیں، کھجور ستونہ پنیر اور گھی کا مجموعہ، لیکن وہ بھی تھوڑا ہی سا تھا قنطرة پرند کے برابر، جس کو ہم نے کھایا، پھر آپ نے فرمایا کہ اسے عائشہ اب کچھ پلاؤ تو وہ ایک دودھ کا ایک بڑا پیالہ لائیں جس کو ہم سب نے پیا، آپ نے فرمایا اسے عائشہ اور پلاؤ، اس بار وہ ایک چھوٹے پیالے میں لائیں جس کو ہم سب نے پیا، اخیر میں آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو سو جاؤ اور چاہو تو مسجد چلے جاؤ، آگے وہ کہتے ہیں کہ میں اخیر شب میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا اچانک ایک شخص مجھ کو اپنے پاؤں سے بلانے لگا یہ کہتے ہوئے کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے میں نے جو اوپر کو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

بذل میں "من السحر" پر لکھا ہے: ای من آخر الليل، اور اس کے بعد ملا علی قاری سے نقل کیا ہے السحر الرئة، ای من اجل وجع الرئة، یعنی پھیپھڑے کے درد کی وجہ سے، یہ گویا انہوں نے اپنا لٹا لیٹنے کی وجہ بیان کی کہ چونکہ پیٹ میں درد تھا اس لئے لٹا لیٹا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ درد شکم میں لٹا لیٹنے سے آرام ملتا ہے، درد میں تخفیف ہوتی ہے اس پر حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ لفظ سحر مشترک بین المعنیین ہے اور ظاہر یہاں پر دوسرے معنی ہیں ابھ یعنی جو ملا علی قاری نے لکھے ہیں، جانا چاہیے کہ سحر جو بمعنی آخر الليل ہے وہ بفتح تین ہے اور جو بمعنی الرئة ہے اس کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے سحر، سحر، چنانچہ مرقاۃ میں ہے: من السحر بفتح تین و فی نسخۃ بسکون الشانی، وهو الرئة، اور مصباح المیزب میں ہے کہ سحر بمعنی الرئة میں تین لغت ہیں علی وزن فلس، وسبب، وقفل (عون) اور یہی تین لغت اس میں قاموس میں لکھے ہیں۔ اور سحر جو بمعنی قبیل صبح ہے یعنی آخر الليل اس کو صرف بفتح تین ضبط کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوندھے منہ لیٹنا مکروہ ہے، جیسا کہ ترجمہ الباب میں ہے۔

## باب فی النوم علی السطح لیس علیہ حجار

اور بعض نسخوں میں علی سطح غیر محجر ہے۔

من بات علی ظہر بیت لیس علیہ حجار فقد برئت من الذمۃ، یعنی جو شخص کسی ایسی چھت پر سوئے جس کے کناروں پر کوئی آڑ نہ ہو، چھوٹی سی دیوار، تو اس سے سب لوگ بری الذمہ ہیں، یعنی اگر ایسی چھت پر سے وہ شخص گر کر مر جائے تو اس کا



اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کی زندگی سے مقصود ذکر الہی ہی ہے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اسی کا آدمی کو خیال اور دھیان رہے سوتے تب ذکر پر سوتے، صبح کو جب اٹھے تب ذکر پراٹھے جس کی دعاء مخصوص ہے، رات کے درمیان میں اتفاق سے آنکھ کھلے تو وہ بھی ذکر ہی پر کھلے، حضرت گنگوہی کی تقریر میں کسی جگہ ایسا ہی لکھا ہے، اور حاشیہ ترمذی ص ۱۷۱ میں مجمع البحار سے نقل کیا ہے۔  
من تعار من اللیل، یعنی جو شخص نیند سے یہ کہتا ہوا بیدار ہو (جو دعاء حدیث میں مذکور ہے) اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آدمی ذکر کا عادی ہو حتیٰ کہ بے ارادہ و اختیار بھی اس سے ذکر صادر ہوا۔

باب کی دوسری حدیث یہ ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قام من اللیل فغسل وجہہ ویدیہ ثم نام، یعنی بال، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں اٹھے پس قضائے حاجت کی یعنی پیشاب کیا اس کے بعد چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ سونے سے پہلے تو وضو کرنی ہی چاہیے درمیان میں بھی اگر آنکھ کھلے اس وقت بھی وضو کر کے ہی سوتے چاہے وہ وضو نا تمام ہی ہو جیسا کہ اس حدیث ابن عباس سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس وضو کے بعد آپ کے نماز پڑھنے کا ذکر تو ہے نہیں، نماز والی وضو کا تو کامل ہونا ضروری ہے۔

## باب کیف یتوجہ

عن ابی قلابہ عن بعض آل ام سلمة قال کان فرأش النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نحواً ما یوضع الانسان فی قبورہ وکان المسجد عند رأسہ۔

شرح الحدیث اور آداب نوم کی تحقیق | ترجمہ الباب کی غرض یہ ہے کہ سونے کے وقت آدمی کا رخ کس طرف ہونا چاہیے کیا اس وقت بھی استقبال قبلہ سنت یا مستحب ہے، حدیث الباب کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ حجرہ شریفہ میں جس بستر پر آپ آرام فرماتے تھے اس کی نوعیت اس طرح تھی جس طرح انسان کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر رو قبیلہ لٹایا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے سونے کے وقت بھی یہی صورت اختیار فرماتے تھے، لہذا اس حدیث سے نوم مستقبل القبلہ ثابت ہو گیا، اور مصنف کی غرض بھی جہت نوم ہی کو بیان کرنا تھا، اور حضرت امام بخاری نے کتاب الدعوات میں آداب نوم کے سلسلہ کے تین چار باب قائم کئے ہیں۔ باب الفصح علی الشق الایمن۔ باب اذابا طبراً۔ باب ما یقول اذا نام۔ باب وضع الید تحت الخدر الیمین، یہ چار آداب ہوتے۔ دائیں کروٹ پر لیٹنا، یا وضو سونا، دعاء پڑھ کر سونا، اور دائیں ہاتھ کی، تھیلی پر رخسار رکھنا اور ان چاروں آداب کو انہوں نے احادیث سے ثابت فرمایا ہے، لیکن کوئی باب امام بخاری نے نوم مستقبل القبلہ کا قائم نہیں فرمایا، بظاہر اسی لئے کہ ان کے پاس اس ادب سے متعلق کوئی حدیث ان کی شرط کے مطابق نہیں تھی، لیکن امام ابو داؤد کے پاس اس بارے میں ایک حدیث تھی اسلئے انہوں نے اس ادب پر باقاعدہ ترجمہ قائم کر کے اس سے متعلق حدیث بیان فرمائی، لہذا حدیث الباب نوم مستقبل القبلہ کی دلیل ہوئی

اور مندری دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث الباب صحاح ستہ میں سے سوائے سنن ابوداؤد کے اور کسی جگہ نہیں ہے، حدیث الباب میں یہ بھی ہے: وكان المسجد عند رأسه، جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے بسترہ کا سر ہانا مسجد نبوی کی طرف تھا، مسجد نبوی آپ کے حجرہ شریفہ سے غربی جانب میں ہے لہذا معلوم ہوا کہ استراحت کے وقت سر آپ کا غربی جانب میں اور اقدام عالیہ شرقی جانب میں ہوتے تھے اور دائیں کروٹ پر لیٹنے کا ثبوت احادیث شہیرہ سے ہے اور اس طرح لیٹنے کے بعد دائیں جانب میں جانب جنوب ہے اسی جانب جنوب میں اہل مدینہ کا قبلہ ہے، اور یہی ہیئت لیٹنے کی انسان کی قبر میں ہوتی ہے۔ فاغتسر و قشکر۔

## باب ما يقول عند النوم

اس باب میں مصنف نے سونے کے وقت کی متعدد دعائیں ذکر کیں (۱) اللهم قني عذابك يوم تبث عبادك، ثلاث مرار

(۲) اللهم اسلمت وجهي اليك وفوضت امرى اليك والجات ظهري اليك، رغبة ورغبة اليك، (وفى نسخة: رغبة ورغبة اليك)

لا ملجأ ولا منجا منك الا اليك، امنت بكتابتك الذي انزلت، ونبئك الذي ارسلت، اس دعاء کے بارے میں یہ ہے کہ جو شخص یہ دعاء پڑھ کر سوئے تو وہ اگر اسی حالت پر مر جائے یعنی سونے کی حالت میں، تو وہ فطرت یعنی اسلام پر مرے گا، نیز اس دعاء کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اس کو بالکل اخیر میں پڑھے یعنی سونے سے ذرا پہلے تاکہ اس کے بعد بات کر نیکی نوبت نہ آئے، نیز اس حدیث میں یہ بھی ہے۔ راوی حدیث حضرت برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو یہ دعاء تعلیم فرمائی تو میں اس کو یاد کرنے کے لئے آپ کے پاس بیٹھے بیٹھے پڑھنے لگا اور پڑھتے وقت بجاتے، ونبئك الذي ارسلت، کے، ورسولك الذي ارسلت، پڑھنے لگا، آپ نے فرمایا: لا ونبئك الذي ارسلت، یعنی آپ نے مجھ کو دعاء کے لفظ بدلنے پر تنبیہ فرمائی کہ اس طرح نہیں بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح ہم نے بتلایا تھا، اس پر شرح نے لکھا ہے کہ ادعیہ ماثورہ و مسنونہ کے الفاظ تو قسفی ہیں اس میں تغیر تبدیل نہیں کرنا چاہیے، آپ کے بتلائے ہوئے الفاظ کی قاصیت الگ ہی ہے۔

(۳) اللهم باسمك احيا واموت، اور بیدار ہونے کے وقت: الحمد لله الذي احيانا بعد ما ماتنا واليه النشور

(۴) باسمك ربى وضعت جنبي و بك ارفع، ان امسكت نفسي فارحمها، وان ارسلتها فاحفظها بما احفظ به

الصالحين، اس حدیث میں یہ بھی ہے: فلينفذ فراشه بداخله ازارا، کہ جب آدمی سونے کی نیت سے بسترہ پر آئے تو اپنی لنگی کے اندر کے حصہ سے بسترہ کو جھاڑے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بسترہ پر سے اٹھنے کے بعد (یعنی صبح جب اس پر سے اٹھا تھا) کیا چیز اس پر آکر بیٹھ گئی ہو، یعنی کوئی موذی جانور۔

دائیں کروٹ پر سوئے یا بائیں؟ اور اسکی تحقیق

قولہ ثم ليضطجع على شق الايمن، پھر دائیں کروٹ پر لیٹے، یہ ابھی قریب میں گذر چکا کہ یہ آداب نوم میں سے ہے اور یہ بھی گذر چکا کہ امام بخاری نے مستقل ترجمہ قائم کیا ہے، باب النوم على الشق الايمن، شرح نے شق الايمن پر سونے کے فوائد لکھے ہیں

نہا انہ اسرع الی الانتباہ کہ اس سے بیداری جلدی سے ہو جاتی ہے، ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس ہیئت کے بارے میں اطباء نے تصریح کی ہے کہ یہ اصلح للبدن ہے، پھر وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء کر سے دائیں جانب پر لیٹنے سے پھر بائیں کروٹ لے لے، اس لئے کہ دائیں کروٹ پر لیٹنا سبب ہے اختار طعام یعنی اس کی تحلیل کا اور بائیں کروٹ پر سونا سبب ہے ہضم کا لا شمال الکبد علی العدة صاحب فیض الباری فرماتے ہیں کہ دائیں کروٹ پر لیٹنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کیونکہ قلب بائیں جانب میں ہے تو اس صورت میں وہ معلق رہے گا آدمی نوم میں غرق نہیں ہوتے کا اور اطباء نے اختیار کیا ہے نوم علی المشق الا یسر کو فانه النفع للصحة اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کی نظر عالم آخرت کی طرف ہے اسلئے انہوں نے اس چیز کو اختیار فرمایا جس میں آخرت کا نفع زیادہ ہے اور اطباء کی نظر صحت بدن کی طرف ہے، اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ بیئات نوم میں سب سے نفع یہ ہے کہ ابتداء کر سے ایمن سے پھر تھوڑی دیر بعد بائیں کروٹ کی طرف آجائے، اور پھر دائیں کروٹ اختیار کرنے، اسلئے کہ وہ اسرع الی الانتباہ ہے عدم استقرار قلب کی وجہ سے کیونکہ قلب جانب الیسر میں ہے جانب یمن پر سونے میں وہ معلق رہے گا پس عدم استقرار کی وجہ سے استعراق فی النوم نہیں ہوگا، بخلاف نوم علی الایسر کے، اسلئے کہ قلب کو اس صورت میں استقرار حاصل ہوگا، جس میں استراحت ہوگی جو انتباہ میں تاخیر کا سبب ہوگی، (ملخصاً من الابواب والترجم)

(۵) اللہ رب السموات ورب الارض ورب كل شیء، فالق الحب والنوی، منزل التوراة والانجیل والقوانین

اعوذ بك من شر كل ذي شر أنت أخذ بناصيته أنت الاول فليس قبلك شیء، وانت الاخر فليس بعدك شیء، وانت

الظاهر فليس فوقك شیء، وانت الباطن فليس دونك شیء، اقض عني الدين واغنني من الفقر

انت الاول الخ یعنی اللہ تعالیٰ شانہ کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، انت الظاهر الخ دلائل کے اعتبار سے تیرا وجود اتنا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اور حواس ظاہرہ کے اعتبار سے تو اتنا پوشیدہ ہے کہ تیرے سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔

(۶) اللہم انی اعوذ بوجهك الكريم وکلما تک التامة من شروا انت اخذ بناصيته اللہم انت تکشف المغرم

والماشم، اللہم لا یهزم جندک ولا یخلف وعدک، ولا ینفع ذا الجدمناک الجدم سبحانک وبحمدک۔

(۷) الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وكفانا واوانا، فکم ممن لا کافی له ولا مؤوی۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ

کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھانے کو دیا پینے کو دیا اور ہماری تمام حاجات کی کفایت فرمائی اور ہم کو رہنے کے لئے ٹھکانا عطا فرمایا پس کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کے لئے کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور نہ ٹھکانا دینے والا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ سڑک کے کناروں پر اور پلیٹ فارموں پر پڑے رہتے ہیں گرمی اور سردی میں، میں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ لیٹے وقت ذرا آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔



(۸) بِسْمِ اللَّهِ وَضَعْتَ جَنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَاحْسَأْ شَيْطَانِي، وَقَلِّقْ رَهَائِي وَاجْعَلْنِي مِنَ النَّدَى الْأَعْلَى۔

(۹) قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ پوری سورت۔ نون بن فرود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ لیٹتے وقت یہ سورہ پڑھا کرو، اسلئے کہ اس سورہ کا پڑھنا شرک سے برابہ ہے۔

(۱۰) سورہ قل هو اللہ احد اور معوذتین، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم فرما کر پورے بدن پر ان کو پھیر لیتے تھے جہاں تک ہاتھ پہنچے، ابتدا فرماتے تھے سر اور چہرے سے، اور اسی طرح تین مرتبہ کرتے تھے۔

(۱۱) مسبحات سبعة، آپ کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے مسبحات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان سورتوں میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیات سے افضل ہے اور وہ سورتیں یہ ہیں، سورہ بنی اسرائیل، الحدید، الحشر، الصف، الحجۃ التغابن، الاعلیٰ۔

(۱۲) الحمد لله الذي كفاني وأواني وأطعمني وسقاني، والذي من عليّ فأفضل، والذي أعطاني فأجزل، الحمد لله

على كل حال، اللهم رب كل شيء ومليكه، واليه كل شئ، اعوذ بك من النار، یہ کبارہ دعائیں ہو گئیں جن میں سے بعض (تین چار) تو ضروری یاد کر لینی چاہئیں اور اہتمام سے ان کو پڑھا جائے۔

## باب ما يقول الرجل اذا تعاز من الليل

اس باب کا ذکر اور اس کی تشریح باب النوم علی طہارۃ میں گذر چکی، اور اس باب کی پہلی حدیث بھی وہاں گذر چکی، اور اس

باب کی دوسری حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: لا اله الا انت سبحانك اللهم استغفرك لذنبي واسألك رحمتك

اللهم زدني علماً ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني، وهب لي من لدنك رحمة، انت الوهاب۔

یہ دعا بیدار ہونے کے وقت پڑھنے کی ہے جیسا کہ ترجمہ الباب میں ہے۔

سنن ابوداؤد شریف کا آخری یعنی بتیسواں پارہ | اس باب کے بارے میں کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے، اخر الجزء

الحادی والثلاثين، واول الجزء الثاني والثلاثين،

اس کتاب کے بتیس پاروں میں سے اکتیس پارے پورے ہو گئے، اب آگے بتیسواں پارہ شروع ہو رہا ہے، یعنی آخری پارہ۔

اے یعنی میرے شیطان کو مجھ سے درد کر اور میرے نفس کو رہا کر یعنی مجھ کو سبکدوشی عطا فرما جملہ حقوق سے، رہا بن یعنی مہون جو نفس کی صفت ہے کما فی قولہ تعالیٰ کل نفس بما کسبت رھیمۃ، اور کر دے مجھ کو مجلس اعلیٰ یعنی ملا اعلیٰ اور فرشتوں سے۔

## باب فی التسبیح عند النوم

اس باب کی پہلی دو حدیثوں میں تو تسبیح فاطمہ مذکور ہے اور یہ حدیث کتاب الجہاد، باب تقسیم الخمس، میں گذر چکی، جس میں آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ اور ان کے شوہر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو سوتے وقت اس تسبیح کو پڑھنے کا حکم فرمایا، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر۔

اور اس کے بعد عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مرفوع میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان بندہ بھی ان کا اہتمام کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، نیز فرمایا آپ نے کہ وہ دونوں کام بہت آسان ہیں لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت قلیل ہیں، اور وہ دو کام یہ ہیں (۱) پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد تسبیح سبحان اللہ، تحمید (الحمد للہ) تکبیر (اللہ اکبر) ہر ایک دس دس مرتبہ ان سب کا مجموعہ ایک سو پچاس ہوا پڑھنے کے اعتبار سے اور آخرت میں عند المیزان پندرہ سو (۲) سوتے وقت چونتیس بار تکبیر اور تحمید و تسبیح ہر ایک تینتیس بار جو پڑھنے کے اعتبار سے صرف ایک سو ہیں اور آخرت میں میزان کے اعتبار سے ایک ہزار، حاشیہ بذل میں درمنثور سے اس میں یہ زیادتی نقل کی ہے: وایکم یعمل فی الیوم واللیلۃ اربعین وخمس مئة سیئة، آپ فرما رہے ہیں کہ ان نیکوں کا مجموعہ پچیس ہو گیا تو تم میں سے کون سا ایسا ہے جو دن اور رات میں پچیس سو گناہ کرتا ہو، مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ان تسبیحات کا اہتمام کرے گا اس کی حسنات سیئات سے یقیناً آزاد ہو جائیں گی، میں کہتا ہوں کہ یہ زیادتی ترمذی کی روایت میں بھی ہے، یہ غور کا مقام ہے کہ اس مختصر سے عمل میں، تناغیظ ثواب ہے کہ جس کی وجہ سے آدمی فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ راضیۃ تکام تہ حاصل کر سکتا ہے۔

اس باب کی آخری حدیث جو ام الحکم یا ضباعہ دونوں میں سے کسی ایک سے مروی ہے یہ بھی ابواب الخمس میں گذر چکی، لیکن اس میں اس تسبیح کا ذکر صرف ہر فرض نماز کے بعد ہے سونے کے وقت کا ذکر نہیں، اس حدیث کی سند بھی مشکل اور مغلق ہے اسکی وضاحت بھی وہاں گذر چکی، مذکورہ بالا تسبیحات گو ہماری زبانوں پر تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں لیکن روایات میں ان کے بارے میں وارد ہے معتقات لایحبیب قائلین تو اسکے پیش نظر ان تسبیحات کو معتقات سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

## باب ما یقول اذا أصبح

صبح کے وقت کی دعائیں۔

(۱) اللھم فاطر السموات والارض، عالم الغیب والشہادۃ، رب کل شیء وملیکہ، اشہد ان لا الہ الا انت،

اعوذ بک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ۔

یہ دعا آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلب پر ان کو تعلیم فرمائی کہ صبح اور شام اس کو پڑھا کرو، اور سوتے وقت بھی۔

(۲) اللھم بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحیا وبک نموت والیک النشور، صبح کے وقت اور اگر شام کا وقت

ہو تو اس طرح، اللھم بک امسینا وبک اصبحنا اخر تک۔

(۳) اللّٰهُمَّ اِنِّ اصْبَحْتُ اُشْهَدُكَ وَاُشْهَدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتَكَ وَجَمِيعَ خَلْقِكَ اِنَّكَ اَنْتَ اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا

اَنْتَ رَبُّنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ۔

جو شخص یہ دعا صبح میں یا شام میں ایک مرتبہ پڑھے گا تو اس کا چوتھائی بدن جہنم سے آزاد ہو جائے گا، اور جو شخص دو مرتبہ پڑھے تو اس کا نصف بدن آزاد ہوگا، اور جو تین مرتبہ پڑھے گا تو اس کے بدن کا تین چوتھائی آزاد ہوگا اور جو چار بار پڑھے گا تو اس کا پورا بدن آزاد ہو جائے گا۔

(۴) اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّي لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِي وَاَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَاَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَدَدْتَ لِي مَا اسْتَطَعْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

شَرِّ مَا صَنَعْتَ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ نَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذَّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

اس دعا کے بارے میں آپ یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو ایک بار پڑھے گا صبح کو یا شام کو اور پھر اس کا اترقال ہو جائے صبح میں یا شام میں تو جنت میں داخل ہوگا۔

اسی دعا کا نام ہے سید الاستغفار، اسکے بعد اس باب میں اور متعدد دعائیں مذکور ہیں جن میں سے اکثر کو ہم یہاں نقل

کرتے ہیں۔

دعاء آخر رضينا بالله ربا وبالاسلام ديناً وبمحمد صلى الله عليه وسلم رسولا، جو شخص یہ دعا پڑھے گا صبح میں یا شام میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں یہ بات لی ہے کہ اس کو راضی کریں گے۔

دعاء آخر اللّٰهُمَّ مَا اصْبَحْتُ بِكَ مِنْ نِعْمَةٍ (اَوْ بِاِحْدٍ مِنْ خَلْقِكَ) فَمِنْكَ وَحَدِّكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَالْحَمْدُ

وَلَكَ الشُّكْرُ۔ جس شخص نے یہ دعا صبح کے وقت میں پڑھی اس نے پورے دن کا شکر یہ ادا کر دیا، اور جس نے یہ دعا شام کے وقت میں پڑھی اس نے پوری رات کا شکر یہ ادا کر دیا، یقیناً اس دعا کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے اس کو تو ضروری پڑھنا چاہیے اور دعا کے مضمون کو سمجھتے ہوئے پڑھنا چاہیے دعائیں تو یہ ساری ہی قابل اہتمام ہیں ایک دو سرے سے بڑھ کر۔

دعاء آخر: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا صبح و شام ہمیشہ پڑھتے تھے

کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ اللّٰهُمَّ اِنِّ اسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اللّٰهُمَّ اِنِّ اسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِيْنِيْ

وَدُنْيَايَ وَاهْلِيْ وَمَالِيْ، اللّٰهُمَّ اسْتَرْعُوْا لِيْ وَاَمِنْ رَوْعَاتِيْ اللّٰهُمَّ احْفَظْ لِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَاَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ

شَمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ، وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اِنْ اِغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ۔

دعاء آخر: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کسی ایک صاحبزادی نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مجھ کو یہ دعا سکھلایا کرتے تھے کہ اس کو پڑھا کر صبح و شام: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ

يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اِنَّ اللهَ عَلَيَّ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِنَّ اللهَ قَدَّ احْاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ جو شخص یہ دعا صبح کے وقت پڑھے گا

وہ شام تک محفوظ رہے گا اور جو شام کو پڑھے وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔

دعاء آخر: نسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون، وله الحمد في السموات والارض وعشيا وحين

تظہرون، يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ويحيى الارض بعد موتها وكذلك تخرجون.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کو صبح کے وقت پڑھتا ہے تو دن میں جو خیر اس سے فوت ہوئی اس کو پالے گا، اور جو شخص شام میں اس کو پڑھے گا تو جو خیر رات میں اس سے فوت ہوئی اس کو پالے گا۔

دعاء آخر: لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير ابو عياش زرق

سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعا صبح کے وقت پڑھے گا تو اس کو ایک عرب غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا، اور دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے بلند ہوں گے، اور شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا اور اگر اس کو رات میں پڑھے گا تب بھی یہی چیزیں حاصل ہوں گی یہاں تک کہ صبح کرے، آگے روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی تو اس نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو عياش آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: صدق ابو عياش۔

دعاء آخر: اللهم اجزني من النار اس کے بارے میں مسلم بن الحارث تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک

مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو چپکے سے یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ جب تو مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو سات مرتبہ یہ پڑھا کر اور اسکے بعد والی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نماز کے فوراً بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے، اگر تیرا اس رات میں میں انتقال ہو جائے گا تو تیرے لئے جہنم سے پناہ لکھ دی جائیگی اور صبح کی نماز کے بعد بھی اسی طرح پڑھا کر پھر اگر اس دن تیرا انتقال ہو تو تیرے لئے جہنم سے قلاصی لکھ دی جائیگی۔

اس روایت کے اخیر میں ہے کہ صحابی راوی حدیث کے بیٹے حارث بن مسلم کہتے ہیں کہ یہ حدیث چونکہ خاص طور سے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ہی لئے بیان فرمائی تھی اسی لئے ہم بھی اس حدیث کو صرف اپنے بھائیوں سے بیان کرتے ہیں (سب لوگوں سے نہیں بیان کرتے) اس پر حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ شاید انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سزا ان سے بیان کرنا یہ ان کی تہنیت کے طور پر ہے اور پھر اس کے بعد بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے چپکے سے بیان کرنا اس لئے تھا تاکہ وہ اس کو بہت بڑی نعمت اور غنیمت سمجھیں، اس لئے کہ خصوصیت سے جو اہمیت پیدا ہوتی ہے وہ عموماً میں نہیں ہوتی اسی لئے ان صحابی کے بیٹے بھی اس دعا کے ساتھ اسی طرح خصوصیت کا معاملہ کرتے تھے تاکہ اس دعا کی اہمیت باقی رہے اور یہ سب ان حضرات کی قدر دانی کی باتیں ہیں، رضی اللہ عنہم ورزقنا اربابہم۔

لہ فی حاشیۃ الترمذی ص ۱۹۲ عن اللغات فیہ دلیل لمن قال باسراق العرب وهو مختلف فیہ، وقیل مبالغۃ

حدثنا عمرو بن عثمان الحمصي وموئل بن الفضل الحراني وعلي بن سهل الرومي ومحمد بن المصنف الحمصي

قالوا نا الوليدنا عبد الرحمن بن حسان الكناني قال حدثني مسلم بن الحارث بن مسلم التميمي عن ابيه ان  
النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال نحوه - الى قوله جوارصنها، الا انه قال فيهما: قيل ان تكلم احداً -

قال علي بن سهل فيه: ان ابا احده،

یہ اوپر والی حدیث ہی ہے سند کے شروع کا حصہ مختلف ہے، آگے چل کر عبد الرحمن بن حسان میں دونوں سندیں مل گئیں، پہلی سند میں مصنف کے استاد صرف اسحق بن ابراہیم تھے اور اس دوسری سند میں متعدد ہیں یعنی چار ہیں، پہلی سند میں عبد الرحمن کے شاگرد ابو سعید فلسطینی ہیں اور دوسری سند میں ولید، دونوں روایتوں میں چند فرق ہیں، پہلی سند میں عن الحارث بن مسلم عن ابيه ہے اور اس دوسری میں حدیثی مسلم بن الحارث عن ابيه ہے، یہ دو فرق ہوئے، پہلی سند میں "عن" تھا اور یہاں "حدیثی" اور پہلی سند میں "الحارث بن مسلم" تھا اور اس میں "مسلم بن الحارث" تہذیب میں لکھا ہے کہ اس میں دونوں قول ہیں بعض اس طرح کہتے ہیں اور بعض اس طرح، لہذا اس حدیث کے جو صحابی راوی ہیں ان کے نام میں دو قول ہوئے حارث بن مسلم، اور مسلم بن الحارث۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ یہ دوسری سند جس کے راوی ولید ہیں اس میں یہ زیادتی ہے "قيل ان تكلم احداً"

جو تھا فرق یہ ہے کہ اس دوسری حدیث میں مصنف کے اکثر اساتذہ نے تو مسلم بن الحارث کے بعد "عن ابيه" کہا اور صرف ایک استاد نے یعنی علی بن سہل نے بجائے "عن ابيه" کے "ان اباہ حدیثہ" کہا، عنعنہ اور تحدیث کا فرق ہے، مگر یہ آخری فرق صرف علی بن سہل کی روایت کے اعتبار سے ہے ورنہ مصنف کے باقی اساتذہ نے اسی طرح کہا جس طرح پہلی سند میں تھا یعنی "عن ابيه"۔

اس کے بعد مصنف فرما رہے ہیں: وقال علي وابن المصنف قال بعثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في سرية الخ - مصنف کے چار اساتذہ میں سے علی بن سہل اور محمد بن المصنف نے اصل حدیث جو اوپر گزری ہے جس میں اللهم اجزني من النار دعا مذکور ہے اس سے پہلے ایک واقعہ مزید بیان کیا اور پھر اس واقعہ کے بعد یہ ہے کہ تم یہ دعا پڑھا کرو جو اوپر گزری اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حارث بن مسلم فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریر میں روانہ فرمایا، فلما بلغنا المغار استحدثت فرسی فسبقت اصحابي و تلقاني الخي بالرنين فقلت لهم قولوا لا اله الا الله تحوزوا الخ فرما رہے ہیں کہ جب ہم محل اغارہ و قتال کے قریب پہنچے تو میں اپنے گھوڑے کو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑا کر ان لوگوں کے پاس پہنچا یعنی جن سے قتال کرنا تھا، وہ مجھے دیکھ کر رونے لگے گڑ گڑانے لگے قتال سے گھبرا کر میں نے ان سے کہا کہ اگر جان بچانا چاہتے ہو تو لا اله الا الله پڑھ لا اور اسلام میں داخل ہو جاؤ فقاوہا پس ان لوگوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا، جب میرے ساتھیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو مجھ کو بلامت کرنے لگے کہ تو نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا، لیکن تو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب قتال کا لا مسئلہ رہا ہی نہیں

لہذا یہ سب لوگ مدینہ واپس لوٹ آئے اور میرے ساتھیوں نے میری اس کارروائی کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کی۔ بظاہر بطور شکایت کے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بلایا اور بلا کر میرے اس فعل کی تحسین فرمائی اور داد دی اور یہ بھی فرمایا کہ ان اسلام لائیا لوں میں سے تجھ کو ہر ایک کے بدلہ میں اتنا ثواب ملا، اور آپ نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ میں تیرے لئے ایک تحریر میں اپنی وصیت لکھ کر تجھ کو دیتا ہوں یعنی بطور سند کے، چنانچہ آپ نے وہ تحریر لکھوا کر اس پر اپنی مہر لگا کر میرے حوالہ فرمادی جیسا کہ روایت میں ہے، ففعل وختم علیہ ودفعہ الیّ، اس کے بعد ہے: وقال لی۔ ثم ذکر معناہم، یعنی اس کے بعد مجھ کو وہ دعا تلقین فرمائی، تو جس طرح آپ نے فاص طور سے ان کو یہ وثیقہ عطا فرمایا تھا اسی طرح یہ دعا بھی ان کو خصوصیت کے ساتھ تعلیم فرمائی۔

سَأَكْتُبُ لَكَ بِالْوَصَاةِ بَعْدِي، کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آپ نے بعد میں آنے والے خلیفہ کے نام کچھ تحریر فرمایا ان صحابی کیلئے کوئی عطیہ مستقل یا وقتی طور سے، کہ ان کو اتنا اتنا دیدیا جائے۔

دعاء آخِر: قل هو الله احد ومعوذتین ہر ایک تین تین مرتبہ صبح اور شام، عبداللہ بن حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلے ہوئے تھے ایک رات کا واقعہ ہے جس میں بارش اور سخت تاریکی تھی کسی نماز کا وقت آنے پر چونکہ سب منتشر تھے تاریکی کی وجہ سے ایک دوسرے کو نظر نہیں آ رہے تھے تو ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے تاکہ نماز پڑھا دیں، تلاش کرتے کرتے ہم نے آپ کو پایا تو آپ نے مجھ سے فرمایا (یہ سفر میں بارش اور رات کی تاریکی میں گھبرا رہے ہوں گے) پڑھ (مگر ابھی تک یہ نہیں فرمایا کہ کیا پڑھیں) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں پڑھا، پھر دوسری بار بھی اسی طرح ہوا پھر تیسری مرتبہ جب آپ نے فرمایا تو میں نے کہا کہ کیا پڑھوں یا رسول اللہ! تو اس پر آپ نے یہ تین سورتیں بتلائیں جو اوپر مذکور ہوئیں، یہ روایت نسائی میں بھی ہے جس کے ایک طریق میں یہ ہے: كنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی طریق مکة فاصبت غلوة من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فذوت من فقال قل، فقلت ما اقول الخ اس میں قل هو اللہ مذکور نہیں صرف معوذتین کا ذکر ہے، اور اس کے ایک طریق میں اسی طرح ہے جس طرح یہاں ابوداؤد میں، اور ایک طریق میں اس طرح ہے: عن عبداللہ بن حبیب عن عقبہ بن عامر الجہنی قال بینا انا و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راہلہ فی غزوة اذ قال یا عقبہ قل الحدیث، جس میں یہی تین سورتیں مذکور ہیں، اور پھر اس کے بعد امام نسائی نے اس حدیث عقبہ ہی کو متعدد طرق سے ذکر کیا جن میں عبداللہ بن حبیب کا کوئی ذکر نہیں، اور ہمارے یہاں ابوداؤد میں کتاب الصلوة کے اخیر میں۔ باب فی المعوذتین۔ میں صرف عقبہ بن عامر کی حدیث دو طریق سے مروی ہے، اور یہاں مصنف نے صرف عبداللہ بن حبیب کی حدیث ذکر فرمائی ہے، اور امام نسائی نے دونوں یکجا ہی ذکر فرمائی ہیں لہذا یہ دو حدیثیں

۱۰ میں تیرے لئے وصیت لکھتا ہوں اپنے بعد یعنی آئندہ کے لئے ۲۔



مستقل ہیں، معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن حبیب اور عقبہ بن عامر دونوں ہی کو ان سورتوں کے پڑھنے کی تعلیم فرمائی تھی۔  
**دعاء آخن:** حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو نماز شروع کرنے سے پہلے یہ اذکار پڑھتے  
**تکبیر (اللہ اکبر)** دس بار، **تحمید (الحمد لله)** دس بار، **سبحان الله** و **بجملہ** دس بار، **سبحان الملك القدوس** دس بار،  
**استغفار** دس بار، **تہلیل (لا اله الا الله)** دس بار، اور اس کے بعد یہ پڑھتے: **اللهم انى اعوذ بك من ضيق الدنيا وضيق**  
**يوم القيامة**۔ دس بار۔

**دعاء آخن:** سمع سميع بحمد الله ونعمته وحسن بلائنا، اللهم صاجبنا فأنضِل علينا عاذاً باالله  
**من النار** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو صبح کے وقت  
یہ دعا پڑھتے، جس کا ترجمہ یہ ہے: سب سننے والے سن لیں ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اس کے انعامات پر جو ہم پڑھیں،  
مطلب یہ ہے کہ ہم ان نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں، اور سب سننے والوں کو اس پر گواہ  
بتاتے ہیں، اسے اللہ تو ہمارے ساتھ رہے (باعتبار نفرت و مدد کے) اور ہم پر فضل فرما، ہم کو جہنم سے بچاتے ہوئے۔

**دعاء آخن:** بسم الله الذي لا يضر مع اسمه شيء في الارض ولا في السماء وهو السميع العليم۔ تین مرتبہ  
صبح کو اور تین مرتبہ شام کو، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس طرح کرے گا کوئی ناگہانی مصیبت اس کو نہ پہنچے گی  
اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے حضرت عثمان ہیں، اور ان سے نقل کرنے والے ان کے  
بیٹے ابان ہیں، اور ابان سے روایت کرنے والا راوی نامعلوم الامم ہے ایک مرتبہ حضرت ابان کو فاجح کی بیماری لاحق ہوگئی  
تو وہ نامعلوم الامم شخص ان کی طرف دیکھنے لگا (یعنی اس لحاظ سے کہ اگر وہ حدیث صحیح تھی جو تم نے بیان کی تو تم کو فاجح کیوں  
پڑا) حضرت ابان اس کے اس اعتراض کو سمجھ گئے تو انہوں نے جواباً کہا کہ کیا بات ہے کیوں مجھ کو دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی  
قسم میں نے اس حدیث کو اپنے والد عثمان سے غلط نقل نہیں کیا اور نہ حضرت عثمان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
سے یہ حدیث غلط نقل کی، دراصل بات یہ ہے کہ جس روز مجھ کو یہ فاجح پڑا تھا اس روز مجھ کو کسی بات پر غصہ آ رہا تھا جسکی  
وجہ سے اس کو پڑھنا بھول گیا تھا، دیکھئے کیسے یقین کی بات ہے۔

**دعاء آخن:** اللهم عاقني في بدني اللهم عاقني في سمعي اللهم عاقني في بصري لا اله الا انت، حضور صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم یہ دعا صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

**دعاء آخن:** اللهم رحمتك ارجو فلا تكن لي الى نفسي طرفة عين واصلح لي شأني كله لا اله الا انت، آپ نے فرمایا  
جس شخص کو کوئی کرب اور بے چینی پہنچے اس شخص کو چاہیے کہ یہ دعا پڑھے، اس دعا کو آپ نے ذوات المکروب سے تعبیر فرمایا۔

**دعاء آخن:** سبحان الله العظيم وبحمده، صبح و شام سو سو مرتبہ، اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسا  
کرے گا تو مخلوق میں سے کوئی شخص اسکے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے گا، یعنی ان لوگوں میں سے جو اس کو نہ پڑھتے ہوں۔

## باب ما يقول لرجل اذا رأى الهلال

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ پہلی رات کا چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: هلال خير ورشد، هلال خير ورشد، هلال خير ورشد، امنن بالذي خلقك، یہ بھی تین بار، اس کے بعد یہ پڑھتے: الحمد لله الذي ذهب بشهر كذا وجاء بشهر كذا، دونوں جگہ، كذا کی جگہ اس مہینہ کا نام لیا جائیگا، پہلی جگہ وہ مہینہ جو گذرا اور دوسری جگہ وہ مہینہ جو شروع ہوا، مثلاً الحمد لله الذي ذهب بشهر ذي القعدة وجاء بشهر ذي الحجة۔

اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے: كان اذا رأى الهلال صوف وجهه عنه، کہ جب آپ چاند دیکھتے تو اپنے چہرہ مبارک کو اس سے پھیر لیتے، اس حدیث کے راوی قتادہ ہیں اور اوپر جو دعا گزری اس کے راوی بھی قتادہ ہی ہیں اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ دعا مذکور پڑھنے کے وقت آپ ایسا کرتے تھے تاکہ کسی کو یہ واہمہ اور شبہ نہ ہو کہ چاند سے دعا مانگی جا رہی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ كذاني البذل فقلنا عن تقرير الگنگوہی۔

## باب ما جاء فيمن دخل بيته ما يقول

یعنی گھر میں داخل ہونے کی دعا، اس باب میں مصنف نے ہمارے نسخہ کے موافق تین حدیثیں ذکر کی ہیں لیکن پہلی دو حدیثوں میں جو دعا مذکور ہے وہ گھر سے باہر آنے کے وقت کی ہے، البتہ تیسری حدیث میں جو دعا مذکور ہے وہ دخول بیت کی ہے: اللهم اني اسألك خيرا المولى وخيرا المخرج بسم الله ولجنا ولسم الله خريجنا وعلى الله ربنا توكلنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو اس کو چاہیے کہ پہلے یہ دعا پڑھے اور پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

اور نکلنے کی جو دعا اس میں مذکور ہے: اللهم ان اعوذ بك ان اصبل او اصبل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجهل او يجهل علي اور حدیث میں یہ بھی ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر سے نکلتے تھے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے: بسم الله توكلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله، تو کہا جاتا ہے یعنی من جانب اللہ تعالیٰ فرشتہ کہتا ہے صدقت وكفيت ووقيت۔

۱۰ فی ہامش المحسن: قوله المخرج بكرة اللام فقط في اصل الجمال، وفتح ما في اصل الاصيل والاول هو المعول فانه نظير الموعد وشبيه الموعد ولعل وجه الفتح هو المشاكلة لقوله وخير المخرج مع انه من لزوم ما لا يلزم، الى آخره فيہ۔

کہ تو ہدایت پر ہے اور ہر شر سے تیری کفایت کی گئی اور حفاظت، اور حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے اس دعا کی مناسبت میں کہ آدمی جب تک اپنے گھر میں رہتا ہے تو فتن و بلیات سے مامون ہوتا ہے پس جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کے ساتھ رہ کر اس کو خصومات وغیرہ پر ابھارتا ہے پس جب گھر سے نکلنے والا اس چیز سے پناہ پاتا ہے اللہ تعالیٰ کی جس چیز سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ چاہی ہے اور آپ کی بتائی ہوئی یہ دعا پڑھتا ہے تو شیطان اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔

## باب ما یقول اذا حاجت الريح

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی خوب کھل کھلا کر منبتے ہوئے نہیں دیکھا ایسا کہ جس میں حلق کا کوئی نظر آنے لگے، آپ تو بس تبسم فرمایا کرتے تھے اور آپ کا حال یہ تھا کہ جب آسمان پر بادل دیکھتے یا تیز ہوا چلتی تو اس کا اثر آپ کے چہرے سے پہچانا جاتا تھا، یعنی خوف اور سہم، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ تو جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں بارش کی توقع پر اور آپ کو میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل کو دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے سے ناخوشی محسوس ہوتی ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا چیز مجھ کو مطمئن کر سکتی ہے بادل میں عذاب ہونے سے تحقیق کہ بعض قوموں کو عذاب دیا گیا ہے ہوا کے ذریعہ یعنی قوم عاد، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم، اور تحقیق کہ بعض قوموں نے عذاب کو یعنی بادل کو جس میں عذاب تھا یعنی ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، انہوں نے بادل کو دیکھ کر کہا کہ یہ ہم پر پانی برسانے والا ہے، اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے، فلما رأوا ولا عارضاً مستقبل اذیتهم قالوا هذا عارض ممطرنا الآية۔

کان اذا رأی ناشئاً فی افق السماء ترک العمل، یعنی جب آپ بادل اٹھتا ہوا دیکھتے آسمان میں تو پہلے سے جس کام میں مشغول ہوتے اس کو چھوڑ دیتے اگرچہ نماز ہی میں ہوں یعنی نفل نماز اور اگر مطلق نماز مراد لی جائے تو پھر اس ترک سے مراد تاخیر ہوگی، اور آپ یہ دعا پڑھتے لگتے: اللھم انی اعوذ بک من شرھا، پس اگر اس کے بعد بارش برستی تو پھر یہ دعا پڑھتے اللھم صیباھنیثاً۔

## باب فی المطر

حدیث الباب کا مضمون یہ ہے: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے ہم آپ کے ساتھ تھے (بظاہر سفر میں) تو بارش ہونے لگی تو آپ اندر سے باہر نکل کر آئے (بظاہر خیمہ سے) اور اپنے بدن سے کپڑا اٹھایا چادر وغیرہ جو اوڑھ رکھی تھی، یہاں تک کہ بارش کا پانی آپ کے بدن کو لگا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسلئے کہ یہ بارش تازہ تازہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آرہی ہے یعنی اوپر سے آرہی ہے اللہ تعالیٰ بھی اوپر ہی ہیں الرحمن علی العرش استوی، اہم لاوی فرماتے ہیں کہ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو ابھی ابھی اوپر سے نازل ہو رہی ہے تو آپ اس بרכת حاصل فرماتے تھے۔

## باب فی الـدیك والـبہائم

لا تسبوا الـدیك فانه یوقظ للصلوة، کہ مرغ کو برامت کہو وہ نماز کے لئے جگاتا ہے، تہجد کی اور صبح کی، اس کے بعد دوسری روایت میں ہے کہ جب مرغوں کے چیخنے کی آواز سنو (جس کو ہم لوگ اذان سے تعبیر کرتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو اسلئے کہ یہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتے ہیں، اور جب تم گدھوں کے بولنے کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو شیطان سے اسلئے کہ حمار شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے، حضرت گن گوہی کی تقریر میں ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ مرغ جب بھی بولتا ہے تو وہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر بولتا ہے، ایسے ہی حمار ہمیشہ شیطان ہی کو دیکھ کر بولتا ہے بلکہ ان کے بولنے کے اسباب اور بھی ہوتے ہیں، لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں کہ اس وقت یہ بولنا کس وجہ سے ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے ہو کہ اس نے فرشتہ کو دیکھا اور اس نے شیطان کو لہذا دعاء ہر بار ہی پڑھ لینی چاہیے، اور سبب ہے، اور فرشتہ کو دیکھنے کے وقت میں دعاء کا استجاب اسلئے ہے کہ دعاء اولیاء اور مقربین کے حواری اور پڑوس میں قبول ہوتی ہے اور جس جگہ صلحاً رکاوٹ ہو تو وہاں برکت نازل ہوتی ہے۔

اور اسکے بعد والی روایت میں ہے کہ جب تم لوگ رات میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنو یا گدھوں کی تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو، فانہن یرین مالا ترون، کہ بیشک یہ جانور ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ رہے ہو، شیاطین اور آفات آسمان سے نازل ہونے والی۔

أقلوا الخروج بعد ہدایة الرجل، آپ فرما رہے ہیں کہ قدموں کے سکون کے بعد (یعنی جب لوگ چلنا پھرنا رات کے وقت بند کر دیں) تو گھروں سے باہر نکلنا کم کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوق ایسی ہے جس کو اس وقت میں یعنی رات کے وقت میں زمین پر پھیلا دیتے ہیں، یعنی موذی جانور اور جنات وغیرہ، لہذا رات کے وقت سڑکوں پر چلنے پھرنے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

## باب فی المولود یؤذن فی اذنه

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ کے یہاں حضرت حسن کی ولادت ہوئی تو میں نے دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کہ آپ نے ان کے کان میں اذان دی، اس حدیث سے نومولود کے کان میں اذان کی سنیت ثابت ہو رہی ہے، اور شرح السنۃ میں ہے، مروی ہے

لے فی ہامش البذل نقل عن حاشیۃ شرح الاقناع ص ۲۴۳ یس ایضاً ان یقرأ فی اذن المولود قبل ہولہ اللہ احد قال بعضهم فاصیبتا ان من فعلہ بر ذلک لم یزن مدۃ عمرہ اھ۔

یہ بات کہ حضرت عمر بن عبد العزیز مولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتے تھے (عون عن المرقاة) وھذا فی حاشیۃ الترمذی، اقامت کے بارے میں حافظ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ ایک مرفوع حدیث بھی ہے اخرجہ ابن السنی من حدیث الحسن بلقط من ولدہ مولود فاذا فی اذنتہ الیمینی واقام فی الیسری لم تفرہ ام الصبیان، وام الصبیان ہی التابعتہ من الجن (عون) دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے تھے اور ان کی تخنیک بھی فرماتے تھے، تخنیک کا ذکر ابھی چند ابواب پہلے گذرا ہے، اور باب کی تیسری روایت میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم هل رُئی اذ کلتمت خیرھا۔ فیکم المغربون؛ قلت وما المغربون؟ قال الذین یشترک فیہم الجن، کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم میں مغربین بھی دیکھنے میں آتے ہیں، یعنی پائے جاتے ہیں، وہ فرماتی ہیں میں نے پوچھا کہ مغربین کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جن میں جنات کی شرکت ہو، یعنی جن کے وجود اور پیدائش میں ان کی شرکت ہو، جن سے مراد شیطان، اور شرکت سے مراد شرکت فی الجماع شرح نے لکھا ہے کہ جس جماع کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے یعنی بے بسم اللہ کی اولاد اور ایسے بچے کو مغرب اس لئے کہا گیا کہ اس میں ایک بے بسم اللہ کا عنصر داخل ہو گیا ہے یعنی غیر جنس کا نسب اس میں شامل ہو گیا، اور دوسرا قول مغربینا کے بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد اولاد زنا ہے اور مشارکہ جن سے مراد شیطان کا آدمی کو زنا پر ابھارنا اور اس کی ترغیب دینا۔

### باب فی الرجل یستعید من الرجل

حدیث الباب میں ہے کہ من استعاذ باللہ فاعیذوا ومن سألکم بوجه اللہ فاعطوا۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر تم سے پناہ چاہے یعنی اپنے دشمن سے تو اس کو پناہ دیدو اور اس کی درخواست پوری کرو اور ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر تم سے سوال کرے تو اس کو عطا کردو اور جو تمہاری دعوت کرے اس کو قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے فکا فوہ تو اس کی مکافات کرو یعنی اس کے احسان کا بدلہ دو، فان لم تجدوا فادعوا لہ لیس اگر بدلہ دینے کے لئے تم کچھ نہ پاؤ تو اس کے لئے دوسرے درجہ میں دعا ہی کرتے رہو یہاں تک کہ جان لو کہ تم نے اس کی مکافات اور تلافی کر دی۔

### باب فی رد الوسوسۃ

حدثنا ابو زبیل قال سألت ابن عباس فقلت ما شئ اجدہ فی صدري، قال ما هو؟ قلت واللہ ما اتکلم بہ۔

یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تفعیل سے بھی مستعمل ہے اور باب اتعال سے بھی وہی البذل تیل المغرب من الانسان من خلق من مار الانسان والجن وکتب علیہ شیخ فی حاشیہ نیکون الحدیث حجتہ لمن قال انہم یتناکون، والسلسلہ خلافہ بصوطہ فی الفتح ۲۱۶، والاشامی ۲۸۱، ولای يجوز نکاح الا تس مع الجن واجازہ احسن البصری۔

ابوزمیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا پتہ نہیں کیا میرے سینہ میں خیالات آتے ہیں انہوں نے پوچھا کہ کیا ہے وہ خیال، میں نے کہا واللہ میں تو اس کو زبان سے نکالوں گا نہیں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ کیا کوئی شک شبہ کی بات ہے کیا، اس پر وہ ہنسنے لگے اس پر ابن عباس نے فرمایا کہ شک اور شبہ سے تو کسی نے آج تک نجات پائی ہی نہیں یہاں تک کہ قرآن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بات آگئی۔ فان كنت في شك مما انزلنا اليك، الآية اور پھر حضرت ابن عباس نے یہ فرمایا مجھ سے کہ جب تم کو اس قسم کا شک ہو اگر سے تو پڑھ لیا کرو۔ هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم۔

اس کے بعد دوسری روایت میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چند صحابہ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اپنے اندر ایسے وساوس اور خیالات پاتے ہیں جس کو زبان پر لانا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں، اگر ہمیں ساری دنیا بھولے تب بھی ہم نہیں چاہتے کہ اس کو زبان سے ادا کریں، تو اس پر آپ نے فرمایا کیا تم اپنے اندر یہ چیز پاتے ہو؟ یعنی اس وسوسہ کو اتنا برا سمجھنا کہ اگر ساری دنیا بھولے تو اس کو اپنی زبان سے نہ کہیں، انہوں نے عرض کیا کہ ہاں واقعی پاتے ہیں، آپ نے فرمایا ذاك صريح الايمان یہ تو فالص ايمان ہے یعنی ایمان ہی کی وجہ سے تم اس خیال کو برا سمجھ رہے ہو پھر فکر کی کیا بات ہے۔ قد وجدتموه في ضمير منسوب استعظام کی طرف راجع ہے جس پر لفظ اعظم ان شکم پر دلالت کر رہا ہے، اور یہ ضمیر وسوسہ کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ وسوسہ تو شیطان کی طرف سے ہے، صاحب وسوسہ کو اس طرح بھی سمجھا سکتے ہیں جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے شیطان تیرے دل میں وسوسے اسی لئے تو ڈال رہا ہے کہ تیرے پاس ایمان کی دولت ہے وہ اس کو لینا چاہتا ہے، چور تو اسی مکان میں داخل ہوتا ہے جہاں سرمایہ اور پونجی ہو فالی اور دیران گھر میں چور جا کر کیا کرے گا، بعض صوفیہ نے وسوسہ کا علاج یہی لکھا ہے کہ وساوس کے وقت میں اس طرح سوچنا چاہئے تاکہ اطمینان حاصل ہو جائے اور شیطان اپنے مقصد میں ناکام ہو کہ اس کا مقصد آدمی کو اکھن میں ڈال کر اسکے سکون کو ختم کرنا، ہوتا ہے۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آکر وساوس کی شکایت کی اور یہ بھی کہا کہ میں جل کر کوئلہ ہو جاؤں یہ مجھے پسند ہے، اس سے کہ اپنی زبان سے اس وسوسہ کو ظاہر کروں تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد لله الذی رد کیدا الی الوسوسۃ، کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے شیطان، کی چال اور تدبیر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا، یعنی شیطان کا اصل مقصد تو خروج عن الایمان ہے کہ آدمی ایمان سے خارج ہو جائے لیکن اس میں تو وہ کامیاب ہوا نہیں تو اس نے سوچا کہ کم سے کم اس شخص کو وسوسہ کفر ہی میں مبتلا کر دے، حقیقت کفر میں تو مبتلا نہیں کر سکا، لہذا اس پر آدمی کو چاہئے کہ بجائے پریشان ہونے کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔



## باب فی الرجل ینتسب الی غیرہ والیہ

حدثنی ابو عثمان قال حدثنی سعد بن مالک قال سمعتہ اذ نای ووعاہ قلبی من محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم انه قال من ادعی الی غیر ابیہ وهو یعلم انه غیر ابیہ فالجنة علیہ حرام قال فلقیت ابا بکر فاذا ذکرت ذلک  
لہ فقال سمعتہ اذ نای ووعاہ قلبی من محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

**شرح الحدیث** | متن حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور طرف منسوب کرے یہ جانتے ہوئے کہ وہ میرا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے، اسلام میں ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

اور زانی ولد الزنا کا شرعاً باپ نہیں ہے لہذا اگر کوئی ولد الزنا یہ جانتے ہوئے اپنے آپ کو زانی کی طرف منسوب کرے گا تو وہ اس وعید میں داخل ہوگا، ابو عثمان نے یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھی وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یثینہ کے بعد میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان کو یہ حدیث سنائی انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث تو میں نے خود بھی براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور محفوظ کر رکھی ہے تو گویا اب یہ حدیث ابو عثمان کو دو صحابیوں سے پہنچ گئی اولاً سعد بن ابی وقاص اور ثانیاً ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی لئے آگے روایت میں ہے قال عاصم فقلت یا ابا عثمان الخ۔ عاصم ابو عثمان کے شاگرد ہیں انہوں نے اپنے استاد ابو عثمان سے کہا کہ اس حدیث کی تصدیق اب آپ کو بجائے ایک کے دو صحابیوں سے ہو گئی جو دونوں ہی بہت اونچے درجے کے ہیں، فقال اما احدہما الخ تو اس پر ابو عثمان نے فرمایا کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو کہ اب یہ حدیث مجھ کو دو بڑے اونچے درجے کے صحابیوں سے حاصل ہو گئی، اور پھر آگے ان دونوں کے اوصاف بیان کئے کہ ان میں سے ایک تو وہ ہیں جنہوں نے جہاد میں سب سے پہلے تیر چلایا یعنی سعد بن ابی وقاص، اور دوسرے یعنی حضرت ابو بکر جو ثقفی ہیں وہ حسن طائف سے اتر کر بیس سے زائد اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آ کر مل گئے تھے۔

**زیاد بن عبیدہ ثقفی کا تذکرہ** | یہ ابو عثمان اس حدیث کو سن کر حضرت ابو بکر سے کیوں ملے، اس کا منشا یہ ہے کہ یہ حضرت ابو بکر کے زیاد کے اخیالی بھائی تھے اور یہ زیاد اپنے آپ کو منسوب کرتا تھا غیر اب کی طرف

یعنی زانی کی طرف اور اپنے آپ کو زیاد بن ابی سفیان کہتا تھا حالانکہ ابو سفیان اس کے باپ نہیں تھے بلکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے اس کی ماں کے ساتھ زنا کیا تھا اور اس کی ماں کا شوہر عبیدہ تھا تو اصولاً اس کی نسبت الولد للفراش کے قاعدہ کے تحت عبیدہ کی طرف ہونی چاہیے زیاد بن عبیدہ نہ کہ زیاد بن ابی سفیان، تو ان کا مقصد ابو بکر سے ملنے سے یہ تھا کہ وہ زیاد کو اس سے منع کریں یعنی نسبت الی غیر الاب سے اور یہ حدیث انہوں نے ان کو سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث تو مجھے پہلے سے معلوم ہے، لیکن اب وہاں میں روایت مختصر ہے، انہوں نے جواب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ میں تو اس سلسلہ

میں زیاد سے بات کر چکا ہوں مگر وہ مانا نہیں، یہ روایت جس میں یہ مذکور ہے صحیح بخاری میں ہے، اور اس زیاد اور عبید اللہ بن زیاد کا ذکر ابھی قریب میں باب الجوف میں گذرا ہے، صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں ہے عن ابی عثمان لما ادعی زیاد لقیث ابابکرۃ الخ امام نووی اسکی شرح میں لکھتے ہیں وذلک ان زیاداً هذا المذكور هو المعروف بزیاد بن ابی سفیان ویقال فیہ زیاد بن ابیہ ویقال زیاد بن امہ، وهو الخواری بکرۃ لامہ وكان یعرف بزیاد بن عبید اللہ ثم ادعاه معاویۃ بن ابی سفیان والحقہ بابیہ ابی سفیان الی آخر ما ذکر فیہ: وكان ابو بکرۃ ممن انکر ذلک ومجرب سبب زیاد واطلف ان لایکلم ابداً ولعل ابی عثمان لم یبلغہ انکار ابی بکرۃ الخ۔

قال ابو علی سمعت ابا داؤد قال قال النضلی، حیث حدث بهذا الحدیث۔ واللہ انہ عندی احلی من العسل

یعنی قولہ حدثنا وحدثنی، نقلی امام ابو داؤد کے استاذ ہیں اور انہوں نے یہ حدیث بصیغہ تحدیث بیان کی ہے حدیثنا زہیرا تو اسی کے بارے میں مصنف نقلی کا قول نقل فرما رہے ہیں کہ صیغہ حدیثنا اور حدثنی یعنی اس لفظ سے حدیث روایت کرنا میرے نزدیک شہد سے بھی زیادہ شیریں ہیں کیونکہ یہ لفظ سماع من غیر واسطہ میں صریح الدلالہ ہے، بخلاف عنعنہ کے یعنی روایت بہ عن کہ اس میں تدلیس اور واسطہ کا امکان باقی رہتا ہے اس کے بعد امام ابو داؤد اپنے دوسرے استاد امام احمد بن حنبل کا قول نقل فرماتے ہیں: سمعت احمد یقول لیس لحدیث اہل کوفۃ نور۔ حدیث سے مراد روایت حدیث نہ کہ نفس حدیث، اور مطلب یہ ہے کہ اہل کوفہ کی روایت کا جو طرز اور طریقہ ہے اس میں روشنی اور وضاحت نہیں ہوتی یعنی وہ لوگ سرد اسانید میں اعتبار تحدیث عنعنہ کا فرق ظاہر نہیں کرتے جس کی وجہ سے روایت کا حال واضح اور منکشف نہیں ہوتا اور آگے فرماتے ہیں ومارایت مثل اہل البصرۃ کا تو تعلموہ من شعبۃ، کہ اہل بصرہ میں ان چیزوں کا بڑا ہتھام ہے، دراصل انہوں نے یہ چیز شعبہ سے حاصل کی ہے یعنی اسانید بیان کرنے کا طریقہ عنعنہ اور تحدیث وغیرہ کا فرق ملحوظ رکھنا، بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے ہے کہ اہل کوفہ سے تمام اہل کوفہ مراد نہیں بلکہ اس سے غیر اصحاب ابی حنیفہ مراد ہیں اسلئے کہ عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اور حضرت علی کے اصحاب جن سے زیادہ ترقی حنفی ماخوذ ہے اور ان کے تلامذہ سب سب اسانید کو علی وجہا روایت کرتے ہیں بلکہ ان کی حدیث پر تو اہل بصرہ کی حدیث سے زیادہ نور ہے۔

من تولى قوماً بغیر اذن موالیه فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، اس حدیث میں ولار سے ولار الموالا

اور ولار العتق دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اگر ولار الموالا مراد ہے تب تو بغیر اذن موالیہ یہ قید احترامی ہوگی اسلئے کہ اگر سابق موالی سے اجازت لے کر دوسرے لوگوں سے عقد موالا کیا جائے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی اشکال نہیں، ہاں اگر بغیر اجازت اور بغیر اطلاع کے دوسروں کے ساتھ عقد موالا کر لیا جائے گا تو یہ نقض عہد اور غدر ہوگا، اور اگر موالا سے مراد ولار العتق ہے، یعنی آدمی آزاد کردہ غلام ہے ایک شخص کا اور وہ پھر تمک جرای کر کے اپنے عتق کو منسوب کرے دوسرے کی طرف اور اس کو اپنا مولی العتاقہ قرار دے تو اس صورت میں بغیر اذن کی قید احترامی نہ ہوگی بلکہ بیان واقع کے لئے ہوگی، اس لئے کہ اجازت کا تو یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کون سا مولی اور اتقا اجازت دے سکتا ہے اپنے آزاد کردہ غلام کو کہ تو اپنی نسبت بجائے دوسرے کی طرف کر دے۔

مصنف نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں پہلی حدیث میں "من ادعی الی غیر ابیہ" مذکور ہے اور دوسری میں "من تولى بغیر اذن موالیہ" اور تیسری حدیث جو آگے آ رہی ہے اس میں بہ دو تین مضمون جمع ہیں چنانچہ اس کے لفظ یہ ہیں "من ادعی الی غیر ابیہ، او ادعی الی غیر موالیہ۔"

## باب فی التفاخر بالاحساب

ان الله قد اذهب عنكم عبية الجاهلية و فخرها بالآباء، مؤمن تقى، و فاجر شقى۔

احساب جمع حسب کی یعنی فاندانی شرافت جس پر لوگ فخر کیا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان ہے جس پر اس کا شکر واجب ہے کہ اس نے تم کو اسلام سے نواز کر زمانہ جاہلیت کی بری خصلت یعنی آباء و اجداد پر فخر کرنا اس کو تم سے زائل کر دیا۔ بس اب اسلام میں تو یہ ہے عزت اور ذلت کا مدار ایمان و تقویٰ، اور فسق و فجور آدمی اگر مؤمن تقی ہے تو باعزت ہے، اور فاسق و فاجر ہے تو بدبخت اور ذلیل ہے، یعنی اپنے اعمال کا اعتبار ہے، نسبت الی الآباء اصالة معتبر نہیں نہ اچھائی میں نہ برائی میں، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور تم سب کے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں تو جس شخص کی اصل خاک اور مٹی ہو وہ فخر کیوں کرے، آگے آپ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ اپنے آباء پر فخر کرتے ہیں اور آباء بھی ایسے جو جہنم کا ایندھن ہیں وہ یا تو ان پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاخانہ کے اس کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے جو غلظت، اپنی ناک سے ہٹا تا ہوا آگے بڑھتا ہے یہ حدیث سنن ترمذی کی آخری حدیث ہے، اس سے پہلے امام ترمذی نے بعض مسائل کے مناقب پر چند باب قائم کئے تھے اور پھر ان کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں ان کو ان ابواب میں لائے تھے، پھر ان سب سے اخیر میں یہ باب لائے ہیں۔

## باب فی العصبية

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال من نضو قومہ علی غیر الحق فهو كالبعير الذی ردی فهو یزغ بذنبہ عصبیت سے مراد حمیتہ جاہلیہ یعنی وہ حمایت اور طرف داری جو زمانہ جاہلیت میں معروف تھی یعنی اپنی قوم کی حمایت کرنا بہ صورت، خواہ وہ حق پر ہو یا غیر حق پر، یہ عصبیہ سے ماخوذ ہے، جس کا اطلاق باپ کی جانب کے اقارب اور رشتہ داروں پر ہوتا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنی قوم کی حمایت اور نصرت کرے، حق آریں گھوکو وہ گناہ اور تباہی میں ایسا مبتلا ہو جس سے چھٹکارا مشکل ہے کیونکہ وہ اس کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ شخص مانند اس اونٹ کے ہے جو زمین پر سے گزیر کے اندر گر جائے اور اس کو اس کی دم پکڑ کر کھینچی جا رہا ہو تو وہ اہر ہے کہ یہ اونٹ اس طرح باہر نہیں آسکتا، مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ اپنی قوم کی حمایت بے جا اور ناحق ہو، ورنہ اپنی قوم کی حمایت ان کے حق پر

ہونی کی صورت میں بڑی عمدہ خصلت اور فضیلت کی چیز ہے جیسا کہ آگے حدیث میں آرہا ہے: خیرکم المدافع عن عشرتہ مالم یا ثم، لیس منامن دعا الی عصبیۃ الخ۔ یعنی جو شخص اپنی قوم کو پکارے ناحق اپنی اعانت کے لئے وہ ہم میں سے نہیں اور ایسے ہی وہ شخص جو عصبیت کی بنیاد پر قتال کرے، اور ایسے ہی وہ جو عصبیت پر غرے، یعنی مرتے وقت تک اس میں عصبیت کی خصلت پائی جا رہی ہو اور اس نے اس سے توبہ نہ کی ہو۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابن اخت القوم منهم اس حدیث کی شرح ہمارے یہاں کتاب الفرائض، الخصال وارث من لا وارث لہ کے ذیل میں گذر چکی۔

شہدت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احداً فضریت رجلاً من المشرکین فقلت خذھا منی وانا الغلام الفارسی فالتمت انی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال فہلا قلت: خذھا منی وانا الغلام الانصاری، یہ حدیث ابو عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو اصلاً فارسی ہیں اور ویسے انصاری کے مولیٰ بھی ہیں، اب ظاہر بات ہے کہ ان دو نسبوں میں سے مولیٰ الانصاری کی نسبت دینی نسبت ہے اور فارسی ہونے کی نسبت قومی نسبت ہے اور یہ مقام تھا مقام افتخار جو جہاد کے موقع پر جائز ہے اور عصبیت میں داخل نہیں، تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ خزاگر کیا جائے تو دینی نسبت کے لحاظ سے ہونا چاہیے، انصاری ہونا یہ ایک دینی نسبت ہے، اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث کتاب اللباس میں گذری ہے، باب ما جارنی اسبال الازارہ کے اندر ابن المختلیہ کی جس کو ان سے روایت کرنے والے حضرت ابوالدردار ہیں جس میں یہ گذرا ہے خذھا منی وانا الغلام الفارسی حدیث، یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں۔

### باب الرجل یحب الرجل علی خیریراۃ

اذا احب الرجل اخاه فلیخبرہ انہ یحبہ، یعنی اگر کسی کو کسی سے خصوصی تعلق اور محبت ہو تو اس کو اس کی خبر کر دے تاکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو اور محبت میں اضافہ ہو، اور اس کے بعد والی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جب وہ اس کو اپنی محبت کی اطلاع کرے اور کہے انی احبک فی اللہ، تو اس دوسرے کو چاہئے کہ وہ جواباً یوں کہے: احبک الذی احببتنی لہ باب کی آخری حدیث میں یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ سے یہ عرض کیا کہ اگر کسی شخص کو کسی اپنے بھائی سے محبت ہو اس کے عمل خیر کی وجہ سے لیکن وہ محبت کرنے والا خود ایسا عمل نہ کرتا، تو اس صورت میں کیا ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ المرء مع من احب یعنی آدمی کا حشر اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو جتنی خوشی آپ سے اس حدیث کو سنکر ہوئی اتنی خوشی کبھی کسی چیز پر نہیں ہوئی، جس کی وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ صحابہ کرام کو سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے تھی۔

## باب فی المشورۃ

المستشار مؤتمن، جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ شخص مستشار امین ہے اس بارے میں، لہذا اس کو صحیح صحیح مشورہ دینا چاہیے خیر خواہی کے ساتھ اور مستشرق کے راز کو بھی فاش نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ امین ہونے کا مقتضی ہے۔

## باب فی الدال علی الخیر

ایک شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری سواری یعنی اونٹنی تھک کر بیچار ہو گئی (اونٹ جب تھکتا ہے پھر وہ بیٹھ جاتا ہے اور قابل انتفاع نہیں رہتا) حتیٰ کہ اس کے مالک کو اس کو چھوڑنا پڑتا ہے ایسے اونٹ کو حسیر کہتے ہیں، کتاب الانجارہ میں اس پر مستقل باب گذر چکا۔ باب فین ایسی حسیر! لہذا مجھ کو کوئی سواری عنایت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا میرے پاس سر دست کوئی سواری نہیں ہے، اور آپ نے اس کو ایک صحابی کا نام لے کر بتایا کہ تو اس کے پاس چلا جا شاید وہ تجھ کو سواری دیدے، وہ اس کے پاس گیا تو اس شخص نے اس کو سواری دیدی، اس شخص نے آکر حضور کو اس کی اطلاع کی اس پر آپ نے فرمایا: من دل علی خیر فقلہ مثل اجر فاعلہ، جو شخص جو کار خیر خود نہ کر سکے لیکن وہ شخص دوسرے کو ایسے شخص کا پتہ بتا دے جو اس کار خیر کو کر سکتا، تو اس بتانے کا اجر کار خیر کرنے والے کے برابر ہے۔

## باب فی الہوی

حبك الشئ یكفی ویضو، تیرا کسی چیز سے محبت کرنا تجھ کو اندھا اور بہرہ کر دینگا، یعنی تجھ کو اپنے محبوب کا کوئی عیب معلوم نہ ہوگا، اور اس کے بارے میں تو دوسروں کی تنقید سے بھی بہرہ ہو جائیگا، آپ کا مقصود اس ارشاد سے تنبیہ کرنا ہے کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کو اندھا اور بہرہ نہیں ہونا چاہیے، اسی کو مصنف بھی کہہ رہے ہیں۔ باب فی الہوی، یعنی اپنی محبوب چیز کے بارے میں ہوائے نفسانی کا اتباع نہیں کرنا چاہیے، خود بھی اس کو پرکھنا چاہیے اور دوسرا کوئی تنقید کرے یا نصیحت کرے اس کے بارے میں تو اس کو بھی سنا چاہیے۔

اس حدیث پر محدثین نے کلام کیا ہے جو بذل میں مذکور ہے، بذل میں ہے قال صلاح الدین العلامی الحدیث ضعیف لاینتہی لدرجۃ الحسن اصلاً، ولایقال انه موضوع، سراج الدین قرینی نے اس کو موضوع کہا ہے۔

## باب فی الشفاعۃ

اشفعوا الی لوجہ واولیٰ یقض اللہ علی لسان نبیہ ما شاء، آپ فرما رہے ہیں کہ تم مجھ سے سفارش کر کے یعنی کسی حق

بات میں۔ ثواب حاصل کر لیا کرو، پھر اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اپنے نبی سے فیصلہ کرالیں گے، یعنی فیصلہ جو بھی ہو تمہیں تو نیک نبی سے سفارش کا ثواب مل ہی جائیگا۔

ابھی قریب میں شفاعت سے متعلق ایک حدیث کتاب شرح السنہ کے بالکل آخر میں گذری ہے۔

## باب فی الرجل یبدأ بنفسه فی الكتاب

عن ابن سیرین عن بعض ولد العلاء بن العلاء بن الحضرمی کان عامل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

علی البحرین فکان اذا کتب الیہ بدأ بنفسه۔

ترجمہ الباب کے مصنف یہ بیان کرتا چاہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کو خط لکھے تو کتاب پہلے اپنا نام لکھے شروع میں یا مکتوب الیہ کا؛ اور اشارہ کیا اس طرف کہ کتاب ہی کو شروع میں اپنا نام لکھنا چاہیے، اور ایسے ثبوت میں حضرت علامہ ابن کھضری کے فعل سے جو آپ کے نازل تھے بحرین کے، استدلال کیا کہ جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی تحریر لکھتے تو شروع میں اپنا نام لکھتے، لیکن حضرت نے یزید میں یہ تحریر فرمایا ہے بطور قاعدہ کے کہ اس کا مدار مرتبہ پر ہے اگر کتاب مرتبہ میں مکتوب الیہ سے بڑا ہو تب تو کتاب کو اپنے نام سے ابتداء کرنی چاہیے جیسا کہ دوسرے باب کی حدیث میں آ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ روم ہرقل کے نام ب ب خدا لکھا، یا تو اس میں پہلے اپنا نام لکھا، من محمد رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم، اور اگر مکتوب الیہ کا مرتبہ اونچا ہو کتاب سے جیسے کوئی شخص اپنے باپ یا استاد کو خط لکھے تو وہاں مکتوب الیہ کا نام پہلے ہونا چاہیے، رہی بات حضرت علامہ ابن کھضری کی کہ وہ پہلے اپنا نام لکھتے تھے تو بظاہر وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ایسا کرتے تھے (لیکن آپ تو سب سے بڑے تھے اس لئے آپ اپنا نام پہلے لکھتے تھے) واما تقریرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لاجل بیان الجواز یعنی آپ کا ان کے اس طرز پر سکوت فرمانا اور تشبیہ نہ کرنا یہ بیان جواز کے لئے تھا کہ اس طرح کرنا بھی جائز ہے گو خلاف ادلی ہے۔

## باب کیف یکتب الی الذمی

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتب الی ہرقل: من محمد

رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الہدی۔

آپ کی اس تحریر کا ذکر اوپر آچکا، حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت میں اشکال ہے، ترجمہ الباب میں کتابت الی الذمی مذکور ہے، اور ہرقل تو ذمی نہ تھا، بلکہ آپ سے ملک کا بادشاہ تھا، اللہم الا ان یقال کہ استدلال مصنف کا بطریق اولیت ہے، جب غیر ذمی کی طرف خط لکھنے میں کتاب نے اپنے نام سے ابتداء کی تو ذمی کی طرف خط لکھنے میں اپنے نام سے ابتداء





حضرت معاویہ بن حیدرہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کس کے ساتھ بریعیسی احسان و سلوک کرو؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ اور اس کو تین بار فرمایا۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ پھر اپنے باپ کیساتھ، اور باپ کے بعد پھر اس شخص کے ساتھ جو اور رشتہ داروں میں زیادہ قریب ہو، حاشیہ بذل میں: قال العینی ص ۳۲۲۔  
فیہ حجۃ علی ان طاعة الام مقدمة، وفي الكوكب الدرر ان الاب مقدم في الطاعة اه قلت وبصرح فی کراہیۃ العالمگیریہ ص ۲۳۷  
الی آخری فی الحاشیہ، کوکب طہ میں یہ ہے: احسان اور حسن سلوک میں ماں کا درجہ مقدم ہے باپ پر اور تعظیم و اطاعت میں باپ کا، اور اس کے حاشیہ میں ہے: قال مشائخنا الاب یقدم علی الام فی الاحترام و الام فی الخدمۃ۔

لا یسأل رجل مولاہ من فضلہ عندک فیمنعہ ایاہ الا ادعی لہ یوم القیامۃ فضلہ الذی منعہ شجاعاً اقرب۔  
اس حدیث میں مولیٰ سے مراد مولیٰ الاعلیٰ اور مولیٰ الاسفل دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے آزاد کردہ غلام سے کسی ایسے مال کا سوال کرے کہ وہ اس کی ضرورت سے زائد ہے اور اس کے باوجود وہ اس کو دینے سے انکار کر دے تو تیرا امت کے دن اس کے اس مال کو بلایا جائے گا جو گنجا یعنی سخت زہریلا سانپ بن کر سامنے آئے گا، اور دوسری صورت میں تو تمہارے یہ ہوگا کہ کسی کا آزاد کردہ غلام اپنے مولیٰ سے ایسے مال کا سوال کرے جو اس سے زائد ہے اور۔

ان من الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ الخ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے یہ بات کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت بھیجے اور ان کے لئے بددعا کرے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے والدین کو لعنت کرے؟ آپ نے فرمایا کہ اس طور پر کہ وہ شخص کسی کے باپ پر لعنت بھیجے یا کسی کی ماں پر، اور وہ پھر اس کے جواب میں اس کے باپ یا ماں پر لعنت بھیجے۔

یا رسول اللہ اهل بقی من برا بوی شئی ابڑ ہما بہ بعد موتہما، ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والدین کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرنے کی کوئی صورت باقی رہتی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں باقی رہتی ہے ان کے لئے دعائے رحمت اور استغفار کرنا، ان کی وصیت کو پورا کرنا، اور اس رشتہ کو جوڑنا جو نہیں جوڑا جا رہا ہے مگر والدین کی وجہ یعنی صرف والدین کی وجہ سے اور یہ جیب ہی ہو سکتا ہے جب ان رشتہ داروں سے اس صلہ رحمی کرنے والے کا کوئی براہ راست رشتہ نہ ہو جیسے نسبی ماں باپ کے رضاعی ماں باپ کہ اس کا ان سے براہ راست تو رشتہ ہے نہیں وہ اس کے اصول میں نہیں بلکہ ان سے جو کچھ رشتہ ہے اس کے ماں باپ ہی کا ہے مگر یہ شخص ان کے ساتھ سلوک اپنے ماں باپ ہی کی وجہ سے کر رہا ہے، اس مضمون کی ادائیگی کے لئے یہ بھی کی روایت کے الفاظ زیادہ واضح ہیں: وصلۃ رحمہما التی لارجح لک الامن قبلہما، اگے حدیث میں ہے اور والدین کے دوست احباب کا اکرام کرنا۔

ان ابڑ الیرصلۃ المرء اهل و درابیہ بون ان یولی، یہ حدیث اور اوپر والی حدیث کا آخری جملہ: واکرم صدیقہما۔

دونوں ہم معنی ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی حدیث میں والدین کے دوستوں کے ساتھ اکرام کو بر الوالدین قرار دیا ہے اور یہاں اس کو علی وجہ المبالغہ ابرؤ البر کہا گیا ہے، یعنی بہت بڑا حسن سلوک۔

رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقسم اللحم بالجعرانة الخ. ابو الطفيل صلی ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میرے سامنے کا ہے جب میں نے دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جعرانہ میں گوشت تقسیم کرتے ہوئے اور میں اس وقت نو عمر لڑکا ہی تھا میں بھی اس اونٹ کی ہڈی اٹھا رہا تھا کہ اچانک ایک خاتون آئیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئیں جن کے لئے آپ نے اپنی چادر بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں، تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی رضاعی ماں ہیں یعنی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ ایک روز آپ تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبد الغزی آئے تو آپ نے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ ان کے لئے بچھادیا وہ اس پر بیٹھ گئے، کچھ دیر بعد آپ کی رضاعی ماں آئیں تو آپ نے ان کے لئے بھی اپنے کپڑے کا ایک حصہ دوسری جانب سے بچھادیا وہ اس پر بیٹھ گئیں، کچھ دیر بعد آپ کے رضاعی بھائی عبد اللہ پہنچ گئے تو آپ ان کی وجہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو آپ نے اپنے سامنے بٹھالیا۔

### باب فی فضل من عال یتامی

من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنتها ولم يؤثر ولدها ادخلها الله الجنة، جس شخص کے لئے کوئی لڑکی ہو یعنی اس کی بیٹی ایسی کہ جس کو اس نے نہ زندہ درگدر کیا ہو اور نہ اس کی بے حرمتی کی ہو اور نہ اولاد ذکر کو اس پر ترجیح دی ہو تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔

انا وامرأة سفعاء الخدين کہا تین یوم القیامۃ۔ واوما یزید بالوسطی والسبابة۔ امرأة امنت من

زوجها ذات منصب وجمال حبست نفسها علی یتاما ما حتی بانوا او ماتوا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں اور وہ بیوہ عورت بد نما خدین والی (یعنی بیوگی کی وجہ سے مرجھائے ہوئے چہرے والی) بروز قیامت دونوں اس طرح ساتھ ساتھ ہونگے۔ پھر آگے آپ نے اس بیوہ کی صفت بیان فرمائی کہ وہ شوہر والی عورت جو بے شوہر ہوگئی ہو خوبصورت اور باحیثیت، جس نے اپنے آپ کو رد کے رکھا اپنے یتیم بچوں کی دیکھ بھال خدمت اور پرورش کیلئے، یہاں تک کہ وہ اس سے جدا ہو جائیں یعنی بڑے ہو کر اور یا مر جائیں۔

اس حدیث سے یتیم بچوں کی خدمت کی فضیلت صاف ظاہر ہو رہی ہے جیسا کہ ترجمہ الباب میں ہے۔

### باب فیمن ضم یتیمًا

انا وكافل الیتیم کہا تین فی الجنة، جو شخص کسی یتیم بچہ کی کفالت کرے آپ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر ان کی طرف

اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور وہ جنت میں اس طرح جائیں گے، اس سے مراد درجات جنت کا قرب نہیں ہے بلکہ دخول جنت کا قرب مراد ہے کذا قالوا۔

## باب فی حق الجوار

ما زال جبرئیل یوصینی بالجوار حتی قلت لیورثنی، حضرت جبرئیل مجھ کو پڑوسی کے حقوق کے بارے میں وصیت فرماتے رہے اتنی کہ میں یہ سمجھا کہ یہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے۔

اور اس کے بعد کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے یہاں ایک مرتبہ بکری ذبح کرائی تو اس کے بارے میں اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ لپتہ ہودی پڑوسی کے لئے بھی اس میں سے گوشت ہدیہ کیا ہے یا نہیں۔ اور اس کے بعد پھر اوپر والی حدیث کا مضمون بیان کیا۔

جاء رجل الى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يشكو جارا لا يؤمنه - ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اپنے پڑوسی کی شکایت کرتے ہوئے جو ان کو ستاتا تھا، آپ نے فرمایا جا صبر کر، اس کے بعد بھی وہ دوسری یا تیسری مرتبہ آیا تو اس وقت آپ نے اس سے یہ فرمایا کہ اچھا ایسا کر کہ اپنے گھر کا سارا سامان نکال نکال کر راستہ پر رکھ، وہ گیا اور جا کر اپنا سامان ایک ایک کر کے گھر سے باہر نکال کر گلی میں رکھنے لگا، اب راستہ چلنے والوں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ کیا بات ہے تم ایسا کیوں کر رہے ہو وہ ان سے بتا دیتا کہ پڑوسی کی ایذا کی وجہ سے، لوگ یہ سن کر اس پڑوسی کو بددعا دیتے برا بھلا کہتے، کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس کا پڑوسی اس کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے گھر آ جا آئندہ کوئی ایسی ناگوار بات پیش نہیں آئے گی، اس پر مجھے ایک قصہ یاد آیا جو بچپن میں والد صاحب مرحوم سے سنا تھا کہ ایک مولوی صاحب نے ایک شخص سے خر بوزے خریدے جس کے بارے میں اس نے بڑے وثوق سے کہا کہ بڑے میٹھے ہیں وہ لے کر گھر چلے آئے وہاں جب ان کو چکھ کر دیکھا تو وہ پھیکے نکلے وہ ان کو لے کر بیچنے والے کے پاس آئے واپس کرنے کے لئے، اس نے واپس لینے سے انکار کر دیا کہ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، وہ مولوی صاحب اس کے پاس خر بوزوں کو سامنے رکھ کر اس کے برابر میں بیٹھ گئے اور جب کوئی گاہک اس کے پاس خریدنے کیلئے آتا تو وہ مولوی صاحب اس گاہک سے فرماتے کہ اگر نمونہ دیکھنا چاہو تو یہ ہے، وہ چکھنے کے بعد واپس چلا جاتا اور نہ خریدتا دو تین گاہک اسی طرح اس کے لوٹ گئے جب خر بوزے والے نے یہ دیکھا تو اس نے عاجز آ کر کہا کہ مولوی صاحب اپنے پیسے لو اور ان کو پیسے دیکر چلتا گیا۔

## باب فی حق المملوك

كان اخر كلام رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: الصلوة الصلوة، اتقوا الله فيما ملكت ايمانكم، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا

کہ نماز کا اہتمام کرو، اور خادموں اور غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

رأيت اباذر بالربذة وعليه برد غليظ وعليه غلامه مثله، معور بن سويد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مقام ربذہ میں۔ جہاں انہوں نے سکونت اختیار فرما رکھی تھی۔ اس طرح دیکھا کہ ان پر ایک موٹی سی چادر تھی (اور لنگی کسی اور طرح کی تھی) اور جیسی چادر خود اوڑھ رکھی تھی ایسی ہی ایک ان کے غلام پر بھی تھی، تو ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ تم نے بے جوڑ لباس پہن رکھا ہے یہ چادر اوپر اوڑھنے کے لئے جو غلام کو دے رکھی ہے اس کو اپنا تہبند بنا لیجئے تاکہ تمہارے دونوں کپڑے ایک سے ہو جائیں، چادر اور لنگی۔ ایک طرح کے دو کپڑوں کو جملہ کہا جاتا ہے، اور اپنے اس غلام کو اوڑھنے کیلئے کوئی دوسری چادر دیدیجئے، تو اس پر انہوں نے ایک واقعہ سنایا، کہ میں سے زینت۔ یہ ایک ننھی لڑکی تھی جس کی ماں ننھی تھی، میں نے اس کو اسکی ماں پر خار دلانی تھی۔ لکھا ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت بلال ہیں انہوں نے ایک تہبہ ان کو اس طرح کھدیا تھا: یا ابن السوداء، کہ اسے کالی کلٹی کے بیٹے، انہوں نے جا کر میری شکایت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کی، اس پر اپنے مجھ سے فرمایا: یا اباذر انک امرء فیک جاہلیۃ الخ کہ اسے ابوذر تیرے اندر ابھی جاہلیت کی بعض خصلتیں باقی ہیں یعنی خود بینی اور دوسرے کو عار دلانا اور پھر فرمایا آپ نے نہ یہ جو تمہارے پاس تمہارے غلام ہیں یہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں یعنی ایک باپ آدم علیہ السلام کی سب اولاد ہیں، وقتی طور سے اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر فضیلت دی ہے، تو تم میں سے جس شخص کا جو غلام اس کی موافقت نہ کرنے اس کو بیچ ڈالو اپنے پاس مت رکھو، اور اس کو اپنے پاس رکھ کر عذاب میں مبتلا مت کرو۔

عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ..... اللہ اقدر علیک منک علیہ الخ

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا تو میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی اسے ابو مسعود جان لے۔ اور دوم تہبہ یہ آواز سنی۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ تجھ پر زیادہ قادر ہے بہ نسبت تیرے اس غلام پر قادر ہونے کے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس کی پٹائی کڑے سے کر رہا تھا، میں نے پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے، میں نے آپ کو دیکھتے ہی عرض کیا یا رسول اللہ! یہ غلام اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو تجھ کو جہنم کی آگ چھوٹی۔

من لاء مکرم من مملو کیکر فاطمہ و ما تا کلون، و اکسوة مما تکسون الخ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے غلاموں میں سے جو غلام تمہارے موافق پڑے، اس سے مناسبت ہو تو اس کو ایسا ہی کھلاؤ اور پہناؤ جیسا کہ تم کھاتے اور پہنتے ہو، اور جو تمہارے موافق نہ پڑے تو اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دو، اپنے پاس نہ رکھو، کیونکہ اپنے پاس رکھنے کی صورت میں اس کے ساتھ بار بار تنبیہ اور پٹائی کی نوبت آئیگی جیسا کہ آگے فرما رہے ہیں ولا تعذبوا خلق اللہ۔

عن رافع بن مکیث۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وكان ممن شهد الحديبية مع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

قال: حسن الملكة يعمن، وسوء الخلق شؤم، كما ينبغي ماتحتون اور غلاموں کیساتھ اچھا سلوک کرنا موجب خیر و برکت ہے، اور بد خلقی نحوست ہے کم نفعون عن الخادم؛ فصمت، ثم اعاد الیہ الکلام، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ اپنے قادموں سے کتنا درگزر کریں یعنی ان کی کوتاہیوں پر آپ خاموش رہے اس نے پھر وہی عرض کیا، اس پر بھی آپ خاموش رہے پھر تیسری بار اس کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ہر دن ستر مرتبہ درگزر کر۔

من قذف مملوكه - وهو برئ مما قال - جلد نہ یوم القيامة حداثاً، یعنی جو مولیٰ اپنے غلام پر تہمت لگائے زنا وغیرہ کی اور حال یہ ہے کہ وہ غلام اس سے بری ہے تو اس مولیٰ پر قیامت کے دن حد قذف جاری ہوگی۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں تو جاری نہیں ہوگی چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے لیکن آخرت میں جاری ہوگی۔

عن هلال بن يساف قال كنا نرولاني دارسويد بن مقرن، وفينا شيخ فیه حد...

ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ ہم سوید بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں اترے ہوئے یعنی ٹھہرے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ایک بڑے میاں تھے جن کے مزاج میں تیزی تھی اور ان کے ساتھ ایک باندھی بھی تھی، ایک دن اس شیخ نے اس جاریہ کے طمانچہ مار دیا، تو ہلال کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ میں نے کبھی سوید کو اتنا غضبناک نہیں دیکھا، اور فرمایا انہوں نے اس شخص سے کہ تیرے لئے اس کا لطیف چہرہ ہی مارنے کے لئے رہ گیا تھا۔ یعنی بدن کے کسی اور حصہ پر نہیں مار سکتا تھا (اس لئے کہ چہرہ پر مارنے سے اپنے منع فرمایا ہے) اور پھر انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ہم مقرن کے سات بیٹے تھے جو ایک جگہ رہتے تھے اور ہم سب کے پاس شترک ایک ہی خادم تھا تو ہمارے سب سے چھوٹے بھائی نے ایک مرتبہ اس خادم کے چہرے پر مار دیا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا اس کو آزاد کرنے کا۔

اس حدیث میں لفظ، حُر، آیا ہے شرح میں لکھا ہے حر کل مشیٰ افضلہ وارفعہ۔

عن زاذان قال أتيت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما - وقد اغتق مملوكا له ابن-

زاذان کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس گیا اور اسی وقت انہوں نے اپنے ایک غلام کو آزاد کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ کو اس آزاد کرنے میں اس تنکے کے برابر بھی ثواب نہ ہوگا (کیونکہ انہوں نے اس غلام کے طمانچہ مار دیا تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے غلام کے طمانچہ مارے یا اور کسی طرح پٹائی کرے تو اس جرم کا نفاذ یہ ہے کہ اس کو آزاد کرے، اور مسلم کی ایک روایت میں حدیث مرفوعہ کے لفظ یہ ہیں: من ضرب غلاماً له حداً لم يأتہ اولطمة فان كفارة ان يعتقه، یعنی جو شخص اپنے غلام کو کسی ایسے کام اور جرم پر سزا مارے جو فی الواقع اس نے نہیں کیا تھا، یا اس کے چہرے پر مارے تو دونوں صورتوں میں اس کی تلافی کی شکل یہ ہے کہ اس کو آزاد کرے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میرا اس غلام کو آزاد کرنا بطور کفارة



کے ہے، ابتداءً غلام پر احسان کرنے کے طور پر نہیں ہے، لہذا اس میں مجھ کو ثواب نہ ہوگا جو غلام آزاد کرنے میں ہوتا ہے، لیکن فی نفسہ کفارہ ادا کرنا یہ بھی موجب اجر ہے تو اس حیثیت سے ثواب ملے گا، کذا فی البذل، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشا ایسا کرنے سے اور اس طرح کہنے سے لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بھی اس کا خیال رکھیں کہ غلام کے چہرے پر مارنا یا ناحق اسکی پٹائی کرنا یہ بڑا گناہ ہے۔

### باب فی المملوک اذا انصح

ان العبد اذا انصح لسيداه واحسن عبادته الله فله اجرة مرتين، جو غلام اپنے آقا کا خیر خواہ ہو اس کی خدمت کرتا ہو اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہو تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، کتاب النکاح میں ایک حدیث گزری ہے: من اعتن جاریه وتزوجها کان له اجران، اس کی شرح بھی دیکھ لی جائے، ایک مشہور حدیث ہے ثلاثہ لہم اجران، اس پر کلام وہاں گزرا ہے۔

### باب فیمن خیب مملوکا علی مولاہ

من خیب زوجته امرئاً او مملوکاً فلیس منا، یہ حدیث اسی سند اور متن کے ساتھ کتاب الطلاق کے بالکل شروع میں گزری ہے، "باب فیمن خیب امرأۃ علی زوجہا" میں۔

### باب فی الاستئذان

استئذان یعنی دوسرے کے گھر میں اجازت حاصل کرنے کے بعد داخل ہونا، اس باب کا تعلق حجاب اور پردہ سے ہے اور پردہ کے ابواب کتاب اللباس میں گزر چکے، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ یدنین علیہن من جلابیبہن، باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیرضرن بخرصن علی حیوہن، وینجوز لکن من الابواب، حاشیہ بذل میں ہے: ونزول آیۃ الاستئذان فی سنۃ کفائی ۱۶۲

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً اطلع من بعض حجرات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بمشقص، او مشاقص۔ قل فکأنی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یختله لیطعنہ۔

ایک شخص نے حافظ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا نام مجھ کو کسی روایت میں مراۃ نہیں ملا لیکن ابن بشکوال نے نقل کیا ہے کہ یہ حکم بن ابی العاص تھا مروان کا باپ یعنی ایک شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجروں میں سے کسی حجرہ میں باہر سے

لہ قولہ من بعض حجر، وفي بعض النسخ: فی بعض حجر، وهو الاتسب، وکتب الشیخ فی البذل: ونظراً لاجاری من حجر فی حجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الاول بضم الجیم وسكون الهمزة (بمعنی سورخ) والثانی بضم الهمزة وفتح الجیم: حج حجرۃ اہ مختصراً۔



دیکر دودھ اور دہن کا پچھ ان چھوٹی چھوٹی لکڑیاں، مضافا میں جمع ہے ضعیفوں کو، جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ کہ میں تھے  
جوں جہاں مکہ مکرمہ کا مشہور قبرستان معلوم ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس پہنچ گیا بغیر سلام کے تو آپ نے فرمایا واپس  
لوٹ جاؤ اور دروازہ پر پہنچ کر السلام علیکم کہو۔

قال عمرو واخبرني ابن صفوان بهذا الجمع عن كلدة بن الحنبل، ولم يقل سمعته منه، قال يحيى بن حبيب  
امية بن صفوان، ولم يقل سمعته من كلدة بن حنبل، یہاں سے عمرو بن ابی سفیان اپنی دوسری سند بیان کر رہے ہیں  
اوپر سند میں آیا تھا عمرو بن ابی سفیان ان عمرو بن عبد اللہ بن صفوان، اس سے معلوم ہوا کہ عمرو بن ابی سفیان کے دو استاذ ہیں  
ایک عمرو بن عبد اللہ، دوسرے صفوان بن امیہ اور یہ دونوں روایت کرتے ہیں کلدة بن حنبل سے، اور مصنف کے اس سند میں  
دو استاذ ہیں ایک یحییٰ دوسرے ابن بشار، یحییٰ کی روایت میں بجائے ابن صفوان کے امیہ بن صفوان ہے نام کی تصریح کیساتھ  
اور ابن بشار کی روایت میں ابن صفوان تھا، نیز یحییٰ کی روایت میں۔ ان کلدة بن حنبل سے ہے اور ابن بشار کی روایت میں۔ عن  
کلدة بن حنبل۔

واضح رہے کہ ہدیہ بھیجنے والے صفوان بن امیہ بن خلف الحمی ہیں اور جس قاصد کے ساتھ بھیجا گیا وہ کلدة بن حنبل ہے، اور  
کلدة بن حنبل سے روایت کرنے والے دو ہیں ایک عمرو بن عبد اللہ بن صفوان جو شروع میں گذرے، اور دوسرے امیہ بن  
صفوان، یعنی ایک ان میں سے صفوان کا بیٹا اور دوسرا صفوان کا پوتا۔

من منصور عن ربيع قال نادى رجل من بنی عامر اذ اذت شخص جو تبیلہ بنو عامر کے تھے اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
کے دروازہ پر پہنچ کر استیذان کیا اور اس طرح کہا،، آج مجھ کو کیا میں اندر داخل ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے  
اندر سے فادم کو بھیجا کہ اس شخص کو جا کر استیذان کا طریقہ تعلیم کر کہ وہ اس طرح کہے السلام علیکم آذخل، اس عامری شخص نے باہر

لہ اگر وہاں آپ کسی مکان یا خیمہ میں تھے ورنہ تو بلا تکریم صرف ترک سلام پر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم لم يتعرض للاشراح۔

لہ فاعمر بن ابی سفیان استاذان احدہما عمرو بن عبد اللہ (حفید صفوان) والثانی ابن صفوان (امیہ) وکلاہما رویان عن کلدة، لکن قال یحییٰ شیخ المصنف  
امیہ بن صفوان وقال ابن بشار شیخ الثانی للمصنف ابن صفوان، وايضا قال یحییٰ فی رعایة ان کلدة بن حنبل، وقال ابن بشار عن کلدة۔

کہ حاشیہ بزل میں ہے: لیشکل علیہ فی البدایع من تاخیر السلام عن الدخول، بدایع کی عبارت یہ ہے: واذا استاذن قاذن له حل له الدخول یدخل ثم یسلم  
ولا یقدم التسلیم علی الدخول كما قال بعض الناس لقوله سبحانه وتعالى فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم تحية من عند الله مباركة طيبة، ولانہ لو سلم قبل الدخول  
فاذا دخل يحتاج الی التسلیم ثانياً لہ لیکن اس سلسلہ کی ایک دوسری آیت میں اس طرح ہے لا تدفوا یوتاً غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اہلبہا، اس آیت  
میں یہ مذکور ہے کہ دوسرے کے گھر میں اس وقت تک مت داخل ہو جب تک اس سے استیذان اور اس کو سلام نہ کرو، معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحب  
نے اس آیت کے ذیل میں استیذان کے مسنون طریقہ پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے اور اس سلسلہ کی بعض روایات بھی ذکر فرمائی ہیں اور مفتی صاحب نے

ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن لی اور پھر فوراً اسی طریقہ کو اختیار کر کے کہا السلام علیکم ادخل، آپ نے اسکو اجازت دیدی۔ اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر استیذان کر رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب باہر تشریف لائے تو ان کو دروازہ کے سامنے کھڑا دیکھ کر فرمایا: ہکذا عنک، اوهکذا، یعنی اس طرف کھڑے ہو یا اس طرف، یعنی دروازہ کے دائیں یا بائیں، بالکل سامنے نہیں، اس لئے کہ جب اندر سے آدمی باہر نکل کر آئے گا اور دروازہ کھلے گا یا پردہ ہٹے گا تو داخل بیت کا سامنا ہوگا۔

حدثنا هناد بن السري عن ابی الاحوص الزہری - سعد کی روایت سے پہلے جو روایت گزری ہے یہ اسی کا دوسرا طریقہ ہے لہذا سعد کی روایت درمیان میں اجنبی ہوگئی، ایسا ہمارے اس نسخہ کے اعتبار سے ہے ورنہ سعد والی حدیث دوسرے نسخوں میں کلدۃ بن صنبل کی روایت سے پہلے ہے۔

### باب کہم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت جالساً فی مجلس من مجالس الانصار فجاہ ابو موسی فجاءوا مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو آدمی بھیج کر بلایا انہوں نے حضرت عمر کے دروازہ پر پہنچ کر تین بار استیذان کیا، جب اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ لوٹ کر جانے لگے، حضرت عمر نے ان کو آدمی بھیج کر پھر بلایا اور پوچھا کہ تم کیوں لوٹے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہی ارشاد ہے کہ تین بار استیذان کے بعد لوٹ جانا چاہیے انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث پر گواہ پیش کرو، وہ گواہ تلاش کرنے کے لئے گھبراتے ہوئے انصار کی ایک مجلس میں پہنچے جس میں ابو سعید خدری بھی تھے، اہل مجلس نے پوچھا کہ گھبراہٹ کس وجہ سے ہے، انہوں نے اس پر ان کے سامنے اپنا واقعہ بیان کر دیا، اس پر ابو سعید خدری نے فرمایا: لایقوم معک الا اصغر القوم، کہ اہل مجلس میں جو سب سے کم عمر ہوگا وہی تمہارے ساتھ گواہ بن کر جائے گا (یہ انہوں نے اس لئے فرمایا تاکہ حضرت عمر کو احساس ہو کہ یہ حدیث تو نو عمر لڑکوں کو بھی معلوم ہے) اور پھر ابو سعید خود ہی اٹھے اور ان کے ساتھ جا کر گواہی دی۔

→ مسنون طریقہ یہی لکھا ہے جو یہاں حدیث الباب میں ہے، اسی حدیث سے اور بعض دوسری روایات سے مستدل کرتے ہوئے اور جس آیت کا حوالہ صاحب بدائع نے دیا ہے جس سے سلام کی تاخیر عن الدخول معلوم ہو رہی ہے وہ سلام سلام تحیہ ہے جیسا کہ خود اس آیت میں تصریح ہے تحیہ من عند اللہ، اور حدیث الباب میں جو سلام مذکور ہے جو قبل الدخول ہے وہ سلام سلام استیذان ہے اور یہی مقتضی آیت استیذان کا بھی ہے کہ سلام استیذان قبل الدخول ہے، وہ جو حدیث میں آتا ہے واذ سلم علیہم سلم علیہم ثلاثاً اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ تین سلاموں سے مراد اول سلام استیذان دوسرا سلام تحیہ اور تیسرا سلام رجوع مراد ہے۔

باب کی پہلی روایت میں تو اسی طرح ہے، اور دوسری روایت میں مجلس انصار کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ابو موسیٰ نے حضرت ابی بن کعب کی گواہی میں پیش کیا نیز یہ کہ حضرت ابی نے حضرت عمر سے یہ بھی کہا یا عمر لا تکن عذابا علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، صحیح بخاری کی روایت میں تو ابو سعید خدری ہی کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں ابو داؤد کی طرح دونوں روایتیں ہیں حافظ نے ابو سعید خدری والی روایت کو ترجیح دی ہے اور اس دوسری روایت کے بارے میں کہا کہ اس میں طلحہ بن سبیہ ہیں جن میں ضعف ہے، پھر حافظ نے یہ بھی کہا کہ جمع بین الروایتین بھی ممکن ہے کہ ابی بن کعب بھی ابو سعید خدری کے بعد آئے ہوں اور باب کی تیسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ جب ابو سعید خدری نے جا کر گواہی دی تو حضرت عمر خود اپنے اوپر تعجب کرنے لگے اور فرمایا: أَخْفَى عَلَيَّ هَذَا مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، کہ عجیب بات ہے کہ یہ حدیث اب تک مجھ پر پوشیدہ رہی، اور فرمایا: الْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، کہ بازاروں کی خرید و فروخت نے مجھے مشغول رکھا، یعنی اسی لئے یہ حدیث مجھ پر مخفی رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ان کی یہ خصالت مشہور ہے کہ وہ ایسے مواقع میں اپنے آپ کو بہت جلدیلامت فرمانے لگتے تھے، اور پھر اخیر میں انہوں نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ ائندہ تمہیں استیذان کی حاجت نہیں ہے بغیر ہی استیذان کے داخل ہو جایا کرو۔

اس واقعہ سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جو خبر واحد کا حجت ہونا تسلیم نہیں کرتے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت عمر نے یہاں پر اس شخص واحد کی خبر پر بیعت کا مطالبہ احتیاطاً کیا تھا تاکہ لوگ روایت حدیث میں جری نہ ہو جائیں چنانچہ حضرت عمر نے خود فرمایا جیسا کہ اس کے بعد والی روایت میں ہے: أَمَا إِنِّي لَمِ اتَّهَمْتُ وَلَكِنْ خَشِيتُ أَنْ يَقُولَ النَّاسُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَرَنَ حَضْرَتِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سَخِيرَ وَاحِدٍ كَقَوْلِ كِرْنَا بَكْشَرْتِ ثَابِتٍ هِيَ (بَدَلِ) أَوْ حَاشِيَةَ بَدَلٍ هِيَ، وَبِسَطِّ الْقَارِي وَقَالَ إِنَّهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ طَلِبَ رَجُلًا وَبِالْأَشْيَيْنِ لَا يَخْرُجُ الْحَرِثُ مِنْ حَدِّ خَيْرِ الْوَاحِدِ حَتَّى يَبْلُغَ حَدَّ التَّوَاتُرِ هِيَ یعنی ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ دو شخصوں کی روایت بھی تو خبر مشہور یا متواتر نہیں ہے وہ بھی تو خبر واحد ہی میں اصطلاحاً داخل ہے۔

عن قيس بن سعد رضي الله تعالى عنه قال زارنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم في منزلنا فقال

السلام عليكم ورحمة الله، قال فرد سعد رد اخفيا الو-

سعد بن عبادہ کے بیٹے قیس اپنے والد کا قصہ سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر واؤں سے ملاقات کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور دروازہ پر پہنچ کر استیذان فرمایا السلام علیکم ورحمة اللہ میرے والد صاحب نے آپ کا سلام سن کر آہستہ سے آپ کے سلام کا جواب دیا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا اور نہ ہی سنانا مقصود تھا، قیس کہتے ہیں میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں اجازت نہیں دے



رہے ہیں، تو انہوں نے فرمایا ارے چھوڑے رکھ آپ کو یعنی اسی حال میں تاکہ بکثرت ہم پر سلام کی دعا دیں، دوبارہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا تب بھی حضرت سعد نے آہستہ سے جواب دیا، پھر تیسری مرتبہ آپ نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا، پھر آپ واپس جانے لگے تو حضرت سعد آپ کے پیچھے لپکے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں تو آپ کا تسلیم سن رہا تھا، لیکن آہستہ سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ کی طرف سے ہم پر بکثرت سلام ہو، پھر حضور ان کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے، دامولہ سعد بغسل فاغتسل، اور حضرت سعد نے آپ کے لئے غسل کاپانی یا غسل کے وقت بدن پر طے کی کوئی چیز اشتان وغیرہ منگائی۔ چنانچہ آپ نے غسل فرمایا، غسل سے فراغ پر حضرت سعد نے آپ کو ایک چادر پیش کی جو زعفران یا درس میں رنگی ہوئی تھی آپ نے اس کو اپنے اوپر کپیٹ لیا اور پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، اللھم اجعل صلواتک ورحمتک علی آل سعد بن عبادۃ، اس کے بعد آپ نے کھانا نوش فرمایا، جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد نے سواری کے لئے ایک حمار آپ کے قریب کر دیا اور اس پر ایک چادر کی گدی بچھادی، آپ اس پر سوار ہوئے، اور حضرت سعد نے اپنے بیٹے قیس سے کہا کہ حضور کے ساتھ ساتھ تم بھی جاؤ یعنی پیدل، وہ آپ کے ساتھ چلنے لگے، قیس کہتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تو بھی سوار ہو جا میں نے سوار ہونے سے انکار کیا (حیاراً وادباً) آپ نے فرمایا کہ یا تو سوار ہو ورنہ لوٹ جا، میں لوٹ آیا۔

اس روایت میں مذکور ہے: ملحفة مصبوغة بزعفران اور درس، مالکیہ کے تو یہ موافق ہے لیکن جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مرد کے لئے ثوب مزعفر یا درس کا استعمال جائز نہیں، لہذا یا تو یہ کہا جائے کہ زعفران یا درس کا اثر بہت معمولی ہوگا، اور یا یہ کہ یہ قصہ قبل التحريم کا ہے۔

عن عبد اللہ بن بسر قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا اتى باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجهہ ولكن من رکنہ الایمن او الایسر ویقول السلام علیکم السلام علیکم وذلك ان الدور لم تکن علیہا ستور یہ وہی ادب ہے جو اس سے پہلے سعد بن ابی وقاص کی روایت میں گذرا، اور اس کی مصلحت یہاں پر یہ مذکور ہے کہ اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے، اس پر بزل میں یہ لکھا ہے کہ انحراف مطلقاً ہی اولیٰ ہے اگرچہ پردہ پڑا ہو، او مراعاة لاصل سنت عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه ذهب الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی دین ابیہ فدقت الباب فقال من هذا؟ فقلت: انا، قال انا انا کأنہ کرہ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے دین کے سلسلہ میں مشورہ کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا دروازہ پر پہنچ کر اس کو گھٹا گھٹا استیذان کے لئے تو اندر سے آواز آئی: من هذا؟ میں نے کہا، انا، تو اس پر آپ نے فرمایا انا انا، یعنی انا کیا ہوتا ہے اس سے تو تعین نہیں ہوتی کہ کون ہے، بزل میں لکھا ہے، وانما کرر انا تاکیدا وهو الذی یفہم منہ الانکار عفاہ اسے لئے ہم نے اس کا ترجمہ وہ کیا جو اوپر گذرا، لیکن اس میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ تکرار تاکیدا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ انا تو میں بھی ہو یعنی مجھ پر بھی صادق



آتا ہے بلکہ ہر متکلم پر صادق آتا ہے لہذا اس سے تعین کا قائلہ حاصل نہیں ہوا، نام ہی لینا چاہیے۔  
اس حدیث پر بعض نسخوں میں مستقل ترجمہ ہے۔ باب دق الباب عند الاستیذان، دین جابر کی حدیث اور اس کا مفصل  
قصہ کتاب الوصایہ کے آخر میں۔ باب ما جاء فی الرجل یموت وعلیہ دین لہ وفاق یستتظر غیر ما وکلا، میں گذر چکا۔

عن نافع بن عبد الحارث قال خرجت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حتى دخلت حائطاً

فقال لي امسك الباب فضوب الباب فقلت من هذا - وساق الحديث - يعني حديث ابى موسى الأشعري. قال  
فيه: فصدق الباب -

مصنف نے تو یہ حدیث یہاں بہت اختصار سے ذکر کی ہے، مسند احمد میں یہ حدیث مطولاً ہے جس کو حضرت نے بذل میں نقل  
فرمایا جس کا مضمون یہ ہے کہ نافع بن عبد الحارث کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا  
یہاں تک کہ آپ ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا یعنی دروازہ بند کرنے کے بعد کہ دروازہ کو بند ہی رکھنا کوئی شخص  
بغیر اجازت کے اندر نہ آئے، اور آپ وہاں کنویں کے من پر پاؤں کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھٹکھٹایا  
گیا میں نے پوچھا کون؟ کہا کہ ابو بکر میں نے حضور سے عرض کیا کہ ابو بکر کھڑے ہیں آپ نے فرمایا: ائذن لہ ویشورہ بالجنة  
کہ اندر آنے کی اجازت دیدے اور اجازت کیساتھ جنت کی بشارت بھی، وہ کہتے ہیں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، صدیق اکبر اندر  
آکر اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح حضور بیٹھے تھے، تھوڑی دیر بعد پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر ہیں  
میں نے حضور سے عرض کیا آپ نے ان کے بارے میں بھی یہی فرمایا وہ بھی اُکرا اسی طرح بیٹھ گئے، تیسری مرتبہ میں حضرت عثمان آئے  
تو ان کے بارے میں آپ نے فرمایا: ائذن لہ ویشورہ بالجنة معہ ابلاء، وہ بھی اسی طرح آکر بیٹھ گئے، حضرت نے لکھا ہے  
کہ ابو موسیٰ اشعری کا قصہ جو نافع بن عبد الحارث کے قصہ کے مثل ہے (لما قال المصنف) اس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے فضائل  
عثمان میں۔

## باب فی الرجل یدعی ایكون ذلك اذنه

یعنی اگر کوئی شخص کسی کا طلبیدہ اور بلایا ہوا آئے تو کیا اس کو بھی استیذان کی حاجت ہے؟

حدیث الباب کے لفظ یہ ہیں: رسول الرجل الی الرجل اذنه، کہ یہ بلانا اس کا اجازت دخول ہی ہے اور باب کی دوسری  
روایت میں یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے  
معلوم ہوا کہ اگر ساتھ نہ آئے بلکہ بعد میں آئے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے، بذل میں فتح الودود سے نقل کیا ہے کہ اس صورت  
میں استیذان کی اگرچہ کوئی خاص حاجت نہیں لیکن احتیاطاً استیذان کرنا ہی بہتر ہے، خصوصاً جبکہ وہ گھر مخصوص بالرجال  
نہ ہو، چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب صفہ کو آدمی بھیج کر بلایا تو وہ حضرات آئے کے بعد استیذان  
کے بعد اندر داخل ہوئے۔

## باب فی الاستئذان فی العورات الثلاث

اس ترجمہ الباب میں مصنف آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا لیستأذنکم الذین ملکتم ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلوم منکم ثلاث مرآت، الآیۃ، اس آیت کریمہ میں جو حکم مذکور ہے اسی کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس استئذان کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو گھر میں ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں یعنی ممالیک جو خدمت گزار ہیں خواہ وہ غلام ہوں یا باندیاں مذکر یا مؤنث، یا دوسرے نیا لے کر لڑکے، ان کے بارے میں اس آیت کریمہ میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ اوقات ثلاثہ میں بغیر استئذان کے اندر نہ داخل ہوں، اور دوسرے اوقات میں بغیر استئذان کے داخل ہو سکتے ہیں اور وہ تین اوقات یہ ہیں جو آیت میں مصرح ہیں قبل صلاۃ الفجر اور عند القیلولہ اور بعد صلاۃ العشاء، ان اوقات میں چونکہ آدمی اچھی طرح پورے لباس میں نہیں ہوتا اور یہ اوقات ویسے بھی خلوت کے ہوتے ہیں اسی لئے ان اوقات کو عورات سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان اوقات میں بغیر استئذان کے داخل ہونے سے بے پردگی ہوتی ہے، لہذا یہ اوقات پروردگار کے اوقات ہیں ان میں مذکورہ بالا خدام و ممالیک کو بھی بغیر استئذان کے داخل ہونے کی اجازت نہیں، اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے کسی وقت بھی بغیر استئذان کے دخول کی اجازت نہیں ہے۔

باب کی پہلی حدیث میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: لم یؤمن بہا اکثر الناس آیۃ الاذن وانی لا امر جاریتی ہذا تستأذن علی، کہ آیت استئذان پر لوگوں کا عمل نہیں رہا اور میں اپنی اس باندی کو کہتا ہوں کہ بغیر استئذان کے مجھ پر داخل نہ ہو اگر بظاہر وہی اوقات ثلاثہ مراد ہیں اور باب کی دوسری حدیث میں ہے ان نفر من اهل العراق قالوا یا ابن عباس کیف تری فی ہذہ الآیۃ الی امرنا فیہا بما امرنا ولم یعمل بہا احد قول اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا لیستأذنکم الذین ملکتم ایمانکم الخ کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ عراق سے حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور انہوں نے اس آیت کریمہ کے بارے میں دریافت کیا کہ اس آیت پر اکثر لوگوں کا عمل نہیں ہے بلکہ کسی کا بھی نہیں ہے تو اس آیت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے یعنی اس پر عمل ضروری ہے یا نہیں، تو اس پر انہوں نے فرمایا: ان اللہ حلیم رحیم بالمؤمنین یحب الستر، وکان لناک لیس لیوہتم ستور ولا مجال، فرما دخل الخادم او الولد او یتیمہ الرجل، والرجل علی اھل قلم ھم اللہ بالاستئذان فی تلک العورات، فجارھم اللہ بالستور والخیر قلم اراھل یعمل بذلک بعد،

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول اس زمانہ میں ہوا تھا جب کمروں کے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے نہیں ہوتے تھے، اور یہ خدام عادت و معمول دوسرے اوقات کی طرح ان اوقات ثلاثہ میں بھی بغیر استئذان کے گھر کے اندر داخل ہو جاتے تھے حالانکہ اس وقت آدمی اپنی اہل کے ساتھ ہم بستہ ہوتا تھا، تو اس پر اس آیت کا نزول ہوا تھا تاکہ ان اوقات ثلاثہ میں بغیر استئذان کے یہ خدام داخل نہ ہو سکیں، لیکن پھر لوگوں کو وسعت حاصل ہوئی اور لوگوں نے اپنے

اپنے کمروں پر پردے آویزاں کر لئے تو اب لوگوں کا عمل اس آیت پر اسی وجہ سے نہیں رہا، مطلب یہ ہے کہ یہ حکم معلق بالعلۃ ہے اور وہ علت ہے بے پردگی، اگر وہ نہ پائی جاتی ہو تو پھر امتیذان ضروری نہیں، یہ ابن عباس کی دوسری روایت بظاہر ان کی پہلی روایت کے خلاف ہے تو یا تو یہ کہا جائے کہ پہلے ان کی رائے وہی تھی اور بعد میں بدل گئی، اور یا یہ کہا جائے کہ پہلی روایت استحباب پر محمول ہے اور اس دوسری میں وجوب کی نفی ہے۔

## ابواب السلام

### باب افشاء السلام

اوپر والی سرخی بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم والذي نفسي بيده لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا

حتى تعابروا فلا ادلكم على امر اذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بينكم۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ ہو جاؤ، اور مومن نہیں ہو سکتے (یعنی جس کو مومن کہتے ہیں اور جیسا مومن کو ہونا چاہیے) یہاں تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو، اور پھر فرمایا آپ نے کہ کیا میں تم کو ایسی چیز بتلاؤں جس کو اختیار کرنے سے تم آپس میں محبت کرنے لگو وہ یہ کہ آپس میں تم ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، اور سلام کی فصاحت و عادت کو عام کرو، اور عام کرنے کا مفہوم باب کی دوسری حدیث میں آپ نے یہ فرمایا تقرأ السلام علی من عرفتم ومن لم تعرف، یعنی جان پہچان ہو یا نہ ہو بہر صورت سلام کیا جائے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اخلاص عمل زیادہ ہے اور تواضع کا استعمال، لیکن فقہار نے سلام کی بعض صورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہاں سلام کو مکروہ قرار دیا ہے (بذل) اور الدر المنصور کی کتاب الطہارۃ ابواب الاستنجار باب الرجل یرد السلام وهو یبول میں ان مستثنیات کا ذکر گذر چکا ہے، اور بخاری شریف کا ترجمہ ہے۔ باب افشاء السلام من الاسلام، جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث مذکور ہے ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفتم ومن لم تعرف، اور جامع ترمذی میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول یا ایہا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام، قال الترمذی حدیث صحیح۔

لے اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ اور رات میں جب لوگ سوتے ہوں تو تم نماز پڑھو اور (ان اعمال کو اختیار کر کے) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

## باب کیف السلام

باب کی پہلی حدیث میں ہے جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا، اس نے کہا السلام علیکم آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا عشر، دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ نے اس کا جواب دے کر فرمایا عشرون، پھر ایک تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا، ثلاثون، یعنی جس نے صرف السلام علیکم کہا اسکے لئے دس حسنات کا ثواب، اور جس نے سلام میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا اس کے لئے بیس حسنات اور جو دو برکاتہ بھی کہے تو اس کے لئے تیس حسنات ہر کلمہ کے بدلہ میں دس نیکیاں، اور اس باب کی دوسری حدیث جس کے راوی معاذ بن انس ہیں اس میں یہ زیادتی ہے کہ اس کے بعد پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعفرۃ تو اس پر آپ نے فرمایا: اربعون ہكذا تكون الفضائل، یعنی اس شخص نے چونکہ چار کلمات کہے اس لئے اس کیلئے چالیس نیکیاں ہیں، اور آگے بھی آپ نے فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے چلے جاتیں گے جتنا اضافہ کرے گا، لیکن یہ دوسری حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں ابو مرثوم اور سہل بن معاذ، منذری فرماتے ہیں لا یصح بہما، اور موطا امام مالک میں ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک یہی شخص آیا جس نے آکر سلام کیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم زاد شیئا مع ذلک ایضا، یعنی برکاتہ کے بعد بھی کچھ اور بڑھایا تو ابن عباسؓ نے پوچھا راوی کہتا ہے کہ اس وقت ان کی ظاہری بینائی باقی نہیں رہی تھی کہ یہ کون شخص ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی یہی ہے جو آپ کے پاس آیا کرتا، اس پر انہوں نے فرمایا: ان السلام انتہی الی البرکۃ، یعنی سلام کے الفاظ و برکاتہ پر آکر ختم ہو جاتے ہیں (اور جز ۱۱۱ میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں امام محمد نے موطا میں اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ذہبنا فاخذنا ذقال و برکاتہ فلیکف فان اتباع السنۃ افضل، وهو قول مالک والشافعی الی آخرہ یا بسط الکلام علیہ فی الاوجز، اور حاشیہ بذل میں ہے: وفي الدر المختار ص ۲۹۳ لا یستحب ان یزید علیہ و برکاتہ۔ وقد ورد فی ذلک روایات مرفوعۃ فی جمع الزوائد ص ۱۴۱ وفي جمع الفوائد ص ۱۴۱ عن ابن عباس ان السلام قد انتہی الی البرکۃ۔ الی آخر ما فی الہامش۔

## باب فی فضل من بدأ بالسلام

ان اولی الناس باللہ تعالیٰ من بدأہم بالسلام، اولی یعنی اقرب، لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب یعنی اسکی رحمت اور مغفرت سے قریب وہ شخص ہے جو مسلمانوں کو سلام کرنے میں پہل کرے۔

## باب من اولی بالسلام

یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القاعد والقلیل علی الکثیر: اس حدیث میں سلام کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ

چھوٹے کو چاہیے کہ وہ اپنے بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو، ابن العربی فرماتے ہیں کہ حاصل حدیث یہ ہے کہ مفضول کو چاہیے۔ جو کسی اعتبار سے مفضول ہو، اس کو چاہیے کہ وہ ابتداء کرے سلام کرنے میں فاضل کو

## باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاه ایسلم علیہ؟

اذا التقوا حدکم اخلا فلیسلم علیہ فان معالت بینہما شجرة اوجد ارجح ثم لقیہ فلیسلم علیہ۔

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے پس چاہیے کہ وہ اس کو سلام کرے اور پھر جب دوبارہ اس کا سامنا ہو کسی درخت یا دیوار کی معمولی سی حیولت کے بعد تب بھی اس کو سلام کرے، بذل الجہود میں ہے: فیہ حث علی افشاء السلام واكثرہ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نشانہ ہے کہ سلام کے اندر عموم اور کثرت ہوتی چاہیے اور ہر تغیر حال کے وقت ہونا چاہیے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ انی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو فی مشربۃ لہ فقال السلام

علیک یا رسول اللہ، السلام علیکم ایدخل عمرو؟

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو بخاری میں کتاب النکاح وغیرہ میں اور ترمذی میں کتاب التفسیر میں سورۃ تحریم کی تفسیر میں مذکور ہے جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے کسی بات پر ناراض ہو کر ایک ماہ کے لئے ایلاہ کر کے مشربہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ بہت گھبرا کر دوڑے ہوئے اپنی صاحبزادی حفصہ کے پاس آئے دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں لمبی حدیث ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ حضرت عمر مشربہ کے قریب پہنچے اور لڑکے کے ذریعہ جو وہاں موجود تھا استیذان کیا، اس نے اگر جواب دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہیں کچھ جواب نہیں دیا حضرت عمر مسجد میں آکر بیٹھ گئے کھڑی دیر کے بعد طبیعت میں پھر تقاضا ہوا پھر مشربہ کے قریب گئے کئی مرتبہ اس کی لاپیت آئی، قصہ تو یہ بخاری ترمذی وغیرہ سب جگہ ہے لیکن سلام کا ذکر صرف نسائی کی روایت جو باب الایلاہ میں ہے اس میں بار بار سلام مذکور ہے ولفظہ: فجاہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصعد الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو فی علیۃ لہ سلم علیہ فلم یجیبہ احد ثم سلم فلم یجیبہ احد فرجع الی الحدیث۔

## باب فی السلام علی الصبیان

حدیث الباب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان بچوں کو جو کھیل میں مشغول تھے سلام کرنا مذکور ہے۔

## باب فی السلام علی النساء

حدیث الباب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عورتوں کی ایک جماعت کو سلام کرنا مذکور ہے، بذل میں ابن الملک

سے نقل کیا ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ خوفِ فتنہ سے مامون و محفوظ ہیں اور دوسرے شخص کے لئے اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ بڑھیا ہو جس میں مظنہ فتنہ نہ ہو، اور بہت سے علماء نے اس کو جائز رکھا ہے ہر ایک کو دوسرے کو سلام کرنا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ سلام علی الاجنبیہ مکروہ ہے تو جب مکروہ ہے تو مسلم جواب کا بھی مستحق نہ ہوگا۔

## باب فی السلام علی اهل الذمۃ

حدیث الباب میں ہے لا تبدؤہم بالسلامہ کہ اہل ذمہ کو ابتداً سلام نہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دے سکتے ہیں چنانچہ شاہی میں لکھا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی یا مجوسی مسلمان کو سلام کرے تو اسکے جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن صرف روایک کے ساتھ جواب دے اس پر زیادتی نہ کرے، اور قاضی عیاض نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت ان کے ساتھ ابتداً بالسلام جائز ہے۔ (بذل)

ان اليهود اذا سلم علیکم احدہم فانہما یقول: السلام علیکم وفقولوا: وعلیکم۔ قال ابو داؤد وکذا لک رواہ

مالک عن عبد اللہ بن دینار ورواہ الثوری عن عبد اللہ بن دینار قال فیہ وعلیکم۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ یہود جب مسلمانوں کو سلام کرتے ہیں تو وہ بجائے السلام کے السلام علیکم کہتے ہیں تو آپ فرما رہے ہیں کہ تم اس کے جواب میں صرف وعلیکم کہو یعنی اس کے بعد نہ السلام کہو نہ السلام۔

اس کے بعد مصنف نے عبد اللہ بن دینار کے شاگردوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ روایت میں یہود کے سلام کے جواب میں وعلیکم ہے یا وعلیکم، تو اس کے بارے میں مصنف نے کہا کہ امام مالک نے عبد اللہ بن دینار سے اسی طرح روایت کیا

جس طرح عبد العزیز بن مسلم نے کیا یعنی وعلیکم، واوکیساتھ بخلاف سفیان ثوری کے کہ انہوں نے عبد اللہ بن دینار سے وعلیکم، نقل کیا یعنی بدون الواو، لیکن اس دوسری جگہ نسخے مختلف ہیں بعض میں واوکیساتھ ہے بعض بدون واو کے، لیکن تقابل کا تقاضا

یہ ہے کہ دوسری جگہ وعلیکم ہونا چاہیے اس لئے کہ جب مالک کی روایت واو کے ساتھ ہے یہاں ابو داؤد میں بھی اور بخاری میں بھی تو اس کا مقابل یعنی ثوری کی روایت بغیر واو کے ہونی چاہیے، خطابی کہتے ہیں کہ اکثر محدثین کی روایت وعلیکم، واو کے

ساتھ ہے البتہ سفیان بن عیینہ وعلیکم بغیر واو کے روایت کرتے ہیں وھو الصواب، خطابی نے حذف واو کو صواب قرار دیا اسکی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ حذف واو کی صورت میں ان کا قول اور بدو عار ان ہی کی طرف لوٹ جائیگی اور واو کی صورت

میں اشتراک ثابت ہو جائے گا کیونکہ واو عطف اور جمع بین اشیمین کے لئے آتا ہے، اور کتاب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ روایات دونوں طرح کی ہیں ذکر واو اور حذف واو، پس بعض تو یہ کہتے ہیں کہ واو کا حذف اولیٰ ہے تاکہ شرکت لازم نہ آئے

اور بعض کہتے ہیں کہ شرکت میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ موت مشترک بین الکل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واو تشریک کے لئے نہیں بلکہ استئناف کے لئے ہے یعنی وعلیکم ماتحتونہ اھ محقر آمن البذل۔



## باب فی السلام اذا قام من المجلس

حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص مجلس میں اُٹھے تو اس کو چاہئے کہ سلام کرے اور جب اٹھ کر جانے لگے تب بھی سلام کرے۔ فلیست الاولی باحق من الاخرۃ۔

## باب کراہیۃ ان یقول: علیک السلام

لا تقبل علیک السلام فان علیک السلام تحیۃ الموتی، یہ حدیث یہاں مختصر ہے مطولاً کتاب اللباس باب ما جاز فی اسبالی الازار میں گزری چکی ظاہر ہے کہ اس پر کلام بھی وہاں گزرا ہوگا لیکن اس وقت مسودہ سامنے نہیں، مطلب یہ ہے کہ عرف جاہلیت میں موتی کو سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا یعنی علیک السلام، اور یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ سلام کا صرف اموات کے لئے مشروع ہے اجیار کے لئے نہیں جس کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ صیغہ اجیار میں مشروع ہے جواب کے لئے کہ اس طرح سلام کے جواب میں کہا جاتا ہے پس اگر اس صیغہ کو شروع ہی میں اختیار کر لیا جائے گا تو پھر جواب کے لئے کیا باقی رہ جائیگا، اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ یہ مشہور ہے کہ علی ضرر کے لئے آتا ہے تو شروع ہی میں علیک کہنے کی صورت میں مسلم علیہ کو اول وصلہ میں وحشت ہوگی بخلاف میت کے۔ الی آخر باسطة القاری فی کتاب الزکاة ص ۲۹۹۔

## باب فی رد واحد عن الجماعۃ

یعنی اگر کسی جماعت کو سلام کیا جائے تو اس جماعت میں سے اگر ایک نے بھی سلام کا جواب دیدیا تو کافی ہے، حدیث الباب میں دو جز ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ الباب میں ہے، دوسرا یہ کہ اگر کوئی جماعت چلی جا رہی ہے اور اس کا گزر ہو کسی بیٹھنے والے شخص یا جماعت پر تو چونکہ حدیث میں قاعدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ماشی کو چاہئے کہ وہ سلام کرے قاعدہ پر تو اگر چلنے والوں کی پوری ایک جماعت ہے ان میں سے صرف ایک کا سلام کرنا ادائے سنت کے لئے کافی ہے۔

## باب فی المصافحۃ

مصافحہ ما خوذہ ہے صفحہ سے جس کے معنی ہیں الاقنار بصفحہ الید الی صفحہ الید یعنی اپنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی سے ملا دینا اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ پورے ہاتھ سے ہونا چاہئے صرف انگلیوں پر رکھنے سے مصافحہ نہ ہوگا جیسا کہ بعض متکلفین کہہ کر دیتے ہیں چنانچہ ادجز ص ۱۹۲ میں ہے ابن عابدین سے وہی الصاق صفحہ الکف بالکف و اقبال الوجه بالوجه، فاخذ الاصابع یس بمصافحۃ فلان اللرواقض والسنة ان تکون بکلماتہ و غیر حائل من ثوب وغیرہ وعند اللقار بعد السلام وان یأخذ

الابہام فان فیہ عرقا ینبت المحیة، کذا جار فی الحدیث ذکرہ القہستانی وغیرہ۔ اہ۔ حاشیہ بذل میں ہے: ابن بطال فرماتے ہیں کہ مصنف سنت ہے اکثر علماء کے نزدیک، شروع میں امام مالک اس کو مکروہ قرار دیتے تھے بعد میں استحباب کے قائل ہو گئے تھے امام نووی فرماتے ہیں کہ مصنف عند التلاقی یا لاجماع سنت ہے، اور ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ امام مالک نے مصنف اور معاقلہ دونوں کو مکروہ قرار دیا، سخون مالکی اور ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے، اور امام مالک سے مصنف کا جواز بھی منقول ہے وعلیہ صنیع الموطا، یعنی ان کی تصنیف موطا سے جواز ہی معلوم ہوتا ہے، وقال الابہری کرہا مالک اذا کان علی وجه التکبیر ولسط روایات المصنف فی الفتح ۵۱۶، اور ترمذی کی روایت میں ہے: عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من تلمح التحیة الا قد بالید، اور ایک روایت میں ہے: وتمام تحیتکم ینکم المصنف، مگر امام ترمذی نے دونوں روایتوں پر کلام کیا ہے، یعنی مصنف سلام کا تکلم ہے، معلوم ہوا صرف مصنف پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے، سلام ہی اصل ہے نفی اللادجز واخرج الطبرانی فی اللادسط من حدیث النس کا نوا اذا تلا قوا تصافحوا واذا قدروا من سفر تعانقوا، ولہ فی الکبیر کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اذا لقی اصحابہ لم یصافحہم حتی یسلم علیہم اہ۔

حدیث الباب میں ہے: اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمدا للہ واستغفرا لا غفر لہما، کہ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت مصنف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور استغفار تو ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مصنف کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد اور استغفار سنت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مصنف کے وقت میں یہ پڑھتے تھے: اللہم اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار، اخرجہ ابن السنی من حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال الحافظ ویستثنی من عموم الامر بالمصافحة المرأة الاجنبیة والامر بالحسن انتہی (غون) اور باب کی دوسری حدیث میں ہے: عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما جار اهل الیمین قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قد جارکم اهل الیمین وہم اول من جار بالمصافحة، حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب اہل الیمین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے (تو انہوں نے آپ سے مصافحہ کیا ہوگا) تو آپ نے فرمایا کہ سب پہلے مصافحہ کی سنت اہل الیمین ہی لیکر آئے، اور بذل میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے اس پر یہ لکھا ہے ای بالکثرة والشیوع والافکانت المصافحہ فیہم قبل اتیان اهل الیمین اہ یعنی یہ مطلب نہیں کہ ان کے آنے سے پہلے وہاں مصافحہ تھا ہی نہیں بلکہ کثرت اور عموم مراد ہے بچنا پچھ صحیح بخاری کی روایت ہے عن قتادة قلت لانس بن مالک اکانت المصافحہ فی اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال نعم۔

یہ ابوداؤد والی روایت معلوم نہیں کون سی ہے، حاقظ منذری نے اس کی تخریج سے سکوت کیا ہے صحیحین میں جو روایت ہے وہ تو اس طرح ہے تاکم اهل الیمین۔ وفی روایت۔ جار اهل الیمین هم ارق السدة والین قلوبا، الایمان یمان والحکمة یمانۃ اللہ یہاں ایک بحث مصنف کے بارے میں یہ ہے کہ مید ہو یا بالیدین، اس کے بارے میں کسی قدر تفصیل اور جزئیات میں مذکور ہے اور اخیر میں حضرت گنگوہی کی رائے الکوکب الدر سے یہ نقل کی ہے: والحقی فیہ ان مصافحہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثابتہ

بالید وبالیدین الا ان المصانفہ بید و احدہ لما كانت شعار اهل الافرنج و جب ترکہ لذلک اھ۔ یعنی گو ثابت تو دونوں طرح ہے لیکن چونکہ مصانفہ بید انگریزوں کا شعار ہو چکا ہے اسلئے اس کا ترک واجب ہے۔

فائدہ ۷: وفی حاشی البذل والشہور علی الاسیۃ ان المصانفہ عند الوداع لم تثبت و لیس یصح لروایات ذکر تہا علی ہا مشر جمع الفوائد ۱۳۱ھ۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ مولانا عبدالحی صاحب نے تو واپسی کے مصانفہ کا انکار کیا ہے کہ وہ ثابت نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ ثابت ہے۔

## باب فی المعانفۃ

معانفہ کے بارے میں مصنف نے ایک حدیث تو اس باب میں ذکر کی ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا اهل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یصافحکم اذا تقیتوہ الخ کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں سے ملاقات کے وقت مصانفہ کیا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ سے جب بھی ملاقات کی تو آپ نے مجھ سے مصانفہ فرمایا اور ایک مرتبہ کی بات ہے کہ آپ نے کسی قاصد کو میرے بلانے کے لئے بھیجا میں اس وقت اپنے گھر پر نہ تھا جب میں اپنے گھر آیا تو مجھ کو بتلایا گیا کہ حضور کا قاصد مجھ کو بلانے آیا تھا تو میں فوراً آپ کی خدمت میں گیا اس وقت میں آپ اپنے تخت پر تھے تو آپ مجھ سے چمٹ گئے یعنی معانفہ فرمایا جس میں مجھے بہت ہی لطف آیا۔

اور دوسری روایت ائمہ دو باب کے بعد باب فی قبلہ ما بین العینین میں ذکر کی ہے: عن الشعبي ان النبي

صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تلقى جعفر بن ابي طالب قال تزومه وقبل ما بين عيني،

یعنی جب حضرت جعفر بن ابی طالب ہجرت کبیشہ سے واپسی پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا استقبال فرمایا اور اس وقت معانفہ فرمایا اور ان کی پیشانی پر بوسہ بھی دیا، اور ترمذی "باب ماجاء فی المعانفۃ والقبلہ" میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت مروی ہے: قالت قدم زيد بن عارضة المدينة ورسول الله صلى الله

تعالى عليه وآله وسلم في بيتي فاتاه فقرع الباب فقام اليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عريان يجر

ثوبه..... فاعتنقه وقبله، هذا حديث حسن غريب لا يرفقه من حديث الزهري الا من هذا الوجه، یہ روایات ثلاثہ

تو معانفہ کے ثبوت بلکہ استحباب پر دال ہیں لیکن ترمذی ہی میں باب ماجاء فی المصانفہ میں حضرت انس کی روایت میں ہے

قال رجل يا رسول الله الرجل منا يلقي اخاه او صديقه اينحنى له؟ قال: لا، قال افيلتزمه ويقبله قال لا قال

فياخذ بيده ويصافحه؟ قال نعم، هذا حديث حسن، اسی طرح ابن ماجہ میں حضرت انس کی روایت مرفوع اس طرح ہے

ايحانق بعضنا بعضا قال لا، ولكن تصافحوا، یعنی آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم میں سے بعض بعض سے معانفہ کرے

تو آپ نے فرمایا نہیں، لیکن مصانفہ کیا کرو، حضرت انس کی یہ حدیث جس کی تخریج امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے کی ہے

معانفہ کی کراہت پر دال ہیں، ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے کہ اسی کے یعنی کراہت معانفہ کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ

معانفہ کی کراہت پر دال ہیں، ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے کہ اسی کے یعنی کراہت معانفہ کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ

اور وہ جو ترمذی میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ سے معافہ فرمایا تو یہ دلالت کرتا ہے معافہ کے جواز پر للقدام من السفر، صرف سفر سے آنے والے کے لئے لہذا دوسرے کے لئے جائز نہ ہوگا، اہ باب المصافحہ میں یہ گذر چکا کہ امام مالک نے مصافحہ اور معافہ کو مکروہ قرار دیا اور یہ کہ ان سے مصافحہ کا جواز بھی منقول ہے اور اسی کو انہوں نے موطا میں اختیار کیا ہے، اور حضرت امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا، باب المعافہ وقول الرجل کیف اصحت، لیکن انہوں نے معافہ کے بارے میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی البتہ امام بخاری نے کتاب الیروع میں، باب ما ذکر فی الاسواق، اور کتاب اللباس میں، باب السخاب للصبیان، میں اس سے متعلق حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھے اور فرمایا اثم لکغ فجمستہ شیئا فنظنت اہنا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاریشد حتی عانقہ و قبلہ، اور حضرت حسن کے بارے میں دریافت فرمایا وہ کہاں ہیں حضرت فاطمہ ان کا منہ ہاتھ وغیرہ دھور ہی تھیں جس میں تھوڑی دیر لگی اور پھر وہ بھاگے ہوئے آئے یعنی حسن اور آپ سے آکر لپٹ گئے آپ نے ان کو اپنے گلے سے لگایا اور تقبیل کی، بخاری شریف کی اس روایت سے معافہ کا ثبوت ہو رہا ہے لیکن ایسا ہی سرسری طور سے اس لئے کہ حضرت حسن تو بچے تھے ان کو آپ نے گلے سے لگالیا اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کو اصل محل یعنی باب المعافہ میں ذکر نہیں فرمایا مگر چونکہ اس حدیث میں لفظ معافہ مذکور تھا اس لئے اس کی طرف ترجمہ قائم فرما کر اشارہ کر دیا۔

حضرت شیخ نے الابواب والترجمہ پہلے میں امام نووی سے نقل کیا ہے معافہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے یعنی قادم من السفر کے لئے کہ اس کو امام مالک نے مکروہ قرار دیا اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے مستحب اور وہ فرماتے ہیں وهو یصح الذی علیہ الاکثرون والمحققون صحیح یہی ہے جس کے اکثر علماء قائل ہیں کہ قادم من السفر کے لئے مستحب ہے وہ فرماتے ہیں امام مالک اور سفیان کا اس میں مناظرہ بھی ہوا، سفیان بن عیینہ نے استدلال کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے جعفر بن ابی طالب کیساتھ جب وہ حبشہ سے آئے تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ وہ حضور کے ساتھ خاص تھا، اس پر سفیان

ابو امام مالک نے اور موطا ماجار فی المہاجرۃ کے ذیل میں یہ روایت معضلا ذکر کی ہے: عن عطار بن عبد اللہ بن اسحاق قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: تصافحوا یندھب الغل کہ مصافحہ کیا کرو حسد اور کینہ دور ہو جائیگا، اس کی شرح میں علامہ باجی فرماتے ہیں کہ مراد مصافحہ بالایدی ہے اور ابن وہب نے امام مالک سے مصافحہ اور معافہ کی کراہت نقل کی ہے تو اس روایت کے پیش نظر ہو سکتا ہے مصنف نے اس کے دوسرے معنی مراد لئے ہوں ان صحیح بعضہم عن بعض، من الصفح وهو التجاوز والنظران، وهو مشبہ لان ذلک یندھب الغل فی الاغلب واجتہد مالک بمنع المصافحہ بالید بقولہ عزوجل اذ دخلوا علیہ فقالوا سلاما قال سلام قوم منکرون، ولم یدکر مصافحہ۔ الی آخر فی الاوجہ صلا، یعنی دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ یہ تصافحوا صفح اور عفو سے ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے معاف اور درگزر کرنا اور ایک لحاظ سے یہ بہتر ہے اس لئے کہ صفح اور عفو ہی سے حسد اور کینہ دور ہوتا ہے۔

نہ فرمایا کہ خاص نہیں بلکہ عام ہے، اس پر وہ خاموش ہو گئے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک کا سکوت دلیل ہے قول سفیان کو تسلیم کر لینے کی اور اس میں ان کی موافقت کی وهو الصواب، اور حنفیہ کا مذہب تراجم میں علامہ شامی سے کراہت معانقہ نقل کیا ہے اور ایسے ہی تقبیل وجہ اورید، اور امام طحاوی سے نقل کیا کہ یہ قول طرفین کا ہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں لا باس بالتقبیل والمعانقہ۔ الی آخر یاقیہ۔ اور بڈل میں لمعات سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ معانقہ جائز ہے بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو، اور دلیل میں زید بن عارثہ اور جعفر بن ابی طالب کا قصہ پیش کیا ہے، اور بعض علماء سے توفیق بین الروایات اس طرح کی ہے کہ مکروہ وہ معانقہ ہے جو علی وجہ الشہوۃ ہو، اور کہا گیا ہے کہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب آدمی پورے لباس میں نہ ہو صرف ازار میں ہو اور اگر ازار اور قمیص دونوں میں ہو تو فلا باس بالاجماع وهو الصحیح، پس خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے اس میں دونوں قول ہیں لیکن صحیح جواز ہی ہے بشرط عدم خوف الفتنہ اور امام مالک علی القول الا شہر اس کی کراہت کے قابل ہیں اور شافعیہ کے صحیح قول میں للتقادیم من السفر مستحب ہے۔

حدیث الباب میں ہے: حیث سئین من الشام کہ حضرت ابوذر غفاری کو جب ملک شام سے روانہ کیا گیا، بڈل میں اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری ملک شام میں تھے اور چونکہ ان کا نزع المالدروں سے مشہور ہے کہ ان کیساتھ اچھے رہتے تھے کہونکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ ضرورت سے زائد اپنے پاس مال رکھنا اولیٰ زکاۃ کے باوجود بھی جائز نہیں تو اسلئے شام کے عامل نے حضرت عثمان کی خدمت میں ان کا یہ حال لکھ کر بھیجا تو اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے پاس مدینہ بلا لیا، لیکن وہاں آنے کے بعد بھی ان کا مالداروں سے اختلاف چلتا ہی رہا اسلئے حضرت عثمان نے ان کو مقام ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دے دیا۔

## باب فی القیام

قیام کے بارے میں مصنف نے دو باب قائم کئے ایک یہ اور ایک چند ابواب بعد آ رہا ہے: باب الرجل یقوم للرجل یعظم بذلک، باب ثانی سے مراد تو وہ قیام ہے جو لاجل التعظیم ہو، اور اس پہلے باب سے مراد وہ قیام ہے جو تعظیم نہ ہو بلکہ کسی اور غرض سے ہو، اظہار شوق و محبت یا عذر اور ضرورت، اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک حضرت ابو سعید خدریؓ کی حضرت سعد بن معاذ کے بارے میں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بنو قریظہ کے فیصلہ کے لئے بلایا اور وہ حاضر ہوئے تو اس وقت حمار پر سوار تھے تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا: توموا الی سیدکم، اس قیام کے بارے میں بعض کی رائے تو یہی ہے کہ یہ تعظیم تھا اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ یہ ان کی اعانت کے لئے تھا کہ اس وقت وہ مریض تھے۔

اور دوسری حدیث باب کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے جس کا مضمون یہ ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رفتار گفتار اور اخلاق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھنے والا میں نے حضرت

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کسی کو نہیں دیکھا، جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گھر میں تو آپ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور تعلق و محبت میں ان کا ہاتھ پکڑتے اور ان کی تقبیل کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے، وہ فرماتی ہیں کہ اور یہی حال خود حضرت فاطمہ کا تھا جب آپ ان کے گھر تشریف لیجاتے تو وہ دور ہی سے آپ کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا ہاتھ پکڑتیں اور آپ کی تقبیل کرتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اہل علم و فضل کے لئے قیام مستحب ہے اور احادیث سے ثابت ہے اور صراحتہ اس کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اور اسی طرح علامہ شامی نے بھی اس کے استحباب کی تصریح کی ہے، علماء فرماتے ہیں کہ تعظیماً کھڑا ہونا اہل فضل کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مکروہ محبت قیام ہے یعنی جس شخص کے لئے قیام کیا جا رہا ہے وہ خود اپنے لئے قیام کو پسند کرے۔

### باب فی قبلة الرجل وولده

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الاقرع بن حابس ابصر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وهو یقبیل حسیناً۔

اقرع بن حابس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے حسین کی تقبیل فرما رہے ہیں تو اس نے کہا کہ میرے تو دس لڑکے ہیں میں نے تو کبھی کسی کی تقبیل نہیں کی، آپ نے فرمایا من لایحضر لایرحم، کہ جو دوسرے پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں فرماتے۔

حاشیہ بذل میں ہے کہ ملا علی قاری نے امام نووی سے نقل کیا ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کے رخسار کا بوسہ دینا علی وجہ الشفقة والرحمة واللطف واجب ہے اور ایسے ہی رخسار کے علاوہ دوسرے اعضاء کا بوسہ دینا بھی، اور اپنی اولاد کے علاوہ اپنے احباب کی اولاد کی تقبیل سنت ہے، واما التقبیل بالشہوة فحرام بالاتفاق، وسمار فی ذلک لوالد وغیرہ اھ۔

اور باب کی دوسری حدیث میں واقعہ انک کی حدیث کا آخری ٹکڑا مذکور ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب میرے پاس سے قرآن کریم کی آیات نازل ہو گئیں تو مجھ سے میرے والدین نے کہا کہ اٹھ کر حضور کا سر مبارک چوم لے، اور ان کا شکریہ ادا کر، تو وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکریہ ادا کروں گی، آپ میں سے کسی کا نہیں، حدیث الا انک کا ذکر کتاب الحدود باب حد القذف میں گذر چکا۔

### باب فی قبلة ما بین العینین

اس باب کی حدیث کا مضمون ابھی قریب میں گذر چکا۔



## باب فی قبلة الخد

رأيت ابا نصره قبل خد الحسن، منذری نے لکھا ہے کہ حسن سے مراد حسن بن ابی الحسن یعنی حسن بصری ہیں۔ حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نسخہ میں حسن کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہوا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ حسن بن علی ہیں مگر کسی نسخہ میں نہ حسن بن ابی الحسن کی تصریح ہے نہ حسن بن علی کی، ویسے زمانہ دونوں حسن کا ایک ہی ہے اس حیثیت سے دونوں کا احتمال ہے، لیکن منذری ان کو حسن بصری قرار دے رہے ہیں اور منذری کا رتبہ حدیث میں اونچا ہے اس لئے ان ہی کا قول راجح ہوگا اور ہو سکتا ہے رضی اللہ عنہ کی کتابت نا سخیں کی طرف سے ہوا کہ من البذل قلت نوذا ہوا المستعین اذ ابن دغفل لم یدرک عصر الصحابة لانه من الطبقة السابعة من طبقات التقریب۔

عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخلت مع ابی بکر اول ما قدم المدينة فاذا عائشة ابنتہ مضطجعة

قد اصابتها الحمی الخ

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آئے تو میں ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہوا وہاں ان کی بیٹی عائشہ لیٹی ہوئی تھیں جن کو بخار ہو رہا تھا تو وہ اس کے پاس گئے اور کیفیت حال دریافت کی و قبل خدھا ان کے رخسار کو بوسہ دیا۔

حاشیہ بذل میں ہے: وفي لفتح ص ۳۲۸ بحوزة تقبيل الولد الصغير في كل عضو منه وكذا الكبير عند الاكثر الم يكن غورة، وكان عليه السلام يقبل فاطمة رضي الله تعالى عنها، وكذا ابوبكر بنته عائشة اهـ وبسطت انواع القبلة في الشامی ص ۲۷۲

## باب فی قبلة اليد

ان عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما حدثه وذكر قصة - قال فدونا يعني من النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، یہ ایک طویل حدیث کا شکر ہے جیسا کہ مصنف نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، و ذکر قصته جو کتاب الجہاد باب التولی یوم الزحف میں گذر گیا، الدر المنصور جلد رابع دیکھئے، حاشیہ بذل میں ہے قال النووی تقبيل يدا الرجل نزهة وصلاصة او علمه او شرفه او نحو ذلك من الامور الدينية لا يكره بل يستحب، فاذا كان لغناه او شوكة او جاهه عند اهل الدنيا فمكروه شديد الكراهة، و ذکر الحافظ احادیث قبلة اليد والرجل فی التلخیص الجیر ص ۲۶۶، وفي الدر المختار ص ۲۴۵، ولا باس بتقبيل يدا الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك، ونقل المصنف عن الجامع انه لا باس بتقبيل يدا الحاكم المتدين والسلطان العادل وقيل سنة وتقبيل رأسه اي العالم اجود كما في البرازية، ولا رخصة فيه اي في تقبيل اليد. تغيرهما اي لغير عالم وعادل هو المختار۔

## باب فی قبلة الجسد

عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رجل من الانصار۔ قال بینما هو يحدث القوم وكان فیہ مزاح بینما هو یضحکهم اذ۔ اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص لوگوں سے باتیں کر رہا تھا جس کی طبیعت میں مذاق تھا وہ لوگوں کو اپنی باتوں سے ہنسا رہا تھا جس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھڑی سے اس کی کمر پر مار دیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اپنے سے قصاص اور بدلہ لینے دیجئے تو آپ نے فرمایا بدلہ لے لو، اس نے کہا کہ آپ کے جسم پر تو قمیص ہے اور میرے بدن پر قمیص نہیں اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا قمیص اٹھا دیا، وہ شخص آپ سے چمٹ گیا اور آپ کے پہلو کو چومنے لگا اور کہا یا رسول اللہ! میرا مقصد تو یہ تھا۔

حدثتني ام ابان بنت الازع بن زارع عن جد هازرع وكان في وفد عبد القيس لما قدمنا المدينة

فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ورجله وانظر المنذر الاشجعي  
ام ابان اپنے دادا زارع سے روایت کرتی ہیں جو کہ وفد عبد القیس میں تھے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم لوگ جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اتر کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ رہے تھے آپ کے دست و پا کو بوسہ دے رہے تھے لیکن منذر اشجعی نے جلد بازی نہیں کی یہاں تک کہ پہلے وہ اپنے کپڑوں کی پوٹلی کے پاس آئے اپنے دونوں کپڑے بدلے اور پھر حضور کی خدمت میں آئے آپ نے ان کی یہ ادا دیکھ کر فرمایا ان فیک خلتین یحبہما اللہ  
الحلم والاناقة قال یا رسول اللہ! انا اتخلق بهما ام اللہ جبلتی علیہما قال بل اللہ جبلك علیہما، قال  
الحمد لله الذی جبلتنی علی خلتین یحبہما اللہ ورسولہ، کہ تیرے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ایک حلم و بردباری اور وقار، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان دو خصلتوں کو میں اپنے طور سے اختیار کرتا ہوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے میری جبلت اور خلقت میں ان کو رکھا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا ہی ان دو صفتوں پر کیا ہے، اس پر انہوں نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جن کو وہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔

یہ المنذر الاشجعی جن کو اشجعی القیس اور الاشجعی العصری بھی کہتے ہیں، تہذیب میں ان کا نسب اس طرح لکھا ہے المنذر ابن عائد بن المنذر بن الحارث بن النعمان بن زیاد بن عصر العصری کان سید قومہ۔

عون المعبود میں لمعات سے نقل کیا ہے کہ یہ وفد عبد القیس جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مدینہ منورہ پہنچتے ہی اپنی سواریوں پر سے زیارت نبوی کے شوق میں نیچے کود پڑے اور بہت رواں دواں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے جذبات کا مشاہدہ فرماتے رہے اور اس وفد کا جو سربراہ تھا یعنی اشجعی وہ پہلے اتر کر اپنی قیام گاہ پر گیا

اور وہاں جا کر غسل کیا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے اس کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوا اور وہاں دو رکعت ادا کی اور دعا مانگی اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہایت خشوع و خضوع اور سکون و وقار کے ساتھ حاضر ہوا اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں وہ ارشاد فرمایا جو اہل حدیث میں گزرا۔

### باب فی الرجل یقول جعلنی اللہ فداک

حدیث الباب میں ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! تو میں نے عرض کیا لیکو مسعدیک یا رسول اللہ وانا فداک۔

یہ ترجمہ امام بخاری نے بھی قائم کیا ہے کتاب الادب ہی کے اندر باب قول الرجل فداک ابی وامی۔ دونوں ترجمے قریب ہی قریب ہیں، ایک میں اپنے نفس کو فدا کیا جا رہا ہے اور دوسرے میں اپنے والدین کو، اب یہ کہ اپنے آپ کو یا اپنے والدین کو کسی شخص پر فدا کرنا اور اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: وہ قال جماہیر العلامہ ذکرہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واخسن البصری، وکرہہ بعضهم فی التقذیرۃ بالمسلم من ابویہ، والصحیح الجواز مطلقاً، لانہ لیس فیہ حقیقۃ فدا وانما هو الطاف واعلام بالمحبۃ الخ یعنی جنہوں علماء کے نزدیک اس طرح کہنا جائز ہے اور عمر فاروق اور حسن بصری نے اس کو مکروہ سمجھا ہے یعنی مطلقاً، اور بعض علماء نے اپنے مسلم ابویں کے تقدیر کو مکروہ قرار دیا ہے یعنی جس شخص کے والدین مسلمان ہوں اس کے لئے فداک ابی وامی کہنا مکروہ ہے، اور جس شخص کے والدین غیر مسلم ہوں اس کے لئے اس طرح کہنا جائز ہے (کیونکہ اپنے آپ کو غیر اللہ پر فدا کرنا کب جائز ہو سکتا ہے) امام نووی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ مطلقاً جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود حقیقت فدا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود تو صرف اظہار لطف و محبت ہے، اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کہنا ثابت ہے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد میں حضرت سعد کے لئے اور غزوہ خندق میں حضرت زبیر کے لئے ایسا فرمایا ہے، فتح الباری میں یہاں پر ان سب کے خلاف طبرانی سے یہ روایت بھی نقل کی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے جبکہ آپ کی طبیعت نامساعد تھی اور آپ سے اس طرح خطاب کیا یعنی ان الفاظ میں مزاج پرسی کی، کیف تجدک جعلنی اللہ فداک (تو اس پر آپ کو ناگواری ہوئی) اور فرمایا ماترکت اعدا بیتک کہ تیرا اب تک گاؤدی پنا نہیں گیا، اس کے بعد امام طبرانی نے فرمایا کہ یہ حدیث ان احادیث صحیحہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور اگر اس روایت کا ثبوت مان لیا جائے تو پھر اس میں صراحت ممانعت نہیں ہے بلکہ اشارہ ہے کہ ان کا ان الفاظ میں مزاج پرسی اور عیادت کرنا خلاف ادلی ہے، عیادت کا مسنون طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ لا باس ظہور جیسے الفاظ کے ذریعہ عیادت کرنی چاہیے۔

## باب فی الرجل یقول: انعم اللہ بک عینا

حدیث الباب میں ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں اس طرح کہا کرتے تھے انعم اللہ بک عینا، جس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ ایک دوست دوسرے دوست سے ملاقات کے وقت میں یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے، یعنی تیری محبوب چیز کے ذریعہ، اگر باکوڑا اندانا جائے اس صورت میں منع کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا نتیجہ ہے اور اگر باکوڑا کو سببیہ مانا جائے تب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ تیرے محبوب کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے تو اس میں منع کی وجہ ہوتی ہے ایک یہ کہ یہ زمانہ جاہلیت کا نتیجہ ہے دوسرے یہ کہ اس میں فساد معنی کا ایہام ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ ایسا کرے، اور دوسرا جملہ انعم صباحا کہ تو خوش گواری اور کامیابی کے ساتھ صبح کرے اس میں وجہ گراہت بس ایک ہی ہے کہ نہ من تجیہ الجاہلیت۔

آگے روایت میں یہ ہے راوی کہتا ہے کہ اگر بجائے بیک عینا کے انعم اللہ عینک کہے تو کچھ حرج نہیں، اول تو اس لئے کہ لفظوں میں تغیر کے بعد یہ تجیہ الجاہلیت نہ رہا، دوسرے یہ کہ باسببیہ کی وجہ سے جو ایہام ہو رہا تھا وہ اس میں نہیں۔

## باب الرجل یقول للرجل حفظک اللہ

حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے آپ کے سارے ہمراہی پیاس کی وجہ سے پانی پینے کے لئے چلے گئے میں آپ کی تنہائی کے خیال سے آپ ہی کے پاس رہا اس شب میں، تو اس پر آپ نے ان لفظوں کے ساتھ دعا دی حفظک اللہ بما حفظت بہ نبیہ۔

## باب الرجل یقوم للرجل یعظمہ بذلک

اس باب کا ذکر ہمارے یہاں پہلے باب فی القیام میں آچکا ہے۔

من احب ان یمثل لہ الرجل قیاماً فلیتبعوا مقعداً من النار یعنی جو شخص اپنے لئے یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اسکے سامنے تصویر بننے کھڑے رہیں تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے یعنی وہ یہ سمجھ لے کہ نیرا ٹھکانا جہنم میں بن چکا، اور یا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے میں جو جہنم میں ہے داخل ہو چکا، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے دو دو ٹھکانے بنائے ہیں ایک جنت میں اور ایک جہنم میں، خواہ وہ شخص دنیا میں آنے کے بعد مسلمان ہو یا کافر بنے، کفار پر جنت قائم کرنے کے لئے کبھی وہ یہ کہنے لگیں کہ اے اللہ تو نے تو ہمارا شروع سے ہی حصہ جنت میں نہیں رکھا تھا۔

باب کی دوسری حدیث میں بروایت ابوامرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اندر

سے باہر عصا کے بہارے تشریف لاتے، ہم آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ تم لوگ عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہو جس طرح وہ ایک دوسرے کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں۔

### باب فی الرجل یقول: فلان یقرئک السلام

ایک صحابی نامعلوم الامم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے باپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ جاؤ وہاں ہو کر آؤ اور آپ کو میرا سلام کہنا، وہ فرماتے ہیں میں آپ کی خدمت میں گیا اور اپنے والد کا سلام آپ کو پہنچایا تو آپ نے جواباً فرمایا: علیک وعلیٰ ابیک السلام۔ اور باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جبریل تم کو سلام کہتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ جب کوئی کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو جواب دینے والے کو چاہیے کہ جواب سلام میں پہنچانے والے کو بھی شریک کرے، اور اس دوسری حدیث میں صرف مسلم پر سلام ہے مبلغ پر نہیں، معلوم ہوا دونوں طرح جائز ہے (بذل) اور حاشیہ بذل میں یہ ہے کہ ابن عابدین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک شریک واجب ہے اور دوسروں کے نزدیک مستحب۔

### باب الرجل ینادی الرجل فیقول البیک

مضمون حدیث یہ ہے ابو عبد الرحمن فہری فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حنین میں شریک تھا ایک مرتبہ ہم چلے جا رہے تھے سخت گرمی کے دن میں تو ہم ایک درخت کے سائے کے نیچے اترے جب زوال شمس ہو گیا تو میں نے اپنا ہتھیار سنبھالا اور زرہ وغیرہ پہنی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور حضور کے پاس آیا جبکہ آپ خیمہ میں تھے، پس میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ قدحان الروح کہ اس منزل سے روانگی کا وقت ہو گیا آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، پھر آپ نے حضرت بلال کو آواز دی اور ان سے فرمایا کہ چلو کھڑے ہو تو وہ ایک لیکر کے درخت کے نیچے سے فوراً اٹھے جس کا سایہ اتنا مختصر سا تھا جیسا کسی پرندہ کا ہوتا ہے اور آپ سے عرض کیا لیکر وسعدیک، وانا فداؤک آپ نے فرمایا کہ گھوڑے پر زین باندھو، فاخرج سرحد فتاہ من لیف لیس فیہما الشر ولا بطرف فوکب و رکبنا، تو وہ ایک ایسی زین نکال کر لائے جس کی دونوں جانب گھوڑے کی چھال کی تھیں نہ ان میں کوئی شیخی تھی نہ بڑائی، آپ اس پر سوار ہوئے اور ہم بھی اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر چل دیئے۔

حدیث کی ترجمہ الباب سے مطابقت ظاہر ہے کہ تدارینے والے کے جواب میں لیکر کہنا ثابت ہو رہا ہے، حاشیہ بذل

میں ہے کہ اس طرح کسی کے جواب میں لبیک کہنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے کما فی الشرح الکبیر ص ۲۲۱، پھر انہوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ امام کی مراد مطلق لبیک کی کراہت نہیں بلکہ تلبیۃ کما کا استعمال کرنا اور یہ ترجمہ امام بخاری نے بھی قائم کیا ہے لیکن حافظ نے ترجمۃ الباب کی غرض سے سکوت کیا ہے اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ تلبیۃ حج میں تو علماء کا اختلاف مشہور ہے کہ غیر محرم کے لئے جائز ہے یا نہیں اور پھر ابن قدامہ سے نقل کیا لایا اس ان یلبی الخلال و بہ قال الشافعی واصحاب الرأی، و کہہ مالک، ولنا انہ ذکر لبیک للمحرم فلا یکرہ لغيره کسائر الازکار اہم ہمارے استاد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ لبیک تو اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو پکارے اور بلائے اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے لئے، یہ انہوں نے اس پر فرمایا کہ بعض طلبہ استاد کے حاضری لینے کے وقت اپنا نام پکارے جانے پر لبیک کہتے تھے کہ یہ اس کا محل نہیں ہے۔

### باب فی الرجل یقول للرجل: اضحک الله سنک

حدیث الباب میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی بات پر ہنسے تو آپ کو ہنستا دیکھ کر حضرات شیخین میں سے کسی ایک نے جو وہاں موجود تھے کہا اضحک اللہ سنک۔  
اس حدیث سے اس وقت میں جو دعاء شروع ہے وہ معلوم ہوگئی کہ جب کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کو ہنستا دیکھے تو اس کو اس طرح دعاء دے اضحک اللہ سنک، کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اسی طرح ہنستا کھلا رکھے۔

### باب ملجاء فی البناء

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال مر فی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وانا اطین حائطاً لانا و امی الخ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گذرے جبکہ میں اور میری والدہ دونوں اپنے گھر کی دیوار کو مٹی لگا کر درست کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا اسے عبداللہ ایہ کیا ہے؟ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس دیوار کو کچھ درست کر رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے، اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے: ونحن نعالج حُصّاً لنا و امی، حُصّ کہتے ہیں بانس اور لکڑی وغیرہ سے جو مکان بنا لیا جاتا ہے کہ ہم درست کر رہے تھے اپنے گھر کو جو کمزور ہو گیا تھا، وہی بروزن رضی ماضی کا

لہ فی ہامش البذل: اور دھڑا الحدیث ابن جوزی فی الموضوعات و رد علیہ الخ فی القول المسد و مشکوٰۃ ص ۲۱۱ فی ہامش البذل: یفتش الحدیث فانہ فی الترغیب ص ۵۹۹ عن ابن عمر بدون الواد۔ اہ فی جمیع نسخ الموجودۃ عندنا بالواد، و کذا فی سنن الترمذی عن عبداللہ بن عمرو۔ بالواد۔



صیغہ ہے (بذل) اور اس کو وہ بھی پڑھ سکتے ہیں بروزن رومی۔

آپ نے جو ارشاد فرمایا کہ موت بہت قریب ہے اس پر حضرت گنگوہی کی تقریر میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود اس سے مکان کی اصلاح اور مرمت سے روکنا نہیں ہے بلکہ مقصود موت کو یاد دلانا ہے کہ اس کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خرج فرائی

قبة مشرفة فقال ما هذه؟ اۛ۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لیا رہے تھے تو راستہ میں ایک اونچا سا مکان دیکھا آپ نے دریافت فرمایا یہ کس کا ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں انصاری کا ہے، آپ سنکر خاموش رہے لیکن آپ نے ذہن میں اس بات کو رکھا یہاں تک کہ جب آپ کی مجلس میں وہ صاحب مکان حسب معمول حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ نے ان کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا انہوں نے بار بار سلام کیا لیکن آپ بھی اعراض فرماتے رہے یہاں تک کہ ان صحابی نے آپ کی ناگواری کو سمجھ لیا تو اس چیز کا ذکر انہوں نے دوسرے صحابہ سے کیا کہ واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور ناراض ہیں اس کی کیا وجہ؟ انہوں نے بتادیا کہ راستہ میں تمہارا مکان دیکھا تھا، وہ انصاری سنتے ہی مجلس سے اٹھ کر باہر آئے اور اپنے مکان کو منہدم کر دیا اور بالکل زمین کے ہموار کر دیا، اس کے بعد پھر ایک دن آپ کا وہاں کو گزر ہوا تو جب آپ نے وہاں وہ مکان نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ مکان کہاں گیا صحابہ نے آپ کو پورا واقعہ سنا دیا، تو اس پر آپ نے فرمایا: امان کل بناء وبال علی صاحبہ الامالا، الامالا، یعنی مال ابداً منہ، خیر دار تحقیق کہ ہر تعمیر اور مکان اس کے مالک کے حق میں وبال ہے مگر صرف ایسا مکان کہ جس کے بغیر چارہ کاری نہ ہو اللہ اکبر! حضرات صحابہ کرام کے اخلاص کی گہرائی دیکھئے، صحابہ کرام کا سبب اونچا و صاف کمال اخلاص ہی تھا۔

## باب فی اتخاذ الغرف

عن دکین بن سعید المزنی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال اتینا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فسالناہ

الطعام فقال یا عمر اذهب فاعطهم فارتقی بنا الی علیتہ فاخذ المفتاح من حجرته ففتح۔

گرف جمع ہے غرفہ کی یعنی کمرہ کے اندر اس کی کسی ایک جانب میں مچان کے طور پر ایک دوسری چھت ڈال کر مختصر سا حجرہ بنا لینا جس کو ہمارے عرف میں دوپہتی کہتے ہیں جس میں کھانے پینے کا ذخیرہ اور سامان محفوظ کر دیا جاتا ہے، تو مصنف اس باب سے غرف بنانے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں، مضمون حدیث یہ ہے: دکین بن سعید فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آنیوالوں کی کافی بڑی جماعت تھی جن کی تعداد چار سو چالیس تھی یہ سب لوگ مدینہ میں آپ کی خدمت میں غلہ لینے کیلئے آئے تھے بظاہر بیت المال سے، لیکن بیت المال اس وقت خالی تھا اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے گھر جا کر موسم میں اپنے

اہل و عیال کے لئے جو ذخیرہ جمع کر رکھا ہے وہ ان کو دیدو، اسی مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ میرے پاس تو کھجوروں کا ذخیرہ اپنے گھر والوں کے لئے صرف چار ماہ ہی کے بقدر ہے، حضور نے فرمایا جاؤ بھی، دیدو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سمعنا و طاعة، کہ آپ کا حکم علی الراس والعین، وہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ہمیں اپنے ایک غرفہ میں لگائے اور تالی اپنے نیٹے میں سے نکالی جس سے دروازہ کھولا، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم غرفہ میں پہنچے تو وہاں کھجور کا ایک مخقر سا ڈھیر دیکھا، حضرت عمر نے فرمایا کہ اس میں سے تم لوگ حسب ضرورت لے لو، وہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک نے اس میں سے حسب حاجت و ضرورت اچھی طرح لے لیا، یہ صحابی راوی حدیث فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں لینے والا میں ہی تھا تو میں نے اپنا حصہ لینے کے بعد اس ڈھیر پر جو نظر ڈالی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہم نے اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں کی، یہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی برکت تھی حضرت عمر نے تو عرض کیا تھا کہ ہمارے پاس تو ہماری ضرورت سے زائد ہے نہیں مگر آپ نے فرمایا کہ بہر حال تم ان کو دو، تو یہ واقعہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہو گیا تکثیر طعام سے متعلق، اسی لئے اس کو آپ کے معجزات جمع کرنے والے مصنفین میں سے امام بیہقی نے دلائل النبوة میں ذکر کیا ہے۔

## باب فی قطع السدر

عن عبد اللہ بن حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم من

قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ مصنف نے اس حدیث کو دو طریقوں سے ذکر کیا ہے: ابن جریر عن عثمان، اور معمر عن عثمان، دونوں طریقوں میں اختلاف ہے جیسا کہ دونوں طریقوں کی سندوں سے ظاہر ہو رہا ہے، پہلے طریق میں راوی حدیث عبد اللہ بن حبشی صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے طریق میں اسکے راوی عروہ بن الزبیر تابعی ہیں جو اس کو مرفوعاً روایت کر رہے ہیں، پہلی روایت مسند اور دوسری مرسل ہوئی، اور امام بیہقی نے اس حدیث کو ایک تیسرے طریق سے نقل کیا ہے جس میں عن عروہ عن عائشہ موصول ہے اور پھر انہوں نے فرمایا: المرسل هو المحفوظ، اس حدیث کے مفہوم پر اشکال ہو رہا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے، بعض نسخوں میں ہے کہ امام ابو داؤد سے اس حدیث کا مطلب معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ بیری کا درخت ہے جو کسی جنگل میں کھڑا ہو جس کے سایہ سے مسافر اور جانور منتفع ہوتے ہوں، اور کوئی شخص اس کو بلاوجہ ناحق کاٹ ڈالے، اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ اس سے حرم مکہ کی بیری مراد ہے، اور کہا گیا ہے کہ حرم مدینہ کی بیری امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی سے پوچھا گیا قطع سدرۃ کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا لایا بأس بہ۔

لہ کہ اس میں کچھ حرج نہیں یعنی جو بیری اپنی ملک ہو۔

سألت هشام بن عروة عن قطع السدر وهو مستند إلى قصي عروة - فقال أتري هذه الأبواب والمصاريح

انما هي من سدر عروة، كان عروة يقطع من أرضه -

ایک شخص نے ہشام بن عروہ سے معلوم کیا قطع سدر کے بارے میں کہ پیری کا درخت کاٹ سکتے ہیں یا نہیں، اس وقت ہشام اپنے والد عروہ کے بنائے ہوئے مکان سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، تو انہوں نے سائل کے جواب میں کہا کہ یہ جو تم اس مکان کے دروازوں اور چوکھٹوں کو دیکھ رہے ہو یہ پیری کے درخت ہی کے تو ہیں عروہ نے اپنی زمین میں سے پیری کے درخت کٹوا کر اس کے بنوائے تھے، اور یہ بھی کہا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

فقال هي! يا عراقی جئتني ببدعة، قال قلت انما البدعة من قبلكم، اور پھر اس کے بعد ہشام نے یہ بھی کہا کچھ اور پوچھ لے یا عراقی، عراقی سے مراد وہی حسان جو سائل تھے کہ یہ کیا بدعت یعنی نئے نئے سوال کر رہا ہے، اس پر سائل یعنی حسان نے کہا کہ یہ بدعت اور خلاف سنت کلام تو تمہاری ہی طرف سے چلا ہے (کہ پیری کے درخت کٹوا کر اس کے دروازے بنوائے) میں نے مکہ میں ایک شخص سے سنا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے پیری کا درخت کاٹنے والے پر۔

ہی یا عراقی میں لفظ ہی میں دو احتمال لکھے ہیں کسرھا اور فتح یا، اس صورت میں تو یہ ضمیر قصہ ہوگی، اور یا سکون یا کے ساتھ، اس صورت میں یہ ام نعل ہوگا بمعنی امر برائے استزادہ (کسی چیز میں زیادتی طلب کرنے کے لئے بولتے ہیں) ہم نے ترجمہ اسی لحاظ سے کیا ہے۔

## باب في اماطة الاذى

حدثني عبد الله بن بريدة قال سمعت ابي بريدة يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

يقول: في الانسان ثلاث مئة وستون مفصلا فعليه ان يتصدق عن كل مفصل منه بصدقة الا -

عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں سنا میں نے اپنے باپ یعنی بریدہ سے، بریدہ ترکیب میں بدل واقع ہو رہا ہے، ابی سے لہذا ابی میں یا ریائے متکلم ہے وہ فرماتے تھے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہ ہر انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑے ہوتے ہیں لہذا اس کے ذمہ ہے یہ بات کہ ہر جوڑے کی طرف سے ایک صدقہ دے یعنی بطور شکر کے ان جوڑوں کی سلامتی اور عافیت پر، اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقات دینے پر کون قادر ہے، اسے اللہ کے نبی، آپ نے فرمایا مسجد میں لگے ہوئے تھوک کو دفع کر دینا اور راستہ سے تکلیف وہ چیز کو ہٹا دینا، یعنی اس طرح کے نیک کام سب صدقہ شمار ہوتے ہیں، اور آگے یہ ہے کہ اگر ان امور میں سے کسی کی نوبت نہ آئے تو صلاۃ لضحیٰ کی دو رکعت تیرے لئے کافی ہیں، یعنی تین سو ساٹھ صدقات کے قائم مقام ہیں اس لئے کہ دو رکعت پڑھنے میں جسم کے تمام اعضاء اور مفاصل حرکت میں آجاتے ہیں جو کہ حرکت فی العبادۃ ہے لہذا سب اعضاء کی طرف سے شکر یہ ادا ہو گیا، اللہ اکبر دو رکعت نماز کا کتنا بڑا اجر عظیم ہے کہ وہ تین سو ساٹھ نیکیوں کے قائم مقام ہو گئیں۔

باب کی دوسری حدیث میں ہے یصبح علی کل مسلم من ابن آدم صدقة الخ۔ یہ حدیث کتاب الصلاة باب صلاة النضحیٰ میں گذر چکی مع تشریح کے۔

عن یحییٰ بن یعمر عن ابی الاسود الدیلی عن ابی ذر۔ بهذا الحدیث۔ یہ پہلی حدیث کا دوسرا طریق ہے پہلی سند میں واصل سے روایت کرنے والے عبادتھے اور یہاں خالد بن ابی ذر ہیں، لیکن بذل الجہود کے نسخہ میں اور ابو داؤد کے نسخہ مجتبیٰ میں دونوں میں بجائے خالد بن واصل کے خالد بن واصل تقریب کے روادے میں کوئی راوی نہیں ہے لہذا اس لفظ کی تصحیح کر لی جاتے، اس دوسرے طریق کے آخر میں ہے: وذكر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی وسطہ، بذل الجہود میں تحریر ہے کہ اس کلام کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ النبی منسوب ہو، ذکر کا مفعول ہونے کی بنا پر یعنی ذکر کیا راوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وسط حدیث میں نہ کہ اول حدیث میں، دوسرے یہ کہ النبی مرفوع ہو، ذکر کا قائل ہونے کی بنا پر، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث کو اپنے کلام کے وسط میں ذکر فرمایا، یعنی پہلے سے کوئی اور بات چل رہی تھی اس کے درمیان میں آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی، اور تیسرا ایک احتمال حضرت ناظم صاحب نے اپنی کتاب کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ حدیث کے نسخ میں جو لفظ "یا رسول اللہ" لکھا ہے، وہ منطوق ذلک یا رسول اللہ تو اس دوسری سند کے راوی یعنی خالد نے بجائے یا رسول اللہ کے یا نبی اللہ کہا۔ اور باب کی آخری حدیث کا مضمون یہ ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص جس نے کبھی کوئی کار خیر نہیں کیا تھا (الظاہر من الامم السابقة) اس نے راستے سے خاردار ٹہنی ہٹا دی، یا تو وہ درخت میں تھی جس سے اس ٹہنی کو کاٹ دیا اور کاٹ کر پھینک دیا، یا راستے میں پڑی ہوئی تھی اس کو وہاں سے ہٹا دیا، تو اس کام کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل فرمادیا۔

## باب فی اطفاء النار باللیل

لا تتركوا النار فی بیوتکم حین تنامون، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ رات میں سوتے وقت آگ کو بغیر بجھائے مت چھوڑو۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال جاءت فارة فاخذت تجرا لقتيلة فجاءت بها فانقشها الخ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک چوہا چراغ کی جلیسی بتی کھینچ کر لایا اور جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے بوریہ کے اوپر اس کو پھینک دیا جس بوریہ پر آپ بیٹھے ہوئے تھے جس سے اس بوریہ کا کچھ حصہ بقدر درہم کے جل گیا، تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ جب تم سوتے لگا کر دو تو اپنے چراغوں کو بجھا دیا کرو اسلئے کہ شیطان شریب اس چوہی کو اس طرح کی بات سمجھاتا ہے یعنی اس پر اسکو بھارتا ہے، پھر وہ تمہاری چیزوں کو جلا دیتی ہے۔

## باب فی قتل الحیات

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما سأل المناہن منذ حاربناہن ومن ترک شیئاً منہن خیفۃ فلیس منا۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ہے: اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف تأرھن فلیس منی۔

ان احادیث میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سانپ کو دیکھ کر اس کو مارنے کا حکم فرما رہے ہیں، اور فرمایا آپ نے کہ ہم نے ان سانپوں سے کب صلح اور دوستی کی تھی، ہماری تو ان سے ہمیشہ سے دشمنی اور لڑائی ہے، یعنی طبعی طور پر کیونکہ سانپ موزی جانور ہے آدمی کا دشمن ہے، اور آگے آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان کے تار کا یعنی بدلہ کا خوف کر کے ان کو چھوڑ دے گا تو وہ ہم میں سے نہیں، اہل جاہلیہ سانپ کو نہیں مارا کرتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جس طرح ہر جانور کا ایک جوڑا ہوتا ہے اسی طرح اس کا بھی جوڑا ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص کسی سانپ کو دیکھ کر اس کو مار دے گا خواہ وہ مادہ ہو یا نر، تو اس کے جوڑے کا جو دوسرا ہے وہ کسی دوسرے وقت اس مارنے والے سے بدلہ لیتا ہے یعنی اس کو کاٹ کر ہلاک کر دیتا ہے، تو اگر کوئی شخص سانپ کو دیکھ کر اس کو نہ مارے کسی وجہ سے مثلاً ہتھیار نہ ہونے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے یا ہمت نہ ہونے کی وجہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر اس عقیدہ اور خیال کی بنیاد پر اس کو مارنے سے بچے تو یہ ناجائز اور معصیت ہے، لیکن عام حیات کے حکم سے عوام اس سے مستثنیٰ ہیں یہ استثناء آگے روایت میں آ رہا ہے۔

عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انا نرید ان نکتس زمزم وان فیہا من ہذۃ الجنان۔ یعنی الحیات الصغار۔ قاموا للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقتلھن۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ ہمارا ارادہ اس چاہ زمزم کو صاف کرنے کا ہو رہا ہے، کنویں میں جو آڑ کبار گر جاتا ہے تو اس کو صاف کرنے کی بھی ذمہ داری ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس کنویں میں چھوٹے چھوٹے سانپ بھی پیدا ہو گئے ہیں یعنی اس کے بچے، تو آپ نے ان کے مارنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

اور آخر موطا میں ایک باب ہے، ما جاء فی قتل الحیات، اور جز میں اس کے تحت اس سے متعلق ابحاث مذکور ہیں، قتل حیات کے بارے میں اور جز میں بحوالہ محلی ہدایہ سے یہ نقل کیا ہے: یجوز قتل الحیات مطلقاً، قال ابن الہمام استر از عماتیل لا یقتل الحیۃ البیضاء لانہا من الجن قال الطحاوی لا یأس بقتل الکل لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غاضباً لکن ان لا یدخلوا بیوت امۃ ولا ینظروا انفسہم، فاذا خالفوا فقد تقصوا عہدہم فلا حرمتہم، وقد حصل فی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



وفی من بعده الضر لقتل بعض الحیات من الجن، فالحق ان الحکل ثابت ومع ذلك قال اولی الامساک عما فیہ علامۃ الجن لا للمحرمۃ بل لدفع الضر المتوهم من جهنم اہ یعنی حنفیہ کے نزدیک تمام حیات کا قتل جائز ہے، البتہ ایک قول حنیہ بیضار کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو نہ قتل کیا جائے کہ وہ جن کے قبیلہ سے ہوتا ہے، امام طحاوی بھی یہی فرماتے ہیں کہ سب کو قتل کرنا جائز ہے یعنی اگرچہ وہ حیات بیوت ہوں جن کو عوام کہتے ہیں، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی بعض حیات جو جن کے قبیلہ سے تھے ان کو قتل کرنے سے ضرر پہنچا ہے پس حق یہ ہے کہ سب کو قتل کرنا جائز تو ہے لیکن ضرر سے بچنے کے لئے جن حیات میں جن ہونے کی علامت پائی جاتی ہو اس سے رکنا اولیٰ ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سلف کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے بعض مطلقاً تمام کے قتل کے مطلقاً جواز کے قائل ہیں بلا کسی استثناء کے (ثم ذکر اسما القائلین) اور بعض علماء کہتے ہیں کہ عوام البیوت یعنی گھروں میں رہنے والے حیات حکم قتل سے مستثنیٰ ہیں ان کو بغیر تخریج اور اعلان کے قتل نہیں کرنا چاہیے، امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں کہ عوام خواہ مدینہ منورہ کے ہوں یا کسی دوسرے شہر کے ان کو بغیر انذار اور تخریج کے مارنا جائز نہیں، البتہ صحاری میں انذار کی حاجت نہیں، اور ابن نافع مالکی فرماتے ہیں کہ صرف مدینہ منورہ کے عوام کا انذار ضروری ہے (او جز ۱۲۲) قال الحافظ طاہر الحدیث (بہی عن قتل الحیات النبی فی البیوت) التعمیم، وعن مالک تخصیصہ بیوت اهل المدینۃ اہ قال الشیخ فی الادجز: وتقدم البسط فی ذلک فی اول الباب، اور اول باب میں یہ گزرا ہے کہ ابن نافع کے نزدیک یہ بیوت مدینہ کے ساتھ خاص ہے، لیکن امام مالک نے اس کو تمام بیوت پر محمول کیا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں وہ بیوت المدینہ اوجب، یعنی انذار مطلق بیوت مدینہ میں تو ضروری ہے اور مدینہ منورہ کے بیوت میں زیادہ ضروری ہے، لیکن صحاری میں انذار کی حاجت نہیں، قال الباجی قال مالک لا تنذر فی الصحاری ولا تنذر الافی البیوت (من الادجز ۱۲۳)

عن سالم عن ابيه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال اقتلوا الحيات، وذا الطفيتين

والابتر فانهما يلبسان البصر ويسقطان الحبل.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام ہی سانپوں کو دیکھ کر مار دیا کرو، اور خاص طور سے ذوالطفیتین اور ابتر ان دو کو، اس لئے کہ یہ دونوں آدمی کی نگاہ کو طلب کرتے ہیں یعنی اس کو سلب کر لیتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ اگر ان دونوں کی نگاہ انسان کی آنکھ پر پڑ جائے تو اس کی روشنی ضائع ہو جاتی ہے، اور دوسرے معنی اس کے یہ لکھے ہیں کہ یہ دونوں طلب کرتے ہیں انسان کی نگاہ کو یعنی اس پر حملہ کرتے ہیں اور ڈستے ہیں، حاشیہ بذل میں ہے کہ علامہ دیرمی نے یہ دونوں معنی لکھ کر پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، اور آگے ہے، حدیث میں کہ یہ دونوں حمل کو بھی ساقط کر دیتے ہیں، یعنی اگر ان سانپوں کو کوئی حاملہ عورت دیکھ لے تو اس کا حمل ساقط ہو جاتا ہے یعنی ان دونوں کے سم کی شدت کی وجہ سے، ذوالطفیتین ایک بہت



نبیث قسم کے سانپ کا نام ہے اس کو ذوالطفیتین اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کمر پر دو سفید دھاریاں سی ہوتی ہیں، طفیہ تو دراصل کھجور جیسا ایک درخت ہوتا ہے (مقل) اس کے پتے کو کہتے ہیں اس سانپ کی پشت پر بھی چونکہ مقل کے پتوں جیسا نشان ہوتا ہے اس لئے اس کو ذوالطفیتین کہتے ہیں، اور ابتر کے معنی تو دم بریدہ کے ہیں لیکن یہاں ایک خاص قسم کا سانپ مراد ہے جو دم بریدہ تو نہیں ہوتا مگر اس کی دم چھوٹی سی ہوتی ہے ایسی جیسی کٹی ہوئی ہو، اس حدیث میں اقتلوا الحیات مطلقاً وارد ہے لیکن آگے روایت میں ذوات البیوت کا استثناء آ رہا ہے کہ ان کا قتل بعد الاذکار ہونا چاہیے، اور انڈیا کا طریقہ بھی مذکور ہے، چنانچہ روایت میں ہے اذ اذابت منہن شیثانی مساکنہم فقولوا انشدکن العہد الذی اخذ علیکن نوح علیہ السلام، انشدکن العہد الذی اخذ علیکن سلیمان علیہ السلام ان توذونا، فان عدن فاقتلوهن، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم تم کو وہ معاہدہ یاد دلاتے ہیں اور اس کے حوالہ سے سوال کرتے ہیں جو تم سے حضرت نوح علیہ السلام نے لیا تھا اور ایسے ہی وہ عہد جو تم سے سلیمان علیہ السلام نے لیا تھا، حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی کشتی میں ہر جانور کا ایک جوڑا بھی لیا تھا تو ہو سکتا ہے اس وقت میں انہوں نے ان نہریلے جانوروں سے یہ عہد لیا ہو کہ بنو آدم کو اذیت نہ پہنچانا اور سلیمان علیہ السلام کی بھی چونکہ جانوروں پر حکومت تھی تو انہوں نے بھی عہد لیا ہوگا جیسا کہ اس حدیث کا تقاضا ہے، اس انذار کے بارے میں حدیث میں یہ ہے فلیوذوا ثلاثا، اب یہ کہ تین دن تک تین اعلان مراد ہیں یا صرف تین مرتبہ اعلان مراد ہے خواہ ایک ہی دن میں ہو؟ علماء کے دونوں قول ہیں، چنانچہ علامہ دمیری فرماتے ہیں: امرہ علیہ السلام بقتل الحیات امر تدب وحیات البیوت لا تقتل حتی تذر ثلاثہ ایام او ثلاث مرات، وکچھوڑی لا اول بان یقول انشدکن بالعہد الذی اخذ۔

اور اس کے بعد ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ ہے فانہما یخطفان البصر ویطرحان مافی بطون النساء ذوات البیوت میں انذار کی قید کی وجہ سے آگے ایک روایت میں یہ آ رہا ہے: ثم قال ان نفر من الجن اسلوا بالمدينة فاذا رایتہم احدائہم فخذروه ثلاث مرات، کہ بعض جن مدینہ منورہ میں ایسے تھے جو اسلام لائے تھے اور چونکہ جن مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں اس لئے جو سانپ ذوات البیوت ہیں ان میں یہ احتمال ہے کہ یہ ان جنات میں سے ہو جو اسلام لائے نیز آپ نے فرمایا، فان بدالہ بعد فلیقتلہ فانہ شیطان، یعنی تین مرتبہ انذار کے بعد بھی وہ نہ جائے بلکہ ظاہر ہو تو سمجھ لو کہ وہ مسلمان جن نہیں ہے، یا تو جن ہی نہیں بلکہ سانپ ہے اور اگر جن ہی ہے تو غیر مسلم اور کافر لہذا اس کے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور ترمذی کی ایک حدیث مرفوعہ روایت ابو سعید خدری نہیں اس طرح ہے ان البیوتکم عمارا فخر جو علیہن ثلاثا الحدیث۔

وكان عبد الله يقتل كل حية وجوها نابصوة ابولبابة وزيد بن الخطاب فقال انه قد نهى عن ذوات البیوت، یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہر سانپ کو جس کو دیکھتے مار دیا کرتے تھے ایک روز وہ کسی سانپ کا

پتھیا کر رہے تھے مارنے کے لئے تو ان دونوں میں سے کسی ایک نے ان کو دیکھ لیا اور یہ کہا کہ ذوات البیوت کے قتل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے، اس کے بعد روایت میں آرہا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث سنانے کے بعد سانپ کو مارنا چھوڑ دیا تھا ذوات البیوت کو قتل کرنا ترک کر دیا تھا بلکہ اس کو باہر نکال دیا کرتے تھے۔

عن محمد بن ابی یحییٰ قال حدثنی ابی انعم محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد ابو یحییٰ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ یعنی ابو یحییٰ اور ان کے ایک ساتھی ابو سعید خدری کی عیادت کے لئے گئے وہ جب ان کے پاس سے واپس آرہے تھے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی (جن کا نام مذکور نہیں) جو ابو سعید خدری ہی کے پاس جا رہے تھے عیادت کے لئے، ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ ہم تو چلے آئے اور مسجد میں آکر بیٹھ گئے کچھ دیر کے بعد وہ صاحب جو عیادت کے لئے جا رہے تھے ان کے پاس سے لوٹ کر ہمارے پاس آئے اور یہ کہا کہ مجھ کو ابو سعید خدری نے یہ حدیث مرفوعہ سنائی ہے، ان الھوام من الجن فمن رأى فی بیتہ شیئاً فلیخرج علیہ ثلاث مرات فان عاد فلیقتله فانہ شیطان کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بعض سانپ جن ہوتے ہیں پس جو شخص اپنے گھر میں اس کو دیکھے تو اس پر تین بار تخریج کرے یعنی اس کو مخصوص اعلان کے ذریعہ تنگی میں ڈالے لیکن اگر پھر بھی آئے تو اس کو قتل کر دے کہ وہ شیطان ہے۔

عن ابی السائب قال اتیت اباسعید الخدری فبینا اناجالس عندہ سمعت تحت سریرہ تعریک

شئ فنظرت فاذا حیة انی۔

مضمون حدیث یہ ہے ابو السائب کہتے ہیں کہ ایک روز میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا جب میں ان کے پاس بیٹھا تھا تو اسی اثنائیں میں نے ان کے تحت کے نیچے سے کسی چیز کی حرکت کی آواز سنی میں نے جھک کر دیکھا تو وہ سانپ تھا میں اس کو دیکھ کر کھڑا ہوا میرے کھڑے ہونے پر انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں کھڑے ہوئے، میں نے کہا کہ یہاں سانپ ہے انہوں نے فرمایا کہ تو تم کیا چاہتے ہو میں نے کہا کہ اس کو قتل کرنا، تو سامنے ایک حجرہ تھا انہوں نے فرمایا کہ میرا ایک چچا زاد بھائی تھا وہ اس میں رہا کرتا تھا جن دنوں میں غزوہ احزاب چل رہا تھا اور اس کی تیاری ہو رہی تھی تو ایک روز وہ میرا چچا زاد بھائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے گھر آیا ابھی قریب میں اسکی شادی ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جانے کی اجازت دیدی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہتھیار ساتھ لے کر جانا جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اپنی بیوی کو دروازہ پر کھڑا دیکھا، دروازہ پر کھڑا دیکھ کر اس نے اس کی طرف نیزہ سے اشارہ کیا یعنی غصہ ہو کر کہ تو یہاں کیوں کھڑی ہے اس نے کہا کہ جلدی نہ کیجئے گھر میں چل کر دیکھئے کہ کس وجہ سے میں باہر آئی ہوں وہ جب گھر میں داخل ہوا تو دیکھا ایک بہت بڑا سانپ ہے (تو اس نے جوانی کے جوش میں) اس کے نیزہ مارا اور نیزہ ہی سے اس کو اٹھا کر اندر سے باہر صحن میں لایا جو نیزہ پر اچھل رہا تھا، ابو سعید خدری کہتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا ایہما کان اسرع موتا الرجل والحمیة، کہ کون پہلے مرے تو دونوں ہی لیکن یہ نہیں پتہ چل سکا کہ پہلے کس کی

موت واقع ہوئی، بہر حال دونوں ہی ختم ہو گئے، فاتی قومہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقالوا ادع اللہ ان یرد صاحبنا فقال استغفروا لصاحبکم، اس قصہ کے بعد اس نوجوان کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیجئے ہمارے آدمی کو وہ لوٹا دے، آپ نے فرمایا (مرنے کے بعد کوئی لوٹ کر دنیا میں نہیں آتا) اپنے آدمی کے لئے استغفار کرو، اور پھر آگے یہ ہے شر قال ان نفر من الجن اسلوا بالمدینۃ الخ اس کا ذکر ہمارے یہاں اوپر آچکا۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس نوجوان کے مرجانے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے زندہ ہو جانے کی دعا کی درخواست کیسے کی، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ ابھی یہ مرنا ہو بلکہ غشی اور بے ہوشی کی کیفیت ہو ایک مرض ہوتا ہے مرض سکتہ جس میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ آدمی مر گیا، اور یا ممکن ہے محبت اور بے قراری میں بے اختیار یہ درخواست کر دی ہو اور بہر حال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس دعا کی درخواست کے شایان شان تو ہیں ہی۔

باب کی آخری حدیث ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال اقتلوا الحیات کھا الا الحیات الابيض الذی کاڈہ قضیب فضة، حضرت ابن مسعود فرما رہے ہیں کہ حیات کو قتل کر دیا کرو سوائے اس سفید سانپ کے جو دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے چاندی کی چھڑی ہو، اور ترمذی میں عبد اللہ بن مبارک کے کلام میں ہے انما یکرہ من قتل الحیات الحیۃ الی تکون رقیقہ کا نہا فضة ولا تلوی فی مشیتہا، یعنی یہ قسم سانپ کی ایسی ہے جو چلتے وقت ٹیڑھا نہیں ہوتا بلکہ سیدھا چلتا ہے۔

## باب فی قتل الاوزاع

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقتل الوزغ وسماءہ فویسقا، کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وزغ یعنی گرگٹ جس کو کبرا بھی کہتے ہیں جو مشہور ہے تلون میں کہ اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے چھپکلی کے مشابہ ہوتا ہے لیکن دم اس سے زیادہ لمبی ہوتی ہے جنگل میں گھاس میں پھرتا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کا نام فویسق رکھا جو تصغیر ہے فاسق کی یعنی موزی جیسے کتاب الحج میں گذرا خمس فواسق یقتلن فی الحبل والحرم یہ بھی گویا ان ہی کی نظیر ہے۔

من قتل وزغۃ فی اول ضریۃ فلہ کذا وکذا حسنة ومن قتلها فی الضریۃ الثانیۃ فلہ کذا وکذا حسنة ادنی من الاولی۔ ومن قتلها فی الضریۃ الثالثۃ فلہ کذا وکذا حسنة۔ ادنی من الثانیۃ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے گرگٹ کو مار ڈالا پہلی ہی ضرب میں تو اسکو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی

اور جو دوسرے وار میں اس کو مارے تو اس کے لئے اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی۔ راوی کہہ رہا ہے جس نے عدد ذکر نہیں کیا کہ پہلے سے کم اور جس نے اس کو تیسرے وار میں مارا یعنی پہلے دوسرے میں نہر سکا بلکہ تیسرے میں تو اس کے لئے اتنی اتنی نیکیاں ہوں گی دوسرے وار میں مارنے والے سے کم، اس روایت میں ضربات ثلاث میں سے کسی کے اندر بھی عدد ثواب مذکور نہیں، اور صحیح مسلم کی روایت میں ضرب اول کے بارے میں ہے فلم تہت حسنة، اور یہاں ابو داؤد میں باب کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے انہ قال فی اول ضربہ سبعین حسنة،

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ضربہ ثانیہ و ثالثہ میں مارنے کا ثواب ضربہ اولی سے زائد ہونا چاہیے چونکہ قاعدہ یہ ہے الاجر علی قدر النصب کہ مشقت کے بقدر ثواب ملتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں مار ڈالنا احسن وقت ہے، حدیث شریف میں ہے ان اللہ تعالیٰ قد کتب الاحسان فی کل شیء، کہ ہر کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینا چاہیے، اور جس جانور کو مارنا مقصود ہو اس کو ایک ہی بار میں مار ڈالنا قتل کی حسن و خوبی ہے، اول تو مارنے والے کا کمال، دوسرے یہ کہ مقتول کو اذیت کم ہوتی ہے، اور اس استثناء کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلی بار مار ڈالنے میں مبادرت الی الخیر پائی جاتی ہے، نیز الہتمام بامر الشارع بار اول میں زائد سمجھ میں آتا ہے، پھر مشہور علی الاسنة ہے کہ اس کو قتل کرنے کا حکم اور اس میں یہ ثواب عظیم اس لئے ہے کہ یہ جانور بڑا موذی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے جو آگ جلائی گئی تھی یہ اس میں پھونک مار کر اضافہ کر رہا تھا، لیکن اسپر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کرے کوئی اور بھرے دوسرا یہ تو اسلام میں نہیں ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قتل اس پھونک مارنے کی سزا نہیں ہے بلکہ اس کے پھونک مارنے سے یہ پتہ چلا کہ اس کی طبیعت میں خباثت اور شر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جنس موذی کو مارنا چاہیے خواہ اس نے آپ کو اب تک ایذا نہ پہنچائی ہو، اور علماء نے اس کی خباثت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ پانی کے اندر اپنی رال ٹپکاتا ہے جس سے انسان کو ضرر عظیم پہنچتا ہے اور اگر اس کو کسی جگہ نمک رکھا ہو مائل جائے تو اس میں لوٹ پوٹ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ نمک خراب ہو جاتا ہے جس سے مرض برص پیدا ہوتا ہے، اور یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نمک پہنچنے میں اس کو کوئی صورت نہیں ملتی تو جہاں نمک رکھا ہوا ہے اس جگہ چھت پر چڑھ کر اور اس نمک کی محاذات میں ہو کر اس میں بیٹھ کر تاکتا ہے، کذا فی ہامش البذل۔

## باب فی قتل الذر

ذر کٹری جو چھوٹی قسم کی ہوتی ہے اور بہت زور سے کاٹتی ہے نفی مختار الصحاح الذر جمع ذرہ وہی اصغر النمل فقہار نے لکھا ہے کہ ہر موذی جس انور کو قتل کرنا جائز ہے لہذا اس کا قتل بھی جائز ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال نزل نبی من الانبیاء





ہو کہ ان صاحب قصہ نبی کی شریعت میں قتل نمل جائز تھا بلکہ احراق بالنار بھی جائز تھا۔ اور عباس اس واقعہ میں نہ تو احراق پر ہے نہ نفس قتل پر بلکہ نمل واحدہ سے زائد قتل کرنے پر ہے، لیکن ہماری شریعت میں احراق الحيوان بالنار جائز نہیں اور نہ قتل نمل جائز ہے حدیث ابن عباس کی وجہ سے یعنی اس باب کی حدیث ثانی کی وجہ سے۔ نووی کے اس کلام کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ امام نووی کے علاوہ دوسرے حضرات جیسے خطابی انہوں نے منع کی حدیث کو محمول کیا ہے نمل سلیمانی پر چنانچہ بغوی فرماتے ہیں کہ نمل صغیر یعنی وہ چھوٹی چھوٹی جس کو ذر کہا جاتا ہے اس کا قتل جائز ہے۔ الیٰ آخر ما فیہ۔ امام نووی نے تو نمل اور ذر میں کوئی فرق نہیں کیا اور مطلقاً چھوٹی کے قتل کو ناجائز قرار دیا لیکن خطابی اور بغوی نے دونوں میں فرق کیا ہے قتل ذر کو جائز اور نمل سلیمانی کو ناجائز قرار دیا، یعنی شائعہ کے یہاں، اور ملا علی قاری کی رائے بھی یہی ہے چنانچہ وہ حدیث ابن عباس جس میں قتل نمل سے ممانعت مذکور ہے وہاں لکھتے ہیں کہ منع کا تعلق خاص قسم کی چھوٹی سے ہے اور وہ وہ چھوٹی ہے جو بڑی قسم کی ہوتی ہے جس کی ٹانگیں لمبی لمبی ہوتی ہیں لاناہا قلیلیۃ الاذی والضرر اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا مذہب بھی وہی ہے جو بغوی اور خطابی کہہ رہے ہیں یعنی قتل ذر کا جواز اس کے موذی ہونے کی وجہ سے اور نمل سلیمانی کے قتل کا عدم جواز اس کے غیر موذی ہونے کی وجہ سے، چنانچہ وہ کاٹتی نہیں بخلاف چھوٹی کیرٹی کے جس کو ذر کہتے ہیں وہ موذی ہے اور بہت زور سے کاٹتی ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ باب کی پہلی حدیث جس میں کسی نبی کا قصہ مذکور ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ کیرٹی بھی ذر ہی تھی جس کا قتل ہماری شریعت میں بھی جائز ہے اور باب کی دوسری حدیث ابن عباس والی جس میں "النملہ" کا لفظ مذکور ہے منع کا تعلق اسی سے ہے اس کے غیر موذی ہونے کی وجہ سے یا قلیل الاذی ہونے کی وجہ سے۔

دوسری چیز حدیث میں جو مذکور ہے جس کے قتل سے منع کیا ہے وہ نخلہ یعنی شہد کی مکھی ہے، منع کی وجہ اس میں ظاہر ہے کہ وہ تو انسان کے حق میں مفید اور نافع ہے اور حدیث میں تیسری اور چوتھی چیز ہد اور مرد ہے ان دونوں کے قتل سے بھی آپ نے منع فرمایا، بذل میں سے لعدم اضرارہما ویس فی قبلہما فائدۃ اما اذا اخذھا لیزجھا للاکل فلا باس، یعنی ویسے ہی مار ڈالنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اضرار ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کو ذبح کرے کھانے کی نیت سے تو وہ امر آخر ہے اھ۔

ان دونوں پرندوں کی حالت مختلف فیہ ہے جیسا کہ ہامش بذل میں ہے، حنفیہ کے نزدیک دونوں حلال تو ہیں لیکن مکروہ، نقل ابن عابدین عن غرر الافکار اور ابن قدامہ نے امام احمد سے ہد اور مرد دونوں کے بارے میں حالت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ امام احمد سے دوسری روایت ان دونوں کی تحریم کی ہے، اور علامہ دمیری نے حیاۃ الحيوان میں اصح قول ان دونوں ہی کے بارے میں حرمت کا لکھا ہے، اس باب کی آخری حدیث: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

لہ ولفہ ہکذا: الاصح تحریم اکلہ لہنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن اکلہ لاند فتن الزبح ویقتات الدود، وقیل یکل اکلہ لاند یحکی عن الشافعی ←



فانطلق لِحاجته فرأينا حمرة الخوخية حديثاً یہاں بسندہ و متنہ مکرر ہے اس سے پہلے کتاب الجہاد باب کراہیۃ حرق العدو بالنار میں گذر چکی، اور ایک روایت تقریباً اسی کے ہم معنی پر زندہ کے چوزوں کے بارے میں کتاب الجنائز کے شروع میں بھی گذر چکی ہے ایک حدیث کے ضمن میں جو دیکھنا چاہیے اس کو بھی دیکھ لے۔

## باب فی قتل الضفدع

عن عبد الرحمن بن عثمان ان طبيبا سأل النبي صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ ضَفْدَعٍ يَجْعَلُهَا فِي

دَوَاعِئِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ قَتْلِهَا۔

یعنی ایک طبیب نے آپ سے مینڈک کے بارے میں کسی دوا میں ملانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسکے قتل سے منع کر دیا، جو الطہور مادہ داخل میٹہ کتاب الطہارۃ میں اس حدیث کی شرح میں ہیئت البحر کے بارے میں امام شافعی کا ایک قول یہ گذرا ہے کہ سب ضلال ہے سوائے ضفدع کے اسی حدیث کی بنا پر بئذ میں ضفدع کے بارے میں لکھا ہے کہ کہا گیا ہے کہ ضفدع ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھانے کے لئے پانی لے کر آتا تھا (بخلاف وزغ کے کام) و یقال انہا اکثر الدواب تسبیحاً، کہ تمام جانوروں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے، بئذ میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جس دوا کا ذکر ہے جس میں ضفدع کے ملانے سے منع کیا گیا ہے اس سے کھانسی کی دوا مراد ہے اھ گویا انتقاع بغیر الاکل جائز ہے۔

## باب فی الخذف

عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ

الخذف، قال انه لا يصيد صيدا ولا ينكأ عدواً وانما يفقأ العين ويكسر السن۔

خذف کہتے ہیں کوئی چھوٹی سی کتکری یا گٹھلی دوا انگلیوں (سبائتین) کے درمیان رکھ کر یا مسجو اور ابہام کے درمیان رکھ کر پھینکنا، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے خذف سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ نہ تو اس سے کوئی شکار ہوتا ہے اور نہ یہ دشمن کو زخمی کرتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی آنکھ میں لگ کر اس کو پھوڑ دے یا کسی کے دانت توڑ دے، یعنی خذف میں نفع کچھ نہیں، ضرر کا اندیشہ ہے،

ح۔۔ وجوب الفدیۃ فیہ و عندہ لا یغزی الا الماکول یعنی امام شافعی سے منقول ہے کہ اگر محرم اس کا شکار کرے تو اس میں فدیہ واجب ہے اور فدیہ ان کے نزدیک ماکول ہی جانور میں ہوتا ہے دلیل ان کی روایت ثانیہ یعنی حلت کی ہے، و کتب فی بیان الضرر: الاصح تحریر اکلہ لما رواہ الامام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ۔ و ذکر حدیث الباب۔ و قبل انہ یوکل لان الشافعی اوجب فیہ الجزاء علی المحرم اذا قتله و بہ قال مالک و۔۔

وہ جو آپ نے فرمایا کہ نہ تو اس سے کوئی شکار ہوتا ہے یعنی اس کا مقصود اس سے شکار کرنا ہوتا ہی نہیں، اور اگر وہ کسی جانور کے لگ کر اس کا شکار ہو بھی جائے تو ایسا شکار حلال نہیں ہو تو ذہونے کی وجہ سے، بخلاف تراویح کے یعنی تیر اندازی کی مشق کے کہ وہ سراسر مفید ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے الا ان القوة الرمی، کہ اس میں دشمن کے لئے تیاری ہے۔

غذف کا ذکر کتاب الحج میں رمی کے بیان میں گذر چکا مثل حصی الخذف، غذف عام طور سے لڑکے ہی کھیلتے ہیں تو گویا اس میں بچوں کو منع کیا گیا ہے اس حرکت سے کہ یہ خلاف ادب ہے اور یہ کتاب ہے بھی کتاب الادب،

والحدیث اخرجہ البخاری و مسلم وابن ماجہ، قالہ المتذری۔

## باب فی الختان

نشان کا ذکر اس سے پہلے کتاب الطہارة ابواب السواک میں عشر من الفطرة الحدیث کے ذیل میں آچکا ہے اس کا حکم بھی وہاں گذر چکا، اور دوسری مرتبہ اس کا ذکر ابواب الغسل اذا التقى الختان وجب الغسل میں بھی گذر گیا، یہاں پر اسکے بارے میں حدیث الباب میں ایک اور چیز اور ایک خاص ادب ذکر کیا گیا ہے۔

نام محمد بن حسان نا عبد الوہاب الکوئی عن عبد الملك بن عمیر، بعض نسخوں میں اسی طرح سے نا عبد الوہاب لیکن یہ غلط ہے اس لئے کہ رواۃ میں کوئی عبد الوہاب کوئی نہیں ہے اور نہ اس نام کا کوئی راوی عبد الملك بن عمیر کے تلامذہ میں ہے، اور صحیح وہ ہے جو بعض دوسرے نسخوں میں ہے: قال عبد الوہاب الکوئی، اور مطلب اس کا یہ ہے کہ مصنف کے اس حدیث میں دو استاذ ہیں سلیمان اور عبد الوہاب ان دونوں میں سے محمد بن حسان کی صفت، الکوئی صرف عبد الوہاب نے ذکر کی سلیمان نے نہیں۔

عن ام عطیة الانصاریة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امرأة کانت تختن بالمدينة فقال لہا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: لا تتھکی فان ذلك احظی للمرأة و احب الی البعل۔

ام عطیة انصاریہ جن کا نام شیبہ ہے یا سینہ، جن کے بارے میں کتاب بخاری میں یہ گذرا ہے کہ یہ غسل میت کا طریقہ خوب اچھی طرح جانتی تھیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو غسل دیا کرتی تھیں حتیٰ کہ ابن سیرین نے ان کی خدمت میں جا کر ان سے غسل میت کا طریقہ سیکھا۔ یہ یوں فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جو فتنہ لڑکیوں کا کیا کرتی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تو لڑکیوں کے فتنہ کرنے میں مبالغہ نہ کیا کر بلکہ معمولی سے قطع پر اکتفا کیا کر اس لئے کہ یہ عدم مبالغہ فی الختان عورت کے لئے زیادہ باعث لذت ہے اور مرد کو زیادہ محبوب، عورت کی شرمگاہ کے اوپر ایک کھال کا ٹکڑا ہوتا ہے عرف الدیک یعنی مرغے کی کلنگی کی طرح، لڑکی کے فتنہ میں اسی کو قطع کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں آپ نے اس عورت کو جو یہ کام کرتی تھی یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس کے کاٹنے میں

مبالغہ نہ کیا کرتھوڑا سا حصہ اس کا کاٹ کر کچھ باقی رہنے دیا کہ نہ ٹھک کے معنی کسی کام کو مبالغہ کے ساتھ کرنا، بخلاف لڑکے کے ختنہ کے کہ وہ اچھی طرح ہونی چاہیے جس سے پورا حشفہ ظاہر ہو جائے، لڑکی کے ختنہ میں خفض اور خفاض کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور لڑکے میں ختن اور ختان، اسی لئے لڑکیوں کے ختنہ کرنے والی کو خافضہ کہتے ہیں، اس عورت کا نام بھی جو خافضہ تھی ام عطیہ ہی تھا چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے عن الضحاک بن قیس کان بالمدينة امرأة يقال لها ام عطية تحفظ لجواری فقال لها رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يا ام عطية اخفضي ولا تنهكي فانه انظر للوجه واحظلي عند الزوج یہاں پر ابوداؤد کی روایت میں حدیث کو روایت کرنے والی ام عطیہ الانصاریہ میں وہ یوں فرماتی ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت تھی جو لڑکیوں کے ختنہ کیا کرتی تھی اور ابھی حاکم کی روایت سے یہ گذرا ضحاک بن قیس کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کو ام عطیہ کہا جاتا تھا وہ لڑکیوں کے ختنہ کیا کرتی تھی، ممکن ہے کہ یہاں ابوداؤد میں امراة کانت تختن، بالمدينة کا مصداق خود یہی ام عطیہ الانصاریہ ہوں جو راوی حدیث ہیں انہوں نے اپنے آپ کو غائب سے تعبیر کیا اور اپنا خافضہ ہونا ظاہر نہیں کیا، اسد الغابہ میں ام عطیہ الانصاریہ الحافظہ کا ترجمہ مستقل ہے اور ام عطیہ الانصاریہ جن کا نام نسیمہ ہے اور یہ کہ وہ اموات کو غسل دیا کرتی تھیں ان کا ترجمہ الگ ہے لیکن ام عطیہ خافضہ کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے قال ابو موسیٰ: واطنہا المذكورة یعنی ام عطیہ نسیمہ التی یاتی ذکرہا بعد ہذہ اھ والله تعالیٰ اعلم۔

قال ابوداؤد: روی عن عبید اللہ بن عمر عن عبد الملک بمعناہ واستادہ، بذل میں لکھا ہے کہ اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے عن عبید اللہ بن عمر۔ بدون الواو۔ اور بعض نسخوں میں عبید اللہ بن عمر ہے بفتح العین مع الواو وهو الصواب لانه عبید اللہ بن عمرو بن ابی الولید الاسدی مولاہم ابو صعب الجزری الرقی، روی عن عبد الملک بن غیر اھ۔  
قال ابوداؤد: ویس هو بالقوی، یعنی یہ حدیث قوی نہیں ہے جس کی وجہ خود مصنف نے بیان کی جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے: قال ابوداؤد محمد بن حسان جہول۔

فائدہ: حاشیہ بذل میں ہے: ثم فی ختانه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ثلاثة احوال بسطها صاحب الخميس ۲۰۴ واجملها ابن القيم ۱۹ وحكى عن كمال الدين ابن العديم انه ختن على عادة العرب وكان عموم هذه السنة للعرب قاطبة مغنيا عن نقل معين فيها، یعنی ابن العديم کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ختنہ پیدائش کے بعد حسب عادت عرب کی گئی، اور چونکہ ختنہ کا طریق عربوں میں عام تھا اس لئے اس کے لئے مستقل نقل کی کوئی حاجت نہیں سمجھی گئی، اسی طرح شامی ۲۵ میں ہے الاشبه بالصواب انه عليه السلام لم يولد مختونا یعنی صحیح یہی ہے کہ آپ قدرۃ اور پیدائشی مختون نہیں تھے۔

## باب ماجاء في مشي النساء في الطريق

اور ایک نسخہ میں ہے، فی مشی النساء مع الرجال فی الطريق۔

عن حمزة بن ابی اسید الانصاری عن ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول  
 وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطريق فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
 للنساء استأخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطريق، علیکن بحافات الطريق، فكانت المرأۃ تلصق بالجدار  
 حتی ان ثوبها لیتعلق بالجدار من بصوقها بہ۔

حمزہ بن ابی اسید روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابواسید انصاری سے۔ یہ اسید بضم الهمزة صحیح ہے بعض نے  
 بفتح الهمزة ضبط کیا ہے وہ صحیح نہیں قال المتذری، اسی طرح سند میں عن شداد بن ابی عمرو بن حماس، اس میں حماس  
 بکسر الحاء المہملہ ہے کما فی البذل، بعض کتابوں میں اس کو کاتب کے قلم سے حماس لکھا ہے وہ صحیح نہیں۔  
 ابواسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جبکہ آپ مسجد سے نکل  
 رہے تھے اور حال یہ کہ راستہ میں مرد عورتوں کے ساتھ مخلوط ہو گئے تھے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا عورتوں کو خطاب کرتے  
 ہوئے کہ مردوں سے پیچھے رہو اور دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ حاق طریق میں چلو یعنی سڑک  
 کے بیچ میں، تمہارے لئے ضروری ہے کہ سڑک کے کناروں کو اختیار کرو، راوی کہتا ہے کہ آپ کی اس ہدایت کے بعد  
 میں نے ہر ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دیوار سے مل کر چلتی تھی یہاں تک کہ اس کے کپڑے دیوار سے لگ جاتے تھے۔

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہی ان یشی  
 یعنی الرجل۔ بین المرأتین۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اس بات سے کہ مرد دو  
 عورتوں کے درمیان چلے، یعنی راستے میں چلتے وقت مرد کو عورتوں سے علیحدہ ہو کر چلنا چاہیے۔

## باب فی الرجل یسب الدھر

حدثنا محمد بن الصباح بن سفیان وابن السرح قالنا سفیان عن الزہری عن سعید عن ابی ہریرۃ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوفی بنی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر  
 بیدی الامر قلب اللیل والنهار قال ابن السرح عن ابن المسیب مکان سعید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
 وآلہ وسلم اسکے بعد بعض نسخوں میں یقول اللہ عزوجل ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا قول نقل  
 فرما رہے ہیں لہذا یہ حدیث قدسی ہوئی، مضمون حدیث یہ ہے حضور فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ یوں فرماتے ہیں کہ  
 ابن آدم مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے (وہ کیسے) کہ زمانہ کو گالی دیتا ہے برا بھلا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں، یعنی زمانہ  
 کو جن کاموں اور حالات کی وجہ سے وہ برا کہتا ہے ان افعال اور حالات کا پیدا کرنے والا تو میں ہی ہوں جملہ امور

میرے ہی ہاتھ میں ہیں دن اور رات کی گردش میری طرف سے ہے، یعنی بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مصائب کے پیش آنے کے وقت زمانہ کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں یا غیبۃ الدھر، وائے ناکامی زمانہ، علامہ عینی نے امام خطابی سے نقل کیا کہ اہل جاہلیہ مصائب و حوادث کی نسبت دھر کی طرف کرتے تھے اور اس طرح کے لوگوں کے دو فرقے تھے ایک فرقہ تو وہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں تھا اس کو پہچانتے ہی نہیں تھے سوائے دھر اور لیل و نہار کے تو وہ تمام ناگوار اور مکروہ چیزوں کو زمانہ ہی کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ زمانہ ہی کا فعل ہے، یہ فرقہ تو وہی ہے جس کو دھر یہ کہا جاتا ہے جن کا مقولہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ نقل کیا ہے وَمَا يَهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ اور ایک فرقہ وہ تھا جو خالق اشیاء کو پہچانتا تھا اور اس کا قائل تھا لیکن وہ مصائب اور ناگوار امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ ان کی نسبت دھر اور زمان کی طرف کرتا تھا، اور یہ دونوں ہی فریق اس بات میں مشترک تھے کہ دھر یعنی زمانہ کی مذمت اور اس کو گالی دیتے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کہنے سے منع کیا کہ زمانہ کو گالی دینا تو گویا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے اسلئے کہ جن ناگوار امور کو زمانہ کی طرف سے سمجھ کر زمانہ کو برا کہا جا رہا ہے وہ ناگوار امور اور مصائب زمانہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اس لئے یہ گالی زمانہ کی طرف سے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتی ہے وانا لدھر کو دو طرح پڑھا گیا ہے مرفوع اور منصوب، راجح ان میں سے رفع ہی ہے اور یہ مبتدا خبر ہے کہ زمانہ میں ہی ہوں یعنی زمانہ میں انقلابات اور تغیرات لانے والا میں ہی ہوں، ای انا خالق الدھر و مقبلہ (بذل) اور دھر کو منصوب پڑھا گیا ہے اس کو ظرف قرار دیتے ہوئے، یعنی جملہ امور میرے ہاتھ میں ہیں ہمیشہ سے طولی الدھر اور تقلیب لیل و نہار میں ہی کرتا ہوں، علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص افعال یعنی تغیرات و انقلابات میں سے کسی ایک کی نسبت زمانہ کی طرف حقیقہ کرے گا تو اس سے کفر لازم آجائے گا اور جس شخص کی زبان پر یہ لفظ بغیر قصد اور عقیدہ کے آجائے تو وہ کافر نہ ہوگا بلکہ یہ قول اس کے لئے مکروہ ہوگا اہل کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس اطلاق میں اور اسی طرح مطرفنا بنوء کذا کا حکم ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعض وہ علماء جو غیر محقق ہیں انہوں نے یہ بات کہی کہ دھر اللہ تعالیٰ کے اسم میں سے ہے اور یہ غلط ہے دھر اللہ تعالیٰ کے اسم میں سے نہیں ہے فان الدھر مدۃ زمان الدنیا اس لئے کہ دھر تو اس دنیا کے زمانہ کی مدت کا نام ہے۔

یہاں ابھی دو باتیں باقی ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا کیا مطلب، اسلئے کہ ایذا مستلزم ہے تازی کو، ایذا کے معنی ہیں تکلیف پہنچانا جس کے لئے تازی یعنی تکلیف کا پہنچنا اور اس سے متاثر ہونا لازم ہے حالانکہ تازی مقولہ الافعال سے ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی صفت یہ ہے کہ وہ فعال ملد یرید ہے اور وہ فاعل مختار ہے نہ کہ منفعل (دوسرے کے فعل کا اثر قبول کرنے والا) اللہ تعالیٰ تو ہر چیز میں مؤثر ہیں نہ کہ اس سے متاثر، اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ امام نووی نے فرمایا قوله یوذی من الایذار معناه یعاطی معاملۃ توجب الازی فی محکم یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا کہ ابن آدم



میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو خود ان کے اعتبار سے سبب ایذا ہے یعنی اگر کوئی انسان کسی دوسرے ایسے انسان کے ساتھ جو اس کا محسن اعظم و مربی ہو ایساگستاخانہ معاملہ کرے تو یقیناً اس کو اس سے اذیت ہوگی۔ اور بعض حضرات نے ایسا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جو اس کو ناپسند ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ شانہ کو کون ایذا پہنچا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے اوپر کہا کہ یہ حدیث حدیث قدسی ہے، حدیث قدسی کسے کہتے ہیں اور اس میں اور قرآن میں کیا فرق ہے، جواب: حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے، حدیث قدسی میں مضمون حق تعالیٰ شاذ کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہیں تو گویا حدیث قدسی کی حقیقت وحی غیر متلو ہے، اس کے بعد سمجھئے کہ قرآن اور حدیث قدسی میں علمائے کئی طرح فرق لکھا ہے (۱) قرآن قطعی ہے اور حدیث قدسی غیر قطعی، (۲) قرآن معجز ہے اور حدیث قدسی غیر معجز، (۳) قرآن کریم متلو ہے یعنی جس کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے اور حدیث قدسی غیر متلو ہے، (۴) قرآن کریم منزل من اللہ تعالیٰ ہے یعنی بلفظ و معنایہ، اور حدیث قدسی غیر منزل من اللہ ہے کیونکہ اس میں الفاظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، بہت سے حضرات محدثین نے صرف احادیث قدسیہ کو یکجا جمع کیا ہے اور یہ مطبوعہ کتابیں ملتی بھی ہیں ان ہی حضرات میں سے ایک مجموعہ ابن عربی کا ہے جس میں انہوں نے سوا حدیث قدسیہ جمع کی ہیں اور ایسے ہی شیخ عبدالغنی نابلسی کا بھی ہے ایک مجموعہ ہے، اور اسی طرح ایک مجموعہ ملا قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ان ہی میں سے علامہ عبدالرؤف المناوی بھی ہیں۔

۱۔ الفرق بین الحدیث القدسی والقرآن۔

- (۱) لابن القيم الجوزی، باثنی عشر وجہاً (۱) جواز تلاوتہ وروایۃہ للجنب دون القرآن۔ (۲) يجوز للمحدث من محله المكتوب وكتابة دون القرآن۔  
 (۳) انه لا یستعد الصلوۃ بہ ولا یسقط بہ فرض القرارة۔ (۴) انه لا یلحق بالمصحف ولا یدخل فیہ۔  
 (۵) انه لا یسبی قرآناً۔ (۶) انه لا ینسخ بہ القرآن عند من یقول السنۃ لا ینسخ القرآن۔ (۷) انه لا یضمن لتالیہ بكل حرف عشر حسنات۔  
 (۸) من منع بیع المصحف وشرائہ کاحمد والشافعی فی المشہور عنہ وجمهور السلف لا یمنع بیع من الکتاب المتضمن لہذہ الآثار وشرایہ بل هو عنہ بمنزلۃ کتاب الحدیث۔ (۹) انه يجوز روایۃ بالمعنی عند من يجوز روایۃ الحدیث بالمعنی بخلاف القرآن۔  
 (۱۰) انه لم یقع بہ التحدی والاعجاز ولا یبعضہ کما وقع بالقرآن ولعشر سور منہ ولسورۃ واحده منہ ولہذا لا یسبی الجملة منہ آیۃ ولا سورۃ بالتفاتی المسلمین  
 (۱۱) انه ینعزل منہ بما روی باخبار الاحاد ویشیت بہا والقرآن یشترط تعلقہ بالتواتر۔  
 (۱۲) انه یجوز نسخہ بالسنۃ ویكون حکمہ فی ذلک حکم نسخ السنۃ بالسنۃ والشرع علم بالصواب۔ (لابن القيم الجوزی)



سند کے اخیر میں ہے، قال ابن السرح عن ابن المہیب مکان سعید، مصنف کے اس حدیث میں دو استاد ہیں محمد بن الصباح اور احمد بن عمرو بن السرح، امام ابو داؤد قرار ہے ہیں اوپر سند میں جو عن سعید آیا ہے تو یہ لفظ محمد بن الصباح کے ہیں اور میرے دوسرے استاد ابن السرح نے بجائے عن سعید کے عن ابن المہیب کہا۔  
اب یہاں کتاب میں آخری لفظ سعید ہے اسی پر کتاب ختم ہے تو اب یہ سمجھئے کہ براءت اختتام اسی میں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب قارئین کتاب کو دایرین کی سعادت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔  
والحدیث اخرجه البخاری ومسلم والنسائی، قاله المتذری۔

وهذا الخوارزمت ابرادة في هذا الشرح وقد تهربه هذا الشرح بعون الله تعالى وتوفيقه، فالحمد لله اولاً  
والآخر والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه سرمداً وداشماً۔  
چونکہ اس شرح کی تکمیل بذیل المجهود کی طرح مدینہ منورہ میں ہوئی اور اس پوری شرح میں بذیل المجهود شریف من اولہ الی آخرہ ہمارے سامنے رہی اور درحقیقت الدر المنصور کا جو کچھ فیض اور نفع ہے وہ سب ہمارے شیخ و مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب المہاجر المدنی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ اور ان کے شیخ و مرشد یعنی صاحب بذیل المجهود الحدیث الکبیر والفقہ النبیل رئیس المناظرین حضرت مولانا قلیل احمد انہٹوی سہارنپوری المہاجر المدنی قدس سرہ ہی کی طرف منسوب ہے اسی لئے حضرت نے بذیل کے اخیر میں جو عبارت تحریر فرمائی اس کو یہاں استیرا کا نقل کراتا ہوں۔

قد تروك كل بتوفيق الله سبحانه وتعالى وحسن تسيده في المدينة المنورة في روضة من رياض الجنة  
عند قبور سيد ولد آدم بل سيد الخلق والعالم بتاريخ احد وعشرين من شهر شعبان سنة خمس واربعين ثلاث  
مئة والفا من هجرة النبي الامين اللهم تقبله منا كما تقبلت من عبادك المقربين الصالحين واجعله خالصا  
لوجهك الكريم واغفر لنا ما وقع منا من الخطأ والزل وما لا ترضى به من العمل فانك عفو كريم رب غفور رحيم۔

الدر المنصور علی سنن ابی داؤد کی یہ جلد سادس جو کہ آخری جلد ہے آج ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ بروز چہار شنبہ بوقت  
دوپہر بارہ بجکر دس منٹ پر مدینہ منورہ میں پوری ہوئی، آخر کی تین جلدیں بفقصدہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں لکھی گئیں  
عزیز گرامی قدر مولانا مولوی حبیب اللہ چیمپارنی ثم المدنی قادم خاص حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تعاون کیساتھ جمع مواد  
اور المار و تحریر میں، فجزاه اللہ تعالیٰ و سائر من اعانتی فی هذا التالیف احسن الجزاء و رزقنی و ایاہم لما یحبہ و یرضاه۔

محمد عاقل عقالتہ عنہ

۲۰ / ۱۲ / ۱۴۲۳ھ

